خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

سابق مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

حیات | أفکار | خدمات

ناشر
حجۃ الاسلام اکیڈمی
دارالعلوم وقف دیوبند

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

حیات — أفکار — خدمات

خطیب الاسلام حضرت مولانا **محمد سالم** صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

حیات – أفکار – خدمات

طبع اولیٰ: ۱۴۴۰ھ–۲۰۱۸ء

ISBN: 978-93-84775-10-0

باهتمام : حجۃ الاسلام اکیڈمی، دارالعلوم وقف دیوبند، سہارنپور، یوپی، الہند

Hujjat al-Islam Academy
Aljamia Al-Islamia Darululoom Waqf Deoband
Eidgah Road, P.O. 247554, Deoband
Distt. Saharanpur U.P. INDIA
Tel : +91-1336-222352, Mob: +91-9897076726
Email : hujjatulislamacademy2013@gmail.com
hujjatulislamacademy@dud.edu.in
Website : http://www.dud.edu.in
Printed at: Al Huda Printer, Delhi

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

بابِ اوّل : سیرت و شخصیت

باب دوم : افکار و نظریات

باب سوم : خدمات و آثار

منظوم

❖❖❖

مقدمہ

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب ❖

امت مرحومہ کے چودہ سوسالہ دورانیۂ علم وعمل کے تاریخی حقائق کے تناظر میں اگر منصفانہ جائزہ لیا جائے تو ایک حقیقت نمایاں وآشکارا ہوکر سامنے آتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تاریخ اسلامی کا کوئی عہد و قرن اور کوئی علاقہ علمائے ربانیین اور حق وصداقت کے علمبردار رجال علم وعمل اور افراد کی مختلف النوع خدمات واجتہادات سے بالکلیہ خالی نظر نہیں آئے گا البتہ یہ الگ بات ہے کہ منظر نامے پر نوعیتیں تبدیل ہوتی رہیں ہیں کبھی ایک ہی علاقے میں مخلص رجال کار کی کثرت نظر آتی ہے تو کبھی کسی عہد میں اسی علاقے میں یہ تعداد مائل بہ زوال وتخفیف کا نظارہ پیش کرتی ہے کبھی کسی دور میں کوئی ایک علم وفن بایں طور مائل بہ عروج نظر آتا ہے کہ ایسا لگتا ہے اہل علم وعمل کا سیل رواں ایک ہی سمت میں رواں دواں ہے اور علم وفن کے کسی مخصوص میدان میں نت نئی مطول ومختصر تحقیقات منظر عام پر آرہی ہیں تو کبھی کسی عہد میں مختلف اصحاب علم وآگہی مختلف علمی میدانوں میں مصروف عمل ہیں اور اپنے اپنے علمی تبحر وتفردات سے ایک زمانے کو سیراب بھی کررہے ہیں اور پیش آمدہ مسائل کے حل بھی پیش کررہے ہیں اور علوم ومعارف کی نت نئی گرہیں کھل رہی ہیں اور علم اپنے مزاج فطرت کے مطابق عروج وارتقاء کی راہ پر گامزن ہے گویا عمارات علم وفن کی تعمیر کو پیش رو نسل نے جس جگہ چھوڑا تھا اگلی نسل نے اس تعمیر پر مزید ارتقاء کی منزلیں تعمیر کردیں یوں ہر دور کے اندر علوم وفنون کو ترقی کی راہیں ملتی رہیں جس میں ہر دور کے زاویۂ فکر ونظر اور مزاج رد وقبول کو بڑا دخل رہا ہے اور علم وفن کے ارتقاء کی تاریخ میں عبقری فکر ونظر کے حاملین اصحاب فضل وکمال نے اپنی وسیع النظری اور وسیع الفکری سے اس حقیقت ارتقاء کی اساسی حیثیت کی اہمیت کو ہمیشہ تسلیم کیا ہے اور اس کے برخلاف دیگر اقوام وملل عالم کا تاریخی وقائع سے لیکر ان کا مذہبی، سماجی، معاشرتی اور معاشی منظر نامہ ان مخصوص زاویہ ہائے فکر ونظر سے اسلامی تاریخ کے بمقابلہ ویران وتہی دست نظر آئے گا اور اگر کہیں کسی بھی سطح پر خواہ علمی ہو کہ اخلاقی ہو فنی ہو کہ سماجی ہو معاشرتی ہو کہ معاشی ہو سرسبزی وشادابی نظر آئے گی تو اس کی تہہ میں اسلام کے مستعارات کی جھلک ضرور ملے گی اور کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی مرحلے پر اسلامی علوم وفنون کے مرہون منت نظر آئیں گے۔ گویا کہ اسلام کے ارتقائی خصائص کے مستعارات کو جائے خشت اساس قرار دیئے بغیر ان

❖ مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

کے لئے بھی ترقی کی راہیں مسدود تھیں۔ ذات حق جل مجدہ نے بقائے کائنات اور ارتقائے بنی نوع انسانی کی حکمت تکوین کی خشت اساس اپنی خاص صفت علم سے بنی نوع انسان کو سرفراز فرما رکھی ہے اور انسان کو یہ صلاحیت واستعداد عطاء فرمائی کہ علوم وفنون کے رموز ہائے سربستہ کو کھولتا جائے اور ترقی کرتا جائے، **ثم رددناہ اسفل سافلین إلاالذین آمنوا وعملوا الصالحات فلھم اجر غیر ممنون.** چنانچہ اس کلیۂ ثابتہ کی روشنی میں اگر غور وفکر کریں تو بادنیٰ تأمل یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ذات حق جل مجدہ نے بقائے کائنات اور ارتقائے کائنات کے لئے اس عالم فنا میں دو نظام قائم فرمائے ہیں، بقائے کائنات کا تعلق نظام ہدایت سے ہے جب کہ ارتقائے کائنات کا تعلق نظام قدرت سے ہے اور دونوں نظاموں کے اپنے اپنے اصول وقوانین ہیں، جب تک قدرت کے متعین کردہ اصول وقوانین حیات انسانی میں روبہ عمل رہیں گے اس وقت تک اس کے صالح اور مثبت نتائج بقاء وارتقاء کے ضامن رہیں گے اور جہاں ان اصول و قوانین سے انحراف کیا گیا تو ان کے نتائج واثرات انسان کے حق میں مہلک بن جائیں گے اور یہ کلیہ بہر دو نظاموں پر منطبق ہوتا ہے، علی سبیل المثال اقوام عالم کا ایک دوسرے پر غلبہ ومغلوبیت کا تعلق اس دنیا میں قائم نظام قدرت سے مربوط ہے جس کی آسان تفہیم یہ ہے کہ اگر چہ دور حاضر میں مغرب کی باطل پرستی مغربی دنیا تک محدود نہیں ہے بلکہ مشرق اقصیٰ اور وسط ایشیا سمیت مشرق بعید تک اس کے قبیح ومہلک اثرات کا غلبہ ہے تو مغرب کے بہمہ نوع اس عالمگیر غلبے اور مشرق کی مظلومانہ مغلوبیت کے آثار ونتائج کا اگر تجزیہ کریں تو اس کا بالفاظ مختصر خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ اس کے تین ہی اسباب ہیں ایک طاقت، دوسرے علم، تیسرے اخلاق، کیونکہ غلبہ ومغلوبیت کا تعلق نظام قدرت سے مربوط ہے اسی لئے یہاں علم سے مراد معاصر دنیا کے علوم وفنون ہیں چنانچہ نظام قدرت کے قوانین کا اصول یہ ہے کہ اگر باطل پرست بھی اس کے مطابق ہو جائے تو وہ بھی دنیا پر غلبہ حاصل کر لے گا اور اگر مومن بھی اس کی خلاف ورزی کرے گا تو وہ بھی مغلوب ہو جائے، یا مثلاً زہر ایک جان لیوا شے ہے مومن کھائے گا وہ بھی مر جائے گا کافر کھائے گا وہ بھی مر جائے گا کیونکہ اس کی ماہیت اور اس ماہیت کے آثار ونتائج کا تعلق نظام قدرت سے مربوط ہے، مومن وکافر کے لئے زہر کے نتائج مختلف نہیں ہو سکتے ہیں چنانچہ طاقت، علم اور اخلاق یہ مغرب کے عالمگیر مادی وفکری غلبے کے اجزائے ترکیبی ہیں جو کہ ذات حق جل مجدہ کے متعین کردہ اصول وقوانین قدرت سے بہمہ نوع مربوط ہیں چنانچہ امت مسلمہ سمیت تمام اقوام عالم کی تاریخ غلبہ ومغلوبیت انہی اجزائے ترکیبی کی مرہون منت نظر آئے گی عروج امت اور زوال امت کی بنیاد میں انہی اصولوں کے اتفاق وانحراف کے نتائج وآثار نظر آئیں گے۔

اب اسی ضمن میں ذات حق جل مجدہ کے قائم فرمودہ نظام ہدایت کی بات کرتے ہیں جس کو بقائے کائنات میں حکمت تکوین کے مطابق خشت اساس کی حیثیت حاصل ہے، اس نظام کا تعلق عالم امر سے لیکر

عالم خلق تک بایں طور مربوط ہے کہ اس کے آثار ونتائج عالم روحانیات سے لیکر عالم مادیات تک مرتب ہوتے ہیں، حق تعالیٰ نے اس کے اپنے اصول وقوانین مرتب فرمائے ہیں، نظام قدرت اور نظام ہدایت میں قدر مشترک یہ ہے کہ وہاں بھی صالح اور مثبت نتائج حاصل کرنے کے لئے ذات حق جل مجدہ کے متعین فرمودہ اصول وقوانین کی پابندی لازمی تھی اور یہاں بھی اصول وقوانین کی پابندی ضروری ہے، وہاں بھی اصول و قوانین سے انحراف مہلک تھا یہاں بھی انحراف تباہ کن ثابت ہوگا، اس نظام کے بھی تاریخی وقائع بنی نوع انسانی کے عروج وزوال کے گواہ ہیں تو اس نظام کے بھی عروج وارتقاء اور قبولیت ومقبولیت کے علی الرغم ذلت و مسکنت اور تباہ حالی کے بے شمار واقعات کی شہادتیں تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں، جس طرح نظام قدرت سے کامیاب نتائج حاصل کرنے کی بنیاد واساس طاقت، علم اور اخلاق ہیں، یہاں بھی فرق مرادات کے ساتھ علم واخلاق اور طاقت اجزائے ترکیبی ہیں، وہاں طاقت سے مادی وافرادی قوت مراد ہے، علم سے مراد نوع بہ نوع معاصر دنیا کے علوم ہیں اور اخلاق سے مراد اصول جہانبانی کا ادراک وعمل ہے بعینہ یہی نظام ہدایت کی بھی بنیاد واساس طاقت علم اور اخلاق ہیں، فرق یہ ہے کہ یہاں علم سے مراد کلام اللہ کے ضیا پاش حقائق کی روشنی میں بہمہ نوع الٰہیات کے علوم ومعارف ہیں، طاقت سے مراد ان علوم ومعارف سے حاصل شدہ مثبت اور صالح آثار ونتائج اور اعمال کے ذریعہ حاصل کی جانے والی قوت ہے اور اخلاق سے مراد حسب تصریح احادیث نبوی علیہ الصلوۃ والسلام عمل پیرا ہونے اور رہنے کا عنوان ہے، ادھر بھی اتفاق وانحراف کی صورت میں حسب حال غلبہ یا مغلوبیت پر نتائج وآثار منتج ہوں گے تو ادھر بھی کارفرما عوامل کے حسب حال نتائج نظر آئیں گے، گویا کہ بہر دو نظام میں آثار ونتائج کی صالحیت وہلاکت کا انحصار ذات حق جل مجدہ کے دونوں نظام کے لئے متعین فرمودہ اصول وقوانین کی قرار واقعی پاسداری اور استمرار عمل پر ہے۔

علم واخلاق اور قوت کے اس مثلث میں بہر دو جانب مرکزیت علم واخلاق کو حاصل ہے اور قوت ظاہری اور قوت معنوی اول الذکر بہر دو صفات کا حاصل نتیجہ ہیں تاہم تفصیل سے قطع نظر اس کی صدہا امثال سیرت طیبہ میں جا بجا موجود ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے مقصد رسالت کا حصر علم واخلاق میں فرمایا ہے، **انّما بعثت معلماً** اور **بعثت لاتمم مکارم الاخلاق**. انہیں دو کلیدی مقاصد کے گردا گرد ذات حق جل مجدہ نے اس کے لازمی آثار قوت کو روحانی وافرادی شکل میں خود بخود جمع فرما دیا اور یہی روحانی وافرادی قوت ہے جس کی ایک جماعت نے حسب مشیئت رب جل مجدہ علوم وفنون کے ارتقائی مزاج کو اپنے تبحر علم اور فکر رسا سے عظمت کی محیر العقول بلندیوں تک پہونچایا، اور تنوعات علم سے ایک دنیا کو بہرور فرمایا، چنانچہ خیر القرون سے لیکر تا حال اس کہکشانی سلسلۂ علم وعمل کا اس زاویۂ فکر ونظر سے اگر جائزہ لیا جائے تو ادوار وقرون کی زمانی اصطلاحات کے علی الرغم علمی خدمات کا دائرہ خواہ من حیث الجماعت ہو یا من

الحیث الفرد ہو بالکل بالائی سطح پر جا کر مختلف النوع علوم و معارف میں ایک خاص قسم کا ارتباط پایا جاتا ہے جس نے چودہ صدیوں پر محیط علوم و معارف کے اس سلسلۂ ذھب کو ایک لڑی میں پرویا ہوا ہے۔ علم و عمل کے اسی کہکشانی سلسلے کی درخشاں و تابندہ ایک شاخ ہے جو کہ علمائے دیوبند کے نام سے موسوم ہے جس کی ہمہ نوع و ہمہ جہت شہرۂ آفاق علمی و عملی، ملی و سیاسی، فکری و نظریاتی، دینی و روحانی رفیع القدر خدمات کا دورانیہ ڈیڑھ صدی کی غیر منقطع طوالت کو تاحال محیط اور ناقابل فراموش ہے، اسلاف کا علم و عمل اخلاف کے لئے نمونۂ عمل اور مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے اور نظام ہدایت میں رجال سازی اور شخصیت سازی مقصدی اعتبار سے جس اہمیت کی حامل ہے وہ اہل علم و فکر و نظر سے مستور نہیں ہے، بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی دوررس نتائج کی حامل تحریک مدارس کی بنیاد میں رجال سازی اور شخصیت سازی کی مقصدیت کے ہی عناصر کارفرما ہیں، دارالعلوم دیوبند کا قیام اسی رفیع القدر مقصدیت کا مشاہداتی شاہکار ہے اور اس کے ڈیڑھ سو سالہ آثار و نتائج اور شواہد اس کے انہیں مابہ الامتیازات کے ثبوت بھی ہیں۔

بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام الامام مولانا محمد قاسم نانوتوی، فقیہ الامت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہما اللہ سے لیکر مابعد تک کے ہمارے تمام اکابر و اسلاف کی تابندہ و پائندہ جگ روشن آشکارا وسیع الفکر علمی، عملی، دینی، اسلامی، تعلیمی، تعمیری، ملی، سیاسی، انتظامی ہمہ انواع و جہات جہود و کاوش میں قدر مشترک کے طور پر اہداف و مقاصد کے لحاظ سے ایک تاریخی تسلسل و استمرار سے بایں طور مربوط ہے کہ اگر درمیان سے کسی ایک شخصیت کو حذف کرنا تو دور کی بات ہے ان کی قرار واقعی خدمات میں استخفاف سے بھی کام لیا جائے تو میری نظر میں وہ پوری عمارت کو متزلزل کر دینے کے مترادف ہے کیونکہ عموماً اہل علم اور اصحاب فکر و دانش اس حقیقت واقعہ کے اثبات پر متفق الخیال پائے جاتے ہیں، اپنے اسلاف سے مضبوط رشتہ ہی ان کے اخلاف کی سربلندی کا ضامن اور ان کی سعادت کا استعارہ ہے، تاریخ کے اوراق میں جابجا اس کے شواہد موجود ہیں کہ نظام ہدایت میں اسلاف و اخلاف کے درمیان اس باہمی ارتباط کو کلیدی حیثیت حاصل ہے جب کہ اس کے برخلاف یہ بھی ایک مشاہد حقیقت ہے کہ جس جماعت یا وسیع تر تناظر میں جس قوم کا رشتہ اپنے اکابر و اسلاف کی رفیع القدر خدمات سے کٹ جائے یا کاٹ دیا جائے یا کمزور پڑ جائے تو اس کا وجود بحیثیت جماعت کے یا بحیثیت قوم کے رفتہ رفتہ صفحۂ ہستی سے مٹ کر تاریخ کے صفحات میں اس طرح گم ہو کر داستان پارینہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے کہ آنے والی نسلیں نظائر عبرت کے ذیل میں اس کا تذکرہ کرتی ہیں کیونکہ اسلاف کے علمی و عملی اوصاف و امتیازات ان کی خصوصیات ان کے کمالات، غیرت و خودداری کے جذبات اور عظمت و شرافت اور شجاعت کے واقعات ان کے علمی و عملی کارنامے غیرت مند اور خوددار اخلاف کے لئے سرچشمۂ حیات اور محرک عمل کے مثل ہوتے ہیں اگر ان سے ہی رشتہ کمزور پڑ گیا تو

ان کی رگوں میں وہ گرم خون کہاں سے آئے گا جو کہ معنوی زندگی کا سرچشمہ اور تحریک عمل کی بنیاد واساس بن سکتا تھا گویا کہ اپنے اسلاف سے علمی وعملی ارتباط کو باقی اور قائم رکھنا اپنے لئے ارتقاء کی مضبوط بنیاد واساس کی فراہمی کے لئے بھی ناگزیر ہے نیز اپنے اکابر واسلاف کی قرار واقعی تاریخی اہمیت کی حامل عظیم تر خدمات کو افراط وتفریط کے غیر ضروری اور لاحاصل ملمع سازیوں کے عمومی طور طریقوں سے محفوظ رکھتے ہوئے رخصت پذیر شخصیات کے احوال وکوائف، واقعات ومشاہدات، نظائر وتجربات کا علمی انداز وبیان میں بحث وتحقیق اور تنقیح وتنقید کے مسلمہ اصولوں اور کسوٹی پر پرکھ کر آنے والی نسلوں کی حیات معنوی کو بنیاد و اساس فراہم کی جاسکے کیونکہ یہی علمی وعملی اور تاریخی ارتباط دنیا میں ہمارے معنوی وجود وبقاء کی ضمانت ہے چنانچہ رخصت پذیر شخصیات کی سوانح اپنی مقصدیت کے اعتبار سے شخصیت کو زندہ رکھنے کو نہیں بلکہ ان کے علمی وعملی، ملی وتاریخی کارناموں نیز ان کے ذریعہ ارتقاء پذیر علوم وفنون کو ضبط تحریر کے وسیلے سے آنے والی نسلوں میں تحریک عمل کو فروغ دینے جیسے عظیم تر مقاصد کو محیط ہوتی ہیں۔

مؤرخہ ۱۲/۱۳/ اگست ۲۰۱۸ء کو دارالعلوم وقف دیوبند میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نوراللہ مرقدہ سابق مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند ونائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی ۷۵ سالہ جگ آشکارا عظیم تر علمی وعملی، فکری وتعلیمی، ملی وتاریخی، دینی واصلاحی حیات وخدمات کا جائزہ اور اتحاد بین المسلمین کے نقیب ومنّاد کی حیثیت سے ان کی مدۃ العمر عرق ریز جہد وکاوش اور جماعتی سطح سے لیکر ملکی وبین الاقوامی سطح تک خوشگوار انداز میں مرتب ہونے والے اس کے آثار ونتائج اور اس تعلق سے ان کے زاویہ فکر ونظر، دلائل وبراہین اور اساس الجہود کے مختلف پہلوؤں اور متنوع گوشوں وجہتوں سے بحث و تحقیق اور تنقیحاتی اصولوں کی بنیاد پر عالمانہ وناقدانہ جائزہ ہی دراصل اس دوروزہ سہ لسانی سیمینار کے انعقاد کا بنیادی اور اساسی مقصد تھا تاکہ آنے والی نسلوں کو کارگاہ حیات میں تحریک عمل کی اساس فراہم ہوسکے اور بالخاص دور حاضر کے پیش آمدہ پُر پیچ ومخدوش احوال میں اتحاد بین المسلمین کی مقصدیت واہمیت ان قلوب و اذہان میں قرار واقعی جگہ پاکر تحریک عمل کے فروغ وحوصلۂ جہد کا ذریعہ بن سکیں نیز ذاتی اغراض ومقاصد پر ملی مفادات کے تحفظ کی بالادستی کو بایں طور بھی اہمیت حاصل ہوسکے کہ اگر ذاتی اور محدود تر مفادات پر اتحاد بین المسلمین کی خاطر ملت کے وسیع تر مفادات کو اخلاص وایثار اور للّٰہیت کے ساتھ ترجیحی بنیاد پر بروئے عمل لایا جائے تو ۲۳ سال کے بظاہر اسباب ناقابل حل پیچیدہ مسائل کو حل ہونے میں ۲۳ منٹ بھی نہیں لگتے، اس تاریخ ساز سیمینار کی مقصدیت میں یہی عوامل کارفرما تھے۔

بارگاہ رب العزت میں بلاشک وریب یہ حقیقت لائق صد شکر ہے کہ ملت کا سواد اعظم اس مقصدیت پر متفق الخیال ہے جس کی مثل شمس وقمر روشن دلیل اس عظیم الشان اور تاریخ ساز سیمینار میں

اصحاب علم وفضل علمائے کرام وسیع الفکر اور وسیع العلم مفکرین ومشاہرین اور بلاتفریق دینی وعصری مقتدر ترین مختلف علمی وتعلیمی، ملی وفکری طبقات ودوائر واجتماعیات اور تنظیمات وشعبۂ جات سے تعلق رکھنے والے اصحاب فضل وکمال اور مختلف علوم وفنون کے شہ سوار اصحاب قلم کی واجب التشکر شرکت ہے، جس میں ان کے وقیع ترین تأثراتی خطابات اور نہایت بلند پایہ مقالات ونگارشات نے اس سیمینار کو عنداللہ قبولیت اور عندالناس مقبولیت کی دلیل فراہم کی ہے جس کے لئے جماعت دارالعلوم وقف دیوبند کے جملہ اراکین بارگاہ رب العزت میں بہزار سجدۂ شکر از روئے حدیث رسول علیہ الصلوۃ والسلام **من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ** کے بموجب تمام ہی شرکائے سیمینار کی خدمت میں باخلاص نیت اور بصمیم قلب ہدیۂ تشکر پیش کرتے ہیں۔ **فجزاکم اللّٰہ احسن الجزاء.** ان ہی وقیع تر مقالات وتأثرات وپیغامات کا یہ بیش قیمت مجموعہ کتابی اور دستاویزاتی شکل میں آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

یقیناً ناسپاسی ہوگی اگر اس موقعہ پر اس تاریخ ساز سیمینار کے کامیاب انعقاد اور اس کے جملہ مراحل کے عوامل سے وابستہ افراد کار کا تذکرہ نہ کیا جائے جن کی شبانہ روز محنتوں اور کاوشوں اور اس کے مثبت ومستقبل آفریں نتائج کے اعتراف میں تمام ہی شرکائے سیمینار نے کسی بھی درجہ میں استخفاف سے کام نہیں لیا بلکہ نہایت بلند وبالا اور اپنے مقام علم وعظمت سے وقیع تر کلمات کے فراخ دلانہ اعتراف سے جواں سال افراد کار کے حوصلوں کو جلا بخشی ہے۔

دارالعلوم وقف دیوبند کے شعبۂ بحث وتحقیق حجۃ الاسلام اکیڈمی کے ڈائریکٹر واستاذ ادارہ جناب مولانا محمد شکیب قاسمی صاحب اور مرحلہ بہ مرحلہ لمحہ بہ لمحہ ان کی جہود وکاوشوں اور شبانہ روز محنتوں میں شانہ بشانہ جواں سال جملہ رفقائے کار کی بھرپور شرکت اور ادارے کے اساتذۂ کرام واراکین کے مربیانہ فکری مشورے اور عملی جہود اور حسب ہدایت طلبائے عزیز کی مخلصانہ کوششیں اور بروقت تعمیل وحسن کارکردگی اس سیمینار کے کامیاب انعقاد کے بنیادی واساسی عوامل کا قابل ذکر حصہ ہیں جو کہ یقیناً اظہار تشکر وحوصلہ افزائی کا استحقاق رکھتے ہیں، بارگاہ رب العزت میں تمام ہی شرکاء وبہمہ نوع رفقائے کار کے حق میں دست بہ دعاء ہوں حق تعالیٰ ان کے مثبت اور آہنی عزائم وارادوں اور ان کی مخلصانہ جہود وکاوشوں کو ادارے کے حق میں نفع بخش بنائیں اور ادارے کو جملۂ شرور وفتن کے مضر اثرات سے ہمیشہ محفوظ ومامون رکھیں۔ آمین یارب العالمین

وما توفیقی إلا باللّٰہ العظیم وبك نستعین

❖ ❖ ❖

رپورٹ

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ
حیات و خدمات
بین الاقوامی سیمینار

مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی ❖

حرف اولین!

فکر ولی اللّٰہی کے سرخیل، فکر قاسمی کے ترجمان، مسلکِ دیوبند کے شارح، اسلاف کی روایات کے پاسبان، علوم نانوتویؒ کے امین، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ کے حقیقی جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند و نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) کی عالمگیر، آفاقی، ہمہ جہت، عبقری شخصیت، علم وعمل کا مجمع البحرین، موجودہ دور میں ایک نعمت غیر مترقبہ، اکابر واسلاف کے حسنات کی جامع اور ان کی عظیم یادگار تھی، جنھوں نے اپنے علمی کمالات، عرفانی رفعت اور نسبتوں کی جامعیت کی بناء پر اہل علم وفن اور ارباب فکر ونظر کے مابین اپنی بصیرت افزا نکتہ آفرینیوں اور متکلمانہ شان کی بناء پر ایک منفرد وممتاز مقام حاصل کیا، جس کی بنیاد پر وہ موجودہ دور میں اس دینی، علمی واصلاحی تحریک کے سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی، فکر دیوبند کے آخری ترجمان اور ایک متفقہ و مسلمہ شخصیت قرار پائے، انھوں نے علمی وفکری اعتبار سے عصری ضرورتوں کا ادراک کر کے مقتضیات زمانہ کو سامنے رکھ کر اسلام کی جو عظیم و ناقابل فراموش خدمات انجام دیں اور حکمت قاسمیہ کی جس انداز میں تسہیل وتوضیح کی ہے وہ تاریخ کا ایک زریں باب ہے، جس کے پس منظر میں کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اسلام کی حقیقی ترجمانی کا بھرپور فریضہ انجام دیا ہے۔ آپ کی حیات اپنے ظاہری ومعنوی کمالات کے ساتھ ایسی وسیع، ہمہ گیر اور مختلف الجہات تھی جس سے اقصائے عالم مستفیض ہوا، ہند اور بیرون ہند کے تشنگان آپ کے علوم و معارف سے سیراب ہوئے، ان کے علمی تفردات، عملی سرگرمیاں نسل نو کیلئے مشعل راہ اور نشان منزل ہے۔

تراث سلف کا احیاء اور تذکار اکابر حجۃ الاسلام اکیڈمی کے مقاصد کا ایک اہم جز ہے، چنانچہ اسی کے پیش نظر حضرت علیہ الرحمہ کی ناقابل فراموش عظیم خدمات اور کارناموں کو خراج عقیدت پیش کرنے اور نسل نو

❖ ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی، دارالعلوم وقف دیوبند و کنوینر ''خطیب الاسلامؒ: حیات وخدمات'' سیمینار

کو آپ کی ہمہ جہت وہشت پہلو شخصیت سے متعارف کرانے کی غرض سے حجۃ الاسلام اکیڈمی کے زیر اہتمام مؤرخہ ۱۲/۱۳/ اگست ۲۰۱۸ء بروز اتوار و پیر، دارالعلوم وقف دیوبند میں ''حضرت خطیب الاسلامؒ: حیات و خدمات'' کے عنوان سے درج ذیل اہداف ومقاصد کے تحت ایک عظیم الشان دوروزہ بین الاقوامی سہ لسانی سیمینار کے انعقاد کا فیصلہ لیا گیا۔

اہداف ومقاصد

سیمینار کے اہداف ومقاصد جو کہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے خطبہ استقبالیہ سے مستفاد ہے یہ ہیکہ: دوروزہ سیمینار کے انعقاد میں اہم اور بنیادی اہداف ومقاصد کے خدوخال جو کہ اس کی مقصدیت کو محیط ہیں، اس کی اجمالی تمہید یہ ہے کہ بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتوی نوراللہ مرقدہ اور فقیہ الامت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سے لیکر مابعد تک کے ہمارے تمام اکابر و اسلاف کی روشن وآشکارا علمی، عملی، دینی، اسلامی، تعلیمی، تعمیری، ملّی، سیاسی، انتظامی بہمہ انواع جہود وکاوش میں قدر مشترک کے طور پر اہداف ومقاصد کے نقطہ نظر سے اگر جائزہ لیا جائے تو بہ ادنی غور وفکر کے بعد جو حقیقت سامنے آتی ہے اس کا خلاصہ صرف اتنا ہے کہ زاویۂ فکر ونظر میں خواہ کتنا ہی تفاوت کیوں نہ ہو، میدان عمل خواہ ایک دوسرے سے کتنا ہی مختلف کیوں نہ رہا ہو لیکن ان کے اہداف ومقاصد ایک تاریخی تسلسل واستمرار سے بایں طور مربوط ہیں کہ اگر درمیان سے کسی ایک شخصیت کی خدمات کو حذف کرنا تو دور کی بات قرار واقعیت میں استخفاف سے بھی کام لیا جائے تو میری نظر میں وہ پوری عمارت کو متزلزل کر دینے کے مترادف ہے، کیونکہ جس جماعت یا جس قوم کا رشتہ اپنے اسلاف واکابر کی جگ روشن خدمات سے کٹ جائے یا کاٹ دیا جائے یا کمزور پڑ جائے تو اس کا وجود بحیثیت ایک جماعت کے یا بحیثیت ایک قوم کے صفحہ ہستی سے مٹ کر تاریخ کے صفحات میں اس طرح گم ہوکر داستان پارینہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے کہ آنے والی نسلیں نظائر عبرت کے ذیل میں اسکا تذکرہ کرتی ہیں کیونکہ اگر اسلاف کے علمی وعملی اوصاف وامتیازات ان کی خصوصیات ان کے کمالات غیرت وخودداری کے جذبات اور عظمت وشرافت کے واقعات ان کے علمی عملی کارنامے جو کہ غیرت مند وخوددار اخلاف ومنتسبین کے لئے سرچشمہ حیات کے مثل ہوتے ہیں اگر ان سے ہی رشتہ کمزور پڑ گیا تو انکی رگوں میں وہ گرم خون کہاں سے آئے گا جو کہ معنوی زندگی کا سرچشمہ اور تحریک عمل کی بنیاد واساس بن سکتا تھا گویا کہ اپنے اسلاف سے علمی وعملی ارتباط کو باقی اور قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اکابر واسلاف کی قرار واقعی تاریخی اہمیت کی حامل خدمات کو افراط وتفریط کے غیر ضروری ولایعنی ملمع سازیوں کے طور طریقوں سے محفوظ رکھتے ہوئے اور اس سے بھرپور اجتناب برتتے ہوئے رخصت پذیر شخصیت کے احوال وکوائف، واقعات ومشاہدات، نظائر وتجربات کا بحث وتحقیق، تنقیح و

تنقید کے مسلمہ اصولوں وکسوٹی پر خوب جانچ پرکھ کر آنے والی نسلوں کی حیاتِ معنوی کو تحفظ فراہم کیا جائے، کیونکہ یہی علمی و تاریخی ارتباط علمی و عملی دنیا میں ہمارے معنوی وجود و بقا کی ضمانت ہے۔

دعوت نامہ برائے سیمینار

درج بالا مقاصد کے تحت انعقاد سیمینار کے فیصلے کے بعد جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہ (مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند) نے ملک کے نامور علمائے کرام، ممتاز مقالہ نگار، نامور قلمکار، ارباب علم وفن اور اہل دانش وبینش کو برائے مقالہ نگاری بہ زبان اردو درج ذیل خصوصی دعوت نامہ جاری فرمایا:

الجامعة الاسلامية دار العلوم وقف ديوبند الهند

DARUL - ULOOM WAQF DEOBAND -247554 (U.P.) INDIA

الرقم ———— التاریخ ————

محترم المقام جناب..............................صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

موت ایک ایسی ناقابلِ انکار حقیقت ہے جس سے کسی ذی روح کو مفر نہیں، یہ سلسلۂ آمد ورفت اس عالم فناء کی بدیہی خاصیت اور خلاق عالم کی ناقابل تبدیل سنت کا ایسا حصہ ہے جس سے بلاتفریق عہد وزمان کسی کو استثنا حاصل نہیں ہے، اس کے باوجود بعض حضرات کی فرقت اور رحلت ایسے غم دے جاتی ہے جس سے بہت سے دل بے قرار اور بہت سی آنکھیں اشکباری پر مجبور ہو جاتی ہیں، ان ہی شخصیات میں سے ایک ممتاز شخصیت فکر ولی اللّٰہی کے سرخیل، فکر قاسمی کے ترجمان، مسلکِ دیوبند کے شارح، اسلاف کی روایات کے پاسبان، علوم نانوتویؒ کے امین، حکیم الاسلامؒ کے حقیقی جانشین والد ماجد خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کی تھی، جن کی مفارقت نہ صرف خانوادۂ قاسمی کے لئے بلکہ تمام منتسبین قاسمیت اور پوری ملت اسلامیہ کے لئے ایک ایسا ناقابلِ تلافی خسارہ اور خرمن ہستی پر گری ایک ایسی عظیم صاعقہ ہے جس کے اثرات ہمیشہ محسوس کئے جاتے رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیہ الرحمہ کی شخصیت موجودہ دور میں ایک فرد کی نہیں بلکہ آپ کی شخصیت ایک عہد، ایک تاریخ، ایک داستان اور ایک تحریک تھی جس کا اب خاتمہ ہو گیا، ہند و بیرون کے تشنہ لبوں نے آپ کے علوم ومعارف سے عظیم پیمانے پر سیرابی حاصل کی اور اقصائے عالم آپ کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہوا، انھوں نے علمی وفکری اعتبار سے عصری ضرورتوں کا ادراک کر کے مقتضیات زمانہ کو سامنے رکھ کر اسلام کی جو عظیم وناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ کا ایک زریں باب ہے، جس کے پس منظر میں کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اسلام کی حقیقی ترجمانی کا بھرپور فریضہ انجام دیا ہے۔ آپ کی عظیم خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کی غرض سے دارالعلوم وقف دیوبند کا شعبۂ بحث وتحقیق حجۃ الاسلام اکیڈمی ''حضرت خطیب الاسلامؒ: حیات وخدمات اور کارنامے'' کے عنوان سے مورخہ ۱۲/۱۳/اگست ۲۰۱۸ء مطابق ۲۹/۳۰/ذی قعدہ ۱۴۳۹ھ ایک بین الاقوامی سہ لسانی سیمینار کا انعقاد کا فیصلہ لیا ہے۔

آپ کی خدمت میں سیمینار کی جملہ تفصیلات ارسال کی جارہی ہیں آں جناب سے گذارش ہیکہ نشان زد عنوان پر اپنا مقالہ تحریر فرما کر مؤرخہ ۵/شوال المکرم ۱۴۳۹ھ تک ادارہ کو ارسال فرمادیں تاکہ سیمینار کے موقع سے اشاعت کے مراحل بہ آسانی مکمل کئے جاسکیں ۔ہمیں آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔ آپ کا یہ قلمی تعاون اس تاریخی سیمینار کے باب میں سنگ میل ثابت ہوگا۔

والسلام

محمد سفیان قاسمی
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

دارالعلوم وقف دیوبند ۱۲۸۳ھ

مذکورہ بالا دعوت نامہ کے علاوہ برائے شرکت سیمینار بھی ایک دعوت نامہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی جانب سے ملک کی علمی، سیاسی، ملی نمائندہ شخصیات وذمہ داران مدارس کو خاص طور پر جاری کیا گیا۔

مذکورہ دعوت نامے کے ساتھ ابتدائی طور پرمنجانب ادارہ متعین کردہ عناوین کی تفصیلات بھی ارسال کی گئیں، جس میں مقالہ نگار کیلئے متعین شدہ عناوین کو نشان زد کردیا گیا تھا۔ ان عناوین کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

مرکزی عناوین برائے سیمینار

☆ حضرت خطیب الاسلامؒ حیات وخدمات
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ کے علمی کارنامے
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ بحیثیت خطیب
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ کی تصنیفی وتالیفی خدمات
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ کا اسلوب نگارش
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ بحیثیت شاعر
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ بحیثیت محدث
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ بحیثیت مدرس
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ کی تصنیفات اوران کا علمی مقام
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ دارالعلوم وقف دیوبند کے قیام واستحکام کے پس منظر میں
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ بحیثیت مہتمم
☆ تاسیس آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ میں حضرت خطیب الاسلامؒ کا کردار
☆ دارالعلوم وقف دیوبند حضرت خطیب الاسلامؒ کے عہد اہتمام میں
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ بحیثیت ملی قائد
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ بحیثیت ترجمان فکر دیوبند
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ بحیثیت شارح علوم نانوتویؒ
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ بحیثیت سرخیل فکر ولی اللہی
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ اپنے ذاتی احوال واوصاف کے آئینہ میں
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ کی مختلف علمی وملی مراکز کی ریاست وسرپرستی

☆ وحدت امت کے باب میں حضرت خطیب الاسلامؒ کا کردار
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ کا اعتدال فکر ونظر
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ اور تصوف وسلوک
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ کے اساتذہ ومشائخ
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ کے نامور تلامذہ
☆ حضرت خطیب الاسلامؒ: اپنے افکار ونظریات کی روشنی میں
☆ مدارسِ اسلامیہ اور عہدِ حاضر میں اس کے تقاضے: حضرت خطیب الاسلامؒ کے افکار ونظریات کی روشنی میں
☆ عصرِ حاضر میں تحریک مدارس کا ایک عظیم نمائندہ
☆ عصر حاضر میں اسلام کی تفہیم وتشریح میں حضرت کا اندازِ فکر
☆ اسلامی تہذیب وثقافت کا عظیم نمائندہ: حضرت خطیب الاسلامؒ

مذکورہ عناوین اردو زبان میں مقالہ نگاری کیلئے متعین کئے گئے تھے جبکہ عربی وانگریزی زبان کے عناوین ان کے علاوہ ہیں، نیز عربی وانگریزی میں مقالہ نگاری کیلئے مستقل علاحدہ دعوت نامہ بھی جاری کیا گیا، جن کی تفصیل عربی وانگریزی رپورٹ میں موجود ہیں۔

حضرات مقالہ نگار نے خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کی ہمہ جہت ہشت پہلو شخصیت کی عظیم علمی، آفاقی خدمات کا احاطہ کرتے ہوئے مختلف زبانوں میں جو مقالات لکھے بلکہ ادارہ کو جو مقالات موصول ہوئے ان کی مجموعی تعداد ۱۰۳ ہے، جس میں اردو کے ٦٦ ،عربی کے ۲۴، اور انگریزی کے ۱۳، مقالات شامل ہیں، تفصیلات حسب ذیل ہیں:

اردو مقالات

نمبر شمار	عناوین	اسمائے مقالہ نگار
۱	حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ: جلیل القدر شخصیتوں کے تربیت یافتہ برگزیدہ فرد۔	حضرت مولانا سید رابع حسنی ندوی صاحب (ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)
۲	خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ: سرمایۂ ملت کے نگہبان۔	حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی صاحب (مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

۳	ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے	حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب (مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند)
۴	استاذ محترم خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نوراللہ مرقدہٗ: بحیثیت مدرس۔	حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب (سابق مفتی اعظم پنجاب)
۵	مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ: دیوبندی فکر کے نقیب وترجمان اور ندوۃ العلماء کی فکرومنہج دعوت کے داعی	حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی صاحب (دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنو)
۶	فکرِ نانوتویؒ کے جانشین وامین۔	حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ صاحب مسعودی (صدرالمدرسین وناظم تعلیمات دارالعلوم وقف دیوبند)
۷	استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ۔	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب (جنرل سیکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)
۸	خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ ایک بے مثال شخصیت۔	مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی (دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)
۹	نقوش وتأثرات: خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ۔	مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی صاحب (جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ)
۱۰	ایک عالمی، آفاقی شخصیت خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ	مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی صاحب (مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)
۱۱	حضرت مفکر ملتؒ کا خاندانِ قاسمی کے ساتھ خصوصی تعلق۔	مولانا محمد اسماعیل پٹیل صاحب (کاپودرہ، گجرات)
۱۲	آخری استاذ کو وداعی سلام۔	مولانا عبدالعلی فاروقی صاحب (دارالعلوم فاروقیہ کاکوری، لکھنؤ)
۱۳	علم وعمل کا مجمع البحرین استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ	مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی صاحب (آکسفورڈ، انگلینڈ)
۱۴	حضرت مولانا محمد سالم قاسمی: الی رحمۃ اللہ۔	مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب (مدیر ماہنامہ ''الفرقان''، لکھنؤ)

۱۵	مولانا محمد سالم قاسمیؒ اور مدارس اسلامیہ کا نصاب تعلیم۔	ڈاکٹر سعید فیضی ندوی صاحب (کینیڈا)
۱۶	حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ سراپا دعوت وعزیمت۔	مفتی محمد سلطان صاحب قاسمی (سرینگر، جموں وکشمیر)
۱۷	خطیب الاسلامؒ کی فکر کے دو امتیازی پہلو دین میں اعتدال اور امت میں اتحاد۔	ڈاکٹر محی الدین غازی صاحب (الجامعۃ الاسلامیہ سانتاپورم کیرالہ)
۱۸	مولانا محمد سالم قاسمیؒ اور دعوت دین۔	ڈاکٹر سعود عالم صاحب قاسمی (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)
۱۹	حضرت خطیب الاسلامؒ کے خاص اساتذہ رحمہم اللہ۔	مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی (رکن رابطہ عالم اسلامی مکۃ)
۲۰	حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ قابل تقلید شخصیت۔	مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری (جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ)
۲۱	خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی عربی نگارشات۔	مولانا ڈاکٹر کفیل صاحب قاسمی (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)
۲۲	خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ بحیثیت محدث۔	مولانا مفتی محمد عارف صاحب قاسمی (دارالعلوم وقف دیوبند)
۲۳	حضرت خطیب الاسلامؒ بحیثیت شاعر۔	جناب سلمان منصور غازی صاحب (اقرا ایجوکیشنل فاونڈیشن بمبئی)
۲۴	خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ دارالعلوم وقف دیوبند کے قیام واستحکام کے پس منظر میں	مولانا حسن الہاشمی صاحب (ایڈیٹر ماہنامہ طلسماتی دنیا، دیوبند)
۲۵	میرے مشفق ومربی مولانا محمد سالم صاحبؒ جن کی باتیں یاد رہیں گی	ڈاکٹر عبید اقبال عاصم صاحب قاسمی (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)
۲۶	حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا اسلوب تحریر۔	مولانا عبدالرشید صاحب بستویؒ (جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند)

۲۷	حضرت خطیب الاسلامؒ اور تصوف وسلوک۔	مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری (دارالعلوم دیوبند)
۲۸	حضرت خطیب الاسلامؒ علمی عظمتوں کے اچھوتے نقوشؒ ایک جامع شخصیت۔	مولانا اسجد ندوی قاسمی صاحب (مدرسہ امدادیہ مرادآباد)
۲۹	خطیب الاسلامؒ کی فکر کا ایک اہم گوشہ فریضہ دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں رہنمائی۔	ابوالاعلیٰ سید سبحانی صاحب (نئی دہلی)
۳۰	حضرت خطیب الاسلامؒ اور تاسیس آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ۔	مولانا محمد اظہار الحق صاحب قاسمی (دارالعلوم وقف دیوبند)
۳۱	حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ ایک فقید المثال شخصیت۔	ڈاکٹر ساجد الاعظمی صاحب (اعظم گڑھ)
۳۲	خطیب الاسلام حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ بحیثیت شاعر۔	مولانا نسیم اختر شاہ قیصر صاحب (دارالعلوم وقف دیوبند)
۳۳	خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ بحیثیت شارح علوم نانوتویؒ۔	مفتی امانت علی صاحب قاسمی (دارالعلوم حیدرآباد)
۳۴	معاصر علماء میں خطیب الاسلامؒ کا امتیاز۔	مولانا عبداللہ ابن القمر صاحب (دارالعلوم وقف دیوبند)
۳۵	حضرت خطیب الاسلامؒ کا اعتدال فکر ونظر۔	مفتی محمد ارشد فاروقی صاحب (دیوبند)
۳۶	حضرت خطیب الاسلامؒ کی شخصیت مزاج دعوت ومیدان دعوت کے تناظر۔	مولانا اسامہ صدیقی صاحب (نانوتہ)
۳۷	خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ۔ "گل حسن تو بسیار"۔	مفتی محمد خالد حسین نیموی صاحب (مدرسہ بدرالاسلام، بیگوسرائے)
۳۸	فکر نانوتوی مولانا محمد سالم قاسمیؒ اور ہماری ذمہ داریاں۔	مولانا شاہ اجمل فاروق ندوی صاحب (انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی)

۳۹	حضرت خطیب الاسلامؒ اپنے معاصرین کی نظر میں۔	مولانا محمد شمشاد رحمانی صاحب (دارالعلوم وقف دیوبند)
۴۰	حضرت خطیب الاسلامؒ کے محققانہ اسلوبِ نگارش کے نمونے۔	مولانا عمران بگیانوی صاحب (علامہ اقبال میڈیکل کالج، مظفرنگر)
۴۱	اجلاس صد سالہ اور خطیب الاسلامؒ کا عالم عرب کے لئے دعوتی دورہ	مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی صاحب (مدرسہ انصار العلوم، بنگلور)
۴۲	حضرت مولانا محمد مولانا سالم قاسمی صاحبؒ وحدت فکر وعمل کے عظیم مفکر۔	ڈاکٹر کمال اختر قاسمی صاحب (علی گڑھ)
۴۳	حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ اور اتحاد ملت۔	ڈاکٹر عرفات ظفر صاحب (لکھنو یونیورسٹی، لکھنو)
۴۴	حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ عصر حاضر میں تحریک مدارس کا عظیم نمائندہ۔	مولانا سیف الرحمٰن ندوی صاحب (لکھنو)
۴۵	حضرت خطیب الاسلامؒ کے نامور تلامذہ۔	مولانا تبریز عالم صاحب قاسمی (دارالعلوم حیدرآباد)
۴۶	علوم نانوتویؒ کی شرح وترجمانی میں خطیب الاسلامؒ کا حصہ	ڈاکٹر فخر الاسلام صاحب مظاہری (جامعہ طبیہ دیوبند)
۴۷	حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ بحیثیت مہتمم۔	مولانا مفتی محمد احسان صاحب (دارالعلوم وقف دیوبند)
۴۸	خانوادہ قاسمی کے سچے جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ	مولانا حذیفہ شکیل قاسمی صاحب (پٹنہ)
۴۹	حضرت خطیب الاسلامؒ علوم نانوتویؒ کے شارح	ڈاکٹر ندیم اشرف قاسمی صاحب (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)
۵۰	حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی علمی خدمات کا تجزیہ۔	ڈاکٹر ظفر دارک صاحب قاسمی (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

۵۱	خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ حیات وخدمات۔	ڈاکٹر ریحان اختر قاسمی (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)
۵۲	اِک چراغ اور بجھا دور تک اندھیرا ہے۔	مولانا محمد قمر عثمانی صاحب (دارالعلوم وقف دیوبند)
۵۳	حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ: افکار وعلوم قاسمی کے شارح وترجمان۔	مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی صاحب (دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، گجرات)
۵۴	حضرت خطیب الاسلامؒ بحیثیت مہتمم۔	مولانا غلام نبی صاحب قاسمی (دارالعلوم وقف دیوبند)
۵۵	حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ دل آویز شخصیت کے کچھ اچھوتے پہلو۔	مولانا ندیم الواجدی صاحب (ماہنامہ ترجمان دیوبند)
۵۶	الوداع چراغ قاسمیت آفتاب دیوبند۔	ارمغان ارمان صاحب (فیصل آباد، پاکستان)
۵۷	ملّی وحدت کے علمبردار خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ	جناب محمد مجتبیٰ فاروق صاحب (جنرل سکریٹری، آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت)
۵۸	حضرت خطیب الاسلامؒ: علم وعمل کے چند گوشے۔	ڈاکٹر شکیل احمد صاحب قاسمی (پٹنہ)
۵۹	اسلاف کی حسین روایات کے امین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ	ڈاکٹر ایاز احمد اصلاحی صاحب (لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ)
۶۰	جانشین حکیم الاسلامؒ جنھوں نے ستر سال علوم نبوت کی مسند سجائی۔	مولانا عبدالمتین منیری صاحب (بھٹکل)
۶۱	حضرت خطیب الاسلامؒ کا اسلوب نگارش۔	مولانا محمد فرمان ندوی صاحب (دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)
۶۲	مسلک دیوبند کے ترجمان ونگہبان: خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ۔	مفتی سید احمد صاحب قاسمی (جامعہ عربیہ نور الاسلام میرٹھ)

۶۳	حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ اور حسنی کردار۔	مولانا نظام الدین فخر الدین (دار العلوم نظامیہ، پونے)
۶۴	علم وعمل کا بحر بیکراں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ	مولانا محمد ناصر سعید اکرمی صاحب (ماہنامہ نقوش طیبات بھٹکل)
۶۵	میرے شیخ میرے مربی: خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ۔	مولانا محمد شاہد صاحب قاسمی (دار العلوم وقف دیوبند)
۶۶	حضرت خطیب الاسلامؒ اپنے اوصاف وخصائص کے آئینے میں	عبد الرحمٰن سیف عثمانی صاحب (دیوبند)

عربی مقالات

الرقم	عنوان البحث	اسم الباحث
۱	الشيخ محمد سالم القاسمي رحمه الله وبعض اسانيده.	ڈاکٹر محمد اکرم ندوی صاحب (آکسفورڈ، انگلینڈ)
۲	الشيخ محمد سالم القاسميؒ لمحات من سيرته و مسيرته.	مولانا محمد نوشاد نوری صاحب قاسمی (دار العلوم وقف دیوبند)
۳	فضيلة الشيخ محمد سالم القاسمي رحمه الله ومقومات بناء شخصية الفذة .	مولانا محمد اعظم ندوی صاحب (المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)
۴	فضيلة الشيخ محمد سالم القاسميؒ وجهوده الجبارة في تطوير و توسعة نطاق دار العلوم (وقف) ديوبند	مولانا امداد الحق بختیار صاحب قاسمی (دار العلوم حیدرآباد)
۵	الشيخ محمد سالم القاسميؒ ونشاطاته العلمية.	مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب (دار العلوم وقف دیوبند)
۶	الشيخ محمد سالم القاسميؒ في ضوء كتاباته العربية.	ڈاکٹر محمد طارق قاسمی صاحب (لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنو)
۷	الشيخ محمد سالم القاسميؒ و رؤيته التعليمية .	ڈاکٹر محمد طارق ایوبی صاحب (علی گڑھ)

۸	فقيدالعلم و البيان، استاذالعصر، فخر الهند، المحدث المتكم، العلامة الشيخ محمد سالم القاسميؒ أضواء على أبرز خصائصه و شمائله	مولانا محمد نعمان الدین ندوی صاحب (لکھنو)
۹	إنجازات هائلة للجامعة الإسلامية دارالعلوم وقف ديوبند فى عهد رئاسة الشيخ محمد سالم القاسميؒ.	ڈاکٹر شرف عالم صاحب قاسمی (مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی حیدرآباد)
۱۰	نظرة باهرةلدراسة أبرزاساتذة خطيب الاسلامؒ.	پروفیسر اِشارت علی ملا صاحب (کلکتہ یونیورسٹی)
۱۱	ملامح بارزه من حياة الشيخ محمد سالم قاسميؒ.	مولانا محمد ساجد صاحب ہردوئی (دارالعلوم دیوبند)
۱۲	الشيخ محمد سالم وموقفه من استخدام وسائل الإعلام الحديثة المتطورة فى المدارس والجامعات الإسلامية .	مولانا محمد عارف جمیل صاحب (دارالعلوم دیوبند)
۱۳	الشيخ محمد سالم القاسميؒ : شيوخه و تلاميذه.	مولانا اشرف عباس قاسمی صاحب (دارالعلوم دیوبند)
۱۴	الشيخ محمد سالم القاسميؒ: و قضية تعليم المرأة.	مولانا اویس صدیقی صاحب (نانوتہ)
۱۵	مميزات أسرة الشيخ محمد سالم القاسميؒ .	مولانا محمد ارشاد صاحب قاسمی (دہلی یونیورسٹی، دہلی)
۱۶	الشيخ محمد سالم القاسمى رحمه الله ترجماناً للفكر الإسلامى الوسطى.	مولانا محمد شمشاد صاحب قاسمی (جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی)
۱۷	الشيخ محمد سالم القاسميؒ مرشدا روحيا واسلوبه فى الإصلاح والتوجيه.	ڈاکٹر علاوالدین قاسمی صاحب (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)
۱۸	العالم الكبير الشيخ محمد سالم القاسميؒ خطيبا مصقعاً .	مولانا محمد سجاد صاحب قاسمی (دارالعلوم وقف دیوبند)
۱۹	الجمع بين الاصالة والمعاصرة فى خطب الشيخ محمد سالم القاسميؒ.	ڈاکٹر شمیم نظامی صاحب (کیرالہ)

۲۰	وسطية فى الدين ووحدة فى الامه معلمان بارزان فى فكر الشيخ محمد سالم القاسمىؒ.	ڈاکٹر محی الدین غازی صاحب (الجامعۃ الاسلامیہ سانتاپورم کیرالہ)
۲۱	سمات الشيخ محمد سالمؒ ومحاسنه الشخصيه.	ڈاکٹر محمد راشد ندوی صاحب (مکۃ المکرّمہ)
۲۲	الشيخ محمد سالم القاسمىؒ: فارس ميدان الوسطيةوحامل لواء الوحدة الإسلامية.	ڈاکٹر مشیر حسین صدیقی صاحب (لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ)
۲۳	الشيخ محمد سالم القاسمىؒ فى ضوء بعض كتاباته العلمية والفسلفية والفكرية: دراسة و استعراص	ڈاکٹر محمد ادریس قاسمی ندوی (لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ)
۲۴	الشيخ محمد سالم القاسمىؒ كما يراه العلماء المعاصرون	مولانا محمد شمشاد رحمانی صاحب (دارالعلوم وقف دیوبند)

انگریزی مقالات

Presenter:	Topic:	NO
مولانا مفتی جسیم صاحب (مرکز المعارف بمبئی)	Khateebul Islam Maulana Muhammad Salim Qasmi as a Great Speaker.	۱
مولانا برہان الدین صاحب (مرکز المعارف بمبئی)	Maulana Muhammad Salim Qasmi and his contribution through all India Muslim Personal Law Board.	۲
مولانا مفتی محمد اسعد صاحب قاسمی (دارالعلوم وقف دیوبند)	Hazrat Maulana Muhammad Salim Sahab Qasmi, The Orator.	۳
مولانا جمشید عادل صاحب قاسمی (دارالعلوم وقف دیوبند)	Maulana Muhammad Salim Qasmi (1926-2018 AD) his services in academic works.	۴
مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی (دارالعلوم وقف دیوبند)	Maulana Salim (rh) the end of golden scholarly era	۵
مولانا مفتی محمد اللہ صاحب (دارالعلوم دیوبند)	Maulana Muhammad Salim Qasmi: Tracing the legacy of His Theological Paradigms and Intellectual Dimensions.	۶
جناب مولانا سعید انور صاحب (جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی)	Maulana Muhammad Salim Qasmi Literary Style of Writing.	۷
مولانا مدثر احمد صاحب قاسمی (مرکز المعارف بمبئی)	Maulana Muhammad Salim Qasmi A Versatile Religious Leader.	۸

۹	Modernization of Madrasas and Maulana Mohammad Salim Sb.	مولانا محمد عارف صاحب (اقرا ایجوکیشنل فاونڈیشن بمبئی)
۱۰	Hazrat Khatib-ul-Islam as a Lecturer.	مولانا محمد جاوید صاحب قاسمی (الحق ایجوکیشن فاونڈیشن کانپور)
۱۱	Unity of the muslim ummah: An over view of Maulana Mohammad Salim Qasmi's Thoughts.	مولانا حفظ الرحمٰن قاسمی (دہلی)
۱۲	Mawlana Muhammad Salim Qasmi: A Man of Courage and Conviction.	ڈاکٹر عاطف سہیل صدیقی صاحب (دیوبند)
۱۳	Khatib-ul-Islam Maulana Muhammad SalimQasmi: Literary Services.	مولانا سجاد صاحب قاسمی (دارالعلوم وقف دیوبند)

سیمینار میں شرکت کرنے والی شخصیات

اس دوروزہ بین الاقوامی سیمینار میں مؤقر علمائے کرام، نامور باحثین علم وفن، ارباب قلم اور حضرات صحافی، مختلف مکاتب فکر کے نمائندگان، ملی، سماجی وسیاسی شخصیات، ذمہ داران مدارس اور مختلف علاقوں کے معززین بطور خاص تشریف لائے۔ ان میں قابل ذکر ناموران علم وفن اور ارباب بصیرت کے اسماء درج ذیل ہیں:

ارباب علم ودانش

نمبر شمار	اسمائے گرامی	مناصب
۱	حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
۲	حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب	قومی صدر جمعیۃ علمائے ہند
۳	حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی	مہتمم دارالعلوم دیوبند
۴	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	جنرل سیکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا
۵	عالی جناب ڈاکٹر اعظم قاسمی صاحب	سابق پروفیسر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
۶	حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب	ناظم عمومی جمعیۃ علمائے ہند
۷	حضرت مولانا سید جلال الدین عمری صاحب	امیر جماعت اسلامی ہند
۸	حضرت مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی صاحب	امیر مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند

۹	حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی صاحب	استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا
۱۰	حضرت مولانا محمد شاہد صاحب مظاہری	امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور
۱۱	حضرت مولانا عبداللہ مغیثی صاحب	صدر آل انڈیا ملیّ کونسل
۱۲	حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب	مہتمم جامعہ امام شاہ ولی اللہ پھلت مظفرنگر
۱۳	جناب مولانا محمد زکریا صدیقی صاحب نانوتوی	سرپرست جمعیۃ الامام محمد قاسم النانوتویؒ
۱۴	عالی جناب محمد ادیب صاحب	رکن مسلم مجلس مشاورت وسابق ممبر آف پارلیمنٹ انڈیا
۱۵	عالی جناب نوید حامد صاحب	صدر مسلم مجلس مشاورت
۱۶	عالی جناب پروفیسر اختر الواسع صاحب	وائس چانسلر مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی جودھپور
۱۷	جناب مولانا رفیق احمد صاحب قاسمی	سیکریٹری جماعت اسلامی ہند
۱۸	جناب مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی	نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
۱۹	جناب مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری	استاذ دارالعلوم دیوبند
۲۰	جناب مولانا عطاء الرحمٰن صاحب قاسمی	چیئرمین شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ دہلی
۲۱	عالی جناب قاسم سید صاحب	ایڈیٹر روزنامہ ''خبریں'' دہلی
۲۲	جناب مولانا حسیب صدیقی صاحب	مینیجر مسلم فنڈ ٹرسٹ دیوبند
۲۳	جناب مولانا محمد اقبال صاحب	مہتمم دارالعلوم کپواڑہ کشمیر
۲۴	جناب مولانا انوارالرحمٰن صاحب بجنور	رکن مجلس شوری دارالعلوم دیوبند
۲۵	جناب ماسٹر انظر حسین میاں صاحب	رکن مجلس شوری دارالعلوم دیوبند
۲۶	جناب مولانا اسماعیل پٹیل صاحب	رکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند
۲۷	جناب مولانا قاری عبداللہ میاں صاحب	مہتمم جامعہ اصلاح البنات سملک، گجرات
۲۸	جناب مولانا مفتی نذیر احمد صاحب	مہتمم جامعہ فلاح دارین، ترکیسر، گجرات
۲۹	جناب مولانا مفتی راشد صاحب اعظمی	استاذ دارالعلوم دیوبند
۳۰	جناب مولانا نسیم احمد صاحب بارہ بنکوی	استاذ دارالعلوم دیوبند

۳۱	جناب مولانا شاہین جمالی صاحب	شیخ الحدیث مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ
۳۲	جناب ڈاکٹر اختر سعید صاحب	ایڈمنسٹریٹر جامعہ طبیہ دیوبند
۳۳	جناب الحاج عمران یعقوب قریشی صاحب	میرٹھ
۳۴	جناب الحاج ڈاکٹر یوسف قریشی صاحب	میرٹھ
۳۵	جناب حافظ عاصم قاسمی صاحب	چیئرمین طیب ٹرسٹ، دیوبند

حضرات باحثین ومقالہ نگار

نمبر شمار	اسمائے گرامی	مناصب
۱	جناب مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی صاحب	مدیر سہ ماہی ''احوال وآثار'' وناظم نور الہی بخش اکیڈمی کاندھلہ
۲	جناب مولانا حسن الہاشمی صاحب	مدیر ماہنامہ ''طلسماتی دنیا'' دیوبند
۳	جناب ڈاکٹر سعود عالم صاحب قاسمی	سابق صدر شعبہ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
۴	جناب ڈاکٹر کفیل احمد صاحب قاسمی	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
۵	جناب ڈاکٹر عبید اقبال عاصم صاحب	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
۶	جناب مولانا محمد نعمان الدین ندوی صاحب	مدیر معہد التعلیم والتربیۃ لکھنؤ ومدیر ''مجلّہ النصیحہ'' عربی
۷	جناب مولانا محمد سلطان صاحب قاسمی	کشمیر
۸	جناب مولانا ڈاکٹر شرف عالم قاسمی صاحب	پروفیسر مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی حیدرآباد
۹	جناب مولانا ڈاکٹر محی الدین غازی صاحب	عمید کلیۃ القرآن والحدیث جامعہ اسلامیہ سانتاپورم کیرالہ
۱۰	جناب مولانا ڈاکٹر اشارت علی ملا صاحب	پروفیسر کلکتہ یونیورسٹی، کلکتہ
۱۱	جناب مولانا محمد اللہ قاسمی صاحب	استاذ دار العلوم دیوبند
۱۲	جناب قاری ابوالحسن اعظمی صاحب	رکن رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ

۱۳	جناب مولانا عفان منصور پوری صاحب	استاذ جامع مسجد امروہہ
۱۴	جناب مولانا سلمان منصور غازی صاحب	ڈائریکٹر اقرا ایجوکیشنل فاونڈیشن بمبئی
۱۵	جناب مولانا عارف جمیل صاحب	استاذ دارالعلوم دیوبند
۱۶	جناب مولانا عبدالرشید بستوی صاحب	استاذ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند
۱۷	جناب مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری	استاذ دارالعلوم دیوبند
۱۸	جناب مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی	شیخ الحدیث جامعہ امدادیہ مرادآباد
۱۹	جناب مولانا اویس صدیقی صاحب نانوتوی	پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
۲۰	جناب مولانا سعید انور صاحب	مدیر ماہنامہ ''اسلام اینڈ ماڈرن ایج'' انگریزی و مدیر ماہنامہ ''اسلام اور عصر جدید'' اردو، دہلی
۲۱	جناب مولانا اشرف عباس صاحب	استاذ دارالعلوم حیدرآباد
۲۲	جناب مولانا ابوالاعلیٰ سید سبحانی صاحب	نئی دہلی
۲۳	جناب مولانا مدثر احمد صاحب قاسمی	استاذ مرکز المعارف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ سینٹر، ممبئی
۲۴	جناب مولانا محمد اعظم ندوی صاحب	استاذ المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد
۲۵	جناب مولانا محمد عارف مسعود صاحب	اقرا ایجوکیشنل فاونڈیشن بمبئی
۲۶	جناب مولانا ساجد اعظمی صاحب	اعظم گڑھ، یوپی
۲۷	جناب مولانا محمد جاوید صاحب قاسمی	استاذ الحق ایجوکیشن فاونڈیشن کانپور
۲۸	جناب مولانا محمد امانت علی صاحب قاسمی	استاذ دارالعلوم حیدرآباد
۲۹	جناب مولانا امدادالحق بختیار صاحب قاسمی	استاذ دارالعلوم حیدرآباد
۳۰	جناب مولانا محمد تبریز عالم قاسمی صاحب	اساذ دارالعلوم حیدرآباد
۳۱	جناب مولانا ارشد فاروقی صاحب	دیوبند
۳۲	جناب مولانا عمر عابدین صاحب قاسمی	استاذ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد
۳۳	جناب مولانا محمد اسامہ صدیقی نانوتوی صاحب	مدیر جمعیۃ الإمام محمد قاسمؒ، نانوتہ
۳۴	جناب مولانا محمد خالد نیموی صاحب قاسمی	استاذ مدرسہ بدرالاسلام بیگوسرائے، بہار

۳۵	جناب مولانا ڈاکٹر طارق ایوبی صاحب ندوی	مدیر ماہنامہ ''ندائے اعتدال''، علی گڑھ
۳۶	جناب مولانا شاہ اجمل فاروق صاحب ندوی	نگراں شعبۂ اردو، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی
۳۷	جناب مولانا محمد عمران صاحب قاسمی بگیانوی	استاذ علامہ اقبال میڈیکل کالج، مظفر نگر
۳۸	جناب مولانا محمد عطاء الرحمٰن صاحب قاسمی	بنگلور
۳۹	جناب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب قاسمی	مرکز المعارف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ سینٹر، دہلی
۴۰	جناب مولانا کمال اختر صاحب قاسمی	مدیر ''التحقیق الاسلامی''، علی گڑھ
۴۱	جناب مولانا ڈاکٹر عرفات ظفر صاحب	لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ
۴۲	جناب مولانا ارشاد عالم صاحب قاسمی	باحث دہلی یونیورسٹی، دہلی
۴۳	جناب مولانا شمشاد صاحب قاسمی	باحث جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی
۴۴	جناب مولانا سیف الرحمٰن صاحب ندوی	مدیر ماہنامہ ''مؤسسۃ النور''، لکھنؤ
۴۵	جناب مولانا محمد جسیم الدین صاحب قاسمی	استاذ مرکز المعارف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ سینٹر، ممبئی
۴۶	جناب مولانا محمد برہان الدین صاحب قاسمی	ڈائریکٹر مرکز المعارف ایجوکیشن اینڈ ریسرچ سینٹر، ممبئی
۴۷	جناب مولانا ڈاکٹر فخر الاسلام صاحب مظاہری	استاذ جامعۃ طبیہ دیوبند
۴۸	جناب مولانا علاؤ الدین صاحب قاسمی	باحث علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
۴۹	جناب مولانا ڈاکٹر شکیل احمد صاحب قاسمی	چیرمین، فاران انٹرنیشنل فاؤنڈیشن انڈیا
۵۰	جناب مولانا حذیفہ صاحب قاسمی	باحث شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی پٹنہ
۵۱	جناب مولانا ڈاکٹر شمیم نظامی صاحب	استاذ جامعہ بردوان، بنگال
۵۲	جناب ڈاکٹر محمد ندیم اشرف صاحب قاسمی	استاذ شعبہ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
۵۳	جناب مولانا ڈاکٹر ظفر دارک صاحب قاسمی	استاذ شعبہ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
۵۴	جناب مولانا ڈاکٹر ریحان اختر صاحب قاسمی	استاذ شعبہ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

اہم پیغامات

اس موقع پر ملک و بیرون ملک کی معزز ہستیوں نے سیمینار کے کامیاب انعقاد کیلئے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کرتے ہوئے دعاؤں سے نواز کر اپنی قیمتی اور یادگار تحریر بشکل پیغام ارسال فرمائیں، جنہیں کتاب میں باضابطہ شامل اشاعت کیا جارہا ہے، سیمینار کے موقع پر جن حضرات کے پیغامات موصول ہوئے ان کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

اسمائے گرامی	مناصب
حضرت مولانا سید رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہ	صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ و ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی مدظلہ	امین عام-دار المعارف الہ آباد
حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ	نائب رئیس دار العلوم کراچی پاکستان
حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہ	قومی صدر جمعیۃ علمائے ہند
حضرت مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی صاحب مدظلہ	مہتمم دار العلوم دیوبند
حضرت مولانا سید جلال الدین عمری صاحب مدظلہ	امیر جماعت اسلامی ہند
حضرت مولانا یوسف متالا صاحب مدظلہ	بانی و مہتمم دار العلوم بری انگلینڈ
حضرت مولانا ابو عمار زاہد الراشدی صاحب مدظلہ	بانی و ڈائریکٹر الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ بانی و سرپرست ورلڈ اسلامک فورم لندن
حضرت مولانا ولی رحمانی صاحب مدظلہ	جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ
حضرت مولانا بدر الدین اجمل صاحب مدظلہ	رکن مجلس شوری دار العلوم دیوبند
حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہ	شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات
جناب ڈاکٹر عمر فاروق کورکماز صاحب	مشیر خاص عزت مآب عالی مقام جناب رجب طیب اردغان صاحب (صدر ری پبلک آف ترکی)
حضرت مولانا عبد اللہ مغیثی صاحب	صدر آل انڈیا ملی کونسل
حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مظاہری	ناظم مظاہر علوم سہارنپور

حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحب ماکروڈ	مہتمم دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور، گجرات
جناب پروفیسر طارق منصور صاحب	وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
جناب پروفیسر سید احتشام حسین صاحب	وائس چانسلر جامعہ ہمدرد، دہلی
جناب پروفیسر ماہ رخ صاحب	وائس چانسلر خواجہ معین الدین چشتی یونیورسٹی، لکھنؤ
جناب پروفیسر اختر الواسع صاحب	وائس چانسلر مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی جودھپور
جناب الحاج یعقوب قریشی صاحب	سابق وزیر حکومت اتر پردیش
جناب محمد ادیب صاحب	سابق ممبر آف پارلیمنٹ انڈیا و رکن مسلم مجلس مشاورت
جناب ڈاکٹر انور سعید صاحب	جنرل سیکریٹری جامعہ طبیہ دیوبند
محترم جناب مولانا حسیب صدیقی صاحب	مینیجر مسلم فنڈ ٹرسٹ دیوبند
محترم جناب قاری عبدالرحمٰن صاحب طیبی	مہتمم جامعہ رحمانیہ دارالقرآت الطیبیہ سہارنپور
محترم جناب مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب	مہتمم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

افتتاحی اجلاس

''خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ: حیات وخدمات'' بین الاقوامی سہ لسانی سیمینار کیلئے چار نشستوں کا انعقاد کیا گیا، ایک افتتاحی نشست بقیہ تین نشست برائے مقالات منعقد کی گئیں، سیمینار کی افتتاحی نشست کا آغاز دارالعلوم وقف دیوبند کے مؤقر استاذ جناب مولانا قاری محمد واصف عثمانی صاحب کی تلاوت قرآن کریم سے ہوا۔ اس افتتاحی نشست کی صدارت دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی صاحب مدظلہ نے فرمائی، نظامت کے فرائض احقر اور مولانا نسیم اختر شاہ قیصر صاحب نے مشترکہ طور پر انجام دیئے، اس افتتاحی نشست میں اہم علمی وملی شخصیات نے اپنے تأثرات بیان فرمائے۔

خطبہ استقبالیہ

تلاوت کلام الٰہی کے بعد دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہٗ نے وقیع جامع خطبہ استقبالیہ پیش فرمایا جس میں آپ نے مہمانان کرام کے پرتپاک استقبال کے بعد اسلاف دیوبند کی روشن روایات اور اکابرین کے حسین تسلسل کا ذکر کرتے ہوئے انعقاد سیمینار کی مقصدیت اور غرض وغایت پر تفصیلی گفتگو فرمائی، ساتھ ہی سیمینار کی افادیت اور حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی کے روشن

نقوش سے نمایاں ہونے والے اثرات و پیغامات کی جانب بھی نشاندہی فرمائی۔ انہوں نے فرمایا کہ علمی اور تاریخی تسلسل سے آسمانِ علم وعمل کے یہ آفتاب و ماہتاب باہم دگر معنوی طور پر اس طرح سے مربوط ہیں کہ ہر ایک کی اپنی فردیت وانفرادیت کا تذکرہ کئے بغیر بات مکمل ہی نہیں ہوسکتی ہے، گویا اگر کہا جائے کہ تمام اسلاف کے غیرت مند اخلاف کی مشترکہ جہود سے ہی جماعت کی یہ توانائیاں قائم ودائم ہیں جنھوں نے اپنے اکابر واسلاف کے کارناموں کو حرز جاں بنا کر اپنے لئے اور آنے والی نسلوں کے لئے تحریک عمل کی بنیادیں فراہم کرنے میں ہر ایک نے اپنی جگہ پر مرکزی کردار ادا کیا ہے، انہوں نے کہا کہ امت میں انتشار وافتراق کے نئے نئے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، اسلام کے صدر اول سے مابعد کا بلا انقطاع ارتباط و تعامل ہی دراصل جماعت دیوبند کے اجزائے ترکیبی کی بنیاد واساس کا مؤثر حصہ ہے، جس سے کہ جماعت کی شیرازہ بندی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جس جماعت یا جس قوم کا رشتہ اپنے اسلاف و اکابر کی روشن خدمات سے کٹ جائے یا کاٹ دیا جائے یا کمزور پڑ جائے تو اس کا وجود بحیثیت ایک جماعت کے یا بحیثیت ایک قوم کے صفحہ ہستی سے مٹ کر تاریخ کے صفحات میں اس طرح گم ہوکر داستان پارینہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے کہ آنے والی نسلیں نظائر عبرت کے ذیل میں اسکا تذکرہ کرتی ہیں کیونکہ اگر اسلاف کے علمی وعملی اوصاف وامتیازات انکی خصوصیات ان کے کمالات غیرت وخودداری کے جذبات اور عظمت وشرافت کے واقعات انکے علمی عملی کارنامے جو کہ غیرت مند وخوددار اخلاف ومنتسبین کے لئے سرچشمہ حیات کے مثل ہوتے ہیں اگر ان سے ہی رشتہ کمزور پڑ گیا تو ان کی رگوں میں وہ گرم خون کہاں سے آئے گا جو کہ معنوی زندگی کا سرچشمہ اور تحریک عمل کی بنیاد واساس بن سکتا تھا گویا کہ اپنے اسلاف سے علمی وعملی ارتباط کو باقی اور قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اکابر واسلاف کی قرار واقعی تاریخی اہمیت کی حامل خدمات کو افراط و تفریط کے غیر ضروری ولایعنی ملمع سازیوں کے طور طریقوں سے محفوظ رکھتے ہوئے اور اس سے بھرپور اجتناب برتتے ہوئے رخصت پذیر شخصیت کے احوال وکوائف، واقعات ومشاہدات، نظائر وتجربات کا بحث وتحقیق، تنقیح وتنقید کے مسلمہ اصولوں وکسوٹی پر خوب جانچ پرکھ کر آنے والی نسلوں کی حیاتِ معنوی کو تحفظ فراہم کیا جائے، کیونکہ یہی علمی وتاریخی ارتباط علمی وعملی دنیا میں ہمارے معنوی وجود وبقا کی ضمانت ہے۔

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی: اس افتتاحی نشست کی صدارت دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی صاحب نے فرمائی، انھوں نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کی حیات کا ہر گوشہ نسل نو کے لئے مشعل راہ ہے، ان کی علمی، درسی زندگی ہو یا ملی قیادت ورہنمائی کا موقع، ہر موقع پر انھوں نے ملت کی رہنمائی اور فکر دیوبند کی ترجمانی کا بھرپور فریضہ انجام دیا ہے، حقیقت واقعہ یہ ہیکہ موجودہ دور میں وہ اپنے اسلاف کے حقیقی

جانشین تھے، اوراسی کے ساتھ انہوں نے دارالعلوم وقف دیوبند کی شکل میں ملت اسلامیہ کو ایک ایسا علمی قلعہ دیا ہے، جس نے پوری دنیا میں اپنا ایک علمی مقام پیدا کر کے ترقیات کی تمام رفعتوں کو حاصل کرلیا ہے۔

حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب: جمعیۃ علماء ہند کے قومی صدر حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہ نے اپنے خصوصی خطاب میں فرمایا کہ خانوادہ قاسمی کا یہ امتیاز رہا ہیکہ اس خانوادہ کو حق تعالی ہمیشہ ایسی شخصیات سے نوازتا رہا ہے جو علم وعمل کے جامع رہے ہیں جنہوں نے ہمیشہ اور ہر دور میں اسلام کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیا ہے، حضرت خطیب الاسلامؒ اسی روایت کے عظیم تاجدار اور حضرت نانوتویؒ کے علوم ومعارف کے ترجمان تھے، اعتدال ان کا خاص وصف تھا اور خوش اخلاقی ان کا طرۂ امتیاز، جسکے ذریعہ انہوں نے بڑے بڑے معرکے سر کیئے، اور ہر موقع پر انھوں نے حضرت حکیم الاسلامؒ کی جانشینی کا فریضہ انجام دیا وہ اپنے علمی کمالات اور گوناگوں اختصاصات کی بناء پر امتیازی شان کے حامل تھے۔

حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ صاحب: درالعلوم وقف دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ صاحب مسعودی نے فرمایا کہ حضرت علیہ الرحمہ کی شخصیت اپنے وقت کی ایک ایسی شخصیت تھی کہ جن کا موجودہ دور میں کوئی ثانی نظر نہیں آتا، وہ صبر واستقامت، شکر وشکیبائی کا پیکر جمیل تھے، زہد وقناعت ان کا خاص وصف تھا، موسم کی شدت بھی کبھی ان کے پایہ استقامت کو متزلزل نہ کرسکی، وہ ہمیشہ ایک موقف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے، اور بحیثیت وارث علوم نانوتوی، شارح فکر دیوبند اور بہ طور جانشین حکیم الاسلامؒ اپنے وجود کا احساس دلاتے رہے، کوئی موقع ہو یا کوئی بزم ہر جگہ قیادت وسیادت سے ہماری رہنمائی فرماتے رہے، انہوں نے کہا کہ تراث سلف کے احیاء کیلیئے ناگزیر اقدامات ہمارے اسلاف کی روشن روایات کا حصہ ہے۔

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب: دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ دارالعلوم وقف دیوبند میں حضرت خطیب الاسلامؒ کی حیات وخدمات پر سیمینار کا انعقاد ایک تاریخ ساز فیصلہ اور ایک تاریخی اقدام ہے، جس کے لئے تمام متعلقین قابل مبارکباد ہے، حضرت علیہ الرحمہ کا وقار علمی اور جلالت شان امتیازی تھا، آپ کی علمی خدمات اور آپ کی حیات کا ہر گوشہ ایک عظیم سرمایہ اور ہم لوگوں کے لئے نشان منزل ہے، وہ قاسمیت کے حقیقی ترجمان اور فکر دیوبند کے سربراہ تھے۔

حضرت مولانا عبداللہ مغیثی صاحب: آل انڈیا ملی کونسل کے صدر حضرت مولانا عبداللہ مغیثی صاحب نے حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی کے مختلف گوشوں اور واقعات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اب وہ اپنی یادگار اور علمی روایات چھوڑ کر چلے گئے ہیں، ان کا تحفظ اور احیاء ہماری ذمہ داری ہے۔

حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب: جمعیۃ علماء ہند کے ناظم عمومی حضرت مولانا سید

محمود اسعد مدنی صاحب نے فرمایا کہ خانوادۂ قاسمی کے ملت اسلامیہ ہندیہ پر جو عظیم احسانات ہیں انہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا حضرت خطیب الاسلامؒ اسی خانوادہ کی ایک نمائندہ وممتاز شخصیت تھی، جن کی ۷۰ سالہ عظیم وطویل ترین علمی، عملی وملی خدمات ہمارے لئے ایک عظیم شاہکار ہیں اوران علمی شاہکار کونسل نوتک پہونچانا ہمارا فریضہ ہے، دارالعلوم وقف دیوبند اس عظیم اقدام کے لئے مبارکباد کا مستحق ہے۔

حضرت مولانا محمد شاہد صاحب مظاہری: مظاہر علوم سہارنپور کے امین عام حضرت مولانا محمد شاہد مظاہری صاحب نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت خطیب الاسلامؒ موجودہ دور میں حجۃ الاسلامؒ کے علوم وافکار کے حقیقی پرتو تھے، جنہوں نے علوم نانوتوی کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ واشاعت کا بھرپور فریضہ انجام دیا ہے، ان کی علمی خدمات کے وسیع مبسوط علمی جائزہ کے لئے منعقد کی گئی یہ نشستیں قابل مبارکباد ہیں۔

جناب ڈاکٹر سعود عالم صاحب قاسمی: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تشریف لائے جناب ڈاکٹر سعود عالم صاحب قاسمی نے اپنے تأثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضرت علیہ الرحمہ کی آفاقی شخصیت علم وعمل کا مجمع البحرین تھی، علی گڑھ میں آپ کے متعدد علمی بیانات ہوئے ان سے استفادے کا بارہا موقع ملا آپ کے خطاب میں علم وحکمت کا دریا جاری ہوتا تھا، جس میں سامعین محو ہوجاتے تھے۔

حضرت مولانا جلال الدین عمری صاحب: جماعت اسلامی ہند کے امیر حضرت مولانا جلال الدین عمری صاحب نے اپنے تأثراتی خطاب میں فرمایا کہ حضرت علیہ الرحمہ کی شخصیت اپنی علمی وجاہت کے ساتھ اتحاد واتفاق کی علمبردار اور اعتصام باللہ کی عملی تفسیر تھی، موجودہ دور میں اس کی مثال ملنا مشکل ہے قیام مسلم پرسنل لاء بورڈ کے موقع پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے جس اتحاد کا عملی مظہر پیش کرتے ہوئے مختلف مسالک ومشارب کے نمائندگان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کردیا تھا، حضرت خطیب الاسلامؒ اپنے والد کی اس حسین روایت کو تسلسل دے کر ذاتی طور پر اس اتحاد کے موقف پر تاحیات قائم رہے، یہی وجہ تھی کہ آپ تمام مکاتب فکر کے مابین قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور پھر آپ کے علمی وقار اور خاندانی وجاہت نے آپ کو جو امتیاز ومقام بخشا تھا، اب اس کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب: اسلامک فقہ اکیڈمی کے جنرل سیکریٹری حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے فرمایا کہ استاذ محترم حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی زندگی اوران کی حیات کا ہر گوشہ مثالی اور گوہر آبدار تھا، وہ علماء کا وقار، فکر دیوبند کا امتیاز اوراس کے ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ علم وعمل کا عظیم شاہکار تھے، ان کی حیات کے تین گوشے ایسے تھے جن میں بعد والوں کیلئے سبق ہے، اگر ہم انہیں اپنالیں، انہیں چراغ راہ بنائیں اوراپنے دامن سے باندھ لیں تو یہ موجودہ فکری بے راہ روی اورافراط وتفریط کے اس دور میں خاص طور پر کامیابی کا ضامن ہوں گے، ان میں پہلی چیز ہے

فکری اعتدال، دوسری چیز ہے ملت کی وحدت و یکجہتی کا تحفظ اور اسکے لئے ایثار وقربانی اور تیسری چیز ہے زبان کی حفاظت اور مثبت گفتگو، یہ تمام چیزیں حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ کی حیات کے ایسے اہم پہلو ہیں جو جز ولاینفک کی طرح ہیں، آپ کی مکمل حیات ان اوصاف وکمالات کا مظہر اتم نظر آتی ہے، انہوں نے فرمایا کہ نہایت کم وقت میں اس طرح کے منظّم پروگرام کا انعقاد اور خاص طور پر ''سیرت وشخصیت: خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ'' کے نام سے موسوم دو جلدوں پر مشتمل آپؒ کی مفصل سوانح حیات کی اشاعت جہاں حجۃ الاسلام اکیڈمی کا ایک عظیم کارنامہ ہے وہیں یہ تمام چیزیں حضرت علیہ الرحمہ کی عنداللہ وعندالناس مقبولیت کی بھی بین دلیل ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کیلئے ذمہ داران اکیڈمی کے ساتھ مؤلف کتاب خاص طور پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔

جناب ڈاکٹر اعظم قاسمی صاحب: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق پروفیسر اور حضرت خطیب الاسلامؒ کے برادر اصغر جناب ڈاکٹر محمد اعظم قاسمی صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ برادر اکبرؒ کی رحلت سے جہاں ہم اپنے ایک سرپرست سے محروم ہوئے تھے وہیں آج سیمینار سے مجھے بڑی خوشی ہے کہ ان کی عظیم خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے اور اسے محفوظ کر کے نسل نو تک پہونچانے کی غرض سے اس سیمینار کا انعقاد کیا جا رہا ہے، اس کے لئے متعلقہ تمام افراد مبارکباد کے مستحق ہیں۔

حضرت مولانا کلیم صدیقی صاحب: جامعۃ الامام شاہ ولی اللہ پھلت مظفر نگر کے بانی ومہتمم جناب مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب نے اپنے تأثراتی خطاب میں فرمایا کہ ندوہ کا دیوبند کے ساتھ عقیدت کا رشتہ رہا ہے، میں نے ہمیشہ حضرت علی میاں ندویؒ کو والہانہ عقیدت کے ساتھ دیوبند کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا ہے، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی شخصیت اسی دیوبندیت کی جامع ترین ترجمان تھی ہر موقع سے آپ نے اسکی ترجمانی کا بھرپور فریضہ انجام دیا ہے، نیز آپ کی ذات علماء ومشائخ کا مرجع ومنبع بھی تھی، حضرت علیہ الرحمہ خاص طور پر میرے ساتھ اور دعوت وتبلیغ سے وابستہ تمام افراد کے ساتھ نہایت محبت وشفقت کا معاملہ فرماتے، ہمیں حوصلہ اور ہمت دیتے اور موقع بہ موقع اپنی قیمتی ومفید نصیحتوں اور ہدایتوں سے نوازتے۔ اس سیمینار کے انعقاد پر انہوں نے ذمہ داران کو مبارکباد بھی پیش کی۔

جناب نوید حامد صاحب: آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے صدر جناب نوید حامد صاحب نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ انتشار کے دور میں حضرت کی شخصیت ایک عظیم نعمت تھی، انھوں نے مسلکی تشدد اور مذہبی منافرت کے مابین اعتدال کی راہ کو اپنا کر محبت واتفاق کے بیج بوئے تھے، آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت دو دھڑوں میں تقسیم تھی اور ان کا متحد ہونا جرمنی کے اتحاد اور برلن کی دیوار گرنے سے زیادہ مشکل عمل تھا، لیکن حضرت کی بھاری بھرکم شخصیت اور ان کے عملی اقدام کی بناء پر متوازی

مشاورت کے افراد اتحاد کے لئے تیار ہوئے۔ اور حضرت مشاورت کے عہدے سے استعفیٰ دے کر تا حیات سرپرستی کے فرائض انجام دیتے رہے۔

جناب محمد ادیب صاحب: آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے رکن وسابق ممبر آف پارلیمنٹ انڈیا جناب محمد ادیب صاحب کہا کہ حضرت کی شخصیت میرے لئے ذاتی طور پر بھی اور ایک عظیم علمی وملی رہنما کے طور پر بھی سرپرست کی تھی، جن کے پاس میں اکثر وبیشتر حاضر ہوتا اور اپنے مسائل کا حل طلب کرتا، اب سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کے پاس جاؤں، کہاں علمی تشنگی بجھاؤں، کس سے ملی رہنمائی حاصل کروں، جو کچھ انھوں نے چھوڑا ہے اب وہی ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

جناب مولانا رفیق احمد صاحب قاسمی: جماعت اسلامی ہند کے سیکریٹری جناب مولانا محمد رفیق صاحب قاسمی نے کہا کہ حضرت کی شخصیت خرد نواز اور اتحاد بین المسلمین کی علمبردار تھی، وہ اپنے شاگردوں سے بھی انتہائی محبت اور شفقت کا معاملہ فرماتے ہر موقع سے وہ اتحاد بین المسلمین اور اعتصام باللہ کی دعوت کو عام کرتے۔ اور اختلاف کے موقع پر بھی اعتدال کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ یہ ان کی زندگی کا ایک پہلو ہے اور اس میں بعد والوں کے لئے بھی درس ہے کہ ہمیں اختلاف کے موقع پر کیا روش اپنانی ہے، اور اس سلسلے میں ہمارے اکابر طرز اعتدال کیا ہے، ہمیں اس پر غور کرنا ہے۔

جناب مولانا عطاء الرحمٰن صاحب قاسمی: شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کے چیئرمین جناب مولانا عطاء الرحمٰن صاحب قاسمی نے کہا کہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کا تعلق اس عظیم علمی و تاریخی خانوادے سے تھا، جن کی خدمات کا دائرہ نصف صدی پر محیط ہے، صرف ملت اسلامیہ پر ہی نہیں بلکہ ملک پر بھی اس خانوادے کے عظیم احسان ہیں، شاملی کے میدان سے لے کر آزادیٔ ہند تک ایک تاریخ ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت علیہ الرحمہ کا ایک خاص وصف اصابت رائے تھا، ہر موقع سے انھوں نے دیوبند کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیا ہے، دار العلوم اور علمائے دیوبند کے مقام وقار کو انہوں نے استحکام بخشا ہے۔

پروفیسر اختر الواسع صاحب: مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی جودھپور کے وی سی جناب پروفیسر اختر الواسع صاحب نے کہا کہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ حضرت حکیم الاسلامؒ کے حقیقی جانشیں اور ملک کے علماء کا وقار وامتیاز تھے، وہ اتحاد واتفاق کے عظیم داعی وعلمبردار تھے، جس کا مظہر اتم مسلم مجلس مشاورت کا عظیم تاریخ ساز اتحاد ہے، دار العلوم وقف اور دار العلوم کی عظیم خدمات کے ساتھ ان کا ایک عظیم کارنامہ جامعہ دینیات کا قیام بھی ہے، جس کے ذریعہ انہوں نے ناخواندہ افراد کو دینی علوم سے واقف کرانے کی عظیم کوشش کی ہے۔

جناب مولانا زکریا صدیقی صاحب: جمعیۃ الامام محمد قاسم النانوتویؒ کے سرپرست حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی صاحب نانوتوی نے کہا کہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ

اتحاد کے عظیم داعی تھے، انھوں نے ہر موقع سے اتحاد اور یکجہتی کو فروغ دیا اور اتحاد کے پیغام کو عام کیا ہے، وہ ایک بے بدل مدرس اور اپنے والد گرامی کے حقیقی جانشین تھے۔

جناب الحاج عمران قریشی صاحب: میرٹھ سے تشریف لائے جناب الحاج عمران یعقوب قریشی صاحب نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حضرتؒ کا تعلق ہمارے پورے گھرانے کے ساتھ بڑی محبت کا تھا، جو کہ ہمارے لئے قابل فخر سرمایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام سے سرفراز فرمائے۔

جناب الحاج ڈاکٹر یوسف قریشی صاحب: میرٹھ سے تشریف لائے جناب الحاج ڈاکٹر یوسف قریشی صاحب نے کہا کہ حضرت علیہ الرحمہ ہم لوگوں کے ساتھ خصوصی محبت کا معاملہ فرماتے، جب بھی میرٹھ تشریف لاتے تو ہم لوگ ملاقات کیلئے حاضر ہوجاتے، ہمیں اپنی قیمتی نصیحتوں اور ہدایتوں سے نوازتے جو ہمارے لئے ہماری زندگی میں مشعل راہ ثابت ہوتیں۔

جناب قاسم سید صاحب: روزنامہ ''خبریں'' دہلی کے مدیر جناب قاسم سید صاحب نے کہا کہ حضرت خطیب الاسلامؒ کی حیات کا ہر گوشہ اور ہر پہلو تمام طبقات کے لوگوں کیلئے مشعل راہ ہے، ان کی پوری زندگی ایثار و قربانی سے عبارت ہے، ان کی عظیم قربانیوں کے نتیجہ میں ہی حق تعالیٰ نے انہیں بے شمار فتوحات عطاء فرمائیں تھیں۔

مولانا اقبال صاحب قاسمی: دارالعلوم کپواڑہ کشمیر کے مہتمم جناب مولانا محمد اقبال صاحب قاسمی نے کہا کہ آج دارالعلوم وقف دیوبند کا قیام و استحکام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی شبانہ روز جدو جہد بے انتہاء اخلاص اور بے لوث خدمات کا نتیجہ ہے، اور پھر تمام تر اختلافات کا انقطاع بھی حضرت علیہ الرحمہ کی اقدامی کاوش کا مظہر ہے۔

مطبوعات حجۃ الاسلام اکیڈمی کا اجراء

اس افتتاحی نشست میں حجۃ الاسلام اکیڈمی کی چار جدید مطبوعات کا اجراء بھی عمل میں آیا۔ جنکی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

(۱) نام کتاب: سیرت وشخصیت حضرت خطیب الاسلامؒ
مؤلف: مولانا اسامہ صدیقی نانوتوی
جلد: ۲ صفحات: ۸۴۴

فکر ولی اللّٰہی کے سرخیل، فکر قاسمی کے ترجمان، مسلک دیوبند کے شارح، علوم نانوتویؒ کے امین

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ (سابق مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند و نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) کی یہ پہلی مفصل سوانح حیات ہے، جس میں آپ کی طویل ترین علمی، دینی وملی خدمات کا مفصل احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جو کہ دو جلدوں پر مشتمل ہے، اس سوانح کی ترتیب کا آغاز حضرت کی حیات میں ہی ہو گیا تھا، جب کہ اس کا اکثر حصہ حضرت علیہ الرحمہ سے زبانی منقول ہے، یہ ایک جامع مفصل سوانح ہے۔

(۲) نام کتاب: "The Life and Times of Hakimul Islam Maulana Qari Mohammad Tayyib Rh"

مؤلف: مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی / مولانا غلام نبی قاسمی

صفحات: ۴۹۵

فکر ولی اللّٰہی کے نقیب، اپنے وقت کے حکمت قاسمیہ کے شارح و مسلک دیوبند کے ترجمان حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند و بانی آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) کی دو جلدوں پر مشتمل مفصل مبسوط سوانح حیات بنام ''حیات طیب'' مقبول عام ہو چکی ہے، اور اسے بے حد پسند کیا گیا ہے، حضرت علیہ الرحمہ کی عالمی آفاقی شخصیت اور ان کی ہمہ جہت خدمات کو عالمی پیمانے پر متعارف کرانے کی غرض سے حضرت کی انگریزی سوانح بنام: "The Life and Times of Hakimul Islam Maulana Qari Mohammad Tayyib Rh" منظر عام پر آئی ہے۔

(۳) نام کتاب: نگارشات اکابر: بتذکرۂ جواہر معارف حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ

مرتب: محمد نعمان ارشدی		صفحات: 784

نگارشات اکابر پر مغز و پر مواد مجلّہ ''یادگار اکابر'' کی خصوصی اشاعت ''حجۃ الاسلام نمبر'' کی ترتیب نو ہے، جس میں حجۃ الاسلام الامام مولانا محمد قاسم النانوتویؒ کی پوری زندگی: حیات و خدمات اور کارناموں کا احاطہ کیا گیا ہے، نیز اس میں ایسے مقالات و مضامین بھی شامل اشاعت ہیں جن سے ان کی زندگی کے نادر گوشوں پر بھی روشنی پڑی ہے، اس لحاظ سے یہ کہنا موزوں ہوگا کہ یہ مجلّہ نوابغ کے نوادر کا مجموعہ ہے، نیز اس میں ایسی ہستیوں کے مقالات و مضامین جمع کئے گئے ہیں جو واقعی اپنے وقت کے نابغۂ روزگار ہونے کے ساتھ ساتھ انھوں نے حضرت الامامؒ کی زندگی کا بہ غور مطالعہ کیا تھا، اور ان کے علوم و افکار سے عشق کی حد تک وابستگی تھی، یہ کتاب بھی سلسلۂ تصنیفات و تالیفات نانوتویؒ کی ایک اہم کڑی ہے۔

(۴) نام کتاب: منہاج علم و فکر: فکر نانوتویؒ اور جدید چیلنجز

مؤلف: مولانا فخر الاسلام مظاہری		صفحات: 336

منہاج علم وفکر: فکرِ نانوتویؒ اور جدید چیلنجز'' درحقیقت ان مضامین کا مجموعہ ہے، جو ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم وقف دیوبند'' میں ''مسائل کلامیہ کے باب میں مصنفات امام نونوتویؒ-استفادہ کا منہاج'' کے عنوان سے بالاقساط شائع ہوتے رہے ہیں۔ان مضامین کی افادیت اور موضوع کی ندرت کی بناپر حجۃ الاسلام اکیڈمی نے انہیں کتابی پیرہن میں پیش کیا ہے،ان مضامین میں حجۃ الاسلام الامام مولانا محمد قاسم النانوتویؒ کے افکار و اصول کا موازنہ مشہور مفکرین فلاسفہ اور سائنس دانوں کے افکار و اصول پر کیا گیا ہے اور بحث و تحقیق کے موجودہ تمام اصول وضوابط کو مد نظر رکھتے ہوئے بلاکسی افراط وتفریط اور تعصب وعناد کے ایک غیر جانب نقاد کی طرح ایسا تجزیہ اور تحلیل پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ پڑھنے والے حیرت واستعجاب کے گرداب میں پھنس جائیں،حضرت نانوتویؒ علوم فنون کا بحر بیکراں اور افکار و اصول کا بحر ذخار ہیں، ڈیڑھ صدی سے زائد عرصہ گذر جانے کے بعد بھی آپ کے علوم کی تازگی وتابندگی کم نہیں ہے، بلکہ افادیت دوچند ہوتی جارہی ہے۔

اس موقع پر مذکورہ بالا کتب کی رونمائی کے علاوہ دارالعلوم وقف دیوبند کا مقبول عام ترجمان ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم وقف دیوبند'' کی دوخصوصی اشاعت ''خطیب الاسلام نمبر'' اور ''مفکر ملت نمبر'' کا اجراء بھی عمل میں آیا۔

صدر اجلاس حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی صاحب (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کی دعاء پر اس افتتاحی نشست کا اختتام ہوا۔اس موقع پر مذکورہ بالا معزز شخصیات کے علاوہ ملک کے نامور علمائے کرام، دینی، ملی وسیاسی شخصیات، ذمہ داران مدارس، محققین، باحثین، مقالہ نگار اور حضرات مندوبین نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔

نشست اول

۱۲ راگست ۲۰۱۸ء بعد مغرب پہلی نشست برائے مقالات کا انعقاد کیا گیا، جس میں تینوں زبانوں میں تقریباً ۲۳ مقالات پڑھے گئے۔ جنکی تفصیل حسب ذیل ہیں۔

۱- **جناب مولانا نعمان الدین صاحب ندوی:** لکھنؤ سے تشریف لائے جناب مولانا محمد نعمان الدین ندوی صاحب نے عربی زبان میں اپنا مقالہ بعنوان ''**فقيد العلم والبيان، استاذ العصر، فخر الهند، المحدث المتكلم العلامه الشيخ محمد سالم القاسمي رحمه الله أضواء على ابرز خصائصه و شمائله**'' پیش کیا،جس میں انھوں نے حضرت علیہ الرحمہ کے خصائص و امتیازات، علمی وعملی تفوق وتفردات کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے علمی اعزاز پر تفصیلی گفتگو کی۔

۲- جناب مفتی محمد سلطان صاحب قاسمی: کشمیر سے تشریف لائے جناب مفتی محمد سلطان صاحب قاسمی نے اپنا مقالہ بعنوان ''حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ سراپا دعوت وعزیمت'' پیش کرتے ہوئے حضرت علیہ الرحمہ کے پر مغز علمی بیانات وخطابات کی روشنی میں حضرت کی دعوتی جہود کا بطور خاص تذکرہ کیا۔

۳- جناب ڈاکٹر شرف عالم صاحب قاسمی: مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی حیدر آباد سے تشریف لائے جناب ڈاکٹر شرف عالم صاحب قاسمی نے ''**إنجازات هائلة للجامعة الإسلامية دار العلوم وقف ديوبند في عهد رئاسة الشيخ محمد سالم القاسمیؒ**'' کے عنوان پر اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کے عہد اہتمام میں دارالعلوم وقف دیوبند کی نمایاں تعلیمی وتعمیری ترقیات ان کے عہد اہتمام کے اختصاصات اور قیام دارالعلوم وقف دیوبند کے باب میں ان کی کدوکاوش کا ذکر کیا۔

۴- جناب ڈاکٹر محی الدین غازی صاحب: الجامعۃ الاسلامیہ سانتاپورم کیرالہ سے تشریف لائے جناب ڈاکٹر محی الدین غازی صاحب نے ''خطیب الاسلامؒ کی فکر کے دو امتیازی پہلو دین میں اعتدال اور امت میں اتحاد'' کے عنوان پر اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے حضرت کی علمی و دعوتی تحریرات کی روشنی میں آپ کے وصف اعتدال اور اس کے اختصاصات کے ساتھ اتحاد امت کے باب میں آپ کی جہد اور سعیٔ پیہم اور اس میں بقائے اعتدال کا بھی خاص طور پر ذکر کیا۔

۵- جناب ڈاکٹر سعود عالم صاحب قاسمی: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے تشریف لائے جناب ڈاکٹر سعود عالم صاحب قاسمی نے ''مولانا محمد سالم قاسمیؒ اور دعوت دین'' کے عنوان پر اپنے مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ کی دعوت دین کے باب میں کی گئی کوششوں کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت کے مختلف دعوتی بیانات کے اقتباسات ذکر فرمائے۔ جس میں حضرت علیہ الرحمہ کا دعوت دین کے باب میں طرز استدلال کو بھی نمایاں طور پر واضح کیا۔

۶- پروفیسر جناب اِشارت علی ملا صاحب: کلکتہ یونیورسٹی سے تشریف لائے جناب پروفیسر اِشارت علی ملا صاحب نے ''**نظرة باهرة لدراسة أبرز اساتذة خطيب الاسلامؒ**'' کے عنوان پر اپنے عربی مقالے میں حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کے ان نامور اساتذہ کرام کا تعارف اور تذکرہ کیا جنکا حضرت کی شخصیت سازی اور آپ کی علمی، فکری وتربیتی نشونماء میں اہم کردار رہا، نیز ان کے علمی کارہائے نمایاں کا اور استفادے کی نہج کا بھی خاص طور پر ذکر کیا۔

۷- جناب مولانا مفتی محمد اللہ صاحب: دارالعلوم دیوبند کے جناب مولانا مفتی محمد اللہ صاحب نے

"Maulana Muhammad Salim Qasmi: Tracing the legacy of His Theological Paradigms and Intellectual Dimensions."
کے عنوان پر اپنے انگریزی مقالے میں یہ وضاحت کی کہ حضرت علیہ الرحمہ کی بحیثیت ترجمان فکر دیوبند نمایاں خدمات علوم نانوتویؒ کی تسہیل وتوضیح کے باب میں علم کلام کا خاص پر تو آپ کا امتیاز تھا، آپ نے علم کلام کو نئے رنگ اور جدید قالب میں پیش کر کے اسلام کی حقانیت کو آشکارا کیا ہے۔

۸- جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی: رابطہ عالم اسلامی مکۃ المکرّمہ کے رکن جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی نے ''حضرت خطیب الاسلامؒ کے خاص اساتذہ رحمہم اللہ'' کے عنوان پر اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے حضرت علیہ الرحمہ کے ان اساتذہ کرام کا تفصیلی ذکر کیا جن سے انہوں نے اکتساب فیض کیا، نیز ان حضرات کے مقام وعظمت اور علمی تفوق وامتیاز کا بھی بطور خاص ذکر کیا۔

۹- جناب مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری: جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ سے تشریف لائے جناب مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری نے ''حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ: قابل تقلید شخصیت'' کے عنوان سے اپنے مقالے میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے علمی عملی کارناموں اور ان کے اوصاف وخصائص کا ذکر کرتے ہوئے موجودہ دور میں ان اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرنے کی ضرورت واہمیت کو خاص طور پر واضح کیا۔

۱۰- جناب مولانا ڈاکٹر کفیل احمد صاحب قاسمی: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے تشریف لائے جناب مولانا ڈاکٹر کفیل صاحب قاسمی نے ''خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی عربی نگارشات'' کے عنوان پر پیش کردہ مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ کی عربی تحریرات ونگارشات کی روشنی میں آپ کی تحریر کی جامعیت، اسلوب کی چاشنی، طرز بیان کی حلاوت، متکلمانہ انداز اور تحریر میں ادبیت کا خاص طور پر ذکر کیا۔

۱۱- جناب مولانا محمد ساجد صاحب ہردوئی: دارالعلوم دیوبند کے جناب مولانا محمد ساجد صاحب ہردوئی نے "**ملامح بارزه من حياة الشيخ محمد سالم قاسمیؒ**" کے عنوان اپنے پیش کردہ عربی مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ کی حیات کے نمایاں خدوخال کا ذکر کرتے ہوئے حضرت کے علمی، عملی وملی کارناموں کا بطور خاص ذکر کیا۔

۱۲- جناب مولانا مفتی محمد عارف صاحب قاسمی: دارالعلوم وقف دیوبند سے جناب مولانا مفتی محمد عارف صاحب قاسمی نے ''خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ: بحیثیت محدث'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ کی مسند حدیث سے واشگاف ہونے والے علمی

نکات، پُر مغز وعلوم ومعارف سے لبریز درس حدیث اور انداز درس پر تفصیلی گفتگو پیش کی۔

۱۳- جناب سلمان منصور غازی صاحب: اقرأ ایجوکیشنل فاونڈیشن بمبئی سے تشریف لائے جناب سلمان منصور غازی صاحب نے ''حضرت خطیب الاسلامؒ بحیثیت شاعر'' کے عنوان سے اپنے مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کے صالح شعری ذوق کا ذکر کرتے ہوئے مختلف مواقع پر کہے گئے چنندہ اشعار، اس کی حقیقت اور فنی حیثیت پر بھی تفصیلی گفتگو فرمائی۔

۱۴- جناب مولانا حسن الہاشمی صاحب: دیوبند سے جناب مولانا حسن الہاشمی صاحب نے ''خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ - دارالعلوم وقف دیوبند کے قیام واستحکام کے پس منظر میں'' کے عنوان سے اپنے مقالے میں دارالعلوم وقف دیوبند کے قیام واستحکام کے باب میں حضرت خطیب الاسلامؒ کی اخلاص وللّٰہیت پر مبنی جہود پیہم، حالات کی ناسازگی اور موسم کی بے رخی میں ہواؤں کے رخ موڑ کر موسم کو سازگار بنانے کی آپ کی کوشش پیہم کا تفصیل سے ذکر کیا۔

۱۵- جناب ڈاکٹر عبید اقبال عاصم صاحب قاسمی: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے تشریف لائے جناب ڈاکٹر عبید اقبال عاصم صاحب قاسمی نے اپنا مقالہ بعنوان ''میرے مشفق ومربی مولانا محمد سالم صاحبؒ جن کی باتیں یادرہیں گی'' پیش کرتے ہوئے حضرت علیہ الرحمہ کے ساتھ ان کے خصوصی روابط حضرت کی ہمہ جہت خدمات کا مشاہدات کی روشنی میں ذکر کیا۔

۱۶- جناب مولانا محمد عارف جمیل صاحب: دارالعلوم دیوبند سے جناب مولانا محمد عارف جمیل صاحب نے ''**الشيخ محمد سالم وموقفه من استخدام وسائل الإعلام الحديثة المتطورة في المدارس والجامعات الإسلامية**'' کے عنوان سے اپنے عربی مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ کی آفاقی فکر، موجودہ احوال میں جدید وسائل سے استفادے کے طریقے نیز موجودہ دور میں دعوت دین اور تبلیغ اسلام کے لئے جدید وسائل سے استفادے کے مناہج وطریقہ کار کے سلسلے حضرت علیہ الرحمہ کے افکار ونظریات پر تفصیل سے گفتگو فرمائی۔

۱۷- جناب مولانا عبدالرشید صاحب بستویؒ: جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کے سابق استاذ جناب مولانا عبدالرشید صاحب بستویؒ نے ''حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا اسلوب تحریر'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ کے طرز نگارش اور اسلوب تحریر پر ان کی تحریروں کی روشنی میں تفصیل سے گفتگو کی۔ اور حضرت خطیب الاسلامؒ کی مختلف تحریروں کے اقتباسات بھی نقل کئے۔

۱۸- جناب مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری: دارالعلوم دیوبند کے جناب مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری نے ''خطیب الاسلامؒ: اور تصوف وسلوک'' کے عنوان سے اپنے پیش کردہ مقالے میں

حضرت علیہ الرحمہ کا احسان وتصوف اور سلوک ومعرفت سے لگاؤ کا تفصیل سے ذکر کیا، اور اس باب آپ کی خدمات نیز آپ کے مشائخ اور منتسبین کا بھی ذکر کیا۔

۱۹- جناب مولانا اسجد صاحب ندوی قاسمی: مدرسہ امدادیہ مرادآباد سے تشریف لائے جناب مولانا اسجد ندوی قاسمی صاحب نے اپنے مقالے بعنوان ''حضرت خطیب الاسلامؒ: علمی عظمتوں کے اچھوتے نقوش: ایک جامع شخصیت'' میں حضرت علیہ الرحمہ کی علوم اسلامی اور خصوصاً علم حدیث کے باب میں عظیم خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت کے علمی کمالات، تفردات اور اختصاصات کو واضح کیا، نیز آپ کے مختلف علمی تفردات کی روشنی میں آپ کی علمی عظمت ووقعت کے البیلے نقوش واثرات کو تفصیل سے ذکر کیا۔

۲۰- جناب مولانا اویس صدیقی صاحب: نانوتہ سے تشریف لائے جناب مولانا اویس صدیقی صاحب نے ''**الشيخ محمد سالم القاسميؒ وقضية تعليم المرأة**'' کے عنوان سے اپنے عربی مقالے میں موجودہ دور میں تعلیم نسواں کی ضرورت، اہمیت وافادیت کے باب میں حضرت علیہ الرحمہ کا موقف اور ان کی رائے نیز اس سلسلے میں آپ کے اقدامات کا بھی ذکر فرمایا۔

۲۱- جناب ابوالاعلیٰ سید سبحانی صاحب: دہلی سے تشریف لائے جناب ابوالاعلیٰ سید سبحانی صاحب نے ''خطیب الاسلامؒ کی فکر کا ایک اہم گوشہ فریضۂ دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں رہنمائی'' کے عنوان سے اپنے مقالے میں فریضۂ دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں حضرت خطیب الاسلامؒ علیہ الرحمہ کا موقف، دعوتی کارناموں اور دعوتی بیانات کا ذکر کرتے ہوئے اس باب میں آپ کی رہنمائی کا بھی ذکر کیا۔

۲۲- جناب مولانا سعید انور صاحب: جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی سے تشریف لائے جناب مولانا سعید انور صاحب نے "Maulana Muhammad Salim Qasmi: Literary Style of Writing." کے عنوان سے اپنے انگریزی مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کے اسلوب نگارش آپ کی تحریرات کی روشنی میں واضح کرتے ہوئے اس کی فنی حیثیت پر بھی تفصیلی گفتگو کی۔

۲۳- جناب مولانا اشرف عباس صاحب قاسمی: دارالعلوم دیوبند کے جناب مولانا اشرف عباس صاحب قاسمی نے ''**الشيخ محمد سالم القاسمي: شيوخه وتلاميذه**'' کے عنوان سے اپنے عربی مقالے میں حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کے اساتذہ ومشائخ اور تلامذہ کے علمی تفوق وامتیاز کا تفصیل سے ذکر فرمایا۔

صدارتی خطاب

اس پہلی نشست کی صدارت حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب (جنرل اسلامک فقہ

اکیڈمی انڈیا) نے فرمائی۔ انھوں نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ حضرت علیہ الرحمہ کی آفاقی علمی شخصیت کسی ایک طبقہ یا کسی خاص خطہ کو محدود نہ تھی بلکہ انھوں نے اپنی تبحر علمی، وسعت فکری اور اپنے منفرد طرز خطاب سے ہر طبقہ کو مستفید کیا ہے، آپ سے مستفیدین و منتسبین آپ کے لئے عظیم صدقہ جاریہ ہے انھوں نے کہا دارالعلوم وقف دیوبند کے شعبہ بحث و تحقیق حجۃ الاسلام اکیڈمی کے ذریعہ تراث سلف کے احیاء کے لئے سیمینار کا یہ اقدام ایک تاریخی اقدام ہے، حجۃ الاسلام اکیڈمی اس سیمینار کے انعقاد کے لئے خاص طور پر قابل مبارکباد ہیں، امید ہے کہ تراث سلف صالحین اور تذکار اکابر کا یہ تسلسل آئندہ بھی جاری رہے گا۔

نظامت کے فرائض علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے تشریف لائے جناب ڈاکٹر عبید اقبال عاصم صاحب نے انجام دیئے۔

نشست دوم

۱۳/اگست ۲۰۱۸ء بروز پیر صبح ۸/بجے سے سیمینار کی دوسری نشست کا باضابطہ آغاز کیا گیا جس میں تقریباً ۱۹ مقالے پڑھے گئے، جنکی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

۱- جناب مولانا مدثر احمد صاحب قاسمی: مرکز المعارف بمبئی سے تشریف لائے جناب مولانا مدثر احمد صاحب قاسمی نے "Maulana Muhammad Salim Qasmi A Versatile Religious Leader." کے عنوان سے اپنے انگریزی مقالے میں حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کے قائدانہ کردار، ان کی قائدانہ خدمات اور کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے بحیثیت مذہبی قائد آپ کے خطابات اور بیانات کا بھی ذکر کیا۔

۲- جناب مولانا محمد اعظم ندوی صاحب: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد سے تشریف لائے جناب مولانا محمد اعظم ندوی صاحب نے ''**فضیلة الشيخ محمد سالم القاسمیؒ ومقومات بناء شخصيته الفذه**'' کے عنوان سے اپنے عربی مقالے میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کے ان مشائخ واساتذہ کا ذکر کیا جن کا حضرت کی شخصی تعمیر سازی میں اہم کردار رہا اور جن سے انھوں نے اکتساب فیض کیا۔

۳- جناب مولانا محمد اظہار الحق صاحب قاسمی: دارالعلوم وقف دیوبند سے جناب مولانا محمد اظہار الحق صاحب قاسمی نے ''حضرت خطیب الاسلامؒ اور تاسیس آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ'' کے عنوان سے اپنے پیش کردہ مقالے میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تخطیط اور اس کے قیام کے باب میں حضرت

خطیب الاسلامؒ کے کردار اور ان کی جہود کو نمایاں کرتے ہوئے یہ واضح کیا کہ وہ بانی آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے فکری و عملی اقدامات میں کس طرح ہم رکاب رہے۔

۴- جناب مولانا محمد عارف مسعود صاحب: اقرأ ایجوکیشنل فاونڈیشن بمبئی سے تشریف لائے جناب مولانا محمد عارف مسعود صاحب نے "Modernization of Madrasas and Maulana Mohammad Salim Sb." کے عنوان سے اپنے انگریزی مقالے میں موجودہ دور میں مدارس کی تجدید کاری کے سلسلے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کا موقف اور ان کی فکر واضح کرتے ہوئے حضرت خطیب الاسلامؒ کے افکار کی روشنی میں اس کے طریقہائے کار پر بھی گفتگو کی۔

۵- جناب ڈاکٹر ساجد الاعظمی صاحب: اعظم گڑھ سے تشریف لائے جناب مولانا ڈاکٹر ساجد الاعظمی صاحب نے ''حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ ایک فقید المثال شخصیت'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کی شخصیت کے نمایاں پہلوان کے اوصاف و خصائل کا ذکر کرتے ہوئے ان کی حیات سے بعد والوں کے لئے عیاں ہونے والے درسی پہلو کا بھی ذکر کیا۔

۶- جناب مولانا نسیم اختر شاہ قیصر صاحب: دارالعلوم وقف دیوبند سے جناب مولانا نسیم اختر شاہ قیصر صاحب نے ''حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ: بحثیت شاعر'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کے چنندہ اشعار کی روشنی میں ان کے شعری ذوق کو اجاگر کرتے ہوئے اشعار کی فنی حیثیت پر بھی تفصیلی گفتگو کی۔

۷- جناب مولانا محمد جاوید صاحب قاسمی: الحق ایجوکیشن فاونڈیشن کانپور سے تشریف لائے جناب مولانا محمد جاوید صاحب قاسمی نے "Hazrat Khatib-ul-Islam as a Lecturer" کے عنوان سے پیش کردہ انگریزی مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ کی تدریسی زندگی کے خدوخال، درسی تفردات و امتیازات اور اختصاصات کا ذکر کرتے ہوئے ان کے انداز درس اور ان کے منفرد طرز استدلال پر بھی تفصیلی گفتگو کی۔

۸- جناب مفتی امانت علی صاحب قاسمی: دارالعلوم حیدرآباد سے تشریف لائے جناب مفتی امانت علی صاحب قاسمی نے ''خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ: بحثیت شارح علوم نانوتوی'' کے عنوان سے پیش کردہ مقالے میں موجودہ دور میں علوم نانوتویؒ کی افادیت اور تسہیل و توضیح نیز علوم نانوتویؒ کے احیاء کے باب میں حضرت خطیب الاسلامؒ کا کردار اور ان کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت کی تحریر و بیان میں علوم نانوتوی کے پائے جانے والے عکس کی بھی توضیح کی۔

۹- جناب مولانا امداد الحق بختیار صاحب قاسمی: دارالعلوم حیدرآباد سے تشریف لائے

جناب مولانا امداد الحق بختیار صاحب قاسمی نے ''**فضیلۃ الشیخ محمد سالم القاسمیؒ وجھودہ الجبارۃ فی تطویر و توسعۃ نطاق دار العلوم (وقف) دیوبند**'' کے عنوان سے عربی زبان میں پیش کردہ اپنے مقالے میں دار العلوم وقف دیوبند کے قیام واستحکام کے باب میں حضرت خطیب الاسلامؒ کی زریں خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے دار العلوم وقف دیوبند کو عالمی پیمانے پر شہرت دلانے اور اس کے افادہ کو عام کرنے کے باب میں آپ کے مخلصانہ کردار کا بھی ذکر کیا۔

۱۰- جناب مفتی محمد ارشد فاروقی صاحب: دیوبند سے جناب مفتی محمد ارشد فاروقی صاحب نے ''حضرت خطیب الاسلام کا اعتدال فکر ونظر'' کے عنوان سے اپنے مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کے اعتدال فکر ونظر پر گفتگو کرتے ہوئے افراط وتفریط کے اس دور میں حضرت خطیب الاسلامؒ کے فکری اعتدال کی اہمیت وافادیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

۱۱- جناب مولانا اسامہ صدیقی صاحب: نانوتہ سے تشریف لائے جناب مولانا اسامہ صدیقی صاحب نے ''حضرت خطیب الاسلامؒ کی شخصیت مزاج دعوت ومیدان دعوت کے تناظر'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے مقالے میں حضرت کی دعوتی فکراوران کے دعوتی مزاج کو ان کے مختلف بیانات و تحریرات کی روشنی میں عیاں کرتے ہوئے دعوتی میدان میں آپ کی جہود پیہم، مسلسل اسفاراوران اسفار سے حاصل ہونے والے دعوتی مقاصد کی جانب بھی نشاندہی کی۔

۱۲- جناب مفتی خالد حسین نیموی صاحب: مدرسہ بدرالاسلام، بیگو سرائے سے تشریف لائے جناب مفتی خالد حسین نیموی صاحب نے ''حضرت خطیب الاسلام - گل حسن تو بسیار'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ کی شخصیت کے نمایاں خدوخال کا ذکر کرتے ہوئے حضرت علیہ الرحمہ کی حیات میں پیش آنے والے تاریخی واقعات اور حضرت کے تاریخ ساز کارناموں کا تفصیلی ذکر کیا۔

۱۳- جناب ڈاکٹر محمد طارق صاحب قاسمی: لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ سے تشریف لائے جناب ڈاکٹر محمد طارق صاحب قاسمی نے ''**الشیخ محمد سالم القاسمی فی ضوء کتاباتہ العربیۃ**'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے عربی مقالے میں حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کی عربی تحریرات کی روشنی میں ان تحریرات کے اسلوب ومناہج پر گفتگو کرتے ہوئے اس کی فنی حیثیت کا بھی ذکر کیا۔ اور تحریر کی جامعیت کو بھی آشکارا کیا۔

۱۴- جناب مولانا شاہ اجمل فاروق ندوی صاحب: دہلی سے تشریف لائے جناب مولانا شاہ اجمل فاروق ندوی صاحب نے ''فکر نانوتوی مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ اور ہماری ذمہ داریاں'' کے

عنوان سے پیش کردہ اپنے مقالے میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کی آفاقی فکر کا فکر نانوتویؒ سے موازنہ کرتے ہوئے موجودہ دور میں اس کی اہمیت اور اس کی ترویج کے باب میں ہماری ذمہ داریوں پر تفصیل سے گفتگو فرمائی۔

۱۵- جناب مولانا محمد شمشاد رحمانی صاحب: دارالعلوم وقف دیوبند سے جناب مولانا محمد شمشاد رحمانی صاحب نے ''حضرت خطیب الاسلامؒ اپنے معاصرین کی نظر میں'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے مقالے میں معاصر علماء کی نظر میں حضرت کی رفعت اور مقام ومنزلت کو آشکارا کرتے ہوئے حضرت علیہ الرحمہ کی بلند پایہ شخصیت کے سلسلے میں مختلف معاصر علماء کے اقوال بھی نقل کئے۔

۱۶- جناب مولانا عمران بگیانوی صاحب: علامہ اقبال میڈیکل کالج، مظفر نگر سے تشریف لائے جناب مولانا عمران بگیانوی صاحب نے ''حضرت خطیب الاسلامؒ کے محققانہ اسلوب نگارش کے نمونے'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ کی مختلف تحریرات کی روشنی میں حضرت کے اسلوب نگارش اور انداز تحریر کو نمایاں کرتے ہوئے حضرت کی تحریر میں پائے جانے والے انداز استدلال اور طرز بیان کو بھی آشکارا کیا۔

۱۷- جناب ڈاکٹر محمد طارق ایوبی صاحب: علی گڑھ سے تشریف لائے جناب مولانا ڈاکٹر محمد طارق ایوبی صاحب نے ''**الشیخ محمد سالم القاسمی و رؤیته التعلیمیة**'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے عربی مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ کی تعلیمی افکار ونظریات، نیز علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت کے باب میں آپ کی آفاقی فکر کو نمایاں کیا۔

۱۸- جناب مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی صاحب: مدرسہ انصار العلوم بنگلور سے تشریف لائے جناب مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی صاحب نے ''اجلاس صد سالہ اور خطیب الاسلامؒ کا عالم عرب کے لئے دعوتی دورہ'' کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا۔ جس میں انہوں نے حضرت کے علمی وعملی امتیازات وتفوق کا ذکر کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کا تاریخ ساز اجلاس صد سالہ کے کامیاب انعقاد کیلئے آپ کی جہد پیہم کا ذکر کیا، نیز اس موقع آپ کے عالم عرب کے لئے ہونے والے اسفار کے کوائف اور اجلاس صد سالہ پر مرتب ہونے والے اسکے اثرات ونتائج پر تفصیل سے گفتگو کی۔

۱۹- جناب مولانا حفظ الرحمٰن قاسمی: دہلی سے تشریف لائے جناب مولانا حفظ الرحمٰن قاسمی صاحب نے "Unity of the muslim ummah: An over view of Maulana Mohammad Salim Qasmi's Thoughts." کے عنوان سے پیش کردہ اپنے انگریزی مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کے افکار ونظریات کا جائزہ لیتے ہوئے، وحدت

ملت کے باب میں آپ کی نمایاں خدمات کا بھی ذکر کیا۔

حضرت مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی صاحب: اس نشست میں مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کے امیر حضرت مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی صاحب بھی بطور خاص شریک ہوئے، انھوں نے اپنے تأثراتی خطاب میں فرمایا کہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کی شخصیت موجودہ دور میں منجانب اللہ ایک نعمت عظمی تھی، جنہوں نے آج کے اس سخت ترین دور میں بھی اپنی نرم مزاجی، خوش اخلاقی، حسن معاملگی، طبعی طینت اور اتحاد و اتفاق کے عملی پیغام کی بنیاد پر امت کو ایک رسی میں پرونے کا کام کیا ہے، ہر میدان میں اور ہر اسٹیج سے انھوں نے بلاتفریق اتحاد ملت کی دعوت دی ہے، جس کی بناء پر وہ تمام مسالک و مکاتب فکر کی مسلمہ شخصیت قرار پائے۔

صدارتی خطاب

اس دوسری نشست کی صدارت دارالعلوم وقف دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ صاحب مسعودی مدظلہ نے فرمائی انھوں نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ اس سیمینار میں حضرت علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات کے تقریباً تمام گوشوں کے احاطے کے لئے وقیع اور جامع مقالے پڑھے گئے ہیں۔ جس سے حضرت کی شخصی آفاقیت اور ان کا امتیاز و تفوق نمایاں ہوتا ہے انھوں نے ستر سال تک امت کی قیادت و سیادت اور دعوت و تبلیغ کا جس انداز میں فریضہ انجام دیا ہے، وہ ایک مثالی نمونہ ہے، قیام دارالعلوم وقف دیوبند کے وقت انھوں نے جس صبر و تحمل اور جہد مسلسل کا ثبوت پیش کیا اور جس اخلاص و للّٰہیت کا مظہر بنے آج اسی کا نتیجہ دارالعلوم وقف دیوبند کا قیام، استحکام اور مقبولیت عامہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت علیہ الرحمہ کی فکر و نظر میں حضرت نانوتویؒ کے اعتدال پسندانہ نظریات کا عکس، حضرت فخر الاسلامؒ و حضرت حکیم الاسلامؒ کی آفاقی فکر کا پرتو نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اس دوسری نشست کی نظامت کے فرائض حیدرآباد سے تشریف لائے جناب مولانا عمر عابدین صاحب مدنی نے انجام دیئے، حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ صاحب مسعودی کے صدارتی خطاب پر اس دوسری نشست کا اختتام ہوا۔

نشست سوم

۱۳راگست ۲۰۱۸ء بروز پیر ساڑھے گیارہ بجے سے مقالے کی تیسری نشست اور سیمینار کی اختتامی نشست کا آغاز ہوا، جس میں مختلف اہم عناوین پر تقریباً ۲۰ مقالے پڑھے گئے، جنکی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

۱- **جناب ڈاکٹر کمال اختر قاسمی صاحب:** علی گڑھ سے تشریف لائے جناب ڈاکٹر کمال

اختر قاسمی صاحب نے ''خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ- وحدت فکر وعمل کے عظیم مفکر'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے مقالے میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کی آفاقی وعالمی فکر اور فکر وعمل کی وحدت کو نمایاں طور پر آشکارا کیا۔

۲- جناب ڈاکٹر عرفات ظفر صاحب: لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ سے تشریف لائے جناب ڈاکٹر عرفات ظفر صاحب نے ''حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ اور اتحاد ملت'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے مقالے میں اتحاد ملت کے باب میں حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کی کاوشوں اور ان کے مختلف اقدامات کا ذکر کرتے ہوئے اتحاد ملت کے لئے آپ کی فکری وعملی جہو کا بھی ذکر کیا۔

۳- جناب مولانا محمد ارشاد صاحب قاسمی: دہلی یونیورسٹی، دہلی سے تشریف لائے جناب مولانا محمد ارشاد صاحب قاسمی نے '' **مميزات أسرة الشيخ محمد سالم القاسمیؒ** '' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے عربی مقالے میں خانوادۂ قاسمی کی ڈیڑھ سو سالہ حسین تاریخ کا تذکرہ کرتے ہوئے خانوادے کے امتیازات اور ان کی قربانیوں کا تفصیلی تذکرہ کیا۔

۴- جناب مولانا محمد شمشاد صاحب قاسمی: جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی سے تشریف لائے جناب مولانا محمد شمشاد صاحب قاسمی نے'' **الشيخ محمد سالم القاسمي رحمه الله ترجماناً للفكر الإسلامي الوسطى** '' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے عربی مقالے میں حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کی بحیثیت ترجمان اسلام عظیم خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ان کے علمی بیانات ومستدلات کو بطور خاص ذکر کیا۔

۵- جناب مولانا سیف الرحمٰن ندوی صاحب: لکھنؤ سے تشریف لائے جناب مولانا سیف الرحمٰن ندوی صاحب نے ''حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ عصر حاضر میں تحریک مدارس کا عظیم نمائندہ'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کو ہندوستان اور خاص طور پر ایشیائی ممالک میں موجود مدارس اسلامیہ کا عظیم نمائندہ قرار دیتے ہوئے مختلف واقعات واحوال کی روشنی میں اسے نمایاں کیا۔

۶- جناب مولانا مفتی جسیم صاحب: مرکز المعارف بمبئی سے تشریف لائے جناب مولانا مفتی جسیم صاحب نے "Khateebul Islam Maulana Muhammad Salim Qasmi as a Great Speaker." کے عنوان سے انگریزی زبان میں پیش کردہ اپنے مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کو بحیثیت عظیم خطیب پیش کرتے ہوئے ان کے انقلاب آفریں خطبات، نیز ان کے علمی نکات وتفردات پیش کرتے ہوئے مختلف واقعات کی روشنی میں ان خطبات کی تاریخی اہمیت بھی پیش کیں۔

۷- جناب مولانا مفتی تبریز صاحب قاسمی: دارالعلوم حیدر آباد سے تشریف لائے جناب

مولانا مفتی تبریز صاحب قاسمی نے ''حضرت خطیب الاسلام کے نامور تلامذہ'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت کے ممتاز تلامذہ اوران کی نمایاں خدمات کا بطورخاص ذکرکیا۔

۸- **جناب مولانا برہان الدین صاحب:** مرکز المعارف بمبئی سے تشریف لائے جناب مولانا برہان الدین صاحب نے "Maulana Muhammad Salim Qasmi and his contribution through all India Muslim Personal Law Board" کے عنوان سے انگریزی زبان میں پیش کردہ اپنے مقالے میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاءبورڈ کے پلیٹ فارم سے آپ کی عظیم دینی وملی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے تاسیس مسلم پرسنل لاءبورڈ کے باب میں حضرت علیہ الرحمہ کی عظیم کاوشوں کا بھی ذکرکیا۔

۹- **جناب ڈاکٹر فخر الاسلام صاحب مظاہری:** جامعہ طبیہ دیوبند سے جناب ڈاکٹر فخر الاسلام صاحب مظاہری نے ''خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ: علوم نانوتوی کی شرح وترجمانی میں خطیب الاسلامؒ کا حصہ'' کے عنوان سے پیش کردہ مقالے میں علوم نانوتویؒ کی تشریح وتوضیح اور ترجمانی کے باب میں حضرت خطیب الاسلامؒ کے کرداران کی خدمات کو نمایاں کرتے ہوئے مختلف تحریرات و بیانات کی روشنی میں علوم نانوتویؒ کی ترجمانی کے باب میں حضرت علیہ الرحمہ کے منہج واسلوب کوواضح کیا۔

۱۰- **جناب مولانا مفتی محمد احسان صاحب:** دارالعلوم وقف دیوبند سے جناب مولانا مفتی محمد احسان صاحب نے ''حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ بحیثیت مہتمم'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کے عہد اہتمام میں دارالعلوم وقف دیوبند کی نمایاں ترقیات اور بحیثیت مہتمم مختلف پہلوؤں سے آپ کی عظیم خدمات کا تفصیلی تذکرہ کیا۔

۱۱- **جناب ڈاکٹر علاؤالدین صاحب قاسمی:** علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے تشریف لائے جناب ڈاکٹر علاوالدین قاسمی صاحب نے ''**الشیخ محمد سالم القاسمیؒ مرشدا روحیا واسلوبه فی الإصلاح والتوجيه**'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے عربی مقالے میں علم تصوف اور احسان وسلوک کے باب میں آپ کی عظیم خدمات کا ذکر کرتے ہوئے بحیثیت روحانی رہنما اور روحانی قائد آپ کی خدمات اور اپنے منتسبین کا انداز اصلاح اوران کی رہنمائی کے طرق پر بھی تفصیل سے گفتگو کی۔

۱۲- **جناب مولانا محمد سجاد صاحب قاسمی:** دارالعلوم وقف دیوبند سے جناب مولانا محمد سجاد صاحب قاسمی نے ''**العالم الكبير سماحة الشيخ محمد سالم القاسمیؒ خطیبا مصقعاً**'' کے عنوان سے عربی زبان میں پیش کردہ اپنے مقالے میں بحیثیت خطیب حضرت علیہ الرحمہ کے وقیع خطبات

کی روشنی میں اس کی افادیت اور علمی وقعت، مقام وعظمت پر وضاحت کے ساتھ گفتگو کی۔

۱۳- جناب مولانا حذیفہ شکیل صاحب قاسمی: پٹنہ سے تشریف لائے جناب مولانا حذیفہ شکیل صاحب قاسمی نے ''خانوادہ قاسمی کے سچے جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے مقالے میں یہ وضاحت کی کہ حضرت خطیب الاسلامؒ نے کس انداز میں اپنی ڈیڑھ سوسالہ قدیم خاندانی علمی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اسلام کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیا ہے۔

۱۴- جناب مولانا مفتی محمد اسعد صاحب قاسمی: دارالعلوم وقف دیوبند کے جناب مولانا مفتی محمد اسعد صاحب قاسمی نے "Hazrat Maulana Muhammad Salim Sahab Qasmi, The Orator" سے انگریزی زبان میں پیش کردہ اپنے مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کے وقیع علمی خطبات کی روشنی میں اس کی علمی وفنی حیثیت پر گفتگو کرتے ہوئے، موجودہ دور میں ان خطبات کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی۔

۱۵- جناب ڈاکٹر شمیم نظامی صاحب: کیرالہ سے تشریف لائے جناب ڈاکٹر شمیم نظامی صاحب نے ''**الجمع بین الاصالة والمعاصرة فی خطب الشیخ محمد سالم القاسمیؒ**'' سے پیش کردہ اپنے عربی مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کو قدیم وجدید افکار وروایات کا سنگم قرار دیتے ہوئے اسلام کی حسین روایات اور ان کی نظریات کے تحفظ واحیاء نیز موجودہ دور میں اس کی اہمیت وافادیت پر بھی گفتگو کی۔

۱۶- جناب ڈاکٹر ندیم اشرف صاحب قاسمی: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے جناب ڈاکٹر ندیم اشرف صاحب قاسمی نے ''حضرت خطیب الاسلامؒ علوم نانوتوی کے شارح'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے مقالے میں علوم نانوتویؒ کے تحفظ واحیاء، اس کی تشریح وتوضیح اور تسہیل کے باب میں حضرت علیہ الرحمہ کی ناقابل فراموش خدمات کا ذکر کیا۔

۱۷- جناب ڈاکٹر ظفر دارک صاحب قاسمی: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے تشریف لائے جناب ڈاکٹر ظفر دارک صاحب قاسمی نے ''حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی علمی خدمات کا تجزیہ'' کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا، جس میں انہوں نے خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کی عظیم وناقابل فراموش خدمات کا ذکر کرتے ہوئے، ان کے علمی نکات، تفردات اور خدمات کا تفصیل سے جائزہ لیا۔

۱۸- جناب ڈاکٹر ریحان اختر صاحب قاسمی: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے تشریف لائے جناب ڈاکٹر ریحان اختر صاحب قاسمی نے ''خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ: حیات و

خدمات'' کے عنوان سے پیش کردہ اپنے مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ کی ستر سالہ عظیم، نا قابل فراموش خدمات اوران کے علمی اقدامات کا تفصیل سے جائزہ لیتے ہوئے ان کی علمی، عملی، دعوتی و تبلیغی خدمات کا مبسوط جائزہ لیا۔

۱۹- جناب مولانا جمشید عادل صاحب قاسمی : دارالعلوم وقف دیوبند سے جناب مولانا جمشید عادل صاحب قاسمی نے "Maulana Muhammad Salim Qasmi (1926-2018 AD) his services in academic works" کے عنوان سے انگریزی زبان میں پیش کردہ اپنے مقالے میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی علمی خدمات کا تفصیل سے جائزہ لیتے ہوئے قابل تقلید اور نسل نو کیلئے مشعل راہ پہلوؤں کی جانب بھی نشاندہی کی۔

۲۰- جناب مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی: دارالعلوم وقف دیوبند کے جناب مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی نے "Maulana Salim (rh). the end of golden scholarly era" کے عنوان سے انگریزی زبان میں پیش کردہ اپنے مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ کی حیات کو ایک علمی عہد کا خاتمہ قرار دیتے ہوئے، آپ کی ستر سالہ طویل علمی خدمات کا تفصیل سے تذکرہ کیا۔

صدارتی خطاب

اس اختتامی نشست کی صدارت دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہ نے فرمائی، اس موقع پر انھوں نے اپنے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کی شخصیت آج کے اس قحط الرجال کے دور میں اسلاف کے حسنات و کمالات کی عکس جمیل اوران کے علوم معارف کی مظہر اتم تھی۔ انہوں نے سلف کے منہاج علم وفکر کو خلف تک بڑی دیانتداری کے ساتھ منتقل کیا ہے، اب اخلاف کی یہ ذمہ داری ہیکہ وہ اپنے اسلاف کے علوم و معارف اوران کے افکار ونظریات کا مطالعہ کریں اور اسلاف کے ان علوم وافکار کی روشنی میں منہاج سلف پر اسلام کی خدمت اور اشاعت اسلام کا فریضہ انجام دیں، وحدت دین کے پیغام کے ذریعہ امت میں اتحاد کے پیغامبر بنیں، حضرت خطیب الاسلامؒ کی حیات کے مختلف گوشوں سے یہی چیز مترشح ہوتی ہے اور اس سیمینار کے انعقاد کی مقصدیت بھی تراث سلف کا احیاء ہی ہے۔

آخر میں انہوں نے حضرات مقالہ نگار اور مندوبین کرام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ حضرات کے یہ قیمتی مقالات حضرت علیہ الرحمہ کو عظیم خراج عقیدت، علم و تحقیق کے باب میں ایک عظیم شاہکار کا اضافہ اور علمی و عملی میدانوں میں سرگرم لوگوں کے لئے مشعل راہ اور نشان منزل ہے، انہوں نے فرمایا کہ حضرت خطیب الاسلامؒ کی حیات سے جو اہم پیغام ملتا ہے وہ ہے اتحاد، جسے وہ اپنی حیات میں ہر

موقع سے عام کرتے رہے اور اتحاد کی فضاء کو عام کرنے کیلئے اپنی حیات میں ہمیشہ کوشاں رہے، جسکے بے شمار شواہد ملتے ہیں۔ اسی کے ساتھ انہوں نے سیمینار کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے پروگرام کے جملہ منتظمین، اساتذہ و کارکنان ادارہ کا بطور خاص شکریہ اداء کیا جنکی شبانہ روز جہد مسلسل کی بنیاد پر سیمینار کامیاب انعقاد سے ہمکنار ہوا، میڈیا سے وابستہ ان حضرات کا بھی انہوں نے شکریہ اداء کیا جنھوں نے سیمینار کے نشریات میں اہم کردار اداء کیا ہے، ان طلبہ کا بھی انہوں نے شکریہ ادا کیا جنھوں نے اپنی رضا کارانہ خدمات میں تندہی کا ثبوت پیش کیا اور ان تمام حضرات کی مساعی جمیلہ سے سیمینار کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

اس اختتامی نشست کی نظامت کے فرائض مولانا مفتی محمد احسان صاحب قاسمی نے انجام دیئے، پروگرام کا اختتام حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی دعاء پر ہوا اور اسی کے ساتھ سیمینار بھی کامیاب انعقاد کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

اعلامیہ!

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند و صدر اجلاس کے صدارتی خطاب سے مستفاد وہ اہم نکات جو سیمینار کے اعلامیہ کی جانب مشیر ہیں، جنکی جانب حضرت صدر محترم نے علماء و باحثین علم وفن کو خصوصی توجہ دلائی ہے، درج ذیل ہیں:

۱- اکابر و اسلاف کے علوم و معارف، ان کے افکار و نظریات اور ان کی سیر و سوانح کا تحقیقی و تفصیلی مطالعہ کا اہتمام کیا جائے اور اسلاف کے ان علوم و افکار کی روشنی میں منہاج سلف پر اسلام کی خدمت اور اشاعت اسلام کا فریضہ انجام دیا جائے۔

۲- ائمہ مساجد اور اساتذۂ مدارس و جامعات کو اس بات کی تاکید اور تلقین کی جائے کہ وہ اکابر و اسلاف کی سوانح ان کے علمی کارناموں اور ان کے امتیازات کو اپنے دروس و خطبات کا مادہ بنائیں۔

۳- وحدت دین کے پیغام کے ذریعہ امت میں اتحاد کے پیغامبر بنیں، خاص طور پر آج کے اس پر آشوب دور میں وحدت کی افادیت دوچند ہو جاتی ہے، لیکن یہ وحدت اختلاف آراء کے باب میں حائل نہ ہو، اسلئے کہ آراء کا اختلاف تو ایک نعمت اور رحمت ہے، خاص طور پر اس وقت جبکہ اس میں حدود اور ادب الخلاف کا لحاظ رکھا جائے، حضرت خطیب الاسلامؒ کی حیات کے مختلف گوشوں سے یہی چیز مترشح ہوتی ہے اور انہوں نے اپنی حیات کے مختلف مواقع پر اسکا عملی مظہر بھی پیش فرمایا ہے۔

۴- اعتدال فی الدین اسلام کا ایک اہم امتیاز ہے، صراط مستقیم افراط و تفریط کے درمیان سے گذرتی ہے، اعتدال کو جہاں بھی راہ حیات اور راہ عمل بنایا جائے گا وہیں اعتدال حق اور عدل کا متقاضی ہوتا

ہے، اسلامی افکار وعقائد اور فقہ اسلامی کے باب میں ہمارے لئے یہ انتہائی نامناسب ہیکہ ہم کسی ایک راہ اور کسی خاص منہج کو اس تعصب اور شدت کے ساتھ اپنائیں کہ دیگر مناہج کے محاسن ومحامد اس تعصب کی چادر میں چھپ جائیں، اور انسان راہ صواب سے نا آشنا ہو جائے۔ اعتدال ہمیشہ منہج اہل سنت والجماعت کی خصوصیتوں میں سے رہی ہے، حضرت خطیب الاسلامؒ افراط وتفریط کے اس دور میں اعتدال فکر وعمل کے عظیم علمبر دار تھے۔

۵- استقامت، حیات انسانی کے اندر علم وعمل کے ساتھ، ورع وتقوی اور معرفت کا اجتماع بھی مطلوب ہے اور یہ استقامت کا اہم جز ہے، اور یہی استقامت مقصود اور مطلوب بھی ہے، علماء اور باحثین پر لازم ہیکہ وہ اپنے علم وعمل کے ساتھ ورع وتقوی اور استقامت فی الدین والعمل جیسے اخلاق فاضلہ اور عادات حسنہ اپنے اندر پیدا کر کے اوصاف مذمومہ اور عادات قبیحہ کو ترک کریں۔ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ قلب سلیم کے ساتھ قلم سلیم اور ذکر سلیم جیسے اوصاف سے متصف تھے، اور اسکی بنیادی وجہ آپ کی استقامت تھی۔ زبان کی حفاظت اور مثبت گفتگو، یہ آپ کی حیات کے ایسے اہم پہلو ہیں جو جز ولاینفک کی طرح ہیں، آپ کی مکمل حیات ان اوصاف وکمالات کا مظہر اتم نظر آتی ہے۔

۶- حضرت خطیب الاسلامؒ کی حیات سے جو ایک اہم چیز مستفاد ہوتی ہے اور جو پیغام ملتا ہے وہ یہ ہیکہ اسلامی نمائندگان اپنے اندر بصارت فی الامر پیدا کریں، اور ساتھ ہی اپنی فکر میں توسع اور آفاقیت پیدا کریں، جسکے نتیجہ میں دیگر مناہج ومشارب کے مفید افکار کو قبول کرنے کی صلاحیت ان میں بیدار ہو۔

مزید چند اہم مقالات

نشستوں کی تفصیلات میں ان مقالات کا تذکرہ کیا گیا ہے جو کہ سیمینار میں پیش کئے گئے ہیں، ان مذکورہ مقالات کے علاوہ مزید چند مقالات موصول ہوئے ہیں، جو سیمینار کی نشستوں میں چند ناگزیر وجوہات کی بناء پر پیش نہیں کئے جا سکے یا پھر حضرات مقالہ نگار اپنی گوناگوں مصروفیات کی بناء پر تشریف نہیں لا سکے، ہم ان حضرات کے بھی بے حد ممنون ہیں کہ انہوں نے اپنی کثرت مشاغل کے باوجود اپنا علمی وقلمی تعاون فرمایا۔

۱- حضرت مولانا سید رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہ: آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر ودار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم حضرت مولانا سید رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہ نے ''حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ: جلیل القدر شخصیتوں کے تربیت یافتہ برگزیدہ فرد'' کے عنوان سے اپنے ارسال کردہ مقالے میں فرمایا کہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے اپنی علمی ودینی

مصروفیات سے دین وملت کی رہنمائی قابلِ قدر انداز سے کی، انھوں نے اپنی مختلف علمی و دینی خصوصیات اپنے عالی قدر خاندان سے وراثت میں پائی تھیں، وہ اپنے عہد کے ممتاز علمائے دین میں عظیم المرتبت مقام و قبولیتِ عامہ رکھتے تھے۔

۲-حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ: دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ نے ''خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ: سرمایۂ ملت کے نگہبان'' کے عنوان سے اپنے ارسال کردہ مقالے میں فرمایا کہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی شخصیت ملت اسلامیہ ہندیہ کے لئے ایک نعمت بے بہا تھی، وہ علوم وفنون کے ماہر، اسرار شریعت کے رازداں اور محاسن اسلام کے بے باک ترجمان تھے، درس وتدریس، تقریر وخطابت، اصلاح وتربیت، دعوت وتبلیغ اور انتظام وانصرام، نیز ملی قیادت جیسے امور میں عظیم خوبیوں کے حامل تھے۔

۳-حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب: سابق مفتیٔ اعظم پنجاب حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب ''استاذ محترم خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نوراللہ مرقدہٗ: بحیثیت مدرس'' کے عنوان سے مرسلہ مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کا انداز درس بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت دوران سبق تسلسل کے ساتھ تقریر کرتے تھے اور بڑے دل نشین انداز میں ہر گوشے کو اچھی طرح وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے۔ ان کا سبق بڑا امتیاز اور طلبا کے لئے پرکشش تھا، انداز باوقار تھا لیکن طلبا سے بہت شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے۔

۴-حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب: دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب نے ''ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے'' کے عنوان سے مرقومہ مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ کی رحلت کو عالم اسلام کے لئے ایک عظیم خسارہ قرار دیتے ہوئے آپ کی گوناگوں اوصاف وخصائص اور امتیازات وکمالات کا تذکرہ فرمایا، نیز حضرت علیہ الرحمہ کے علمی وعملی تفردات کو بھی تفصیل سے ذکر فرمایا۔ ساتھ ہی حضرت علیہ الرحمہ کی رفیع المرتبت شخصیت کی ہمہ جہت خدمات کا تعارف کراتے ہوئے آپ کی علمی، ملی سرگرمیوں کو بھی وضاحت سے پیش فرمایا ہے۔

۵-حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی صاحب: دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے معتمد تعلیم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی صاحب نے ''مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ: دیوبندی فکر کے نقیب وترجمان اور ندوۃ العلماء کی فکر ومنہج دعوت کے داعی'' کے عنوان سے اپنے مرسلہ مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کے ندوۃ العلماء اور اکابر ندوہ سے روابط کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ تعلیم وتربیت کا ان کا نقطۂ نظر وسیع تھا اور وہ جدید اور قدیم دونوں کی رعایت رکھ کر ایسے علماء دیکھنا چاہتے

تھے جو دونوں طبقوں میں مفید اور مؤثر ہوں۔

۶-**حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ صاحب مسعودی:** دارالعلوم وقف دیوبند کے صدر المدرسین وناظم تعلیمات حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ صاحب مسعودی نے ''فکرِ نانوتویؒ کے جانشین وامین'' کے عنوان سے اپنے مرقومہ مقالے میں فرمایا کہ حضرت خطیب الاسلامؒ نے اپنے نامور والد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے شانہ بہ شانہ اور قدم بہ قدم چل کر اپنی جدی وراثت کو اگلی نسل تک پہنچایا، اس کمالِ جہات اور چابک دستی سے کہ قاسمی الافکار طبقہ عش عش کر اٹھا، لوح وقلم کی راہ ہو یا خطابت کا میدان، حضرت نانوتویؒ کے علوم وافکار کی تبیین وتوضیح ان کی زندگی کا مشن تھی۔ انہوں نے اپنے والدِ بزرگوار حضرت حکیم الاسلامؒ کے اسلوب وآہنگ کو اپنی ذات میں اس طرح جذب کیا کہ ان کی زبان وقلم نانوتوی طرزِ کلام کا عکسِ جمیل نظر آئے۔

۷-**حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب:** اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے جنرل سیکریٹری حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے ''استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ'' کے عنوان سے اپنا مقالہ تحریر فرمایا جس میں انہوں نے حضرت خطیب الاسلامؒ کی حیات کے تمام گوشوں کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے حضرتؒ کی خاندانی وجاہت ورفعت، آپ کی خطابت، بے مثال طرز بیان اور اس میں متکلمانہ شان، آپ کا علمی وشعری ذوق اور علمی نکات وتفردات، آپ کا فکری اعتدال اور اصابت رائے، آپ کی دعوت اتحاد، ملی سرگرمیاں اور بے شمار مدارس، علمی وملی تنظیموں کی سیادت وسرپرستی جیسے موضوعات پر تفصیلی مگر جامع انداز میں گفتگو فرمائی۔

۸-**حضرت مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی:** دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شیخ التفسیر واستاذ حدیث حضرت مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی نے ''خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ ایک بے مثال شخصیت'' کے عنوان سے اپنے مرسلہ مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کو علم وعمل کی ایک جامع شخصیت قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ حضرت خطیب الاسلامؒ عظیم خاندانی نسبت کے ساتھ ایک علمی رفعت وقعت بھی رکھتے تھے، انہوں نے مختلف علوم وفنون میں بالخصوص فن خطابت میں عالم گیر شہرت پائی، دنیا کے تقریباً تمام حصوں کو اپنے علمی افادات کے سرچشمہ سے لوگوں کو سیراب کیا۔

۹-**حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی صاحب:** جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ کے بانی ومہتمم ابوظبی دبئی میں مقیم مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی صاحب نے ''نقوش وتأثرات: خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ'' کے عنوان سے اپنے مرسلہ مضمون میں حضرت علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات انکے اوصاف وخصائص کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرتؒ کے ساتھ ان کے خصوصی روابط اور مختلف

ملاقات کا بھی تذکرہ کیا۔

۱۰- حضرت مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی صاحب: مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کے امیر حضرت مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی صاحب نے ''ایک عالمی، آفاقی شخصیت خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ'' کے عنوان سے اپنے مرسلہ مقالے میں تحریر کیا کہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمہ اللہ یکے از علمائے کبار ہند واز شخصیات عظیمہ اسلامیہ واز ناموران ہندوستان تھے، علمی و تعلیمی اعتبار سے وہ اعلیٰ نسبتوں کے حامل تھے، ملی و دیگر دینی مسائل جو مسلمانوں سے متعلق ہوتے تھے، ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور ان کاموں کو اپنی بھرپور صلاحیت سے تقویت پہنچاتے تھے۔

۱۱- حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب پٹیل: کاپودرہ گجرات سے حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب پٹیل نے ''حضرت مفکر ملتؒ کا خاندانِ قاسمی کے ساتھ خصوصی تعلق'' کے عنوان سے اپنے والد گرامی حضرت مولانا مفتی عبداللہ اسماعیل پٹیل صاحب کاپودرویؒ کے ساتھ حضرت خطیب الاسلامؒ کے خصوصی روابط اور تعلق، خانوادۂ قاسمی اور حضرت حکیم الاسلامؒ سے خصوصی محبت کا تذکرہ کرتے ہوئے مختلف ملاقات کا بھی خصوصیت کے ساتھ تفصیلی تذکرہ کیا۔

۱۲- جناب مولانا عبدالعلی فاروقی صاحب: ماہنامہ ''البدر'' کے مدیر اعلیٰ اور دارالعلوم فاروقیہ کاکوری، لکھنؤ کے ناظم جناب مولانا عبدالعلی فاروقی صاحب ''آخری استاذ کو وداعی سلام'' کے عنوان سے اپنے مرسلہ مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ کے حالات زندگی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا کا شمار دارالعلوم کے مقبول اساتذہ میں ہوتا تھا اور تمام علوم میں دسترس ہونے کی وجہ سے وہ اپنے سے متعلق تمام اسباق کا حق اس طرح ادا کرتے تھے کہ ہر استعداد و صلاحیت کا طالب علم مطمئن ہو جاتا تھا، علم الکلام ان کا خاص اور موروثی موضوع تھا، جس میں ان کے جوہر کھلتے تھے۔ وہ ایک کامیاب و باوقار معلّم، صاحب طرز انشاء پرداز و مصنف، اور مقبول و معتبر خطیب ہونے کے ساتھ ہی بہت ہی لائق و دور رس منتظم بھی تھے۔

۱۳- جناب مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی صاحب: آکسفورڈ، انگلینڈ سے جناب مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی صاحب نے ''علم و عمل کا مجمع البحرین استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی علیہ الرحمہ'' کے عنوان سے اپنے اردو مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ کے اوصاف و خصائص کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کیا کہ حضرت علیہ الرحمہ کشادہ دلی و بے تعصبی، اور جزئیات و فروعی مسائل میں توسع، عزم و حوصلہ کی حسین تعبیر تھے، عمل صالح اور حسن خلق ان کا وصف خاص تھا، اس وصف کمیاب بلکہ نایاب میں آپ سلف صالح کے اسوہ پر قائم تھے۔

۱۴- حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب: ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ کے مدیر

حضرت مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب مدظلہ نے ''حضرت مولانا محمد سالم قاسمی الی رحمۃ اللہ'' کے عنوان سے اپنے ارسال کردہ مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ سے ان کے خصوصی روابط اور حضرت کا ان سے محبت اور شفقت کے بے شمار واقعات کو تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے حضرتؒ کی رحلت کو اپنے لئے ذاتی طور پر بھی ایک خلاء گردانا ہے۔

۱۵- جناب ڈاکٹر سعید فیضی ندوی صاحب: کینیڈا سے جناب ڈاکٹر سعید فیضی ندوی صاحب نے ''مولانا محمد سالم قاسمیؒ اور مدارس اسلامیہ کا نصاب تعلیم'' کے عنوان سے اپنے مرسلہ مضمون میں مدارس اسلامیہ کے مروجہ نصاب تعلیم اور اس سلسلے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کا موقف شخصیت سازی کے باب میں حضرت خطیب الاسلامؒ کی جہود وکاوش کا بطور خاص تذکرہ کیا۔

۱۶- جناب مولانا محمد قمر عثمانی صاحب: دارالعلوم وقف دیوبند کے مؤقر وبزرگ استاذ حدیث جناب مولانا محمد قمر عثمانی صاحب نے ''اِک چراغ اور بجھا دور تک اندھیرا ہے'' کے عنوان سے اپنے مقالے میں تحریر فرمایا کہ حضرت خطیب الاسلامؒ ایک علمی شخصیت تھے، ہر عمل میں علم کا دل کش رنگ واضح طور سے نمایاں ہوتا تھا، خطیب الاسلام مرحوم تدریس ہو، تقریر ہو، تحریر ہو ہر عنوان سے اور اپنی مخلصانہ علمی خدمات کے اعتبار سے تاریخ ساز حیثیت کے حامل تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سلامتیٔ فکر، اصابت رائے مسلّم تھی، متعدد دینی وعلمی ادارے، ملی تنظیمیں آپ کے مفید مشوروں اور اصابت رائے سے مستفید ہوتی تھیں اور صحیح راہ پانے میں کامیاب ہوتی تھیں۔

۱۷- جناب مفتی محمد اقبال ٹنکاروی صاحب: دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات، کے شیخ الحدیث ومہتمم جناب مفتی محمد اقبال ٹنکاروی صاحب نے ''حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ؛ افکار وعلوم قاسمی کے شارح وترجمان'' کے عنوان سے اپنے مرسلہ مقالے میں تحریر کیا کہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ صرف دارالعلوم دیوبند کے ایک مایۂ ناز عالم، فقیہ اور مفسر ہی نہیں تھے؛ بلکہ (علم ونسب دونوں کے لحاظ سے) خانوادۂ قاسمی کے ایک کامیاب ترجمان وشارح بھی تھے نیز حضرت نانوتویؒ کے علوم ومعارف اور افکار ونظریات کے وارث بھی۔

۱۸- جناب مولانا غلام نبی صاحب قاسمی: دارالعلوم وقف دیوبند سے جناب مولانا غلام نبی صاحب قاسمی نے ''خطیب الاسلامؒ بحیثیت مہتمم'' کے عنوان سے اپنے مقالے میں تحریر کیا کہ حضرت خطیب الاسلامؒ نے حسن تدبیر اور ہمت سے تمام حالات کا مقابلہ کرکے ادارہ کو ایک ایسی سطح پر پہنچا دیا کہ اتنے قلیل عرصہ میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اخیر کے چند سال پیرانہ سالی اور عوارض میں گزرے مگر خدا تعالیٰ نے انہیں وہ ہمت اور حوصلہ عطا فرمایا تھا کہ ان حالات میں بھی وہ دارالعلوم وقف دیوبند کی ترقی واستحکام

کے لئے بدستور کوشاں رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرتؒ کو قدرت نے علمی کمالات کے ساتھ نظم و انتظام کا بھی گہرا شعور عطا فرمایا تھا جس کی زندہ شہادت دارالعلوم وقف دیوبند کا وجود اور استحکام ہے۔

۱۹- جناب مولانا ندیم الواجدی صاحب: ماہنامہ ''ترجمان دیوبند'' کے مدیر جناب مولانا ندیم الواجدی صاحب نے ''دل آویز شخصیت کے کچھ اچھوتے پہلو'' کے عنوان اپنے تحریر کردہ مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کی علمی و عملی ہمہ گیر، جامع اوصاف، تجربہ کار، عقل و دانش سے بھرپور شخصیت کے ہمہ جہت پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہوئے بہت سے مشاہدات و واقعات کا ذکر کیا اور حضرت کی اصابت رائے قوت فیصلہ اور عزم و حوصلے کی بہت سی مثالیں پیش کیں۔

۲۰- جناب محمد ارمغان ارمان صاحب: فیصل آباد، پاکستان سے جناب محمد ارمغان ارمان صاحب نے ''الوداع چراغ قاسمیت آفتاب دیوبند'' کے عنوان سے مرسلہ مقالے میں تحریر کیاہیکہ حضرت خطیب الاسلامؒ جامع الصفات والکمالات شخصیت کے مالک، بیک وقت ایک بہترین محقق عالم، متکلم، محدث، مفسر، مدرس مبلغ مصلح منتظم اور خطیب تھے، عہد حاضر میں علوم قاسمی کے وارث اور شارح، کاروان دیوبند کے میر کاروان اور اکابر کی یادگار تھے۔

۲۱- جناب محمد مجتبیٰ فاروق صاحب: آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے جنرل سکریٹری جناب مجتبیٰ فاروق صاحب نے ''ملّی وحدت کے علمبردار خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ'' کے عنوان سے مرسلہ مقالے میں خدمت دین اور اشاعت دین کے باب میں خانوادۂ قاسمی کا امتیاز و تفوق اور اسکی ڈیڑھ سو سالہ خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت خطیب الاسلامؒ کی نمایاں علمی و ملی خدمات اور خصوصا آپ کے وصف اعتدال پر تفصیل سے گفتگو کی۔

۲۲- جناب ڈاکٹر شکیل احمد صاحب قاسمی: فاران انٹرنیشنل فاؤنڈیشن پٹنہ، انڈیا کے چیرمین، جناب ڈاکٹر شکیل احمد صاحب قاسمی نے ''خطیب الاسلامؒ: فکر و عمل کے چند گوشے'' کے عنوان سے اپنے مرسلہ مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کی مختلف علمی و فکری جہود کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت کے مختلف علمی نکات، بیانات اور مشاہدات کا تذکرہ کیا۔

۲۳- جناب مولانا عبداللہ ابن القمر صاحب: دارالعلوم وقف دیوبند سے جناب مولانا عبد اللہ ابن القمر صاحب نے ''حضرت خطیب الاسلامؒ کا معاصر علماء میں امتیاز'' کے عنوان سے اپنے مقالے میں معاصر ممتاز علماء کے مابین حضرت علیہ الرحمہ کے نمایاں امتیاز کو مختلف واقعات، احوال، مشاہدات اور مختلف تحریرات کی روشنی میں واضح کیا۔

۲۴- جناب ڈاکٹر ایاز احمد صاحب اصلاحی: لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ کے جناب مولانا ڈاکٹر

ایاز احمد صاحب اصلاحی نے ’’اسلاف کی حسین روایات کے امین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ‘‘ کے عنوان سے اپنے مرسلہ مضمون میں حضرت خطیب الاسلامؒ کے مختلف اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ حضرت خطیب الاسلامؒ کو سب سے بڑا اخراج عقیدت یہی ہیکہ موجودہ قیادت ان ہی کی طرح مخلص، بالغ نظر، وسیع النظر اور اتحاد پسند بن جائے، یعنی مسلمان کے میر کارواں کا رخت سفر وہی ہو جو مولانا سالم قاسمیؒ کا تھا۔

۲۵- جناب مولانا عبدالمتین منیری صاحب: بھٹکل کرناٹک سے جناب مولانا عبدالمتین منیری صاحب نے ’’جانشین حکیم الاسلام جنہوں نے ستر سال علوم نبوت کی مسند سجائی۔ مولانا محمد سالم قاسمی علیہ الرحمۃ‘‘ کے عنوان سے تحریر کردہ مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کی زندگی کے مختلف احوال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ ستر سال تک ان کے سامنے لاتعداد افراد نے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے، ان کی جلائی ہوئی شمعوں کی لو سے لاکھوں شمعیں جلیں ہیں یہ ان کیلئے عظیم ذخیرۂ آخرت ہے۔

۲۶- جناب مولانا محمد فرمان صاحب ندوی: دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے استاذ جناب مولانا محمد فرمان صاحب ندوی نے ’’حضرت خطیب الاسلامؒ کا اسلوب نگارش‘‘ کے عنوان سے اپنے مرسلہ مقالے میں تحریر کیا کہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی شخصیت میں متنوع خوبیاں جمع تھیں، وہ باکمال خطیب، کہنہ مشق استاذ اور عظیم مربی و مصلح اور بے مثال قائد و راہنما تھے، ساتھ ہی انہوں نے حضرت علیہ الرحمہ کی بے شمار تحریر کے اقتباسات بطور شواہد پیش کئے۔

۲۷- جناب مفتی سید احمد صاحب قاسمی: جامعہ عربیہ نورالاسلام میرٹھ کے مہتمم جناب مولانا مفتی سید احمد صاحب قاسمی ’’مسلک دیوبند کے ترجمان و نگہبان: خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ‘‘ کے عنوان سے تحریر کردہ مقالے میں لکھتے ہیں کہ حضرت نانوتویؒ کے علوم و معارف، حکم و اسرار اور افکار قاسمیہ کے سچے وارث، سچے جانشیں، سچے امین اور سچے ترجمان تھے، حق تعالیٰ نے آپ کی ذات گرامی سے علوم ظاہری و باطنی کے بے شمار چشمے جاری فرمائے ہیں۔

۲۸- جناب مولانا محمد ناصر اکرمی صاحب: ماہنامہ ’’نقوش طیبات‘‘ بھٹکل کے ایڈیٹر جناب مولانا محمد ناصر اکرمی صاحب نے ’’علم و عمل کا بحر بیکراں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ‘‘ کے عنوان سے اپنے مرسلہ مضمون میں حضرت خطیب الاسلامؒ کی حیات کے مختلف گوشوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی علمی جلالت و رفعت اور خاندانی وجاہت کا بہ طور خاص طور پر تذکرہ کیا۔

۲۹- جناب مولانا نظام الدین فخر الدین صاحب: دارالعلوم نظامیہ، پونے کے بانی و مہتمم جناب مولانا نظام الدین فخر الدین صاحب نے ’’حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ اور حسنی کردار‘‘ کے

عنوان سے ارسال کردہ مضمون میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تاسیس و بناء میں حضرت حکیم الاسلامؒ کے کردار، افکار نیز تحفظ مسلم پرسنل لاء کے باب میں حضرت خطیب الاسلامؒ کی جہود اور ناقابل فراموش قربانیوں کا واضح انداز میں تذکرہ کیا۔

۳۰- جناب مولانا محمد شاہد صاحب قاسمی: حضرت خطیب الاسلامؒ کے خادم خاص جناب مولانا محمد شاہد صاحب قاسمی نے ''میرے شیخ میرے مربی: خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ'' کے عنوان سے تحریر کردہ مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کی حیات کے مختلف گوشوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے علمی اعزازات وتفردات کا بھی تذکرہ کیا ہے، ساتھ ہی حضرتؒ کی خدمت میں گذارے طویل ایام، ان کی یادیں اوران کی حکیمانہ باتیں بھی تفصیل سے ذکر کیں۔

۳۱- جناب عبدالرحمٰن سیف عثمانی صاحب: دیوبند سے تعلق رکھنے والے جناب عبدالرحمٰن سیف عثمانی صاحب نے ''حضرت خطیب الاسلامؒ اپنے اوصاف وخصائص کے آئینے میں'' کے عنوان سے تحریرکردہ اپنے مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ سے اپنے روابط، آپ کا حسن خلق مختلف واقعات کی روشنی میں ذکرکرتے ہوئے تاریخی حقائق کی روشنی میں آپ کی خدمات کا تفصیل سے ذکرکیا۔

چند عربی مقالات

۱- جناب مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی صاحب: آکسفورڈ، انگلینڈ کے جناب ڈاکٹر محمد اکرم ندوی صاحب نے ''**الشیخ محمد سالم القاسمی رحمه الله وبعض اسانیده**'' کے عنوان تحریر کردہ اپنے عربی مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کی اسانید حدیث، آپ کے اساتذہ ومشائخ حدیث کا علمی تفوق اور تعارف کراتے ہوئے سند کی قوت اور دیگر عصری اسانید کے مابین تفوق وامتیاز پر بھی تفصیلی گفتگو کی۔

۲- راقم السطور کا مقالہ: احقر نے ''**الشیخ محمد سالم القاسمیؒ ونشاطاته العلمية**'' کے عنوان سے اپنے عربی مقالے میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کی علمی سرگرمیوں اور کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کے علمی تفردات وامتیازات کا احاطہ کیا اور مختلف زاویوں سے ان کی علمی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ تنگئ وقت کی وجہ سے یہ مقالہ دوران پروگرام پیش نہیں کیا جاسکا۔

۳- جناب ڈاکٹر مشیر حسین صدیقی صاحب: لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ سے جناب ڈاکٹر مشیر حسین صدیقی صاحب نے '' **الشیخ محمد سالم القاسمیؒ: فارس میدان الوسطیةوحامل لواء**

الوحدة الإسلامية'' کے عنوان سے مرسلہ مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کی ملی وحدت وبقاء کے باب میں سعیٔ پیہم، آپ کی فکر اور اس باب میں آپ کی مختلف جہود کا تاریخی واقعات وحقائق کی روشنی میں تذکرہ کرتے ہوئے حضرت کی حیات وخدمات کے اہم گوشوں اور نمایاں پہلوؤں پر تفصیلی روشنی ڈالی۔

۴- **جناب مولانا محمد نوشاد نوری صاحب**: دارالعلوم وقف دیوبند کے جناب مولانا محمد نوشاد نوری صاحب نے'' **الشیخ محمد سالم القاسمیؒ لمحات من سیرته و مسیرته**'' کے عنوان سے اپنے عربی مقالے میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات کا مبسوط جائزہ پیش کرتے ہوئے ان کے اختصاصات وکمالات اور امتیازات وتفردات کا بطور خاص ذکر کیا، جس میں آپ کی حیات کے تمام گوشوں کا احاطہ کیا گیا۔

۵- **جناب ڈاکٹر محمد راشد ندوی صاحب**: مکۃ المکرّمہ سے جناب ڈاکٹر محمد راشد ندوی صاحب نے''**سمات الشیخ محمد سالم ومحاسنه الشخصیه**'' کے عنوان سے تحریر کردہ عربی مقالے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کے ذاتی محاسن اور ان کے اوصاف وخصائص کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت کی خاندانی رفعت، علمی وعملی وتفوق وامتیاز کا خاص طور پر تذکرہ کیا۔

۶- **جناب ڈاکٹر محمد ادریس صاحب قاسمی ندوی**: لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ سے جناب ڈاکٹر محمد ادریس صاحب قاسمی ندوی نے''**الشیخ محمد سالم القاسمی فی ضوء بعض کتاباته العلمیة والفلسفیة والفکریة: دراسة و اعتراض**'' کے عنوان سے اپنے عربی مقالے میں حضرت علیہ الرحمہ کی علمی وفکری تحریرات کی علمی وفنی بنیادوں پر تحقیق پیش کرتے ہوئے آپ کی تحریر میں علمی امتیازات کا ذکر کرتے ہوئے موروثی فلسفیانہ رنگ، فکری آہنگ اور طرز استدلال کی ندرت کو بطور خاص واضح کیا۔

۷- **جناب مولانا محمد شمشاد رحمانی صاحب**: دارالعلوم وقف دیوبند سے جناب مولانا محمد شمشاد رحمانی صاحب نے''**الشیخ محمد سالم القاسمیؒ کما یراہ العلماء المعاصرون**'' کے عنوان سے اپنے عربی مقالے میں معاصر نامور علماء کی نظر میں حضرت خطیب الاسلامؒ کی رفعت اور مقام ومنزلت آشکارا کرتے ہوئے معاصر علماء کے مختلف اقوال بھی نقل کئے ہیں۔ مولانا شمشاد صاحب کا یہ مقالہ درحقیقت ان کے اردو مقالہ ''حضرت خطیب الاسلام اپنے معاصرین کی نظر میں'' کا عربی ترجمہ ہے۔

انگریزی مقالات

۱- **جناب ڈاکٹر عاطف سہیل صدیقی صاحب**: دیوبند کے جناب ڈاکٹر عاطف سہیل

صدیقی صاحب نے "Mawlana Muhammad Salim Qasmi: A Man of Courage and Conviction" کے عنوان سے انگریزی زبان میں تحریر کردہ مقالے میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی حیات کے مختلف گوشوں کا احاطہ کرتے ہوئے ان کے قوت فکر وعمل، ان کی فکری توسع اور ان کے ذاتی اوصاف وخصائص کا بطور خاص تذکرہ کیا۔

۲- جناب مولانا محمد سجاد صاحب قاسمی: دارالعلوم وقف دیوبند کے مولانا محمد سجاد صاحب قاسمی نے "Khatib-ul-Islam Maulana Muhammad Salim Qasmi: Literary Services" کے عنوان سے انگریزی زبان میں تحریر کردہ مقالے بحیثیت مذہبی قائد آپ کی علمی وملی خدمات کا تعارف کراتے ہوئے تحفظ دین وشریعت کے باب میں آپ کے اقدامات اور خدمات کا تفصیل سے تذکرہ کیا۔

حرف آخر!

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند ونائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) کی عالمگیر، آفاقی، ہمہ جہت، عبقری شخصیت کی حیات وخدمات پر منعقد ہونے والا عظیم الشان بین الاقوامی سہ لسانی سیمینار اپنی تمام جلوہ سامانیوں اور رعنائیوں کے ساتھ تکمیل کو پہونچا اور ہمارے قلب وذہن پر اپنی حسین یادیں چھوڑ کر دارالعلوم وقف دیوبند کے باب میں ایک تاریخ مرتب کر گیا، یقیناً یہ تمام چیزیں توفیق ایزدی، تائید غیبی، اساتذہ ومنتظمین کی جہد پیہم، اہل قلم کی نگارشات، ارباب علم وفضل کی تحریرات، اکابر کی بزرگانہ توجہات اور دعوات مستجاب کے نتیجہ میں کامیابی سے ہمکنار ہوئیں۔

پیش نظر کتاب سیمینار کے ان اردو مقالات کا مجموعہ ہے جو سیمینار کے موقع سے موصول ہوئے، سیمینار کی سرگرمیاں، اجلاس کی تیاریاں، مشاغل کی کثرت وبہتات اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ سیمینار کے موقع سے مقالات کے مجموعے کو اشاعت کے مراحل سے گذار کر نذر قارئین کیا جائے، اس لئے اُس موقع سے اس مجموعے کی اشاعت نہیں کی جاسکی۔

بحمد اللہ مقالات کا یہ مجموعہ افادۂ قارئین کی غرض سے پیش ہے، اس امید کے ساتھ کہ حضرت خطیب الاسلامؒ کی حیات کے مختلف علمی وعملی نقوش مابعد والوں کیلئے مشعل راہ ثابت ہوں گے۔

❖ ❖ ❖

امت کی رہبری

درحقیقت ایسے واقعات کے ظاہر کرنے کا مقصد ہی یہ ہو کہ لوگوں پر عملاً یہ بات واضح کردی جائے کہ انبیاء کرام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول اور افضل خلائق ہیں مگر پھر بھی وہ خدائی علم وقدرت کے مالک نہیں تاکہ لوگ اس غلط فہمی کے شکار نہ ہو جائیں جس میں عیسائی اور نصرانی مبتلا ہو گئے کہ اپنے رسول کو خدائی صفات کا مالک سمجھ بیٹھے اور اس طرح شرک میں مبتلا ہو گئے۔

(زریں فرمودات از حضرت خطیب الاسلامؒ

ماہنامہ ندارئے دارالعلوم وقف، ماہِ محرم الحرام ۱۴۳۹ھ، ص: ۱۰)

خطبات

خطبۂ استقبالیہ

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب ❖

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی. اما بعد!

گرامی قدر صدر عالی مقام، صاحبان فضل وکمال، حضرات علمائے عظام، دانشوران و مفکرین امت اساتذہ کرام وطلبائے عزیز اور معزز حضرات سامعین وحاضرین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دارالعلوم وقف دیوبند کے شعبۂ بحث وتحقیق حجۃ الاسلام اکیڈمی کے زیر انتظام خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نوراللہ مرقدہ کی ۷۵؍سالہ علمی وعملی حیات و خدمات کے مختلف پہلوؤں، متنوع گوشوں اور جہتوں سے بحث وتحقیق اور تنقیحی اصولوں کی بنیاد پر عالمانہ و ناقدانہ جائزہ اور موضوعات متعلقہ کی تنقیحات وتشریحات اور مختلف جہات نظر ونظریات پیش کئے جانے پر مشتمل، منعقد ہونے والے اس عظیم الشان دوروزہ سیمینار میں تشریف لانے والے اصحاب علم وفضل علمائے کرام، وسیع الفکر ووسیع العلم مفکرین ومشاہیرین اور بعطائے حق جل مجدہ تعمق علم وآگہی رکھنے والے اصحاب قلم اور مختلف طبقات وشعبہ جات سے منسلک حضرات مہمانان ذی وقار، اخلاص ومحبت کی بنیاد پر لائق صد شکر وممنونیت، تعلق رکھنے والے اہل کرم و متنسبین حضرات کی تشریف آوری جماعت دارالعلوم وقف دیوبند کے جملہ اراکین کے لئے انتہائی ممنونیت اور شکرگزاری کا باعث ہے کہ آپ سب کرم فرما حضرات نے موسم کی شدت کو نظر انداز کیا اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے علاوہ اپنی بے حد قیمتی ترین مصروفیات ومشغولیات سے وقت نکال کر دارالعلوم وقف دیوبند کی دعوت پر تشریف لاکر ہمیں شرف میزبانی سے سرفراز فرمایا، جس کے لئے ہم جملہ خدام ادارہ آپ تمام حضرات کے بصمیم قلب شکرگزار اور دل کی گہرائیوں سے بارگاہ رب العزت میں آپ کی اس آمد وشرکت کی قبولیت کے لئے دست بہ دعا ہیں۔ **فجزاکم اللہ احسن الجزاء**

اس دوروزہ سیمینار کے انعقاد میں اہم اور بنیادی اہداف و مقاصد کے خدوخال جو کہ اس کی مقصدیت کو محیط ہیں، اس کی اجمالی تمہید یہ ہے کہ بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد

❖ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

قاسم نانوتوی نوراللہ مرقدہ اور فقیہ الامت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سے لیکر مابعد تک کے ہمارے تمام اکابر واسلاف کی روشن وآشکارا علمی، عملی، دینی، اسلامی، تعلیمی، تعمیری، ملّی، سیاسی، انتظامی بہمہ انواع جہود وکاوش میں قدر مشترک کے طور پر اہداف ومقاصد کے نقطۂ نظر سے اگر جائزہ لیا جائے تو بہ ادنیٰ غور وفکر کے بعد جو حقیقت سامنے آتی ہے اس کا خلاصہ صرف اتنا ہے کہ زاویۂ فکر ونظر میں خواہ کتنا ہی تفاوت کیوں نہ ہو، میدان عمل خواہ ایک دوسرے سے کتنا ہی مختلف کیوں نہ رہا ہو لیکن ان کے اہداف ومقاصد ایک تاریخی تسلسل واستمرار سے بایں طور مربوط ہیں کہ اگر درمیان سے کسی ایک شخصیت کی خدمات کو حذف کرنا تو دور کی بات قرار واقعیت میں استخفاف سے بھی کام لیا جائے تو میری نظر میں وہ پوری عمارت کو متزلزل کر دینے کے مترادف ہے، کیونکہ جس جماعت یا جس قوم کا رشتہ اپنے اسلاف واکابر کی جگ روشن خدمات سے کٹ جائے یا کاٹ دیا جائے یا کمزور پڑ جائے تو اس کا وجود بحیثیت ایک جماعت کے یا بحیثیت ایک قوم کے صفحۂ ہستی سے مٹ کر تاریخ کے صفحات میں اس طرح گم ہوکر داستان پارینہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے کہ آنے والی نسلیں نظائر عبرت کے ذیل میں اسکا تذکرہ کرتی ہیں کیونکہ اگر اسلاف کے علمی وعملی اوصاف وامتیازات انکی خصوصیات ان کے کمالات غیرت وخودداری کے جذبات اور عظمت وشرافت کے واقعات انکے علمی عملی کارنامے جو کہ غیرت مند وخوددار اخلاف ومنتسبین کے لئے سرچشمہ حیات کے مثل ہوتے ہیں اگر ان سے ہی رشتہ کمزور پڑ گیا تو انکی رگوں میں وہ گرم خون کہاں سے آئے گا جو کہ معنوی زندگی کا سرچشمہ اور تحریک عمل کی بنیاد واساس بن سکتا تھا گویا کہ اپنے اسلاف سے علمی وعملی ارتباط کو باقی اور قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اکابر واسلاف کی قرار واقعی تاریخی اہمیت کی حامل خدمات کو افراط وتفریط کے غیر ضروری ولایعنی ملمع سازیوں کے طور طریقوں سے محفوظ رکھتے ہوئے اور اس سے بھرپور اجتناب برتتے ہوئے رخصت پذیر شخصیت کے احوال وکوائف، واقعات ومشاہدات، نظائر وتجربات کا بحث وتحقیق، تنقیح وتنقید کے مسلمہ اصولوں وکسوٹی پر خوب جانچ پرکھ کر آنے والی نسلوں کی حیاتِ معنوی کو تحفظ فراہم کیا جائے، کیونکہ یہی علمی وتاریخی ارتباط، علمی وعملی دنیا میں ہمارے معنوی وجود وبقا کی ضمانت ہے۔

جماعت کے تمام ہی اہل علم وفضل حضرات اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ اگر چہ بہمہ رنگ وانواع ہمارے اسلاف کے طریق عمل کی جہات بہت سی ہیں لیکن اگر بنیادی اہداف ومقاصد کے نقطۂ نظر سے جہود بقائے اسلام کی تحریکات کے تناظر میں ہم ۱۷ویں صدی سے حضرت مجدد الف ثانیؒ، شیخ احمد سرہندی سے لے کر محدث دہلوی حضرت شاہ ولی اللہؒ اور اس سے آگے حجۃ الاسلام النانوتویؒ تک سرسری سا بھی جائزہ لیتے ہیں تو قریب زائد از دو صدیوں کے طویل ترین فاصلے کے باوجود اہداف ومقاصد کی مشترک اقدار میں ایک تاریخی اور فکری ارتباط بہت واضح طریقے پر محسوس ہوگا اسی طرح یہی روح عمل

محدث دہلوی حضرت شاہ ولی اللہؒ سے منتقل ہوکر حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ سے گذرتی ہوئی حجۃ الاسلام النانوتویؒ تک پہونچتی ہے، گویا کہ اس کہکشانی سلسلے کا تاریخ کے تناظر میں مطالعہ کیا جائے تو بہمہ رنگ وانواع یہی اقدار یہی اہداف نظر آئیں گے، خواہ ۱۷ویں صدی میں دین الٰہی کے پیرائے میں قلعۂ اسلام پر نقب زنی کا سدباب ہو یا ۱۸ویں صدی میں مسلمانوں کے سیاسی عدم استحکام کے پس منظر میں بدخواہان اسلام کی بیخ کنی کی تحریک وتدابیر، ۱۸۵۷ء کے خونچکاں احوال میں دارالعلوم دیوبند کے قیام اور تحریک مدارس کے ذریعہ دین وعقائد کے تحفظ کی بات ہو، یا حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کی جہود آزادئ وطن کا ذکر، محدّثِ عصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی جلیل القدر محدثانہ خدمات کا تذکرہ ہو یا حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی ہزار سے زائد تصنیفات وتالیفات کی راہ سے دوررس نتائج کی حامل اصلاح امت کی تحریک، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی علمی خدمات کے علی الرغم اسارت مالٹا کی رقم شدہ تاریخ کی مثال ہو یا حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ کی ہمہ جہت مساعی کا تذکرہ، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی بلند پایہ مختلف النوع خدمات کا تحقیقی مطالعہ ہو یا رئیس العلما حضرت مولانا عبداللہ اسماعیل پٹیل صاحبؒ کی تصنیفی کاوشوں کے ساتھ روح مدارس کے تعلق سے فکرمندانہ عمل، علیٰ ہٰذا القیاس:

چمن میں اختلاف رنگ و بو سے بات بنتی ہے
ہم ہی ہم ہیں تو کیا ہم ہیں، تم ہی تم ہو تو کیا تم ہو

غرض کہ ایک علمی اور تاریخی تسلسل سے آسمانِ علم وعمل کے یہ آفتاب و ماہتاب باہم دگر معنوی طور پر اس طرح سے مربوط ہیں کہ ہر ایک کی اپنی فردیت وانفرادیت کا تذکرہ کئے بغیر بات مکمل ہی نہیں ہوسکتی ہے، گویا اگر کہا جائے کہ تمام اسلاف کے غیرت مند اخلاف کی مشترکہ جہود سے ہی جماعت کی یہ توانائیاں قائم و دائم ہیں جنہوں نے اپنے اکابر واسلاف کے کارناموں کو حرز جاں بنا کر اپنے لئے اور آنے والی نسلوں کے لئے تحریک عمل کی بنیادیں فراہم کرنے میں ہر ایک نے اپنی جگہ پر مرکزی کردار ادا کیا ہے، تو میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ اہل علم و دانش اس کو مبالغہ آرائی پر محمول نہیں کریں گے، بالفاظ مختصر یہ کہ جماعت کے ما بہ الامتیاز اوصاف جن سے کہ جماعت کی شیرازہ بندی باقی اور محفوظ و مامون ہے، وہ دو اجزاء پر محیط ہے۔ ایک متذکرہ علمی وتاریخی ارتباط، دوسرے فکر ونظر میں وسعت پذیری کے ایسے عناصر کا پایا جانا جس میں قریب وبعید کا رشتہ رکھنے والے افراد و جماعتیں بھی طمانیت کے احساس سے خالی نہ ہو اور جماعت کے عالی ظرف شارحین کو دوسرے اسٹیج پر جاکے بھی اپنی بات کہنے اور دوسرے کی بات سننے میں ادنیٰ درجہ کا تأمل نہ ہو اور اس نکتۂ فکر عالی کی تعبیر فکر قاسمی کے ترجمان حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ بایں طور فرمایا کرتے تھے کہ قابل تبلیغ صرف دین تھا اور صرف دین ہے، جیسا کہ اسلام کے قرنِ اوّل میں تھا، اسلام کے دائرۂ وسعت کے ساتھ ساتھ

جب فکری انحطاط آیا تو لوگوں نے دین کو چھوڑ کر مذاہب کو قابل تبلیغ قرار دیا جب کہ مزید فکری زوال نے مسالک کو قابل تبلیغ بنادیا، جو کہ قابل ترجیح تو ہوسکتا ہے قابل تبلیغ ہرگز نہیں بن سکتا، نوبت بایں جارسید کہ پست فکر طبقات نے تبلیغ دین متین کو بالکل ہی پسِ پشت ڈال کر مشرب کی تبلیغ کو ہی صلاح وفلاح کا ضامن مان لیا جو کہ اتحاد بین صفوف المسلمین جس کو جماعت کے اکابر نے اپنی آفاقی فکر کے زیر اثر بنیاد واساس کا اہم ترین جز وقرار دیا تھا اس تبلیغ مشرب کے فکر نے اس کو شدید نقصانات سے دو چار کیا ہے۔

اور امت میں انتشار وافتراق کے نئے نئے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، مسلک دیوبند کے شارح حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی تشریحات کے بقول: اسلام کے صدر اول سے مابعد کا بلا انقطاع ارتباط وتعامل ہی دراصل جماعت دیوبند کے اجزائے ترکیبی کی بنیاد واساس کا مؤثر حصہ ہے، جس سے کہ جماعت کی شیرازہ بندی ہے، علی سبیل المثال جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں ہر رنگ اور ہر طبقے کے افراد جمع تھے اور ایک دوسرے کی عظمت ومحبت اور ادب واحترام میں بھی اپنی رفعتِ شان کے مطابق عظمت کے انتہائی مقام پر فائز تھے، اور اسی لئے امت کے اہل علم وفضل افراد میں افضل ترین اور مقبول ترین ذوات اور اعلیٰ ترین طبقات وہی سمجھے گئے جن میں تمام شعبہ ہائے دین کے اجتماع سے جامعیت کی شان پیدا ہوگئی اور وہ بیک وقت قرآن و حدیث، فقہ واصول، تصوف وکلام، روایت ودرایت پھر راہِ عمل کے اخلاق میں فقر وامارت، زہد ومدنیت عبادت وخدمت، خلوت پسندی وجلوہ آرائی، بوریہ نشینی وحکمرانی کے ملے جلے احوال وکیفیات سے سرفراز ہوئے۔ جس طرح صحابہ کرام، تابعین وتبع تابعین وسلف صالحین کی جماعت میں جامعیت کی شان اختلاف زاویۂ فکر ونظر کے علی الرغم باہم دگر ارتباط باہمی کے تسلسل میں مضمر تھی انہی کے نقوش راہ عمل کو جادۂ منزل تک پہنچنے کا ذریعہ بنانے والی اور ان کے نقش قدم پر قدم بہ قدم چلنے والی ذوات سے امت کبھی بھی خالی نہیں رہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی شخصیت پر غلبہ کسی خاص علم وفن یا کسی خاص شعبہ کا رہا ہو اور وہ اسی شعبہ اور فن کے انتساب سے دنیا میں متعارف ہوا ہو جو کہ نہ جماعت کی جامعیت کے منافی ہے اور نہ ہی اہداف ومقاصد سے باہر کی کوئی شئے ہے، شرط ہے کہ وسعت فکر ونظر کے ساتھ اصل الاصول دین کی سربلندی ہی مقصود ہو، بالفاظ مختصر یہ کہ جس طرح یہ تمام شعبہ ہائے علم وعمل واجب الاعتبار قرار پائے ایسے ہی ان شعبوں سے وابستہ تمام شخصیات ناحیۂ علم وعمل کی کسوٹی کے بطور واجب العقیدت، واجب العظمت ہیں اور ان کی محبت وعظمت ہی دراصل جماعت علمائے دیوبند کی اہم ترین اساس وبنیاد ہے کیوں کہ بحیثیت جماعت کے جامعیت کی یہی راہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی رہی، جس میں بیک وقت ان تمام سنن نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور تمام شعبہ ہائے دین کے ساتھ ذات کی عظمت وتوقیر اور ادب واحترام

کو جمع کئے رکھا، یہی وہ جامع طریقۂ عمل ہے جو سلسلہ بہ سلسلہ چلتا ہوا حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ تک پہنچا جس کا طرّۂ امتیاز بھی احترامات و عظمتوں کا جمع کرنا تھا اور ان سے گذرتا ہوا یہی طریقۂ عمل جماعت علمائے دیو بند تک پہنچا، جن کی یہی جامعیت اور ارتباط و تسلسل وجہ امتیاز و تعارف بنا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ آج کا یہ عظیم الشان سیمینار دراصل اسلاف و اکابر کی انہی ما بہ الامتیازات جہود و کاوش میں کسی درجہ شمولیت و حصہ داری اور اس تعلق سے اپنے موجودہ اکابرین کی زیر سرپرستی اپنی ذمہ داریوں کو انجام دینے کی کوشش و کاوش کے ساتھ متذکرہ بالا حقائق کی روشنی میں دار العلوم وقف دیو بند کی زیر قیادت ایک نئے عہد کے آغاز کا ایک عنوان ہے جس کو رخصت پذیر سر خیل جماعت خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی حیات و خدمات سے معنون کیا گیا ہے، علاوہ ازیں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ اور مفکر ملت حضرت مولانا مفتی عبد اللہ اسماعیل پٹیل صاحب کاپودروی علیہ الرحمہ کی وسیع تر خدمات کے بالاختصار تعارف کے نقطۂ نظر سے دار العلوم وقف دیو بند کے ترجمان ماہنامہ ندائے دار العلوم نے اپنی خصوصی پیش کش کو ''خطیب الاسلام نمبر'' اور ''مفکر ملّت نمبر'' سے معنون کیا ہے جو کہ زیور طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آچکے ہیں اور آج اسی نشست میں اکابرین امت کے مبارک ہاتھوں ان کا اجراء عمل میں آئے گا۔

اس سمع خراشی پر بصد ادب معذرت خواہی کے ساتھ اخیر میں پھر ایک مرتبہ تمام مہمانانِ ذی وقار کی اس سیمینار میں آمد و شرکت پر بصمیم قلب شکریہ ادا کرتا ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

وما علینا الاّ البلاغ

❖ ❖ ❖

صدارتی خطاب

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی صاحب ❖

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد!

يؤتي الحكمة من يشاء، ومن يؤت الحكمة فقد أوتي خيرا كثيرا، وما يذكر الا أولو الألباب.

اعد ذكر نعمان لنا أن ذكره ☆ هو المسك ما كررته يتضوع

مشک کو جتنا ہی زیادا اٹھایا، بٹھایا، منتقل کیا جائے گا، اتنی ہی زیادہ اس کی خوش بو پھیلے گی۔

مشک آں کہ خود بہ گوید، نہ کہ عطار بہ گوید

آپ اس وقت مشک کا ذکر کر رہے ہیں، خود اس کی خوش بو ہر طرف پھیلی ہوئی ہے؛ اس لیے اس مشک سے زیادہ سے، زیادہ ہم کو فائدہ اٹھانا چاہیے، کہ اس مشک کے اندر کون کون سی خوبیاں تھیں اور مشک کس طرح سے پھیل رہا تھا دنیا کے اندر، اور اپنی خوبیاں کہاں کہاں تک پھیلا رکھی تھی۔ آج اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں یہ موقع دیا ہے کہ اس مشک سے ہم زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں اور ان کی تعلیمات کو یاد کریں۔ اس خانوادۂ علم وحکمت کے جو بزرگان ہیں: حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، فخر الاسلام حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ، اور ان کے بعد جو ہیں حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب، ڈاکٹر مولانا محمد شکیب قاسمی صاحب؛ یہ تمام حضرات وہ ہیں، جو اس علمی خاندان کی نمائندگی کر رہے ہیں، اس خانوادۂ علم وحکمت کا رشتہ اس علم وحکمت کی جگہ سے جڑ رہا ہے، جو حضور پاک ﷺ کو عطا فرمایا گیا تھا، یعنی علم وحکمت اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو عطا فرمائی تھی، اسی علم وحکمت سے اس خانوادۂ علمی کے علم وحکمت کا رشتہ جڑ رہا ہے، اور جس کا سلسلہ برابر جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا، ان شاء اللہ تعالی!

ہم سب کے لیے بہت خوشی کی بات ہے کہ ہم ان تمام باتوں کو اپنے سینے میں رکھیں، اور وحدتِ اسلام کے ساتھ وحدتِ انسان کے پیغام کو بھی ہم اپنے پیش نظر رکھیں؛ اس لیے کہ خیر امت جو اللہ پاک نے حضور ﷺ کے ذریعہ سے عطا فرمایا، وہ خیر امت آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی؛ لیکن خیر امت کی نمائندگی

❖ مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

کرنے والے کہاں ہے۔ اس خیر امت کی نمائندگی کرنے والا جو خانوادہ تھا، اس خانوادہ کی زیادہ سے زیادہ اتباع کرنا اور اس کے نقش قدم پر چلنا؛ ہم سب کے لیے ضروری ہے۔ آج اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم خیر امت کی نمائندگی دنیا کے سامنے پیش کریں اس طور پر کہ اس میں وحدتِ اسلام اور وحدتِ انسان؛ سب شامل ہو جائے۔

آج جن حالات سے ہم لوگ گزر رہے ہیں، ان حالات میں اس بات کی بہت زیادہ ضرورت ہے، کہ ہم آج نمائندگی کریں اس وحدت کی، اس خیر امت کی، جس سے پوری دنیا میں اسلام پھیلا، جس کی وجہ سے آج دنیا کے اندر ڈیڑھ ارب مسلمان موجود ہیں۔ آج دنیا کے اندر ڈیڑھ ارب مسلمانوں کی موجودگی اسی خیر امت کی نمائندگی کا نتیجہ ہے، کہ جس کے لیے ہم سب لوگ جمع ہوئے ہیں آج پھر ہم سب اس سبق کو یاد کریں، اور خیر امت کی نمائندگی کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں۔ یہ ہی سب سے بڑا کام ہے۔ اور اس اجتماع اور اس مجلس مذاکرہ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہی ہے، اللہ تبارک وتعالی ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور ہم یہاں سے یہ عزم کر کے اٹھیں کہ ہمیں خیر امت کی نمائندگی کرنی ہے اور ہر چیز کی حفاظت کرنی ہے، زبان کی بھی حفاظت کرنی ہے، جو علم اللہ تعالی نے ہمیں آپ ﷺ کے ذریعہ عطا فرمایا ہے اس علم کی بھی حفاظت کرنی ہے، اس دعوت کو پھیلانا ہے، جو آپ ﷺ نے ہمیں عطا کی ہیں، اور تعلیم کے میدان کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنا ہے تا کہ علم وحکمت دنیا کے سامنے آسکے، بغیر تعلیم وتربیت کے ہم اس علم وحکمت کو دنیا کے سامنے پیش نہیں کر سکتے اور نہ خیر امت کی نمائندگی کر سکتے ہیں۔ اس خانوادۂ علم وحکمت کا بہت بڑا احسان ہے اس ملک کے اوپر، کہ اس نے اس علم وحکمت کے دائرہ کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کی کوشش کی، اور برابر وسیع ہوتا جا رہا ہے، اور اسی کے نتیجہ میں لاکھوں اسلامی درس گاہیں قائم ہیں، اور وہاں سے یہ ہی پیغام دیا جا رہا ہے اور یہ ہی پیغام ہر جگہ پہونچایا جا رہا ہے، کہ ہم اسلام کی اس وحدت کو اور امت اسلامیہ کی خیریت کو دنیا کے سامنے پیش کریں، اور اپنی زندگی کے اندر اور اپنے عمل وکردار کے اندر اس کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر کے ہم آج دنیا کے سامنے اس قیادت کا فریضہ انجام دیں، جس قیادت کے لیے اللہ نے ہمیں پیدا کیا ہے: "**كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر و تؤمنون بالله**".

میں ان ہی چند الفاظ کے ساتھ حضرت مولانا محمد سفیان صاحب اور آپ کے تمام معاونین اور رفقا کا شکر گزار ہوں، جنھوں نے اس عظیم الشان سیمینار کا اہتمام کیا، جس میں تمام علمائے کرام اور ایسے ایسے لوگ جمع ہیں، جن کو دیکھ کر کے اللہ کے اس دین کی عظمت یاد آتی ہے، کہ اگر اللہ تعالی کا یہ دین عظیم نہ ہوتا، تو آج ہم یہ مجمع کیسے دیکھ سکتے تھے، ان علمائے کرام واصحاب علم ودانش کا یہ اجتماع معمولی بات نہیں ہے، ہر شخص نہیں کر سکتا؛ لیکن یہ تاثیر اس علم وحکمت اور اس دعوت کی، جس کو آپ نے اپنایا تھا اور جسے آپ نے لوگوں میں پھیلایا، اور اس کو پھیلا کر دنیا کے اندر اللہ کے پیغام کو عام کرنے کی کوششیں کیں۔

❖ ❖ ❖

خصوصی خطاب

حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب ❖

بموقعہ ''خطیب الاسلام حیات وخدمات'' بین الاقوامی سیمینار

منعقدہ ۱۲/۱۳/ اگست ۲۰۱۸ء

الحمدللّٰہ نحمدہٗ ونستعینه و نستغفره و نؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یهده اللّٰہ فلا مضل له و من یضلله فلاهادی له و نشهد ان لا اله الا اللّٰہ وحده لاشریك له و نشهد ان سیدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله.

حضرت صدر محترم، حضرت مولاناؒ کے صاحب زادے اوران کے جانشین، اس قابل قدر بارونق اجتماع میں دور دراز سے آئے ہوئے معزز مہمانان کرام اور عزیز طلبہ!

یہ فقیر اپنی تہی دستی، کم علمی، بے بضاعتی، بے مائیگی کے بنیاد پر اپنے آپ کو اس کا اہل ہرگز نہیں سمجھتا کہ حضرت مولاناؒ جیسی ہمہ گیر شخصیت کے سلسلے میں کچھ کہے، حقیقت یہ ہے کہ میرا کچھ کہنا حضرت مولاناؒ کی شخصیت پر اثر انداز نہیں ہوگا؛ لیکن یہ میرے لیے باعث سعادت ضرور ہے۔ میں اپنی کم مائیگی کو دیکھتے ہوئے حضرت مولاناؒ کی علمی وجاہت اوران کے علمی مقام ومرتبے پر کچھ کہوں، نہ میں اس کے لئے تیار تھا اور نہ میں نے کچھ سوچا تھا، ان کے بہت سے اوصاف ہیں، زندگی کے مختلف پہلو ہیں، ان کی خدمات الحمد للہ ایک لمبے زمانے کے اوپر پھیلی ہوئی ہیں، جن پر آپ میں سے بہت سے حضرات روشنی ڈالیں گے، میرے نزدیک ہر دیوبندی کے لئے جو دیوبندی مکتب فکر سے وابستہ ہے اور دیوبندی مسلک سے تعلق رکھتا ہے یہ بات یقیناً انتہائی خوشی اور خصوصاً مجھ جیسے بے مایہ انسان کے لئے تو یہ بڑی عظمت کی چیز ہے کہ حضرت مولاناؒ کا تعلق، رشتۂ خاندانی، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے ہے جو دیوبندی مکتب فکر کی بنیاد ہیں، یہ بہت بڑی سعادت کی بات ہے وہ چاہے دنیا کے کسی بھی خطے کے اندر دیوبندی مسلک سے تعلق رکھنے والا ہے اور خاص طور پر اس درسگاہ سے تعلق رکھنے والا، کسبِ فیض کرنے والا جو حضرت نانوتویؒ کی قائم کردہ ہے، اس کے لیے حضرت مولاناؒ کی ذات کا یہ تعلق یقیناً حضرت مولاناؒ کی عظمت کے لئے کافی ہے۔

❖ صدر جمعیۃ علماء ہند

حضرت نانوتویؒ کی شخصیت اتنی عظمت والی شخصیت ہے کہ میں سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ دارالعلوم اور اس سے وابستہ درسگاہوں کو "إلى يوم القيامة" قائم ودائم رکھے، جب تک یہ سلسلہ چلتا رہے گا حضرت نانوتویؒ کے حسنات کے اندر اضافہ ہوتا رہے گا، کل قیامت کے دن حضرت میدانِ محشر کی طرف چلیں گے تو ان سے واسطہ درواسطہ دنیا کے اندر کسب فیض کرنے والے رہیں گے۔ (ان شاء اللہ)

اتنی بڑی جماعت حضرت کے پیچھے ہوگی کہ آج اس کا تصور کرنا مشکل ہے، یقیناً بارگاہ خداوندی میں حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی یہ خدمت قابل قبول بھی ہے اور مقبول بھی ہے، میں اسی کا سبب سمجھتا ہوں کہ اللہ نے حضرتؒ کے خاندان کو یکے بعد دیگرے ۱۵۰/سال سے زائد سے مسلسل افراد سے نوازا ہے اور علم نبوت یکے بعد دیگرے خاندان کے اندر چلتا رہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کا سبب حضرتؒ کی شخصیت کا عنداللہ مقبول ہونا ہے جس کی بنا پر وہ ان کے خاندان کو برابر نوازتا رہا ہے اور وہ سلسلہ آج بھی چل رہا ہے۔

دنیا کے اندر بڑے بڑے خاندان ہیں، جن کی بنیادی شخصیت کے سامنے آج دارالعلوم سے وابستہ بڑے سے بڑے عالم دین کا سر ان کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہیں، حضرت گنگوہیؒ کا مرتبہ کم نہیں ہے، دارالعلوم کے سرپرست تھے، علم نبوت کے حامل تھے، مسلک دارالعلوم کی بنیادی شخصیت تھے؛ لیکن علم نبوت خاندان کے اندر نہیں چل سکا، اگر آج آپ چراغ لے کر ڈھونڈھیں تو ان کی اولاد میں کوئی آپ کو عالم دین نہیں ملے گا، حضرت گنگوہیؒ کی عظمت ہم سب کے سر اور آنکھوں پر، حضرت شیخ الہندؒ: ان کی عظمت کے سامنے بڑے بڑے علماء کے سر جھکے ہوئے ہیں، ایسا شخص جس کے شاگردوں کے اندر اتنے بڑے بڑے علماء آئے ہوں، ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے والے کہاں سے کہاں پہنچ گئے، اگر انور شاہ کشمیریؒ، انور شاہ کشمیری بنے تو حضرت شیخ الہندؒ سے کسب فیض کرکے بنے، ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرکے بنے، اگر حضرت تھانویؒ مجدد ملت بنے تو حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد رشید بنتے ہوئے، اگر مفتی کفایت اللہؒ جیسا شخص جن کو مفتی اعظم کہا جاتا ہے، اگر وہ مفتی اعظم بنے تو حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرکے بنے، اگر حضرت مدنی شیخ الاسلامؒ بنے تو حضرت شیخ الہندؒ کے گھر کی گندی نالیاں اپنے ہاتھ سے صاف کرکے بنے، اگر مولانا عثمانیؒ مولانا شبیر عثمانی بنے، شیخ الاسلام بنے، تو حضرت حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرکے بنے۔

ایک شخص کے شاگردوں میں اتنی باکمال شخصیتیں پیدا ہوں، یہ حضرت شیخ الہند کا کمال تھا، حضرت شیخ الہندؒ کے سوا کوئی دوسرا آدمی نہیں تھا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے اندر اپنے علم کو شاگردوں کے دلوں کے اندر ان کے سینے میں منتقل کرنے کی صلاحیت تھی، لیکن آج ان کے خاندان میں اگر آپ دیکھیں کوئی عالم دین ایسا مل جائے جس کے علم پر بھروسہ کیا جائے، نہیں ملتا، افسوس ہے! حضرتؒ کی کوئی اولاد نرینہ نہیں

تھی؛ لیکن ان کی بچیوں کی اولاد تھی، آج آپ انہیں جانتے بھی نہیں ہیں۔ حضرت نانوتویؒ کو اللہ نے نوازا ہے، چنا ہے، انتخاب فرمایا ہے، حضرتؒ کے بعد ان کے صاحب زادے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ ہیں، حضرت نانوتویؒ کے شاگردوں میں دو شاگرد بہت نامی گرامی تھے، مولانا احمد حسن صاحب امروہویؒ، مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ، علماء اس زمانے میں یہ کہا کرتے تھے کہ حضرت نانوتویؒ کے شاگردوں میں علم کے اعتبار سے جو مقام مولانا امروہویؒ کا تھا وہی مقام حضرت شیخ الہندؒ کا تھا۔

حضرت نانوتویؒ نے اپنے صاحب زادے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کو پڑھنے کے لئے ان کے پاس بھیجا تھا، پڑھتے رہے جب حضرت نانوتویؒ مرض وفات میں ہوئے تو ان کو بلایا، میں نے یہ بات ان بزرگوں سے سنی ہے جو امروہہ کے رہنے والے تھے کہ حضرت مولانا امروہویؒ نے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ ابن حضرت نانوتویؒ کو اسٹیشن تک پہنچانے کے لئے لے کر خود گئے، گاڑی پر بٹھایا اور جب بیٹھ گئے تو دونوں دروازے کے حصوں کو پکڑا اور پکڑ کر یہ کہا کہ اگر استاذ محترم یہ پوچھیں کہ حضرت حسن نے کیسا معاملہ کیا تو صرف دو کلمۂ خیر کہنا، یہ تعلق تھا شاگردوں کا حضرت نانوتویؒ سے، حضرت حجۃ الاسلامؒ چلے گئے، علوم نبوت کا وارث حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ بنے، حافظ احمد صاحبؒ چلے گئے، قاری طیب صاحبؒ دیوبندی مسلک کے اپنے ہم عصروں کے اندر ترجمان سمجھے جاتے تھے، قاری صاحبؒ دنیا سے تشریف لے گئے، ان کے علم کے صحیح جانشین حضرت مولانا سالم صاحبؒ بنے، علم نبوت سلسلہ بہ سلسلہ چلتا رہا، خاندان گم نہیں ہوا، اللہ کا شکر ہے آج بھی خاندان کے افراد میں علم نبوت کا سلسلہ باقی ہے، آج کے اس پروگرام کو چلانے والے شکیب سلمۂ دارالعلوم دیوبند کے شاگرد ہیں، اور بڑی توقع ہے کہ ان کی سعادت مندی، علم سے ان کا تعلق، ان شاء اللہ خاندان کی علمی روایت کو زندہ رکھنے کا سبب بنے گا، میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مولاناؒ کے علم نبوت کے وارث جس کا تعلق حضرت نانوتویؒ سے تھا اور حضرت مولانا کا زندگی بھر اس علم کی خدمت کرنا، اس کی حفاظت کرنا اور اپنی زندگی کے اندر اپنی نسل کے اندر اس علم کے محفوظ رکھنے کے لئے اسباب کو اختیار کرنا یہ بہت بڑی خدمت ہے، یہ ان کا ایک ایسا وصف ہے جس سے مستقبل کے اندر بڑی توقعات وابستہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولاناؒ کے اس وصف کو میں ہی نہیں تسلیم کرتا، میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہر دیوبندی اور خاص طور پر وہ دیوبندی جس نے دارالعلوم دیوبند سے استفادہ کیا ہے چاہے بالواسطہ چاہے بلاواسطہ۔ جس درس گاہ کی بنیاد اور اس کی اینٹ انہوں نے رکھی ہے اس کی ایک بہت روشن تاریخ ہے، جو کسی دوسرے ادارے کے اندر نہیں ملتی، اس سے جو ایک سلسلہ علم نبوت کا چلا ہے حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ اپنی زندگی کے اندر اس سلسلے کو آگے بڑھا گئے اور آخری وقت تک اس کے خادم بن کر رہے،

اپنے خاندان کے اندر علم نبوت کو زندہ رکھنے کے لیے اسباب کو فراہم فرمایا کاوشیں کی، الحمدللہ! آج ہمارے سامنے ہے یہ ادارہ۔

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مولاناؒ کے خدمات کے سلسلے میں یہ ایک بڑی اہم چیز ہے، میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ حضرت مولاناؒ کی زندگی کے اوپر روشنی ڈالوں؛ لیکن مجھے توقع ہے کہ حضرت کی خدمات ان شاء اللہ مستقبل کے اندر اس ادارے کو بھی ترقی دے گی، اور اس خاندان کے اندر برابر علوم نبوت کا چرچہ رہے گا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت اور ان کے خاندان کی حفاظت فرمائے، ترقی عطا فرمائے، اس ادارے کو بھی اللہ تعالیٰ چار چاند لگائے، حفاظت فرمائے، اور اللہ آپ کے درجات کو بلند فرمائے، اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، اپنے آباواجداد کے ساتھ اللہ تعالیٰ میدان محشر میں ان کا حشر فرمائے۔ (آمین)

❖ ❖ ❖

خصوصی خطاب

جناب ڈاکٹر محمد اعظم قاسمی صاحب ❖

بموقعہ ''خطیب الاسلام حیات وخدمات'' بین الاقوامی سیمینار

منعقدہ ۱۲/۱۳/ اگست ۲۰۱۸ء

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم. امابعد!

میں اپنے آپ کو اب تک میز بانوں میں شمار کررہا تھا اور میز بانوں سے بھی زیادہ اہل خانہ میں اور اسی لیے مجھے یہ امید بھی نہیں تھی کہ مجھ سے کچھ کہنے کے لیے کہا جائے گا اور کہنا بھی نہیں چاہیے تھا، اور حقیقت یہ ہے کہ اب کہنے کے لیے کچھ رہ بھی نہیں گیا ہے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا جو مقام ومرتبہ تھا، ان کے علوم اور جو ان کے فضائل ہیں، ان کو دیکھنے والے، سمجھنے والے یہاں سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں، میں تو اپنے کو ایک طرح سے بدقسمت بھی سمجھتا ہوں کہ میں دیو بند سے دور ہو کر ان اکابر اور ان بزرگوں سے بھی زیادہ تر دور ہی رہا، تو حق بھی آپ ہی لوگوں کا ہے، کہ ان کی شخصیت کے بارے میں کلام فرمائیں، نہ کہ مجھ جیسے آدمی کے لیے۔ بہ ہر حال! جب مجھ سے کہا گیا ہے، تو کچھ نہ کچھ مجھے کہنا ہے، اور شاید میرے لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ میں صرف وہ دو چار بات عرض کردوں، جو ہمیشہ شاید مجھ کو ان کے یہاں منفرد محسوس ہوئی، ان کا مقام امتیاز خصوصی طور پر نظر آتا ہے اس کے اندر، جس کا تذکرہ بہت کچھ یہاں ہوا؛ لیکن کتنا بھی تذکرہ ہو، وہ پھر بھی بہت کم ہے؛ اس لیے کہ اس مجلس میں اور اس سیمینار کے اندر میرے لیے سب سے زیادہ اطمینان اور سکون کی بات یہ ہے کہ آج میں نے اپنی زندگی میں شاید پہلی مرتبہ اہل اختلاف کو ایک ساتھ ایک جگہ متحد ہو کر بیٹھا ہوا بھی دیکھا اور کلام کرتا ہوا بھی دیکھا، اور یہ اہل اختلاف جو ہیں، صرف دیو بند سے تعلق نہیں رکھتے؛ بل کہ مسلکوں سے تعلق رکھنے والے بھی ہیں۔ مثلاً: جماعت اسلامی ہند کے امیر حضرت مولانا جلال الدین عمری صاحب بھی ہیں، یہ سب دیکھ کر مجھے بے حد سکون اور بے انتہا خوشی ہوئی؛ اس لیے کہ میں اس کی امید بہت کم رکھتا تھا کہ وہ کبھی یہاں تشریف لانے کی زحمت فرمائیں گے یا ان کو دعوت دی جائے۔ وہ نہ صرف آئے؛ بل کہ انھوں نے اپنے قیمتی تأثرات کا اور اپنی محبت کا یہاں اظہار بھی کیا۔

وہ علی گڑھ میں مجلّہ نکالتے تھے، اس سلسلہ میں اس وقت میرے پاس ان کے بعض پیغام پہونچے،

❖ سابق پروفیسر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

تو میں حاضر ہوا، انھوں نے کہا کہ: آپ اس مجلّہ کے لیے کچھ لکھ دیں۔ میں نے بہت کم لکھا، کچھ جسمانی مجبوریاں بھی میرے ساتھ رہیں ہیں؛ لیکن بہ ہر حال! ان کے حکم کو میں نہیں ٹال سکا، اور ایک سے زائد مضمون ان کو لکھ کر دیا، جو ان کے مجلّہ میں شائع ہوئے۔ ان کے سلسلہ میں، میں ایک بات ضرور عرض کروں گا، کہ علی گڑھ کے اندر شاید میں نے ایک سے زائد دوسری شخصیت نہیں دیکھی، جن کے بارے میں، میں یقین کے ساتھ کہہ سکوں کہ ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔

مولانا جلال الدین عمری صاحب بلا شبہ ان لوگوں میں سے ہیں، کہ جن کے قرب میں بیٹھ کر، ان کی صورت دیکھ کر، ان کی باتیں سن کر بلا شبہ خدا یاد آتا ہے۔ اسی طرح سے میں نے یہاں حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب کو دیکھا، تو مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ میں بیان نہیں کر سکتا ہوں۔ مولانا ارشد مدنی صاحب میرے ہم جماعت بھی ہیں، ہم نوالہ اور ہم پیالہ بھی رہے ہیں، اور کھیل کود کے بھی شریک رہے ہیں، بیچ میں جو کچھ اختلافات ہوئے، اس کی وجہ سے کچھ مصنوعی دوریاں پیدا ہوگئی تھیں، جو اللہ کا شکر واحسان ہے کہ دور ہوگئیں۔ انھوں نے جس طرح سے یہاں خطاب کیا، جو باتیں فرمائیں، وہ میرے لیے بہت ہی سکون کا ذریعہ بنیں۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے سلسلہ میں، میں کیا عرض کروں، وہ میرے برادر محترم ومکرم بھی تھے اور میرے لیے باپ کا درجہ بھی رکھتے تھے، میرے ساتھ ان کا ہمیشہ وہی مشفقانہ رویہ بھی رہا، ان کی چند باتیں، جن کو میں نے ہمیشہ توجہ سے سنا اور سمجھنے کی بھی کوشش کی، اس میں سے ایک یہ تھی کہ جس کا ذکر یہاں پہلے بھی آچکا ہے کہ ہمارے لیے دین قابل تبلیغ ہے، نہ مسلک ہے اور نہ ہی مشرب ہے اور مذہب بھی نہیں ہے، اور لوگ اس بات کو آسانی سے محسوس نہیں کرتے؛ اس لیے کہ وہ مسالک میں اور اس سے آگے بڑھ کر مشربوں میں اتنے ڈوب گئے ہیں کہ وہ آخری حقیقت تک نہیں پہونچ پاتے اور اس کے نتیجہ میں اختلافات ہوتے ہیں اور بدترین شکلوں تک پہونچ جاتے ہیں۔ اختلافات سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ مذہب کو، مشرب کو اور مسلک کو بیچ سے ہٹا کر صرف دین کی دعوت دی جائے، دین کو نمایاں کیا جائے، اور اسی کی تبلیغ کی جائے۔ جب اس بات پر ہم متفق ہو جائیں گے اور ہمارے عمل میں یہ نظر آنا شروع ہو جائے گا، تو اس وقت ہمارے اختلافات خود بہ خود ختم ہو جائیں گے۔ اسی بات کو ہمارے سعود عالم قاسمی صاحب نے حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ کے حوالہ سے بہت صحیح بیان کیا، کہ ہم اپنے مجتہدات کے اندر الجھ جاتے ہیں، اسی کی دعوت پیش کرتے ہیں؛ لیکن جو نصوص ہیں، ان تک نہیں آتے؛ بلکہ ان کے قریب بھی نہیں آتے؛ حالاں کہ اتحاد کا راستہ وہی ہے۔

اسی طرح سے جو حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے خصائص ہیں، اوصاف ہیں، کمالات ہیں، ان کا بہت کچھ ذکر آیا، ان کو زیادہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے؛ لیکن اس بات کو کہے بغیر میں نہیں رہ سکتا؛ اس لیے کہ گھر کا فرد ہونے کے ناطے اس کو کہنے کا حق بھی رکھتا ہوں اور تصدیق بھی کر سکتا ہوں کہ میں نے ان کی زبان سے کبھی بھی غیبت تو دور کی بات ہے، کسی کے سلسلہ میں کوئی سخت بات بھی نہیں سنی۔ اندرون

خانہ بھی وہ نرمی، ملائمت اور محبت ہی کے ساتھ ذکر کرتے تھے، اور ان لوگوں کے خلاف خفگی ظاہر کرتے، جو اختلافات کو بڑھانے میں کسی بھی لحاظ سے جانے اَن جانے حصہ لیتے ہیں، ان کے خلاف ضرور سخت الفاظ میں کہتے کہ نہایت نامناسب بات ہے اور نامناسب طریقہ ہے کہ لوگ ایسی باتوں کو مجلسوں میں بیٹھ کر کر لیتے ہیں، یہ مجلسوں میں بیٹھ کر کرنے کی باتیں نہیں ہیں، یہ تو اندرون خانہ بھی نہ کریں، تو زیادہ بہتر ہے۔

بہ ہر حال! یہ وہ باتیں ہیں، جن کا یہاں سب لوگ ذکر کر چکے ہیں، یہ تمام ان کی ایسی خصوصیات تھیں کہ جن کو ہر اس شخص نے محسوس کیا، جو ان کے پاس آئے، یا ان سے قریب رہے، اور اس کی شاید ایک وجہ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ ان کی طبیعت کے اندر کشادہ دلی بہت غیر معمولی تھی، وہ اپنوں کے درمیان میں بیٹھ کے اور اہل خانہ کے درمیان میں بیٹھ کے نہایت خوش دلی کے ساتھ بات کرتے تھے، لمبی باتوں سے احتراز کرتے تھے، سوائے اس کہ کوئی خاص مسئلہ ہو، ہلکی پھلکی باتوں کو بھی ترجیح دیتے تھے، معمولات بھی ان کے ایسے ہی تھے، کہ مثلاً: مغرب سے لے کر عشاء تک ان کا معمول تھا، جب تک کے والد صاحب حیات تھے، ان کے پاس آ کر بیٹھتے تھے، والدہ کے اور والد صاحب کے پاس اور مغرب بعد سے عشاء تک وہاں مجلس رہتی تھی، اور اس کے بعد میں نے اخیر کی زندگی تک تقریباً ان کے اپنے گھر کے اندر یہ بھی معمول دیکھا ہے، کہ گھر کے اندر وہ اپنے اہل خانہ کے پاس بیٹھتے تھے، اور اس کے اندر ہلکی پھلکی باتیں کرتے تھے۔

شعر و شاعری سے بہت شغف بھی تھا، بڑے اشعار یاد تھے، خود بھی بعض دفعہ کہتے تھے، ان کے کہے ہوئے اشعار کا مجموعہ کسی سفر میں ضائع ہو گیا، بڑے افسوس سے کہا کرتے تھے کہ میرا وہ بیگ چوری ہو گیا ایک سفر کے اندر، جس میں بیاض بھی تھی، جس میں اپنے کہے ہوئے اشعار و کلام تھے۔

بہ ہر حال! ان کی زندگی کو آپ لوگ زیادہ قریب سے علمی معنی میں دیکھ چکے ہیں، روحانی طور پر بھی آپ نے دیکھا ہے؛ لیکن جتنا میں نے قریب سے دیکھا ہے، اس کے اندر جو مجھے غیر معمولی اوصاف نظر آتے ہیں، ان کے علم و فضل کے علاوہ اور اس کے ساتھ وہ ان کے اعلیٰ ترین اخلاق ہیں۔

میرے والد صاحب مرحوم جب آخر زمانہ میں اختلافات اپنے عروج پر تھے، تو یہ فرماتے تھے اور ایک سے زائد مرتبہ میں نے ان سے سنا کہ: دیوبند کے ان اختلافات کے معاملہ میں تو ہم نے تین چیزوں کو اختیار کر لیا ہے: (۱) صبر (۲) سکوت (۳) اور استغنا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت والد صاحب قبلہؒ کی زندگی میں اختلافات جو تقریباً دو سال تک رہے، وہ خود بھی زیادہ زندہ نہیں رہے، ان کا انتقال ہو گیا؛ لیکن مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ اس طوفان سے ایک طویل اور لمبے عرصہ تک گزرے ہیں۔ میں نے ایسا صبر اور سکوت واقعی نہیں دیکھا، جو الفاظ میں نے والد صاحبؒ کی زبان سے سنے تھے، ان کو اگر مجسم دیکھا ہے، تو وہ مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی شکل میں دیکھا ہے۔ میں اس وقت بولنے کے قابل نہیں ہوں، میں آپ لوگوں سے معافی چاہتا ہوں، میں پروگرام کے درمیان، بیچ بیچ میں بھی بے قابو ہو گیا تھا؛ اس لیے آپ لوگوں سے معافی چاہتا ہوں۔

❖ ❖ ❖

خصوصی خطاب

حضرت مولانا جلال الدین عمری صاحب ❖

بموقعہ ''خطیب الاسلام حیات وخدمات'' بین الاقوامی سیمینار
منعقدہ ۱۲/۱۳/اگست ۲۰۱۸ء

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد!

برادر محترم ومکرم مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب، اسٹیج پر تشریف فرما زعمائے ملت، علمائے کرام، اساتذۂ کرام اور نوجوان طلبہ!

میں نے دو چار سطریں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق لکھی ہیں، وہی میں آپ حضرات کے سامنے پیش کروں گا۔ میں محترم جناب مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے اس سیمینار میں شرکت کی دعوت دی، جس میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے افکار، ان کی علمی کاوشیں، ملی اور ملکی خدمات پر تفصیل سے اظہار خیال ہوگا، اس مبارک سیمینار میں حاضری میرے لیے باعث سعادت ہے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ ملت کا بہت بڑا سرمایہ تھے، ان کی رحلت سے ملت کو جو خسارہ اٹھانا پڑا ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس کی تلافی فرمائے۔ اس مجلس میں بڑی تعداد، مولانا مرحوم کے تلامذہ اور ان اصحاب کی ہے جنھوں نے مولانا مرحوم سے براہ راست یا بالواسطہ اکتساب فیض کیا ہے، پورے ملک میں اور ملک سے باہر بھی مولاناؒ کے تلامذہ اور منتسبین کا وسیع حلقہ ہے، انھیں مولاناؒ کی شخصیت اور خدمات پر اظہار خیال کا مجھ سے زیادہ استحقاق ہے۔ امید ہے کہ وہ اس مجلس میں، یا اس کے بعد اپنا فرض ادا کریں گے۔

اب ہمارے تعلقات کی داستان سنئے! مولانا مرحوم کے برادر خورد ڈاکٹر محمد اعظم قاسمی صاحب، علی گڑھ کے شعبۂ اسلامیات سے وابستہ تھے، میرا اُن سے ربط ہوا اور رفتہ رفتہ بے تکلفی پیدا ہوگئی، بار بار ملاقاتیں رہتی تھیں، میں نے ان سے سہ ماہی ''تأثرات اسلامی'' جو ایک علمی اور تحقیقی مجلّہ ہے، اس کے لیے

❖ امیر جماعت اسلامی ہند

مضمون کی درخواست کی، اسے انھوں نے منظور فرمالیا، ان کے دو مضامین اس مجلّہ میں شائع ہوئے۔ اِس وقت تقریباً ۳۵ر سال پرانی یادیں صفحۂ ذہن پر ابھر رہی ہیں، ان ملاقاتوں سے حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ، بانیٔ دارالعلوم دیوبند اور خاندان نانوتہ سے براہ راست اسی خاندان کے ایک فرد کے ذریعہ تعارف وتعلق کا آغاز ہوا، یہ تعارف کتابی تعارف سے زیادہ قیمتی تھا، کتابوں میں بھی بہت سی چیزیں مل جاتی ہیں آدمی کو؛ لیکن براہ راست اسی خاندان کے ایک فرد سے میرا معلوماتی ربط ہوا، اور میں نے اس علمی خانوادہ کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کا بمبئی میں جو اجلاس ہوا تھا، اس میں جماعت اسلامی کے نمائندہ کی حیثیت سے میں نے شرکت کی تھی، اِس وقت غالبًا اِس مجلس میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے، کہ جس نے اُس اجلاس میں شرکت کی ہو، اس کے باوجود حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ سے قریبی ربط وتعلق کی مدت بیس برس سے زیادہ ہی رہی ہے، مجھے خوشی ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا رہا، مولاناؒ کی شخصیت میں بڑی کشش تھی، یہ کشش سیرت وکردار کی تھی، مولانا میں انتہائی خاکساری اور نرم مزاجی تھی، ٹھنڈی طبیعت پائی تھی، مشتعل ہونا جیسے جانتے ہی نہ ہوں۔

خطابت میں اپنے والد محترم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رنگ نمایاں تھا، حضرت حکیم الاسلامؒ کی بعض تقریریں میں نے سنی ہے، وہ اتنی ٹھنڈی، مربوط اور منطقی ہوتی تھیں، کہ مجمع ہمہ تن گوش ہوجاتا، بات میں بات نکالنے کا فن جانتے تھے، بغیر زور خطابت کے حاضرین کو مسحور کرلیتے، اپنے طرز خطاب، نکتہ درنکتہ، انداز بیان اور پُر اثر لب ولہجہ سے مجلس پر چھاجاتے۔ خطیب بہت ہوتے ہیں؛ لیکن ٹھنڈی خطابت کا یہ جوہر کم ہی لوگوں کو ہی ملتا ہے۔ میری طالب علمی کا دور تھا، حضرت حکیم الاسلامؒ کا خطاب تھا، اللہ تعالی نے انسان پر جو احسانات کئے ہیں، سورۃ النحل کے آغاز میں ان کا ذکر ہے، ان میں ایک احسان وانعام چوپایوں کی شکل میں ہے، کہ وہ بار برداری کا کام کرتے ہیں؛ ورنہ انسان کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا آسان نہ تھا۔ اس کے بعد فرمایا: ''**ویخلق ما لا تعلمون**'' حضرت حکیم الاسلامؒ نے اس کی تشریح کی اور بتایا کہ اب چوپایوں کی جگہ جدید سواریاں سامنے آگئی ہیں، سائیکل ہے، موٹر سائیکل ہے، کار ہے، ٹرین ہے اور ہوائی جہاز وغیرہ نے سفر کو آسان کردیا ہے۔ ''**ویخلق ما لا تعلمون**'' سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری حد نہیں ہے اور بھی جدید ذرائع آمد ورفت اللہ تبارک وتعالی پیدا فرمائے گا۔

مولانا کا انداز اتنا خوب صورت اور دل نشیں تھا، کہ اب تک اس کے اثرات دل ودماغ پر موجود

ہیں۔ حضرت حکیم الاسلامؒ کی تصنیفات میں بھی یہ نکتہ نمایاں ہے۔ مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کو اپنے والد ماجد کا لب لہجہ اور طرز کلام وراثت میں ملا تھا، ان کی تقریر بڑی عالمانہ ہوتی؛ لیکن انداز بیان بڑا ہی دھیما اور نرم ہوتا، جیسے وہ جذبات سے نہیں، عقل سے اپیل کرتے ہوں۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر تھے، اس مناسبت سے بھی مولانا سے قربت رہی، مولانا خاموشی سے بحث و گفتگو سنتے اور ضرورت پر اظہار خیال فرماتے، غیر ضروری گفتگو اور بے جا مداخلت سے احتراز فرماتے تھے۔ مولاناؒ کی سنجیدگی ان کی گفتگو کی طرف مجلس کو متوجہ کرتی اور وہ توجہ سے سنی جاتی، اس سے مولانا کے وقار میں اضافہ ہوتا۔

اس عاجز کو مولاناؒ کی نجی مجلس میں مختلف مواقع پر مولاناؒ سے اظہار خیال کے مواقع حاصل رہے ہیں۔ ان میں مولانا سید مودودیؒ، جماعت اسلامی ہند، ملک کی موجودہ صورت حال، جماعت اسلامی ہند کی پالیسی اور پروگرام جیسے موضوعات بھی زیر بحث آتے رہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے، صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مولاناؒ سے گفتگو بڑے ٹھنڈے اور خوش گوار ماحول میں ہوتی، کبھی ناگواری کا احساس تک نہیں ہوا۔ یہ مولاناؒ کی عظمت کی دلیل ہے۔

جماعت اسلامی ہند سے مولاناؒ کے تعلق کے بارے میں ابھی ہمارے دوست مولانا رفیق قاسمی صاحب نے بتایا کہ وہاں ''وانم باڑی'' کا بہت لمبا سفر ہوتا ہے، وانم باڑی کے لیے یہاں سے چنئی جائیے، پھر وہاں سے تقریباً سوا سو کلومیٹر کا فاصلہ بائی کار سفر کرنا ہوتا ہے۔ تو جماعت اسلامی کے بعض دوست واحباب نے قرآن شریف کا مطالعہ جاری رکھا تھا، اس کے اختتام کے موقع پر حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کو یاد کیا گیا؛ لیکن ہزار مخالفت کے باوجود مولاناؒ نے کہا کہ: جب میں نے وعدہ کرلیا ہے، تو جماعت اسلامی کی اس دعوت کو رد نہیں کرسکتا؛ چناں چہ وہ شریک ہوئے اور بحمد اللہ! اس کا بڑا اچھا اثر ہوا۔

ایک اور واقعہ مجھے یاد آرہا ہے، ابھی چند سال قبل جامعۃ الفلاح بلریا گنج، جس کے ذمہ داروں نے مجھ جیسے شخص کو ''شیخ الجامعہ'' کا اعزاز دے رکھا ہے۔ جامعہ کی دعوت پر مولاناؒ نے دیوبند سے بلریا گنج کا پرمشقت سفر کیا، شاہ گنج تک بہ ذریعۂ ٹرین آمد ہوئی اور وہاں سے بہ ذریعۂ کار بلریا گنج پہونچے، شب میں پروگرام تھا، اس میں شرکت کی اور خطاب فرمایا۔ بزرگی اور پیرانہ سالی کے باوجود مولاناؒ نے سفر کی جوزحمت برداشت کیں، اس پر ہم سب مولاناؒ کے مشکور وممنون تھے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا تعلق تصوف سے بھی تھا، انھوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی صاحبؒ کی رہنمائی میں اس کے مراحل طے کیے اور ان کی طرف سے انہیں بیعت کی اجازت بھی حاصل تھی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بھی انھیں

نسبت رہی ہے۔ یہ میدان (تصوف) اس خاکسار کا نہیں ہے، غالباً اس وجہ سے مختلف مواقع پر ہمارے درمیان کبھی تصوف زیر بحث نہیں آیا۔

انھوں نے بارہا کہا کہ: جماعت اسلامی کے ذمہ داروں کو اور دیوبند کے ذمہ داروں کو ایک ساتھ بیٹھنا چاہیے، اور اپنے اختلافی امور پر گفتگو کرنی چاہیے۔ میں نے کہا: مولاناؒ! میں آپ کے گھر کا آدمی ہوں، میں تو ہر وقت تیار ہوں، آپ جب کہیں گے، جس وقت کہیں گے، میں آجاؤں گا۔

تقریباً ۲۰۱۶ء میں ہماری گفتگو ہوئی، اس وقت ہندوستان کے حالات کیا ہیں اور کیا مسائل ہیں، اس پر زیادہ گفتگو ہونی چاہیے، ان مسائل کے مقابلہ میں جن کا بالعموم ذکر کیا جاتا ہے، ان کی اب بہت زیادہ معنویت اب باقی نہیں رہی۔ آپ کا ایک نقطۂ نظر ہوسکتا ہے، میرا ایک نقطۂ نظر ہوسکتا ہے، بہت سی باتوں میں مولانا مودودیؒ سے آپ بھی اختلاف کریں گے، اس اختلاف میں، میں بھی شریک ہوجاؤں گا اور بہت سی باتوں کی آپ وضاحت چاہیں گے، تو ان کی وضاحت بھی میں کرسکوں گا۔

بہ ہرحال! مولاناؒ سے میرا تعلق اس قدر بے تکلفی کا تھا، کہ مولاناؒ نے بہت ہی خوشی سے ان سب باتوں کو گوارہ کیا اور اس بات کی طرف توجہ دلاتے رہے کہ ہمارے درمیان دوری ختم ہونی چاہیے اور ہم سب کو مل کر ایک پلیٹ فارم پر آنا چاہیے۔

میری باتیں بڑی بے ترتیب سی ہیں اور سوائے اس کے میں کیا عرض کرسکتا ہوں۔ بہ ہرحال! سمع خراشی کے لیے معذرت کرتا ہوں۔

اور اخیر میں پھر برادرم مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب کا شکرگزار ہوں کہ انھوں نے اس سیمینار میں شرکت کی سعادت بخشی۔

❖ ❖ ❖

خصوصی خطاب

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب ❖

بموقعہ ''خطیب الاسلام حیات وخدمات'' بین الاقوامی سیمینار

منعقدہ ۱۲/۱۳/اگست ۲۰۱۸ء

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين.

صدر اجلاس حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم، اس محفل اور اس بزم کو آراستہ کرنے والی شخصیت، دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم، عالی مقام حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب اور ان کے دست وباز وعزیز مکرم جناب مولانا محمد شکیب قاسمی صاحب اور حضرت مولانا احمد خضر صاحب، علمائے کرام اور بزرگان محترم!

ایک تو معذرت ہے کہ میرا نام اس فہرست میں بعد میں رکھا گیا تھا، میں نے اپنی ایک تکلیف کی وجہ سے حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب سے گزارش کی اور اس کی وجہ سے پروگرام میں خلل پیدا ہوا۔ اتنی ساری باتیں ماشاءاللہ! صبح سے اب تک آچکی ہیں، اور مولانا کی حیات پر دو جلدوں میں جو کتاب ابھی آپ کے سامنے آئی ہے اور ندائے دارالعلوم کا خصوصی نمبر؛ اس میں حضرت مولاناؒ کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ ہے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخصیت پر وفات کے بعد اتنی جلد اتنا اچھا پروگرام ہو جائے اور اتنے بہتر رسائل چھپ جائیں، کتابیں منظر عام پر آجائیں۔ یہ حضرت والا کی عنداللہ اور عندالناس مقبولیت کی بات ہے۔

میں صرف دو تین منٹ میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ یہ جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**اذكروا محاسن موتاكم**''، ''اپنے گزرے ہوئے لوگوں کے محاسن کا ذکر کرو''، اور قرآن مجید میں بار بار اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کا، ان کی دعوت کا، ان کی کوششوں کا اور ان کی قربانیوں کا ذکر فرمایا، اس کا مقصد صرف محاسن کا ذکر نہیں ہے؛ بل کہ ان محاسن سے سبق حاصل کرنا ہے۔

حضرت مولاناؒ کی شخصیت مختلف پہلوؤں سے امتیازی شان کی حامل تھی، مجھے حضرتؒ سے پڑھنے کا بھی شرف حاصل ہوا، حضرتؒ کی مجلسوں میں بیٹھنے کا بھی شرف حاصل ہوا، ایک سفر حج میں ان کی جوتیوں

❖ جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا

کے پاس رہنے کا بھی شرف حاصل ہوا؛ لیکن تین باتیں ایسی ہیں، جو ضرورت ہے کہ علما اس کو اپنے دامن دل سے باندھیں، اپنے لیے چراغ راہ بنائیں اور اس کی روشنی میں زندگی کا سفر طے کریں۔ ان میں بعض باتوں کا ذکر اس سے پہلے بھی آچکا ہے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ کا فکری اعتدال

ان میں پہلی بات: مولاناؒ کا فکری اعتدال ہے۔

ظاہر ہے کہ مولاناؒ اپنے زمانہ میں دیوبندی مکتب فکر کے سب سے بڑے ترجمان تھے، حجۃ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے آپ کا صرف علمی اور فکری رشتہ نہیں تھا؛ بل کہ آپ کا نسبی رشتہ بھی تھا؛ لیکن حضرت مولاناؒ کی فکر میں جو اعتدال تھا، افراط وتفریط سے بچتے ہوے، غلو سے بچتے ہوے، اعتدال کے ساتھ اپنی بات پیش کرنے کا جو سلیقہ تھا، یہ ان کے معاصرین میں بہت کم لوگوں کو میسر آیا ہوگا۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے حضرت والا سرپرست تھے اور اس کے ہر اجلاس میں اگر حضرت کا وقت خالی ہوتا، تو ضرور تشریف لاتے تھے۔ کئی مواقع پر مولاناؒ نے خطاب فرمایا اور ہر خطاب فکری اعتدال کا نمونہ ہوتا تھا، ان میں بعض خطبات کو اکیڈمی نے شائع بھی کیا ہے؛ لیکن ایک بات جو میرے ذہن میں نقش ہے، جو لوح قلب پر لکھنے کے لائق ہے اور جس کی طرف توجہ نہ ہونے کی وجہ سے مشذہنی تشدد آج کے دور میں پیدا ہو رہا ہے، وہ یہ ہے کہ مولاناؒ بار بار فرماتے تھے کہ: ''دین منزل من اللہ'' ہے، مسلک منزل من اللہ نہیں ہے، مسلک میں لوگوں کے اجتہاد کا، ان کی فکر کا، ان کی سوچ کا؛ دخل ہے، اور جو چیز منزل من اللہ ہوتی ہے، اس کی دعوت اور اس کی تبلیغ کی جاسکتی ہے، اور جس چیز میں انسان کے اجتہاد کا دخل ہو، جس میں ایک سے زیادہ رائے ہوسکتی ہو، وہ قابل ترجیح تو ہوسکتی ہے، قابل تبلیغ نہیں ہوسکتی''۔

آج آپ دیکھیں ہمارے یہاں، ہمارے اس ملک میں اور اس ملک سے بڑھ کر پڑوسی ملک میں مسلک کے نام پر جو تشدد ہے، اگر آپ غور فرمائیں، تو مولاناؒ نے اپنی اس گفتگو میں اس کی عقدہ کشائی کی ہے کہ لوگوں نے مسلک کو بالکل دین کا درجہ دے دیا ہے، جو چیز قابل ترجیح تھی، یا جو چیز ذوق پر مبنی تھی، لوگوں نے اس کی تبلیغ شروع کردی۔

ایک اہم بات حضرت والا کی یہ ہے۔

اتحاد ملت کی فکرمندیاں اور کوششیں

دوسری بات- آپ نے بار بار سنی- ملت کے اتحاد کے لیے اپنے عہدہ کی اور اپنے مفاد کی قربانی

تھی۔ حضرت نانوتویؒ نے دارالعلوم کی بنیاد رکھی؛ لیکن آپ دارالعلوم کی تاریخ پڑھیے، جب بھی کوئی اعزاز کا موقع آتا، حضرت نانوتویؒ اپنے کو پیچھے رکھتے، دوسروں کو آگے بڑھاتے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ بورڈ کے اہم ترین مؤسسین میں تھے؛ لیکن کس طرح اس کی بنیاد رکھی گئی تھی، لوگوں کو اس بات کی فکر تھی کہ ہمارے اہل سنت والجماعت کا ایک بڑا حصہ بریلوی علما کا ہے، ان کو کیسے ساتھ لیا جائے؟

یہ تجویز طے ہوئی کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب فاضل بریلویؒ کے اس وقت سب سے بڑے مجاز مولانا برہان الحق صاحب جبل پوریؒ تھے، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ کو لے کر خود جبل پور پہونچے اور مفتی برہان الحق صاحبؒ کے یہاں حاضر ہوے، وہاں قدم رنجہ ہوئے، اور مجلس میں لوگ بھرے ہوے تھے، حضرت مولانا مجاہد الاسلامؒ، جو اُن بزرگوں کے خورد تھے، وہ بھی اس میں ان حضرات کے ساتھ پیچھے پیچھے تھے، انھوں نے بتایا کہ جہاں چپلیں رکھنے کی جگہ ہوتی ہے، وہاں حضرت حکیم الاسلامؒ بیٹھ گئے اور پھر مفتی برہان الحق صاحبؒ سے تعارف کراتے ہوئے کہا کہ: حضرت! ہم لوگ اس لیے آئے ہیں کہ اگر اللہ کی شریعت باقی رہے گی، تو دیوبندی بھی باقی رہیں گے اور بریلوی بھی باقی رہیں گے؛ لیکن اگر اللہ کی شریعت ختم ہوگئی، اللہ کا دین مٹ گیا، تو نہ دیوبندی باقی رہیں گے، نہ بریلوی باقی رہیں گے۔

مفتی صاحبؒ پر حضرت حکیم الاسلامؒ کے اس عمل کا بہت گہرا اثر پڑا، قریب بلایا، اعزاز فرمایا، اور کہا کہ: میں اس تحریک میں آپ کے ساتھ ہوں، اور جب ۱۹۷۳ء میں حیدرآباد میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل ہوئی، تو یہ مشکل مرحلہ درپیش تھا کہ بورڈ کا صدر کس کو بنایا جائے، کس نام پر لوگوں کا اتفاق ہوگا؟

بعض لوگوں نے کہا کہ: ایک مجلس صدارت بنائی جائے، جس میں ہر مکتب فکر کا ایک ایک نمائندہ ہو؛ لیکن جو سمجھ دار لوگ تھے، انھوں نے کہا کہ: اس سے حکومت کو بہت غلط میسیج جائے گا اور معاندین کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ جب ایک صدر منتخب کرنے پر یہ متفق نہیں ہو سکے، تو کتنے دونوں ان کا اتفاق باقی رہے گا؛ اس لیے کسی ایک ہی کو صدر ہونا چاہیے، چاہے وہ کسی بھی مکتب فکر کا ہو۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے فراخ چشمی کا مظاہرہ کرتے ہوے آگے بڑھ کر بورڈ کی صدارت کے لیے مفتی برہان الحق صاحبؒ کا نام پیش کیا اور مفتی برہان الحق صاحبؒ نے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا نام پیش کیا اور حضرت حکیم الاسلامؒ کے نام پر سب کا اتفاق ہوگیا۔

اتنی قربانی کے ذریعہ، اتنے ایثار کے ذریعہ اور اگر یہ کہا جائے کہ اپنی سطح سے نیچے اتر کر سلوک کی بنیاد پر مسلم پرسنل لا بورڈ جیسا پلیٹ فارم وجود میں آیا۔

پھر حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی زندگی میں ہم دیکھیں، دارالعلوم کے سلسلہ میں ایک اختلاف پیدا ہوگیا، ایک قصۂ نامرضیہ سامنے آیا، اس نے پورے حلقۂ دیوبند کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، ہر مدرسہ میں اختلاف، ہر تنظیم میں اختلاف، ہر شہر میں اور ہر مسجد میں اختلاف؛ لیکن حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ نے خود پیش قدمی فرمائی، یک طرفہ طور پر تمام مطالبات سے، یا جو حق ہوسکتا تھا، ان حقوق سے دست بردار ہوکر، ملت میں اتحاد کی شکل پیدا فرمائی اور حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ- اللہ تعالی ان کو بھی خوب خوب اجر خیر عطا فرمائے کہ- انھوں اس پیش قدمی پر لبیک کہا۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ آج ہم سب شیر وشکر ہوکر بیٹھے ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے، یہ اس شخص کا ایثار تھا، جو تحریک دیوبند کا حفید سعید تھا۔

مجلس مشاورت کے بارے میں ابھی آپ نے سنا کہ کس طرح حضرت نے اس میں اتحاد قائم فرمایا اور ایک بکھری ہوئی تنظیم یک جا ہوگئی۔

یہ دوسرا اہم سبق ہے حضرت والا کی زندگی کا۔

آج کل لوگ حسینی کردار تو ادا کرنے کو تیار ہوتے ہیں؛ لیکن جو حسنی کردار ہے، (حضرت حسن رضی اللہ عنہ، جن کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ''میرا یہ نواسہ اس امت کا سید ہے، اللہ اس کے ذریعہ امت کے دو گروہوں کو مجتمع فرمائیں گے) آج یہ کردار ہماری صفوں میں مفقود ہے۔ حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ اس کی بہترین مثال اور عملی نمونہ تھے۔

زبان کی حفاظت

تیسری بات جو مولاناؒ کی زندگی سے لینے کے لائق ہے، وہ ہے زبان کی حفاظت۔ میں جتنے بزرگوں کو، مولاناؒ کے معاصرین میں دیکھا، جتنا زیادہ زبان کی حفاظت کا اہتمام حضرت مولاناؒ میں دیکھا، شاید میں نے کسی میں نہیں دیکھا۔

جب اختلاف ہوتا ہے، جب آدمی کو رنج پہونچتا ہے، جب دل پر چوٹ لگتی ہے، جب انسان صدمات اور آزمائشوں سے گزرتا ہے، تو اچھے سے اچھے لوگوں کی زبان قابو میں نہیں رہتی، کم سے کم اپنی نجی محفلوں میں، کم سے کم اپنے بہی خواہوں کے درمیان، کم سے کم اپنے خیر خواہوں کی بیٹھک میں؛ کوئی بات اختلاف رکھنے والوں کے بارے میں زبان سے نکل جاتی ہے۔

مجھے بھی حضرت سے ایک طرح کی قربت کا شرف حاصل تھا، حیدرآباد بھی تشریف لائے، مجھے بھی اپنی تشریف آوری سے نوازا، یہاں بھی حاضری ہوتی تھی؛ لیکن کبھی مولانا کی زبان سے کوئی ناشائستہ فقرہ، کوئی سخت لفظ نہیں سنا، اگر کسی نے کوئی بات کہی بھی تو گفتگو کا رخ ہی موڑ دیا، گفتگو کا رخ ہی تبدیل کر دیا۔ یہ

بھی بہت بڑا وصف تھا۔

مولاناؒ صاحبِ قلم تھے، لکھتے تھے؛ لیکن اس پورے عرصہ میں کوئی چھوٹی سی بھی تحریر ایسی نہیں نکلی، جس میں اشارۃً یا کنایۃً مولانا نے اس اختلاف کی طرف کوئی اشارہ کیا ہو۔ ابھی حضرت نانوتویؒ والے سیمینار کا ذکر آیا، اس میں حضرت کا خطبۂ افتتاحیہ تھا، وہ زمانہ ایسا تھا، جب یہ مسئلہ گرم تھا؛ لیکن اس کے باوجود کہیں اشارۃً یا کنایۃً بھی مولانا کے قلم پر ایسی بات نہیں آئی تھی۔

یہ دور تو واٹس ایپ کا دور ہے، اور اس میں چھوٹا سے چھوٹا آدمی، بڑے سے بڑے آدمی پر تنقید وتبصرہ کر رہا ہے۔ لوگ کہتے تھے کہ: چاند پر تھوکا نہیں جاسکتا؛ لیکن آج کل لوگ واٹس ایپ کے ذریعہ چاند پر بھی تھوکنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہماری جوئی نسل ہے، ان کی زبان، ان کا قلم بے قابو ہے، اپنے اساتذہ کے بارے میں، اپنے بڑوں کے بارے میں، ایسے ایسے لوگوں کے بارے میں، جن کی علمی سطح سے ان کی کوئی مناسبت نہیں ہوسکتی، جو محسن ہیں ان کے؛ لیکن اس کے باوجود تنقید وتبصرے میں کوئی جھجک نہیں ہوتی، کوئی تامل نہیں ہوتا۔

تو یہ تین اوصاف – جو آج عمومی طور پر ہمارے طبقہ میں مفقود ہیں – پہلا: فکری اعتدال، اور جب فکری اعتدال پیدا ہوگا، تو زبان وقلم میں بھی اعتدال پیدا ہوگا اور دوسرے: ملت کی وحدت کو اور اس کی یک جہتی کو بچانا، چاہے اس کے لیے کچھ قربانی دینی پڑے، اور تیسرے: زبان کی حفاظت اور لوگوں کے بارے میں بے جا تنقید وتبصرے سے احتراز، مثبت گفتگو کرنا، مولاناؒ کو دیکھا، ہمیشہ مثبت گفتگو فرماتے۔

تو اگر یہ پیغام ہم آج کے اس سیمینار سے لے کر جائیں اور اس کو اپنی زندگی کے لیے مشعل راہ بنائیں اجتماعی اور ملی زندگی کے لیے، اداروں میں، تنظیموں میں، درس گاہوں میں، تو ڈھیر سارا اختلاف، جس کی تپش آج ملت کو بے چین کیئے ہوئے ہے، دینی تنظیمیں اور دینی ادارے اس کا شکار ہیں، ہم اس سے باہر نکل سکتے ہیں۔

اللہ تعالی مولانا کو شایانِ شان اجر عطا فرمائے، ان کے طریقۂ کار پر ہم لوگوں کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جو مولاناؒ کی سب سے بڑی یادگار یہ دارالعلوم وقف ہے، اللہ تعالی اس کو ظاہری اور معنوی زیادہ سے زیادہ ترقیات سے نوازے، حضرت مولانا سفیان صاحب، جن کے ساتھ مجھے درسی رفاقت کا بھی شرف حاصل ہے، ان کو اور قوت عطا فرمائے، ان کے بھائیوں اور ان کے صاحب زادوں، ان سب حضرات کو اللہ تعالی اس میں معاون ومددگار بنائے۔

وصلی اللہ علی خیر خلقه محمد وعلی آله وصحبه أجمعین.

والحمد لله رب العالمین.

❖ ❖ ❖

کتاب واستاد نشانِ راہ اور رہنما

استاد بلا کتاب اور کتاب بلا استاد کبھی سلسلہ علم میں مثمر اور منتج نہیں ہو سکتے جب تک دونوں مجتمع نہ ہوں۔ اس کو ایک حسّی مثال میں یوں سمجھئے کہ استاد علم وحقیقت کا ایک کنواں ہوتا ہے جس کا ڈول رسّی الفاظ ہیں اگر یہ تعبیرات دلو ورسن نہ ہو تو علم کا پانی اس کنوئیں سے نہیں بھرا جا سکتا یا کتاب کے الفاظ راہ علم کے لئے نشانِ راہ ہیں جیسے میل اور فرلانگ اور استاد اس راہ کا رہنما ہے۔ اگر یہ رہنما ساتھ نہ ہو جو ان نشانات اور اصطلاحات راہ سے واقف اور ان پر چلا ہوا ہے تو اجنبی مسافر از خود کبھی بھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

(فرمودات از خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ،

ماہنامہ ندائے دار العلوم وقف دیوبند، صفر/ربیع الاوّل ۱۴۳۸ھ، ص:۹)

پیغامات

پیغام

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہٗ ❖

عزیز محترم ومکرم مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مشہور عالم دین اور عظیم مقرر حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ نے ابھی قریبی مدت میں اس داری فانی سے دار بقاء کی طرف کوچ کیا، ان کی شخصیت امت مسلمہ کی ممتاز شخصیتوں میں شمار کی جاتی تھی، وہ علوم دینیہ کے مؤقر استاد، عظیم مقرر اور مسلمانوں کے اہم اداروں کے رکن اور کئی اداروں کے سربراہ تھے، ان کے ذریعہ امت مسلمہ کی رہبری کا کام بھی انجام پاتا تھا، وہ ہندوستان کے ممتاز خاندان علم وتربیت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادہ کے فرزند تھے جو کہ ہندوستانی علماء کی عظیم دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کے مؤسس اور اس کے منتظم گزرے ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح ان کے خاندان میں قائم ہے، ان کے بعد ان کے سلسلہ میں ان کے مشہور جانشین حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہوئے، ان کے دور میں دارالعلوم دیوبند کی شہرت و وسعت میں اضافہ ہوا، ان کے بعد ان کے فرزند اور جانشین مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ ہوئے اور ہندوستان کی ملت اسلامیہ کی جماعتوں اور اداروں کو ان سے تعاون ملا اور ان سے سب نے فائدہ اٹھایا، وہ ایک معلم کی حیثیت کے ساتھ ساتھ بڑے مقرر اور خطیب بھی تھے، وہ اب ہم میں نہیں رہے اور ان کے نہ رہنے سے ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔

امید ہے کہ ان سے فائدہ اٹھانے والوں کا حلقہ ملت کی تقویت وخدمت کے لیے ان کی جانشینی کرے گا، دارالعلوم وقف دیوبند کی سربراہی جو ان کے پاس تھی اب آپ (ان کے صاحب زادہ مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب) اس کی ذمہ داری نبھا رہے ہیں، امید ہے کہ آپ کی سرپرستی میں دارالعلوم دیوبند کا جو فیض ملت کو حاصل ہو رہا تھا، آپ کے ذریعہ وہ جاری رہے گا۔ مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ سے ندوۃ العلماء کے ذمہ داران کا بھی تعلق رہا اور میرے بھی ان سے قریبی تعلقات رہے، مختلف ملّی موقعوں پر ان کا ساتھ ہوتا تھا، ان پر میرا تفصیلی مضمون بھی ہے، یہ چند سطریں میں پیغام کے طور پر لکھ رہا ہوں، میری صحت اس وقت سفر کے قابل نہیں ہے، ورنہ میں حاضر ہو کر شریک سیمینار ہوتا۔ امید ہے کہ یہ دو روزہ بین الاقوامی سیمینار مولانا کی زندگی کے اہم پہلوؤں کو سامنے لانے میں مفید ثابت ہوگا۔

❖ ❖ ❖

❖ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

پیغام

شیخ طریقت حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی مدظلہٗ ❖

عزیزم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب
مہتمم دار العلوم وقف دیوبند السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے متعدد بار حضرت والد ماجد خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے متعلق لکھنے کی فرمائش کی، مگر ہم نے اپنی نا اہلیت کی بناء پر عذر پیش کیا تاہم آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ چند سطور ہی سہی لکھدیں تا کہ سیمینار کے لئے مضامین مرقومہ میں شامل کر دیا جائے۔ مگر بار بار توجہ کے باوجود کوئی مضمون ذہن میں نہیں آ رہا تھا۔ کل عزیزم مولوی محمد عبداللہ قاسمی سلمہ نیز دیگر مؤقر حضرات نے بھی فرمائش کی کہ کچھ ہی سہی لکھدیں تا کہ حضرت مولانا سفیان قاسمی صاحب کی فرمائش کی تعمیل ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج شب میں چند باتیں ذہن میں آئیں جو سپرد قلم کر رہا ہوں تا کہ اس کے ذریعہ تعمیل ارشاد کا فریضہ ادا ہو جائے۔

ا:۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کو اپنے فضل سے طول عمر کے ساتھ حسن عمل کی توفیق مرحمت فرمائی اور ایسے ہی شخص کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیر الناس کے مژدہ سے نوازتے ہیں۔

چنانچہ حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں: **عن عبداللّٰہ بن بسر رضی اللّٰہ عنه قال جاء اعرابی الی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال ای الناس خیر فقال طوبی لمن طال عمره وحسن عمله قال یارسول اللّٰہ ای الاعمال افضل قال ان تفارق الدنیا ولسانك رطب من ذکر اللّٰہ تعالیٰ. رواہ احمد والترمذی (ا)**

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ کون شخص بہتر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خوش بختی ہے اس شخص کے لئے جس کی عمر دراز ہوئی اور اس کے اعمال نیک ہوئے۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ کون سا عمل بہتر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم دنیا سے جدا ہو تو تمہاری زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر ہو۔

۲:۔ دوسری بات یہ کہ بعض علماء کرام کے مضامین پڑھ کر مثلاً حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہ وغیرہم جس میں ان کے علمی وعملی کمالات وحسنات کا ذکر ہے، یقیناً یہ حضرات شہداء اللہ فی الارض کے مصداق ہیں، اس لئے ڈر لگتا ہے کہ ان اکابر کے مضامین ہوتے ہوئے ہم جیسے نابلد لوگوں کو ان کے متعلق لکھنا ان کی شان کی تصغیر کا باعث تو نہ ہوگا۔

❖ امین عام، بیت المعارف الہ آباد

(ا) مشکوٰۃ شریف: ص/۱۹۸

حضرت حکیم الاسلام کی شہادت: جہاں تک مجھے یاد ہے کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ نے حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے متعلق فرمایا کہ خطابت میں محمد سالم مجھ سے بڑھ گئے۔ ظاہر ہے کہ خطابت کے لئے جو اوصاف ضروری ہیں ان سے آپ کا موصوف ہونا بھی ثابت ہوا۔

بس ان کے والد ماجد کا یہ مقولہ ان کے شرف وسعادت پر بین ثبوت ہے۔ نیز آپ کے بعض تلامذہ نے درسی ملکات وعلمی حکم ونکات کا ذکر فرمایا ہے جن کو پڑھ کر اس حقیر کو اس کا علم ہوا ہے جس سے یہ حقیر ناواقف تھا اور ان کے درسی کمال کا بھی علم ہوا جس سے مسرت ہوئی۔

شرف زیارت: اس حقیر کو بھی آپ سے برابر ملاقات کا شرف میسر ہوتا رہا، ہر مرتبہ نہایت بشاشت سے مصافحہ ومعانقہ سے مشرف فرماتے رہے، بلکہ اقوال سلف پر تبصرہ کے سلسلہ میں ایسی دعا تحریر فرمائی جو ہمارے لئے حرز جان بنانے کے لائق ہے۔

جی چاہتا ہے کہ اس کو درج کروں تا کہ دوسرے حضرات بصدق وخلوص آمین کہہ دیں گے تو ان شاء اللہ یہ دعائیں مستجاب ہو جائیں گی جو میرے لئے باعث سعادت ہوگی۔ وہو ہذا

حضرت المحترم مولانا محمد قمر الزماں صاحب زید مجدہ　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عطیۂ علمیہ ''اقوال سلف'' حصہ دوم نے ممنون ومسرور فرمایا اور فوراً ہی پیش آمدہ سفر میں اس مؤقر تالیف سے فی الجملہ استفادہ کا موقع بھی میسر آ گیا۔ یہ اقوال سلفِ صالحین تو زندگی بخش تھے ہی لیکن آں محترم کے اضافی ووضاحتی حواشی نے ان کی قیمت وافادیت میں گوناگوں اضافہ فرما دیا۔

یہ سلسلہ فیض حضرت الہ آبادی علیہ الرحمہ ہی کا ہے۔ (اس سے مراد مرشدی حضرت مصلح الامت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ ہیں) جس کے لئے مشیت ربانی نے آپ کو منتخب فرما لیا، حق تعالیٰ اس فیضان کو دواماً عموم وشمول ارزانی فرمائے اور عمر واقبال اور صحت وکمال کے ساتھ آں محترم کو اس کے لئے زیادہ سے زیادہ موفق فرمائے۔ آمین

اس ہدیۂ گراں بہا کے لئے بصمیم قلب شکر گذار ہوں۔　　والسلام

احقر محمد سالم

مہتمم وقف دار العلوم دیوبند

۱۴۱۰/۱/۸ھ م ۱۹۸۹/۸/۱۱ء

اور اخیر میں عنایت کی حد ہوگئی کہ دار العلوم دیوبند (وقف) کی مجلس مشاورت میں خاص رکنیت سے نوازا، اگر چہ اس کی اہلیت اپنے میں نہیں پاتا۔ اس لئے منجانب اللہ اسے کرامت سمجھ کر قبول کیا اور اپنی سعادت سمجھ کر اللہ تعالیٰ کا صد شکر بجالایا، لہذا باوجود اپنی ضعف وکمزوری اور بیماری کے سفر کی صعوبت برداشت کر کے مجلس مشاورت میں شریک ہوتا رہا ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہی توفیق ارزانی فرماتا رہے اور قبول فرمائے۔ آمین

اگر مجلس مشاورت میں کچھ کہنے کی سعادت نصیب ہوتی تو مولانا المکرّم بغور ملاحظہ فرماتے اور خوشی کا اظہار فرماتے، جیسا کہ خاندان قاسمی کا طرۂ امتیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد و احفاد میں یہ شرف و شرافت اضعافاً مضاعفاً فرمائے۔ آمین

یوں حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ ماشاء اللہ غایت درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے جیسا کہ آپ کے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ حلیم و بردبار تھے بلکہ اس صفت حلم میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ **ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء**

چنانچہ یہ حقیر جب بھی مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند کے اجلاس میں شرکت کے لئے حاضر ہوا تو حضرت مولانا محمد سفیان صاحب زید مجدہ باوجودیکہ مولاناؒ کو غایت ضعف ہوتا تھا مگر ملاقات کا موقع فراہم فرماتے تھے۔ تاہم اس حال میں بھی نہایت طلاقت وجہ اور بشاشت قلب کے ساتھ مصافحہ فرماتے، خیریت دریافت فرماتے، دعا بھی دیتے، جب کہ اس وقت کافی تکلیف ونقاہت میں مبتلا تھے۔

ماشاء اللہ حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ طول عمر اور حسن عمل کے ساتھ ساتھ یقیناً حسن وجہ سے بھی موصوف تھے۔ اس لئے آپ اس کے مستحق ہیں کہ آپ سے حیا و میتا خیر و برکت کی طلب و امید کی جائے (یہ مستفاد ہے "**اطلبو الخير من حسان الوجوه**" سے) کوئی شک نہیں کہ آپ کی وفات امت کے لئے عظیم حادثہ ہے۔ بس دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے قرب قبول سے نوازے اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اور آپ کے جملہ اولاد و احفاد کو اور آپ کے خاندان کو علوم قاسمیہ اور معارف لدنیہ سے مشرف فرمائے اور ہم ناکاروں کو ان حضرات کی محبت وعون کی توفیق مرحمت فرمائے۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے:

" **والله في عون العبد ما كان العبد في عون اخيه**" (۱)

یعنی نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ بندے کا معین رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کا مددگار رہتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث شریف میں ہے

"**من كان في حاجة اخيه كان الله حاجته**" (۲) یعنی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ اپنے بھائی کی حاجت روائی میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بنفس نفیس اس کی حاجت روائی فرماتے ہیں۔ اس لئے از روئے حدیث ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں کی اعانت اور ان کی حاجت روائی سے اللہ تعالیٰ ہماری بھی دینی و دنیوی اعانت اور غیب سے ہماری ضرورتیں پوری فرمائے گا۔ **وما ذلك على الله بعزيز**

ماشاء اللہ عزیزم مولانا محمد شکیب صاحب قاسمی صاحبزادہ مولانا محمد سفیان صاحب خوب ہی خوب علوم قاسمیہ کو نکھار کر نشر فرما رہے ہیں اور اہل علم کی پیاس بجھا رہے ہیں۔

اللهم زد فزد فجزاهم الله احسن الجزاء

❖ ❖ ❖

(۱) رواہ مسلم (ریاض الصالحین: باب فی قضاء حوائج المسلمین (۲) متفق علیہ (ریاض الصالحین: باب فی قضاء حوائج المسلمین

پیغام

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ ❖

گرامی قدر مکرم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہم سب کے بزرگ یادگار اسلاف حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شدید بیماری کی اطلاع بندہ کو اس وقت ہوئی جب بندہ برطانیہ میں تھا۔ وہاں سے ٹیلی فون پر حضرتؒ کی خیریت معلوم کرتا رہا۔ ہر مرتبہ یہی معلوم ہوتا کہ حالت نازک ہے۔ بالآخر ان کی وفات کی خبر ایک صاعقہ بن کر گری۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

اس کے بعد بندہ نے آپ سے اور مولانا شکیب صاحب سے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن ظاہر ہے کہ ان حالات میں آپ حضرات کی مشغولیت اتنی ہوگی کہ ٹیلی فون نہ مل سکا۔ البتہ بندہ نے اسی وقت وہاٹس ایپ پر آں جناب کے نام ایک مختصر تعزیتی پیغام ارسال کیا تھا۔ دیوبند کے بعض اعزہ نے ذکر کیا کہ وہ وہاں کے اخبارات میں بھی وہ پیغام شائع ہوا۔

اس کے بعد سے اس سوچ میں رہا کہ آپ کو ایک مفصل عریضہ لکھوں، لیکن سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا لکھوں؟ حضرت قدس سرہٗ کی وفات پوری امت کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اپنے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ کا خلفِ رشید بنایا تھا۔ اب تو بظاہر روئے زمین پر مَردوں میں سے ان کی شخصیت اس لحاظ سے منفرد تھی کہ ان کے سوا اب کوئی شخص ایسا نہیں تھا جسے براہِ راست حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ سے بیعت کا شرف حاصل ہو۔ ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت حکیم الاسلام قدس سرہما کے درمیان بچپن ہی سے اخوت ومحبت کا جو قابلِ رشک تعلق تھا، اس کی بناء پر بکثرت دونوں ایک ہی وقت میں خانقاہِ تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے لیے ہفتوں قیام فرماتے تھے، اس وقت ہمارے بھائی جان جناب محمد زکی کیفی صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہما بھی لڑکپن کے دور میں تھے، دونوں کے درمیان دوستی بھی تھی اور پھر دونوں نے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔

میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ سے بارہا سنا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم انتہائی دقیق تھے اور ان کی مؤلفات سے اچھے اچھے

❖ نائب رئیس دارالعلوم کراچی، پاکستان

علماء بھی بہ آسانی استفادہ نہیں کر پاتے تھے کیوں کہ اول تو علوم ہی نہایت دقیق تھے، دوسرے تعبیرات بھی انہی دقیق علوم کے مطابق دقیق ہوتی تھیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو دو زبانیں عطا فرمائیں، جنہوں نے ان کے علوم کو ہم جیسوں کے لیے قابلِ استفادہ بنا کر انہیں نشر فرمایا۔ ایک زبان حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اور دوسری حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہما، ان حضرات نے حضرت نانوتویؒ کے علوم کو پانی کرکے اپنے مواعظ اور تالیفات کے ذریعے اہل علم اور عام مسلمانوں کو پہنچایا۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نانوتویؒ کی زبان حکیم الاسلام قدس سرہٗ کی طویل صحبت سفر وحضر میں عطا فرمائی اور وہ حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ کے علوم سے طویل عرصے تک براہِ راست مستفید ہوئے اور پھر ان علوم کا عکس ان کے مواعظ وخطبات میں واضح طور پر نظر آنے لگا اور حضرت حکیم الاسلامؒ کی وفات کے بعد بھی انہوں نے ان علوم کو پھیلانے اور پھیلاتے رہنے کا مبارک سلسلہ جاری رکھا۔ چوں کہ امت کی فکر انہیں اپنے والد ماجدؒ سے ورثہ میں ملی تھی۔ اسی لیے دارالعلوم دیوبند کی تقسیم کے بعد اختلاف کی جو ناگوار صورت حال پیدا ہوئی تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں جذبۂ وحدت وایثار کے تحت اسے ختم کرکے وحدت و یگانگت پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا اور ان کے ذریعے دارالعلوم وقف کے تحت دین کی قابلِ قدر خدمات اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمائیں اور اب بفضلہٖ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم وقف ہم آہنگی کے ساتھ اپنے اکابر کے فیوض جاری رکھے ہوئے ہیں۔

مجھ ناکارہ اور میرے برادر معظم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم، صدر دارالعلوم کراچی کے ساتھ بھی حضرت مولانا محمد سالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتہائی مخلصانہ محبت وشفقت کا تعلق تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں حافظہ بھی غیر معمولی عطا فرمایا تھا اور اپنی مجلسوں میں جب سلف صالحین اور اپنے بزرگوں کے واقعات سنایا کرتے تھے تو ہم نہال ہوجاتے تھے۔ میں نے حضرتؒ سے یہ درخواست بھی کی تھی کہ آپ ان واقعات کے امین ہیں اور اگر یہ باتیں قلم بند ہوجائیں تو نسلوں تک کے لیے کارآمد ہوں گی۔ معلوم نہیں پھر اس کا موقع مل سکا یا نہیں۔

علوم ومعارف کے ذخیرے کے علاوہ حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ کی طرح ان کا شعر وادب کا بھی نہایت پاکیزہ اور ستھرا ذوق تھا اور ان کے اشعار کے انتخاب میں بھی وہ ذوق پوری طرح جھلکتا تھا۔ لکھنؤ کے ایک شاعر کی ایک نظم، بحرِ طویل میں اردو ادب کا شاہکار سمجھی جاتی تھی۔ میں نے اس کے کچھ اشعار اپنے بھائی جان مرحوم سے سنے تھے اور ایک شعر مجھے بھی یاد ہوگیا تھا، بھائی جان نے بتایا تھا کہ انہوں نے یہ اشعار حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ سے سنے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا

محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کراچی تشریف لائے تو میں نے ان سے بحرِ طویل کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ انہیں بھی وہ پوری یاد ہے، میری فرمائش پر انہوں نے وہ سنائی اور ریکارڈ بھی کروائی۔ پھر دیوبند جا کر مجھے اس کی کمپوز شدہ کاپی بھی ارسال فرمائی۔

۲۰۱۰ء میں جب میں دیوبند حاضر ہوا تو اس وقت حضرت مولاناؒ سفر پر تھے لیکن وہیں سے مجھے خط ارسال فرمایا کہ دیوبند کے قیام کے دوران دارالعلوم وقف میں حاضری دوں۔ میرا پہلے ہی وہاں حاضر ہونے کا ارادہ تھا۔ الحمد للہ حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور آپ حضرات نے بڑی شفقت کا معاملہ فرمایا اور مختصر مدت میں دارالعلوم وقف کی ترقیات دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔

تقریباً ایک سال پہلے حضرت مولانا محمد سالم صاحب قدس سرہٗ کی علالت کی خبر ملی تو بندہ نے خیریت معلوم کرنے کے لیے ان کو فون کیا۔ اگرچہ صحت کمزور تھی، لیکن ٹیلی فون پر بحمد اللہ کافی دیر گفتگو فرمائی اور یہ بندے کی ان کے ساتھ آخری بات چیت تھی۔

آج وہ وہاں پہنچ چکے ہیں جہاں ہم سب کو جانا ہے، لیکن ان کی خدمات جلیلہ اور ان کے صدقاتِ جاریہ بفضلہٖ تعالیٰ زندہ جاوید ہیں۔ آپ حضرات صاحب زادگان سے پوری امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے مشن اور عظیم کام کو پوری قوت کے ساتھ جاری رکھیں گے۔ وفقکم اللّٰہ تعالیٰ لکل خیر.

حضرت کے مشن ان کی خدمات اور ان کے علوم و معارف سے نسلِ نو کو متعارف کرانے کی غرض سے جس سیمینار کے انعقاد کا فیصلہ لیا گیا ہے، وہ انتہائی قابل قدر فیصلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس سیمینار کو کامیابی سے سرفراز فرمائے، ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور اور حضرت مولانا قدس سرہٗ کو اپنا قرب عطاء فرمائے۔ آمین

❖ ❖ ❖

پیغام

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب مدظلہٗ ❖

محترم جناب مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ معلوم کرکے بڑی مسرت ہوئی کہ دارالعلوم (وقف) دیوبند کی طرف سے خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نوراللہ مرقدہٗ کی حیات وخدمات کے تعارف کے سلسلہ میں ایک بین الاقوامی سیمینار کا انعقاد کیا جارہا ہے۔ حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ، نسباً، تلمذاً، فکراً ومشرباً ہر طرح قاسمیت کے علمبردار تھے۔ خانوادۂ قاسمی میں آنکھ کھولی۔ حضرت حکیم الاسلام نوراللہ مرقدہٗ کی آغوش تربیت میں طفولیت کے ایام گذارے، پھر اپنے دور کے عباقرہ علم وفن اور مشائخ رشد وہدایت کی زیر نگرانی تعلیم و تربیت کے مراحل طے کرتے ہوئے ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔

۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۱ء سے دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا آغاز فرمایا اور ترقی کرتے ہوئے درجۂ علیا تک پہنچے، راقم کی طالب علمی (۱۹۶۲ تا ۱۹۶۸ء) کا زمانہ حضرت کے شباب اور قوت کا زمانہ تھا، وہ دارالعلوم کے ایک کامیاب استاذ، بہترین خطیب اور حضرت حکیم الاسلام کے اکثر بیرونی اسفار کے رفیق کی حیثیت سے متعارف تھے، مرور زمانہ کے ساتھ اور بالخصوص حضرت حکیم الاسلام نوراللہ مرقدہٗ کی وفات کے بعد ان کی شخصیت کا اعتراف بلندیوں کو چھوتا رہا اور وہ ملک کی اہم دینی، ملّی اور سماجی تنظیموں کے اہم ارکان اور اعلیٰ عہدہ داروں میں شامل ہوتے گئے۔ حضرت حکیم الاسلام نوراللہ مرقدہٗ کے روحانی جانشین کی حیثیت سے ان کے حلقۂ ادارت میں شامل ہوکر علماء وعامۃ المسلمین کی بڑی جماعت نے اکتساب فیض کیا۔

حضرت کی وفات سے نہ صرف دارالعلوم (وقف)، حضرت کا خانوادہ اور متعلقین ومنتسبین متاثر ہوئے ہیں؛ بلکہ پورے اسلامیانِ ہند کے لیے یہ ایک ناقابل تلافی خسارہ ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اکابر کے اٹھ جانے کے بعد ان کے علمی وروحانی آثار اور نقوش قدم پس آئندگان کے لیے سفر حیات میں نشانِ راہ بنتے ہیں۔

مجوزہ سیمینار اور مقالات چوں کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی روشن حیات کے مختلف پہلوؤں کے تعارف اور تسجیل پر مشتمل ہوگی، اس لیے یقیناً یہ سیمینار جملہ پسماندگان کے لیے سامانِ تسلی ہونے کے ساتھ ان شاء اللہ بہترین رہنما کا بھی کردار ادا کرے گا۔ سیمینار کے ذمہ داران کو مبارک باد دیتے ہوئے بندہ دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اجتماع کو ہمہ جہت قبولیت اور افادیت سے سرفراز فرمائے۔

❖ ❖ ❖

❖ مہتمم دارالعلوم دیوبند

پیغام

حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب مدظلہ ❖

محترمی ومکرمی جناب مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالی نے اولیائے کرام کا تذکرہ اپنے کلام مجید میں مختلف مقامات پر فرمایا، ان کی فضیلت بیان فرمائی اوران کا مرتبہ بھی بیان فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ جل مجدہٗ کی کامل توجہات ہمارے اکابر کے دلوں کی طرف رہتی ہیں، ان کی تربیت کے انتظامات منجانب اللہ ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ دوسروں کے لیے مشعل راہ بنتے ہیں۔ اگر ہمارے اکابر اور خصوصاً حضرت حکیم الاسلامؒ کی مجالس پڑھیں، ان کے ملفوظات اور بیانات پڑھیں، تو کوئی انجان شخص بھی یقین کرلے گا کہ یہ کتابوں کو دیکھ کر حاصل کی ہوئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ وہبی چیز ہے اور کوئی غیبی طاقت ہے۔ مجالس میں آپ سے سوالات کئے جاتے تھے، سوال کرنے والے اہل علم اور خواص ہوتے؛ لیکن ہر سوال کا جواب ایسے انداز میں انہیں ملتا تھا کہ انھیں پھر کوئی تشنگی اور اشکال باقی نہیں رہتا تھا۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ سے میری مختلف ملاقاتیں رہیں، کئی بار تو اپنے والد بزرگوار حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے ہمراہ سفرِ برطانیہ میں اور اس کے علاوہ بھی گاہے بہ گاہے ملاقاتیں ہوتی رہیں اور ان سے استفادہ کے مواقع میسر آتے رہے۔ آپ ہمارے مشائخ میں سے تھے، ہمارے بڑوں اور اسلاف کی یادگار تھے، آپ علم کا ایک دریا تھے، جب بولتے تھے تو لگتا تھا کہ علوم ومعارف کے چشمے پھوٹ رہے ہوں، تواضع، عاجزی اور انکساری ان کا خاص وصف تھا، وہ اپنے چھوٹوں سے بھی شفقت کے ساتھ ملتے، ان کے علوم ومعارف ایک قیمتی سرمایہ ہیں، جس کی حفاظت کرنا ہم سب کی ذمہ داری ہے، ہمارا فریضہ ہے کہ ہم ان کے نوادرات علمیہ اور لطائف حکمیہ کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ انھوں نے احکامات اسلام کا بیان کس نکات آفریں انداز میں کیا ہے اور انہوں نے اسلام کی خدمت کے لئے کس انداز میں اپنی قربانیاں پیش کی ہیں، نئی نسل کو ان کی خدمات سے آگاہ کریں تاکہ ان میں بھی خدمت اسلام کا جذبہ بیدار ہو۔ اللہ تعالی ہماری طرف سے حضرت (خطیب الاسلام مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہ) کو جزائے خیر عطا فرمائے اور حضرتؒ کے وارثین خانوادۂ قاسمی میں قیامت تک پیدا ہوتے رہیں۔ میں اپنی جانب سے ذمہ داران دارالعلوم وقف دیوبند کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے حضرت علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات پر عظیم الشان سیمینار کے انعقاد کا فیصلہ لیا، یہ ایک اہم اور قابل قدر اقدام ہے، اللہ تعالی منتظمین سیمینار اور تمام مشائخ کرام جو تکلیف فرما کر وہاں تشریف لائے ہیں، انہیں اور حاضرین وسامعین سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ ❖ ❖ ❖

❖ بانی ومہتمم دارالعلوم بری، انگلینڈ

پیغام

حضرت مولانا ابوعمار زاہد الراشدی صاحب مدظلہٗ ❖

نحمدهٗ تبارك و تعالیٰ و نصلی و نسلم علیٰ رسوله الكريم و علیٰ آله و اصحابه و اتباعه اجمعين.

دارالعلوم وقف دیوبند کے زیر اہتمام ۱۲ و ۱۳/ اگست ۲۰۱۸ء کو خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی یاد میں سیمینار کا اہتمام کیا جا رہا ہے، جس میں امت مسلمہ کے اس عظیم سپوت کی علمی و دینی خدمات پر خراج عقیدت پیش کیا جائے گا اور نئی نسل کو ان کی دینی و قومی جدوجہد کے مختلف پہلوؤں سے آگاہ کیا جائے گا۔ اپنے بزرگوں کو یاد رکھنا اور ان کی محنت و کاوش کے آثار کو تازہ کرتے رہنا ان کا بھی حق ہے مگر اس سے زیادہ یہ نئی نسل کا حق ہوتا ہے کہ اسے ان بزرگوں سے واقف اور وابستہ کیا جائے جنہوں نے اس کے لیے مسلسل محنت کی کیوں کہ یہ ایسے ہی بزرگوں کی قربانیوں اور کاوشوں کا ثمرہ ہے جو نئی نسل کے ایک بڑے حصے کی دین و علم سے وابستگی اور قومی شعور و ادراک کی صورت میں آج ہمارے سامنے ہے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کا تعلق اس عظیم خاندان سے ہے جسے دارالعلوم دیوبند کے بانی خاندان کے طور پر تاریخ میں نمایاں مقام حاصل ہے اور اس خاندان کے عظیم سرخیل حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی طرف نسبت کو دنیا بھر میں دیوبندی مسلک سے تعلق رکھنے والا ہر شخص اپنے لیے باعث افتخار سمجھتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی مسلسل خدمات اور برصغیر میں اہل حق کی رہنمائی اور ترجمانی میں خاندانِ قاسمی کی چار پشتیں قیادت کی صفت میں شامل چلی آ رہی ہیں اور اب پانچویں پشت بھی اسی شاہراہ پر گامزن ہے جو خاندانی خدمات و روایات کا پرچم تھامے آگے بڑھ رہی ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد تاج برطانیہ کی حکمرانی کا آغاز ہوتے ہی جنوبی ایشیاء کے مسلمان زیرو پوائنٹ پر واپس آ گئے تھے اور سیاسی، معاشی، تعلیمی، تہذیبی، انتظامی، عدالتی اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے بے دخل ہو کر قومی و ملی زندگی کے از سر نو آغاز کے سوا ان کے پاس اور کوئی راستہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اس وقت جن خدا ترس اور باشعور اصحاب خیر نے تعلیمی و تہذیبی دائروں میں امت مسلمہ کی رہنمائی، خدمات اور ناخدائی کو اپنا شعار بنالیا ان میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی شخصیت سرفہرست تھی اور پھر ان کے بعد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ اور حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے اس تسلسل کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ اس کی شاندار روایات میں اضافہ کیا اور اہل حق کو حوصلہ و شعور سے بہرہ ور کرتے رہے، جس

❖ بانی و ڈائریکٹر الشریعہ اکادمی، گوجرانوالہ، پاکستان و سرپرست ورلڈ اسلامک فورم، لندن

کے ثمرات پورے جنوبی ایشیاء کے ساتھ دنیا بھر میں محسوس کیے جاتے رہے ہیں۔ امت مسلمہ کے علمی طبقات میں محدثین، فقہاء، صوفیاء، قراء، حفاظ اور دیگر اربابِ علم و دانش کے ساتھ متکلمین رحمہم اللہ تعالیٰ کا ایک مستقل شعبہ ہے جس میں نامور اور جلیل القدر متکلمین نے ہر دور میں اسلامی عقائد و احکام کی حکیمانہ تعبیر و تشریحات کے ذریعے اس دور کے فکری و نفسیاتی تقاضوں کے مطابق اسلامی عقائد و احکام کو پیش کیا اور ہر دور کے اشکالات و اعتراضات کا منطقی و علمی جوابات دے کر اسلام کی حقانیت و افادیت کے پرچم کو سر بلند رکھا۔

میری طالب علمانہ رائے میں ۱۸۵۷ء کے بعد کی علمی، فکری اور تہذیبی تقسیم کار میں حضرت نانوتویؒ کو امام المتکلمین کا مقام حاصل ہے اور میں عام طور پر عرض کیا کرتا ہوں کہ اجتماعی دینی قیادت اور تقسیم کار کے اس دور میں جواب تک جاری ہے، علم کلام میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، فقہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، حدیث میں علامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ، تصوف و سلوک میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، حریت قومی کے جہاد مسلسل میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ اور حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ جب کہ دعوت و تبلیغ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کا امتیازی مقام مسلّم ہے اور اگرچہ ان سب بزرگوں کی دین کے ہر شعبہ میں محنت و کاوش موجود ہے لیکن ہر ایک کا امتیازی مقام میری طالب علمانہ رائے میں وہ ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے اور اس بات کا تذکرہ بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ حضرت نانوتویؒ کی متکلمانہ شان ان کی چوتھی پشت تک تو اپنے پورے امتیاز کے ساتھ نمایاں دکھائی دے رہی ہے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ سے امید ہے کہ اگلی پشتیں بھی "اخذ بحظ و افر" کا مصداق ثابت ہوں گی۔

مجھے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ اور حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی مجالس میں بیٹھنے، ان کے ارشادات اور مختلف امور پر گفتگو کا شرف حاصل رہا ہے، میں نے دونوں بزرگوں سے استفادہ کیا ہے اور مجھے ان کی جس بات نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ یہ کہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو عام فہم انداز میں مخاطبین کی ذہنی سطح کے مطابق اس انداز سے بیان کرتے تھے کہ کوئی ابہام باقی نہیں رہتا تھا اور شاید 'بلاغ مبین' اسی ذوق و صلاحیت کا اظہار ہوتا ہے۔

مجھے اس بات کا احساس ہے کہ اس سیمینار کے موقع پر ان بزرگوں کے حوالہ سے مجھے جو خدمت کرنا چاہیے تھی وہ مصروفیت کے بے پناہ ہجوم کے باعث نہیں کر سکا، مگر "لایترك كله" سے بچنا بہر حال ضروری سمجھتے ہوئے چند سطور کے ذریعے حاضری لگوانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ خدا کرے کہ ان بزرگوں کے ساتھ یہ نسبت و محبت دنیا و آخرت میں ہر جگہ ہمارے لیے سہارا بنے رہے اور انہیں جنت الفردوس میں اللہ تعالیٰ اعلیٰ مقام سے نوازیں۔ آمین یارب العالمین

❖ ❖ ❖

پیغام

حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب مدظلہٗ ❖

محترم ومکرم مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

استاذ العلماء حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ موجودہ عہد کے بہت ممتاز عالم دین تھے، جن کی اپنی شناخت پوری دنیا میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بیک وقت ان میں کئی صلاحیتیں جمع کردی تھیں، جنہیں انہوں نے بروئے کار لاکر دین وملت کی خدمت کی، ایک کامیاب مدرس، عمدہ محقق اور بہترین منتظم ہونے کے ساتھ ساتھ خلق اللہ کی ہدایت اور فلاح کا کام بھی انہوں نے انجام دیا اور ہزاروں قلوب کی اصلاح کی، ان کی خدمت کی ایک جہت جماعت اور تنظیم سے وابستہ رہ کر اس کو ترقی دلانا، خدمات کے میدان میں سرگرم کرنا اور اہم کردار ادا کرنے والا بنانا ہے۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے وہ ابتداء سے تاسیسی رکن رہے اور عرصہ دراز سے نائب صدر کی حیثیت سے فعال رہے، بورڈ کو ان کی عالی قدر رائے سے بڑی تقویت ملی۔ دارالعلوم وقف دیوبند ان کی خدمات کا شاہ کار ہے اور اس کی ترقی وسربلندی ان کی کامیاب زندگی کا بڑا مشن ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں غیر معمولی خطابی صلاحیت سے بھی نوازا تھا، چناں چہ انہوں نے اس جہت سے دین وملت کی بڑی خدمت کی، وقت کی غیر معمولی پابندی کا ذکر کئے بغیر یہ تحریر ادھوری رہ جائے گی، ان کی یہ صفت ملت کے علماء، صلحاء، مدارس کے ذمہ دار، اساتذہ اور طلبہ سب کے لیے قابل تقلید ہے۔

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ خانوادہ قاسمی کے روشن چراغ اور اس خانوادہ کے علوم وروایت کے بڑے امین وپاسدار تھے، خانوادہ رحمانی سے ان کا گہرا تعلق تھا، وہ جامعہ رحمانی، خانقاہ رحمانی، امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ اور مجھ سے گہری محبت رکھتے تھے، ملک میں جب مدارس اسلامیہ کے حالات نازک بنائے جارہے تھے، خانقاہ رحمانی مونگیر میں بلائے گئے ناموس مدارس اسلامیہ کنونشن میں انہوں نے شریک ہوکر حق کی مضبوط آواز بلند کی۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ کا سترہواں اجلاس جب خانقاہ رحمانی مونگیر میں منعقد ہوا تو حضرت نے اس اجلاس کو اپنی تشریف آوری سے زینت بخشی، ان کی ہمہ جہت حیات وخدمات پر منعقد ہونے والا عظیم الشان سیمینار انشاء اللہ ایک تاریخ رقم کرے گا۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سیمینار کو کامیابی سے سرفراز فرمائے اور حضرت علیہ الرحمہ کو جوارِ رحمت میں رکھے، درجات بلند فرمائے، خدمات کو قبولیت سے نوازے اور ملت کو نعم البدل عطاء فرمائے۔ آمین ❖ ❖ ❖

❖ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ وسجادہ نشین خانقاہ رحمانی، مونگیر

پیغام

حضرت مولانا بدرالدین اجمل صاحب مدظلہٗ ❖

گرامی قدر جناب مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت الاستاذ خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی حیات وخدمات پر منعقد ہونے والے عالمی سیمینار کی خبر بذریعہ آپ کے والا نامہ موصول ہوکر باعث صدافتخار وانبساط ہوئی۔ میں تہہ دل سے سیمینار کے منتظمین اور بالخصوص آں جناب کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

یہ میرے لئے یقیناً باعث صدافتخار ہوتا کہ میں اُس عظیم شخصیت پر منعقد ہونے والے سیمینار میں حاضری کی سعادت حاصل کر پاتا جن کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کا مجھے شرف حاصل رہا ہے اور جن کے علمی، روحانی، سماجی اور اخلاقی کارنامے ہم جیسوں کے لئے زندگی میں کچھ کرنے کے جذبہ کو مہمیز لگانے والے ہیں۔ میرے لئے سعادت کی بات ہے کہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے زمانے سے ہی ہمارے گھر والوں کا قاسمی خانوادہ سے گہرا تعلق قائم ہے، اس کے علاوہ حضرت حکیم الاسلامؒ اور خطیب الاسلامؒ جیسی عظیم شخصیات سے شرف تلمذ نے مجھے خاندان قاسمی کا مزید قدرداں بنادیا ہے مگر جیسا کہ آنجناب کو معلوم ہے کہ آسام میں شہریت کا معاملہ باعث تشویش رہا ہے، ہم لوگ سالوں سے اس سلسلہ میں انصاف کی لڑائی لڑ رہے ہیں اور ۳۰؍جولائی ۲۰۱۸ء شائع ہونے والے نیشنل رجسٹر برائے شہریت (این آرسی) سے چالیس لاکھ سے زیادہ لوگوں کے نام خارج ہوجانے کی وجہ سے آسام انتہائی نازک مرحلہ سے گزر رہا ہے اور آسام کے لوگوں میں عجب سی بے چینی ہے، اسی لئے میں گزشتہ ایک عشرہ سے آسام کے مختلف علاقوں کے دورہ پر ہوں تاکہ باقی ماندہ لوگوں کے نام کی این آرسی میں شمولیت کو یقینی بنانے کے لئے لائحہ عمل تیار کیا جاسکے۔ آپ حضرات بھی دعاء فرمائیں کہ اللہ خیر کا معاملہ فرمائے۔ ان حالات کے پیش نظر مجھے حضرت الاستاذ پر ہونے والے سیمینار میں شرکت کی سعادت سے محروم ہونا پڑا، جس کا مجھے بے حد افسوس ہے، مگر اطمینان اس بات کا ہے کہ ملک وملت کے لئے قربانی کا سبق حضرت خطیب الاسلامؒ اور ہمارے دیگر اکابرین سے ہی ہمیں ملا ہے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی شخصیت بلاشبہ ہمہ جہت تھی، ان کے گوناگوں اوصاف و کمالات، علمی گہرائی وگیرائی، نکتہ فہمی ونکتہ سنجی کا مشاہدہ زمانہ طالب علمی سے ہی ہوتا رہا جو اب تک صفحہ ذہن پر منقش ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مولانا اپنے اکابر کے علوم و معارف اور خصوصیات و

❖ ممبر آف پارلیمنٹ انڈیا ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند

امتیازات کے وارث وامین، جماعت دیوبند کے ترجمان اور قاسمی علوم ومعارف کے شارح تھے۔ حضرت خطیب الاسلامؒ ایک جید عالم، قابل استاذ، بہترین منتظم اور امت کا درد سینے میں رکھ کر ان کی فلاح و بہبود کے لئے فکر مند رہنے والے انسان تھے، نیز امت مسلمہ میں دینی بیداری کو زندہ رکھنے اور اس کے ساتھ ہی اسلام کی حقانیت دوسروں تک پہنچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنے والی شخصیت کے مالک تھے۔ دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم وقف دیوبند جیسے ادارے آپ کی علمی، روحانی اور انتظامی خدمات کے گواہ ہیں۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت اور ان جیسی مختلف تنظیموں اور اداروں کے پلیٹ فارم سے آپ نے جو ملی وسماجی خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ کا نا قابل فراموش باب ہے۔ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہٗ تا زندگی اتحاد امت کے لئے فکر مند رہے اور جب بھی موقع آیا آپ نے اس کے تحفظ کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دے کر آنے والی نسلوں کے لئے روشن مثال قائم کی ہے۔ چنانچہ آپ کی حیات وخدمات سے نئی نسل کو آگاہ کرنا از حد ضروری و ناگزیر ہے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ یہ سیمینار اس باب میں سنگ میل کی حیثیت اختیار کرے گا اور نسل نو کی ایک معتد بہ تعداد کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے روشن افکار وخیالات اپنانے اور ان کے نقش قدم پر چلنے پر آمادہ کرے گا۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی سب سے نمایاں خصوصیت اعتدال پسندی تھی۔ آپ کے دینی وسماجی افکار کی اٹھان اعتدال کی خمیر سے ہوئی تھی۔ چنانچہ آپ کی زندگی اس اعتدال کی آئینہ دار رہی۔ آپ نے ہمیشہ اپنے افکار واعمال سے نسل نو کو دین میں اعتدال کی روش اپنانے اور امت میں اتحاد قائم کرنے کی تلقین کی۔ اس لئے موجودہ حالات میں جب کہ امت بری طرح مسلکی وگروہی منافرت کا شکار ہے، ہماری جانب سے حضرت الاستاذ کی روح کو سچی خراج عقیدت یہی ہوگی کہ ہم اپنے افکار وخیالات میں اعتدال پیدا کریں اور آنے والی نسل کی تربیت اسی نہج پر کریں۔ آخر میں دعاء ہے کہ اللہ پاک اس سیمینار کو کامیاب بنائے اور سیمینار کے منتظمین کو بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ آمین

❖ ❖ ❖

پیغام

حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہٗ ❖

محترم ومکرم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبکاتہ

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ بزرگان دیوبند کی آخری کڑی، حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کے صحبت یافتہ اور شاگرد، دارالعلوم دیوبند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے پڑپوتے، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے خلفِ اکبر ہیں۔

حضرت مولانا محمد سالم صاحب مرحوم کی ذاتی صلاحیت، علمی پختگی، خطابی قابلیت اور ذوقِ تحقیق و تصنیف سے ایک عالم مستفید ہوا۔ دارالعلوم دیوبند میں تعلیمی مراحل طے کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے اور اہم کتب کی تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۸۲ء میں اپنے رفقاء کے تعاون سے ''دارالعلوم وقف'' کے نام سے دوسرا دارالعلوم قائم کیا، جس کے شروع ہی سے مہتمم اور سرپرست رہے، ساتھ ہی بخاری شریف کی تدریسی خدمات کا فریضہ انجام دیا۔ علاوہ ازیں مولانا مرحوم کئی اداروں سے وابستہ رہے، مثلاً:

(۱) مسلم پرسنل لاء بورڈ سے رکنِ مجلس عاملہ پھر نائب صدر
(۲) رکنِ مجلس انتظامیہ وشوریٰ ندوۃ العلماء لکھنؤ
(۳) رکنِ مجلس شوریٰ مظاہر علوم وقف سہارنپور
(۴) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کورٹ کے رکن
(۵) سرپرست اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

نیز انہوں نے ایک اہم کارنامہ یہ انجام دیا کہ ''جامعہ دینیات'' کے نام سے ایک ادارہ قائم فرمایا، جس میں بڑی عمر کے اشخاص کے لیے دینی تعلیم کا بہترین نظم ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مولانا مرحوم کو جن گوناگوں امتیازی صفات سے نوازا تھا ان میں دو خصوصی قابل ذکر ہیں:

اول: امت اور ملت کی فکر میں اپنا سب کچھ قربان کر دینا، یہی وجہ ہے کہ ۹۲ رسال کی عمر تک ہندو بیرون ہند کے اسفار کرتے رہے اور مختلف اداروں اور مدارس کی سرپرستی ونگرانی فرماتے رہے۔

دوم: وقت کے اتنے پابند تھے کہ طلبہ درس گاہ میں آپ کی آمد پر اپنی گھڑیوں کے ٹائم سیٹ کرتے تھے۔

کثرتِ اسفار اور بے پناہ مشغولیت کے باوجود مضمون نویسی اور تالیف وتصنیف کے لیے کچھ نہ

❖ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات

کچھ وقت نکال لیتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ جیسے جلیل القدر عالم دین اور مخلص ترین دینی رہبر کا اٹھ جانا علمی دنیا کا بڑا خسارہ اور ایک عہد کا خاتمہ ہے، مولانا کے انتقال سے ہندوستانی مسلمان ایک عالِم ربانی، عظیم قائد اور وقیع ترجمان سے محروم ہوگئے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ جیسی جلیل القدر شخصیت پر ہونے والے عظیم الشان سیمینار کے انعقاد کے لئے میں آں محترم کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سیمینار کو کامیابی سے ہم کنار کرے۔

❖ ❖ ❖

پیغام

حضرت مولانا عبداللہ مغیثی صاحب مدظلہٗ ❖

محترم ومکرم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ علوم نبوت کے آفتاب، قاسمیت کے ترجمان، عظیم محدث، یکتائے زمانہ، نابغۂ روزگار عبقری شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کا تقریری اسلوب انتہائی مؤثر اور دل پذیر ہونے کے ساتھ ساتھ دلوں کو جلا بخشنے والا تھا۔ اسی وجہ سے آپ کو ''خطیب الاسلام'' کا لقب دیا گیا۔ آپ علوم قاسمیہ کے سچے وارث اور فکر نانوتویؒ کے مبلغ اعظم تھے۔ آپ کی ذات گرامی اپنے نمایاں کارناموں کے باعث محتاج تعارف نہیں، علوم وفنون کے استحضار کے ساتھ اپنی خطابت میں کسی بھی موضوع کو اس کے مالہٗ و ماعلیہ کے ساتھ بحسن وخوبی کامیاب طور پر بیان کرنے میں مکمل دسترس رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو زبان کی سلاست، بیان کی قدرت، تقریر وتدریس میں مہارت وکمال عطا کیا تھا وہ آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔

عالم اسلام کے ہزاروں تشنہ لب افراد نے آپ کے علوم ومعارف سے سیرابی حاصل کی اور مرحوم ومغفور کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہوئے۔ آپ نے علمی وفکری اعتبار سے عصر حاضر کی ضرورتوں کو بحسن وخوبی محسوس کیا اور زمانہ کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اسلام کی ناقابل فراموش خدمات انجام دے کر تاریخ رقم کی ہے۔ وہ عہد کا ایک زریں باب ہے، جس کے پیش نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے اسلام کی حقیقی ترجمانی کا فریضہ انجام دیا ہے۔ جب جب ہندوستانی مسلمانوں پر نازک گھڑی آئی ہے آپ نے کبھی مسلک دارالعلوم دیوبند کے ترجمان کی حیثیت سے اور کبھی مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پلیٹ فارم سے، کبھی مشاورت کے مسندِ صدارت کی بلندیوں سے تو کبھی آل انڈیا ملی کونسل کے بے باک اسٹیجوں سے قوم وملت کی صدائے حق بلند کرنے میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کی۔ میرا ان سے زمانہ طالب علمی ہی سے ایک مشفقانہ برادرانہ حیثیت سے برابر تعلق قائم رہا۔ چوں کہ مذکورہ سب تنظیموں میں ہم اور وہ ساتھ ساتھ رہتے تھے، کبھی سفر میں شعر وشاعری، کبھی پرلطف واقعات اور کبھی مزاحیہ جملوں سے گل گلزار رکھتے تھے۔ ''خطیب الاسلام سیمینار'' کے اس مبارک موقع پر ان چند سطور سے اپنے دلی جذبات کا اظہار کر رہا ہوں اور مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند اور حضرت مولانا احمد خضر شاہ صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند کو دلی مبارکباد اور مولانا محمد شکیب قاسمی کی مساعی جمیلہ پر دل سے دعاء گو ہوں کہ وہ ہمیشہ اسی طرح کے سیمینار منعقد کر کے دارالعلوم وقف دیوبند کی علمی، عملی، ملی اور قومی صدائے حق کو بلند کرتے رہیں۔ ❖ ❖ ❖

❖ صدر آل انڈیا ملی کونسل

پیغام

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مظاہری ❖

محترم ومکرم حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے والد بزرگوار خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی حیات وخدمات کے تعلق سے بین الاقوامی سہ لسانی سیمینار کے انعقاد کی خبر اور آں جناب کی جانب سے اس میں شرکت کا دعوت نامہ موصول ہوا۔

مولانا مرحوم یقیناً اس دورِ قحط الرجال میں علماء دین اور بزرگانِ ملت کی ایک یادگار تھے، اللہ تعالیٰ نے دین وملت کی فلاح و بہبود کے لئے ان سے بہت کام لئے، حضرت مولانا مرحوم کے علمی کارنامے اور ملک وملت کے مفاد میں ان کی سرگرمیاں ملت اسلامیہ کے سامنے ضرور آنی چاہئیں، اس سے تذکیر ہوگی اور نوجوان نسل کو کام کرنے کا حوصلہ بھی ملے گا اور مولانا مرحوم کی اس سلسلہ کی مساعی ہم سب کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوں گی۔

اس سیمینار کے انعقاد پر آپ اور آپ کے جملہ رفقاء لائق تحسین اور قابل مبارکباد ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کے تعلق سے منعقد ہونے والے اس اہم اجلاس کو امت کے لئے بہت بہت نافع بنائے۔ آمین

میرے لئے اس میں شرکت باعثِ سعادت تھی اور حضرت مرحوم کے جو حقوق ہم سب پر ہیں ان کی ادائیگی کی ایک حقیر سی کوشش ہوتی مگر بندہ بیمار ہے۔

اپنی بیماری کی وجہ سے کہیں قریب کا بھی سفر میرے لئے بہت ہی مشکل ہوتا ہے اور سفر سے اس وقت ایک طرح کی وحشت سی ہوتی ہے، اس لئے اس اہم اجلاس میں شرکت سے معذوری پیش کرتا ہوں، البتہ دلی دعاؤں کے ساتھ ہر وقت شریک ہوں۔

❖ ❖ ❖

❖ ناظم مظاہر علوم، سہارنپور

پیغام

جناب پروفیسر اختر الواسع صاحب ❖

گرامی قدر حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی دامت برکاتہم　　　　سلام وتحیات

حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند کے زیر اہتمام ۱۲-۱۳/اگست ۲۰۱۸ء کو عالم ربانی، خطیب لاثانی، یادگارِ حکیم الاسلام اور خانوادۂ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی نشانی، حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کی یاد میں سیمینار کے انعقاد کا فیصلہ بہت مستحسن ہے۔ ان کا سانحۂ ارتحال ایک بڑا سانحہ اور علمی نقصان تھا، ان کو یاد کرنا دراصل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہم اللہ اور ان سے ہم عصر اکابر علماء واساتذہ دیوبند کو یاد کرنا ہے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی علیہ الرحمہ کی عظمت کا دائرہ صرف درس گاہ اور خانقاہ تک محدود نہیں تھا بلکہ برصغیر کے مسلمانوں کی سماجی زندگی ہو یا دینی رہنمائی سے جڑے سوال، ان کی رائے اور شخصیت ہر جگہ قدر ومنزلت سے دیکھی جاتی تھی۔ موت بلاشبہ برحق ہے لیکن ایک ایسے زمانے میں جب مسلمان قحط الرجال کا شکار ہیں اور مسلم معاشرے سے جو صاحبِ علم وفضل اٹھ جاتا ہے اس کی جگہ کوئی لینے والا نظر نہیں آتا، ایسے میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا ہمارے بیچ سے اٹھ جانا اور زیادہ تکلیف دہ ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان کی یاد میں منعقد ہونے والا مجوزہ سیمینار نہ صرف ان کی یادوں کو تازہ کرے گا بلکہ اس میں پڑھے جانے والے مقالات جب کتابی صورت میں منظرِ عام پر آئیں گے تو اس سے نئی نسل تادیر استفادہ کرتی رہے گی۔

میں سیمینار میں شرکت کے لیے آپ کی دعوت کا شکر گزار ہوں اور اس کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔

دعاؤں کی درخواست۔

❖ ❖ ❖

❖ وائس چانسلر مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی، جودھپور

پیغام

حضرت مولانا محمد موسیٰ ماکروڈ صاحب ❖

قابل صد احترام حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
خدا کرے مزاج عالی بصد عافیت ہوں۔

آں محترم کے والد مکرم حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ وجانشین اور دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم وسرپرست حضرت اقدس مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے حادثہ صد حسرت نے دل ودماغ پر گہرا اثر چھوڑا، حضرت مرحوم اکابر دیوبند کی یادگار اور ہندوستان میں سرمایہ ملت کے حقیقی معنوں میں نگہبان تھے، آپ کی رحلت سے علمی محفلیں ویران ہوگئیں، خصوصاً معارف تھانوی وقاسمی کا ترجمان ہم نے کھودیا، آپ کی وفات عالم اسلام کا ناقابل تلافی نقصان ہے، حادثہ کی اطلاع ہوتے ہی دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور گجرات میں ایصال ثواب اور دعائے رفع درجات کا اہتمام کیا گیا، بندہ مع اہل وعیال اور تمام خدام مدرسہ رنج والم کی اس گھڑی میں آں حضرت اور جمیع پس ماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی علمی، دینی وملی عظیم خدمات کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے اپنی شایان شان اعلی علیین میں جگہ عنایت فرمائے، جنت الفردوس میں مقام بلند مرحمت فرمائے۔ اور آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور امت مسلمہ کو حضرت مرحوم کا بدل مرحمت فرمائے۔ آمین!

نیز یہ جان کر مسرت ہوئی کہ آں محترم حضرت خطیب الاسلامؒ کے کارنامے اور کمالات کو اجاگر کرنے کے لیے دوروزہ سیمینار کا انعقاد کرنے جارہے ہیں، اس اقدام عالی پر ہم سب کی طرف سے دلی مبارک باد قبول فرمائیں، دعا ہے کہ اللہ تعالی سیمینار کو بہ ہمہ وجوہ کامیابی سے ہم کنار فرمائے اور دارالعلوم وقف دیوبند کو دن دونی رات چوگنی ترقیات سے نوازے۔ آمین یارب العالمین!

ہمارے دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور گجرات کے استاذ حدیث عزیزم مفتی اسماعیل کوثر صاحب زید مجدہ کے ہمراہ یہ مکتوب ارسال خدمت ہے، جس کے ذریعہ دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور میں تشریف آوری کے لئے مخلصانہ دعوت بھی پیش کی جارہی ہے، امید ہے دارالعلوم کے لئے حسب سہولت اپنا قیمتی وقت فارغ فرمائیں گے اور ہم خدّام کو اپنی مقبول دعاؤں میں فراموش نہیں فرمائیں گے۔

❖ ❖ ❖

❖ بانی ومہتمم دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور، گجرات

پیغام

جناب پروفیسر طارق منصور صاحب ❖

محترم ومکرم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

۱- مجھے یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی کہ دارالعلوم وقف دیوبند کی جانب سے حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی ہمہ جہت شخصیت اوران کی گونا گوں حاصلات وخدمات کوخراج تحسین پیش کرنے کے لیے۱۲-۱۳راگست ۲۰۱۸ءکوایک سیمینار کا انعقاد کیا جارہا ہے جس میں اہل علم حضرات اورمولانا کے علمی فیوض وبرکات سے مستفیض ہونے والے علماء ومشاہیراس موقع پراپنے تحقیقی مقالے پیش کریں گے۔

۲-حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی شخصیت نابغۂ روزگارتھی اور پوری دنیا میں ان کے شاگردوں اورمتوسلین کی کثیر تعداد ان کے جملہ اوصاف بشمول علمی وفکری گہرباری کا نہ صرف معترف ہے بلکہ ان سے کسبِ فیض کے لیے بھی ممنون ہے۔

۳-حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے گہرا تعلق رہا ہے اورانہوں نے ایک طویل عرصے کومحیط علی گڑھ کی علمی وفکری کاوشوں کی نہ صرف نظریاتی طور سے سرپرستی فرمائی بلکہ ان کی ذات گرامی کے خوش نما اثرات یہاں کے طلبہ کی تربیت میں بھی ممدومعاون ثابت ہوئے۔انہوں نے یونیورسٹی کی ایگزیکیوٹیوکونسل کے رکن کے طور پر انتظامیہ کی بھی رہنمائی فرمائی۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں سالانہ جلسۂ سیرت النبیؐ کی قدیم روایت ہے اورمولانا اس موقع پر کثرت سے طلبہ وطالبات کواپنے روشن خیالات نیز علمی اوردانش ورانہ تعلیمات سے نوازتے۔

۴-حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی برگزیدگی کا ایک زمانہ معترف ہے اوران کا اس دارِ فانی سے رخصت ہونا پورے عالم انسانیت کے لیے بڑا خسارہ ہے جس کی تلافی کسی طور ممکن نہیں۔مجھے امید ہے کہ ان کی حیات وخدمات کودارالعلوم وقف دیوبند میں منعقدہ اس سیمینار میں ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر علمی وتحقیقی مقالے پیش کیے جائیں گے،جن سے اسلامی تعلیمات کی افہام وتفہیم کے نئے باب روشن ہوں گے۔میں اس سیمینار کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔

❖ ❖ ❖

❖ وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

پیغام

جناب پروفیسر سید احتشام حسنین صاحب ❖

محترم جناب مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میرے لیے انتہائی سعادت کی بات تھی کہ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے جانشین حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی شخصیت اور خدمات پر منعقد ہونے والے اس اہم اور مؤقر علمی پروگرام میں اپنی قلمی شرکت کے ساتھ ذاتی شرکت کو بھی یقینی بناؤں، لیکن سردست جامعہ کی گراں بار ذمہ داریوں کے سبب اس کے لیے وقت نکالنا دشوار اور تقریباً ناممکن ہے، اس لیے دل سے معذرت خواہ ہوں۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب کی شخصیت ہندوستان کی ملت اسلامیہ کی ان چند اہم اور ممتاز شخصیات میں سے ایک تھی جنہوں نے موجودہ دور میں سرمایۂ ملت کی نگہبانی کا اہم فریضہ ایک ایسے دور میں انجام دیا جب کہ قومی اور عالمی دونوں سطحوں پر مسلمانوں کو چندر چند مسائل ومشکلات اور گوناگوں چیلنجوں کا سامنا ہے، حضرت مولانا جیسی شخصیت کی ملت اسلامیہ کو ہنوز رہنمائی کی ضرورت تھی، ان کی موت ایک عظیم ملّی خسارے کی حیثیت رکھتی ہے جس کی تلافی آسانی کے ساتھ ممکن نہیں ہے تاہم اطمینان کا ایک پہلو یہ ضرور ہے کہ حضرت مولانا کو دین وملت کی طویل خدمت کا موقع ملا اور انہوں نے ادارے اور افراد دونوں سطحوں پر عظیم ورثہ یادگار کے طور پر چھوڑا ہے، جس سے امید ہے کہ ان کا دینی وعلمی مشن مضبوطی کے ساتھ آگے بڑھتا رہے گا۔

حضرت مولانا مرحوم پر منعقد کیا جانے والا یہ سیمینار وقت کی ضرورت ہے، ہم توقع کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ حضرت مولانا کی شخصیت کے امتیازی اوصاف وکمالات کے ساتھ ان کی فکر وعمل کے درخشاں نقوش سامنے آسکیں گے جن سے روشنی حاصل کرنا ملت اسلامیہ کے لیے ضروری ہے۔ انہوں نے ایک وسیع شہرت کے حامل علمی ادارے کی سرپرستی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا جس کے فضلا بڑی تعداد میں ملک و بیرون ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ معاصر چیلنجوں کا ادراک کرتے ہوئے تعلیم کے شعبے میں مزید محنت اور جاں فشانی کو اپنا شعار بنایا جائے کیوں کہ کسی قوم کی سرفرازی کی سب سے اہم بنیاد علم ہی ہے جس پر قرآن وحدیث میں بار بار زور دیا گیا ہے۔ آپ حضرات اس حقیقت سے مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ یہ سیمینار اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا، میں نیک خواہشات کے ساتھ اس کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔

❖ ❖ ❖

❖ وائس چانسلر جامعہ ہمدرد، دہلی

پیغام

جناب پروفیسر ماہ رخ مرزا صاحب ❖

محترم ومکرم جناب مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

انتہائی مسرت کا مقام ہے کہ دارالعلوم وقف دیوبند کے شعبۂ بحث وتحقیق حجۃ الاسلام اکیڈمی کے زیر انتظام ''حضرت خطیب الاسلامؒ: حیات وخدمات اور کارنامے'' کے عنوان سے ۱۲-۱۳/اگست ۲۰۱۸ء کو ایک دوروزہ سیمینار کا انعقاد کیا جارہا ہے۔

سیمنار میں اس موضوع سے متعلق انتہائی اہم امور پر تبادلۂ خیال ہوگا اور خطیب الاسلامؒ کی دینی، علمی، فکری اور ملی خدمات کے ان روشن پہلوؤں جن سے زمانہ واقف ہے، کے علاوہ عظیم اور ناقابل فراموش خدمات اور آپ کے فیوض وبرکات جن سے صرف خواص واقف ہیں ان سے عوام کو بھی واقفیت ہوگی اور حضرت کی شخصیت سے وہ صحیح معنوں میں واقف ہوں گے، اس لحاظ سے یہ سیمینار کلیدی اہمیت کا حامل ہوگا اور موجودہ دور کی ایک انتہائی اہم ضرورت پوری کرے گا۔

چناں چہ اس طرح کی سنجیدہ کوشش ہر لحاظ سے قابل قدر ہے اور اس کی ہمت افزائی ہماری ذمہ داری ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ یہ سیمینار ہم سب کے لیے مقتضیات زمانہ کو سمجھنے اور اسلام کی حقیقی ترجمانی کے فریضہ کی ادائیگی میں انتہائی معاون ثابت ہوگا۔

میں تمام ذمہ داروں اور منتظمین کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

❖ ❖ ❖

❖ وائس چانسلر خواجہ معین الدین چشتی یونیورسٹی، لکھنؤ

پیغام

جناب الحاج یعقوب قریشی صاحب ❖

محترمی ومکرمی حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
امید کہ مزاج گرامی بہ عافیت ہوں گے

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ صاحب کی عظیم علمی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کی غرض سے دارالعلوم وقف دیوبند میں ایک سیمینار کا انعقاد کیا جارہا ہے، یقیناً یہ ایک قابل قدر اقدام ہے، اس کے لیے آپ تمام حضرات کو مبارک باد پیش ہے؛

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ خانوادۂ قاسمی کے چشم وچراغ تھے۔ جن کی شخصیت عالم گیر تھی، مولانا مرحوم ایک طرف مسند حدیث پر بیٹھ کر طالبان علوم نبوت کو سیراب کرتے تھے۔ تو دوسری طرف اپنے بلند خطاب سے عام لوگوں کو قرآن اور سنت کے دھارے سے جوڑتے تھے۔ حضرت والا کی زندگی کا ایک اہم پہلو خطاب تھا واضح علمی انداز میں بیان فرماتے جو لوگوں کو سمجھ میں آتا تھا، حضرت والا کی زبان میں تسلسل اور روانی تھی۔ حضرت والا کی ملی اور سماجی خدمات کا بھی ایک لامتناہی سلسلہ ہے، حضرتؒ ایک مدت تک آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر رہے، ملنساری حضرت کا خاص مزاج تھا۔ پیرانہ سالی کے باوجود دور دراز کے تعلیمی واصلاحی سلسلہ کا سفر جاری رہا۔

اہل میرٹھ سے حضرت کا خاص تعلق تھا، خاص کر ہمارے گھرانے کے لیے حضرت کے دل میں بہت جگہ تھی، جب بھی حضرتؒ میرٹھ تشریف لاتے تو ہمارے غریب خانے میں ضرور تشریف لاتے تھے، جو ہمارے لیے دنیا وآخرت کے لیے سعادت مندی تھی، ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ: حضرت ہم خادم آپ کی خدمت میں دیوبند ہی آجایا کریں گے، آپ اس عمر میں سفر کی تکلیف فرماتے ہیں حضرت نے ہنس کر جواب دیا۔

آؤ چل کے کھیلیں مہر ومہ وانجم کا شکار　☆　ٹوٹنے کو یوں بھی ٹوٹے گی کمان زندگی

حضرت والا نے جب دارالعلوم وقف دیوبند کی مجلس مشاورت بنائی تو مجھے اس وقت بھی فراموش نہیں فرمایا۔ میں دارالعلوم وقف دیوبند کے ذمہ داران کو مبارک باد دیتا ہوں کہ: انھوں نے حضرت علیہ الرحمہؒ کی حیات وخدمات پر یہ سیمینار کر کے بڑا کام کیا ہے۔

اللہ تعالی حضرت والا کو امت کی طرف سے بہترین بدل عطا فرمائے، میری خواہش تھی کہ میں اس تاریخی سیمینار میں از خود حاضر ہوتا، لیکن چند مصروفیات کی بنیاد پر میں حاضر نہیں ہوسکا، اس لیے یہ چند سطریں ارسال ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی اس سیمینار کو کامیاب فرمائے۔ آمین ❖ ❖ ❖

❖ سابق وزیر حکومت اتر پردیش

پیغام

جناب محمد ادیب صاحب ❖

محترم ومکرم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

حضرت الاستاذ مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا اندوہناک سانحہ ارتحال حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کے بعد ایک عظیم قومی وملی حادثہ ہے، جس سے بلاشبہ ملی اتحاد واتفاق کا ایک مضبوط ستون گرگیا ہے۔

ملی تاریخ میں ان کا سب سے بڑا زندہ و جاوید کارنامہ آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے دونوں گروپوں میں اتحاد کرانا تھا، ان ہی کی وجہ سے دونوں مشاورت میں انضمام ہوسکا جس سے ملت کا وقار بلند ہوا ہے ورنہ آج کل ہر چہار جانب سے اختلاف وانتشار کی خبریں ہی سننے میں آتی ہیں۔

انہوں نے مختلف ملی وقومی تنظیموں و جماعتوں کے پلیٹ فارم سے ملت اسلامیہ کی بھرپور نمائندگی کی ہے اور وہ مجلس میں اپنی رائے کو بڑی مضبوطی اور قوت کے ساتھ رکھتے تھے، میں نے انہیں مختلف موقعوں پر دیکھا کہ وہ اپنے بزرگانہ کلمات سے مجلس کا رخ پھیر دیا کرتے تھے اور اہل مجلس کو نئی صورت حال پر غور کرنے پر مجبور کردیا کرتے تھے، ان کے سانحہ ارتحال سے جہاں قوم وملت کا ناقابل تلافی خسارہ ہوا ہے وہاں میرا ذاتی نقصان بھی ہوا ہے۔

یہ جان کر مجھے خوشی ہوئی کہ حجۃ الاسلام اکیڈمی کی جانب سے ۱۲/۱۳/اگست ۲۰۱۸ء ''حضرت خطیب الاسلام حیات وخدمات اور کارنامے'' کے موضوع پر دوروزہ سیمینار کا اہتمام کیا جارہا ہے، اس مؤقر سیمینار کے انعقاد پر مبارکباد دیتا ہوں اور اس سیمینار میں شرکت کی سعادت بھی حاصل کروں گا، انشاءاللہ

❖ ❖ ❖

❖ سابق ممبر آف پارلیمنٹ انڈیا ورکن مسلم مجلس مشاورت انڈیا

پیغام

جناب ڈاکٹر انور سعید صاحب ❖

مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب زید مجدہٗ

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہ معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ (سابق مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کی حیات وخدمات) پر دارالعلوم وقف دیوبند کی جانب سے دوروزہ سیمینار منعقد کیا جارہا ہے۔ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علمی، فکری نمائندے حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ کے ۹۲ سالہ زندگی کے علمی، روحانی سفر، ملی خدمات، تصنیفات وخطابات اور دارالعلوم وقف کے لئے کی گئی ان کی خدمات انقلابی حیثیت رکھتی ہیں، جن سے دورحاضر کے مفکرین کو کافی کچھ رہنمائی مل سکتی ہے۔ اسی طرح حجۃ الاسلام اکیڈمی کو موجودہ ایکٹیو پوزیشن تک پہنچانے میں خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کا جو رول ہے وہ بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے ان پر منعقد کیا جانے والا یہ سیمینار امید ہے کہ میل کا پتھر ثابت ہوگا۔ بلاشبہ اس کی بڑی ضرورت ہے کہ ملت کو حضرت مولانا مرحوم جیسی عالی دماغ و عالی حوصلہ شخصیت سے اوران کے کارناموں سے واقف کرایا جائے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے بعد مولانا سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ ہی اس خاندان کے صحیح اور سچے جانشین تھے بلکہ دارالعلوم دیوبند کی ایک پہچان (Icon) تھے۔

❖ ❖ ❖

❖ جنرل سکریٹری جامعہ طبیہ دیوبند

پیغام

جناب مولانا حسیب صدیقی صاحب ❖

محترم ومکرم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند		السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ جس خانوادے سے تعلق رکھتے تھے وہ علم و عمل کی دنیا میں اپنی شناخت قائم کیئے ہوئے ہے۔ اپریل ۲۰۱۸ء میں مولانا کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کی تلافی موجودہ دور قحط الرجال میں بہت مشکل ہے۔ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ سے میرا شاگردانہ تعلق رہا ہے۔ ان کا شمار بہترین اور مشفق اساتذہ میں ہوتا تھا۔

میری نیک خواہشات اور دعاء ہے کہ اس عظیم شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرنے کی غرض سے مورخہ ۱۲؍ اور ۱۳؍ اگست ۲۰۱۸ء کو حضرت علیہ الرحمہ کی ''حیات وخدمات اور کارنامے'' کے عنوان سے منعقد ہونے والا دوروزہ سیمینار تاریخ ساز ثابت ہو۔ آمین

❖ ❖ ❖

❖ منیجر مسلم فنڈ ٹرسٹ، دیوبند

پیغام

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب طیبی ❖

مکرم ومحترم عزیزی حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی سلمہ اللہ تعالیٰ

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خدا کرے مزاج عالی بعافیت ہو۔

عالم اسلام کی عظیم ہستی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے صاحبزادۂ گرامی اور اکیسویں صدی میں مسلکِ احناف کے شارح وترجمان خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی ذات والا صفات پر بے مثال وبے نظیر اور اولین ''سیمینار'' کے انعقاد پر میں اپنی طرف سے مبارکباد پیش کرتے ہوئے خوشی ومسرت سے نہال ہوں اور بار بار سوچتا ہوں کہ اس فانی دنیا میں اللہ تعالیٰ نے یوں تو بے شمار مخلوق پیدا فرمائی لیکن اشرفیت اور افضلیت کے تمغہ سے انسان کو سرفراز فرمایا ہے، پھر انسانوں میں بھی لاکھوں لوگ روزانہ پیدا ہوتے اور مرتے ہیں لیکن سب یکساں نہیں ہوتے، کسی کی ولادت پر خوشیوں کے شادیانے بجتے ہیں تو کسی کی مرگ پر پڑوسیوں کو بھی خبر نہیں ہوتی، اس دنیا میں بہت کم ایسی ہستیاں ہوتی ہیں جن کی رحلت اور جدائی پر اشک سوئی کے لئے آستینوں کی کمی اور آنسوؤں کے نذرانے کم پڑ جاتے ہیں، نرگس مستانہ کا ہزاروں سال تک رونا اور رو رو کر آنسو بہانا ایک مسلمہ حقیقت ہے اور یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جب نرگس رو رو کر نڈھال اور اس کی آنکھیں بے نور ہو جاتی ہیں تب کوئی فرہاد اور دیدہ ور پیدا ہوتا ہے۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ بھی وہ ہستی تھے جن کی تعلیم وتربیت پر حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی توجہات، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے افکار ونظریات، حضرت مولانا سید فخر الحسنؒ کی حدیث دانی، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ کا ادب عربی، امام المعقولات حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ کا اخلاص وسادگی اور والد گرامی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا جوشِ خطابت، طریقۂ استدلال، علم کلام پر کامل عبور، حسنِ انتظام، حسنِ کلام، حسن اخلاق، حسنِ لباس اور حسنِ گفتار ورثہ میں حاصل ہوا، گویا آپ ''بالائے سرش زہوش مندی، می تافت ستارۂ بلندی'' کا مصداق تھے۔

مجھ گنہگار بلکہ میرے پورے گھرانے کا جو اصلاحی تعلق آپ کے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے تھا جس کا ذکر خیر خود حضرت حکیم الاسلامؒ نے اپنی بعض تحریرات میں بھی

❖ بانی ومہتمم مدرسہ دارالقراءۃ الطیبہ، چکروتہ روڈ، سہارنپور، یوپی

فرمایا ہے، اس تعلق کی وجہ سے گویا خود کو خانوادۂ قاسمی کا غلام تصور کرتا ہوں، اللہ غریق رحمت فرمائے حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ اوران کے برادر مرحوم حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحبؒ کو جنھوں نے والد ماجد کے متعلقین سے ہمیشہ ربط و تعلق رکھا، آمد و رفت برقرار رکھی، تعلق کو مضبوط اور روابط کو استوار رکھا اور اس طرح ان دونوں بھائیوں نے دارالعلوم وقف کی نشاۃ ثانیہ میں جو غیر معمولی کامیابی اور کامرانی حاصل کی اس میں ایک طرف تو آپ کے اکابر کی دعائیں شامل حال رہیں تو دوسری طرف والد ماجد کے متعلقین و محبین سے ربط و تعلق کا بھی بڑا عمل دخل رہا۔

آج جب کہ حضرت خطیب الاسلامؒ کی حیات وخدمات اور کارناموں کو سیمینار کا ''عنوان'' بنایا گیا ہے تو میں صرف اتنا کہوں گا کہ حضرت خطیب الاسلامؒ اکیسویں صدی میں اسلام بالخصوص حنفیت کے ترجمان، دیوبندیت کے سرخیل، ماتریدیت کے علم بردار، چشتیت کے جرعہ نوش اور طبقۂ علماء میں اعتماد و اعتبار کی آخری ''کیل'' تھے۔

یہ مختصر سطور اس خدارسیدہ، جہاں دیدہ ہستی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے بالکل ناکافی ہیں تاہم انگلی کٹا کے شہیدوں میں نام لکھوانے کی سعی کر رہا ہوں تاکہ کل اللہ احکم الحاکمین کے حضور میں حاضری کے وقت عرض کرسکوں کہ میں بھی اس خانوادہ کے غلاموں میں سے ہوں جن کے وجود باجود سے ہندوستان ہی نہیں دنیائے اسلام میں اسلام کی تعلیمات پہنچ سکیں اور پوری دنیا میں اسلام کے تعارف کا ذریعہ بنے۔

❖ ❖ ❖

پیغام

جناب مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب گنگوہی ❖

مکرم و معظم جناب حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہم (مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند)
و برادر گرامی مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی سلمکم اللہ وعافاکم (ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی)
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج سامی بخیر ہوگا! سردست محترم والا صفات کے ارسال فرمودہ دعوت نامہ سے یہ معلوم کر کے خوش گوار حیرت اور دلی مسرت ہوئی کہ دارالعلوم وقف دیوبند اپنے مؤقر شعبہ ''شعبۂ بحث وتحقیق حجۃ الاسلام اکیڈمی'' کے زیر انتظام ایک بین الاقوامی سہ لسانی سیمینار بنام ''حضرت خطیب الاسلامؒ: حیات و خدمات اور کارنامے'' ماہ رواں یعنی اگست کی ۱۲/۱۳/ تاریخوں میں نہایت آب وتاب کے ساتھ منعقد کر رہا ہے جس میں مدعو اصحابِ علم وقلم اور زعمائے دین وملت خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ سابق مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کی پاکیزہ حیات وخدمات، علمی آثار و باقیات اور ان کے رہنما فکر وعمل کی دعوت سے ملت کو روشنی فراہم کریں گے، کوئی شبہ نہیں کہ ذمے دارانِ دارالعلوم کا یہ لائق ستائش اقدام حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کے لئے سچا خراج تحسین بھی ہے اور احسان شناسی کا ایک نمونہ بھی، **فجزاکم اللہ احسن الجزاء وتقبل اللّٰہ خدماتکم**. لاریب خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسی عبقری شخصیتیں ہر روز پیدا نہیں ہوتیں۔

زمانے نے دیکھا کہ حضرت خطیب الاسلامؒ کی ذات والا صفات بھی انعاماتِ ربانی کا مظہر جمیل تھی، وہ برصغیر کے ایک علمی خانوادہ کے نہ صرف حقیقی چشم و چراغ تھے بلکہ اپنے جلو میں معصومیت، حسن اخلاق، کف لسان، علم وکمالات اور فکر وآگہی کی ایک کہکشاں سجائے پھرتے تھے، آپ کے دمِ فیض سے دین ودانش کے کتنے ہی جہان روشن تھے، فکر وعقیدہ کی لازمی پختگی کے ساتھ معاصر مسائل ومسالک کے باب میں بھی آپ ہمیشہ جادۂ اعتدال سے ہم عناں رہے، بلکہ حکمتِ دین کی جو معرفت اور پھر اس کی تعبیر و تشریح اور تبلیغ کی دولت حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے نصیبہ میں آئی وہ نسلاً بعد نسل حضرت خطیب الاسلام کو بھی حسبِ توفیق عطا ہوئی تھی، جسے ان کے علمی آثار ومعارف اور خطبات میں بسہولت دیکھا جاسکتا ہے، الغرض حضرت خطیب الاسلامؒ جیسی بافیض اور دلنواز شخصیت کے بارے میں مجھ جیسا کوتاہِ علم وقلم اور ادنیٰ طالب علم بجز اس کے کیا عرض کرسکتا ہے کہ بع سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

اللہ کرے یہ سیمینار اپنی غرض وغایت اور موضوع کے اعتبار سے زیادہ ہمہ گیر جامع اور نتیجہ خیز ثابت ہو، بلکہ حضرت خطیب الاسلام کے فیضانِ علم وعمل کے ذیل میں اسے جرسِ کارواں کے طور پر دیکھا اور سنا جائے، نیز اس کے پیغام کو زادِ سفر راحتِ قلوب کے طور پر اپنایا جائے، آمین والحمدللہ رب العالمین۔ ❖ ❖ ❖

❖ مہتمم جامعہ اشرف العلوم رشیدی، گنگوہ، سہارنپور

بابِ اول

سیرت و شخصیت

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

جلیل القدر شخصیتوں کے تربیت یافتہ برگزیدہ فرد

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب ❖

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ خاندان نانوتہ کے جلیل القدر عالم دین حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے سلسلہ کے وارث علم وخاندان تھے، اور انہوں نے اپنی علمی ودینی مصروفیات سے دین وملت کی رہنمائی قابل قدر انداز سے کی، انہوں نے اپنی مختلف علمی و دینی خصوصیات، اپنے عالی خاندان سے وراثت میں پائی تھی، ان کے والد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے اور ذی وقار جانشین تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی دینی عظمت کے ساتھ ان کی علمی وفکری بلندی جوان کا امتیاز رہی ہے، اس کا حصہ بھی حضرت قاری صاحب کو قدرت کی طرف سے ملا تھا، جو ان کی تحریر وتقریر میں محسوس کیا جاتا تھا اور وہ اپنے عہد کے ممتاز علمائے دین میں عظیم المرتبت مقام و مقبولیت عامہ رکھتے تھے، ان کی ان خصوصیات کے ماحول میں ان کے خلف الرشید مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی نشو ونما اور تربیت ہوئی تھی، اور ان کی خصوصیات کا ان میں پرتو آیا تھا۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اپنے اسلاف کے سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم المرتبت درس گاہ میں جو دادا کی ہی قائم کردہ تھی، یعنی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی قائم کردہ درس گاہ میں اپنے خاندانی اور ان کے زیر نگرانی علمی اور تعلیمی ماحول میں رہے تھے، اور اس کے نہج وانداز فکر کے حامل بنے تھے، اپنے عہد میں اسی انداز کی خدمت علم وملت کرتے تھے، جس امت کے مختلف طبقات نے فائدہ اٹھایا اور فائدہ اٹھا رہے تھے، اس طرح ان کی وفات کا واقعہ خدمت دین وملت کے دائرہ میں ایک کمی پیدا ہونے کا باعث ہوا۔

مولانا محمد سالم قاسمی علیہ الرحمہ کی عمر نوّے سے اوپر تک پہنچی اور اس طرح ان سے فائدہ پہنچنے کا سلسلہ بھی اچھا رہا، وہ طبیعت کے لحاظ سے بھی مرنجا مرنج اور انس وتعلق کی صفت رکھتے تھے، اس کی وجہ سے ان کو مقبولیت حاصل تھی اور اپنے والد کے عہد میں ان کے دور اہتمام کے تعلق سے ان کے معاون کی حیثیت بھی ان کو حاصل تھی، دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ کے دو پہلو ہو جانے کی صورت میں وہ مہتمم کی حیثیت کے حامل ہوئے،

❖ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ و ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جو پہلو وقف کہلاتا ہے اور اس طریقہ سے تعلیمی دائرہ میں بھی ان کی سرپرستی و نگرانی کا سلسلہ جاری رہا۔

مولانا محمد سالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موٴقر والد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے طبیعت و رجحان کے مطابق ملت کی دینی اور تعلیمی تحریکوں سے بھی وابستگی رکھی، اسی ضمن میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے بھی ان کا اچھا تعلق رہا اور یہاں جب ان کا تشریف لانا ہوتا تو طلبہ کو اپنے علمی خطاب سے فائدہ بھی پہنچاتے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا تعلق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ سے بہت انس اور قربت کا تھا۔ اسی تسلسل میں مولانا محمد سالم صاحبؒ کا تعلق مجھ کا تب سطور سے بھی تھا، اس تعلق میں اس بات کو بھی دخل تھا کہ میرے سرپرست حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے مجھے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اکثر تعلیمی مرحلہ سے گذار کر مزید دینی و علمی فائدے کے لیے دارالعلوم دیوبند دیکھنے اور اس سے استفادہ کرنے کے لیے بھیجا تھا جو ایک سالہ تعلیمی مدت کے قریب کا موقع تھا جو ۴۶ سے ۶۴ء کا تھا جہاں میں نے شرائط دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھیں، یہ حسن اتفاق کی بات تھی کہ جن دو اہم کتابوں میں باقاعدہ درجہ میں شرکت کی جو تفسیر جلالین اور ہدایہ کی تھیں اس میں مولانا محمد سالم صاحب قاسمی علیہ الرحمہ کی بھی رفاقت درس حاصل ہوئی، جو اپنے تعلیمی مرحلہ کے ساتھ اس میں شریک تھے۔

جہاں تک دارالعلوم دیوبند اور خاندانِ قاسمی سے ربط و تعلق کی بات ہے، وہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے ہے، جب ان کا دعوتی، اصلاحی دورہ دوآبہ دیوبند، نانوتہ، تھانہ بھون، کاندھلہ وغیرہ کا ہوا تھا اور دارالعلوم دیوبند قائم ہونے پر ان کے ایک نواسہ مولانا سید محمد عرفان ٹونکی نے وہاں تعلیم حاصل کی تھی، ہمارے نانا مولانا حکیم سید عبدالحئی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء نے اپنے تعلیمی مرحلہ کی تکمیل کے بعد مزید علمی و دینی استفادہ کے لیے دہلی اور دوآبے کا ایک دینی و علمی دورہ کیا تھا جس میں ان کے ساتھ ہمارے دادا مولوی سید خلیل الدین حسنی مرحوم بھی شریک سفر تھے اور وہاں کی بزرگ شخصیات حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے صاحب زادے حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند سب نے حضرت سید صاحب کی نسبت سے ان کا بڑا خیال فرمایا تھا، جس کا تذکرہ مولانا عبدالحئی حسنی صاحب نے اپنی کتاب ''دہلی اور اس کے اطراف میں'' تفصیل سے کیا ہے۔ بعد میں مولانا عبدالحئی حسنی کے دونوں صاحبزادگان میرے دونوں ماموں مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ساتھ دارالعلوم دیوبند سے بھی استفادہ کیا اور اسی تعلق سے مجھے بھی وہاں کچھ وقت کے لیے بعد میں مظاہر علوم میں ایک ماہ گذار کر دیوبند گیا اور ۹/۸ ماہ کی مدت تعلیم وہاں مکمل کی، یہی وہ زمانہ تھا جب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا حجۃ اللہ البالغہ کا درس مشہور تھا، اس میں بھی حاضری کا موقع ملا، اس طرح مختلف مناسبتوں سے مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ سے

اچھا تعلق بن گیا تھا، اگر چہ وہ ہم سے عمر میں کچھ بڑے تھے، لیکن وہ مرنجاں مرنج طبیعت رکھتے تھے اور مخلصانہ و محبانہ انداز سے پیش آتے تھے۔ بعد میں ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے رکن منتخب ہونے کے بعد وہ اس کے انتظامی جلسوں میں شرکت کا بھی اہتمام کرنے لگے تھے اور ہماری انتظامیہ کی بعض میٹنگیں ان کی صدارت میں بھی ہوئیں اور پھر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے جلسوں میں ان سے ملاقاتوں کا ایک سلسلہ رہا، جس سے وہ پرانا تعلق تازہ ہوتا رہا۔ جہاں تک آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا تعلق ہے، اس کے اول و موسس صدر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ان کے حیات مستعار کے ختم ہونے پر بورڈ میں ان کے جانشین کے طور پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو صدر منتخب کیا گیا۔ جب ان کی بھی حیات مستعار ختم ہوئی اور انتخابی اجلاس دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہوا، تو عام طور پر ارکان بورڈ کی طرف سے تین نام زیر غور لائے گئے، جن میں مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ جو بورڈ کے کاموں میں بہت نمایاں کردار انجام دے رہے تھے اور مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ جو بورڈ کے پہلے صدر کے فرزند اور دارالعلوم دیوبند میں اپنی طویل خدمات رکھنے اور اس کے ترجمان ہونے کی حیثیت سے جانے جاتے تھے نیز بورڈ کے نائب صدر ہونے کی وجہ سے اہمیت رکھتے تھے، ان دونوں کے ساتھ اس ناچیز کا نام بھی تھا، اس ناچیز کو تردد تھا کہ اوروں سے کم تر ہوں، اس لیے میرے نام کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ان حضرات نے میرے نام کو بھی پیش نظر رکھا اور ہم تینوں کی ایک مجلس جلسہ گاہ سے ہٹ کر ایک حجرہ میں ہوئی اور اس میں صرف بورڈ کو ترقی دینے اور تعاون کرنے کی بات آئی اور بالآخر باہمی مشورہ سے مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحب قاسمیؒ کا نام طے ہوا اور یہ اچھا انتخاب ہوا، لیکن ڈیڑھ دوسال کی مدت ہی میں وہ بھی داغ مفارقت دے گئے اور پھر حیدرآباد میں انتخابی اجلاس ہوا، جس میں راقم السطور کی معذرت کے باوجود صدارت کی ذمہ داری اس پر ڈالی گئی، جس میں مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی تائید بھی شامل تھی، ان کو نائب صدر کا منصب پہلے سے حاصل تھا، وہ برقرار رہا، لیکن راقم السطور ان کو صدارت کے منصب کی حیثیت سے ہی محسوس کرتا رہا اور ان کا تعلق بھی ہمیشہ تقویت کا بنا رہا جو مختلف موقعوں پر ملاقاتوں سے بھی ظاہر ہوتا تھا۔ خاص طور پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی وفات کے بعد سے ان کا خیال بڑھ گیا تھا، جس سے ان کے ان سے تعلق کی بات بھی ظاہر ہوتی نظر آتی تھی اور ان کی کتابیں وہ شوق سے پڑھتے اور فائدہ اٹھاتے۔

مولانا محمد سالم قاسمیؒ اپنی مذکورہ صفات و خدمات کے ساتھ اپنی مقررہ عمر جو شمسی اعتبار سے ۹۲ رسال ہوئی پوری کر کے دنیا سے رخصت ہوئے اور ادھر قریبی عرصہ میں ملت کی متعدد علمی اور تعلیمی شخصیات بھی دنیا سے رخصت ہوئیں، جس سے جلیل القدر شخصیتوں کے تربیت یافتہ حضرات کے اٹھنے کا احساس بڑھا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کا امت کو نعم البدل عطا فرمائے اور ان کا حشر اپنے مقبول اور برگزیدہ بندوں میں فرمائے۔ آمین

❖ ❖ ❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ

سرمایۂ ملت کے نگہبان

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی صاحب ❖

خانوادۂ نانوتوی کے گوہر شب چراغ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی شخصیت ملت اسلامیہ ہندیہ کے لیے ایک نعمت بے بہا سے کم نہیں تھی، وہ خاندانی وراثتوں کے امین، اور علوم وفنون کے ماہر، اسرار شریعت کے راز داں، اور محاسن اسلام کے بے باک ترجمان تھے، درس وتدریس، تقریر وخطابت، اصلاح وتربیت، دعوت وتبلیغ اور انتظام وانصرام نیز ملی قیادت جیسے امور میں عظیم خوبیوں کے حامل تھے، اللہ تعالی نے ان کو طویل عمر عطا فرمائی اور اچھے کارنامے بھی ان کے ذریعہ وجود میں آئے، زبان رسالت علی صاحبہ الصلاۃ والسلام نے گواہی دی ہے: (**خیر الناس من طال عمره و حسن عمله**). (بہترین انسان وہ ہے، جس کی عمر لمبی اور اعمال اچھے ہوں)

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی وفات کی خبر علم ودعوت کے میدان میں بہت محسوس کی گئی، وہ ادھر کچھ عرصہ سے بیمار تھے، لیکن اعذار کے باوجود دینی کاموں میں حصہ لیتے تھے، پوری زندگی دار العلوم دیوبند کی ترقی میں گذار دی، وہ اپنے والد گرامی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے معاون بھی رہے، طلبہ کی کثرت کے پیش نظر ایک دار العلوم قائم کیا، اور اس کے دائرۂ تعلیم کو وسیع کیا، دعوتی مقاصد کے پیش نظر کتابیں تصنیف کیں، میدان خطابت کے شہسوار تو تھے ہی، ان کی تقریریں بہت توجہ اور اہتمام سے سنی جاتی تھیں اسی وجہ سے وہ خطیب الاسلام کے نام سے مشہور ہوئے، وہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر رہے، دوسری دینی وملی جماعتوں کی بھی تائید کرتے تھے، اللہ تعالی نے ان کو علم دین کی توفیقات عطا فرمائیں تھیں، انہوں نے پوری زندگی اس کے لیے وقف کردی تھی، عوام وخواص میں وہ یکساں مقبول تھے، ان کی علمی مقبولیت کا اندازہ علمی حلقوں میں ان ایوارڈس سے کیا جاسکتا ہے جو ان کے اعزاز میں دئے گئے، ان میں مصری حکومت کی طرف سے ایک ایوارڈ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ایوارڈ، شاہ ولی اللہؒ ایوارڈ وغیرہ ہیں۔

مولانا نے اپنا تعلیمی سلسلہ دار العلوم دیوبند میں جاری رکھا، اپنے زمانہ کے مایہ ناز علماء اور مشائخ

❖ مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

حدیث سے علم حاصل کیا، جن میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا فخر الحسن، علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، شیخ الأدب مولانا اعزاز علی رحمہم اللہ وغیرہ قابل ذکر ہیں، روحانیت اور سلسلہ باطن حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ سے حاصل کیا، اور اپنے والد گرامی قدر حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کی ہمہ وقت نگرانی میں رہ کر باطنی ترقی کی، آپ کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات بڑے قیمتی ہوتے تھے، عام مجالس میں بھی بڑی قیمتی نصیحتیں فرماتے تھے۔ ایک موقع پر فرماتے ہیں:

''درحقیقت دعوت وتبلیغ میں ہر مخاطب اور ہر موقع کے مناسب کلام کرنے میں حکیمانہ اصول اورعنوان وتعبیر میں حکمت ومصلحت کی رعایتیں بھی جو حضرات انبیاء نے اختیار فرمائی ہیں اور دعوت الی اللہ کو مقبول ومؤثر اور پائیدار بنانے میں جو طرز عمل اختیار فرمایا درحقیقت وہی دعوت کی روح ہے، درحقیقت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے موجودہ زمانے کے احوال کو دیکھ کر کام شروع کیا، کیوں کہ لوگوں کے دلوں سے دعوت کا جذبہ ہی نکل گیا تھا، اور اس بات پر بھی زور دیا کہ کلمہ طیبہ کی حقیقت مسلمانوں کے دلوں میں جماؤ اور توحید کے اوپر لاؤ جو اصل بنیاد ہے، دوسرے نماز اور ذکر اللہ پر زور دیا کہ اگر نماز کی پابندی ہوگئی اور ذکر کی شان پیدا ہوگئی، تو ہزاروں چیزوں کی اصلاح ہو جائے گی اور دینی جذبہ پیدا ہو جائے گا''۔(۱)

اس اقتباس سے حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کے مزاج ومنہاج کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ وہ دعوت کی راہ میں کس نظام کو برتنے کے حامی تھے، اور کیا چاہتے تھے، مزید معاصر دعوتی تحریک دعوت واصلاح کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر کیا تھا اور کس نظر سے وہ اس کو دیکھتے اور اس کی افادیت کو تسلیم کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ دار العلوم ندوۃ العلماء اور اس کے تعلیمی نظام کی قدر افزائی فرماتے تھے اور وہ اس کی مجلس انتظامی کے رکن تھے، اس لیے اس کے سالانہ جلسوں میں تشریف لاتے تھے ، اور اپنی بیش قمت آراء سے دار العلوم کو فائدہ پہونچاتے تھے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ ان کی بڑی قدر فرماتے تھے، اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم تو ان کے درس کے ساتھی ہیں، اس لیے ان کے درمیان باہمی یگانگت اور محبت کا تعلق باقی رہا، ندوۃ العلماء کے سابق معتمد تعلیم حضرت مولانا عبد اللہ عباس ندویؒ بھی ان کے علمی مرتبہ کے قائل تھے، یہی وجہ ہے کہ مولانا نے امام بخاری کی کتاب الأدب المفرد کا اردو میں ترجمہ کیا تو ان کی نگاہ مقدمہ کے لیے حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ پر پڑی اور مولانا نے ان سے درخواست کی اور انہوں نے اس کو سعادت سمجھ کر اس خدمت کو انجام دیا، وہ مقدمہ علمیت واستناد کے اعلی درجہ پر ہے، مولانا نے واضح الفاظ میں مترجم کی علمی لیاقت کا اعتراف کیا ہے: وہ لکھتے ہیں:

(۱) ماہنامہ ندائے دار العلوم وقف، دیوبند شعبان۔رمضان ۱۴۳۹

''اس پس منظر میں ترجمہ الأدب المفرد کو بلا خوف تردید وقت کی ایک عظیم علمی، دینی اور حدیثی ضرورت کی تکمیل کہا جاسکتا ہے، اسی کے ساتھ مترجم محترم حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب زید مجدہ کہ جن کی وسعت نظر، حسن تعبیر اور حسن فکر کو دیکھتے ہوئے صحت وافادیت کی ضمانت کہنے میں قلم کسی تردد سے دوچار نہیں ہوتے، یقین ہے کہ قارئین محترم اس کتاب سے استفادہ کے بعد ان کلمات کی توثیق ضرور فرمائیں گے، حق تعالیٰ حضرت مصنف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کمال واخلاص کی بدولت مترجم محترم کی اس ناقابل فراموش خدمت کو شرف قبولیت عامہ اور عزت مقبولیت تامہ سے نوازکر ان کے حق میں اسے زادِ آخرت فرمائے: ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین آباد''۔(۱)

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی شخصیت باوقار اور مستند تصور کی جاتی تھی، وہ اس کے پہلے صدر کے فرزند ارجمند تھے، اولین وقت سے اس کے اجلاس میں شریک رہے، اور اس کے نائب صدر کے عہدہ پر فائز رہے، انہوں نے اس پوری مدت میں بورڈ کو انتشار وافتراق اور غیروں کے آلہ کار بننے سے بچایا، اور یہی ان کی صلاح وصلاحیت کی دلیل ہے۔

بلاشبہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ سرمایہ ملت کے نگہبان تھے، ان کا وجود امت کے لیے باعث رحمت تھا، انھوں نے پوری زندگی اسی فکر کی نشر واشاعت میں صرف کی اور ملت کے مفاد کو عزیز رکھا، اختلافات کے زمانہ میں بھی اپنے کو پوری طرح محفوظ رکھا، تبصرہ تو درکنار، حرف شکایت بھی زبان پر لانا گوارہ نہیں کیا اور ایک مصلح اور داعی کی حیثیت سے قابل رشک زندگی گذاری۔ رحمه الله رحمة واسعة و كثر أمثاله فينا.

راقم سطور کا شروع ہی حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ سے نیازمندانہ تعلق رہا، والد ماجد حضرت مولانا محمد ایوب اعظمیؒ (سابق شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل) تو ان کے رفیق درس تھے، اور برادر گرامی قدر حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی بھی دیوبند میں تدریسی مشغولیت کی وجہ سے بھی حضرت قاری صاحب سے مربوط رہے، اس نسبت سے حضرت قاری صاحبؒ ہمارے ساتھ بہت شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ سے اسی جذبۂ اخلاص سے بحمد اللہ تعلق باقی رہا، ملاقاتوں میں اس کا تذکرہ بھی ہوتا تھا، ابھی چند سال قبل دار العلوم دیوبند وقف میں مجلس مشاورت قائم ہوئی، تو راقم کا نام بطور رکن مجلس کے منتخب کیا گیا، اس میں حضرت مولانا سالم قاسمیؒ کی محبت کو دخل ہے، ان کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی (مہتمم دار العلوم وقف دیوبند) بھی بہت احترام ومحبت کا معاملہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے عیوب کی ستاری فرمائیں اور اہل تعلق کو شایان شان بدلہ عطا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائیں اور ان کے درجات بلند فرمائیں اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائیں اور ان کے مشن کو لے کر آگے بڑھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

❖ ❖ ❖

(۱) ارشادات نبویہ کی روشنی میں نظام معاشرت: ۱۷، ۱۸

اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب ❖

عصر رواں کی ایک با مقصد و بامعنی حیات مستعار وقت موعود آ جانے پر اپنے اختتام کو پہونچ گئی، حقیقت پسندانہ زاویۂ فکر ونظر اور ذات حق جل مجدہ کی سنت ثابتہ کی جہت سے اگر جائزہ لیا جائے تو موت و حیات، شمس وقمر کی ضیاء پاش نورانیت سے زیادہ روشن تر ایک ایسی حقیقت ہے کہ زیر فلک بروئے زمیں سے لیکر بروئے فلک زیر زمیں تک معمولی وغیر معمولی جسیم وخفیف، قوی وضعیف، نورانی وخاکی، آبی وناری کسی بھی مخلوق کو اس حقیقت سے تجاوز، استثناء اور فرار وانحراف کا کوئی موقعہ حاصل نہیں ہے کیونکہ عوالم کے قانون وجود وعدم کے زیر اثر مرگ وزیست اس عالم کون وفساد کا خاصہ ہے، اشرف المخلوقات سے لے کر ارذل المخلوقات تک موت کا ذائقہ بلا استثناء سب کو چکھنا ہے، سب کو اس منزل سے گزرنا ہے، موت و حیات کا نظام خلّاق ارض وسماء نے اپنے ہاتھوں میں رکھا ہے اور کائنات ارضی وسماوی کی تخلیق سے پہلے ہی انہیں فنا کردینے کا فیصلہ اور وقت معین ومقرر فرما دیا تھا جابجا کلام الٰہی میں مختلف پیرائے میں شہادتیں موجود ہیں جو کہ اہل بصیرت کی راہنمائی کرتی ہیں، البتہ عموم سے خصوص کی طرف نظام تسلسل میں اشرف المخلوقات کی صفات عالیہ سے متصف بعض ہستیوں کو ذات حق جل مجدہٗ اپنی عطائے خاص سے وہ درجہ ومقام عطاء فرماتے ہیں جو اپنے علم وعمل، شفاف سیرت، بلند اخلاق وکردار اور اعمال صالحہ کی بدولت یہاں سے جانے کے بعد بھی نسلوں تک قلوب واذہان اور فکر وخیال میں زندہ وتابندہ رہتے ہیں اور ان کے علوم ومعارف، اعمال، افعال، اقوال باوقار اہل علم تلامذہ کی صورت میں نسل درنسل باقی رہتے ہیں اور یہ وراثت علم وعمل مختلف شکل و پیرائے میں مدتوں مستمر رہتی ہے چنانچہ اس معنوی قانون بقاء کے زیر اثر انجام کار راہِ حیات کے ایک باہمت وحوصلے مند مسافر، دنیا کے مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کے بے شمار شہروں، قصبوں اور دیہات میں مصروف عمل ہزار ہا ہزار تلامذہ علمائے کرام کے روحانی باپ، علوم نانوتویؒ کے شارح، مسلک دیوبند کے ترجمان، ملک وبیرونِ ملک سینکڑوں مدارس کے سرپرست ومربی اور ایک ایسی عظیم علمی شخصیت جو کہ اپنی ذاتی زندگی میں عبادت وریاضت کے قابل صدرشک التزام کے ساتھ اس منزل پر پہنچ چکی ہو جہاں علم وعمل، فہم وشعور، علوم ومعارف، بصیرت وحمیت، خداداد قوت فیصلہ اور فکر مسائل ملت بایں طور جزو

❖ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

ذات بن چکے ہوں کہ ان اوصاف کا تصور کئے بغیر شخصیت کا خاکہ ہی ذہن میں نامکمل رہتا ہے۔ جس میں خودغرضی، خودنمائی کے عناصر مفقود، عاجزی وانکساری کی ایسی قابل تقلید مثال جہاں روشن تر صفاتِ حمیدہ، بزبانِ علم وعمل، بلاتفریق مذہب وملت اور رنگ ونسل اپنے اور پرائے سب کو روشن کردینے کی کوشش وکاوش میں سرگرداں، جہاں تند وتیز بادمخالف کے شدید تھپیڑوں کے سامنے صبر وسکوت اور استغناء کا کوہِ ہمالہ بھی شرم سار ہوجائے، جہاں احترام ہو، اکرام ہو، چھوٹوں پر شفقت ومحبت کے پھول نچھاور ہوں، جہاں عہد رواں کے تقاضوں سے ہم آہنگ، فکر وخیال کی بلندی بایں طور پائی جاتی ہو کہ جمود وتعطل کے سکوت پر ضرب کاری انسانی مزاج کا حصہ بن جائے، جہاں فکر وشعور کی ہر منزل ایسی پختہ کار ہو کہ اپنی بے نیازی، استغناء پسند طبیعت میں مال ومنال اور کشش آمیز دنیاوی مناصب کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے تدابیر دینی وانسانی کو ممیّز ومعقول کر کے تقدیرات الٰہیہ پر صبر وشکر وصف امتیاز بن چکا ہو، وہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہٗ کے آخری شاگرد اور عصر حاضر کی نابغۂ روزگار شخصیت خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند و نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ ہیں جنہوں نے مورخہ ۲۴؍ جمادی الاخری ۱۳۴۴ھ مطابق ۸؍ جنوری ۱۹۲۶ء سے اس عالم کون وفساد میں اپنی عارضی زندگی کا آغاز کیا اور اپنی نہایت کامیاب ترین اور قابل صدرشک وتقلید حیات مستعار کی ۹۴؍ منازل کا طویل ترین سفر طے کر کے حکم خداوندی سے مورخہ ۲۶؍ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴؍ اپریل ۲۰۱۸ء بروز ہفتہ بوقت ظہر ۲؍ بج کر ۱۷؍ منٹ پر اپنی جان مستعار جان آفریں کے سپرد کردی اور اس کے معاً بعد اس آفتاب علم وعمل کے ہمیشہ کے لئے غروب ہوجانے والی الم انگیز خبر جنگل کی آگ کی طرح شہر دیوبند میں پھیلی اور ایسی پھیلی کہ لمحوں میں ہوا کے دوش پر مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں اقصائے دنیا کے ممالک تک پہنچ گئی اور ناقابل شمار ایک جم غفیر ''طیب منزل'' کی جانب رواں دواں ہوگیا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق ۲۷؍ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ شب معراج کی تمام تر برکتوں وسعادتوں سمیت رات دس بجے احاطۂ مولسری دارالعلوم دیوبند میں نماز جنازہ ہوئی اور رات میں گیارہ بج کر دس منٹ پر قاسمی قبرستان میں اپنے جد مکرم بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم النانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز اور اپنے والد ذی وقار حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، بانی وصدر اول آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) کے درمیان پہلو بہ پہلو اپنی لحد کی پرسکون آغوش میں فردوس بریں کی شبنم افشانیوں کے چھاؤں تلے آسودۂ رحمت ہوگئے۔ **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون و انا انشاء اللّٰہ بکم لاحقون نسأل اللّٰہ لنا ولکم العافیۃ.**

حضرت خطیب الاسلامؒ کا شماران مایۂ ناز اور قابل فخر ابنائے دارالعلوم دیوبند میں ہوتا ہے جن کو

فیاض قدرت نے خزینۂ اوصاف حمیدہ وصالحہ سے اتنا کچھ عطا کیا تھا کہ یہ چند صفحات میں مقید مضمون تو کیا ایک ضخیم اور مکمل کتاب سے بھی احاطہ ممکن نہیں ہے۔ تجربات ہیں، مشاہدات ہیں، حقائق ہیں، تاریخ ہے، علم وعمل ہے، حادثات ہیں، واقعات ہیں اور اس پر مستزاد ہزار ہا ہزار جید الفہم تلامذہ کے نقطہ ہائے فکر و نظر ہے، تأثرات ہیں، مختلف آراء ہیں، چنانچہ ملک و بیرون ملک سے تلامذہ کے محبت آمیز وعقیدت مندانہ جذبۂ وابستگی کے اظہار واصرار کے پیش نظر اس رفیع المرتبت اور مرجع خلائق شخصیت کے علوم وافکار کے مختلف گوشہ ہائے حیات کے تفصیلی تعارف وتذکرہ، نیز محبین ومنتسبین اور ارادت وعقیدت کا بے لوث تعلق رکھنے والے لاکھوں افراد کے جذبات کی ترجمانی کے تعلق سے ایک عظیم الشان بین الاقوامی سیمینار کا انعقاد کیا گیا، جس میں ملک و بیرون ملک کے نامور اہل علم ومعارف اور اہل قلم حضرات کے ذریعہ مختلف واقعات و تجربات تفصیل کے ساتھ سامنے آئیں۔

البتہ حضرت کے دیگر اوصاف ومحامد میں سے پابندئ اوقات کے قابل تقلید وصف کا اجمالی تذکرہ یہاں پر دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ حضرت رحمۃ اللہ کی شعوری حیات مستعار کے اسّی برس کا ایک ایک لمحہ علم دین کی خدمت کے لئے وقف رہا ہے، خواہ تعلیم وتعلم کا دور رہا ہو یا درس وتدریس کا، سفر ہو کہ حضر ہو، ملّی و اجتماعی مصروفیات ہوں یا خانگی مشغولیات نہ کبھی اپنے فرائض سے غافل ہوئے اور نہ ہی متعین امور کی انجام دہی کے لئے مقرر وقت میں کوئی تخلف پایا گیا، پابندئ اوقات کار کا اہتمام وانضباط اس قدر مثالی تھا کہ لوگ ان کے مقرر وقت سے اپنی گھڑیوں کا ٹائم درست کرلیا کرتے تھے۔ اجلاس واجتماعات اور کانفرنسوں و سیمیناروں میں ہی نہیں بلکہ شادی بیاہ کی تقاریب میں بھی قرار واقعی پابندی وقت کا فقدان بہمہ نوع امور کی طرح ہمارے قومی مزاج کا عکاس وغماز ہے گویا کہ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کی لازمی تاخیر کے قومی معمول کو ذہن میں رکھتے ہوئے پروگرام مرتب ہوتے ہیں، بالخصوص اس عمومی عدم انضباط وقت پر حضرتؒ بہت چیں بہ جبیں ہوتے تھے اور ناگواری کے لہجے میں فرمایا کرتے تھے لاحول ولاقوۃ پتہ نہیں لوگوں کے ذہنوں میں پابندئ وقت کی اہمیت کا شعور کیوں نہیں ہوتا ہے۔ دوسروں کو بھی ضیق اور تکلیف میں ڈالتے ہیں اور خود بھی پریشان ہوتے ہیں، پابندئ وقت کے اہتمام کا عالم یہ تھا کہ اپنے تدریس کے زمانے میں اِدھر مدرسے کے گھنٹے کی آواز سنائی دیتی تھی اُدھر حضرتؒ کا قدم درسگاہ میں ہوتا تھا، زیر درس تقریر میں وقت کی اہمیت بایں طور پیش نظر ہوتی تھی کہ اگلے گھنٹہ کی پہلی آواز پر درس اس طرح سے اختتام پذیر ہوتا تھا کہ کبھی بھی طلبہ کو یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ مضمون کہیں سے ادھورا یا ناتمام رہ گیا ہے، طلبہ کو عام ہدایت تھی کہ گھنٹہ بجنے کے بعد گھڑی میں دیکھ کر صرف دومنٹ انتظار کریں، اگر اس دومنٹ میں تشریف نہیں لائے تو سمجھ لیں کہ آج چھٹی ہے، گویا اپنے ہی نہیں بلکہ دوسروں کے اوقات کا بھی اسی قدر اہتمام فرمانا مزاج کا حصہ تھا، اور یہ

پابندی اوقات کا رخارجی امور میں ہی نہیں بلکہ گھریلو اور روزمرہ کی مصروفیات ومشغولیات بھی اسی اصول کے زیراثر انجام پاتی تھیں، خورد ونوش سے لے کر سونے، جاگنے تک کے تمام معمولات اسی اصول کے اسیر تھے، اگر کبھی کسی کام کے تعلق سے ہم نے یہ کہہ دیا کہ یہ کام انشاء اللہ دس سوا دس بجے تک ہوجائے گا تو فرمایا کرتے تھے کہ ''بڑے افسوس کی بات ہے کہ تمہارے نزدیک پندرہ منٹوں کی اہمیت کا احساس نہیں ہے'' حق تعالیٰ نے پابندیٔ اوقات کے عمل کو اس وقت بھی جاری رکھا جب کہ کسی فعل وعمل کی انجام دہی میں انسان کے خود کے ارادے کا کوئی دخل باقی نہیں رہ جاتا ہے، نماز جنازہ کے لئے رات دس بجے کا وقت طے پایا، میں خود محو حیرت ہوں کہ منٹ اور سیکنڈ کے ادنیٰ فرق کے بغیر ہزار ہا ہزار شرکائے نماز کے عظیم اژدہام کے باوجود کس طرح حق تعالیٰ نے ٹھیک وقت پر نماز جنازہ شروع کرادی، جس کو بارگاہ خداوندی میں پابندیٔ وقت کی تکوینی برکات کی قبولیت کے علاوہ اور کوئی دوسرا عنوان نہیں دیا جاسکتا۔

بہرحال یہ حقیقت پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ موت دراصل شمس وقمر کی ضیا پاش نورانیت سے زیادہ روشن تر ایک ایسی حقیقت ہے جس کی عالمگیر صداقت سے انکار کی جرأت کا تصور بھی کوئی فرد و بشر نہیں کرسکتا ہے، کسی کے لئے کوئی بھی اختصاص نہیں، کوئی راہ فرار نہیں، اگر کوئی تخصیص ہوتی تو طبقۂ بنی نوع انسان کی افضل ترین مخلوق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے ہوتی، اگر کوئی اختصاص ہوتا تو وجہ کائنات سید الکونین محمد مجتبیٰ و مصطفیٰ ﷺ اس زمرے کے اولین فرد فرید ہوتے، مگر اللہ تعالیٰ کی یہ سنت بنی نوع انسان کے لئے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام کائنات وعوالم کی ہمہ جنس وانواع اعظم واخف مخلوقات کو محیط ہے اور قانون موت وفنا، سب کے لئے یکساں طور پر مقرر ہے تاکہ صفات باری تعالیٰ کا مشیت وحکمت کے مطابق بتمام وکمال ظہور ونفوذ ہوسکے، خواہ وہ کائنات ہو جو کہ زمان ومکان کی حدود وقیود اور شش جہات میں مقید ہے یا وہ معلوم ونامعلوم عوالم ہوں جس کے بسائط انسانی عقل وشعور، فہم وادراک اور بصیرت وبصارت سے ماوراء ہیں اور ان تمام عوالم کی مخلوقات کی بقاء وفنا کے تمام معاملات اسمائے باری تعالیٰ کے مؤثرات کے زیر اثر ہی طے پاتے ہیں اور یہ بھی ایک امر تکوینی ہے کہ تمام عوالم میں بلاتوقف لحظہ ولمحہ کسی نہ کسی صفت خداوندی کا ظہور ونفوذ رہتا ہے۔ ایک لحظہ کے کروڑویں حصہ میں بھی اگر نفوذ واثر میں انقطاع واقع ہوجائے تو بہ یک دم تمام عوالم کی مخلوقات تباہ وبرباد ہوجائیں اور اسی حقیقت کا دوسرا نام قیامت ہے کیوں کہ تمام مخلوقات عوالم ابتداء وانتہا کے اصول کی اسیر ہیں جس کا بدیہی تقاضہ یہی ہے کہ آغاز کے بعد اس کا ایک انجام بھی ہو، تمام مخلوقات عالم میں انسان کو کیوں کہ سلسلۂ تخلیق کے عروج کی حیثیت حاصل ہے، اس لئے اس کے مبداء و میعاد اور معاد پر مشتمل سہ جہاتی تسلسل حیات پر بطور خاص کوئی نہ کوئی صفت خداوندی کا ہر لمحہ ولحظہ تسلط رہتا ہے اور اسی کے زیراثر حکمت ومشیت خداوندی کے تحت اس کی بقاء وفناء کا معاملہ بھی طے پاتا ہے اور یوں

انسان اپنی آغاز حیات عہد الست سے منزل بہ منزل حسب مشیت حق جل مجدہٗ سفر کرتا، ٹھہرتا رکتا اور قیام کرتا ہوا اپنی منزل کی طرف گرم سفر ہے تا آں کہ بطن مادر میں نو ماہ کی ایک مکمل ترین زندگی گذارنے کے بعد اس عالم کون وفساد میں قدم رکھتا ہے اور خالق کائنات کی طرف سے متعین کردہ مدت قیام کے بعد عالم بقاء کی طرف رخت سفر باندھ لیتا ہے، گویا حال سے مآل کا درمیانی وقفۂ حیات ہی از رائے قرآن **خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم أیکم احسن عملاً** کی عملی تفسیر ہے۔

انسان تمام آلام ومصائب سے خوف زدہ ہی اس لئے ہوتا ہے کہ کہیں سلسلۂ حیات منقطع ہو کر موت نہ واقع ہوجائے۔ اسی لئے موت کو الفزع الاکبر مصیبت کبریٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ موت کی حقیقت کو انسانی علم وفہم سے قریب تر لانے کے لئے، کلام اللہ کے یہ الفاظ معجز ایک مومن کو ہمہ وقت فکر و تدبر کی دعوت دیتے ہیں۔ **اللّٰہ یتوفّی الانفس حین موتھا والّتی لم تمت فی منامھا** جو کہ تذکیر موت ہے، روزانہ بلاناغہ بصورت نیند موت کی سی کیفیت بطور تذکیر طاری کردی جاتی ہے، اس فرق کے ساتھ کہ موت کی صورت میں جسم کا تمام اعصابی نظام بالکلیہ منقطع کردیا جاتا ہے، جب کہ بحالت نیند اس اعصابی نظام میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا ہے، حرکت قلب بھی جاری ہے، خون کی روانی بھی بدستور باقی ہے۔ ہاضمہ کا نظام بھی مصروف عمل ہے، سانس کی آمد ورفت بھی جاری ہے اور قوت حس وحرکت سے بھی انسان بالکلیہ محروم نہیں ہوتا ہے، آواز دینے پر یا کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آجانے پر یا کسی بھی قسم کی معمولی سے معمولی تکلیف پہنچ جانے پر انسان بیدار ہوجاتا ہے یا حالت نیند میں گرمی ہو تو پسینہ اور سردی ہو تو اس کے اثرات کا باہوش وحواس احساس کا پیدا ہونا دراصل زندگی کے غلبے کے ساتھ موت وحیات کا ایک درمیانی وقفہ ہے کیوں کہ بحکم خداوندی روح انسانی کا ایک حصہ عالم بدن سے عالم مثال کی طرف پرواز کر جاتا ہے اور عالم مثال خواب کی صورت میں متشکل ہو کر اپنے تمام مؤثرات کے ساتھ حرارت ایمانی سے زندہ قلوب واذہان والوں کے لئے ذریعۂ تذکیر بن جاتا ہے گویا کہ ہر روز انسان پر عارضی موت طاری کی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نیند سے بیدار ہونے کے ساتھ ساتھ اس دعاء کو پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے: **الحمد للّٰہ الذی احیانا بعد ما اماتنا و الیہ النشور.**

علیٰ کل حال موت وحیات کے درمیان محض ایک سانس کا فاصلہ ہے، چل رہی ہے تو یہ جہاں اور رک گئی ہے تو وہ جہاں، لیجئے قصہ تمام۔

تاہم واقعہ یہ ہے کہ ایسے الم انگیز مواقع پر اگر مومنین کے لئے ذات حق جل مجدہٗ کی خصوصی دستگیری بطور نعمت سایہ فگن نہ ہو تو قیامت سے پہلے قیامت ٹوٹ پڑتی اور نظام زندگی درہم برہم ہوجایا کرتا۔ چنانچہ اپنے عزیز واقارب، دوست واحباب اور عامۃ المسلمین کے سانحۂ وفات پر صبر ومصابرت اور قلبی

سکون وعافیت کے لئے تیر بہ ہدف دعاء تلقین فرمادی گئی ہے۔ **ان للّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شیء عندہٗ باجل مسمی فاصبروا واحتسبوا و انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.**

چنانچہ جب کسی پر کوئی مصیبت پڑجائے یا کسی کی موت واقع ہوجائے تو حق تعالیٰ اس دعاء کے ذریعہ دستگیری فرماتے ہیں اور ایک مومن کو جو صبر وتسلی اور دل کے قرار کا ذریعہ بنتی ہے یقیناً یہ ایک نعمت عظمیٰ ہے۔

ملکی سطح سے بین الاقوامی سطح تک عامۃ المسلمین سے لیکر اہل علم وفضل علماء مشاہرین، دانشوران ملت، مفکرین امت اور قدیم و جدید علوم و معارف اور مختلف فنون اور گوشہ ہائے حیات سے تعلق رکھنے والے ارباب فضل وکمال حضرات تک اسفار کی صعوبتوں کو برداشت کرتے ہوئے بغرض تعزیت اور بربنائے اخلاص وتعلق بنفس نفیس بھی تشریف لائے فون ومکتوبات کے ذریعہ تسلی آمیز کلمات اور مستجاب دعوات صالحہ سے بھی اہل خاندان کو سرفراز فرمایا، اور ملک و بیرون کے بے شمار مدارس و اجتماعیات میں ایصال وثواب، تعزیتی مجالس اور دعاؤں کا اہتمام فرمایا۔ از روئے حدیث پاک **من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ** یقیناً ناسپاسی ہوگی اگر اس موقعہ پر بلاتخصیص تمام محبین ومخلصین کا شکریہ نہ ادا کیا جائے، راقم السطور اپنی طرف سے نیز اہل خاندان اور تمام ارباب دارالعلوم وقف دیوبند کی جانب سے ان تمام حضرات کا شکرگزار ہے جنہوں نے بطور خاص اس صبر آزما وقت میں تسلی آمیز کلمات اور دعاؤں کے اہتمام کے ساتھ تعاون سے نوازا، بارگاہ رب العزت میں ہم سب دست بدعاء ہیں ذات حق جل مجدہ اس حسن سلوک پر تمام حضرات کو دارین میں بہترین جزاء سے سرفراز فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

و ماتوفیقی الا باللہ

❖ ❖ ❖

استاذ محترم خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ

بحیثیت مدرس

حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی ❖

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: النَّاسُ کالابَل تَکادُ تجد فیه رَاحِلَة.

لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے اونٹ کہ ان میں کوئی کوئی سواری کے لائق اونٹنی ہوتی ہے (باقی سب بوجھ لادنے والے اونٹوں کی طرح ہوتے ہیں) جس طرح بے شمار اونٹوں میں کوئی کوئی قیمتی اونٹنی ہوتی ہے اسی طرح انسانوں کی بھیڑ میں کوئی کوئی لائق چہرہ ہوتا ہے جو سب سے ممتاز ہوتا ہے۔

استاذ محترم حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ ان چیدہ لوگوں میں سے تھے جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور اپنے نشانِ قدم چھوڑ جاتے ہیں جو آنے والوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

راقم الحروف نے ایک رسالہ مرتب کیا تھا جس کا نام ہے ''میرے قابل احترام اساتذہ کرام'' اس میں میں نے اپنے محترم استاذ مولانا محمد سالم صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میرے سارے استاذ مرحوم ہو چکے ہیں جن کے ناموں کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ اور نور اللہ مرقدہ جیسے الفاظ تحریر ہیں۔ یہ واحد استاذ ہیں جو الحمد للہ باحیات ہیں اور ان کے اسم گرامی کے ساتھ دامت برکاتہم لکھنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ مگر ۱۴؍اپریل ۲۰۱۸ء کی دوپہر کے بعد ان کے نام کے ساتھ بھی دامت برکاتہم کی بجائے نور اللہ مرقدہ لکھنا پڑ رہا ہے۔ اور یہ لکھتے ہوئے دل پر کیا گزر رہی ہے اس کو لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ صرف آنکھیں ہی اشک بار نہیں ہیں بلکہ دل بھی جدائی کے احساس سے پارہ پارہ ہے۔ دراصل حضرت والا کا دنیا سے جانا صرف ایک شخص کا جانا نہیں ہے بلکہ ایک دور کا خاتمہ ہے۔

جان کر منجملۂ خاصانہ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

حضرت والا سے میں دارالعلوم میں طالب علمی کے زمانے میں شرح وقایہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے اور آپ کے اندازِ تدریس کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہے۔

❖ سابق مفتیِ اعظم پنجاب

دارالعلوم میں یہ بات عام طور پر کہی جاتی تھی کہ بڑے لوگوں کے صاحب زادے جو مدرس بن گئے ہیں وہ اپنے فرائض میں بڑی لاپرواہی برتتے ہیں۔مگر مولانا سالم صاحب اپنے کام کو بڑی ذمے داری اور پابندی سے ادا کرتے تھے۔وقت کے بڑے پابند تھے۔جیسے ہی گھنٹہ بجتا تھا وہ اپنی درس گاہ جو احاطہ مولسری کے جنوب میں تھی،دفتر کے دروازے سے اپنی درس گاہ کی طرف بڑھتے ہوئے نظر آتے تھے۔پورے گھنٹے انہماک کے ساتھ پڑھاتے تھے۔

پڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے عبارت پڑھتے تھے،پھراس کا ترجمہ بتاتے تھے اور پھراس کے ہر حصے کی تشریح کرتے تھے۔جو جو مسائل اس میں ذکر ہوتے تھے ان پر مفصل روشنی ڈالتے تھے۔اگر کوئی طالب علم سوال کرتا تھا تو اس کو تسلی بخش جواب دیتے تھے۔

شرح وقایہ کے درس میں ان کی درس گاہ طلباء سے بھری رہتی تھی۔مگر آواز اتنی بلند اور صاف ہوتی تھی کہ ہر طالب علم اچھی طرح سن لیتا تھا اور سمجھ لیتا تھا۔غرض کہ پورے گھنٹے تسلسل کے ساتھ تقریر کرتے تھے اور بڑے دل نشین انداز میں ہر گوشے کو اچھی طرح وضاحت کے ساتھ بیان کرتے تھے۔مقررہ نصاب اپنے وقت پر ختم ہوتا تھا اور پورے سال ایک ہی انداز میں کتاب ابتداء سے لے کر مقررہ نصاب تک پڑھائی جاتی تھی۔اس طرح ان کا سبق بڑا ممتاز،طلبا کے لیے پر کشش اور فائدہ مند ہوتا تھا۔انداز باوقار تھا لیکن طلبا سے بہت شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے اور سوال کرنے پر کبھی ناراض نہیں ہوتے تھے۔

انہوں نے دارالعلوم میں بڑی کتابیں بھی پڑھائیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تدریس کے میدان میں پوری طرح کامیاب رہے۔ہمیشہ مطالعہ کرتے تھے اور میرے خیال میں بغیر مطالعہ کے کبھی کوئی سبق نہیں پڑھاتے تھے۔مجھے ان کے پڑھانے کا انداز آج بھی نگاہوں میں گھومتا ہے۔اب وہ کہاں ملیں گے جو اپنے سبق میں بزرگوں کی تشریحات اور ان کے اقوال نقل کر کے طالبان علم کا دامن علم کے موتیوں سے بھر سکیں۔ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے اور ان کا فیض ان شاء اللہ جاری وساری رہے گا۔اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے،درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

❖ ❖ ❖

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ❖

بلندیاں اتر آتی ہیں جس کے آنگن میں
زمیں پہ رہتا تھا وہ شخص آسماں کی طرح

برصغیر کے مسلمانوں پر دینی اور علمی نقطۂ نظر سے جس خانوادہ کا سب سے بڑا احسان ہے، وہ ہے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا خاندان، جب ہندوستانی مسلمانوں کا سفینہ بھنور میں تھا، ان کا قصر اقتدار زمیں بوس ہو رہا تھا اور اس بات کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ اس لٹی پٹی قوم کو کہیں متاعِ دین وایمان سے بھی محروم نہ کر دیا جائے، تو حضرت نانوتویؒ کی شکل میں ایک مردِ غیب نمودار ہوا، جس نے دیوبند کے چھوٹے سے قصبہ میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی اور صرف ایک مدرسہ ہی قائم نہیں کیا؛ بل کہ قیامِ مدارس کی عظیم الشان تحریک برپا کی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس تحریک کے نقوش پورے برصغیر پر ثبت ہو گئے۔

اس خانوادہ کی خصوصیت حفاظتِ دین، دفاعِ اسلام پر خصوصی توجہ، فکر ونظر اور زبان وقلم میں اعتدال، نیز اخلاقِ نبوی پر استقامت رہی ہے، حضرت نانوتویؒ اور ان کے صاحب زادے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند ومفتیٔ اعظم ریاست دکن) کے بارے میں تو سننے اور پڑھنے کا موقع ملا؛ لیکن اس خاندان کی تین بزرگ شخصیتوں کو سر کی آنکھوں سے دیکھنے، قدموں میں بیٹھنے اور قریب سے سمجھنے کی سعادت حاصل ہوئی، ان میں سب سے بلند پایہ شخصیت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی تھی؛ جو ظاہر وباطن اور قول وفعل دونوں جہتوں سے ایسی شخصیت کے مالک تھے کہ جن کی طرف دل کھنچتا تھا اور نگاہِ شوق واحترام کی کشش ہوتی تھی۔ پھر آپ کے صاحب زادوں میں دو شخصیتوں کو امتیازی حیثیت حاصل ہوئی، ایک استاذ گرامی حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ، دوسرے حضرت مولانا محمد اسلم قاسمیؒ، ثانی الذکر عمر میں چھوٹے تھے؛ مگر انھوں نے منزلِ آخرت کی طرف پہلے رختِ سفر باندھ لیا تھا، ابھی یہ زخم تازہ تھا کہ حضرت قاری صاحبؒ کے علمی وفکری جانشیں اور خطیبانہ مہارت کے عکسِ جمیل استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے بھی دارِ بقا کی طرف کوچ فرمایا۔

سرخی مائل کھلا ہوا رنگ، کشادہ پیشانی، فراخ چشم، کسی قدر مستطیل چہرہ، بھرے ہوئے رخسار،

❖ جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا

سفید اور ایک حد تک گھنی ڈاڑھی، اوسط سے کچھ کھلتا ہوا قد، نہ بہت دبلے، نہ بہت لحیم وشحیم، زیادہ تر نگاہیں جھکی ہوئیں، ایک ایک ادا وقار واعتبار کا مظہر، بے موقع گفتگو سے حد درجہ اجتناب، ذوق نفاست ایک ایک چیز سے آشکارا، ٹوپی والد ماجد کی طرح دو پلی اور قدرے اونچی، جو شیروانی کی ہم رنگ اور شیروانی زیب تن نہ ہو تو کرتے کے ہم رنگ ہوتی، سفید کرتا، سفید پائجامہ، ہاتھ میں خوب صورت سا عصائے پیری، غرض ہر چیز سے سلیقہ اور خوش ذوقی عیاں، شروع سے ہی چہرے پر نور کی برسات نظر آتی؛ لیکن آخر عمر میں تو پوری طرح والد ماجد کے مثنی بن گئے تھے۔ یہ ہے حضرت الاستاذؒ کے سراپا کی ایک جھلک!

۲۲/ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ/ مطابق ۸/ جنوری ۱۹۲۶ء/ کو دیوبند میں پیدا ہوے۔ عربی تعلیم کا آغاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہاتھوں ہوا، جن سے آپ نے میزان الصرف پڑھی، بقیہ ابتدا سے انتہا تک پوری تعلیم دارالعلوم دیوبند ہی میں ہوئی۔ ۱۳۶۷ھ/ مطابق ۱۹۴۸ء/ میں فراغت ہوئی۔ اپنے والد ماجد کے علاوہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ، حضرت مولانا علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا بشیر احمد خاں بلند شہریؒ، حضرت مولانا عبدالسمیع دیوبندیؒ اور حضرت مولانا فخر الحسن مرادآبادیؒ وغیرہ جیسے مایہ ناز اساتذہ سے کسب فیض کیا، اور جہاں تک میں نے محسوس کیا، اپنے اساتذہ میں غالبًا آپ علامہ ابراہیم بلیاویؒ سے سب سے زیادہ متاثر تھے۔

تعلیمی مرحلہ مکمل ہونے کے ساتھ ہی دارالعلوم میں بہ حیثیت مدرس تقرر ہوگیا، تدریسی سفر نورالایضاح اور ترجمۂ قرآن مجید سے شروع ہوا اور بخاری شریف نیز صحاح ستہ کی دوسری کتب تک پہونچا۔ اس حقیر کو آپ سے سنن ابن ماجہ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ واقعی بلند پایہ مدرس تھے، موضوع کے مالہ وماعلیہ پر تفصیل سے گفتگو کرتے، وقت کی پابندی کا غیر معمولی اہتمام ہوتا، ادھر گھنٹی شروع ہوئی اور ادھر درس گاہ میں موجود، کیا مجال کہ پانچ منٹ کی بھی تاخیر ہوجائے اور ٹھیک وقت پر درس ختم ہوجاتا، دوران درس غیر متعلق گفتگو اور ہنسی مذاق کا مزاج بالکل نہیں تھا؛ اس لیے درس گاہ پر سنجیدگی کی فضا چھائی رہتی اور طلبہ بھی پوری یکسوئی کے ساتھ متوجہ رہتے، تقریر میں ''ظاہر ہے'' اور ''غیر معمولی'' کے الفاظ بار بار استعمال کرتے؛ گویا ایک طرح سے ان الفاظ کو تکیہ کلام کا درجہ حاصل تھا۔

یوں تو مولانا کے تمام ہی اسباق شوق کے کانوں سنے جاتے تھے؛ لیکن ہم لوگوں کے زمانہ میں خاص کر شرح عقائد اور ابن ماجہ کا درس معروف اور طلبہ کے درمیان مقبول تھا، اور کیوں نہ ہوتا کہ علم کلام خانوادۂ قاسمی کا خاص موضوع رہا ہے؛ چناں چہ حضرت والاؒ صفاتِ باری، مسئلۂ تقدیر، اشاعرہ، ماتریدیہ، محدثین اور اسلام کی طرف منسوب دیگر فرقوں کے اعتقادات پر بڑی بصیرت مندانہ گفتگو فرماتے تھے، اور

یوں بھی آپ کی گفتگو میں علم کلام کی اصطلاحات خاص طور پر شامل رہتی تھیں، ابن ماجہ کے درس میں ایک دو دن مسلک دیوبند پر تفصیل سے گفتگو فرماتے اور دیوبند کی علمی جامعیت اور مسلکی اعتدال پر بھرپور مواد کے ساتھ خوب صورت تعبیر میں روشنی ڈالتے، آپ کے تلامذہ میں بھی بڑے باکمال علما پیدا ہوئے، جن میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، مفتی سعید احمد پالن پوری، مولانا اسرار الحق قاسمی، مولانا عبدالخالق سنبھلی، مولانا بدرالدین اجمل، مولانا بدرالحسن قاسمی اور مولانا مجیب اللہ گونڈوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس حقیر نے پہلی بار دیدار کیا، جب اس کی عمر آٹھ نو سال رہی ہوگی، میرے آبائی گاؤں جالے، ضلع دربھنگہ (بہار) سے قریب ہی دوگھرا نامی مسلمانوں کی بستی واقع ہے، جہاں مدرسہ قاسم العلوم حسینیہ کے نام سے ایک دینی درس گاہ قائم ہے، اس مدرسہ میں، میں نے بھی ایک دو سال تعلیم حاصل کی ہے، یہیں سیرت کے موضوع پر ایک بڑا عوامی جلسہ منعقد ہوا، جس میں دور دور سے علاقہ کے لوگ شریک ہوئے۔ اس وقت اتنا شعور نہیں تھا کہ مولانا کے خطاب کو ہضم کر پاتا اور اس کے علمی مضامین سے لطف اندوز ہوتا؛ لیکن یہ ضرور یاد ہے کہ تمام بزرگوں کی زبان تحسین وآفرین کے کلمات تھے، میرے والد ماجد مرحوم خود ایک وسیع المطالعہ عالم اور طبیب تھے اور علمی موضوعات پر نقد وجرح کا ذوق رکھتے تھے، ان کو بھی مولانا کی تقریر کا بڑا مداح پایا، اس وقت مولانا کی ڈاڑھی سفید ہو چکی تھی؛ البتہ مولانا ایک عرصہ تک سیاہ خضاب کے معاملہ میں ان فقہا کی رائے پر عامل تھے، جن کے نزدیک اس کی گنجائش ہے، اور نہایت چاق وچوبند تھے؛ اس لیے عمر کا اندازہ نہ ہوتا تھا۔

خطابت کا اعلیٰ ذوق اور بلند معیار آپ کو اپنے والد ماجد سے وراثت میں ملا تھا، جس موضوع پر خطاب فرماتے، اس کی گہرائی تک جاتے، پورا خطاب اس طرح مرتب اور مربوط ہوتا کہ گویا ایک بار ہے، جس کی کڑیوں کو ایک دوسرے سے منسلک کر دیا گیا ہے، اگر ایک کڑی ٹوٹ جائے تو اگلی کڑیاں بکھر کر رہ جائیں، زبان میں غیر معمولی سلاست اور روانی تھی، تقریر میں ایسا تسلسل ہوتا کہ گویا دریا کی ایک لہر ہے، جو سبک خرامی سے آگے بڑھتی جا رہی ہے، دارالعلوم کی طالب علمی کے دوران آپ کے دو ایسے یادگار خطابات سنے، جن کی لذت سے آج تک گوش دل شاد کام ہے۔ ایک اس وقت کا خطاب جب سابق صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر فخر الدین علی احمد مرحوم دارالعلوم تشریف لائے، احاطۂ دارالعلوم کے کھلے سبزہ زار پر ان کے اعزاز میں جلسہ ہوا، قاری عبداللہ سلیم صاحب نے قرآن مجید کی ایسی تلاوت کی کہ سماں بندھ گیا، بہ حیثیت میزبان حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ نے سپاس نامہ پیش فرمایا اور حضرت الاستاذ مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے استقبالیہ کلمات کہتے ہوئے دارالعلوم کا تعارف کرایا۔ اخیر میں ڈاکٹر فخر الدین علی احمد مرحوم نے بہ حیثیت مہمان خطاب کیا اور دارالعلوم کو خراج عقیدت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کے مہتمم عالی

وقار حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے تئیں گہرے جذبات احترام کا اظہار بھی کیا، جب مہتمم صاحب سپاس نامہ پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو انھوں نے اصرار کیا کہ آپ بیٹھ کر پڑھنے پر اکتفا کریں۔

بہ ہر حال! اس پروگرام کا حاصل استاذ محترم کا تعارفی خطاب تھا، جس میں دینی تعلیم اور مدارس اسلامیہ کی پوری تاریخ دریا بہ کوزہ ہو کر سمٹ گئی تھی، پھر آپ نے دارالعلوم کے فکری شجرۂ نسب، فکر ولی اللّٰہی کی اہمیت اور دارالعلوم کے نصاب میں منقولات ومعقولات کی جامعیت پر بڑی عمدہ روشنی ڈالی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے آپ کا یہ خطاب زبانی تھا، خطاب کیا تھا! ہر ہر جملہ؛ بل کہ ہر ہر لفظ نپا تلا، خوب صورت اور معنویت سے بھر پور، اس رواں، سلیس اور اثر انگیز خطاب نے صدر جمہوریہ کو بھی متاثر کیا اور دیگر حاضرین کو بھی، جس میں دارالعلوم کی فکر، اس کے قیام کا پس منظر، اس کا نظام تعلیم، اس کی علمی جامعیت، جنگ آزادی میں اس کا حصہ اور اس کے مسلک اعتدال کا عطر آ گیا تھا۔

دوسرا خطاب ''غلہ اسکیم جلسہ'' کا تھا، جو ہر دوسرے سال اجناس کی وصولی کے لیے ہوا کرتا تھا اور اس میں پورا مغربی یوپی امڈ آتا تھا۔ ہمیشہ مہتمم دارالعلوم اس اجلاس کی صدارت فرمایا کرتے تھے، اور کلیدی خطاب بھی ان ہی کا ہوا کرتا تھا، اس بار حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ بیرون ملک کے سفر پر تھے؛ اس لیے دارالعلوم کے صدر مدرس استاذ گرامی مولانا فخر الحسن صاحبؒ صدارت فرما رہے تھے، دارالعلوم کے مختلف اساتذہ کے خطابات ہوئے، دارالعلوم کے باہر سے غالباً صرف مولانا سید اسعد مدنیؒ کی تقریر ہوئی، حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ اگر چہ غیر معمولی طلاقت لسانی کے مالک تھے اور جب بولتے تھے تو خوب بولتے تھے؛ لیکن پیرانہ سالی، ضعف ونقاہت اور بیماری کی وجہ سے انھوں نے پروگرام کے اخیر میں مختصر تمہیدی گفتگو فرماتے ہوئے آپؒ کو دعوت دی، آپ نے ڈیڑھ گھنٹے بہت ہی مفصل اور فکر انگیز خطاب فرمایا، جس کا موضوع تھا ''علم ظاہری اور معرفت باطنی''، آپ نے ''**علم آدم الاسماء کلها**'' کے ارشاد خداوندی سے اپنے خطاب کا آغاز فرمایا، نیز علم اور معرفت دونوں کی اہمیت اور اس سلسلہ میں آیات واحادیث کو پیش کرتے ہوئے آخر میں دارالعلوم دیوبند کے مزاج ومذاق کی تشریح کی، کہ اس کی بنیاد ان دونوں پہلوؤں کی جامعیت پر ہے، آپ کو دارالعلوم سے ایسا تعلق تھا کہ گویا وہ آپ کی سانسوں کا حصہ ہے؛ اس لیے کوئی خطاب یا کوئی مجلس ایسی نہیں ہوتی جو دارالعلوم اور اکابر دارالعلوم کے ذکر خیر سے خالی رہ جائے اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ وہ اپنے عہد میں فکر دیوبند کے سب سے بڑے ترجمان تھے اور کیوں نہ ہوتے کہ آپ کا بانی دارالعلوم سے صرف فکری اور علمی ہی تعلق نہیں تھا؛ بل کہ نسبی تعلق بھی تھا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ اعلی درجہ کے خطیب تھے، یہاں تک کہ علما اور عوام کے درمیان آپ کا لقب ہی خطیب الاسلامؒ ہو گیا؛ لیکن آپ کے خطاب میں جوش اور بہت سے خطیبوں کی طرح شور وہنگامہ

اور رونا گانا، نشیب وفراز اور آواز کا اتار چڑھاؤ نہیں تھا؛ بل کہ گفتگو میں تسلسل ہوتا اور آواز کی ایک ہی سطح پر بات ہوتی تھی، جس میں دریا کی تہہ میں بہنے والی کم آواز لہروں کی روانی کا احساس ہوتا تھا، اسی طرح پر تصنع الفاظ کا انبار لگانے کا مظاہرہ بھی نہیں تھا؛ بل کہ آپ کا خطاب معنویت اور علمی نکتہ سنجیوں سے معمور ہوتا تھا اور آپ بہ یک وقت دل ودماغ دونوں کو اپنا مخاطب بنا سکتے تھے، آپ کے مطبوعہ خطبات موجود ہیں، جن میں علم وفن کے کتنے ہی در آب دار قدم قدم پر ملتے ہیں، جو خصوصیت حضرت تھانویؒ کے مواعظ اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے خطبات میں پائی جاتی ہے وہی عکس حضرت الاستاذؒ کے خطبات میں بھی پائے جاتے ہیں۔

مولانا کے خطبات کی طرح آپ کی مجلسیں بھی بڑی مفید اور اہل علم کے لیے دیدۂ دل ودماغ کو روشن کرنے والی ہوتی تھیں، یہ حقیر حضرت حکیم الاسلامؒ کی مجلسوں میں شریک ہوا کرتا تھا، اسے حضرت الاستاذؒ کی مجلس میں شرکت کا موقع نہیں ملا؛ لیکن بعض خوش نصیبوں (جن میں مولانا محمد یامین قاسمی صاحب خصوصیت سے قابل ذکر ہیں) نے ان مجالس کو مرتب کر کے طبع فرمایا، ان مجلسوں میں بہت ہی مفید علمی نکات، حکیمانہ تجزیے، بزرگوں کے پُر تاثیر تذکرے اور ادبی رعنائی نیز خوش مزاجی کے شواہد ملتے ہیں، اور علماء وطالبان علوم نبوت کے لیے خاص طور پر قابل مطالعہ ہیں۔

اگر چہ آپ کا شہرہ خطابت وتقریر میں تھا اور آپ نے اسفار کی کثرت کی وجہ سے تصنیف وتالیف کی طرف کم توجہ دی؛ لیکن آپ نے جو کچھ لکھا، خوب لکھا، آپ کی تالیفات میں ''قرآن کریم کے اردو تراجم کا جائزہ'' ایک اہم کتاب ہے، جس میں قرآن کریم کے بیش تر تراجم کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس کے نمونے بھی پیش کیے گئے ہیں، سیرت پر ایک جامع رسالہ بھی آپ کے قلم سے ہے، اس کے علاوہ ''تاج دار ارض حرم''، ''سفر نامۂ برما''، ''ایک عظیم تاریخی خدمت''، ''حقیقت معراج''، اور ''مردان غازی'' آپ کی تصانیف ہیں، آپ کا یہ رسالہ ''مردان غازی'' آپ کے ادبی ذوق اور قلمی رعنائی کی جیتی جاگتی مثال ہے اور اسے افسانوی اسلوب میں لکھا گیا ہے، کتاب کا یہ اقتباس قابل ملاحظہ ہے:

> ''ہر سپاہی سر تا پا لوہے میں غرق ہے، موٹی موٹی زنجیروں میں بنی ہوئی زرہیں زیب تن ہیں اور اونچی اونچی کلغی دار خودیں سروں پر جگ مگا رہی ہیں، ترکشوں میں بے شمار تیر ہیں، میانوں میں تلواریں ہیں، پرتلوں میں آتشیں نیزے ہیں، صبا رفتار جنگی گھوڑے ہیں، ان کے بالمقابل چند افراد پر مشتمل پاک باز جماعت ہے، وہ بھی رسمی فوجی لوازم سے بے نیاز''۔(۱)

عربی زبان میں آپ کی گراں قدر تالیف ''مبادئ التربیۃ الاسلامیۃ'' ہے، اس کے علاوہ بھی مختلف

(۱) سیرت وشخصیت خطیب الاسلام، ج۲، ص۱۵۱

فکری و عملی رسائل اور بے شمار مضامین ہیں، جن کو یک جا کتابی شکل میں شائع کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت الاستاذؒ کے قلم میں عام طور پر حضرت نانوتویؒ کے اسلوب کا عکس پایا جاتا ہے، کسی بات کو پیش کرنے اور کسی دعوی کو مدلل کرنے کے لیے پہلے اصول کو ذکر کرتے ہیں اور پھر اس پر اپنے مدعا کو منطبق کرتے ہیں، حضرت نانوتویؒ کا اصل میدان علم کلام ہے اور علم کلام پر جب بھی کوئی شخص قلم اٹھائے، ضروری ہے کہ اس کے قلم کو فنی اصطلاحات کا بوجھ بھی اٹھانا پڑے؛ کیوں کہ اصطلاحات کا ترجمہ کرنا مشکل بھی ہوتا ہے اور اس میں کئی کئی سطروں کو ایک دو لفظوں میں بیان کر دیا جاتا ہے؛ اس لیے مولانا کی تحریر و تقریر بعض دفعہ اصطلاحی تعبیرات کی وجہ سے بوجھل معلوم ہوتا ہے؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ رواں اور سلیس نثر کے ڈھیر سارے نمونے بھی آپ کے یہاں موجود ہیں۔

اس ادبی ذوق کی انتہا یہ ہے کہ آپ شعر و سخن کے میدان میں بھی طبع آزمائی فرمایا کرتے تھے، اور ''ندیم'' آپ کا تخلص تھا، آپ کے اشعار ادبی شہ پاروں کی حیثیت رکھتے ہیں، ان میں اردو کے مختلف استاذ شعرا کا رنگ پایا جاتا ہے، کہیں میر کی سادہ زبان اور چھوٹے چھوٹے، دل کو چھو لینے والے مصرعے، جیسے اپنے والدین ماجدین کے حج سے واپسی پر آپ نے جو نظم کہی ہے، اس کے چند اشعار اس طرح ہیں:

پھر گھٹا رحمتوں کی چھائی ہے
پھر تمنائے دل بر آئی ہے
کعبۂ دل میں رب کعبہ کے
عشق کی شمع نو جلائی ہے
اپنا مقصود اب ندیم فقط
در کعبہ کی جبہ سائی ہے

کہیں جوش اور اقبال کا ولولہ اور انقلابی رنگ پایا جاتا ہے۔ جیسے اپنی چھوٹی بہن حمیرہ کے پاکستان منتقل ہونے کے موقع پر فرماتے ہیں:

اے شریک شیر مادر! اے محبت کی شعاع
آج ان لرزاں لبوں پر آ گیا لفظ وداع
الوداع اے مخزنِ اخلاص والفت! الوداع
الوداع اے گلشن طیب کی نکہت! الوداع

بہ ہر حال! مولانا کی زندگی اسلام کی حفاظت و اشاعت کے لیے وقف تھی؛ اس لیے شعر و سخن کی دنیا میں بھی ان کا سفر اسی سمت میں ہوتا تھا اور اشعار میں بھی امت کو حیات بخش پیغام دینے کی کوشش ہوتی

تھی۔ ہندوستان میں جوخوں ریز فسادات ہوئے اور مسلمانوں کی جان ومال اور عزت وآبرو کی جو پامالی ہوئی، اس پس منظر میں آپ نے ایک نظم کہی ہے، جس میں مایوسی اور دل شکستہ کیے بغیر بڑی خوب صورتی کے ساتھ جرأت وہمت اور اولوالعزمی کا پیغام دیا گیا ہے:

بحمد اللہ! حق کا بول بالا ہونے والا ہے
سیاہی چھٹ رہی ہے، اب اجالا ہونے والا ہے
شہیدوں کا لہو پیتے ہی ذرے بول اٹھتے ہیں
یہ خطہ آج کل میں کشت لالہ ہونے والا ہے
جو حق پر جم کے اس پر جان تک قربان کرتے ہوں
تو دنیا میں مقام ان کا ہی اعلیٰ ہونے والا ہے
مرا قرآن کہتا ہے میرا ایمان کہتا ہے
ظہورِ نصرت باری تعالی ہونے والا ہے

آپ نے اپنے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ پر ان کی وفات کے بعد جو نظم کہی ہے، وہ بھی کیفیت وتاثیر میں ڈوبی ہوئی ہے، یہ نظم ان اشعار پر ختم ہوتی ہے:

تھی رفیق زندگی، توفیق حق گوئی تیری
تجھ پر قرباں تا کہ ہوں دنیا کے تن من اور دھن
رحمت رب سے رہے روشن سدا تربت تیری
یہ دعا دیتا ہے تجھ کو سالم مخلص کا من

اپنی شریک حیات امۃ الاکرام شریفہ مرحومہ ۳/محرم ۱۴۳۱ھ کی وفات پر آپ نے ایک طویل نظم کہی ہے، یہ ایسی نظم ہے کہ پڑھ کر آنکھ نم ہوجاتی ہے، اس کے ابتدائی اشعار اس طرح ہیں:

نہیں معلوم تھا فرقت میں دل پہ کیا گزرتی ہے
تمنا دل میں آنے سے جھجکتی ہے لرزتی ہے
نہیں تھی آشنائی میری ان آنکھوں کو اشکوں سے
ان آنکھوں کو اگر اب چین ملتی ہے تو اشکوں سے
میرے اشکوں کے سچے موتیوں کا یہ نیا جھومر
سجے گا خوب سجدوں کے عادی تیرے ماتھے پر

یوں تو اللہ تعالی نے آپ کو بہت سے اعلی اوصاف سے نوازا تھا؛ لیکن آپ کے اندر تین بنیادی

اوصاف تھے؛ جو عام طور پر موجودہ دور میں بہت کم یاب ہیں: فکری اعتدال، زبان کی حفاظت اور اتحاد امت کی غیر معمولی تڑپ۔ آپ کے ہر خطاب اور تحریر میں فکری اعتدال کا رنگ جھلکتا تھا؛ اسی لیے جن اداروں میں مسلمانوں کے مختلف مسالک اور مکاتب فکر کی نمائندگی ہوا کرتی تھی، ان میں یکساں طور پر تمام طبقات آپ کی قیادت کو تسلیم کرتے تھے، آپ ابتدائے قیام ہی سے نہ صرف آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے رکن تاسیسی تھے؛ بل کہ آپ کا شمار اہم ترین ارکان میں تھا، اور آپ مسلم پرسنل لا کنونشن ممبئی کے داعیوں میں تھے، جو بورڈ کی تاسیس کا سبب بنا، پھر بعد میں آپ بورڈ کے نائب صدر منتخب ہوئے، ممبئی کنونشن میں آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''جس مسئلے نے دن کا چین اور رات کی نیند حرام کر دی ہے، وہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا مسئلہ ہے، یہ مسئلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، ہم بڑے اضطراب سے دوچار ہیں، اور اس میں ایک خیر کا پہلو بھی ہے، وہ یہ کہ ہماری اضطراب کے ذریعہ آزمائش ہو رہی ہے، آیا ہم اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں، یا پیٹھ پھیر دیتے ہیں؟ اور یہ بات مسلم ہے کہ دین خداوندی کو باقی رکھنے کے لیے اللہ کو تمہاری جاحت نہیں؛ بل کہ تمہیں حاجت دین خداوندی کی ہے؛ چناں چہ ارشاد خداوندی ہے:

وان تتولوا يستبدل قوما غيركم ثم لا يكونوا امثالكم. (۱)

اگر تم نے دین کی حفاظت سے رخ پھیر لیا، تو اللہ تعالی ایسی قوم لا کھڑا کرے گا، جو تمہارے جیسی نہ ہوگی، اور وہ دین کی حفاظت کرے گی۔ تمہارا ایمان لانا کوئی خدا پر احسان نہیں ہے؛ بل کہ اس کا احسان ہے کہ اس نے اپنی ہدایت سے نوازا:

قل لاتمنوا على اسلامكم بل الله يمن عليكم أن هداكم للايمان. (۲)

اے نبی! کہہ دو کہ تم اپنے ایمان کا احسان نہ جتاؤ؛ بل کہ خدا کا تم پر احسان ہے کہ تم کو ہدایت سے نوازا''

مسلم مجلس مشاورت انڈیا کے بھی آپ صدر منتخب ہوئے اور اخیر تک اس کے سرپرست رہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے آپ کی سرپرستی کو باعث اعزاز سمجھا اور آپ کی رہنمائی سے فائدہ اٹھایا۔

آپ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کورٹ کے ممبر بھی رہے۔

ندوۃ العلماء اور مظاہر علوم وقف کی شوری کے بھی رکن تھے۔

آپ نے اکیڈمی کے ایک سیمینار میں افتتاحی خطبہ پیش کرتے ہوئے بہت اہم بات فرمائی کہ: ''مسلک قابل ترجیح تو ہے، قابل تبلیغ نہیں ہے''۔ یہ بڑے پایہ کی بات ہے، جس سے آج بڑے بڑے اہل علم غافل ہیں اور اس پر توجہ نہ دینے کی وجہ سے مسلکی تشدد، افراط وتفریط اور فکری بے اعتدالی پیدا ہوتی

(۱) سورۂ محمد: ۳۸ (۲) سورۂ حجرات: ۱۷

ہے، اس معاملہ میں مولانا کے یہاں قول وفعل کے درمیان مکمل ہم آہنگی پائی جاتی تھی، آپ نے فقہ اکیڈمی انڈیا کے سترہویں فقہی سیمینار منعقدہ برہان پور (ایم پی) بتاریخ: ۲۸-۳۰ / ربیع الاول ۱۴۲۹ھ / مطابق ۵-۷ / اپریل ۲۰۰۸ء / میں جو خطبہ دیا تھا، اس کا یہ چشم کشا اقتباس قابل ملاحظہ ہے:

''حضرات! ظاہر ہے کہ فقہ کی یہ کتابیں اجتہاد اور استنباط کے نتیجہ میں سامنے آئیں اور جب تک ہر ہر جزئیہ پر دلائل نقلیہ اور دلائل عقلیہ یقینیہ مکمل طور پر قائم نہیں کیے گئے، اس وقت تک حضرات مجتہدین نے ان کو بطور مذہب قبول نہیں کیا، یہ حضرات اگرچہ دیانت کے مقام پر فائز ہیں؛ لیکن اس کے باوجود استدلال اور استنباط کا تعلق چوں کہ عقل انسانی سے ہے اور عقل انسانی میں صواب کے ساتھ خطا کا امکان ضرور ہے، اسی بنا پر ان حضرات فقہا کے یہاں استدلالی اور استنباطی اختلاف بھی پیدا ہوا، تو گویا عقل انسانی جہاں کارفرما ہوتی ہے، اس کے اندر امکان اختلاف ناگزیر بن جاتا ہے؛ لیکن ''اختلاف أمتي رحمة واسعة'' (میری امت کا اختلاف رحمت واسعہ ہے) کے تحت اس اختلاف کے نتیجہ میں علم عظیم کے دروازے آپ کے سامنے کھلے، آج وہ ہم سب کے لیے کارآمد بن رہا ہے، آپ کسی بھی فقہ کو اختیار کریں، حنفی ہوں، شافعی ہوں، مالکی ہوں، یا حنبلی؛ لیکن ظاہر ہے مستفید آپ سب سے ہو رہے ہیں، یہ سارے فقہاء آپ کے لیے قابل عظمت ہیں، ان چار فقہاء کو تلقی بالقبول امت میں عطا فرمائی گئی ہے''۔

لیکن اس سلسلے میں ایک بنیادی فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ فقہاء کا مستنبط کردہ قانون اسلامی، دین کے درجہ میں نہیں ہے، دین وہ ہے جو منزل من اللہ ہے، جس میں عقل انسانی قطعاً دخیل نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کے اندر عقل انسانی دخیل ہو، تو وہ قابل تبلیغ نہیں ہوسکتا، قابل تبلیغ صرف دین منزل من اللہ ہی ہوگا، بخلاف مذاہب فقہا کے، کہ وہ عقلاً اجتہادی اور استنباطی ہیں؛ اس لیے ان کا درجہ ترجیحی تو ہوسکتا ہے، تبلیغی نہیں ہوسکتا۔ اگر ان کو درجۂ تبلیغ دے دیا جائے، تو یہ دین منزل کے ساتھ ناانصافی ہوگی؛ اس لیے کہ دین میں کسی اختلاف، کسی تضاد کا امکان نہیں ہوتا، بخلاف مذہب کے، کہ اس میں استنباط واستدلال عقلی کی وجہ سے اختلاف کا پیدا ہونا ناگزیر ہے؛ لہٰذا یہ فرق مراتب قائم کرنا ضروری ہے کہ دین کو مقام تبلیغ پر رکھیں اور مذہب فقہی کو ترجیحی کے درجے پر رکھیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ فقہاء کا فقہی مذہب قابل تبلیغ نہیں ہوتا، صرف قابل ترجیح ہوتا ہے۔ تو ضرورت جب پیش آئے، تو دلائل کی قوت پر آپ کسی بھی مذہب فقہی کو اختیار کرسکتے ہیں؛ لیکن ان فقہی مذاہب کی دعوت دینے کا آپ کو حق نہیں دیا جائے گا؛ کیوں کہ دعوت دیے جانے کا حق دار صرف دین ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام، صحابۂ کرامؓ، علمائے کرام؛ یہ سب دین ہی کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ جب دوسری قومیں اسلام میں داخل ہوئیں، تو مذاہب سابقہ کے جو اصول وکلیات ان کے ذہنوں کے اندر تھے،

ان سے قانونی سوالات، شبہات اور اعتراضات سامنے آئے اور وہ ان کے جوابات چاہتے تھے، اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فقہائے کرام کو پیدا فرمایا اور وہ علم عظیم ان کو عطا فرمایا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے انہوں نے مدلل مسائل نکال کر ان کے جوابات سے جب تک مطمئن نہیں ہو گئے اس وقت تک اس کو اپنا مذہب قرار نہیں دیا؛ لیکن ان فقہائے کرام کے درمیان اگر استدلالی اختلاف ہوا بھی، تو وہ انتہائی دیانت داری پر مبنی تھا، جس پر نا قابل انکار شہادت: ''نَحْنُ عَلَى الصَّوَابِ مَعَ احْتِمَالِ الْخَطَاءِ، وَالْغَيْرُ عَلَى الْخَطَاءِ مَعَ احْتِمَالِ الصَّوَابِ'' ہے (ہمارا صواب امکانِ خطا سے خالی نہیں اور دوسرے ہمارے نزدیک خاطی ہیں؛ لیکن ان کے پہلوؤں میں صواب کا امکان موجود ہے) اس سے بڑا دیانت کا ثبوت کوئی نہیں ہوسکتا۔

دورِ عباسی میں مختلف مذاہب فقہیہ کے مرتب و مدون ہونے کے بعد لوگوں نے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی فقہوں کو قبول کیا؛ لیکن ساتھ ہی یہ علمی انحطاط بھی پیدا ہو گیا کہ اہل علم نے اپنے فقہ کی علمی برتری کو ثابت کرنے کے لیے اس کو تبلیغی بنا کر دین کا مقام، مذہب فقہی کو دے دیا۔ نتیجتاً دین اور مذہب میں جو فرق تبلیغی اور ترجیحی ہونے کا تھا، وہ برقرار نہیں رہا، جب کہ مذاہب فقہیہ کا درجہ عقلِ انسانی کے دخیل ہونے کی وجہ سے دین سے کم ہے اور اس فرقِ مراتب کو باقی رکھنا ضروری ہے؛ لیکن وقائع اور حوادث نئے نئے پیدا ہوتے رہتے ہیں، ہر دور کے نئے نئے حوادث میں الحمدللہ! ہمارے مفتی حضرات، علمائے کرام مسائل وقت کا صحیح حل نکالنے کے لیے پہلے دین، اس کے بعد مذاہب فقہیہ کو سامنے رکھتے ہیں۔ ان دونوں کی روشنی میں دیانت کے ساتھ وقت کے مسائل اور حوادث کا فیصلہ دنیا کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے۔

لیکن دور حاضر میں انحطاط علمی بعض افراد و طبقات میں یہاں تک پہونچ گیا ہے کہ انہوں نے دین منزل من اللہ اور خطا و صواب کا احتمال رکھنے والے مجتہد فیہ فقہ سے ماخوذ و مستنبط مسالک کو تبلیغی بنا کر دین کے ہم پلہ بنا رکھا ہے۔ جب کہ مدارِ نجات، مستحقِ تبلیغ فقط دین ہے، مذہب فقہی اور مسلک مختار نہ مدارِ نجات ہیں اور نہ مستحق تبلیغ ہیں۔ لہٰذا آگے بڑھ کر اگر میں یہ عرض کروں، تو شاید بے جا نہ ہوگا کہ: اس انحطاط کے نتیجہ میں ایک ذہنیت یہ پیدا ہوئی کہ یہ لوگ دین سے اتر کر مذہب پر آئے، مذہب سے اتر کر مسلک پر آئے اور آج انتہائی انحطاطِ علمی یہاں تک پہونچ چکا، کہ مشرب جو محض ذوقی چیز ہے، انہوں نے مسلک کا قائم مقام مشرب تک کو بنا رکھا ہے اور اس کی تبلیغ بھی شروع کر دی، بالفاظِ دیگر مسلک سے بھی نیچے اتر کر انہوں نے اپنی ذوقی چیز کو دنیا کے سامنے بطور دین پیش کرنا شروع کر دیا ہے، ان محروم علم طبقات کا صحیح الفکر علما کو ان کا قوت سے رد کرنا پڑ رہا ہے''۔(۱)

(۱) دین اور فقہی مذاہب و مسالک، ص۱۱

حضرت والا کا یہ پورا خطبہ اس لائق ہے کہ علما اس کو سرمۂ چشم بنائیں، یہ موجودہ دور میں پائے جانے والے افراط وتفریط کے لیے اکسیر ہے، اس فکری اعتدال کا اظہار بعض مسائل شرعیہ میں بھی ہوتا رہتا تھا جیسے ٹی وی چینل کے بارے میں آپ کی رائے جواز کی تھی اور آپ کا نقطۂ نظر تھا کہ جس چیز کو باہر دیکھنا ناجائز ہے، ٹی وی میں دیکھنا بھی ناجائز ہے، اور جس چیز کو باہر دیکھنا جائز ہے، اس کو ٹی وی پر بھی دیکھنا جائز ہے، یعنی آپ ٹی وی اسکرین پر نظر آنے والی شکلوں کو عکس تصور کرتے تھے، نہ کہ تصویر۔

مولانا احکام شرعیہ کی تشریح میں بھی افراط وتفریط سے بچنے اور اعتدال ومیانہ روی کا راستہ اختیار کرنے کی تلقین کرتے تھے؛ اس لیے چاہتے تھے کہ تدین اور تمدن دونوں کو ساتھ لے کر چلا جائے؛ چناں چہ فرماتے ہیں:

> ''جس طرح تدین کے برخلاف علی الاطلاق محاذ قائم کرنا الحاد وارتداد کی زد میں آتا ہے، اسی طرح تمدن کے برخلاف علی الاطلاق محاذ قائم کرنا اسلام کے بارے میں اس بدگمانی کی راہ ہموار کردیتا ہے، کہ اسلام عصر حاضر کے ارتقا پذیر اور غیر معمولی رفتار تمدن کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا''۔(۱)

یہ بڑا اہم لفظ ہے، جہاں تمدن کے تقاضوں کا غلبہ ہوتا ہے، وہاں دین سے انحراف کا مزاج بنتا ہے اور جہاں تدین میں غلو ہوجاتا ہے، وہاں دین کی ایسی تصویر پیش کی جاتی ہے، جو اپنے عہد کی ضرورتوں سے ہم آہنگ نہیں ہوتی اور اس کی وجہ سے لوگ دین کو ازکار رفتہ چیز تصور کرنے لگتے ہیں؛ چناں چہ آپ نے تقوی اور فتوی کے موقع ومحل کو بڑی خوب صورتی سے واضح فرمایا ہے:

> راہ تقوی ارباب ہمت وعزیمت کے لیے ہے؛ لیکن فتوی کی وسعتیں اس دین فطرت، اسلام میں کم ہمت وبے عزیمت عوام کے لیے ہیں، ان کو عزیمت وہمت کی راہوں پر چلانے کی کوشش ان کے قلموں کو صراط مستقیم سے ڈگمگانے کا ذریعہ تو بن سکتی ہے؛ لیکن فقدان عزیمت کی وجہ سے راہ تقوی پر ان کو استقامت تو دور کی چیز ہے، ان کا اس پر آنا ہی متوقع نہیں ہوسکتا''۔(۲)

مولانا اس بات پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں کہ آدمی کسی بھی مذہب فقہی کا مقلد ہو؛ لیکن اسے تمام مجتہدین کو اپنا محسن ماننا چاہئے اور ان کا احترام کرنا چاہیے؛ کیوں کہ ائمہ کا احترام ان کے علم کی وجہ سے ہے، نہ کہ اتباع کی وجہ سے؛ اس لیے اتباع چاہے کسی بھی امام کی ہو؛ لیکن احترام سبھوں کا ہونا چاہیے:

> ''ائمۂ اجتہاد کا متبع ہمہ وقت اس کا مستحق ہے کہ جس مجتہد کے اتباع پر اس کا یقین بہ لحاظ دوسرے امام مجتہد کی جانب بہ دلائل ہوجائے تو اس کے لیے سابق امام کی فقہ سے ہٹ کر دوسرے امام فقہ کا اتباع کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہوگا؛ اس لیے کہ ہر امام فقہ کے مختار مسائل استنباطی ہیں اور استنباط

(۱) خطبات خطیب الاسلام، ج۱، ص۱۸۹ (۲) ایضاً، ج۱، ص۱۹۰

کا تعلق عقل سے ہے، اور عقل احتمال خطا وصواب سے مبرا نہیں ہے''۔(۱)

مولانا نے اپنے خطبات میں اس بات پر زور دیا ہے اور توجہ دلائی ہے کہ مدار نجات اور مستحق تبلیغ فقط دین ہے، مذہب فقہی اور مسلک مختار نہ مدار نجات ہے اور نہ مستحق تبلیغ۔(۲)

مولانا نے یہ بات بھی واضح فرمائی ہے کہ تفریق ملت کا بنیادی سبب یہ ہے کہ لوگ دین و مذہب اور مسلک میں فرق مراتب باقی نہیں رکھتے، اگر ان تینوں کو اپنے اپنے دائرے میں رکھا جائے تو یہ بات ملت کے مختلف طبقات میں فکری قرب پیدا کرنے کا ذریعہ بنے گا۔(۳)

آپ نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے کہ مختلف مکاتب فکر کی پیدائش ایسی بات نہیں ہے، جس سے گھبرایا جائے، یہ کثرت علم کا فطری نتیجہ ہے؛ چناں چہ فرماتے ہیں:

''مکاتب فکر سے آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، مکاتب فکر وہاں پیدا ہوتے ہیں، جہاں کثرتِ علم ہو...... یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ کتاب اللہ جیسی ضخیم وعظیم کتاب اس کے پاس موجود ہے اور معلم کائنات رسول اللہ ﷺ کی سراپا علم سیرت مقدسہ موجود ہے۔ اسی کثرت علم کی بنیاد پر اسلام ہی میں مکاتب فکر پیدا ہو سکتے ہیں۔ چناں چہ عہد نبوت میں مکاتب فکر پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے اور اسی بنیاد پر ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے''۔(۴)

فقہی مسائل کے علاوہ دوسرے ملی مسائل میں بھی مولانا ہمیشہ اعتدال اور اتحاد کی دعوت دیتے تھے۔ مثلاً: ایک عرصہ سے علماء اور جماعتوں کے کارکنوں کے درمیان کسی قدر دوری پیدا ہوگئی ہے، مولانا نے اس سلسلہ میں دونوں کو تنبیہ کی ہے اور ٹکراؤ سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے؛ چناں چہ فرماتے ہیں:

''علماء اعتراض کریں مبلغین پر اور مبلغین اعتراض کریں علماء پر، اس سے ضعف اور ٹکراؤ پیدا ہوگا اور جو کام ہو رہا ہے وہ بھی رُک جائے گا۔ اب اگر علماء حضرات جماعت تبلیغ کے مقابل آجائیں اور جماعت تبلیغ مدِّ مقابل علماء کے آجائیں اور جماعت والے یوں کہیں کہ علماء کا کام صرف یہ ہے کہ وہ مدرسہ میں بیٹھ کر کتابیں پڑھائیں۔ ان کے پاس دعوت کا کام نہیں ہے۔ اور علماء یوں کہیں کہ جاہل لوگ تبلیغ کا کام کرتے ہیں ان کو شعور نہیں ہے تو اس سے ان میں ٹکراؤ پیدا ہو جائے گا''۔(۵)

غالباً مولانا کے سامنے بعض ایسے علماء ہوں گے، جنھوں نے تبلیغی جماعت کے کمزور پہلوؤں پر نظر رکھی ہوگی، مولانا نے ان کو ایک اصولی ہدایت فرمائی ہے کہ جب تک کسی کام سے فائدہ ہوتا رہے تو

---

(۱) خطبات خطیب الاسلام، ج۱، ص۴۳۰
(۲) ایضاً، ج۱، ص۳۱۳
(۳) ایضاً، ج۱، ص۵۱۳
(۴) ایضاً، ج۱، ص۲۱۵
(۵) ایضاً، ج۲، ص۵۰۷

نقائص کی اصلاح کرتے رہنا چاہیے اور فوائد میں رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

''بہ ہر حال! تبلیغ کا ایک کام ہو رہا ہے اور اس کا فائدہ بھی اس میں بعض نقائص بھی ہیں؛ لیکن فوائد بھی ہیں۔ لہٰذا اگر نقائص پر زور دیا گیا تو وہ فوائد بھی بند ہو جائیں گے۔ لہٰذا یہ ہونا چاہیے کہ جو فوائد ہیں وہ چلتے رہیں اور جو نقائص ہیں، ان کی اصلاح کرتے رہیں''۔(۱)

بہ ہر حال! مولانا کی دعوت اعتدال اور دعوت اتحاد دونوں ہی وقت کی اہم ضرورت کو پوری کرتی ہے، امت اور علمائے امت کا فریضہ ہے کہ اس دعوت پر لبیک کہیں۔

عام طور پر دینی مدارس سے مربوط اساتذہ اور منتظمین کی فکر مدارس تک محدود ہوتی ہے؛ لیکن مولانا کا دل دردمند پوری امت اور بالخصوص نئی نسل کے لیے تڑپتا تھا، وہ چاہتے تھے کہ امت کا ہر بچہ دین کی بنیادی تعلیم حاصل کر لے؛ تاکہ وہ ارتداد اور انحراف اور غفلت وکوتاہی کا شکار نہ ہو، اس کے لیے آپ نے جامعہ اردو علی گڑھ کے انداز پر ''جامعہ اردو دینیات دیوبند'' کے نام سے فاصلاتی تعلیم کا ادارہ قائم فرمایا تھا، جس سے ایک زمانہ تک بڑی تعداد میں عصری تعلیم یافتہ حضرات امتحانات دیتے رہے اور اس کا بڑا نفع ہوا، میں خود کئی عصری تعلیم یافتہ حضرات سے واقف ہوں، جو اپنے لٹریچر میں ''فاضل جامعہ دینیات'' لکھا کرتے تھے اور اسے اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے تھے۔ میں اسے ایک رسمی کوشش سمجھتا تھا؛ لیکن اجلاس صد سالہ کی تیاری کے دوران دارالعلوم کی طرف سے آپ حیدرآباد تشریف لائے تھے، یہاں علمائے دیوبند کی تنظیم ''مجلس علمیہ'' نے آپ کے اعزاز میں علماء کی نشست رکھی، جس میں ریاست کے تقریباً تمام ہی علماء جمع تھے، اس وقت اس ادارہ کے ذمہ دار حضرت مولانا شریف حسین ترمذیؒ تھے، اس موقع پر حضرت الاستاذؒ نے ملک کی موجودہ تعلیمی پالیسی اور اس کے اثرات وخطرات کا بہت بصیرت مندانہ تجزیہ فرمایا، جس سے آپ کے عصری حالات کے شعور کا اندازہ ہوا، پھر آپ نے اس کا حل بتایا کہ جیسے دین کے تفصیلی علم کے لیے مدارس اسلامیہ کا نظام قائم ہے اسی طرح ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے، جو ان لوگوں کے لیے حصول تعلیم کا ذریعہ بنے جو باضابطہ مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ پھر اس پس منظر میں ''جامعہ دینیات دیوبند'' کا تذکرہ فرمایا، افسوس کہ ایک عرصہ سے اس ادارہ کی کوششیں موقوف ہیں؛ مگر آج بھی یہ اہم ضرورت ہے، اگر دارالعلوم وقف دیوبند اس کا احیا کرے، تو بہت مفید بات ہوگی۔

دینی مدارس کے سلسلے میں بھی مولانا کی فکر عام روایتی علماء سے کہیں آگے تھی، وہ موجودہ سائنسی اور صنعتی ترقی کے پس منظر میں ایسی دینی درس گاہوں کے قائل تھے، جو عصری اور دینی علوم کی جامع ہوں؛ چناں چہ ۱۸/اکتوبر ۱۹۹۷ء میں منعقد ہونے والی حج کانفرنس میں اپنے صدارتی خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) خطبات خطیب الاسلام، ج ۲، ص ۵۰۸

''پیش آنے والے اس دشوار ترین مرحلے کا کامیاب حل اس کے سوا دوسرا نہیں ہے کہ عصری اور دینی علوم کی جامع نئی درس گاہیں قائم کی جائیں اور قدیم صالح اور جدید نافع کے حامل ایسے علماء تیار کیے جائیں، کہ جو اکیسویں صدی کی متوقع زبردست مادی ترقی سے نئی مسلم نسل کے سامنے آنے والے نئے سوالات، نئے شبہات، نئے اعتراضات، اور نئی تلبیسات کے نہ صرف جوابات ہی دے سکیں؛ بل کہ ان کے مانوس افکار ونظریات کو ملحوظ رکھ کر، ان کی محبوب زبان واصطلاحات کے ذریعہ انہیں مطمئن بھی کرسکیں۔ اور نئے چیلنجوں کا کتاب وسنت کی روشنی میں معقول دلائل کے ساتھ ان کے تاروپور بکھیر سکیں''۔(۱)

مولانا کا یہ تصور علماء کے لیے قابل توجہ ہے، ہندوستان میں تحریک مدارس کے مؤسس حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہیں، انھوں نے دارالعلوم کو دینی علوم کی تدریس کے لیے یکسو رکھا؛ کیوں کہ ان کی نظر میں یہ بات تھی کہ عصری علوم کے بہت سے ادارے قائم ہیں اور حکومت ان کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، دینی تعلیم کے ادارے مٹ رہے ہیں اور مٹائے جارہے ہیں؛ لیکن وہ عصری تعلیم کے مخالف نہیں تھے؛ اسی لیے دارالعلوم کے ابتدائی نصاب میں بھی اس کا لحاظ رکھا گیا، نیز سنسکرت زبان، ریاضی، فلکیات، فلسفہ اور طب کو شامل نصاب کیا گیا، نیز آپ نے سرسید احمد خان مرحوم کو خط لکھتے ہوئے یہ بات لکھی کہ مدرسہ عربیہ دیوبند سے فراغت کے بعد فضلاء اگر علی گڑھ جاکر تعلیم حاصل کریں تو یہ ان کے کمال میں اضافہ کا سبب بنے گی؛ لیکن افسوس کہ حضرت نانوتویؒ کا عرصۂ حیات بہت کم رہا اور اس کے بعد ملک کے انقلابی حالات اور مسلمانوں کے دین وایمان پر منڈلاتے ہوئے خطرات کی وجہ سے اس جانب توجہ نہیں ہوسکی؛ اس لیے اگر حضرت نانوتویؒ کے پڑپوتے نے اہل مدارس کو اس جانب متوجہ کیا ہے، تو مجھ جیسوں کے لئے چنداں قابل تعجب نہیں، کاش! اہل مدارس اس جانب توجہ کریں۔

مولانا اپنے تلامذہ اور مداحوں کے درمیان ایک متکلم اسلام کی حیثیت سے جانے جاتے تھے؛ لیکن اس متکلم کے اندر ایک داعی کی شخصیت بھی چھپی ہوئی تھی، وہ دعوت اسلام کے کاموں کو بے حد اہمیت دیتے تھے اور اس کو امت کا اساسی کام شمار کرتے تھے؛ چناں چہ فرماتے ہیں:

''اسلام کا سیاسی موضوع دعوت ہے، دعوت ہی وہ واحد موضوع ہے، کہ انسان کی ذکر وفکر کی جوہری قوتوں کے فطری مطالبات کی تکمیل، یعنی دعوتی ودینی پر مخاطب کی قوت فکر کے مطالبۂ دلیل و برہان کو پورا کرنا اور قوت ذکر کے مطالبۂ عروج ہی کی مکمل رہنمائی کرنا؛ لیکن ذکر وفکر کے ان مطالبات کی تکمیل کرنے والے مکمل نظام کی تشکیل، انسانی استطاعت سے باہر ہے؛ کیوں کہ شعورِ انسانی دینی دعووں پر اگر عقلی دلائل وثبوت قائم کر بھی لے، تب بھی اللہ کی ذات وصفات اور عالم غیب تک رسائی

(۱) خطبات خطیب الاسلام، ج۲، ص۱۹۹

کے نظام کی تشکیل نبوت کی رہنمائی کے بغیر خالی ہوگی اور اس مرحلے پر آ کر نبوت کی جانب انسان کی احتیاج کسی دلیل کی محتاج نہیں رہی''۔(۱)

مولانا کے نزدیک اسلام کی دعوت ہی دین حق کے تحفظ کا ذریعہ ہے، اور اسی قوت نے اسلام کے بدخواہوں کو شکست دی ہے اور ان کے منصوبوں کو ناکام کیا ہے:

''تاریخ کی انمٹ شہادتوں کے مطابق اسلام ہی وہ واحد زندہ و پائندہ دین ہے کہ ہر دور میں اس کے مٹا دینے کے بدنہاد خواہش مندوں کو صرف اس کی قوت دعوت ہی نے ذلت ناک شکستوں سے دوچار کیا ہے، جس کی اولین بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام دیگر مذاہب عالم کی طرح صحت وسقم اور صدق و کذب کے احتمالات رکھنے والے محض عقلی فلسفوں پر مبنی نہیں؛ بل کہ اس کی اساس، وحیٔ ربانی کے ان فطری اور نفسیاتی اصولی ہدایتوں پر قائم ہے، کہ جو براہِ راست، سلیم الفطرت انسان پر مؤثر ہونے کے لیے کسی بیرونی مؤید قوت کے ضرورت مند نہیں''۔(۲)

مولانا نے علماء کو خاص طور پر دعوت دی ہے کہ وہ تبلیغ اسلام کو اپنی جدوجہد کا مرکز بنائیں اور اسٹیج کو تبلیغ مسلک کے بجائے تبلیغ دین کا ذریعہ بنایا کریں:

''دعوت اسلامی ایک حتمی ضرورت ہے، اس کی تکمیل کے لیے عصر حاضر میں من جملہ فرائض یہ بھی ہے کہ مذاہب فقہیہ کی اور مسالک ومکاتب فکریہ کی تبلیغ کی ممنوعیت کو علمائے کرام ایک مستقل حیثیت دیں اور اس ذوق شرعی کی زیادہ ہمت افزائی فرمائیں کہ علمائے کرام اسٹیج پر صرف تبلیغ دین منزل کو اپنائیں، یہی ملت میں فکری وحدت کی بنیاد پر قبول دعوت اسلامی کا واحد وسیلہ بن سکے گا، اور کار دعوت کو خیر القرون کے بابرکت وموثر طرز وطریق سے باہر نہ ہونے دیا جائے، اسی طرز نبوت نے فطرت اور شعور انسانی پر اپنی پرتاثیری کو کسی حجت وبرہان کا ضرورت مند نہیں رہنے دیا''۔(۳)

مولانا مسلمانوں کے اندر دین کی طرف دعوت دینے کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور تنبیہ بھی کرتے تھے کہ علما کی طرف سے اس تجربہ شدہ بہترین کام کی مخالفت نہیں ہونی چاہیے؛ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اصل میں تبلیغ غیر مسلموں تک دین اور ایمان کی دعوت پہونچانے کا نام ہے؛ چناں چہ اپنے ایک خطاب میں فرماتے ہیں:

''تبلیغ احکام حقیقتاً تبلیغ نہیں ہے۔ اسے مجازاً تبلیغ کہا جاتا ہے۔ حقیقت میں تبلیغ اس کا نام ہے کہ غیر مسلموں کو دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے۔

(۱) خطبات خطیب الاسلام، ج۱ص۱۰۷　　(۲) خطبات خطیب الاسلام، ج۱ص۱۰۵-۱۰۴

(۳) مجموعۂ مقالات سیمینار، ۲۵-۲۷ر فروری ۲۰۰۵ء، جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ

یہ ایک واقعہ ہے کہ تبلیغ اسلام کا میدان اس وقت خالی سا ہو گیا ہے۔ گو کچھ جماعتیں کر بھی رہی ہیں، ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اپنے رنگ میں دوسروں تک اسلام پہونچائے، پڑھے لکھے ہوں یا بے پڑھے لکھے، بہت سے بے پڑھے لوگوں نے اپنے ذوق سے مل ملا کر سینکڑوں لوگوں کو اسلام کی دولت سے نواز دیا۔ جن لوگوں میں تبلیغ کرنے کی صلاحیت ہے، اگر وہ یہ کہہ کر ٹالتے رہیں کہ فلاں جماعت تبلیغ اسلام کا کام کر رہی ہے، یہ غلط ہوگا؛ بل کہ ہر شخص کو کرنا چاہیے اور دھیان دینا چاہیے‘‘۔(۱)

طریقۂ دعوت کے سلسلے میں مولانا کا ذہن بہت وسیع ہے اور وہ کسی ایک طریقہ پر انحصار کو درست نہیں سمجھتے؛ بل کہ ہر دور کے پر تاثیر طریقہ کو اختیار کرنے کی دعوت دیتے ہیں؛ چناں چہ اپنے ایک خطاب میں دعوت سے متعلق اہم نکات کا ذکر کرتے ہوئے پانچویں نکتہ کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:

’’عصر رواں میں انسانیت کی اس عظیم خیر خواہانہ خدمت (اسلام کی دعوت وتبلیغ) کے لیے قدرت کے عطا کردہ انٹرنیشنل وسائل علم وخبر کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سے جامعات ومدارس کے ارباب بست وکشاد کو وسعت حوصلہ کے ساتھ شرعی حدود میں کام لینا وقت کا اہم اور قابل التفات بجا اور برمحل مطالبہ ہے‘‘۔(۲)

کاش! دعوت اسلام کی جو دعوت مولانا نے علماء کو دی ہے، علماء اس پر غور کریں اور جیسے تعلیم وتعلم کو انھوں نے اپنی کوششوں کا مرکز بنایا ہے، اسی طرح برادران وطن میں بھی دعوت اسلام کی جدوجہد کو اپنی بہترین کوششوں کا حصہ بنالیں۔

دعوت دین کا ایک اہم اور موثر ذریعہ میڈیا اور جدید ذرائع ابلاغ ہے، مولانا اس کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور ان کے نزدیک دعوت میڈیا ہی کی ایک تعبیر ہے؛ چناں چہ فرماتے ہیں:

’’قرآن کریم نے میڈیا کے لیے انتہائی وسیع المعنی اور جامع ترین لفظ ’’دعوت‘‘ استعمال کیا ہے، جو اس کی تمام اصول وفروع میں پیوست صادقانہ حیثیت کو واضح کرنے کے لیے ایک ایسا لفظ ہے، کہ جس کا بدل کسی زبان ولغت میں موجود نہیں‘‘۔(۳)

مولانا اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ جدید ذرائع ابلاغ ایک تو مسلمانوں کو حاصل نہیں، اور جو میسر ہے، اسلام کے لیے ان کا کما حقہ استعمال نہیں ہو رہا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اکیسویں صدی میں اسلامک میڈیا مسلمانوں کا بنیادی ایجنڈہ ہونا چاہیے:

’’بصد افسوس اس ناقابل انکار حقیقت کا اظہار بھی ناگزیر ہے کہ یہ ضروری ذرائع ابلاغ دنیا کے سب سے پہلے اور سب سے آخری بین الاقوامی دین فطرت اسلام کو کما حقہ میسر نہیں ہیں اور جس درجہ

(۱) خطبات خطیب الاسلام، ج۲، ص۲۱۵ (۲) ایضاً، ج۱، ص۱۷۱

(۳) ایضاً، ج۱، ص۱۶۱

میں میسر بھی ہیں، تو ان کا استعمال اسلام کے لیے برمحل نہیں ہو رہا ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ مسلم ارباب فکر اکیسویں صدی کے استقبالیہ ایجنڈے میں اسلامک میڈیا کو اسی اہمیت کے ساتھ شامل فرمائیں کہ اسلام جس کا بجا طور پر ہی نہیں؛ بل کہ لازمی طور پر مستحق اور ضرورت مند ہے''۔(۱)

زبان کی حفاظت جس قدر اس حقیر نے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کے یہاں دیکھی، کم ہی دوسری جگہ دیکھنے میں آئی، ان کی نجی مجلس میں کبھی کسی کی غیبت نہیں سنائی دی، اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم میں جو قضیۂ نامرضیہ پیش آیا، اس میں آپ کو اور آپ کے رفقا کو جس تکلیف دہ مراحل سے گزرنا پڑا، وہ کسی حقیقت آگاہ سے مخفی نہیں ہے؛ لیکن ان دنوں میں اور اس کے بعد بھی کبھی آپ کی زبان پر دوسرے فریق کے بارے میں کوئی ناشائستہ بات نہیں آئی، آپ کی وفات کے بعد دارالعلوم دیوبند وقف میں منعقد ہونے والے تعزیتی اجلاس میں حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم نے اپنے خطاب میں خاص طور پر اس خوبی کا ذکر فرمایا کہ انھوں نے زمانۂ اختلاف میں بھی کبھی اختلاف رکھنے والوں کے بارے میں نہ ناشائستہ زبان استعمال کی اور نہ کبھی اس کو اپنی تقریر اور تحریر کا موضوع بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بہت بڑا وصف ہے، وہ ایسے حالات سے گزرے، جن میں صبر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے اور اچھے اچھوں کو اپنے آپ پر قابو نہیں رہ پاتا؛ لیکن آپ اس امتحان میں یقیناً پورے اترے۔

تیسرا وصف اتحاد امت کی کوشش ہے، اس کی دو مثالیں تو بالکل واضح ہیں، ایک یہ کہ دارالعلوم کے اختلاف نے پورے حلقۂ دیوبند میں ایک تقسیم پیدا کر دی تھی، ایک حلقہ مولانا اور ان کے رفقا کے ساتھ تھا اور دوسرا موجودہ انتظامیہ کے ساتھ، مقدمہ چل رہا تھا، بعض رقوم منجمد تھیں، اور کچھ باخبر لوگوں کے بیان کے مطابق مقدمہ میں آپ کا موقف زیادہ مضبوط تھا اور جلد ہی فیصلہ آنے کی امید تھی، نیز دارالعلوم وقف دیوبند بھی اب استحکام کی منزلیں طے کرنے لگا تھا، عین اس وقت آپ نے پیش قدمی کرتے ہوئے حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے واسطے سے موجودہ انتظامیہ کو اتحاد کی دعوت دی اور اللہ تعالیٰ مولانا مدنیؒ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے آگے بڑھ کر اس دعوت کا استقبال کیا، اس وقت دارالعلوم وقف سخت معاشی بحران سے گزر رہا تھا، اساتذہ کی کئی کئی ماہ کی تنخواہیں باقی تھیں، اگر آپ کی طرف سے مطالبہ ہوتا کہ جو رقمیں منجمد ہیں وہ پوری کی پوری، یا ان کا نصف دارالعلوم وقف کو مل جائے اور کتب خانہ بھی آدھا انہیں دے دیا جائے، تو بظاہر نئی انتظامیہ اسے بخوشی قبول کر لیتی اور وقتی طور پر دارالعلوم وقف دیوبند کی معاشی دشواریوں کا کچھ مداوا بھی ہو جاتا، اسی طرح اگر آپ کی طرف سے دارالعلوم کی شوریٰ کی رکنیت کی شرط عائد کی جاتی، تو

(۱) خطبات خطیب الاسلام، ج ۱، ص ۳۵۸

مقدمہ کی الجھنوں کو ختم کرنے کے لیے شاید اسے بھی قبول کرلیا جاتا؛ بل کہ بعض حضرات سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ ایسا چاہتے بھی تھے؛ لیکن مولانا نے اپنی طرف سے کسی قسم کا کوئی مطالبہ نہیں رکھا اور ایک طرفہ طور پر پوری منجمد رقم اور کتب خانہ سے دست بردار ہوگئے اور وہ حسنی کردار پیش کیا جو حضرت نانوتویؒ کے حفید سعید ہونے کی حیثیت سے آپ کے شایان شان تھا، اس موقع پر آپ نے حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کو جو مکتوب لکھا، وہ پڑھنے کے لائق ہے:

''محترم ومکرم جناب مولانا اسعد مدنی صاحب زیدت حسناتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جواباً مکتوب گرامی نے ممنون فرمایا اور مسرور بھی، جماعت کی ایک اہم ترین ضرورت کو محسوس فرماتے ہوئے آپ نے اختلافات ختم کرنے کے بارے میں تائیدی کلمات تحریر فرمائے اور احقر کی قدیم آرزو کی تکمیل کو متوقع بنا کر مسرت کو مضاعف فرمادیا ہے، جماعتی وقار اور مسلکی روایات اکابر کی مجروحیت کا سدباب، اختلافات کو یکسر ختم کردینے میں ہی مضمر ہے، احقر کے خیال میں عمر کے مراحل نہائی میں پہونچ جانے پر ہماری مشترکہ خواہش وکوشش یہی ہونی چاہیے کہ ہم اپنے بعد آنے والی نسل علما کو اختلافات کی یہ نامبارک وراثت دے کر نہ جائیں؛ بل کہ حسب روایت اسلاف کرام کے باہم اتحاد واتفاق، فکری وعملی وحدت اور مخلصانہ مشترکہ جذبات خدمت علم ودین دیگر بہ توفیق الٰہی ایک اہم ترین جماعتی فریضے سے سبکدوش ہوکر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں۔

آپ کی صحت کے لیے دعا گو ہوں اور دعا کا خواستگار ہوں۔ والسلام

محمد سالم

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

سننے میں آیا کہ بعد میں پیدا ہونے والے بعض اختلافات کے پس منظر میں اختلاف دور کرنے کے لیے جماعت دیوبند کی سب سے بزرگ شخصیت ہونے کی حیثیت سے آپ کو دارالعلوم دیوبند کا اہتمام اور جمعیۃ علمائے ہند کی صدارت بھی پیش کی گئی؛ لیکن آپ نے خوش اسلوبی کے ساتھ معذرت کردی، جب بھی دارالعلوم کی تاریخ لکھی جائے گی، اس میں حضرت نانوتویؒ کے جذبۂ ایثار اور عہدوں سے استغنا کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ ان کی تیسری پشت میں پیدا ہونے والی اس شخصیت کا بھی سنہرے حروف میں ذکر کیا جائے گا۔

دوسرا واقعہ ''مسلم مجلس مشاورت'' کا ہے، باہمی اختلاف کی بنیاد پر مجلس مشاورت کے بھی دو ٹکڑے ہوگئے اور ایک ٹکڑا آپ کی زیر صدارت کام کرنے لگا، بظاہر مشاورت میں آپ سے بڑھ کر

صاحب وجاہت اور صاحب علم کوئی اور شخصیت نہیں تھی، یہاں بھی آپ نے اس بکھرے شیرازہ کو جمع کرنے کے لیے آگے بڑھ کر اپنے عہدہ سے سبکدوشی اختیار کی اور سبھوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا، تاکہ ملت کی ایک تنظیم اختلاف وانتشار سے بچ جائے۔

مولانا کا یہ وصف بے حد قابل تقلید ہے، کاش! موجودہ دور میں علما اور ملی قائدین اس کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں!

اس حقیر کا آپ سے زمانۂ طالب علمی میں تو صرف درس گاہ میں تلمذ کا تعلق رہا، نہ زیادہ ملاقات کی نوبت آئی اور نہ آپ کے یہاں زیادہ آمد ورفت کا سلسلہ رہا؛ لیکن فراغت کے بعد اس حقیر کی طرف سے محبت وعقیدت اور آپ کی طرف سے شفقت وعنایت بڑھتی گئی۔ اس حقیر کی دعوت پر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد کی سرپرستی قبول فرمائی، معہد کے قیام پر دعا کے لیے خط لکھا، تو بڑے حوصلہ افزا جواب سے نوازا، جب حضرت مولانا مفتی احمد علی سعیدؒ کی وفات ہوئی اور دارالعلوم وقف میں صدر مفتی کا عہدہ خالی ہوا، تو بالواسطہ آپ کی طرف سے اس عہدہ کی پیش کش ہوئی، یہ اس حقیر پر آپ کے اعتماد اور حسن ظن کی بات ہے، تنظیم ابنائے قدیم نے حضرت نانوتویؒ کی شخصیت پر ایک اہم سیمینار منعقد کیا، اس میں میرا مقالہ ''حضرت نانوتویؒ کی فقہی بصیرت اور اعتدال'' پر تھا، سیمینار کے آخر میں جب ملاقات ہوئی، تو حوصلہ افزائی کے کلمات کہے۔ پھر دارالعلوم وقف میں حکیم الاسلام سیمینار منعقد ہوا، اس موقع پر راقم الحروف نے ''حضرت حکیم الاسلام اور دفاع عن الدین'' کا عنوان اختیار کیا، مقالہ سننے کے بعد فرمایا کہ: آپ نے اصل فکر قاسمی کو سمجھا ہے اور مختلف تحسینی فقرے کہے۔ جب تک صحت رہی اور کوئی غیر معمولی عذر پیش نہیں آیا، اکیڈمی کے سیمیناروں میں شرکت فرماتے رہے اور اس کے لیے طویل سفر کی مشقت بھی گوارا کرتے رہے، ہر سیمینار میں آپ کا خطاب اصولی اہمیت کا حامل ہوتا اور شرکا کے لیے مشعل راہ کا کام کرتا۔ پھلواری شریف پٹنہ میں منعقد ہونے والے سیمینار میں آپ کے دائیں بائیں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ اور حضرت مولانا تقی عثمانی دامت برکاتہم کی نشستیں تھیں، آپ نے فرمایا کہ: میں اس وقت برصغیر کے دوسب سے بڑے فقہا کے درمیان بیٹھا ہوا ہوں اور اکیڈمی کی خدمات کو خوب سراہا۔ پھر جب دارالعلوم وقف دیوبند کی شوریٰ بنی، تو از راہ کرم اس حقیر کو بھی اس میں شامل فرمایا۔ اس حقیر نے جب ''آسان ترجمۂ قرآن مجید'' کا کام مکمل کیا، تو آپ سے اس پر پیش لفظ لکھنے کی درخواست کی، آپ نے باوجود ضعف ومصروفیت کے اس کو قبول فرمایا اور اس حقیر کے لیے اس کی حیثیت سے اونچے کلمات تحریر فرمائے۔ حیدرآباد کے ایک فاضل دیوبند محبی مولانا محمد یامین صاحب نے آپ کے خطبات مرتب فرمائے اور انھوں نے کسی سے پیش لفظ لکھوانے کا مشورہ کیا، تو اس حقیر کے بارے میں مشورہ دیا، کہ اس سے لکھوالو، بحمد اللہ! یہ

مجموعہ میری کم سواد تحریر کے ساتھ شائع ہوا ہے، اور اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

ایسا لگتا تھا، جیسے ہر دن آپ کی شفقت بڑھتی جاتی ہو، جب بھی ملاقات کے لیے حاضر ہوتا، دیر تک گفتگو کرتے، ایسی ہی ایک شام سعادت اس وقت طلوع ہوئی، جب میں حاضر خدمت ہوا، اور آپ نے احسان وسلوک کے راستہ میں اپنی اجازت وخلافت کا پروانہ ایک بند لفافہ میں عطا کیا اور فرمایا: ''اسے بعد میں پڑھ لیجیے گا''۔ یہ ۱۴ر شوال المکرّم ۱۴۳۳ھ/ مطابق ۲ر دسمبر ۲۰۱۲ء کی تاریخ تھی، حضرت الاستاذؒ کے گرامی نامہ کے الفاظ یہ ہیں:

''اخی فی اللہ مولانا خالد سیف اللہ صاحب. زادکم اللہ صلاحاً واصلاحاً ووفقکم اللہ لما فیہ خیر الاولی والآخرۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے علمی اور دینی ذوق وشوق کے ساتھ، احقر کی نگاہ آپ کے عقائد صحیحہ، اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ پر بطور خاص رہی ہے، الحمد للہ! کہ حق تعالی نے آپ کو حسن نیت ساتھ خصوصیات مذکورہ سے نواز کر مصلحیت کی صلاحیت بھی عطا فرمائی ہے؛ اس لیے میں اطمینان قلبی کے تحت بہ طریق اسلاف صالحین- دارین میں صلاح وفلاح کی دعا کے ساتھ- آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ طالبین بیعت کو آپ توبہ کرادیا کریں، اور ان کو عقائد صحیحہ پر مضبوطی سے قائم رہنے اور بدعات سے بچنے کی پوری قوت اور اصرار سے ہدایات دے کر اپنے سلسلے کے اوراد ذیل کی تلقین کردیا کریں، اصطلاحاً اس اجازت کو خلافت سے بھی تعبیر کرتے ہیں..........................

دعاؤں میں یاد رکھیں:

اللھم وفقنا لما تحب وترضی وان تجعل آخرتنا خیرا من الاولی.

وأسأل اللہ تعالی أن یجعلنا ناصری طریقہ المستقیم وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وأصحابہ أجمعین.

(حضرت مولانا) محمد سالم قاسمی (صاحبؒ)

(مہتمم دار العلوم وقف دیوبند)

اگرچہ میری نظر میں یہ بھی آپ کی شفقت، حسن ظن اور حوصلہ افزائی ہی کا مظہر ہے؛ ورنہ ''من دانم کہ من آنم''؛ لیکن میرے لیے یہ بڑی سعادت بختی کی بات تھی؛ کیوں کہ یہ علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ احسان وتصوف کے باب میں بھی نسبت قاسمی کا حصول تھا، جو دو واسطوں سے حضرت تھانویؒ اور حضرت تھانویؒ کے واسطے سے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ تک پہونچتا ہے، جو اس راہ میں حلقۂ دیوبند کے

میر کارواں تھے، اللہ تعالیٰ اس اعتماد کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت الاستاذؒ جہاں علوم ظاہری کے میدان میں ایک کامیاب رہبر تھے، وہیں احسان وسلوک کی راہ میں بھی آپ کا پایہ بلند تھا، آپ ابتداءً والد ماجد کے اشارہ پر حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوے؛ لیکن تربیت خود اپنے والد سے پائی اور والد صاحب سے اجازت یافتہ ہوئے۔ آپ نے اپنے والد صاحب سے متعلق اہل ارادت کی بھی تربیت فرمائی، اور خود آپ سے جو لوگ بیعت ہوے ان کی بھی، آپ نے اس راہ میں جن لوگوں کو اجازت سے سرفراز کیا ہے، ان کی تعداد پچاس ہے۔(۱)

تلاوت قرآن مجید اور ذکر کی کثرت کا بڑا اہتمام تھا، یہ بات میں نے سفر حج کے دوران بھی دیکھی اور بعض اور مواقع پر بھی، خاص کر راہ سلوک کے سب سے بڑے عمل ''لایعنی باتوں سے احتراز'' کا تو قدم قدم پر مشاہدہ ہوتا تھا۔

کچھ عرصہ پہلے میرے لڑکے مولانا عمر عابدین قاسمی سلمہ مدینہ منورہ میں زیر تعلیم تھے، تو انھوں نے مشہور محدث شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ کے صاحب زادے ڈاکٹر محی الدین محمد عوامہ کے سامنے یہ بات رکھی کہ عالم عرب میں علمائے دیوبند کی خدمات کا تعارف کرانا چاہیے؛ کیوں کہ منظّم طور پر ان کے بارے میں بدگمانی پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے؛ چناں چہ ان کے درمیان یہ بات طے پائی کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نام سے ایک ''عالمی ایوارڈ'' کا سلسلہ شروع کرنا چاہیے، پھر ان حضرات نے یہ مشورہ شیخ محمد عوامہ اور راقم الحروف کے سامنے رکھا، مجھے بھی یہ رائے پسند آئی، اور طے پایا کہ: ''جائزۃ الامام النانوتویؒ'' کے نام سے اہم علمی شخصیتوں کو یہ ایوارڈ پیش کیا جائے، جائزہ کمیٹی کا سرپرست شیخ عوامہ کو، صدر اس حقیر کو، جنرل سکریٹری ڈاکٹر محی الدین محمد عوامہ کو اور سکریٹری مولانا عمر عابدین قاسمی کو منتخب کیا گیا۔

پہلا ایوارڈ ترکی کے ایک بڑے مصلح اور معروف شخصیت شیخ خالد آفندی نقشبندی کو استنبول میں پیش کیا گیا، ایوارڈ کے لیے یہ نام شیخ کی طرف سے آیا تھا اور سب نے قبول کیا، دوسرے ایوارڈ کے لیے کئی نام زیر غور تھے، راقم الحروف نے حضرت الاستاذؒ کا نام پیش کیا، ان کے علمی مقام، تعلیمی واصلاحی خدمات اور حضرت نانوتویؒ سے نسبی تعلق کی بنا پر سبھوں نے اس سے اتفاق کیا، دارالعلوم آزاد دل ساؤتھ افریقہ میں تفویض جائزہ کی یہ عظیم الشان تقریب منعقد ہوئی، جس میں تقریباً ۱۰۰ رملکوں کے نمائندہ علما نے شرکت کی، یہ میرے لیے دو وجہ سے مسرت کا باعث تھا، ایک یہ کہ یہ ایوارڈ حضرت الاستاذؒ کے لیے ''حق بہ حق دار رسید'' کا مصداق تھا، دوسرے: ایک درجہ میں مجھے اس کا ذریعہ بننے کی سعادت نصیب ہوئی، اس کے علاوہ آپ کو حکومت مصر کی طرف سے ''برصغیر کے ممتاز عالم کا ایوارڈ'' اور شاہ ولی اللہ اکیڈمی کی طرف سے ''شاہ

(۱) سیرت وشخصیت خطیب الاسلام، ج۱، ص۳۵۲

ولی اللہ ایوارڈ'' بھی ملا تھا؛ لیکن اصل ایوارڈ وہ ہے، جوان شاء اللہ! ان کو ان کے رب کریم کے حضور ملا ہوگا۔

آپ کی صحت وفات سے کچھ عرصہ پہلے تک بھی بہتر تھی، اگرچہ ضعف بڑھ گیا تھا؛ مگر ذہنی استحضار اور فکری قوی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، صرف آخری دنوں میں ذہول کی کیفیت بڑھ گئی تھی؛ لیکن اب بھی چہرہ ایسا روشن اور پر رونق تھا کہ بیماری کا کوئی اثر نظر نہیں آتا تھا، آخر گلشن قاسمی کے اس شجر سایہ دار سے ملت اسلامیہ ۲۶/رجب ۱۴۳۹ھ/ مطابق ۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء کو محروم ہوگئی۔ صاحب زادۂ محترم برادر گرامی قدر حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی زید مجدہم (مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند) نے دارالعلوم دیوبند کے احاطہ میں نماز جنازہ پڑھائی اور شرکا کا ایسا اژدحام ہوا کہ دیوبند اور مضافات کے اضلاع کی تو گویا ساری خلقت ٹوٹ پڑی تھی، اس کے علاوہ ملک کے دوسرے علاقوں سے بھی ممتاز شخصیتیں پہونچ گئی تھیں، اور آپ کا جسد خاکی زبان حال سے کہہ رہا تھا:

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم!

❖ ❖ ❖

خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ
ایک بے مثال شخصیت

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی❖

قال النبی ﷺ: ان العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درهما وانما ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر.

وقال النبی ﷺ فی نبی الله یوسف علیه السلام هو الکریم ابن الکریم ابن الکریم، او کما قال علیه السلام.

اس ارشاد نبویؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کمال کا (خواہ وہ غیر اختیاری ہو) مسلسل کئی پشتوں تک موجود رہنا قابل ذکر تعریف وصف ہے۔

اللہ کے فضل وکرم سے ہم لوگوں نے اس بلیغ وعجیب حکیمانہ مقولہ کا ایک درجہ میں مصداق اپنی آنکھوں سے قاسم العلوم والخیرات الامام محمد قاسم نانوتویؒ کے پڑپوتے (ابن الحفید) خطیب الاسلام جانشین حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی نوراللہ مرقدہ کی شکل میں پایا، موصوف کے علمی وعملی کمالات اوراخلاق کریمہ کی تفصیلات کے لیے ایک مقالہ نہیں، بل کہ ضخیم کتاب درکار ہے، جس کے لیے راقم الحروف اپنے ضعف وناتوانی اورطویل علالت کی وجہ سے کسی طرح اہل نہیں (امید ہے کہ ان شاءاللہ! دوسرے بلند پایہ علما اس خلا کو پر کریں گے)۔

راقم نے جس زمانہ میں مادرعلمی اور گہوارۂ علم وعمل دارالعلوم دیوبند میں قدم رکھا، (۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء) وہ زمانہ ایسا تھا کہ جس میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ اس کی مسند اہتمام کو شرف بخشے ہوے تھے، جس کی وجہ سے چہار دانگ عالم میں دارالعلوم کا ہمہ جہتی کمالات میں شہرہ پھیلا ہوا تھا اوراطراف عالم سے جوق در جوق تشنگان علم اپنی پیاس بجھانے آرہے تھے اوردامن مراد بھر رہے تھے، وہ دور تھا جس میں علم وعمل کے کئی آفتاب ومہتاب اوربھی رونق افروز اورضوفشاں تھے، مثلا: (شیخ الاسلام استاذنا حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخرالدین احمد

❖ شیخ التفسیر واستاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

مرادآبادیؒ، حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ وغیرہم) علوم کے ان آفتاب ومہتاب نے دارالعلوم کی سرزمین کورشک آسمان بنادیا تھا اور گویا ہرسو علم وعمل کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں، ایسے مبارک دور میں مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ بھی مسند تدریس پر رونق افروز تھے، نوعمری ہی سے ان کی خطابت اور تدریس میں مہارت شک وشبہ سے بالاتر سمجھی جاتی تھی۔ تقریر وخطابت میں اپنے والد ماجد اور بے مثال مقرر وخطیب حکیم الاسلامؒ کے جانشین سمجھے جانے لگے تھے، بعد کے زمانہ میں یہ انداز وگماں حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوا۔

موصوف تقریر کے ساتھ شگفتہ تحریر کے بھی ماہر تھے، جس پر ان کی متعدد چھوٹی بڑی مختلف اہم و قیع اور ضروری موضوعات پر تقریباً ایک درجن تصنیفات شاہد ہیں، (جن کا تفصیلی تعارف ان کی تصانیف پر روشنی ڈالنے والے حضرات پیش کریں گے) ان کی بعض تحریریں انوکھے عنوانات اور منفرد موضوعات پر بھی ہیں، جن میں ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا، ممدوح نے کوئی پون صدی مسند علم پر بیٹھ کر علمی موتی لٹائے، اور سینکڑوں نہیں، بلاشبہ ہزاروں افراد ان کی توجہ دہانی سے مردان کار بنے، جن کی تعداد کا شمار بلکہ اندازہ بھی مشکل ہے، وہ سب ان شاء اللہ! ان کے لیے ذخیرۂ آخرت ثابت ہوں گے۔ ایسے شخص کی عنداللہ مرتبہ کی بلندی اور رفعت کا اندازہ لگانا آسان نہیں، جس کی مغفرت اور رفع درجات کے لیے بے شمار ہاتھ اٹھے ہوں بلکہ برابر اٹھتے رہے ہوں۔ احقر نے اپنے قیام دارالعلوم کے زمانہ میں بھی اور بعد میں بھی ان کے علوم اور کمالات سے بہت زیادہ کسب فیض کیا، موصوف نے کم وبیش اپنے والد ماجدؒ کی طرح مختلف علوم وفنون میں بالخصوص فن خطابت میں عالم گیر شہرت پائی، جس کی بنا پر متعدد ملکوں اور عظیم وکثیر علمی اداروں نے جن میں مصر وترکی شامل ہیں- کوعلمی اور وقیع سندات سے نوازا، اور وہ جہاں گئے، سرآنکھوں پر بٹھائے گئے، اور وہ کہاں نہیں گئے؟ دنیا کے تقریباً تمام حصوں میں اپنے علمی افادات کے سرچشمہ سے لوگوں کو سیراب کرتے رہے، اخیر عمر میں ضعف وناتوانی سے سارے اعضا حتی کہ زبان حق ترجمان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے، اس کے باوجود لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت اتنی بھری ہوئی تھی کہ وہ انہیں اپنے جلسوں میں تشریف لانے کو کامیابی کی ضمانت سمجھتے تھے۔

فرحمه الله رحمة واسعة

وادخله فی الدرجة العلی من جنات النعیم.

❖ ❖ ❖

نقوش وتأثرات

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی ❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ صحیح معنوں میں اپنے والد صاحبؒ کے سچے جانشین اور ''اَلْـوَلَـدُ سِـرٌّ لِأَبِیْـهِ'' کے حقیقی مصداق تھے۔ بلاشبہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ہندوستان کی اُن مایہ ناز ہستیوں میں سے تھے، جو اپنی روایات اور خصوصیات کے ساتھ یگانۂ روزگار تھے۔ ایسی ہمہ گیر شخصیت مدتوں کے بعد دنیا کے سامنے آتی ہے، ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کے جانشیں اور تلامذہ ان کے علوم وفیوض کو تقسیم کرنے والے ہوتے ہیں۔ حضرت حکیم الاسلامؒ کے علوم واسرار وحکم، سلامتی ومتانت اور ہر دل عزیزی، خطابت وبیان کے جانشیں ان کے صاحب زادے حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ تھے۔

اس ناچیز کا اُن سے پہلا تعارف آج سے تقریباً ٦٠ رسال پہلے ہمارے استاذ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نوراللہ مرقدہ کے کچّے گھر سہارن پور میں ہوا تھا۔ اس کے بعد مختلف مناسبتوں سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ اسی ملاقات کے تعلق سے ایک واقعہ بروقت ذہن میں آگیا، یہ واقعہ اس زمانے کا ہے، جس وقت اس ناچیز کے بارے میں دارالعلوم ندوۃ العلماء اور فلاح دارین کی مدرسی کے بعد یہ خبر مشہور ہوگئی کہ میں سعودی عرب جارہا ہوں، اسی دوران دارالعلوم، دیوبند میں مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا، جس کے ایک ممبر حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن بھی تھے، جو اس ناچیز سے اچھی طرح واقف تھے، میرے مقالات بار باران کی نگاہ سے گزرے تھے اور بار ہا رسالہ ''برہان'' میں چھپ بھی چکے تھے۔ بہ ہر حال! انھوں نے مجلس شوریٰ میں تدریس حدیث شریف کے لیے میرا نام پیش کیا، اس کی منظوری بھی ہوگئی۔ حضرت قاری صاحبؒ نے حضرت مولانا محمد سالمؒ کو حکم دیا کہ وہ اس سلسلہ میں مجھ سے گفتگو کرلیں۔ چناں چہ حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ لکھنؤ آئے، اُن سے ملاقات بھی ہوئی؛ مگر میرے سفر کا ادارہ حتمی تھا؛ اس لیے رائے میں تبدیلی نہ ہوئی۔ اس کے بعد ناچیز سفر کرکے ممبئی پہونچا، وہاں حضرت حکیم الاسلام

❖ بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ

قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ سے ملاقات ہوگئی، قاری صاحبؒ نے بھی مجھے سمجھایا اور فرمایا کہ: یہاں رہنا آپ کا زیادہ مفید ہے؛ لیکن جب اخیر میں میرے اصرار کو دیکھا، تو فرمایا: ان شاء اللہ! آپ کا سفر دینی اور حدیثی لحاظ سے مفید رہے گا۔

اسی طرح حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ سے گاہے بہ گاہے ملاقاتیں رہیں۔ ایک مرتبہ میرے ابوظبی قیام کے بعد ان کا ایک خصوصی سفر مولانا بدر الحسن قاسمی کے ساتھ ہوا، اور ناچیز نے حضرت مولانا کو یہاں خصوصی سرکاری مہمان بنوایا۔ ان کا یہاں آنے کا مقصد دار العلوم دیوبند کا تعارف اور یہاں کی عظیم شخصیت شیخ احمد بن عبد العزیز المبارک، جو صدرِ مملکت کے مستشارِ دینی اور قضائے شرعی کے چیف جسٹس تھے، ان کو دار العلوم کے صد سالہ اجلاس میں مدعو کرنا تھا؛ چناں چہ ملاقات کے بعد حضرت مولاناؒ نے انھیں دعوت نامہ پیش کیا، اور ناچیز نے ابوظبی کی اہم اہم شخصیات سے ملاقات کرائیں۔

دار العلوم کے صد سالہ اجلاس میں شیخ احمد بن عبد العزیز المبارک تو نہ جا سکے؛ لیکن ان کا پیغام لے کر ناچیز وہاں حاضر ہوا، وہاں پہونچنے کے بعد حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ نے میرے قیام اور مقالہ پڑھنے کا خصوصی انتظام فرمایا۔

ایسے ہی حسب موقع ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں اور میرے ان کے تعلقات میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس ناچیز نے دار العلوم کے اسفار میں ہمیشہ ان سے ملاقات کرنے کی کوشش کی اور ان کا بھی جب دبئی کا سفر ہوتا، تو اپنے رفقا کے ساتھ ناچیز کے یہاں تشریف لاتے اور ہندوستان کے حالات اور دار العلوم وقف دیوبند کی تفصیلات سے واقف کراتے۔ اس کے علاوہ جب اس ناچیز نے ۱۹۸۹ء میں جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ کی بنیاد رکھی، اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد ماشاء اللہ! یہ جامعہ ترقی کی راہ پر برق رفتاری کے ساتھ گامزن ہوا، اس میں عظیم الشان اجلاس اور سیمینار بھی ہوے، تو اس کے جلسوں میں اور خاص طور پر دو بڑے سیمیناروں میں حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ کو خصوصی دعوت دی گئی۔ انھوں نے اکثر پروگراموں میں شرکت فرمائی اور صدارت بھی کی، اور اپنی فاضلانہ تقریروں سے علما اور عوام کو استفادہ کا موقع فراہم کیا۔

اسی طرح آج سے چند سال پہلے انھوں نے اپنے دار العلوم وقف میں حضرت قاری صاحبؒ پر ایک سیمینار منعقد کیا، جس میں اس ناچیز کو بھی دعوت دی اور خصوصیت کے ساتھ ''حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور علم حدیث'' پر لکھنے کی فرمائش کی۔ میں نے پوری دل چسپی کے ساتھ مقالہ تیار کر کے بھیج دیا اور اس عظیم الشان سیمینار میں شرکت کی نیت بھی تھی؛ لیکن کسی وجہ سے اچانک میرا ابوظبی کا سفر ہوگیا، اور یہ ناچیز اس سیمینار میں شریک نہ ہوسکا؛ اس لیے اس ناچیز نے جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ کے ایک مدرس

مولانا سید جاوید احمد ندوی کے ہمراہ مقالہ کو بھیجا، جس کو انھوں نے جلسہ میں پڑھ کر سنایا اور یہ بتایا کہ مقالہ اپنی نوعیت کا منفرد تھا، حاضرین نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ نے بہت پسند کیا۔

ناچیز کی حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے آخری ملاقات اس سفر میں ہوئی جو جناب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوری نور اللہ مرقدہ کے وصال پر تعزیت کے لیے ہوا تھا۔ اس سفر میں دارالعلوم دیوبند بھی حاضری ہوئی، وہاں ان کے صاحب زادے مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی کی دعوت پر ان کے گھر جانا ہوا، جہاں حضرت مولانا سالم صاحب قاسمیؒ سے آخری ملاقات ہوئی، ملاقات پر پرانی یادیں تازہ ہوگئیں۔ اس ملاقات میں یہ بات خاص طور پر تعجب خیز تھی کہ عمر مبارک ۹۳؍سال سے زائد ہے اور ماشاءاللہ! بغیر چشمہ کے مطالعہ فرمارہے ہیں۔

حضرت مولاناؒ کے انتقال کے بعد جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ میں ایصال ثواب کا اہتمام کرایا گیا اور خود بھی ایصال ثواب کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ ناچیز اُن کے صاحب زادے مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی کے لیے دعا گو ہے، کہ اللہ تعالی ان کو اور خاندان کے دیگر افراد کو صبر جمیل عطا فرمائے اور خانوادۂ قاسمی کی روشن روایات کو بلند اور روشن کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور حضرت مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عنایت فرمائے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

❖ ❖ ❖

ایک عالمی، آفاقی شخصیت

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ

مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی ❖

مولانا محمد سالم قاسمی رحمہ اللہ یکے از علمائے کبار ہند واز شخصیات عظیمہ اسلامیہ واز ناموران ہندوستان تھے۔آپ خاندانی حیثیت سے اعلیٰ خانوادے کے چشم وچراغ تھے۔ پورا خاندان ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق تھا، گرچہ اسلام میں حسب ونسب کی بڑی اہمیت نہیں ہے۔ان اللہ لا ینظر الی اجسامکم ولا الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم'' (۱)

عمل کی مول کوڑی بھر نہ ہو بازار محشر میں
جلاہے اور سید سے عمل کی ہو خریداری

لیکن اگر تقویٰ وطہارت، علم وفن، حسن عمل اور اعلیٰ قول وکردار سے آدمی مزین ہو تو نسل ورنگ کو آڑے نہیں آنا چاہیے بلکہ یہ چیزیں دین وایمان اور علم وعمل کے ساتھ انسان کی شخصیت میں چار چاند لگانے کے موجب بنتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا محترم ان چیزوں کی وجہ سے اور بھی پر وقار وعظیم لگتے تھے۔ خاندانی نجابت وشرافت بدرجہ اتم موجود تھی۔ دوسری طرف ذاتی طور پر علم وفضل کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ علمی وتعلیمی اعتبار سے بھی وہ اعلیٰ نسبتوں کے حامل تھے۔ منصب وعہدہ کے اعتبار سے ہندوستان کے چوٹی کے علماء وعہدیداران میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ دینی خدمات کے اعتبار سے بھی آپ ہندوستان کے بڑے دینی اداروں سے منسلک ہونے کی وجہ سے ہر دلعزیز، پر وقار اور لائق احترام بن گئے تھے۔غرض آپ متعدد جہتوں سے اس لائق تھے کہ آپ کا شمار علماء ہند کے چوٹی کے سپوتوں میں ہو۔ درس وتدریس کا مشغلہ اتنا طویل اور افادہ واستفادہ سے پر تھا کہ وہ بذات خود ایک بڑا کارنامہ ہے اور جس طنطنہ اور گہرائی وگیرائی کے ساتھ آپ اس میدان کی شہسواری کرتے تھے وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ ذوق مطالعہ اور حفظ وذاکرہ کے اعتبار سے قوی ہونے کے ساتھ علمی نکات بیان کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔آپ کے دروس کی خصوصیات علماء

❖ امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

(۱) متفق علیہ

آپ کی زندگی میں بیان فرمایا کرتے تھے۔ میرا مشاہدہ ہے کہ وہ تمام اہم اعمال جن کو بالاھتمام و بالالتزام اور بخوشی ورغبت مولانا انجام دیتے تھے، کے علاوہ ملی ودیگر دینی مسائل جو مسلمانوں سے متعلق ہوتے تھے، ان میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے اور ان کاموں کو اپنی بھرپور صلاحیت سے تقویت پہنچاتے تھے۔ آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کی صدارت وسرپرستی کے ایام میں بھی آپ کی صلاحیت ولیاقت سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔ سید شہاب الدین رحمہ اللہ ایک دور اندیش اور پختہ سیاسی سوچ وبوجھ رکھنے والے اعلیٰ درجے کے مدبر ومفکر تھے، دینی حمیت اور ملی غیرت ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، علمی اعتبار سے وہ اپنے میدان کے بہت منجھے ہوئے اور پختہ انسان تھے۔ ذہانت وفطانت میں آپ ضرب المثل بن چکے تھے۔ یہ خوبی و صلاحیت اور ملکہ آپ کے اندر خداداد تھی اور آپ کے بچپنے سے ہی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ابتدائی تعلیم وتربیت کے دور میں بھی سید شہاب الدین صاحب ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کے مصداق تھے۔ IAS کا اعلیٰ ترین امتحان اچھی پوزیشن کے ساتھ پاس کیا اور اس میں اچھا رینک لائے۔ سید صاحب میٹرک کے امتحان میں بھی پورے بہار میں ٹاپر تھے۔ ان کا ہمسر پورے متحدہ بہار میں کوئی نہ تھا، وہ بھی مولانا محمد سالم قاسمی رحمہ اللہ کے قدر دان تھے اور ان کی خوبیاں بتاتے تھے۔ مگر بعض وجوہ سے مشاورت کو لے کر کچھ دوریاں بڑھیں تب بھی سید صاحب آپ کے خلاف زبان نہیں کھولتے تھے اور ادب واحترام سے نام لیتے تھے۔ خود مولانا نے بھی اس پورے ۱۱ر سالہ دور اختلاف ونزاع میں اس سطح پر نہ آئے جواب بسا اوقات خصمان ایک دوسرے کے خلاف صف آرائی کے وقت روا رکھنے لگتے ہیں اور جوتیوں میں دال بٹنے لگتی ہے۔

یہ ہمارے ان دونوں بزرگوں کی اعلیٰ ظرفی اور بڑے پن کی دلیل ہے۔ اسی لیے جب مفتی عطاء الرحمٰن صاحب قاسمی جیسے مخلصین ملت نے ان دونوں بزرگوں کے درمیان تقارب وتوافق کی کوشش کی تو بیچ کی ساری دیواریں یک لخت ڈھ گئیں اور کسی بھی طور پر پتہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ کبھی کوئی ناچاقی بھی ہوئی تھی، گویا:

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

اور یہی شان مومنانہ ہے اور انسانیت کی پہچان ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنین کے دلوں کی دوریاں دور فرمادے اور مسلک ومذہب، ذات پات اور جغرافیہ ورنگ ونسل کو بنیاد بنا کر جو دیواریں بلکہ کانٹے ہم نے بچھا رکھے ہیں اس کو ہٹا کر اور توڑ کر ملت ودین میں گم ہو جانے کی توفیق ارزانی فرمادے۔

اللہ تعالیٰ نیک بندوں کو توفیق دیدیں کہ اس طرح کی دوریوں کو دور فرمانے کے لیے آگے آئیں اور صفائے قلب ودل کے ساتھ خالص اللہ کی رضاء اور اپنی آخرت کو سنوارنے کے لیے سب ”علی قلب

رجل واحد'' ہوجائیں، حقیقت میں بھائی بھائی بن جائیں اور دنیا جہاں کی سمسائیں اور کدورتیں دور ہوجائیں۔ آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کا ایک رکن اور سرپرست ہونے کے ناطے مجھے ان تمام مراحل کا بخوبی ادراک ہے۔ خصوصا حضرت مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی سے جو تعلق خاطر رہا ہے اور انہوں نے جس اعتماد کے ساتھ ان دونوں فریقوں کو ملانے کا اور مشاورت میں جس طرح کا کام کیا تھا اس کے نشیب و فراز سے میں واقف اور کسی نہ کسی مرحلے میں شریک و سہیم رہنے کی سعادت سے بہرور رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ تمام ملی، دینی، ملکی، معاشرتی و شرعی مسائل میں بھی ہمارے تمام احباب و اخوان اور قائدین و اعیان کے دلوں کو جوڑ کر **علی سرر متقابلین** اور **و لا لغو و لا تاثیما، وقیلا سلاما سلاما** والی کیفیت سے دنیا میں شاد کام فرمادے تاکہ آخرت میں جس کے لیے یہ خوشخبری سنائی گئی ہے آسان ہوجائے، ورنہ اگر دنیا ویسی گذرتی رہی جیسا کہ مختلف عوارض و وجوہات سے جو ہم نے خود پیدا کئے ہیں دین کے نام، ایمان کے نام پر شریعت اور اخلاص کے نام پر وہ اگر اسی قدر ہوس کا شکار رہا اور دین کا نام لینے کے باوجود اصحاب الاھواء کی روش پر گامزن رہے تو یہ تمام وجوہات و دلائل وبال جان بن جائیں گے اور کچھ کیا دھرا کام نہ آئے گا بلکہ ''**یوم لا ینفع مال و لا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم**''.

بات سے بات نکلتی گئی اور طویل ہوتی گئی گرچہ موضوع و مکان کے موافق میں تھی مگر میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمہ اللہ جیسی عظیم شخصیت پر جتنا بھی لکھوں آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ اس لیے میں چند جملوں کے ذریعہ ہی مولانا سے اپنی محبت و تعلق کا مختصرا اظہار کرنا چاہتا تھا نیز برادر محترم جناب مولانا محمد سفیان قاسمی **حفظہ اللہ و وفقہ لما یحبہ و یرضاہ و جعلہ سرا لابیہ و جدہ** کے حکم کی تعمیل کے علاوہ ان کی دلجوئی اور تطییب خاطر بھی ملحوظ خاطر تھا اور ''خاطر خود را تسلی می دہم'' بھی پیش نظر ہے۔

❖ ❖ ❖

آخری استاذ کو وداعی سلام

مولانا عبدالعلی فاروقی ❖

۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء کو یہ المناک خبر آئی کہ استاذ الاساتذہ، خطیب العصر حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند نے داعیٔ اجل کو لبیک کہتے ہوئے عالم فانی سے عالم آخرت کی طرف رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. خبر اگرچہ غیر متوقع نہ تھی اور کبر سنی کے ضعف و نقاہت کے باعث تشویشناک حالت اور روز افزوں ڈھیلی پڑتی حیات مستعار کی ڈور کی اطلاعات کئی دنوں سے مل رہی تھیں، لیکن حیات مستعار کی ڈور ٹوٹ جانے کی اطلاع نے ساری دنیا خصوصاً ایشیا میں پھیلے ہوئے حضرت والا کے ہزار ہا شاگردوں، مستفیدوں اور عقیدت مندوں کو اس لیے بہت زیادہ مغموم کر دیا کہ:

وما کان قیس هلکه هلك واحد
ولکنه بنیان قوم تهدما

حق تعالیٰ حضرت الاستاذؒ کے ساتھ اپنے شایان کرم معاملہ فرماتے ہوئے اعلیٰ علیین میں مقام مرحمت فرمائے (آمین) وما ذالك علی الله بعزیز.

ایک پامال سا لفظ ہر بڑی اور اہم شخصیت کے ہماری اس فانی دنیا سے رخصت ہونے پر ''خلا'' لکھا اور بولا جاتا ہے کہ فلاں کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پُر ہونا مشکل ہے؟ لیکن اپنی ذاتی نسبت اور محدود معلومات کے حوالہ سے حضرت الاستاذ کی جدائی کو ''خلا'' سے تعبیر کرتے ہوئے راقم الحروف بہ حلف کہہ سکتا ہے کہ اس کے لیے یہ لفظ رسمی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔ کیوں کہ گھریلو و مکتبی تعلیم سے لے کر دارالعلوم دیوبند اور پھر عصری درس گاہوں تک اس کے گہربار اساتذہ کے ''سلسلۃ الذھب'' کی آخری کڑی بھی ٹوٹ گئی اور ''نسبت اعتبار'' سے محروم ہو کر اب وہ اس دنیا کی بچی کھچی زندگی کو کٹی ہوئی پتنگ کی طرح بسر کرنے پر مجبور ہو گیا، یعنی ؎

اک شخص کہہ رہا تھا سردار چیخ کر
شہر مراد لٹ گیا انسان مرگیا

یہ تو کوئی قابل التفات بات نہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی (۷۰-۱۹۶۷ء) میں

❖ مدیر اعلیٰ ماہنامہ ''البدر'' و ناظم دارالعلوم فاروقیہ کاکوری، لکھنؤ

حضرت والا کی ذات ان کے اس ادنیٰ شاگرد کے لیے اس طرح ''آئیڈیل'' بنی رہی کہ ان جیسا علمی وقار، پابندی اوقات، انداز تدریس اور طرز خطاب ہی نہیں، ان جیسی وضع قطع اور لباس و رفتار پالینے اور حاصل کر لینے کی خواہشیں وتمنائیں مچلتی رہیں اور اس دوران چھپ چھپا کر بار ہا ان کی نقل کرنے کی سعی لا حاصل بھی جاری رہی، اسے ''نا قابل التفات'' اس لیے قرار دیا کہ میری طرح بلکہ مجھ سے بڑھ کر نہ جانے کتنے حضرت والا کے شاگرد و منتسبین ہوں گے جن کے دلوں میں یہ تمنائیں انگڑائیاں لیتی رہی ہوگی؟ لائق التفات وقابل فخر بات یہ ہے کہ اس راقم وکمترین شاگرد کو بھی نہ صرف اپنے استاذ گرامی کی خصوصی توجہات بلکہ ایک ''اعتماد خاص'' اس دور کم سنی و طالب علمی سے لے کر اس دور پیری و رخصت تک حاصل رہا۔ **وذالك فضل الله يؤتيه من يشاء.**

میرے دور طالب علمی کا غیر منقسم دارالعلوم دیوبند آج سے بہت مختلف تھا، اور یہ وہ دور تھا جب میرے ممدوح حضرت الاستاذ مولانا محمد سالم قاسمیؒ کے بھی بہ ہر اعتبار بڑے اور ان کے اساتذہ بھی دارالعلوم میں موجود تھے اور وہ اپنے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور اپنے اساتذہ حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ و دیگر کے ہوتے یقیناً چھوٹے تھے، لیکن اس کے باوجود اپنی کچھ پر کشش ''خصوصیات'' کی وجہ سے وہ اپنے بڑوں کے درمیان بھی ایک امتیازی مقام رکھتے تھے۔ مثلاً وہ مہتمم زادے اور طلبہ کے خیال کے مطابق ''مستقبل کے مہتمم'' ہونے کے باوجود اپنے زیر تدریس اسباق میں حاضری اور نصاب کی تکمیل، اپنے حلم وتدبر، اپنی خوش خلقی وخوش لباسی اور سب سے بڑھ کر اوقات کی قدر و پابندی میں نمایاں مقام کے حامل تھے اوقات کی پابندی کا تو یہ عالم تھا کہ تعلیمی گھنٹہ شروع ہونے کے بعد اگر ۵؍منٹ تک وہ درس گاہ نہ آتے تو ہم طلبہ کو یقین ہو جاتا کہ آج مولانا نہیں آئیں گے اور ''سبق نہ ہونے کا جشن'' منانے کے لیے طلبہ اپنی کتابیں اٹھائے ہوئے واپس چلے جاتے تھے؟ اس روایت کی پابندی سے متعلق ایک دلچسپ واقعہ یاد آ رہا ہے کہ ایسے ہی ایک موقع پر چند منٹ کے انتظار کے بعد ہم طلبہ ''آج چھٹی ہے'' کا نعرہ زیر لب لگاتے ہوئے درس گاہ (دارالتفسیر) سے باہر نکل کر زینوں سے اتر ہی رہے تھے کہ دور سے حضرت والا کو آتا دیکھ کر جلدی جلدی پھر درس گاہ میں واپس آ گئے، لیکن کافی دیر تک انتظار کے بعد بھی جب وہ درس گاہ میں نہیں آئے تو مایوس ہو کر ہم طلبہ پھر جو واپس لوٹے تو دیکھا کہ حضرت والا ایک دفتر میں بیٹھے ہوئے اگلے تعلیمی گھنٹہ کا انتظار کر رہے ہیں، انہوں نے اگلے تعلیمی گھنٹہ کا بیٹھ کر انتظار کر لینا گوارہ کیا، مگر اپنے اعتبار و امتیاز کو مجروح کر کے تاخیر کے ساتھ سبق پڑھانے کے لیے درس گاہ آنا گوارہ نہیں کیا، کیا اوقات کا یہ ضبط واہتمام ہم جیسے غافلوں ولا پرواہ لوگوں کے لیے تازیانۂ عبرت نہیں ہے؟

یوں تو حضرت مولانا کا شمار دارالعلوم کے مقبول اساتذہ میں ہوتا تھا اور تمام علوم میں دسترس

ہونے کی وجہ سے وہ اپنے سے متعلق تمام اسباق کا حق اس طرح ادا کرتے تھے کہ ہر استعداد و صلاحیت کا طالب علم مطمئن ہوجاتا تھا لیکن علم الکلام ان کا خاص اور موروثی موضوع تھا جس میں ان کے جوہر کھلتے تھے۔ چناں چہ شرح عقائد نسفی پڑھاتے ہوئے کلامی مسائل پر ان کی نکتہ آفرینیاں قابل رشک ہوتی تھیں اور فن خطابت میں خصوصی مہارت کی وجہ سے وہ علم الکلام کے پیچیدہ مسائل کو بھی ایسے دل نشین اور سہل انداز میں پیش کر دیتے تھے کہ کمزور سے کمزور استعداد والا طالب علم بھی کچھ نہ کچھ لے کر ہی اٹھتا تھا۔

وہ ایک کامیاب و باوقار معلّم، صاحب طرز انشاء پرداز و مصنف، اور مقبول و معتبر خطیب ہونے کے ساتھ ہی بہت ہی لائق و دور رس منتظم بھی تھے۔ ان کی انتظامی صلاحیتوں کے مظہر دو ادارے تھے، ان میں سے ایک دارالعلوم کی طرف سے ان کی سربراہی میں قائم کیا گیا شعبہ ''معارف القرآن'' اور دوسرا خود ان کا اپنا قائم کردہ ذاتی ادارہ ''جامعہ دینیات اردو دیوبند'' تھا۔ اول الذکر کا خصوصی ہدف علوم قرآنیہ پر تحقیق تھا جس میں خود حضرت مولانا پوری دل جمعی کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، اس شعبہ کی طرف سے متعدد تحقیقی کتابیں شائع ہوئیں، ان میں سے ایک ''جائزہ تراجم قرآنی'' نامی حضرت مولانا کی تحقیقی و قیمتی کتاب بھی تھی جو حضرت والا نے اپنے ناکارہ شاگرد کو بہ طور خاص مرحمت فرمائی تھی۔ جب کہ دوسرا بڑا ادارہ ''جامعہ اردو علی گڑھ'' کے طرز پر ''جامعہ دینیات اردو دیوبند'' نامی مراسلاتی نصاب و امتحانات کا ادارہ تھا جسے حضرت مولانا ہی نے قائم کیا اور اس کا دفتر بھی ان کے رہائشی مکان ''طیب منزل'' کی بالائی منزل پر تھا۔ جامعہ اردو ہی کی طرح اس ادارہ کی طرف سے سالانہ چار امتحانات ابتدائی دینیات اردو، عالم دینیات اردو، ماہر دینیات اردو، اور فاضل دینیات اردو کے نام سے مقررہ سینٹروں پر منعقد ہوتے تھے اور کامیاب ہونے والے طلبہ کو خوبصورت اسناد دی جاتی تھیں۔

جامعہ دینیات اردو اور اس کا پورا نظم و انتظام، حضرت مولانا کی علمی فتوحات، دور بینی و دور اندیشی، ترسیل علم کی سہل الحصول راہوں کی تلاش، فکر رسا، اور مہم جوئی کی ایسی مثال ہے جس کا دور دور تک تصور نہیں کیا جا سکتا ہے۔ چوں کہ حضرت والا کی عطا فرمودہ جرأتوں کے طفیل میں اپنی کم سنی کے باوجود ان سے ملاقات کرنے بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ ان کا دیدار کرنے اور ان کی مشغولیات کا مشاہدہ کرنے کے لیے اکثر بلکہ بسا اوقات ہفتہ میں کئی بار بعد نماز مغرب ''جامعہ دینیات اردو'' کے دفتر جاتا تھا، اس لیے کسی قدر قریبی مشاہد کی حیثیت سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ اتنے بڑے اور پورے ملک میں پھیلے ہوئے نظام کا محور حضرت مولانا ہی کی ذات تھی جس میں ان کے قریبی مشیر و معاون کی حیثیت سے مولانا عبدالرؤف عالی، مولانا محمد حسن باندویؒ، اور مولانا عبداللہ جاوید شامل تھے............اور بس! (یہ میرے دور کم سنی کے غیر تجربہ کارانہ مشاہدہ کی بات ہے، ممکن ہے کہ کچھ اور لوگ بھی شامل ہوں جس کا مجھے علم نہ ہو)۔

جامعہ کے ان امتحانات اوران کی اسناد کی کشش نے اردو اور دینی علوم دونوں کو ان حلقوں تک پہنچانے کا کارنامہ انجام دیا جہاں تک کسی دوسرے واسطہ سے رسائی نہیں ہوسکتی تھی۔

غالبًا اب دارالعلوم کا شعبہ ''معارف القرآن'' اور حضرت مولانا کا ''جامعہ دینیات اردو'' اپنی فعالیت کو کھو چکے ہیں اور یہ اسی لیے کہ کبرسنی ودیگر عوارض کی وجہ سے یہ دونوں ادارے حضرت والا کی بیدار و مؤثر سرپرستی سے محروم ہو چکے تھے؟ **والعلم الحقیقی عند الله.**

میرے دور طالب علمی کے دوسرے تعلیمی سال (۶۹-۱۹۶۸ء میں دارالعلوم میں طلبہ کی حشر انگیز اوراس وقت تک کی تاریخ کی سب سے جارحانہ وبدلحاظی کی حامل اسٹرائک ہوئی اور ظاہر ہے کہ یہ اسٹرائک انتظامیہ ہی کے خلاف تھی جس کے اس وقت سربراہ اعلیٰ اور مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ تھے جن کے فرزند اکبر حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ ان کے مشیر خاص اور دارالعلوم کے باوقار استاذ تھے۔ اسٹرائک کے لیڈروں نے پوری طرح دارالعلوم کی عمارات پر قبضہ کرکے یہ ''حکم'' جاری کردیا تھا کہ مطبخ وصفائی کے عملہ کے سوا انتظامیہ واساتذہ کے عملہ میں سے نہ کسی کو دارالعلوم کے اندر آنے کی اجازت ہوگی، نہ ہی کسی طالب علم کو اساتذہ کے گھر جاکر ملنے وملاقات کرنے کی اجازت ہوگی۔ پولیس (اور جلاد) کی شکل کا طلبہ کا ایک دستہ بنادیا گیا تھا جو عام طلبہ کی ہر نقل وحرکت پر نظر رکھتا تھا اور ادنیٰ سا شک ہوجانے پر زدوکوب اور قیدوبند کی صعوبتوں سے دوچار کرتا۔ عام طالب علم نہ دارالعلوم کی چہاردیواری کے باہر نکل کر کسی سے دادفریاد کرسکتا تھا نہ ہی ''اسڑائیکی لیڈروں'' کے کسی حکم سے سرتابی کرسکتا تھا؟ صبح سے دیر رات تک وقفہ وقفہ سے جلسے ہوتے رہتے جس میں اشتعال انگیز تقریروں ونظموں کے ذریعہ اپنے مطالبات پیش کرتے ہوئے طلبہ کی ذہن سازی کی جاتی، اس دوران ''پولیس دستہ والے'' طلبہ کے کمروں میں گھوم گھوم کر جاتے اور جلسہ میں شریک ہونے کا حکم جاری کرتے رہتے، اسی سلسلہ کا ایک ''انتظام'' یہ بھی تھا کہ اسٹیج پر آکر تقریر کرنے اور اسٹرائک کی حمایت وتائید میں نظماً ونثراً بیان دینے کے لیے ہر ضلع کے طلبہ کی نمائندگی لازمی قرار دی گئی۔ اگر کسی ضلع کی نمائندگی نہ ہوتی یا کم ہوتی تو ''پولیس دستہ'' کے لوگ اپنے انداز میں نمائندگی درج کراتے؟

خلاصہ یہ کہ ایک عجیب خوف وہراس کا عالم تھا، اوراس ''جارحانہ اسٹرائک'' میں دل سے آمادہ نہ ہونے والے طلبہ بھی اختلاف کی جرأت نہیں کرسکتے تھے ورنہ انہیں ''عتاب'' سے کون بچاتا؟۔

اس وقت لکھنؤ ضلع سے صرف میں اوراسی تعلیمی سال میں مظاہر علوم سہارن پور سے آکر دارالعلوم میں داخلہ لینے والے میرے عم زاد مولانا عبدالعلیم فاروقی، یعنی ہم دو بھائی ہی تھے، جو حضرت مہتمم صاحب و دیگر اساتذہ دارالعلوم سے اپنے دیرینہ خاندانی رشتوں کی وجہ سے کسی طرح اس اسٹرائک کا حصہ نہیں بننا چاہتے تھے۔ تاہم کب تک؟ آخر ایک دن یہ پتہ چلا کہ آج رات میں کسی وقت ہمارے کمرہ پر ''چھاپہ''

پڑے گا؟ چوں کہ ہمارا اس وقت کے ''دار الشفاء'' کا کمرہ احاطہ دار العلوم سے کچھ ہٹ کر تھا، اور پھر ہمارے اغل بغل شیخ الحدیث حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ کی قیام گاہ اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی اہلیہ صاحبہ کا مکان بھی تھا۔ اس لیے ہم لوگ نسبتاً ''کھلے'' میں تھے اور اسی کا فائدہ اٹھا کر ہم دونوں بھائی ہمت کر کے چھپتے چھپاتے قریب ہی میں واقع حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ کی قیام گاہ میں بعد نماز مغرب پہنچ گئے۔ حضرت مولانا نے ہمیں اس طرح ہواس باختہ دیکھ کر بڑی شفقت کے ساتھ دریافت فرمایا کہ کیسے آ گئے؟ اور کیوں آئے؟ ہم نے اپنی داستان سناتے ہوئے منھ بسورتے اور آنسو بہاتے کہا کہ حضرت اسٹرائکی لیڈروں کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ آج وہ دھاوا بولیں گے، اب ہم کیا کریں؟ اور ان کے عتاب سے کیسے بچیں؟ ہماری ''داستان درد'' سن کر حضرت نے جو فرمایا وہ ان کی عالی ظرفی، خرد نوازی، نسبتوں کے لحاظ، اور ایثار و اعتماد کی سنہری تاریخ کا ایک نا قابل فراموش واقعہ ہے کہ حضرت نے خود اپنے، اپنے والد ماجد اور چہیتوں کے خلاف بولنے کی نہ صرف اجازت بلکہ ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہمیں آپ کی سعادت مندی اور تعلق پر اعتماد ہے۔ آپ ہم لوگوں کی طرف سے فکر مند نہ ہوں۔ ہمیں اندازہ ہے کہ آپ لوگ کس جبر کا شکار ہیں، اس لیے ان کے مطالبہ کو پورا کر کے ان کے عتاب سے اپنے کو بچا لیجیے اور ضروری ہو تو ''ہمارے خلاف'' ان کے اسٹیج سے تقریر بھی کر دیجئے گا، اس سلسلہ میں حضرت مہتمم صاحب و دیگر منتظمین سے ہم بات کر لیں گے؟۔

حضرت والا کے اس حیرت انگیز، لیکن اطمینان بخش جواب کو لے کر بہ عجلت تمام ہم لوگ اپنے کمرہ میں واپس آ گئے، اور پھر وہی ہوا جس کی پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی کہ نصف شب کے بعد اسٹرائکیوں کے سب سے محبوب قائد اور اس وقت کے سب سے جارح و بد کلام لیڈر اپنے حواریوں کے ساتھ ہمارے کمرہ میں آ دھمکے، اور کسی ''رو رعایت کے بغیر'' صبح کے جلسہ میں اسٹرائک کی حمایت میں پر زور تقریر کے لیے ہم دونوں بھائیوں میں سے مولانا عبد العلیم صاحب کا نام منتخب کر کے لکھ لیا، اور پھر دوسرے دن ان کی تقریر کرا کر ہی دم لیا؟

اب اسی سلسلہ میں حضرت مولانا کی کرم فرمائی اور ''اعتماد خاص'' کا ایک نمونہ اس طرح بھی سامنے آیا کہ جب جارح و اسٹرائکی طلبہ کی شورہ پشتیاں اپنی انتہا کو پہنچ گئیں تو مجبوراً دار العلوم کی انتظامیہ نے پولیس کی مدد طلب کی، اور دار العلوم میں تا اطلاع ثانی تعطیل کا اعلان کرتے ہوئے دار الاقامہ (ہاسٹل) کو طلبہ سے خالی کرا کے انہیں اپنے اپنے گھروں کو روانہ کر دیا، پھر جب کم و بیش ایک ماہ کی طویل مدت کے بعد انتظامیہ کی طرف سے دی گئی اطلاع پر ہم دونوں بھائی بھی دوبارہ دار العلوم پہنچے تو حالات پوری طرح قابو میں آ چکے تھے۔ ۳۵ر اسٹرائک کے سرغنہ قرار پانے والے طلبہ کا اخراج ہو چکا تھا اور ایک فہرست ''مشتبہین'' کی بھی جاری ہو چکی تھی۔ ہم لوگ مطمئن تھے کہ ہمارا نام ان دونوں میں سے کسی فہرست میں

نہیں تھا، اور ہم یک سوئی کے ساتھ اپنی تعلیم میں مشغول ہو گئے تھے کہ اچانک ایک ''افتاد'' اس طرح آئی کہ ہمیں اطلاع ملی کہ ہمارے خصوصی کرم فرما اور خیر خواہ و دعا گو بزرگ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور ہم دونوں بھائیوں سے ''دار العلوم کی اسٹرائک میں سرگرم حصہ لینے کی وجہ سے'' سخت ناراض ہیں اور اپنے خدام کو تاکید کردی ہے کہ اگر ہم ملاقات کے لیے حاضری دیں تو منع کر دیا جائے، یہ اطلاع ہم دونوں ہی کے لیے سخت تشویش واضطراب کا باعث بنی، خصوصاً اس وجہ سے کہ حضرت ناظم صاحب کو ہماری اسٹرائک میں سرگرم شمولیت کی جو اطلاع ملی تھی وہ یقیناً ''دوستوں کی حاشیہ آرائی'' تھی، لیکن مسئلہ یہ تھا کہ حضرت کو صحیح صورت حال سے آگاہ کر کے ان کی ناراضگی دور کرنے کا سامان کیوں کر کیا جائے؟ بہت غور وفکر کے بعد ایک مرتبہ پھر حضرت الاستاذ مولانا محمد سالم صاحبؒ ہی کی خرد نوازی و کرم فرمائیوں پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے چارہ گری کی درخواست کی، حضرت والا نے ایک مرتبہ پھر اپنی نوازشوں کی بارش کرتے ہوئے ہمارے درد کا فوری مداوا کرنے کا فیصلہ فرمایا اور ہم دونوں کو بیٹھنے اور انتظار کرنے کا حکم دے کر ''طیب منزل'' ہی کے ایک کمرہ میں چلے گئے۔ کم وبیش نصف گھنٹہ کے بعد حضرت والا اپنے ہاتھ میں ایک کاغذ تھامے ہوئے اس حال میں واپس آئے کہ آپ پسینے پسینے ہو چکے تھے۔ پھر حضرت ناظم صاحب کے نام لکھے گئے اس سفارشی خط کو لفافہ میں رکھوا کر ہمارے حوالہ کرتے ہوئے بڑے اعتماد کے ساتھ فرمایا کہ یہ خط لے کر حضرت کے پاس جائیے، انشاء اللہ کام ہو جائے گا، چناں چہ یہی ہوا کہ جب ہم لوگوں نے سہارن پور پہنچ کر حضرت ناظم صاحب کی خدمت میں وہ سفارشی خط پیش کیا تو اس کا مطالعہ کرتے ہی ان کی ساری شکایات دور ہو گئیں، انہوں نے نہ صرف ہمیں معاف کر کے اپنے قدموں میں جگہ مرحمت فرمائی بلکہ اپنی شفقت آمیز نصیحتوں، اور رقت آمیز دعاؤں سے نوازنے کا سلسلہ جاری فرما دیا، کاش کہ حضرت الاستاذ کا وہ سفارش نامہ یا اس کی نقل ہمارے پاس محفوظ ہوتی! تا کہ ہم اس ''دستاویز اعتماد'' کے سہارے سرخروئیاں حاصل کر سکتے! حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف ایک سفارشی خط ہی نہیں تھا بلکہ ایک عالم و دانا اور آداب شناس خرد کا اپنے صاحب نسبت و صاحب علم وعمل بزرگ کے نام لکھا ہوا ایک ایسا مؤثر و طاقتور رقعہ تھا جس نے فوری اثر سے اپنا کام تو کیا ہی۔ مزید یہ کہ حسن تحریر، حسن ادا، اور عرض مدعا کے باسلیقہ نکات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ہم بے سلیقہ لوگوں کے واسطے اس کی حیثیت ''دستاویزی'' بھی تھی۔ یوں تو وہ ایک وقتی ''سفارش نامہ'' تھا اور اپنا کام بن جانے کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی، لیکن اس خط میں ہم پر اپنے اعتماد کا اظہار کر کے حضرت والا نے خاندانی نسبتوں اور ذاتی سعادت مندیوں کا حوالہ دیتے ہوئے یہاں تک تحریر فرمایا تھا کہ ''میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ دار العلوم کے اس ہنگامے اور اکابر کے خلاف برپا کئے جانے والے اس تشدد سے ان بچوں کا نہ

کسی قسم کا کوئی تعلق رہا نہ ہی یہ اس پر راضی رہے۔ اور جبراً وکرہاً انہیں اپنے تحفظ کے لیے جتنا شریک ہونا پڑا اس میں بھی ان بچوں سے زیادہ آپ کے اس ناکارہ خادم کا دخل تھا اور اسی کے ایماء پر ان بچوں نے شورہ پشتوں کی تائید میں وہ تقریر کی جسے مبالغہ آمیز انداز میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس لیے آپ کی تکلیف کا باعث ان بچوں سے زیادہ آپ کا یہ خادم بنا ہے جو بصد ادب اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے معافی کا طلب گار ہے اور حضرت سے یہ درخواست کرتا ہے کہ ان سعید وصالح بچوں کو اپنی شفقتوں ودعاؤں سے محروم نہ کریں'' (کم وبیش مفہوم یہی تھا، ممکن ہے کہ الفاظ میں کچھ تغیر وتبدل ہو گیا ہو)۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ تحریر خود صاحب تحریر کی کس عالی ظرفی، وسعت قلبی، اور نسبتوں کے لحاظ وآداب شناسی کی غماز ہے؟ اسی لئے تو با حسرت وافسوس کہنا پڑ رہا ہے کہ اے کاش کہ وہ تحریر محفوظ ہوتی!

دارالعلوم کا دور طالب علمی ختم ہونے کے بعد حضرت والا سے ملاقات تو بس گاہے بہ گاہے ہی ہو پاتی تھی، لیکن میں انتہائی مسرت وفخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت والا کی خصوصی توجہات واعتماد سے کبھی محروم نہ رہا۔ چناں چہ ایک موقع ایسا بھی آیا کہ حضرت کے اس ''اعتماد خاص'' نے ان کے اس ناکارہ شاگرد کو ''امتحانی مرحلہ'' سے بھی گذار کر سرخ رو ہونے کی سعادت بخشی، ہوا یوں کہ جب حضرت مولانا ''آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت'' کے صدر منتخب ہوئے تو ایک دن حضرت کا فون آیا۔ چوں کہ میں اس وقت گھر میں نہیں تھا اور فون لینڈ لائن والا تھا اس لیے حضرت والا نے بہ تاکید اپنا نام بتا کر حکم دیا کہ وہ گھر آنے کے بعد فوراً ہم سے فون پر رابطہ کرلیں؟ چناں چہ گھر واپس آنے کے بعد اطلاع ملتے ہی میں نے فون پر رابطہ کیا تو حضرت والا نے اپنے مشاورت کا صدر منتخب کئے جانے کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا کہ احباب کے اصرار پر میں نے یہ عہدہ اس شرط پر قبول کرلیا ہے کہ میں اپنے اعتماد وبھروسے کے ارکان بھی خود ہی منتخب کروں گا۔ چناں چہ اسی سلسلہ میں آپ کے تعاون کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے میں نے آپ کو ''مجلس مشاورت'' کا رکن بنانے کا فیصلہ لیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ آپ کے اپنے سوچے سمجھے لائحہ عمل کے خلاف اور آپ پر جبر ہے، لیکن میری ضرورت کا خیال کرتے ہوئے آپ اسے منظور کر لیجیے۔ آپ کی منظوری کے بعد اس کی باضابطہ ورسمی اطلاع آپ کو دے دی جائے گی۔

حضرت والا کا یہ حکم پا کر میں کچھ دیر اس لیے خاموش رہا کہ میں نے کچھ تو اپنی نااہلی پر نظر رکھ کر اور کچھ اپنے مزاج وطبیعت کے پیش نظر دیگر ملحوظات کی رعایت سے کسی بھی جماعت یا تنظیم میں اس کا ایک جز یا رکن بن کر شامل نہ ہونے کا فیصلہ کر رکھا تھا اور ایسے متعدد مواقع آنے اور اصرار ہونے پر بھی میں نے اپنے اس فیصلے پر قائم رہتے ہوئے رکنیت اور قابل لحاظ عہدوں کو بھی نظر انداز کیا تھا، لیکن حضرت والا کے دوبارہ استفسار پر میں نے بس اتنا ہی کہا کہ ''جیسا حکم ہو'' حضرت والا نے بھی جزاك الله کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع

کردیا، پھر کیا ہوا؟ اور کیا وجوہات پیش آئیں کہ نہ میرے پاس پھر کوئی ''باضابطہ ورسمی خط'' آیا، نہ کبھی حضرت والا نے تقاضا کیا، نہ ہی اس کا ذکر چھیڑنا میں نے مناسب سمجھا؟

اس واقعہ کو ذکر کرنے سے یہ بیان مقصود ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب ملک کے اندر ہی بلا مبالغہ ہزار ہا ہزار کی تعداد میں حضرت والا کے مستفیدین و منتسبین موجود رہے ہوں گے، مگر میری خوش بختی کہ حضرت کے دل تک میری اتنی رسائی تھی کہ انہوں نے میرا انتخاب کرتے ہوئے مجھ پر اپنے اعتماد کا اظہار فرمایا۔

آخر میں اپنی خودستائی نہیں، بلکہ حضرت الاستاذ کی خردنوازی، وسیع القلبی، اور اپنے ایک ناقابل ذکر شاگرد پر اعتماد اور اس کی حوصلہ افزائی کی مثال کے طور پر حضرت کے اس تعزیتی مکتوب کا ایک اقتباس پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو میرے والد ماجدؒ کی وفات پر حضرت والا نے بہ طور خاص بھیجا تھا۔

> ''عمومی طور پر ملت نواز خدام دین، اہم شخصیات کے اٹھ جانے پر ارباب تعلق ومحبت کی نگاہیں، ان کے خانوادوں میں ان کا بدل نہ پاکر بددل ہوا کرتی ہیں۔ مگر الحمدللہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مقبولیت عنداللہ کی منجملہ علامات میں خود آں عزیز کی مؤقر شخصیت ہے جسے حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے آباء واجداد گرامی کی علمی واخلاقی روایات کا مکمل نمونہ بنا کر اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا مرحوم کو عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ عمر واقبال کی برکات کے ساتھ اس فیضان عائلہ گرامی کو آپ کے ذریعہ عموم وشمول عطا فرمائے۔ (آمین)''(۱)

حضرت الاستاذ کے امتیازی اوصاف حمیدہ کا ذکر مکمل نہ ہوگا اگر دارالعلوم کے اجلاس صد سالہ کے بعد پیدا ہونے والے کرب ناک حالات اور پھر دارالعلوم کے دولخت ہونے کے حوالہ سے حضرت والا کی علو ہمت، استقلال، اور پامردی کے ساتھ مخالف حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے ''وقف دارالعلوم'' کی شکل میں شر سے ایک خیر برآمد کر لینے کا سرسری طور پر ہی سہی، ذکر نہ کیا جائے؟ اس حوالہ سے انتہائی اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس پورے ''شاخسانہ'' کا محور ومرکز حضرت والا ہی کی ذات تھی، اس لیے ان پر جو کچھ گذرنا تھا وہ گذر کر رہا، لیکن کمال ظرف وہمت کی بات یہ ہے کہ انہوں نے ان پرآشوب اور حوصلہ شکن حالات میں اپنے اہل تعلق سے نہ کسی حمایت کا مطالبہ کیا، نہ ہی ان پر کسی قسم کا غیر ضروری دباؤ بنا کر انہیں کسی ''آزمائش'' سے دوچار کیا؟

اس پوری ''ہنگامی مدت'' میں خود راقم الحروف کا یہ فیصلہ بہ تائید حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ رہا کہ اس نے اپنی زبان اور اپنے قلم کو کسی کی حمایت اور کسی دوسرے کی مخالفت سے محفوظ رکھتے ہوئے ''اپنی اوقات'' پہچان کر اپنے اکابر کے خلاف زبان طعن دراز کرنے کے بجائے خاموش رہ کر دعائے خیر کرتے رہنے ہی میں عافیت سمجھی، اگرچہ راقم الحروف کی ادارت میں شائع ہونے والا رسالہ ''البدر'' بھی دوڈھائی

(۱) مطبوعہ ماہنامہ ''البدر'' کاکوری، لکھنؤ'' مولانا عبدالحلیم فاروقی نمبر'' شمارہ جولائی تا ستمبر ۱۹۹۴ء

برس پہلے ہی سے جاری ہو چکا تھا، اور اس کے ''حلقہ، نیز اپنے اکابر و اصاغر اور ہم سروں'' کی طرف سے بار بار شدید تقاضے بھی ہوئے کہ ع

کچھ تو لب کھول کہ ہنگامہ اٹھے دیر ہوئی

بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ ''بعض بڑوں'' و ہم سروں نے کچھ زیادہ ہی بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ''منافق اور نمک حرام'' کہنے سے بھی گریز نہیں کیا، مگر راقم الحروف نے اپنی زبان خاموشی سے انہیں بھی بس یہی جواب دیا کہ ؎

تیر پر تیر چلاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے
سینہ کس کا ہے مری جان، جگر کس کا ہے

بہ ہر حال ''طوفان بلا سر سے گذر جانے کے بعد'' میرے لیے باعث صد فرحت و افتخار یہ بات ثابت ہوئی کہ میں اپنی اس ''غیر منفعت بخش'' روش کے طفیل اپنے تمام اکابر سے آنکھیں چار کرنے کے لائق رہا، اور ظاہر ہے کہ ان میں سب سے اہم و مقدم ہمارے استاذ گرامی قدرؒ ہی تھے، جن کی جدائی پر آج میں تو قلم کے آنسو بہا رہا ہوں لیکن ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ وہ اپنی بولتی آنکھوں اور مسکراتے لبوں سے ہم غافلوں کو یہ پیغام دے رہے ہوں کہ ؎

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

بات ذرا لمبی ہوگئی اور شاید موضوع سے کچھ ہٹ کر بھی، کیوں کہ بولنے اور لکھنے والے تو حضرت الاستاذ کے علمی کمالات، تدریسی خدمات، ساحرانہ خطابات، یا پھر تصنیف و تالیف اور ارشاد و معرفت کے حوالوں سے ان کے اس دنیائے فانی سے رخصت ہونے پر اپنے رنج و الم کا اظہار کر رہے ہیں اور غالباً اسی کا موقع بھی ہے؟ لیکن بہت سے بولنے اور لکھنے والوں کو ابھی بہت سے مواقع میسر ہیں، اور وہ آئندہ بھی بولتے اور لکھتے رہیں گے، جب کہ اپنے آخری استاذ کی اس دنیا سے رخصتی اور استاذ کے دیدار سے محرومی کے بعد مجھ جیسے تنہا شخص کے پاس اس کے سوا کہنے اور لکھنے کے لیے کچھ نہیں کہ ؎

پاس کوئی نہیں اور ہے بھی تو تنہائی ہے
آجا آجا کہ اکیلا ترا سودائی ہے
ہو کا عالم، سر بالیں، شب تنہائی ہے
ہائے کس وقت ''تمہیں'' لینے کو موت آئی ہے

سلام قولاً من رب رحیم طبتم فادخلوھا خالدین —— یآ ایتھا النفس المطمئنة ارجعی إلی ربك راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی.

❖ ❖ ❖

علم وعمل کا مجمع البحرین

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ

مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی ❖

مجھے یہ پیغام موصول ہوا کہ شیخنا المحترم استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر ایک عظیم الشان سیمینار کا انعقاد کیا جا رہا ہے جس میں ہندو بیرون ہند کی سرکردہ شخصیات شرکت فرما رہی ہیں۔ مجھے بھی اس سعادت میں حصہ لینے کی دعوت دی گئی، سچ یہ ہے کہ آپ کے علمی وعملی کارنامے اور گوناگوں فضائل ومحاسن اس کے مستدعی ہیں کہ آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر سیمینار منعقد کئے جائیں، اور کتابیں اور مقالات کے مجموعے شائع کئے جائیں، اور اہل قلم اس تذکرہ علمی میں شرکت کو اپنے لئے خوش نصیبی سمجھیں۔

بمقتضائے سعادت مندی میں نے اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے جلد ہی اس کی طرف توجہ کی، اور تقریباً آدھا مضمون قلمبند کیا تھا کہ (بروز سنیچر ۲۸/رجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء آپ کی وفات حسرت آیات کی دلدوز خبر ملی، إنا للّٰه وإنا إليه راجعون، رحمه اللّٰه رحمة واسعة وأسكنه فسيح جنانه، حادثہ کے اثر کی شدت مین کمی آنے کے بعد مضمون پر نظر ثانی کی، اور بادل ناخواستہ اس کے صیغہ ہائے حال کو ماضی میں بدلنے کے کرب سے دوچار ہونا پڑا۔

مضى ابن سعيد حين لم يبق مشرق
ولا مغرب إلا له فيه مادح

برصغیر میں شیخ احمد سرہندی، شاہ عبد الحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ دہلوی، علمائے فرنگی محل اور سادات رائے بریلی کے خانوادوں کے پہلو بہ پہلو امام الهند، حجۃ اللہ علی خلقہ، زبدۃ الأنام، مربی اسلام، سرخیل ابدال مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان بھی وہ مبارک خاندان ہے جس میں دانشمندی ”أبًا عن جد“ اور ”خلفاً عن سلف“ منتقل ہوتی رہی، ایک گہوارہ علم وہنر جس سے طلوع ہوئے کتنے شمس وقمر، جس میں ہویدا ہوئے کتنے فخر روزگار اور موتی آبدار، ایک ایسا گلستان جس کے اندر آب سلسال

❖ آکسفورڈ، انگلینڈ

ونہر زلال رواں، جس کے درختان سرو کی ہر شاخ سے بلند ہوئی سجع موزوں پرندگاں، اور جس مین رونما ہوئیں با کمال ہستیاں، مجسمہ ہائے محاسن ومکارم، پیکران فضائل واخلاق عالیہ:

هيـــون ليـنـون أيسـار ذوو كـرم
سُـوّاف مـكـــرمة أبـنـــاء أيســـار

وہ جس کا رہوار فکر اپنے ہمعصروں کے لئے گریز پا تھا اسی بانیِ دار العلوم دیو بند کے خاندانِ سعداء ومنبتِ نابغہ ہائے دہر وار بابِ براعت کے وارث برحق تھے شیخنا المحتر م ماہر علوم قرآن ومرجع سنت مصطفیٰ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ، صاحب نام نیکو، شہنشہ ادراک، مسند نشین علم وفضل، فخر اہل عمائم، شمع انجمن عرفان، پیر روشن ضمیر، دانشور بزرگ، صاحب ہمت بلند ودل ہوشمند، متصف بہ صلاح وتقوی وسعی قرب ایزد، اور درمکنون یک دانہ۔

پیدائش ۲۲/جمادی الآخر ۱۳۴۴ھ کو دیو بند میں ہوئی، تحصیل علم اس گلشن سے کی جس کی ہر شاخ منت بردار ہے آپ کے جد امجد کی کشتکاری وآبیاری کی، جس کی ہر کلی میں خوشبو رچی بسی ہے اسی مشک ختن کی، جس کی ہر سانس میں مستی ہے اسی نسیم سحری کی، اور جس کا ہر پرندہ خوشہ چیں ہے اسی اصل کرم اور شجر طوبی سدا بہار کا، ۱۳۶۷ھ میں دار العلوم سے فراغت ہوئی، آپ کو شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ، مولانا فخر الدینؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، اور مولانا اعزاز علی امروہیؒ وغیرہ پیشواں بزم تدریس، وصدر نشیناں مجالس حدیث وفقہ رحمہم اللہ تعالی سے شرف تلمذ واجازت عامہ حاصل تھی، مسلسلات کی روایت آپ نے اپنے والد محترم سے کی، جنہوں نے مسلسلات کی سند عالی محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے اخذ کی تھی۔

مدتوں دار العلوم میں ایک کامیاب مدرس کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں، آغاز جوانی ہی میں حل عبارات، علوم فہمی اور اظہار وبیان اور تقریر دروس میں امتیاز پیدا کیا اور ہم عصروں پر سبقت لے گئے، خطابت میں اپنے والد ماجد، خطیب معجز بیاں ودر افشاں، حق بیں وحق گوئی، صاحب سحر حلالِ مشکل حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین سمجھے جانے لگے، شکر لہجہ، وخوش خوان وخوش الحان، وساحرانہ لب گفتار، اہم تصانیف میں جائزہ تراجم قرآن، تاجدار ارض حرم کا پیغام، مردان غازی، اور مجموعہ خطبات وغیرہ ہیں، آپ کو متعدد قومی وبین الاقوامی انعامات سے نوازا گیا، مختلف عظیم اداروں اور تنظیموں کی شوری کے ممبر تھے، اندرون ملک وبیرون ملک کے اسفار کی کثرت کی وجہ سے آپ ''اک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں'' کے مصداق بن گئے۔

آپ سے بار بار لکھنؤ، انگلینڈ، ترکی، بمبئی، اور دیو بند میں ملاقات کی سعادت میسر آئی، چند سال پہلے بمبئی کی ایک موقر تقریب میں آپ کے دست مبارک سے مجھے ایک ایوارڈ دیا گیا اور اس وقت

کچھ دیر کے لئے آپ سے نیاز رہا، ایک بار دیوبند میں آپ کے مکان میں حاضری دی، آپ نے فراخدلی سے میرا استقبال کیا، میری حیثیت سے زیادہ میرا اکرام کیا، اور اپنی بعض تصنیفات ہدیہ کیں۔

آپ نے مجھے کئی دفعہ مسلسلات کے ساتھ حدیث اور دیگر علوم کی اجازت عامہ بھی دی، جب بھی ملاقات ہوئی خندہ پیشانی سے ملے، بے پناہ خوشی ومسرت کا اظہار کیا اور بزرگانہ شفقتوں سے نوازا، جس کی وجہ سے آپ کی محبت وعقیدت کا نقش دل پر گہرا ہوتا گیا، میرے نام آپ کا ایک خط بھی ہے مؤرخہ ۲۱/ جمادی الآخرۃ ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۴/ اکتوبر ۱۹۹۷ء۔

عزیز مکرم ومحترم مولانا محمد اکرم صاحب زادکم اللہ علماو کرامۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامہ مودت برائے طلب اجازت حدیث نے مسرور کرنے کے ساتھ دعا گو بنایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے علم وذوق صلاح میں برکات ارزانی فرمائے، اور آپ کی ذات کو افادہ علمی کے لیے مرجع خلائق بنائے، مجھے کتب حدیث کی مع مسلسلات جن بزرگوں سے اجازت حاصل ہے، اپنے طلبہ دار العلوم کی طلب واصرار پر احقر نے ان کو بصورت سند مرتب کر دیا تھا جسے چھپوا دیا گیا ہے۔ آپ نے اگر چہ مکتوب میں اس کی وضاحت نہیں کی کہ آپ نے دورہ حدیث کہاں اور کن بزرگوں سے پڑھا ہے، غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ آپ نے دار العلوم ندوۃ العلماء ہی میں تکمیل دروس کی ہیں، اس لئے جملہ کتب حدیث کی مع مسلسلات اجازت کے ساتھ اپنی سند روانہ کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔

(سند پریس میں ہے، خیال تھا کہ آ جائے گی تو میں آپ کو اس خط کے ساتھ بھیج دوں گا، لیکن ابھی نہیں آئی، اور میرا سفر بیرونی آج سے ہو رہا ہے، اس لئے ان شاء اللہ سفر سے واپس آ کر ارسال کروں گا۔

وقتاً فوقتاً بذریعہ خطوط یا فون یا فیکس یاد فرمائی موجب ممنونیت ومسرت ہوگی، فون وفیکس نمبر تحریر ہے۔ والسلام

میرے نزدیک آپ کی چار اہم خصوصیات ہیں جنہیں یہاں مختصراً بیان کرتا ہوں:

(۱) عام علماء کی طرح آپ نے دار العلوم سے سند فضیلت لینے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ آپ نے علم میں گہرائی پیدا کی، اور علمائے سلف کی کتب سے استفادہ اور مقام تحقیق پر فائز اساتذہ کی ہم نشینی کو اپنا معمول بنایا، علم سے اس ربط وتعلق کی ایک وجہ یہ ہے کہ آپ کی نشونما سرائے مدرسہ، آغوش مینا خانہ علم، ومزرعہ بحث وتحقیق، وماحول طاق ورواق میں ہوئی تھی، اسی علمی گہرائی کا اثر تھا کہ آپ کی ہر مجلس وگفتگو میں فیضان اندوزوں کو نئے نئے نکاتِ فکر افروز ودرِ حکمت ودانائی ملتے، اور نمونہ ہائے نادرہ کاری ورنگہائی تماشا کی

تازگی ختم نہ ہوتی، اور ہمہ وقت عروس جمیل معانی ولباس حریر مطالب کا مشاہدہ ہوتا۔

(۲) آپ کی ایک اہم خوبی تھی کشادہ دلی و بے تعصبی، اور جزئیات وفروعی مسائل میں توسع، اس وصف کمیاب بلکہ نایاب میں آپ ایک شریف اور تہذیب یافتہ صاحب وعلم وفکر کی طرح سلف صالح کے اسوہ پر قائم تھے، آپ نے ایک بار آکسفورڈ میں دین اور مسلک کے درمیان فرق کی تشریح کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا کہ: ''عام طور سے لوگ مسلک کو دین کا درجہ دے دیتے ہیں اور دین ومسلک میں کوئی فرق نہیں کرتے''، کتنی پر مغز ہے آپ کی یہ بات، اور کتنے مطالعات وتجربات کا نچوڑ ہے یہ جملۂ مختصر، اور کتنا روشن اور دشمنِ تاریکی وظلمت ہے یہ کلام زریں! شاید دین ومسلک مین عدم تمییز عوام نہیں بلکہ خواص کے درمیان فرقہ بندی، فرقہ پرستی، اور تنگ نظری وتعصب کی بنیادی وجہ ہے، ہائے خواہش پرستی وتبعیت اہواء نے عقلوں پر کتنے دبیز پردے ڈال دیئے ہیں، اور دلوں کو حقیقت سے کس قدر غافل کردیا ہے، دنیا کی کافر ومشرک قوموں میں قربت ویگانگت بڑھ رہی ہے، اور دربار الٰہی سے اخوت کی سند محکم پانے والی اور ادب وتحمل کی روایت کی امین قوم درس نفرت عام کررہی ہے، جس طرح موسیقی سُر کے ٹکڑے ٹکڑے کردینے کا نام نہیں بلکہ سروں کو ہم آہنگ کردینے کا نام ہے، اسی طرح دین جزئیات، فروع وآراء کے نام پر امت کو منقسم کرنے کا نہیں بلکہ امت کے سارے افراد وجماعات کو ہم آہنگی کے ساتھ ایک وحدت میں پرونے کا نام ہے۔

(۳) عزم وحوصلہ بھی آپ کا وصف نمایاں ہے، یہ عزم وحوصلہ کی کرم باری ہے کہ نا مساعد حالات میں خالی از اسباب ومال ومتاع ہاتھوں سے بے شمار عظیم کام انجام پاگئے، اس کی اہم مثال یہ ہے کہ آپ نے کس بے سروسامانی کے عالم میں پوری سرگرمی وجانفشانی سے دارالعلوم وقف کی بنیاد رکھی، اور تھوڑے سے عرصہ میں اسے علم کا ایک اہم مرکز بنادیا:

فإن تهدموا بالغدر داری فإنها
تراث كريم لايبالی العوا قبا
أخی غمرات لا يريد على الذی
يهم به من مفظع الأمر صاحبا
إذا هم لم تردع عزيمة همه
ولم يأت ما يأتی من الأمر هائبا

ایک طرف دارالعلوم ہے جسے آپ کے جدامجد نے قائم کیا، اور آپ کے والد ماجد نے اسے ترقی کے بام اوج پر پہنچایا، اور دوسری طرف دارالعلوم وقف جس کی آپ نے تعمیر کی، اور آپ کی اولاد نے اسے

اعتبار عطا کرنے اور ایک معیاری ادارہ بنانے میں آپ کا ساتھ دیا، آپ کا خاندان ملتقی الکرام ہے اور دیوبند کے دونوں دار ہائے علوم کا منتہی النسب ۔

(۴) اسی طرح عمل صالح اور خلق حسن کے جملہ خوبیوں سے آپ متصف تھے، پیکر تواضع، صاحب چشم بینا و دل دانا، منبع فضل، سر لطف و کرم، خلوص و وضع داری اور آئین خرد نوازی میں اپنی مثال آپ تھے، اور رہن سہن میں اصول سلیقہ و ترتیب کے قائل تھے، ہر چیز میں سلیقہ و شائستگی کا خیال رکھتے، اور شاگردوں اور چھوٹوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے، اور دوسروں کی دلآزاری سے پرہیز کرتے، غرض: آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں ۔

ایسے عہد میں جبکہ جہالت و نادانی کو علم کا اور غفلت و فضولی کو تصوف کا نام دیا جا رہا ہے آپ جیسے متمکن علماء اور صالح عمل و پاکیزہ کردار نسبت باطنی کے حامل بزرگوں کا رخصت ہونا ملت کے الم ہائے مستزاد کا حصہ ہے جن کے مداوا کی امید امانی و احلام کے دائرہ میں داخل ہے، ویرانہ دل کے کھودنے والے فرہاد اور علم و عمل کے گنجہائے گراں مایہ کو تقسیم کرنے والے پہلے ہی سے خال خال تھے، اور اب یکے بعد دیگرے ان کی جدائی میں حدیث "**إن الله لا يقبض العلم انتزاعًا ينتزعه من العباد، ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى إذا لم يبقِ عالمًا اتّخذ الناس رؤوسًا جهالاً، فسئلوا فأفتوا بغير علم؛ فضلوا وأضلوا**" کی تفسیر صاف نظر آ رہی ہے۔

❖ ❖ ❖

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی: الی رحمۃ اللہ

مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ❖

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۷/رجب المرجب ۱۴۳۹ھ ۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ دیا، کہنے والے بالکل درست کہہ رہے ہیں کہ یہ ایک شخص کی وفات نہیں، ایک پورے عہد اور اس کے مزاج و مذاق کا اور اس کی دل آویز خصوصیات کا خاتمہ ہے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ اس خاندان کے چشم و چراغ تھے جس کو فیاض ازل نے بلند ہمتی، اولو العزمی، رسوخ علمی، خلوص وللّٰہیت اور صداقت وشجاعت جیسے اوصاف بڑی فیاضی سے عطا کئے تھے، اور جس کے احسانات کے نقوش نہ صرف برصغیر بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں بلکہ ملکی وانسانی برادری کے روئیں روئیں پر ثبت ہیں۔ ضلع سہارن پور کے قصبہ نانوتہ کے اس مشہور صدیقی خاندان میں ایسی عظیم شخصیتیں پیدا ہوئیں، جن کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا یعقوب نانوتوی، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی، اور خود ہمارے ممدوح کے والد گرامی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہم اللہ۔

اس ناچیز راقم سطور کو ۱۹۷۱ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء سے عالمیت کا نصاب مکمل کرنے کے بعد حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہٗ نے کچھ مخصوص اسباق میں سامع کی حیثیت سے شرکت اور زندگی کے کچھ ایام اس عظیم علمی وروحانی مرکز میں گذارنے کی غرض سے دار العلوم دیوبند بھیج دیا تھا۔ جن میں ہدایہ آخرین، شرح عقائد اور بیضاوی کے اسباق میں زیادہ حاضری ہوتی تھی، شرح عقائد کی دو جماعتیں تھیں، میں حضرت مولانا سالم صاحبؒ کے درس میں شرکت کرتا تھا، اس طرح مجھے ان سے براہ راست تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔ مہینے میں ایک دو بار حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ کی مجلس میں عصر بعد حاضری ہوتی رہتی تھی اور ان کی دل آویز شخصیت کے قدموں میں بیٹھ کر دل بھی بہت لگتا تھا اور نفع بھی بہت محسوس ہوتا تھا، ایک کم سن اور کمزور طالب علم ان کے علمی مقام کا اندازہ تو کیا لگا پاتا، یہ خیال ضرور ہوتا تھا کہ عمیق مضامین کو نہایت آسان اسلوب میں پیش کرنے اور علمائے سلف کے مسلک کو عام فہم عقلی دلائل سے ثابت کرنے کا عجیب وغریب ملکہ اللہ نے ان کو عطا فرمایا ہے۔ یہی بات ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد

❖ مدیر ماہنامہ ''الفرقان''، لکھنؤ

سالم صاحبؒ اور ان کے حقیقی بھائی مولانا محمد اسلم صاحبؒ کے طرز تفہیم میں بھی ملتی تھی۔ یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ان کے جد امجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی میراث ہے۔

اِس وقت حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ کے متعلق کوئی تفصیلی مضمون لکھنا مقصود نہیں ہے، یہ فریضہ وہ حضرات بہتر طریقے پر انجام دیں گے جنہوں نے ان سے زیادہ استفادہ کیا ہے اور جو زیادہ قریب سے ان کے کمالات واوصاف سے واقف ہیں۔ تاہم میں صرف ایک بات کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

ہمارا علمی حلقہ واقف ہے کہ ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے، ہمارے والد ماجد نے مجلس شوریٰ کے رکن کی حیثیت سے کچھ مسائل میں جو موقف اختیار کیا وہ بہ ظاہر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور ان کے رفقاء کے موقف کے خلاف تھا، اُن دنوں یہ ناچیز مدینہ منورہ میں زیر تعلیم تھا، تعطیلات کے دنوں میں گھر آنا ہوا تو میں نے بھی حضرت والد ماجد کے سامنے کچھ اظہار خیال کرنے کی حماقت کر دی، جس پر پوری بات سننے سے پہلے ہی حضرت والد صاحب نے مجھے سخت تنبیہ کی اور فرمایا کہ یہ معاملہ ہمارے درمیان کا ہے، سب حضرات تم سے بڑے ہیں، خبردار! کبھی اپنے کسی بڑے کے خلاف بولنا تو دور کی بات ہے سوچنا بھی نہیں! اور خاص کر حضرت قاری صاحبؒ یعنی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ تو اِس دور کے اکابرین میں سے ہیں اور مولانا سالم صاحبؒ تمہارے استاذ ہیں۔ تمہیں اِن معاملات میں دخل اندازی بالکل نہیں کرنی چاہیے۔ تم اپنے دل کو سب کے احترام سے معمور رکھو۔

اللہ والوں کی زبان سے نکلنے والی نصیحتیں کس طرح دل پر اثر انداز ہوتی ہیں اور بگڑی ہوئی عادتوں کو کس طرح پل بھر میں بدل ڈالتی ہیں، آپ کو بھی اس کا تجربہ ہوا ہوگا، اور مجھے بھی زندگی میں کئی بار اس کا تجربہ ہوا ہے۔ ان ہی میں سے ایک یہ واقعہ ہے، اللہ میرے عظیم والد کو اعلیٰ درجات مرحمت فرمائے، ان کی یہ نصیحت سنتے ہی اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا اور حضرت قاری صاحبؒ، مولانا محمد سالم صاحبؒ اور اس پورے خانوادے کے لیے دل عظمت واحترام کے جذبات سے آباد ہو گیا، اور تمام وسوسوں سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا مل گیا۔ اور آگے چل کر میرا معمول بن گیا کہ جب کبھی کسی اجلاس میں حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے ملاقات ہوتی تو ان کی پیشانی کا بوسہ لینے اور جوتیاں سیدھی کرنے کی کوشش کرتا، ان سے دعاؤں کی گذارش کرتا، اور ایک بار تو میں نے ہمت کر کے جب مذکورہ بالا واقعہ سنا کر ان سے معافی بھی مانگی تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ اور بہت دعائیں دیں۔

میں جب بھی ان سے ملتا تھا، نہایت شفقت ومحبت سے ملتے تھے اور جب سے ان کے پوتے اور مولانا محمد سفیان صاحب کے صاحب زادے عزیزم مولوی شکیب سلمہ اللہ نے دارالعلوم وقف میں اپنی

خدمات کا سلسلہ شروع کیا ہے تب تو ان کا اصرار رہتا ہے کہ میں جب بھی دیوبند آؤں تو ان ہی کا مہمان بنوں۔ چناں چہ کئی بار حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ ہی کے دولت کدے پر قیام کی سعادت ملی، کبھی محترم مولانا محمود مدنی کا مہمان بن جاتا ہوں، ان کے صاحب زادے عزیزم مولوی حسین احمد بھی بے حد اپنائیت کے ساتھ مہمان نوازی کرتے ہیں۔

خیر! یہ سب وہ لوگ ہیں جو اعلیٰ خاندانی اوصاف سے آراستہ ہیں۔ اللہ ان سب کو اپنے بزرگوں کی راہ پر ثابت قدم رکھے۔

کئی سال کی بات ہے، حیدرآباد میں ختم نبوت کے موضوع پر ایک بڑا اجلاس ہو رہا تھا، حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی صاحب اور مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ دونوں حضرات وہاں شریک تھے، میں بھی حاضر تھا، میں نے اپنے خطاب میں خاص طور پر اس بات کا تذکرہ کیا کہ اِس اجلاس میں اُن دونوں خاندانوں کے وارثین موجود ہیں جن کے عظیم احسانات سے ہم مسلمانانِ برصغیر کے کندھے بوجھل ہیں۔ اجلاس کے بعد مولانا محمد اسلم صاحبؒ سے جب ملاقات ہوئی تو ایسی محبت بھری گفتگو ہوئی کہ وہ ملاقات ایک یادگار ملاقات بن گئی۔ اس ملاقات اور گفتگو کی مٹھاس آج تک محسوس ہوتی ہے۔ اللہ ان کو غریقِ رحمت کرے۔

ہاں! ایک بات ذکر سے رہ گئی، چند سال پہلے چند علماء کا ایک وفد ترکی کے دس روزہ دورے پر گیا تھا، اس میں حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ بھی تھے، اس موقع پر شب وروز کی رفاقت رہی اور ان کے کریمانہ اخلاق کا قریب سے مشاہدہ کرنے کا خوب موقع ملا۔

بہرحال! اب وہ اپنی منزل کو جا پہنچے، امید ہے کہ وہ اپنے صالح اکابر واسلاف سے جا ملے ہوں گے، اور دل و جان سے دعا ہے کہ ان کے جانشین محترم مولانا محمد سفیان صاحب، اور عزیز مکرم مولوی محمد شکیب اور تمام برادران و اہل خانہ عافیت کے ساتھ رہیں اور دین وملت کی مخلصانہ خدمت کی خاندانی وراثت میں سے بھرپور حصہ پائیں اور ان کا لگایا ہوا چمن دارالعلوم وقف، اور ان کے جد امجد کا لگایا ہوا باغ دارالعلوم باہم محبت ومودت اور تعاون علی البر والتقوی کے جذبے سے صدیوں ملک وملت کی رہبری کرتے رہیں۔ آمین ثم آمین

❖ ❖ ❖

حضرت مفکر ملتؒ کا

خاندانِ قاسمی کے ساتھ خصوصی تعلق

مولانا محمد اسماعیل پٹیل کاپودروی ❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نوراللہ مرقدہٗ خانوادۂ قاسمی کے گل سرسبد، معارف قاسمی وتھانوی کے ترجمان، فکرِ ولی اللہی کے پاسبان، حکیم الاسلامؒ کے مجاز وجانشین، دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم، نامور مربی وشیخ طریقت، شہرۂ آفاق متکلم، بے مثال خطیب، معروف مصنف، مخلص داعی، بے نظیر محدث، بے بدل راہ نما، فکرِ دیوبند کے نقیب، اورعرب وعجم کے لیے قنطرۃ الوصل، مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر، مسلم مجلسِ مشاورت کے صدر، ندوۃ العلما لکھنؤ، مظاہر علوم وقف سہارن پور، اور علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے معزز رکن، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا سرپرست اور جامعہ دینیات اردو دیوبند کے بانی جیسی وقیع نسبتوں کے حامل تھے۔

آپ کی ذاتِ بابرکت کومبدأ فیاض نے متنوع صفات وکمالات سے نوازا تھا، علم میں پختگی، فکری آفاقی اورقلب کی پاکیزگی آپ کی پوری زندگی کا خلاصہ ہے، وقت کی پابندی آپ کی طبیعتِ ثانیہ تھی، دسیوں نسبتوں کے حامل ہونے کے باوجود تواضع وانکساری کا اعلیٰ نمونہ تھے، باطن کی طرح ظاہر بھی صاف ستھرا تھا، دورِ حاضر میں اکابر کی آخری یادگار تھے۔ حضرت تھانویؒ کے شاگردوں کی آخری کڑی اور اکابرِ دیوبند کی آخری بہار تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، مولانا اعزازعلی امروہیؒ، مولانا سید فخرالحسن صاحبؒ، مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندیؒ، مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور مولانا سید اختر حسین صاحبؒ جیسے آفتاب ومہتاب کا شمار آپ کے اساتذہ میں ہوتا ہے، اپنی حیاتِ مستعار کی تقریباً ۷۰ر بہاریں طالبانِ علومِ نبوت کی تربیت میں بسر فرمائیں؛ اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوسکتی ہے!!!

عربی واردو کا نکھرا ہوا ذوق اپنے والد ماجد کی میراث میں پایا تھا "مبادي التربية الإسلامية، تاج دارِارض حرم کا پیغام، مردغازی اورایک عظیم تاریخی خدمت" جیسے لاجواب نقوش یادگار چھوڑے۔

❖ رکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند

ان کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں محدثین، مفکرین، فقہا، قضاۃ، دعاۃ اور دینی رہبروں کی جماعت صدقۂ جاریہ کے طور پر چھوڑی، زندگی کا ایک بڑا حصہ اپنے آباء واجداد کے قائم کردہ علمی گلشن میں بسر کرنے کے بعد قضا وقدر کے تحت باہر نکلنا پڑا تو انتہائی قلیل مدت میں ایک دوسرا قیمتی باغ تیار کردیا جس کی خوشبو سے اطراف عالم مہک رہے ہیں۔

حب جاہ اور حب مال کے جراثیم سے کوسوں دور رہتے، اس کے باوجود ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود عہدے ومناصب آپ کے قدم کا طواف کرتے تھے۔

دعوتِ دین اور دارالعلوم کی ترجمانی کی غرض سے دنیا کے بیش تر ممالک کا سفر فرمایا۔ ہندوستان کا شاید ہی کوئی صوبہ ہوگا جہاں تشریف نہ لے گئے ہوں۔ گجرات میں بھی بار بار تشریف آوری ہوتی رہی، اس دوران ''فلاحِ دارین ترکیسر'' کو بھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازتے رہے، حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب دہلویؒ سابق شیخ الحدیث ''فلاحِ دارین ترکیسر''، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کے نامور خلیفہ تھے؛ نیز حضرت مفکرِ ملتؒ حضرت حکیم الاسلامؒ کے خوشہ چینوں میں تھے، اس لیے ''فلاحِ دارین ترکیسر'' کے ساتھ آخر تک خصوصی تعلق رہا۔

قاسم العلوم والخیرات الامام محمد قاسم النانوتویؒ کی متنوع خدمات کے تناظر میں حضرت مفکرِ ملتؒ نے اپنے آپ کو ہمیشہ اُن کا ممنون کرم گردانا۔ میرے دادا جناب اسماعیل حسین پٹیل صاحب حضرت تھانویؒ کے دست گرفتہ اور حضرت مولانا عیسیٰ صاحب الہ آبادیؒ کے مسترشد تھے؛ چناں چہ حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں ایک بار ماہِ مبارک میں حاضری ہوئی، اِس دوران دیوبند جاکر حضرت حکیم الاسلامؒ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا؛ نیز آپ کی مجلس سے مستفید ہوئے، یہی وجہ ہے کہ آپ کا ذکرِ خیر بار بار فرماتے رہتے، اس ذکرِ خیر نے حضرت مفکرِ ملتؒ کے دل میں خاندانِ قاسمی کی محبت کا بیج بو دیا، پھر دیوبند کی طالب علمی کے زمانے میں بعد مغرب حضرت کی علمی مجالس میں شرکت فرماتے اور آپ کے افادات قیمہ سے دیدہ ودل کو روشن فرماتے؛۔حضرت حکیم الاسلامؒ کی ''جامعہ حسینیہ اور دارالعلوم اشرفیہ راندیر'' کے سالانہ اجلاس میں تشریف آوری ہوتی تو آپ بصد نیاز حاضری دیتے۔ نیز جب ''فلاحِ دارین ترکیسر'' کا منصب اہتمام سنبھالا تو اِس میں مزید شدت پیدا ہوئی ''فلاحِ دارین'' بھی کئی مرتبہ مدعو فرما کر کسبِ فیض فرمایا۔

راوت برادران خصوصاً حاجی یوسف صاحب راوت مرحوم کا حضرت حکیم الاسلامؒ کے ساتھ نہایت مخلصانہ تعلق تھا، یہی وجہ ہے کہ قضیۂ نامرضیہ کے وقت حاجی یوسف صاحب مرحوم نے حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت میں ری یونین تشریف لانے کی درخواست پیش فرمائی تاکہ آپ کے قلب مبارک سے

بوجھ ہلکا ہو؛ مگر افسوس ہے کہ اس خواہش کی تکمیل نہ ہوسکی۔

حضرت حکیم الاسلامؒ کے سانحۂ ارتحال کے بعد ملک کی فضا بہت مسموم تھی، لوگ دو فرقوں میں بٹ چکے تھے، گجرات میں بھی ایک خاص جماعت کا زور تھا؛ مگر حضرت مفکرِ ملتؒ نے حکیم الاسلامؒ کو ''فلاحِ دارین'' کے سالانہ اجلاس میں مدعو فرمایا؛ حالاں کہ بڑے بڑے ذمہ داروں نے بہت ہی شد و مد کے ساتھ حضرت مفکرِ ملتؒ کی مخالفت کی، حضرت کا سفر کینسل کرنے کے لیے مختلف اوچھی حرکتیں بھی کر گزرے؛ مگر قربان آپ کے عزم جواں، بے مثال جرأت اور بلند حوصلوں پر، آپ نے کسی قسم کا دباؤ قبول نہیں فرمایا اور علمائے گجرات کو اِس مقدس خاندان کے ساتھ محبت کا تعلق رکھنے اور اُن کو اپنا محسن سمجھنے کا عملی پیغام دے دیا۔ اِس حاضری کے موقع پر آپ نے ''فلاحِ دارین'' کے معائنہ بُک میں بڑے وقیع کلمات تحریر فرمائے ہیں۔

آخری عمر میں ''دارالعلوم وقف'' کی شوریٰ تشکیل ہوئی تو حضرت خطیب الاسلامؒ نے ''دارالعلوم وقف'' کے مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک نہایت دانش مندانہ اقدام فرمایا اور ملک کے جلیل القدر علما کو مجلس مشاورت میں رکنیت کے لیے دعوت دی، اس موقع پر حضرت خطیب الاسلامؒ کی طرف سے حضرت مفکرِ ملتؒ کی خدمت میں بھی مکتوب صادر ہوا، تو آپ نے مکمل انشراح کے ساتھ اُسے شرف قبول بخشا اور اِسے دارالعلوم کی خدمت کا ایک سنہرا موقع تصور کیا۔

اِس سلسلے میں آپ کی طرف سے جو جوابی مکتوب ارسال کیا گیا تھا اُسے درج سطور میں نقل کیا جارہا ہے، جس سے دارالعلوم وقف کے تئیں آپ کی فکروں کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

''ذوالمجد والکرم حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی زید مجدہ

مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امید ہے کہ آں محترم بخیر وعافیت ہوں گے!

عرض ایں کہ مولانا محمد سفیان قاسمی مدظلہ نائب مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند کے بدست گرامی نامہ باعث شرف وسعادت ہوا، آں محترم نے اختصار کے ساتھ دارالعلوم کے ۳۰ رسالہ ادوارِ ثلاثہ اور اس کی تعلیمی ترقی اور مقبولیت کا ذکر فرمایا، اس کو پڑھ کر قلبی مسرت ہوئی۔ اللھم زد فزد!

حقیقت یہ ہے کہ صرف برصغیر ہی نہیں اطراف عالم میں جہاں بھی نظر کرتے ہیں دین کی معتدل تعلیم اور فکر صحیح کی جو بھی خدمات انجام دی جارہی ہیں وہ حجۃ الاسلام امام قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض کا امتداد ہے، سب آپ کے تجدیدی فکر اور ہمہ گیر تعلیمی نظام کے سایہ میں چل رہے ہیں۔ **فجزاه الله عن الأمة خير الجزاء!**

آں محترم کے دارالعلوم (وقف) جیسے موقر ومستند ادارہ کو دور جدید کے تقاضوں کے مطابق ترقی

دینے اور امت کے مختلف افراد کے ساتھ مل کر شورائی نظام کے پاکیزہ اور اہم مقصد کی اہمیت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حضرت اقدس نے از راہِ حسنِ ظن اس بے بضاعت کو بھی ''مجلس مشاورت'' کے رکن کی حیثیت سے منتخب فرمایا وہ میری حیثیت سے زیادہ ہے، اور بندہ ہرگز اس قابل نہیں ہے، مگر آں محترم کی دیرینہ شفقتوں اور شیخ طریقت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی مدظلہ العالی کے حکم کے پیش نظر تجویز کو قبول کرنا اپنی سعادت، اور آپ اہلِ علم سے استفادہ کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔ اس چمنستانِ قاسمی کی جو بھی خدمت ہو سکے وہ باعثِ خیر اور اس کے مخلص بانیوں کی دعاؤں کے حصول کا ذریعہ ہوگی۔ ان شاء اللہ بندہ اس ذرہ نوازی اور عنایت کا دلی شکریہ ادا کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! فقط والسلام

آپ کی دعاؤں کا محتاج

احقر عبداللہ غفر لہ کاپودروی

۵/ ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ - ا/ ستمبر ۲۰۱۴ء بروز سنیچر''

اُس زمانے میں حضرت مفکرِ ملتؒ کی صحت کافی نڈھال ہو چکی تھی، پھر بھی تا دمِ واپسیں دارالعلوم وقف کا گراں قدر تعاون فرماتے رہے۔ انگلینڈ، افریقہ اور کینیڈا وغیرہ ملکوں میں مکتوبات ارسال فرمائے، نیز اپنے سفر کے دوران لوگوں کو دارالعلوم وقف کی جانب متوجہ فرماتے رہے۔ الحمد للہ! حضرت کی برکت سے اِن ملکوں میں دارالعلوم وقف کے تئیں لوگوں میں خدمت و محبت کے جذبات پروان چڑھے، جس سے یہاں کا بچہ بچہ بخوبی واقف ہے۔ خاندانِ قاسمی نے بھی حضرت کے ساتھ بڑی اپنائیت کا سلوک کیا۔ حضرت کی علالت کے زمانے میں حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی مدظلہ بار بار تشریف لا کر مزاج پرسی فرماتے رہے۔ حضرت مولانا کی حاضری کے موقع پر حضرت مفکرِ ملتؒ سراپا بچھے جاتے، نہایت خاطر مدارات فرماتے، علالت کے باوجود باہر تک رخصت کرنے تشریف لے جاتے، اسی طرح کے ایک موقع پر کسی نے حضرت مفکرِ ملتؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت اس قدر بیماری کے باوجود آپ اتنا اہتمام کیوں فرماتے ہیں؟ اُس پر حضرت مفکرِ ملتؒ نے فرمایا، اس خاندان کا صرف ہندوستان پر ہی نہیں بل کہ پورے عالمِ اسلام کی گردن پر بڑا احسان ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ کے گھرانے سے تعلق رکھنے والا کوئی فرد میرے یہاں تشریف لائے اور میں اُس کا اکرام بھی نہ کر سکوں۔

بلکہ حیرت ہوگی کہ حضرت مفکرِ ملتؒ اپنے آخری ایام میں کئی بار دیوبند میں قیام فرمانے کی خواہش کا اظہار فرماتے رہے، کئی بار حضرت مولانا محمد سفیان صاحب مدظلہ سے بھی فرمایا کہ میرے لیے کوئی کرایہ کا

مکان تلاش کرو، میں دیو بند میں رہنا چاہتا ہوں، اور میری خواہش ہے کہ مزار قاسمی میں اکابر کے قدموں میں ہمیشہ کے لیے سو جاؤں، بل کہ یہاں تک فرمایا کہ اگر میرا انتقال دیو بند میں ہو جائے تو وطن لانے کی ضرورت نہیں ہے، وہیں دفن کر دینا۔

بہر حال! حضرت مولانا سفیان صاحب مدظلہ نے ایک بہترین فلیٹ کا انتخاب بھی فرمایا؛ مگر حضرت مفکرِ ملتؒ اپنی علالت و نقاہت کی وجہ سے دیو بند تشریف نہ لے جا سکے، مذکورہ امور سے خانوادۂ قاسمی کے ساتھ حضرت مفکر ملت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ کی محبت وعقیدت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی کامل مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں سکونت بخشے، دارالعلوم وقف دیو بند کو ہمہ جہتی ترقیات سے نوازے اور ہم کو حضرت مفکر ملتؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خانوادۂ قاسمی کے ساتھ محبت کا تعلق استوار رکھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

❖ ❖ ❖

حضرت خطیب الاسلامؒ کے خاص اساتذہ

مولانا قاری ابوالحسن اعظمی ❖

دارالعلوم دیوبند، جو دنیائے علم کا مینارہ ہے، جسے باضابطہ طور پر پروان چڑھانے اور شاہراہ ترقی پر مسلسل گامزن رکھنے کے لیے بانی تحریک دارالعلوم دیوبند، جس ذاتِ گرامی نے جسم وجان اور قلب ودماغ کی ساری متاع لٹادی، ان ہی کی نسل سے تعلق رکھنے والے عظیم الشان اور اپنی ذات وصفات میں عبقری شخصیت استاذی واستاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً ومغفرۃً کاملۃً کے تعلق سے مجھے کچھ اشارات کرنے ہیں۔

یہ معلوم ہے کہ انسان اپنی ذات وصفات کے عنوان سے دراصل اپنے ماحول کی پیداوار ہوتا ہے۔ وہ کن حالات اور ماحول میں آنکھیں کھولتا ہے، دنیا پر اولین نگاہیں ڈالتا ہے، کس چمنستانِ رنگ وبو سے اس کے مشام جان آشنا ہوتے ہیں اور پھر وقت کے ساتھ وہ نشوونما پاتا ہے۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔

میں جس دارالعلوم دیوبند کی جانب زمامِ توجہ موڑنا چاہتا ہوں، وہ ہماری، آپ کی نگاہوں کے سامنے، دورِ حاضر کا بظاہر بہت وسیع وعریض عمارات کا حامل دارالعلوم نہیں بلکہ تقریباً ایک صدی قبل کا وہ ''مدرسہ عربی'' ہے، جس کے دامنِ علم وفضل سے وابستہ ایسی عظیم شخصیات تھیں جن کے روبرو فرشتے سلامی دینے آتے تھے۔

سلسلۂ اسناد، امت محمدیہ کا واحد، مخصوص اور قابلِ صد فخر وشرف فن ہے علی الخصوص علم قرآن وحدیث ہے، اس میدان اور وادی میں ہر ہر قدم پر یہ لابدی اور لازمی ہے، اس کے بغیر اہمیت مفقود ہوتی ہے۔ سید القراء علامہ المقری ضیاء الدین احمد الٰہ آبادی (م ۱۳۷۱ھ) اپنی اہم ترین اور بے مثال کتاب ''خلاصۃ البیان میں ارقام فرماتے ہیں:

فَاِذا لَزِمَت الإسنادُ فَانْظُر عَمَّنْ تَأخُذُ، اِنْ کَانَ عَنْ مَّاهِرٍ ثِقَةٍ فَقَدْ فُزْتَ بِمُرَادِكَ، و اِنْ لَّا فَكُنْتَ مُضَيِّعًا عُمْرَكَ و مُفَوِّتًا مَطْلَبَكَ هٰذَا.

یعنی جب سلسلۂ اسناد ضروری ٹھہرا تو دیکھنا چاہیے کہ کیسے معلم سے اخذ وتحصیل کر رہے ہیں؟ اگر استاذ ماہر وباکمال ہے اور ثقہ وصالح ہے، جامع صلاحیت وصالحیت ہے تب تم فائز المرام ہوگے ورنہ عمر ضائع کرنے والے اور مقصود کو فوت کرنے والے ہوگے۔

❖ رکن رابطۂ عالم اسلامی، مکۃ المکرّمہ

حضرت الاستاذ، خطیب الاسلامؒ کا کس خانوادے سے تعلق تھا؟ کس ماحول میں آنکھیں کھولیں، کس کی آغوش میں پلے، بڑھے؟ جب ہم نگاہ اٹھاتے ہیں تو نظروں کے سامنے ایسا نضارت بخش سماں اور علم وفضل کا ایسا روح پرور نظارہ سامنے آتا ہے جس کی نظیر کمیاب ہی ہے۔

ساتھ ہی حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمۃ کی علمی و تعلیمی حیات کے لیل ونہار اور ماہ وسال دارالعلوم دیوبند کے اس خیر القرون میں گذرے جن کے ہر چہار طرف اربابِ فضل وکمال کے انوار و برکات کی موسلا دھار بارشوں کا لامتناہی سلسلہ تھا۔

اوپر اشارہ ہوا، سب سے پہلے اس سلسلۃ الذہب کی زریں کڑیاں ملاحظہ کی جائیں یعنی حضرت خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند ابن حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، ابن حضرت مولانا الحافظ احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، ابن حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی تحریک دارالعلوم دیوبند۔ یہ ہے وہ سلسلہ جن کے سروں پر فضل وکمال اور جلال و جمال کے جگمگاتے تاج خود فخر محسوس کریں، صحیح یہ ہے کہ آنکھوں نے کہاں دیکھے ہوں گے اعلام کے ایسے تاج محل! بالفاظِ حضرت خطیب الاسلام، حضرت النانوتوی کے امتیازی پہلو کا اجمال یہ ہے:

> ''جس کی ذات گرامی علم کتاب وسنت میں بے مثال، عالمگیر فکر اسلامی میں بے تمثال، تربیت روحانی میں باکمال، زندگی کے ہر جزو وکل میں متبع سنت، معلمیت میں منفرد، طاعت وعبادت میں شب زندہ دار، اصلاح باطن میں ماحی ذوق معصیت، علم وقیع میں مرادِ حق شناس، تصنیف وتالیف میں اطمینان آفریں نکتہ سنج، انفرادیت میں متین اور اجتماعیت میں متدین رہنمائے عظیم جیسے بے شمار امتیازات عظیم کی حامل۔(۱)

خطیب الاسلامؒ ایسے ہی ممتاز ونادر خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب مبدأ فیاض سے کسی پر نوازش ہوتی ہے تو اطراف وجوانب میں علم وفضل کی ایسی پرکیف فضاء اور ایسے منور اساتذہ مہیا فرمادیتے ہیں جو تراش خراش کے بعد لعل شب چراغ کو، کوہِ نور بنا دیتے ہیں۔ یہ امر واقعی ہے کہ جب بھی کوئی انسان ارادت واخلاص کے ساتھ استاذ اور معلم کی شاگردی اختیار کرتا ہے تو قطعی طور پر وہ استاذ کے دروس واسباق کے انوار وبرکات کا مشاہدہ کرلیتا ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ جس سلسلے سے وابستہ ہیں اس میں یہ وصف خاص بے حد نمایاں طور پر مشاہد ہے کہ جس کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، جس کی بھی شاگردی اختیار کی، اس کا کامل طور پر مثالی انداز میں حق ادا کیا۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ حضرت خطیب الاسلام کن صاحبانِ فضل وکمال اور عبقری شخصیات کی آغوشِ

(۱) الامام النانوتویؒ، ص:۵۷

تعلیم وتربیت میں پروان چڑھے۔

ابتداء سے انتہا تک آپ کے اساتذہ کی ایک طویل فہرست ہے اور اپنی جگہ ہر شخصیت باکمال ہے، لیکن شاگرد کی طبعی مناسبت کے اعتبار سے کم ہی ہوتے ہیں جو براہِ راست متاثر کرتے ہیں۔ ذیل میں حضرت خطیب الاسلامؒ کے کثیر اساتذۂ کرام میں سے صرف انہیں چار اساتذہ کی جانب اشارات کیے جائیں گے جن کی نگاہِ کیمیا اثر، رجال سازی میں زبردست تاثیر رکھتی تھی، ناظرۂ قرآن کریم اور تحفیظ کے بعد اوّلین شخصیت حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

ولادت ۱۲۸۰ھ- وفات ۱۳۶۲ھ ہے، تاریخی نام کرم عظیم ہے، تھانہ بھون کے شیوخ فاروقی میں سے تھے، قرآن شریف حافظ حسین علی سے حفظ کیا، فارسی اور عربی کی کتابیں وطن میں حضرت مولانا فتح محمد تھانویؒ سے پڑھیں جو دارالعلوم کے اوّلین فارغین میں سے تھے۔ ۱۲۹۵ھ کے اواخر میں تکمیلِ علوم کی غرض سے دارالعلوم میں داخلہ لیا۔ ۱۲۹۹ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، تجوید وقراءت کی مشق مکہ مکرمہ میں قاری محمد عبداللہ مہاجر مکیؒ سے کی۔

ذکاوت وذہانت کے آثار بچپن ہی سے نمایاں تھے۔ ۱۳۰۱ھ میں اولاً مدرسہ فیض عام کانپور میں صدر مدرس مقرر ہوئے اور پھر مدرسہ جامع العلوم کی مسند صدارت کو زینت بخشی، کانپور میں آپ کے درسِ حدیث کی شہرت سن کر دور دور سے طلبہ کھنچے چلے آتے تھے۔ ۱۳۱۵ھ میں ملازمت ترک کر کے خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں متوکلاً علی اللہ قیام فرمایا، جہاں تادمِ واپسیں ۴۷ سال تک تبلیغ دین، تزکیۂ نفوس اور تصنیف وتالیف کی ایسی عظیم الشان اور گراں قدر خدمات انجام دیں، جس کی مثال اس دور کی کسی دوسری شخصیت میں نہیں ملتی۔ علم نہایت وسیع اور گہرا تھا جس کا ثبوت آپ کی تصانیف کا ہر ہر صفحہ دے سکتا ہے، دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں تصانیف موجود نہ ہوں، وہ اپنی تصانیف کی کثرت اور افادیت کے لحاظ سے ہندوستانی مصنفین میں اپنا جواب نہیں رکھتے، آپ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد ساڑھے تین سو کے قریب ہے (یا ایک ہزار کے قریب) ان کے علاوہ تین سو سے زائد وہ مواعظ ہیں جو چھپ چکے ہیں۔ برصغیر کے پڑھے لکھے مسلمان کے کم گھر ایسے ہوں گے جہاں حضرت تھانویؒ کی کوئی تصنیف موجود نہ ہو، ان میں ''بہشتی زیور'' کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ہر سال مختلف مقامات سے ہزاروں کی تعداد میں چھپتا ہے اور ہاتھوں ہاتھ نکل جاتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اردو زبان میں اتنی بڑی تعداد میں دوسری کوئی اور کتاب شائع نہیں ہوتی تو اس میں قطعاً مبالغہ نہ ہوگا، کئی زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ حضرت تھانویؒ کی ایک

امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اپنی تصانیف سے کبھی ایک پیسہ کا فائدہ حاصل نہیں کیا، تمام کتابوں کے حقوق طبع عام تھے اور جس کا جی چاہے انہیں چھاپ سکتا تھا۔ آپ کا ترجمۂ قرآن کریم بہت سلیس، سہل اور عالمانہ ہے۔ تفسیر میں بیان القرآن آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہے، اسی طرح حدیث میں اعلاء السنن میں فقہ حنفی کی مستدل احادیث کا جو زبردست ذخیرہ مرتب کرادیا ہے وہ خود اپنی مثال آپ ہے۔

حضرت تھانویؒ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مجاز وخلیفہ تھے، ان کی بیعت وارشاد کا سلسلہ بہت وسیع ہے، برصغیر اور اس کے باہر بھی ہزاروں اشخاص نے ان سے اصلاح و تربیت حاصل کی۔ چناں چہ حکیم الامت کے لقب سے آپ کی زبردست شہرت تھی، ان کی تصانیف ومواعظ سے لاکھوں افراد کو علمی وعملی فیض پہنچا، عوام اور خواص کا جتنا بڑا طبقہ بیعت وارشاد کی راہ سے اس دور میں ان سے مستفیض ہوا اس کی مثال کم ہی ملے گی، ان کی رفعت وبلندی کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ غیر منقسم ہندوستان کے بڑے بڑے صاحب علم وفضل اور اہل کمال ان کے حلقۂ بیعت میں شامل تھے۔ ان کی ذاتِ والا صفات علم وحکمت اور معرفت وطریقت کا ایک ایسا سرچشمہ تھی، جس سے نصف صدی تک برصغیر کے مسلمان سیراب ہوتے رہے، دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں ان کی عظیم خدمات تقریری اور تصنیفی صورت میں نمایاں نہ ہوں۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں:

> ''اصلاح امت کی کوشش میں علمی وعملی زندگی کے ہر گوشے پر ان کی نظر تھی، بچوں سے لے کر بوڑھوں تک، عورتوں سے لے کر مردوں تک، جاہلوں سے لے کر عالموں تک، عامیوں سے لے کر صوفیوں، درویشوں اور زاہدوں تک، غریبوں سے لے کر امیروں تک ان کی نظر مصروفِ اصلاح و تربیت رہی، پیدائش، شادی بیاہ، غمی اور دوسری تقریبوں اور اجتماعوں تک کے احوال پر ان کی نظر پڑی اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کا کھرا کھوٹا الگ کیا، رسوم و بدعات اور مفاسد کے ہر ایک روڑے اور پتھر کو ہٹا کر صراطِ مستقیم کی راہ دکھائی، تبلیغ، تعلیم، سیاست، معاشرت، اخلاق و عادات اور عقائد میں دین خالص کے معیار سے جہاں کوتاہی نظر آئی اس کی اصلاح کی، فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمانوں کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق پورا سامان مہیا کردیا اور خصوصیت کے ساتھ احسان وسلوک کی جس کا مشہور نام تصوف ہے، تجدید فرمائی، ان کے سامنے دین کی صحیح تمثال تھی، اسی کے مطابق مسلمانوں کی موجودہ زندگی کی تصویر میں جہاں جہاں نقائص تھے، ان کے درست کرنے میں عمر بھر مشغول رہے۔ انہوں نے اپنی زندگی اس میں صرف کردی کہ مسلمانوں کی تصویر حیات کو اس کی شبیہ کے مطابق بنادیں جو دین حق کے مرقع میں نظر آتی ہے۔''(۱)

(۱) جامع المجد دین، ص: ۲۷، ۲۸

اللہ تعالیٰ نے آپ کو استغناء کے ساتھ فیاضی کے جوہر سے بھی نوازا تھا، ان کے قیام کانپور کا واقعہ راقم السطور (سید محبوب رضوی) نے والد مرحوم سے سنا ہے؛ جو حضرت تھانویؒ کے بے تکلف دوستوں میں سے تھے، چوں کہ اس واقعے کا عام طور پر لوگوں کو علم نہیں ہے اس لیے اس کا ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کانپور میں حضرت تھانویؒ کو جامع العلوم سے پچیس روپئے ماہوار تنخواہ ملتی تھی، اس میں وہ پانچ روپئے ہر مہینے والد مرحوم کو دیا کرتے تھے، تاکہ وہ اپنے طور پر اس رقم کو طلباء پر صرف کر دیں۔ اس رقم کے ساتھ یہ تاکید بھی تھی کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو کہ اس کا معطی کون ہے۔ یہ ایک رازدارانہ بات تھی، حضرت تھانویؒ کی زندگی میں والد مرحوم کے علاوہ کسی کو اس کا علم نہ تھا۔ انہوں نے یہ واقعہ حضرت تھانویؒ کی وفات کے بعد ان کے محاسن کا ذکر کرتے ہوئے راقم سطور کو سنایا تھا۔

حضرت حکیم الامتؒ کی زندگی بڑی منظّم تھی، کاموں کے اوقات مقرر تھے اور ہر کام اپنے وقت پر انجام پاتا تھا، متوسلین کے بہت سے خطوط آتے تھے؛ مگر بقید وقت ہر ایک کا جواب خود اپنے قلم سے تحریر فرماتے تھے۔

۱۶/رجب ۱۳۶۲ھ کی شب میں تھانہ بھون میں اس جہانِ فانی کو خیر باد کہا، تھانہ بھون میں حافظ ضامن شہیدؒ کے مزار کے قریب اُن ہی کے باغ میں جسے انہوں نے ''خانقاہِ امدادیہ'' کے نام سے وقف کر دیا تھا دفن کیا گیا۔ (رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ) (۲)

جیسا کہ ابھی گذرا کہ حضرت تھانویؒ کے یہاں نظام الاوقات اور پابندی کی خصوصیت خاصہ نظر آتی ہے، حضرت الاستاذ خطیب الاسلامؒ بہ کمال وتمام ان کے ترجمان تھے، دارالعلوم کے زمانۂ تدریس میں میرے ساتھ، میرے رفقاء وغیرہ سب نے آپ کی پابندیٔ اوقات کا مظاہرہ برابر دیکھا، حضرت طلبہ سے فرمادیتے کہ میرا انتظار، دو سے، پانچ منٹ تک کریں۔ ایسا تو کم ہی ہوتا تھا کہ انتظار کرنا پڑے، بہرحال پانچ منٹ کے بعد انتظار نہ کریں، اپنے تکرار و مذاکرہ ومطالعہ میں مصروف ہوجائیں۔ چناں چہ بعد ظہر کے درس میں، میں نے بارہا دیکھا اور ساتھیوں کو دکھایا کہ حضرت الاستاذ مکان سے تشریف لا رہے ہیں اور احاطۂ باغ میں پہنچتے پہنچتے گھڑی دیکھی، پانچ منٹ ہو چکے تھے کہ واپس ہوگئے، وقت کی پابندی کا خود بھی ہمیشہ لحاظ رکھا، اپنے طلبہ وتلامذہ کو بھی اس کی بہت ترغیب دی اور پابند اوقات بنا کر اس کی برکتوں سے آشنا کر دیا۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

ولادت ۱۳۱۷ھ - وفات ۱۴۰۳ھ

قصبہ دیوبند پھر خانوادۂ قاسمی کسی تعارف کا محتاج نہیں، اس خاندان کی ضیا گستری کا چرچا زبان

(۲) ماخوذ دارالعلوم دیوبند

زد خاص و عام ہے اور حقیقت بھی ہے کہ اس کے فیض و برکات سے دور افتادہ علاقے علم کی ضیا پاش کرنوں سے منور ہو گئے اور آج بھی اس کی ضوفشانی سے ایک عالم بقعہ نور بنا ہوا ہے۔

ولادت اور علمی نشو ونما

اسی خاندان میں محرم ۱۳۱۵ھ مطابق جون ۱۸۹۷ء بروز یک شنبہ ایک بچہ پیدا ہوا، جس کا تاریخی نام مظفر الدین اور اصلی نام محمد طیب تجویز ہوا، جو آگے چل کر ''حکیم الاسلام'' کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہ انتہائی پرکیف اور علمی ماحول تھا، گھر میں عورتیں تک خداترس اور صاحبِ نسبت تھیں، والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ ایک جید الاستعداد عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایشیاء کی عظیم دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، اس لیے ہمہ وقت علماء وصلحاء اور اولیاء کی صحبت آپ کے فطری شعور اور ذہنی بالیدگی کو تقویت فراہم کرتی رہتی تھی، جس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت قاری صاحبؒ بچپن ہی میں علماء کی تصویر نظر آنے لگے، وضع قطع سے خاندانی رنگت نمایاں تھی۔

ابتدائی تعلیم

جب آپ سنِ شعور کو پہنچے تو خاندانی روایت کے مطابق علماء اور اکابر کی جماعت نے آپ کو رسم بسم اللہ ادا کرائی اور تعلیم کا آغاز ہو گیا، اس موقع پر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانی نے نیک فالی کے طور پر ایک قصیدہ پڑھا جس میں مذکور ''تُمِّم بالخیر'' سے آپ کی رسم بسم اللہ کی تاریخ نکلتی ہے جو ۱۳۲۴ھ ہے۔

حفظ قرآن اور تعلیم تجوید

خاندانی روش کے مطابق آپ کو دینی تعلیم کی رغبت ہوئی اور اس کی ابتداء حفظ قرآن کریم سے عمل میں آئی۔ حضرت قاری عبدالوحید خاں صاحب الٰہ آبادی (م: ۱۳۶۵ھ) تعلیم کے لیے منتخب ہوئے اور انہیں بطور خاص قاری صاحب کے لیے بلایا گیا جو آپ کو گھر ہی پر حفظ و تجوید کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت قاری صاحب میں چوں کہ قاسمی خاندان کی بو بلکہ خمیر ہی شامل تھا، اس لیے وہ برق رفتاری سے آگے بڑھے اور صرف دو سال ۱۳۳۶ھ میں آپ اس عظیم نعمت سے بہرہ ور ہو گئے، نیز حفظ کے ساتھ تجوید کی تکمیل نے آپ کی صلاحیت میں چار چاند لگا دیئے۔ بچپن میں قاری صاحب بڑے خوش آواز اور عمدہ اور پرکشش لہجہ کے مالک تھے، جب کوئی بڑا شخص حضرت مہتمم صاحب (حافظ احمد صاحب) کی خدمت میں آتا تو وہ آپ کی تجوید کو ضرور سنتا، خصوصاً حکیم مسعود احمد صاحب گنگوہی آپ کے اس درجہ قدر داں تھے کہ وہ جب

دارالعلوم آتے تو حضرت قاری صاحب سے ضرور کوئی نہ کوئی رکوع پڑھواتے اور عش عش کرتے، اسی زمانے میں آپ پر قاری کا لفظ ایسا چسپاں ہوا کہ جو آپ کے نام کا جزو اعظم بن گیا۔

فارسی کی تعلیم کا آغاز

آپ کے سامنے حجۃ الاسلام کی علمی وراثت تھی، اس لیے حفظ و تجوید کی تحصیل کے بعد خاندان والوں کی تمنا کے مطابق ۱۳۲۷ھ میں آپ کو دارالعلوم کے شعبۂ فارسی میں داخل کر دیا گیا اور تین سال کے عرصہ میں آپ نے مروجہ نصاب تعلیم کے ساتھ ساتھ ریاضی، حساب اور جغرافیہ کی بھی تحصیل کر لی۔ ان چند سالوں میں جنہوں نے حضرت قاری صاحب کے علمی سفر کو آگے بڑھایا، ان میں مولانا محمد یٰسین صاحب (والد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) قابل ذکر ہیں۔ ان کی فارسی دانی کا سب کو اعتراف تھا، خود انہوں نے بھی خاندانی عظمت کی وجہ سے بڑی دلچسپی لی اور شب و روز کی جد و جہد سے حضرت قاری صاحب کو اچھا فارسی داں بنا دیا، اس زمانہ میں فارسی کا کافی چلن تھا، ایک تو خداداد صلاحیت دوسرے استاذ کی حسن تعلیم و تربیت نے آپ کو کندن بنا دیا، اسی زمانہ طالب علمی میں آپ کے جوہر نکھرنے لگے اور گاہ بگاہ آپ اردو اور فارسی میں غزلیں اور قصائد کہنے لگے۔ سچ ہے پوت کے پاؤں پالنے ہی سے نظر آنے لگتے ہیں۔

درجہ عربی میں داخلہ

فارسی زبان میں دست گاہ حاصل کرنے کے بعد آپ عربی درسِ نظامی کی تکمیل کی جانب متوجہ ہوئے اور سات سال کے عرصہ میں شبانہ روز کی جد و جہد کے باعث صرف، نحو، ادب، بلاغت، فقہ، اصولِ فقہ، فلسفہ، ہیئت، تفسیر اور اصول تفسیر وغیرہ پڑھ کر دورۂ حدیث شریف میں داخل ہوئے اور محدث عصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے دیگر اساتذہ دارالعلوم سے صحاحِ ستہ پڑھی اور ۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم سے فاتحۂ فراغ پڑھا، حضرت قاری صاحب کی فراغت سے دارالعلوم کی علمی دنیا میں ایک ایسے شخص کا اضافہ ہوا جو نصف صدی سے زائد علم و عمل اور خطابت و اہتمام کے افق پر آفتاب کی مانند تاباں اور درخشاں رہا۔

آغازِ تدریس

آپ کی پوری تعلیم احاطۂ دارالعلوم ہی میں ہوئی تھی، اس لیے تمام اساتذۂ کرام اور اکابر آپ کی فطری

صلاحیت، تواضع، وضع داری اور نشست و برخاست سے واقف تھے، ہر ایک کی نظر آپ کو کیمیا بنانے کے لیے کوشاں تھی اور قسمت نے بھی یاوری کی، اس لیے آپ کو تدریس کے لیے منتخب کرلیا گیا۔ ابتدائی زمانہ میں آپ نے چھوٹی چھوٹی کتابوں کا درس دینا شروع کیا، مگر جلد ہی آپ کو مقبولیت حاصل ہوگئی۔ وسطیٰ، علیا کی کتابیں آپ کے زیر درس آ گئیں، تدریس کا یہ سلسلہ آخر تک چلتا رہا، اگرچہ اہتمام کے زمانہ میں مصروفیات بڑھ گئیں، تاہم جب موقع فراہم ہوتا تو آپ حجۃ اللہ البالغہ یا حدیث کی کوئی دوسری کتاب کا درس ضرور دیتے تھے۔

تدریس سے مسند اہتمام پر

ماہ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ میں جب یہاں کے مہتمم اور آپ کے پدر بزرگوار حافظ محمد احمد صاحبؒ نظام دکن کے مطالبہ پر مفتی بن کر حیدرآباد چلے گئے اور اہتمام کی تمام تر ذمہ داری حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کے سپرد ہوگئی، تو اس وقت کی شوریٰ نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کا ہاتھ بٹانے کی خاطر حضرت قاری صاحب کو نائب مہتمم ثانی مقرر کیا، لیکن ۱۳۴۴ھ میں جب حافظ صاحب کو کبرسنی کے باعث اعزازی مہتمم مقرر کیا گیا، تو آپ کو نائب مہتمم اول مقرر کیا گیا، مگر کچھ لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے حضرت قاری صاحب مستعفی ہوگئے۔

حضرت قاری صاحب منصبِ اہتمام سے الگ ہوکر یکسوئی کے ساتھ درس و تدریس کی جانب لوٹ آئے، لیکن ابھی دو ڈھائی سال ہی گذرے تھے کہ آپ کو دوبارہ منصبِ اہتمام پر فائز کردیا گیا اور ۱۳۴۸ھ میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کی وفات کے بعد آپ قائم مقام مہتمم بنائے گئے، پھر ۱۳۴۸ھ میں باتفاق مجلس شوریٰ آپ مہتمم مقرر ہوئے اور اپنے علم و فضل اور حلم و تدبر اور اہلیت کار کی بناء پر عظیم مقبولیت اور زبردست شہرت حاصل کی، جس سے دارالعلوم کی عظمت و رفعت میں بڑا اضافہ ہوا اور مکمل نیک نامی اور احترام کے ساتھ ۱۴۰۱ھ تک اس منصب پر فائز رہے۔

علومِ باطنی

حضرت قاری صاحبؒ علوم باطنی سے بھی آراستہ تھے، ابتداءً حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ سے بیعت کی تھی، حضرت شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے تعلق رکھا، مگر شاہ صاحبؒ کے ڈابھیل چلے جانے کے بعد حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت کی اور پھر بہت تھوڑے عرصے میں مجاز ہوگئے اور اجازت کے بعد بیعت و ارشاد کا سلسلہ شروع کردیا۔ اس راہ میں آپ کی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع تھا۔

مضمون نگاری اور تصنیف و تالیف

زمانۂ طالب علمی ہی سے انشاء پردازی اور مضمون نگاری کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، تصنیف و تالیف کا سلسلہ وفات سے چند سال پہلے تک رہا، مختلف دینی، علمی اور تاریخی موضوعات پر سو سے زائد تالیفات یادگار چھوڑیں۔

تقریر و خطابت

حقیقت یہ ہے کہ خطابت و تقریر میں علماء کی صف میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا، دورانِ تقریر علوم و معارف اور اسرار و حکم کا چشمہ رواں دواں ہوتا۔

شعر و شاعری

تقریر و خطابت اور تصنیف و تالیف کے ساتھ آپ قادر الکلام شاعر بھی تھے، شعر گوئی پر آتے تو پانچ پانچ سو اشعار پر مشتمل طویل نظمیں کہہ ڈالتے۔ متعدد شعری مجموعے طبع ہوئے۔

تبلیغی و دعوتی اسفار

اہتمام دار العلوم کی مسند نشینی کے ساتھ آپ ملک و بیرون ملک کے دعوتی و تبلیغی اسفار بھی کرتے۔ اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک دور دور تک سفر کرتے۔ بنگلہ دیش، پاکستان، افغانستان، برما، جنوبی افریقہ، زنجبار، کینیا، روڈیشیا، ری یونین مڈغاسکر، مصر، سعودیہ عربیہ، انگلینڈ، فرانس، جرمنی، امریکہ وغیرہ ممالک تک آپ کے علمی و عرفانی اسفار کا دائرہ وسیع ہے۔ دار العلوم دیوبند اور جماعت دیوبند کا تعارف عالمی پیمانہ پر آپ ہی کے دور میں ہوا۔ ۶ رشوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء، دوشنبہ کے روز انتقال ہوا۔ (۱)

رحمه الله تعالیٰ رحمةً واسعةً و مغفرةً کاملةً

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ

مراکز تعلیم

تیرہویں صدی ہجری میں تین مراکز علم معروف تھے: دہلی، لکھنؤ، خیرآباد، دہلی میں شاہ صاحبؒ

(۱) ملخص دار العلوم وفیات نمبر

کے نصاب کا اثر تھا اور حدیث و تفسیر پر زیادہ توجہ تھی، لکھنؤ میں علماء فرنگی محلی کی دلچسپیاں فقہ اور اصولِ فقہ تک محدود تھیں، خیرآباد کا موضوع منطق اور فلسفہ تھا۔ یہ سلسلہ سلطنتِ مغلیہ تک رہا۔

دارالعلوم دیوبند

سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد ان تینوں مراکز کی علمی میراث دارالعلوم دیوبند کو ملی۔ چناں چہ دارالعلوم دیوبند نے اپنے نصابِ تعلیم میں ان تینوں مکاتب فکر کی خصوصیات جمع کیں، جسے پڑھ کر تعمق، فکر و نظر میں گہرائی و گیرائی، بصیرت اور فی الجملہ تمام مروّجہ علوم پر دسترس حاصل ہو جائے۔

دارالعلوم دیوبند اور علم حدیث

دارالعلوم دیوبند کا درسِ حدیث، دوسری درس گاہوں سے مختلف ہے، یہاں حدیث کی تلاوت اور محض ترجمہ پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے حدیث کے تمام پہلو نمایاں کیے جاتے ہیں: مثلاً متعارض روایات میں تطبیق، ترجیح، یا تنسیخ کا عمل ہوتا ہے اور ان کے لیے دلائل فراہم کئے جاتے ہیں، استدلال اور استنباط کے طریقوں پر گفتگو کی جاتی ہے، رجالِ حدیث زیر بحث آتے ہیں، روایت کا درجہ متعین کیا جاتا ہے۔ فقہی احکام بیان کیے جاتے ہیں اور ائمہ کے مسالک کی تفصیل سامنے آتی ہے اور آخر میں احناف کا مسلک، دلائل اور وجوہِ ترجیح کا ذکر ہوتا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کا یہ ایسا معقول اسلوبِ درس ہے کہ ہندو پاک کے بیشتر مدارس میں اس کا اتباع کیا جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں طریقۂ درس حدیث، ولی اللہی طریقۂ درس کی ارتقائی شکل ہے اور یہی وجہ تھی کہ علامہ رشید رضا مصری مرحوم حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ سے چند سوالات و جوابات کے بعد اس قدر متاثر ہوئے کہ بے ساختہ زبان سے نکلا: ”وَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُ مِثْلَ هٰذَا لْأُسْتَاذْ“ (۱)

اور پھر جوابی تقریر میں اس طریقہ تدریس پر اپنی پسندیدگی کا یوں اظہار کیا: ”لَوْ لَمْ اَرَ هٰذِهِ الْجَامِعَةَ الْعِلْمِيَّةَ، وَمِثْلَ هٰؤُلَاءِ الْاَعْلَامِ الْاَحْبَارِ لَرَجَعْتُ مِنَ الْهِنْدِ حَزِيْنًا“(۲)

یعنی بخدا میں نے ان جیسا استاذ نہیں دیکھا؟ اور فرمایا: اگر میں دارالعلوم کو اور ان عظیم علماء کو نہ دیکھتا تو ہندوستان سے غمگین واپس جاتا۔“

بعد واپسی اپنے جریدہ ”المنار“ میں دارالعلوم دیوبند کی عظیم خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا:

”مجھے سب سے زیادہ خوشی از ہر ہند دارالعلوم دیوبند دیکھ کر ہوئی۔“(۳)

---

(۱) مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت از مولانا گیلانیؒ (۲) نفحۃ العنبر، ص۱۷۳، از بنوریؒ

(۳) اشاعت ماہ شعبان ۱۳۳۰ھ

حضرت شیخ الاسلامؒ بحیثیت صدر المدرسین دار العلوم دیو بند

دار العلوم دیو بند میں حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ (م ۱۳۵۲ھ) کا درس حدیث حافظانہ، واعیانہ، محدثانہ، اور متبحرانہ تھا، وفورِ علم اور درسِ حدیث میں اپنی نکتہ آفرینیوں کے عین عالم شباب میں خاص حالات کی بناء پر جب شاہ صاحبؒ یہاں سے ترکِ تعلق کر کے گجرات کی سرزمینِ سعادت آثار میں اپنے علوم وفنون کے دریا بہانے کے لیے ڈابھیل سے منسلک ہو گئے، تو دار العلوم کی انتظامیہ کے سامنے زبردست مسئلہ پیش آ گیا، حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کا عجیب وغریب اندازِ درسِ حدیث عالم آشکارا ہو چکا تھا، علمی دنیا آپ کے محققانہ اور متبحرانہ درس سے پوری لذت آشنا ہو چکی تھی، ایک ایسا خلا سامنے تھا جس کے پُر ہونے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔

شاہ صاحبؒ کیا تھے؟ بالفاظ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ:

> ''اگر تم مجھ سے پوچھو کہ تم نے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، ابن دقیق العیدؒ اور عز الدین ابن عبد السلام رحمہم اللہ کو دیکھا تھا تو اگر میں تم سے ہاں کہہ دوں تو میں سچا ہوں، کیوں کہ میں نے انور شاہ کو دیکھا تھا اور کیوں کہ اگر انور شاہ اس دور میں ہوتے تو یہی ہوتے۔'' (۱)

ساتھ ہی حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ اساتذہ کی ایک بڑی جماعت کے الگ ہو جانے سے مدرسہ کے لیے غیر معمولی اور نہایت نازک وقت آ پڑا تھا، ایسے نازک وقت میں مدرسہ کی گرتی ہوئی ساکھ اور ڈوبتے ہوئے نام کو کوئی ایسا ہی شخص بچا سکتا تھا جو اپنے وقت کا امام، تقویٰ اور شریعت وسنت میں مسلّم اور فنافی العلم ہی نہیں؛ بلکہ پورے متحدہ ہندوستان میں معروف ومحبوب ہو۔ جب نگاہیں ایسی عظیم شخصیت کی تلاش میں اٹھیں تو مذکورہ صفات سے پوری طرح متصف ذاتِ گرامی حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ ہی پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ حضرت مدنیؒ کی ذاتِ ستودہ صفات پر عوام وخواص سب نے اتفاق کیا، اس وقت سلہٹ (اب بنگلہ دیش کا اہم شہر) میں حضرت مدنی کی علمی، تدریسی اور روحانی کمالات کے ساتھ ظاہری ترقیاں اور کامیابیوں کا شہرہ روز افزوں تھا۔

ان حالات میں جب حضرت کے سامنے دار العلوم دیو بند کے صدر مدرسی اور مشیخیت حدیث کی پیشکش ہوئی تو حضرت نے اس خیال کے ساتھ کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ نے ہمیں جو امانت سپرد کی تھی اس کی ادائیگی کی صورت اور وقت آ گیا ہے۔ اور ۱۸۵۷ء کے مجاہدین جو جہاد آپ کے حوالے کر گئے تھے اسے دیو بند ہی میں رہ کر آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔

---

(۱) بینات کراچی، بنوریؒ، صفحہ ۱۳۴

حضرت مدنیؒ کی شرائط

لیکن چوں کہ آپ کے پیش نظر محض تدریس اور صدارت دارالعلوم نہ تھی، بلکہ ایک عظیم مشن اور ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کے خلاف جدوجہد آزادی کے تقاضے آپ کے سامنے تھے، اس لیے آپ نے اربابِ اہتمام کے سامنے حسبِ ذیل کچھ شرائط رکھے:

۱- سیاسی مسلک اور نظریات میں آزادی ہوگی اور مدرسہ کو کسی اختلاف واعتراض کا حق نہ ہوگا۔

۲- سیاسی سرگرمیوں اور تحریکاتِ آزادی میں شرکت پر مدرسہ کی جانب سے کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

۳- ہر ماہ ایک ہفتہ بلا کسی رخصت اور منظوری کے سفر ہو سکے گا اور اس کی تنخواہ وضع نہ ہوگی، وغیرہ وغیرہ

دارالعلوم دیوبند کو حضرت مدنیؒ جیسے صاحب عزیمت و جرأت، حاملِ شریعت وسنت اور مجاہد آزادی کی ضرورت تھی، دارالعلوم کے اربابِ حل وعقد سے زیادہ حضرت کے مزاج، طبیعت اور نفسیات سے کون واقف ہوسکتا تھا۔ انہوں نے ہر پہلو پر غور کر کے ہی ان شرائط کو پیش کیا ہوگا، چناں چہ پورے انشراح وانبساط کے ساتھ یہ شرائط منظور کر لی گئیں اور حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ سرپرست دارالعلوم دیوبند کے مشورہ ہی سے حضرت مدنیؒ کا تقرر بعہدۂ صدر مدرسی عمل میں آیا۔

تجویز تقرر

آپ کی شرائط کو بہ انشراحِ صدر منظور کرتے ہوئے درجِ ذیل تجویز مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند تحریر کی گی۔

''حضرت مولانا مولوی حسین احمد صاحب کا تقرر بعہدۂ صدر مدرس بمشاہرہ ۱۵۰/ایک سو پچاس روپئے ماہ ورتاریخ کارکردگی سے مجلس شوریٰ کو منظور ہے۔ حضرت ممدوح کی اعلیٰ شخصیت اور علمی تبحر کے لحاظ سے مشاہرہ مذکورہ بالکل ناقابل ہے؛ مگر حضرت ممدوح کی اخلاص نیت وخدمت دارالعلوم کے جذبات سے ہم کو توقع ہے کہ حضرت ممدوح اس کو منظور فرما کر مجلس شوریٰ کو شکر گزاری کا موقع دیں گے اور دارالعلوم کی حالت پر اپنی توجہات اور اخلاقِ بزرگانہ سے نظر التفات فرما کر حسبۃً للہ پورے طور پر سنبھالنے کی کوشش فرمائیں گے، جیسا کہ حضرت ممدوح کے استاذ حضرت شیخ الہندؒ کا طریقۂ عمل تھا۔

فقط

اشرف علی

۲۰/رجب ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۸ء

کمترین جمیل احمد، محمد مسعود احمد، محمد حسن مرادآبادی، محمد اشفاق، احقر محمد اسحاق عفی عنہ، محمد

عبدالرحمٰن، مظہر حسن، بقلم خود۔(۱)

کوئی سوچ سکتا ہے کہ ایک علمی اور تعلیمی ادارے میں ملازمت کے لیے اس طرح کی شرائط کی کیا ضرورت تھی؟ دراصل یہ خیال اسی کو آ سکتا ہے، جس کے علم میں دارالعلوم دیوبند کے قیام کی اصل غرض و غایت نہ ہو۔

قیام دارالعلوم کی غرض

خوب واضح رہے کہ اسلامی حکومت کے خاتمہ پر عیسائیوں کی ہر قسم کی یلغار کا دوامی مقابلہ کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں لایا گیا، جس کا مقصد دینی، علمی رہنمائی کے ساتھ ساتھ ایسے مجاہدین پیدا کرنا تھا، جو وقت کے مناسب حکمتِ عملی اختیار کر کے عیسائی حکومت کا خاتمہ کریں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عیسائیوں کے ناپاک قدموں سے سرزمین کو پاک کردیں۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند رقم طراز ہیں:

''۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانانِ ہند کی قومیت کی تخریب کے لیے جو سیلاب تعلیمی رنگ سے میکالے کے روپ میں اٹھا اور ان کی مذہبی تخریب کے لیے جو دھارا پادریوں کی منظّم تبلیغ یا آریوں کے منظّم پرچار کی صورت میں بہا، اس پر بند لگانے کا کام صرف اس تعلیمی تحریک نے کیا جو حضرت نانوتویؒ کے روپ میں نمودار ہوئی، حضرت نانوتویؒ نے اٹھ کر اسلام کی تعمیر اور دفاع کے لیے اپنے آپ کو ظاہری و باطنی کمالات کے ساتھ پیش کیا، تلوار کے وقت تلوار سے، قلم کے وقت قلم سے اور زبان کے وقت زبان سے اسلام اور ملک وملت کی نادر روزگار خدمت انجام دی۔''(۲)

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں:

''مدرسہ دیوبند ۱۸۵۷ء کی ناکامی کی تلافی کے لیے قائم کیا گیا ہے۔''(۳)

شیخ الاسلام کی تشریف آوری کی افادیت

حضرت شیخ الاسلامؒ کی تشریف آوری کے ساتھ وہ تمام خطرات، انتشار اور اضطراب جو وقتی طور پر پیدا ہو گیا تھا، ختم ہو گیا اور موافقین ومخالفین کو جمعیتِ خاطر حاصل ہو گئی۔

(۱) یہ تھے شیخ الاسلام، ص ۶۸
(۲) مقدمہ سوانح قاسمی
(۳) مقدمہ سوانح قاسمی

صدارت و مشیخیت دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کی مسندِ صدارت اور شیخ الحدیث کا منصب ایک ایسا اعزاز ہے کہ جس کے سامنے دنیا کی تمام وجاہتیں اور اعزازات ختم ہیں، دارالعلوم کی بنیاد جب رکھی گئی تو خدا جانے وہ ساعت کتنی سعید تھی اور بانیانِ دارالعلوم کا کتنا خلوص تھا کہ اس منصب پر جو حضرات فائز ہوتے رہے، وہ علم وعمل، جہد و ایثار اور اخلاق وکردار کے لحاظ سے عالم اسلام کے ممتاز ترین اور منتخبِ روزگار انسان ثابت ہوئے، ان کی سیرت وکردار ار علمی وعملی شان کو دیکھ کر بے اختیار سلفِ صالحین کی یاد تازہ ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ہم قرونِ اولیٰ میں پہنچ گئے ہیں۔ پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ اور دوسرے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، ان کے بعد علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی باری آئی، تو ان کے بعد قرعۂ فال حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ پر پڑا، یہ سب حضرات اپنے اپنے وقت کے جامع الصفات انسان تھے۔ ان کے علم وتحقیق کو دیکھ کر جہاں غزالیؒ اور رازیؒ یاد آتے ہیں، وہاں زہد وتقویٰ کو دیکھ کر امام احمد ابن حنبلؒ کا زہد وتقویٰ آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے۔ سلوک وتصوف میں جنیدؒ و بایزید نظر آتے ہیں، جہد وایثار میں سید احمد شہیدؒ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

ظاہری اور سطحی نظر میں تو یہ منصب ایک صدر مدرس اور شیخ الحدیث کا تھا، جس پر قدرت نے حضرتؒ کو فائز و مامور فرما دیا تھا، مگر بنیادی اور حقیقی معنوں میں یہ وہ مقام تھا، جس سے پورے ہندوستان؛ بلکہ تمام دنیا میں صحیح اسلامی اسپرٹ اور عقائد کی تبلیغ اور قیادت ہوتی تھی، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ لکھتے ہیں:

> ’’آپ کی شخصیت اس وقت دارالعلوم کے جس منصب پر فائز ہوئی، وہ روایتی طور پر محض مدرسی کا عہدہ نہیں؛ بلکہ ایک عمومی قیادت کا عہدہ رہا ہے، جس کی طرف رجوعِ عام ہوتا رہا ہے اور جس کے لیے ہمیشہ ایسی ہی شخصیتیں ہوتی رہی ہیں۔‘‘(۱)

شیخ الاسلام کی درسی خصوصیات

حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ ارقام فرماتے ہیں:

> ’’صدارتی ذمہ داریاں حضرت شیخ الہندؒ کے ایک خاص تربیت دادہ عارف باللہ وحق آگاہ شخصیت یعنی حضرت مولانا مدنی علیہ الرحمہ کی جانب منتقل کی گئیں، دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ کا

(۱) مکتوباتِ شیخ الاسلام: ۱/۳۵

کافی وقت (تقریباً ۱۸؍سال) مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں درس وتدریس میں گذرا، یہیں وہ رویائے صادقہ بھی پیش آئے کہ مرحوم نے رسالت مآب جناب رسول اللہ ﷺ کوخواب میں دیکھا اوراس ارشاد پر کہ کیا مانگتے ہو؟ عرض کیا کہ جو کچھ پڑھ چکا ہوں، اس میں رسوخ کی دولت عنایت ہو۔''

یہ واقعہ ہے کہ حضرت مولانا اپنے علوم میں بے نظیر اور حدیث کی تدریس وتعلیم میں اسلاف کے صحیح جانشین تھے، دارالعلوم دیوبند جسے الامام الکشمیریؒ ایک نئے رخ پر ڈال چکے تھے اور جہاں کی تعلیمی کیفیات ایک خوشگوار انقلاب کی امین تھیں، آپ انہیں امتیازات وخصوصیات کو نبھانے کی کوشش فرماتے، اگر چہ اس راہ کی ان دشواریوں پر آپ مطلع تھے جو ایک جلیل القدر محدث کو پیش آسکتی ہیں۔......ترمذی شریف کے ابتدائی درس میں شیخ الاسلامؒ نے خود فرمایا کہ:

''حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے بے نظیر حافظہ اور یادداشت سے کام لے کر درس کا رنگ بدل دیا، وہ اپنی تبحر علمی کی بنا پر اس طرز کو خوب نبھاتے؛ لیکن ہم ایسوں کے لیے بڑی دشواریاں پیدا ہوگئیں۔''

اس اعتراف کے باوجود کسی حل طلب مسئلے پر آپ کی تقریر جامع ہوتی، حنفیہ کا استحکام، عہدی فتنوں کی تردید، حدیث مالہ وماعلیہ پر مفصل کلام، اکابر کے اقوال خصوصاً حضرت مولانا نانوتویؒ کے معارف وعلوم سے دلچسپی اوران کے ترجمان تھے، حدیث کی اکثر کتابیں سامنے رہتیں اورضرورت پر کتابیں کھول کر جواب دیئے جاتے، طلبہ پر بے پناہ شفقت تھی اور ہر سوال خواہ کتنا ہی مہمل کیوں نہ ہو، اس کا جواب دینے میں کوئی تکدر محسوس نہ فرماتے، تقریر میں بہت بسط اور کسی بھی مضمون کے تمام گوشوں کو واضح کردینے کے عادی تھے۔''(۱)

(۱) دورانِ درس کسی نبی کے اسم گرامی پر علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام فرماتے، کسی صحابی کا تنہا نام آتا تو رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر کے ساتھ نام آتا تو رضی اللہ عنہ وعنہم فرماتے، ائمہ مذہب، علما واولیاءِ سلف کا نام آتا تو بالالتزام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے، بشرطیکہ وہ اہل سنت والجماعت سے ہوں، اس پر خود بھی پابندی فرماتے اور طلبہ کو تاکید فرماتے تھے۔

(۲) دورانِ درس طلبہ جس قدر بھی سوالات کرتے، آپ ان کے تسلی بخش جوابات عنایت فرماتے، یہ سوالات درسی کے ساتھ غیر درسی بھی ہوتے تھے؛ مگر آپ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ جواب دیتے تھے، یہ آپ کے درس کی خاص خصوصیت تھی۔

(۳) کسی موقع پر اگر استشہادِ کلامِ عرب کی ضرورت ہوتی، تو آپ متعدد اشعار اور بے شمار عبارتیں کتب لغت کی بے تکلف بیان فرماتے، اس موقع پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لغت وادب کی کتابیں کھلی

(۱) ماہنامہ الرشید کا دارالعلوم دیوبند نمبر: ۳۱۵-۳۱۶

ہوئی ہیں اور آپ بے تکلف ان کو پڑھتے جارہے ہیں۔

(۴) بخاری شریف کی آخری حدیث ''کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ الخ'' کی تلاوت جب اپنے مخصوص لہجہ میں شروع فرماتے، تو قلوب پر رقت طاری ہونے لگتی تھی اور آپ کی توجہ سے حاضرین زار و قطار رونے لگتے تھے، دل کانپ جاتا تھا اور لوگ توبہ و استغفار اس طرح کرتے تھے، گویا کہ دربارِ خداوندی میں حاضر ہیں، آنکھیں اشک بار، دل مضطرب، غرض ہر شخص ماہی بے آب کی طرح تڑپتا تھا۔

(۵) دورانِ درس امر بالمعروف نہی عن المنکر، اعتصام بالکتاب والسنۃ کی تلقین ہمیشہ فرماتے، متعلقین کے عقائد، اخلاص و اعمال کی اصلاح کے جو مواعظ و نصائح ضروری ہوتے سب کی تلقین فرماتے، چند حضرات اکابر کی تحریروں کا خلاصہ ملاحظہ کرتے چلیں:

مولانا عبدالحئی مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ بیان فرماتے ہیں:

''۱۳۴۶ھ میں حضرت العلامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے دیوبند کی مسند شیخ الحدیث سے استعفیٰ دیا، تو ان کی جگہ پر مولانا حسین احمد مدنیؒ کا انتخاب کیا گیا، آپ نے ایسی قابلیت اور محدثانہ شان کے ساتھ تدریس حدیث کی خدمت انجام دی کہ دارالعلوم دیوبند کی شہرت اور مرکزیت بھی باقی و ساری رہی اور مدرسہ پر عوام و خواص کا اعتماد برقرار رہا۔ تعلیم و تدریس کی خدمات کے ساتھ حضرت مدنیؒ سیاسی جدوجہد میں بھی اپنے بے مثال عزم و ہمت کے ساتھ رواں دواں رہے اور مسلمانوں میں غیرت و حمیت نیز عزتِ نفس کی روح بیدار کی۔''

دارالعلوم دیوبند کی علمی ترقیات

حضرت شیخ الاسلامؒ کے زمانۂ صدارت میں طلبہ کی تعداد میں دو گنے سے بھی زیادہ اضافہ ہوا اور خاص دورۂ حدیث کی جماعت میں تو یہ اضافہ تین گنے سے بھی متجاوز ہے، ۱۳۴۶ھ سے حضرت مدنیؒ کی وفات ۱۳۷۷ھ تک بتیس سال کی مدت میں آپ کے زمانۂ صدارت میں چار ہزار چار سو تراسی (۴۴۸۳) طلبہ نے دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی، جب کہ حضرت مدنیؒ کے عہدِ صدارت سے پہلے فضلاء کرام کی تعداد دو ہزار سات سو اکیاون (۲۷۵۱) ہے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کی توجہ سے متعدد نئے شعبے اور نئے درجات کھولے گئے، قرآنِ کریم کو عمدگی اور صحت و تجوید کے ساتھ پڑھنے پر زور دیا گیا اور خاص دورۂ حدیث کے طلبہ کے لیے تجوید، پارۂ عم کی مشق اور فوائد مکیہ کی خواندگی اس طرح لازم کی گئی کہ مدارِ سند ہوگئی، اس کے بغیر کسی کو سندِ فراغ نہیں مل سکتی۔

آپ کی درسی برکات

حضرت شیخ الاسلامؒ کا درسی انداز اور تقریر کا طرز بہت ٹھہرا ہوا ہوتا تھا، بہت ٹھہر ٹھہر کر ہر جملہ الگ الگ واضح انداز میں ادا فرماتے تھے، جس سے آپ کی مکمل درسی اور غیر درسی تقریر کو ضبطِ تحریر میں لانا بہت آسان ہوتا تھا۔ حضرت مدنیؒ ترمذی شریف کی جانب اس کی خصوصیاتِ خاصہ کی بنا پر جس کا ذکر اوپر ہوا، بطورِ خاص توجہ دیتے تھے اور مفصل کلام فرماتے تھے، چناں چہ آپ کے لائق وفائق تلامذہ نے خوب خوب قلم بند کیا ہے۔

خلاصۂ کلام

تاریخِ انسانی میں ایسی شخصیات کم ہوتی ہیں، جو اپنے علم و دانش، فہم وفراست، اعمال واقوال، افعال وکردار، جذبات وخیالات، ایثار وقربانی، عفو ودرگذر اور علمی وعملی اور تدریسی خدمات اور تصنیفات و تالیفات کے انمنٹ نقوش چھوڑ جاتی ہیں۔ اوران جیسی بہت سی خصوصیات اور صفات کی حامل ہوتی ہیں۔

ان خوبیوں اور صفات وکمالات کی حامل کچھ ہستیاں ہوتی بھی ہیں تو ’’وہ میدانِ جنگ میں قدم نہیں رکھ سکتیں، جو ہاتھ قلم چلاتے ہیں، ان سے تلوار نہیں اٹھ سکتی، جو صفحۂ قرطاس اور میدانِ خطابت و مناظرہ میں حروف والفاظ کے تیر و پیکان اور طنز وتعریض کی تلوار اور نیزے چلاتے ہیں، وہ عرصۂ جدال و قتال میں تلواروں کی چمک دیکھ کر لرزہ براندام ہوجاتے ہیں۔

لیکن دورِ آخر میں ہماری آنکھوں نے ایک ایسی شخصیت دیکھی، جس کے علم وعمل، جہد اور جہاد اور مرجعیت کا غلغلہ تھا، وہ اسیر مالٹا، روضۂ اقدس کے پاس ایک مدتِ دراز تک علماءِ عرب کو درسِ حدیث مصطفیٰ ﷺ دینے والے اوراز ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں مسند حدیث شریف اور مقامِ صدارت کوایک خاص انداز وطرز پر رونق بخشنے والے جانشینِ شیخ الہند حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ وبرد اللہ مضجعہٗ تھے۔ آمین!!

صحابی گو نہیں لیکن نمونہ تھے صحابی کے

حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحب دیوبندیؒ

حضرت خطیب الاسلامؒ کے اساتذہ میں سے میں نے جن چار حضرات کا انتخاب کیا، وہ انتخابِ روزگار ہی تھے۔ حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحب جو صاحبزادے ہیں، اُویسِ زمانہ محدث دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب کے۔

میاں صاحب کا خانوادہ وہبی بزرگوں میں سمجھا جاتا تھا، یہ دونوں حضرات صاحب کشف تھے، پڑھے لکھے لوگ، میاں صاحبؒ کے تلامذہ ہوں یا ارادت مند ہوں، آپ کے پاس آتے ہوئے ذرا گھبراتے تھے کہ میاں صاحب پر منکشف ہوجاتا تھا کہ آنے والا کیا کچھ ہے؟

حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ کی طرح، حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحبؒ کی بھی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی، دورۂ حدیث شریف کے اساتذہ میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ ابن حضرت النانوتویؒ، علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، مولانا سید مرتضٰی حسن چاند پوریؒ، والد محترم حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ، حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحبؒ سے مجھے شرف تلمذ تو حاصل نہ ہوسکا؛ کیوں کہ میں دارالعلوم میں ذرا تاخیر سے آیا، مگر زیارت کے شرف سے مشرف ضرور رہا؛ کیوں کہ جس سال میں دارالعلوم میں داخل ہوا، اس سال تدریس کا سلسلہ منقطع فرما چکے تھے مگر ناظم تعلیمات تھے اور پابندی سے تشریف لاتے تھے، آپ کی پیرانہ سالی اور ضعف کے لحاظ میں احاطۂ مولسری میں شمال کی جانب درمیانی درس گاہ میں امورِ تعلیمات انجام دینے کے لیے مقرر کردی گئی تھی، آپ کی معاونت میں حضرت الاستاذ مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیریؒ نائب ناظم تعلیمات بھی ساتھ ہوتے، آتے جاتے بہرحال رک کر روز ہی آپ کی زیارت کرتا۔ دل میں رعب اور دھاک تو پہلے ہی سے بیٹھی ہوئی تھی، اس لیے اس خیال سے کہ شاگردی نہ سہی روزانہ زیارت ہی غنیمت ہے، شام میں کبھی کبھی مکان سے گذرتے ہوئے بھی زیارت ہوجاتی تھی۔

حضرت میاں صاحب بڑی انفرادی خصوصیات کے حامل تھے، تربیت میں آپ کا انداز بے لچک ہوتا تھا، قطعاً رورعایت نہیں ہوتی تھی، طبعی ونسبی شرافت کے ساتھ نیک نفسی، اصول پسندی، استغناء اور سادگی مثالی تھی، درس گاہ میں آپ طلبہ کے سامنے ایک الگ ہی انداز کے، مشفق اور زیرلب متبسم ہوتے تھے۔ حضرت میاں صاحبؒ کا ایک خاص مزاج یہ تھا کہ آپ کسی طالب علم سے کسی قسم کا ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے۔ طالب علم کی تراشیدہ ڈاڑھی، سر پر بڑے بال اور تصنع وتکلف کو ناپسند فرماتے تھے اور خاص انداز پر تنبیہ واصلاح فرماتے تھے، جس کسی طالب علم کی جانب نگاہِ اصلاح اٹھ جاتی، کیا مجال کہ ہمیشہ کے لیے اس کی اصلاح نہ ہوجاتی۔

ابتداءً ملنے والے کو بظاہر ''سخت گیر'' نظر آتے؛ لیکن ایسا بالکل نہ تھا؛ بلکہ بقول سعدیؒ:

درشتی و نرمی بہم در بہ است
چوں رگزن کہ جراح و مرہم نہ است

کہ نرمی اور مروت بھی ساتھ ساتھ ہوتی۔

اس خانوادے کی نیک نفسی، مروت، اخلاقِ فاضلہ کا تجربہ براہِ راست مجھے رہا، اُس وقت سے جب میں دارالعلوم سے فراغت کے بعد ہی مدرسہ اصغریہ دیوبند میں میرا تقرر ہوا، فراغت سے دوسال پہلے جب میں نے داخلہ لیا تھا، جب ہی سے حضرت میاں صاحبؒ کے بھتیجے مولانا سید خلیل حسین میاں صاحب ناظم مدرسہ نے مجھے بتاکید فرمادیا تھا کہ فراغت کے بعد آپ یہیں رہیں گے، ہم دوسال انتظار کریں گے، اس طرح اس خانوادے سے بہت گہرا اور پائیدار ربط رہا۔ حضرت میاں صاحب کے صاحبزادے، جناب ماسٹر انظر حسین میاں صاحب سے یومِ تقرر ہی سے بڑا ہی مخلصانہ تعلق ہے، آپ اس وقت مدرسہ اصغریہ میں نائب ناظم تھے۔

اس خانوادے سے تعلق رکھنے والے، اخلاق حمیدہ میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں، کہہ سکتے ہیں کہ ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است!'' اور کیوں نہ ہوں کہ یہ سلسلہ نجیب الطرفین سادات کا ہے، بلاشبہ یہ خانوادہ، نجابت وشرافت کا نمونہ ہے۔

الغرض یہ کہ حضرت خطیب الاسلام ملت کے بڑے ہمدرد، امت کے نمایاں غمگسار، قوم کے لیے خلوتوں میں رونے والے رشتے تھے، دیوبندیت کا آپ سے بہترین ترجمان اس عہد میں کوئی نہیں، علم وفن میں مہارت تو مسلّم تھی، شرافت ومروت میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا، اسلاف کی شاندار روایات آپ کا طرّۂ امتیاز تھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کے جانے کے بعد اب ایک خوفناک اور پُر ہول سناٹا ہے:

اُف رے یہ دشتِ غم کا سناٹا
کوئی آواز دور، دور نہیں

وہ ہستی ہمارے درمیان سے اٹھ گئی، جسے دیکھ کر اکابر کی یادیں تازہ ہوجاتیں، وہ علومِ نانوتوی کے وارث، قضائے احمدیؒ کے پاسبان اور خطابت طیبیؒ کے امین تھے۔ بلاشبہ یہ حقیقت ہے کہ ''از قاسم تا سالم'' ڈیڑھ سو سالہ دارالعلوم کی تاریخ وروایات کے ایسے امین تھے جن کے تذکرے کے بغیر دارالعلوم کی تاریخ نامکمل رہے گی۔

رحمہُ اللّٰہ تعالٰی رحمۃً واسعۃً
و مغفرۃً کاملۃً

❖ ❖ ❖

قابلِ تقلید شخصیت

مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری ❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نوراللہ مرقدہٗ کی علالت اور دن بدن گرتی صحت کے بارے میں خبریں برابر موصول ہورہی تھیں اور انفرادی واجتماعی سطح پر ساری دنیا میں دعائے صحت کا اہتمام بھی ہورہا تھا کہ، شنبہ ۲۶؍رجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴؍اپریل ۲۰۱۸ء شام تین بجے کے قریب دورانِ سفر حضرت کے وصال کی افسوس ناک خبر موصول ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شب میں دس بجے جنازہ کی نماز ادا کی جائے گی۔ بندہ بذریعہ کار امروہہ سے کانپور ایک دینی جلسہ میں شرکت کی غرض سے جارہا تھا اور اگلے دن صبح نو بجے لکھنؤ میں صوبائی دینی تعلیمی بورڈ کی مجلس عاملہ بھی طے تھی۔

انتقال پر ملال کی اطلاع ایسے مقام پر ملی کہ وہاں سے اگر فوراً دیوبند کے لیے روانگی بھی ہوتی تو بھی نماز جنازہ میں شرکت ممکن نہ ہو پاتی، اس لیے بادل ناخواستہ سفر کو جاری رکھنا پڑا؛ البتہ اگلے دن کی میٹنگ کے ملتوی ہونے کی اطلاع ممبران کو دے دی گئی کیوں کہ متعدد اراکین کی میٹنگ میں شمولیت نماز جنازہ میں شرکت کی بناء پر ممکن نہیں ہو پارہی تھی۔

حضرت مولانا جماعت دیوبند میں اس وقت سب سے بزرگ، نمونۂ اسلاف، خاندانی روایات کے امین اور پورے طبقہ کے لیے سایہ دار شجر کی حیثیت رکھنے والے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی رحلت صرف اہل خانہ کے لیے ہی نہیں؛ بل کہ پوری جماعت کے لیے غیر معمولی رنج وغم کا باعث بنی اور ایسے خلا کو محسوس کیا گیا جس کا پُر ہونا بظاہر مشکل ہے، باری تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطاء فرمائے اور خدمات جلیلہ کا اپنی شایان شان بدلہ مرحمت فرمائے۔

اس گنہگار کو براہِ راست حضرت مولانا مرحوم سے استفادہ کا موقع اگرچہ بہت کم ملا؛ لیکن آپ کی شخصیت کا وقار وعظمت، دل کے اندر شروع ہی سے رہا کیوں کہ گھر میں ہم نے ہمیشہ آپ کا تذکرہ بہت قدر ومنزلت کے ساتھ ہوتا ہوا سنا۔ حضرت اقدس والدِ محترم دامت برکاتہم کو چوں کہ آپ سے شرف تلمذ حاصل تھا اور فنِ کلام کی مشہور کتاب ''شرح عقائد نسفی'' آپ سے پڑھی تھی۔ اس لیے عقیدت مندانہ انداز میں آپ کا ذکر خیر ہوا کرتا تھا۔

❖ استاذ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

جوہر خطابت

طالب علمی کے زمانے میں پہلی مرتبہ آپ کی گفتگو سننے کا موقع اس وقت ملا جب آپ دیوبند کے ایک معزز گھرانے میں خاندان کے سرپرست کی وفات کے موقع پر بہ غرض تعزیت تشریف لے گئے اور اہل خانہ کی تسلی کے لیے کچھ دیر نصیحت فرمائی اور تعزیتی کلمات کہے مختصر سے وقت میں قرآنی آیات واحادیث سے مزین ایسی جامع پرتاثیر اور اعلیٰ درجہ کی گفتگو آپ نے فرمائی کہ سننے والے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

آپ کا کمال یہ تھا کہ اونچے، معیاری، نہایت بلیغ اور موزوں الفاظ اور جملوں کے استعمال کے باوجود بڑے تسلسل اور روانی کے ساتھ بے تکان گھنٹوں بولتے چلے جاتے تھے اور اس میں کسی طرح کے تصنع اور بناوٹ کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا بلکہ وہبی طور پر فطرتاً یہ کمال آپ کو من جانب اللہ ودیعت کیا گیا تھا اور غایت درجہ خلوص کی بات یہ کہ مجمع کی قلت وکثرت کا آپ کے انداز بیان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اور پوری بشاشت کے ساتھ آپ علوم ومعارف کے دریا انڈیلتے رہتے تھے۔ جس مضمون کو بھی آپ بیان کرنا شروع فرماتے اس کا پورا حق ادا کرتے ہوئے سیر حاصل گفتگو فرماتے۔

ادیبانہ شان

تقریر کی طرح آپ کی تحریروں میں بھی بلا کا ادب، غضب کی چاشنی اور بھرپور علمی مواد پایا جاتا تھا۔ ''مردان غازی'' کے نام سے اسلام کی زریں تاریخ پر مشتمل ۲۴ صفحات کا ایک رسالہ آپ کے گہربار قلم سے ایسے افسانوی انداز میں لکھا ہوا ہے کہ شروع کرنے کے بعد ختم کرنے سے پہلے چھوڑنے کا جی ہی نہیں چاہتا۔ اس تحریر میں بڑے خوب صورت اور دل کو اپیل کرنے والے انداز میں یہ بتایا گیا ہے کہ ماضی میں وہ کیا اسباب تھے جن کی بناء پر مسلمان سارے عالم کے اندر چھاتے چلے گئے اور فتح وکامرانی ان کے قدم چومتی رہی اور آج کیوں مسلمانوں کو پہلے سے زیادہ عددی قوت کے باوجود ہزیمت در ہزیمت اور شکست کے بعد شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ذلت وخواری اور پستی ان کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ رہی ہے۔ ذرا اس تحریر کا یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے اور حضرت کے زور قلم اور قوت بلاغت کی داد دیجیے:

> ''امیر جیش خالد بن ولید منصور من اللہ تین سو عسکریوں میں سے ساٹھ ہزار کے جم غفیر سے لڑنے کے لیے سپاہی انتخاب فرمارہے ہیں اور ایک مسلسل خاموشی سے یہ کام ہو رہا ہے۔
>
> چند منٹ میں یہ مہم طے ہوگئی اور تین سو میں سے تیس جانبازوں کا انتخاب فرما کر روانگی کے لیے تیار ہیں، پیکر حریت ابوعبیدہ نے سامنے آکر باادب عرض کیا: آپ اس وقت جس مہم کے لیے ہم میں

سے جس کو منتخب فرمائیں اس کی اطاعت ہمارا ایمان اور سر دھڑ کی بازی لگا دینے میں ہم مسرور ہیں، آپ کا تدبر ہمارے لیے ہدایت ہے آپ کا تفکر ہماری فتح مندی ہے؛ لیکن صرف تیس آدمی اور ساٹھ ہزار کا مقابلہ کیا خود کشی کا مرادف نہ سمجھا جائے گا؟ بے بصیرت دنیا والوں کے لیے کیا یہ مضحکہ خیز نہ ہوگا؟ کیا خاکم بدہن اس جنگ کا ہمارے حق میں تاریک پہلو آنے والی نسلوں کو ہماری بداندیشی پر آٹھ آٹھ آنسو نہ رلوائے گا۔ امیر المجاہدین رحم فرمائیے، خدا کے لیے رحم فرمائیے اور فی الحال جنگ کو ملتوی فرمائیے اور...... یا کم از کم اس پوری قوم کو اجازت دیجیے تا کہ کسی کو ارمان نہ رہ جائے۔

امیر جیش خالد بن ولید نے فرمایا تم نے عہد و پیمان کیے تھے، تم جام شہادت کی جرعہ نوشی کی سچی طلب لے کر گھروں سے نکلے تھے، کیا اس وقت جب کہ یہ جام خود بخود تمہارے لبوں تک آنے کے لیے بے تاب ہے تم اسے پی جانے سے اعراض کروگے؟ کیا تمہاری بداندیشی نہ ہوگی اور کیا آنے والی نسلوں کو یہ خون کے آنسو رلانے کے لیے کافی نہیں ہوگی؟ کیا یہ تمہاری جبین شجاعت پر ہمیشہ کے لیے کلنک کا ٹیکہ نہ لگ جائے گا کہ خدائی لشکر لڑے بغیر ہی اُلٹے پیر واپس ہوگیا، اس نے ہزیمت مان لی۔

ہاں ہمیں انسانی خون بہانا پسند نہیں؛ لیکن اسی کے ساتھ صدائے حق کو دنیا کے کانوں تک پہنچانا بھی ہے اور بتلانا ہے کہ سر بلندی صرف خدا کے لیے ہے۔ اس کے سامنے سب کی گردنیں خم کرانی ہے۔

ہمیں نہ اپنی عددی اقلیت کا غم ہے، نہ سامان حرب کی قلت ہمارے لیے سوہان روح ہے۔ نہ ہمیں اپنے تدبر پر گھمنڈ ہے۔

ہاں ہمیں ناز ہے تو اس امانت پر کہ جس کو خدائے قدوس نے ہمارے سینوں میں محفوظ فرمایا، ہمیں فخر ہے تو اس پیغام پر جو صادق مصدوق نے ہمیں دنیا کو سنانے کے لیے دیا ہے۔ اس کے لیے تیس تو تیس اگر ایک بھی ہو تو اسے ہزاروں کے سامنے ڈٹ جانے میں تأمل نہ ہونا چاہیے۔ بہر حال میں آپ کے خاطر ان تیس میں تیس کا اور اضافہ کرتا ہوں اور اس یقین کے ساتھ کہ ان میں سے ہر ایک، ایک ہزار کے لیے کافی ہے۔ امیر جیش خالد بن ولید نے اس ایمان پرور تقریر کے بعد تیس جانبازوں کا اور انتخاب فرمایا اور باقی ماندہ لشکروں کو ہدایات دیں یہ ساٹھ نفوس قدسیہ کا مقدس لشکر ساٹھ ہزار کے انسانی طوفان سے ٹکر لینے کے لیے روانہ ہوا۔"(۱)

دیکھئے کیسے اچھوتے انداز میں حضرت مرحوم نے اس وقت کے منظر کی عکاسی کی ہے۔ آپ ہی بتائیے جب اس جذبہ کے ساتھ کوئی لشکر اپنے دشمن سے مقابلہ کے لیے روانہ ہوگا تو اس کو غلبہ کیوں نہ نصیب ہوگا چناں چہ ہوا بھی یہی عددی اعتبار اس معمولی مگر ایمانی جذبات سے لبریز جتھے نے دشمن کے گیارہ ہزار

(۱) مردانِ غازی

سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر بقیہ سب کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اور ان کے صرف پانچ ساتھیوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اللہ والوں نے اللہ کا بول بالا کیا اور حمص پر اسلامی پھریرا لہرانے لگا۔

حالات کے گرداب میں پھنسی امت مسلمہ کو اس واقعہ کے ذریعہ یہ پیغام دیا گیا کہ اگر اللہ سے رشتہ مضبوط ہو، عزم و ہمت بلند ہو، ہر کام میں مقصد اللہ کی رضا ہو تو قدم قدم پر نصرت خداوندی شامل حال ہوگی اور ذلت عزت سے، پستی بلندی سے اور ہزیمت فتح سے تبدیل ہوتی چلی جائے گی۔

مثالی تواضع

حضرت مرحوم میں تواضع کا وصف بڑا مثالی اور نمایاں تھا آپ کے قریب اور ماتحت رہنے والے حضرات کا کہنا ہے کہ تمام تر اختیارات کے باوجود کبھی حضرت نے تحکمانہ انداز نہیں اختیار فرمایا، ہمیشہ بڑی شفقت و نرمی کا معاملہ فرمایا، بسا اوقات آپ کی نرمی سے لوگوں نے غلط فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی تو بھی اپنی طبعی سلامت روی کی وجہ سے آپ ان کے ساتھ سختی سے پیش نہ آئے، بل کہ درگزر سے کام لیا۔

آپ کی مجلس باوقار اور سنجیدہ ہوتی تھی، کسی کی غیبت یا برائی سے آپ کی زبان محفوظ رہا کرتی تھی اور نہ اس عادت کے لوگوں کو آپ پسند فرماتے تھے۔ آپ کا در دولت ہر کس و ناکس کے لیے کھلا رہتا تھا اور سب سے پوری توجہ اور تعلق خاطر کے ساتھ ملاقات اور گفتگو فرماتے تھے معمولی سے معمولی آدمی بھی اگر خلوص کے ساتھ اپنے گھر مدعو کرتا یا کسی پروگرام میں بلاتا اور آپ کے پاس وقت ہوتا تو منع نہ فرماتے اور مشقت اُٹھا کر وقت مقررہ پر اس کے یہاں پہنچتے اور قیام و طعام یا پروگرام کی ترتیب میں خواہ کتنی ہی بدنظمی کیوں نہ ہو کوئی شکایت نہ فرماتے اور سب چیزوں کو خوش طبعی کے ساتھ برداشت فرمالیتے۔

تقریباً آٹھ سال پہلے کی بات ہے اچانک معلوم ہوا کہ کہ حضرت اقدس مولانا محمد سالم صاحب نور اللہ مرقدہٗ امروہہ تشریف لا رہے ہیں، تعجب ہوا کہ شہر میں کسی بڑے پروگرام کا کوئی علم نہیں اور اتنی بڑی شخصیت قدم رنجہ فرمانے والی ہے، داعی اور میزبان حضرات سے رابطہ کر کے معلوم کیا گیا کہ کس مناسبت سے حضرت کی تشریف آوری ہو رہی ہے، پتہ چلا کہ بازار میں ایک صاحب جوتے کی چھوٹی سی دوکان کھول رہے ہیں، اس کے افتتاح کے لیے حضرت تشریف لانے والے ہیں، چناں چہ اگلے دن حضرت تشریف لے آئے، وعدہ کے مطابق دکان میں تشریف لے گئے دعاء فرمائی اور پھر جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں تشریف لائے۔ ہم لوگوں نے عرض کیا حضرت پہلے سے آپ کی آمد کا علم ہوتا تو ہم کسی پروگرام کا نظم کر لیتے، بہت سے لوگوں کو فائدہ ہو جاتا۔ فرمایا مجھے بھی پروگرام کی تفصیلات معلوم نہیں تھیں، میرٹھ میں تعلق رکھنے والے ایک صاحب نے امروہہ کا یہ پروگرام لیا تھا اسی کے مطابق آنا ہو گیا، یہاں آ کر محسوس ہوا

کہ مجھے مغالطہ میں رکھا گیا، محض کھانا کھانے کے لیے یا کسی دکان کا افتتاح کرنے کے لیے اتنا لمبا سفر جب کہ اس میں کوئی دینی فائدہ نہ ہوا، طبیعت پر بوجھ بنتا ہے؛ لیکن مدرسہ میں آکر اور طلبہ سے گفتگو کرکے میری طبیعت بہت ہلکی اور خوش ہوگئی اور میرا یہ سفر کامیاب ہوگیا۔ کئی گھنٹہ مدرسہ میں قیام رہا، اساتذہ اور طلبہ کو نصیحت فرمائی اس کے بعد واپس دیوبند تشریف لے گئے۔

سب لوگ حیرت میں تھے اس پیرانہ سالی میں ایک متعلق کا دل رکھنے کے لیے آپ نے اتنا طویل سفر کیا اور زحمت برداشت کی۔

بڑے لوگوں کی شان بھی بڑی ہوا کرتی ہے، آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے؛ لیکن آپ کا یہ علمی ذوق، بلند اخلاق، سادگی اور راست بازی وہ عظیم ورثہ ہے جو آپ کے بعد رہ جانے والے لوگوں کے لیے نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نسبتاً طویل عمر گزارنے کے بعد دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ ہر شخص آپ کے حسن عمل کا معترف اور پاکیزہ زندگی سے متاثر ہے اور یہی وہ صفت ہے جو انسان کو رب ذوالجلال کی نگاہ میں بہترین بنادیتی ہے۔

اللہ پاک ہمیں بھی ان صفات کو اپنانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

❖ ❖ ❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ

ایک فقید المثال شخصیت

ڈاکٹر عبد الرحمٰن ساجد الاعظمی ❖

جب گاؤں سے دیو بند پہونچا، شکر پروردگار، دارالعلوم کی پرشکوہ عمارت نظروں کے سامنے تھی۔ اس کی روح پرور علمی فضا، یکتائے روزگار، قدسی صفات علمائے راسخین کے پاکیزہ جلوؤں سے آباد تھی۔

مسند اہتمام پر فخر زمن، حکیم الاسلامؒ۔ مسند حدیث پر فخر المحد ثین حضرت مولانا فخر الدینؒ اور ان کے جلو میں یمین و یسار علوم و معارف کے حامل پاک طینت اساتذہ، مولانا فخر الحسن صاحبؒ، مولانا عبد الاحد صاحبؒ، مولانا شریف الحسن صاحبؒ، مولانا نصیر الدین خان صاحبؒ، مولانا اختر حسین صاحبؒ، مولانا معراج الحق صاحبؒ، مولانا محمد حسین ملا بہاری صاحبؒ، مولانا انظر شاہ کشمیری صاحبؒ، مولانا نعیم احمد صاحبؒ، مولانا وحید الزماں کیرانوی صاحبؒ، مولانا خورشید احمد صاحبؒ، اور خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ، جیسی نابغۂ روزگار شخصیات سے دارالعلوم کا گوشہ گوشہ قابل رشک بنا ہوا تھا، آج نہ وہ لوگ ہیں اور نہ وہ باتیں، دارالعلوم وہی ہے، اور آج بھی انہیں بزرگوں کے نقوش وخطوط پر گامزن ہے۔ مگر ”ملا کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور“ میں کتنا فرق ہے، ماضی سے پوچھئے۔

اور نہ اب وہ معصوم سی صورتیں ہیں اور نہ وہ دلآویز آوازیں، صورتیں روپوش، آوازیں خاموش۔

ع : اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

سب رخصت ہو گئے، جو زندگی میں دارالعلوم کی پیشانی کا نور تھے، اب وہ گلشن قاسمی کی زینت ہیں، دعا یہی ہے کہ گلشن قاسمی کے آفتاب و ماہتاب پر ہمیشہ نور کی نگہبانی رہے۔

یہ ۱۹۷۰ء کی بات ہے، جب ان بزرگوں کی زیارت کا موقع ملا اور حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ انہیں کا تذکرہ، انہیں کی یادیں، انہیں کے اوصاف حمیدہ، انہیں کی باتیں، آج سب کی زبان پر ہیں۔

اگر عہد عتیق کے کسی یونانی مصور سے کہا جائے کہ کوئی ایسی تصویر بنا دو، جس کے سراپا سے وقار و

❖ سابق استاذ مدرسہ عربیہ امدادیہ کوئریاپار، ضلع مئو

متانت، صلاح وتقویٰ، علم وفکر، حلم ومروت، عظمت وشوکت، جاہ وحشمت، لطافت ونفاست کا عکس نمایاں ہو، جس کے چہرے کے خدوخال سے باطنی نور کا غازۂ جمال جھلکتا ہو اور جس کی پیشانی سے بزرگی، محبت اور خلوص کے آثار ہویدا ہوں تو وہ تصویر ہوتی خطیب الاسلامؒ کی۔

اگر تاریخ سے پوچھا جائے کہ تمہارے سینے میں محفوظ وہ کون کونسی شخصیات ہیں، جنہوں نے ہر چیز سے زیادہ اہم، گراں مایہ، اور بیش قیمت متاع وقت کو سمجھا، اور اپنی عائلی، معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں اس احساس کی مکمل پاسداری کی اور اصول کو وقت کی نازک لڑی میں ہمیشہ پروئے رکھا، تو اس میں ایک نمایاں نام خطیب الاسلامؒ کا بھی ضرور آئے گا۔ وقت کی معنویت وعظمت کا احساس، اصول پسند طبیعت، یہ خاندانی وراثت کی دین ہے یا حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی وہ نظر کیمیا کا اثر، جو درس تھانویؒ کے فیضان سے ان کے حصہ میں آیا۔

وہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آداب فرزندی

لکھنے والوں نے لکھا، دیکھنے والوں نے دیکھا، سنجیدگی وشائستگی کا وہ پیکر ناز، ملت کا عظیم قائد، دارالعلوم کا عالی مرتبت معلم ومربی، درس دینے کے لیے مکان سے دارالعلوم کی طرف سبک خرام ہے، قدم، قوت سے اٹھتے ہیں، گویا قدم اٹھانے اور زمین پر رکھنے کی کیفیت ”**اذا مشیٰ تقلّع**“ کی عملی تفسیر ہے، شمائل ترمذی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار کے بارے میں آتا ہے، ”**اذا مشیٰ تقلّع کانما ینحط من صببٍ**“ جب آپ چلتے تو قدم قوت سے اٹھا کر زمین پر رکھتے، کچھ اسی کیفیت کے ساتھ دارالعلوم کے دروازے تک پہونچتے۔ اگر گھڑی دو منٹ سے زیادہ ہونے کا اشارہ دیدیتی تو پھر وہیں سے مکان واپس ہوجاتے۔ یہ منظر آج بھی نظروں کے سامنے ہے، یہ انداز شاید اس لیے تھا کہ کہیں ذرا سی بے اصولی متعدی نہ ہوجائے اور تشنگان علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل ودماغ سے وقت کی اہمیت کا احساس نہ جاتا رہے۔ اس لیے ذرا سی تاخیر بھی طبیعت پر اس قدر بار ہوجاتی کہ وہیں سے واپس ہوجاتے۔ اس صورت میں جلالین کا سبق تو نہ ہوتا لیکن عملی طور پر ایک خاموش پیغام دارالتفسیر کی بلندیوں پر چشم براہ طلبۂ عزیز تک یہ ضرور پہونچ جاتا کہ جو کام بھی کیا جائے، اس میں وقت کی پابندی کا بہرصورت پاس ولحاظ رکھا جائے، یعنی ”**خیر العمل مادیم علیه ولو قلّ**“ پر عمل ہو۔ اسی میں برکت ہے اور دوسروں کے لیے سہولت بھی۔

مگر افسوس! آج دستور، اصول، ضابطہ سب کچھ ہے، مگر وقت کی پابندی کا احساس نہیں، ضابطہ پر رابطہ غالب ہے، ایک بزرگ نے حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے فرمایا کہ حضرت ہمارے یہاں تو ضابطہ کے بجائے رابطہ سے زیادہ کام لیا جاتا ہے، اس پر مولانا نے فرمایا کہ کیا فقہاء سب پاگل تھے، جو انہوں نے اصول وضابطہ پر کتابیں لکھیں۔

بہر حال! اصول پسند طبائع کو رابطہ نہیں، ضابطہ اچھا لگتا ہے، کیوں کہ اس میں وقت کی قدر و قیمت اور ہر قسم کی سہولت و راحت ہے، اصول کے چار حرفوں میں مضمر یہ کہانی، واپسی کے سادہ سے لفظوں میں پوشیدہ ہے۔

خانوادۂ قاسمی کے چشم و چراغ، علوم نانوتوی کے شارح، فکر ولی اللّٰہی کے رمز شناس، مسلک دیوبند کے ترجمان، خطیب الاسلام کو حکیم الاسلام سے بہمہ طور کس قدر مناسبت تھی، اندازہ لگائیے، سر پر بلند دوپلّی ٹوپی وہی، صورت میں معصومیت وہی، سیرت میں پاکیزگی وہی، اخلاق میں وسعت وہی، تواضع اور انکساری کی خوبی وہی، گفتگو میں ٹھہراؤ وہی، رفتار میں شائستگی وہی، خورد نوازی اور شفقت میں انداز وہی، صبر و شکر اور تحمل و برداشت میں خوشگواری وہی، اگر جملہ محاسن کو سمیٹ کر یہ کہہ دیا جائے کہ وہ "الولد سر لابیہ" کے مکمل مصداق تھے، تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا، بلکہ۔ ع: "یک حرف بیش نیست سراسر حدیث شوق" کا صحیح اظہار ہوگا۔

خطابت میں دیکھئے تو آواز کے فرق کے سوا، رنگ وہی، طرز وہی، تسلسل، دھیما پن، نکتہ آفرینی اور جدت و ندرت کا حسن ذوق وہی، علم و حکمت پر مشتمل، پرسکون، پرکشش اثر انگیز بیان کا لہجہ وہی، جو سامعین کے دلوں میں اس طرح نفوذ کر جاتا تھا، جس طرح خوشبو ہواؤں میں اور پانی زندگی میں سرایت کر جاتا ہے۔

اجلاس صد سالہ کے بعد جو نزاع کی صورت پیدا ہوئی، وہ سب پر عیاں ہے، راقم الحروف نے اسی دور میں سنا تھا کہ جب قاری صاحبؒ کو سہارنپور کی عدالت میں لے جایا گیا، تو آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ کیا میں اپنوں کے خلاف گواہی دوں، اسی طرح "کئی بار اپنی جماعت کے لوگوں سے فرمایا تھا کہ اگر تمہیں لڑنا ہے تو قائد اور سپہ سالار بدل لو، میں دارالعلوم کے حوالہ سے کسی اختلافی جھگڑے کی قیادت کا کسی طرح بھی اہل تھا اور نہ ہوں" (پس مرگ زندہ) اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اختلاف و نزاع تو ان کی فطرت و طبیعت سے کبھی ہم آہنگ نہ تھا۔

خطیب الاسلامؒ کی زندگی بھی اسی سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی، خاندان کی پاکیزہ روایت سے انحراف ممکن ہی نہ تھا، حکیم الاسلامؒ کی آغوش تربیت میں جس ذات نے نشو و نما پائی ہو اور زندگی بھر جس نے احترام و فرمانبرداری کو حرز جان بنائے رکھا ہو اور ان کی وفات کے بعد ان کے جذبۂ دروں کی کسک نے جس کو ہمہ وقت مضطرب و بے چین رکھا ہو، وہ حکیم الاسلامؒ کی آخری خواہش اور دعا کو، جو مولانا منظور نعمانی کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا "دعاء ہے کہ دارالعلوم کا پہلا رنگ جس میں روحانیت تھی، اور سب ایک تھے اور فیصلے ایک رائے سے ہوتے تھے، پھر بہ حال ہو جائے" (۱)

چناں چہ دنیا نے دیکھا کہ مقدمہ عدالت میں ہے؛ لیکن صلح جو پاک طینت، طبیعت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ معاملہ کو پیراشوٹ کی طرح کھول کر پھیلایا جائے، بلکہ ماضی کی تلخیوں کو یکسر بھلا کر ایک

(۱) پس مرگ زندہ

نئے دور کا آغاز کیا جائے، آسان نہیں ہے۔ دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے! کہ جس کا سب کچھ لٹ گیا ہو، زمانے کے سب سرد وگرم کو بھول کر وہ خود کو صلح ومصالحت کے لیے سلسلہ جنبانی پر آمادہ کرلے، یہ بڑے ظرف اور بلند حوصلے کی بات ہے، سچ ہے۔

جن کے رتبے ہیں سوا، ان کے سوا مشکل ہے

یہ حوصلہ اور پاکیزہ ذوق ملتا ہے کیسے؟ حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا کہ بزرگوں کے پاس رہ کر علم حاصل نہیں کیا جاتا؛ بلکہ ذوق حاصل کیا جاتا ہے، سوچئے! جس کو یہ ذوق وراثت میں ملا ہو، جس نے گھر کی مزکّٰی اور نورانی فضاؤں میں آنکھیں کھولی ہوں اور ۶۲ ربرس تک جس نے گھر کی پاکیزگی وپرہیزگاری اور خلوص پدری کو نہ صرف دیکھا ہو؛ بلکہ اپنے رگ وپے میں جذب کرنے کی سعادت پائی ہو، اس نے نزاعی وقت کی ناخوشگواریوں کو کس طرح برداشت کیا ہوگا؟ اور خاندانی امانت کو کیسے سنبھال کے رکھا ہوگا؟ مگر جس نے سکوت، صبر اور غناء میں ہر قسم کی پریشانی کا حل ڈھونڈ لیا ہو، اس کے سامنے پھر کوئی مشکل، مشکل نہیں رہتی۔

اور ہوا بھی یہی کہ ایک طویل مدت کے بعد ۲۰۰۵ء میں وہ ساعت فرّخ اور مبارک گھڑی آ گئی، جب آپ نے دارالعلوم کے حوالے سے نزاع کے سبھی دروازے بند کر کے بلا شرط مصالحت کے ساتھ تمام مقدمات واپس لے لئے، اس طرح حضرت قاری صاحبؒ کے دلی جذبات کی تکمیل ہوگئی اور شکستہ دل سے نکلی ہوئی دعاء پوری ہوگئی، پھر تو برسوں سے بچھڑے ہوئے دل مل گئے، گلے شکوے سب جاتے رہے، وہ سماں بھی کتنا سہانا ہوگا،

جب صلح ہو جائے پیکار ہو کر

لوگوں نے محسوس کیا کہ جیسے موسم کی تیز وتند گرم ہواؤں پہ یکا یک سحابِ کرم نے اپنی چادر تان دی ہو، خزاں رسیدہ چمن میں شبنمی پھواروں نے شادمانی کے گل، بوٹے کھلا دئے ہوں، اور نسیم سحر کے خوشگوار جھونکوں نے شب دیجور کے ختم کرنے کا اعلان کر دیا ہو۔

چلو یہ بات بھی طے ہوگئی محبت میں
کہ اس میں جیت ہے جس کی، اسی کی ہار بھی ہے

اس طرح ہار، جیت کے تصور سے بے نیاز، محبت کا وہ تابناک فلسفہ پیش فرمایا، جس میں حضرت حسنؓ کی طرح صلح کا اعلیٰ کردار اور حضرت یوسفؑ کی طرح پیار بھرا جذبہ بھی شامل رہا، اُدھر لوگ مل گئے، اِدھر دل مل گئے، زندگی کے اس فلسفہ میں پیار ومحبت کا ایسا رنگ بھر دیا کہ رہتی دنیا تک اس کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

کتنی حسین صبح، حسیں شام آئے گی　☆　لیکن تمہاری یاد بھلائی نہ جائے گی

❖ ❖ ❖

اِک چراغ اور بجھا دور تک اندھیرا ہے

مولانا محمد قمر عثمانی ❖

جس بات کا اندیشہ تھا، جس خبر کو سننے کے لیے طبیعت آمادہ نہیں تھی، وہ وحشت انگیز خبر بہر حال آ کر ہی رہی۔ اسلاف کے اوصاف جمیلہ کے خوبصورت نمونہ، جلیل القدر عالم دین، علوم قاسمی کے امین حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا مختصر علالت کے بعد انتقال ہو گیا۔ ایک دور علم فن کا آپ کے ساتھ رخصت ہو گیا۔ حضرت موصوف جن اوصاف عالیہ کے حامل تھے اس پر لکھنے والے بہت کچھ لکھیں گے اور لکھا بھی جانا چاہیے، وہ اپنے آپ میں علم وعرفان کا ایک بولتا ہوا چمن، ایک مہکتا ہوا گلدستہ تھے۔ حضرتؒ کے رخصت ہو جانے کے بعد بہت سی باتیں یاد آئیں گی، زندگی کے متعدد پہلو سطح ذہن پر ابھریں گے اور مولانا مرحوم کی یاد کو تازہ کریں گے۔ مولانا نور اللہ مرقدہٗ کا انتقال کسی ایک فرد، ایک خاندان کا غم یا خسارہ نہیں بلکہ پوری ملت کا غم اور خسارہ ہے۔ وہ جیسی بابرکت نسبتوں کے حامل تھے کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہوگی۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے آپ کو شرف تلمذ حاصل تھا۔ مولاناؒ نے حضرت تھانویؒ سے میزان الصرف پڑھی اور دعائیں لیں، یہ اتنی بڑی سعادت ہے جس کی قدر و قیمت کا اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم دین اور نور باطن کی نعمت سے نوازا ہے۔

خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کو حضرت شاہ عبد القادر صاحبؒ اور حضرت حکیم الاسلامؒ نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت و خلافت کا شرف حاصل تھا۔ حضرت مولانا نے اس امانت کو دوسروں تک پہنچاتے ہوئے ہزاروں طالبان دین تک اس امانت کو پہنچایا، آج وہ مولانا مرحوم کے لیے بلاشبہ صدقۂ جاریہ بنے ہوئے ہیں۔ ۱۹۲۶ء مولانا مرحوم کا سن پیدائش ہے، ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے عربی تعلیم کا آغاز کیا۔ ۱۹۴۸ء میں فراغت حاصل کرنے کے بعد ہی دار العلوم دیوبند میں بحیثیت استاذ آپ کا تقرر ہو گیا اور ابتدائی کتابیں آپ سے متعلق رہیں، اس کے بعد بخاری شریف اور ابوداؤد شریف، مشکوٰۃ شریف جیسی وقیع کتابیں آپ نے پڑھائیں۔ دار العلوم کے کامیاب مدرسین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ کے حدیث شریف کے اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا اعزاز علی، حضرت مولانا سید فخر الحسن رحمہم اللہ قابل ذکر ہیں۔ حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مقدہٗ نے مولانا مرحوم کی تربیت اس

❖ استاذ دار العلوم وقف دیوبند

طرح فرمائی کہ دنیا نے مولانا مرحوم کی علمی عظمت کا اعتراف کیا۔ احقر راقم الحروف کو حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد حضرت حکیم الاسلامؒ کی مجلس میں حاضری کا بہت شوق تھا۔ ایک مرتبہ احقر مجلس میں حاضر تھا، حضرتؒ علمی ارشادات سے مجلس کو منور فرما رہے تھے کہ دہلی کی ایک معروف شخصیت مستحسن فاروقی ایڈیٹر ماہنامہ ''آستانہ و پیام مشرق'' تشریف لائے، یہ حضرت سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ ملاقات کے دوران انہوں نے کہا: ''آپ سالم میاں کو نائب مہتمم کیوں نہیں بناتے؟'' حضرت نے جواب دیا: ''میں چاہتا ہوں کہ وہ علمی لائن سے ترقی کریں، انتظامی امور میں پھنس کر یکسوئی اور ذہنی سکون باقی نہیں رہتا، جو علمی مشغلہ کے لیے ضروری ہے۔'' اس سچی بات کی سچی تصویر دنیا نے دیکھ لی کہ حق تعالیٰ نے جہاں اور بہترین صلاحیتوں سے نوازا تھا وہیں علم دین کی بیش بہا نعمت سے بھی حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کو سرفراز فرمایا تھا۔ میں نے بہت مرتبہ دیکھا کہ جس مجلس میں تشریف فرما ہوتے آپ کے علمی ارشادات سے چمک اٹھتی، جہاں جاتے علوم و معارف کے تابندہ نقوش چھوڑ آتے۔

چمکتے ہوئے کچھ نشاں چھوڑ آئے
جہاں بھی گئے داستاں چھوڑ آئے

ایک واقعہ چشم دید ذکر کرتا چلوں، قصبہ کھتولی ضلع مظفر نگر میں ایک جلسہ تھا، حضرت خطیب الاسلامؒ اس میں مہمان خصوصی تھے، احقر بھی وہاں حاضر تھا، حضرت مولانا کا بیان ہوا، بہت مفصل تقریباً دو گھنٹے۔ موضوع تھا ''اسلام کی حقانیت توحید کی حقیقت'' بیان ایسا جامع، اتنا مدلل اور علمی تحقیقات پر مشتمل تھا کہ سامعین جن میں اکثر تعلیم یافتہ نوجوان تھے بے ساختہ تمام صدائے تحسین بلند کرنے لگے اور ان حکیمانہ ارشادات پر حیران رہ گئے جو تقریر میں بیان ہوئے تھے۔ ایک سفید ریش بزرگ عالم جو حضرت کو جانتے نہیں تھے وہ پوچھنے لگے یہ کون ہیں؟ میں نے حضرت کا تعارف کرایا کہ حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے صاحبزادے، قاسمی خاندان کے ممتاز فرد اور علوم قاسمی کے امین ہیں۔ وہ بے ساختہ کہنے لگے ''بلاشبہ ان کو ایسا ہی ہونا چاہیے''۔ ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' قاسمی خاندان کا ایک ایک فرد اپنی شرافت و نجابت میں اپنی منفرد شناخت رکھتا ہے۔ خطیب الاسلام مرحوم تدریس ہو، تقریر ہو، تحریر ہو ہر عنوان سے اور اپنی مخلصانہ علمی خدمات کے اعتبار سے تاریخ ساز حیثیت کے حامل تھے، تدریسی حیثیت سے دیکھئے تو آپ نے ابتدائی کتابوں سے لے کر حدیث و تفسیر کی اعلیٰ کتابیں کامیابی کے ساتھ پڑھائیں۔ تقریر میں آپ کو حق تعالیٰ نے باوقار لہجے کے ساتھ خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، آپ کی تقریر علمی نکات پر مشتمل علمی تقریر ہوتی تھی، آپ کا علمی استحضار ایسا کہ کہنے والے آپ کو علم کا سمندر کہتے تھے۔ جن لوگوں نے مولانا مرحوم کی تقریریں سنی ہیں وہ یقیناً اس کی شہادت دیں گے۔ آپ کا بیان قرآن کریم اور احادیث کے قیمتی موتیوں

سے مرصع اور مزین ہوتا تھا۔ سننے والے اپنے اپنے ظرف کے مطابق دامن بھر کر جاتے تھے۔ راقم الحروف کو نہ جانے کتنی مرتبہ حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت خطیب الاسلام طاب اللہ ثراہ کے بیانات سننے کا شرف حاصل ہوا جب سنا بے ساختہ زبان سے نکلا ''ایسا کہاں سے لاؤں کے تجھ سا کہیں جسے'' احقر کو زندگی میں متعدد نامور ارباب علم وفضل مقررین کی تقاریر سننے کا اتفاق ہوا ہے، جو نام سطح ذہن پر روشن ہیں ان میں حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت خطیب الاسلام طاب ثراہ کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔ تدریس اور تقریر کی طرح آپ کی تحریر بھی عالمانہ شان کی حامل اور تحقیقی ہوتی تھی۔ جو مقالے، جو تصانیف آپ نے تحریر فرمائیں اہل علم وخبر کے لیے سرمایۂ بصیرت ہیں۔ ظاہری اعتبار سے بھی حق تعالیٰ نے آپ کو علمی وقار عطا فرمایا تھا جہاں اور جس مجلس میں تشریف فرما ہوتے وہاں آپ ہی مرکز توجہ ہوتے، کچھ ارشاد فرماتے تو اہل مجلس ہمہ تن گوش ہو کر سنتے، آپ پر ''صدر ہر جا کے نشیند صدر است'' والا جملہ صادق آتا، ایسے دل نشیں مناظر بھی احقر نے نہ جانے کتنی مرتبہ دیکھے ہیں، جب بھی حضرت خطیب الاسلامؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا اتفاق ہوتا روحانی اور نورانی کیفیت سے دل خوش ہو جاتا۔

الٰہی وہ صورتیں کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

حضرت مرحوم ایک علمی شخصیت تھے، ہر عمل میں علم کا دل کش رنگ واضح طور سے نمایاں ہوتا تھا۔ احقر کو حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کی مجلس میں اور حضرت خطیب الاسلام طاب ثراہ دونوں بزرگوں کی مجلسوں میں حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے۔ دونوں جگہ محسوس ہوتا تھا کہ علمی حقائق کو زبان مل گئی ہے، نور معرفت کے دریچے کھل گئے ہیں۔ سطح ذہن پر نہ جانے کیسی کیسی یادیں نمایاں ہو رہی ہیں۔ ایک مرتبہ احقر مجلس میں حاضر تھا۔ مولانا انوار صاحب سابق استاذ دارالعلوم وقف دیوبند اور بعض دوسرے حضرات بھی تھے، حضرت مرحوم نے اپنے فارسی اشعار سنائے، مجلس ادبی اور علمی موتیوں سے مزین ہوگئی، ایسے خوبصورت لمحات احقر کو کئی مرتبہ میسر آئے، آج بھی یاد آتے ہیں تو ماضی کی حسین یادیں سطح ذہن پر قوس قزح کی طرح رنگ بکھرنے لگتی ہیں۔ حضرت مرحوم کا علمی شغف ہمیشہ آپ کو متحرک رکھتا تھا۔ عام لوگوں کو تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے مراسلاتی تعلیم کا ایک پروگرام حضرت مرحوم نے جاری فرمایا۔ جامعہ دینیات کے نام بہ سلسلۂ فیض آج بھی عوام وخواص کو علم جیسی نعمت سے سرفراز کر رہا ہے۔ یقیناً حضرت مرحوم کے حسنات میں اس کا شمار ہوگا۔ بین الاقوامی حیثیت کا حامل معروف دینی ادارہ دارالعلوم وقف دیوبند اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کی دعاؤں کے صدقہ میں ممتاز حیثیت کا درجہ حاصل کر چکا ہے۔ حضرت حکیم الاسلامؒ کے بعد خطیب الاسلامؒ نے اس کے اہتمام کی ذمہ داری سنبھالی۔

الحمدللہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی برکت سے جامعہ تشنگانِ علوم کو سیراب کر رہا ہے۔ یہ حضرت خطیب الاسلام طاب ثراہ کے مآثر علمیہ میں شمار ہوگا، ان شاء اللہ۔ دارالعلوم وقف دیوبند کے ابتدائی دور میں بڑے تلخ اور ترش حالات پیش آئے، وسائل کی کمی، مخالفتوں کا طوفان، طعن و تشنیع کے تیر، ان چیزوں نے بڑی پریشانیاں پیدا کیں، حوصلے پست کر دینے والی باتوں کا سامنا تھا، ایسے وقت میں حضرت خطیب الاسلام طاب ثراہ صبر و استقامت کا پیکر جمیل بنے رہے، کسی کی تنقیص، تذلیل سے زبان کو آلودہ نہیں کیا۔ اختلافات کے موقع پر سکوت اختیار فرمایا کہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت تھی کہ خاموشی اختیار کرو۔ علام الغیوب سب جانتا ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، عسر اور تنگی کے زمانے میں ایک مرتبہ ایک صاحب آئے انہوں نے حضرتؒ کو ایک بڑی رقم پیش کی لیکن کچھ ایسی شرائط کے ساتھ جو حضرت خطیب الاسلامؒ کے لیے ناقابل قبول تھیں۔ حضرت نے شکریے کے ساتھ رقم واپس کر دی۔ یہ وقت وہ تھا جب پیسے کی ضرورت تھی لیکن شان استغناء اس سے بلند چیز تھی۔ حضرت رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار فرمایا۔ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْر.

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سلامتی فکر، اصابت رائے مسلم تھی، متعدد دینی، علمی ادارے، ملی تنظیمیں آپ کے مفید مشوروں اور اصابت رائے سے مستفید ہوتی تھیں اور صحیح راہ پانے میں کامیاب ہوتی تھیں۔ اعترافِ عظمت کے طور پر متعدد اداروں کی طرف سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اعزازات سے نوازا گیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں قبول فرمایا تو ان اعزازات کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوگیا۔

اپنے حسنِ عمل، حسنِ اخلاق، طہارت قلب و نظر کے ساتھ ایمان و یقین کی روشنی بکھیر کر ہزاروں بندگان خدا کو فیض یاب کر کے اُن کو صراطِ مستقیم دکھا کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ جوار رحمت میں پہنچ گئے۔ بے شک پس ماندگان کے لیے یہ بہت بڑا خسارہ ہے لیکن آپ کے آثار علمیہ اور نقوش تابندہ بہت دیر اور بہت دور تک عوام و خواص کو مستفید کرتے رہیں گے۔ ایسے باخدا عظیم المرتبت حضرات سینوں میں سفینوں میں زندہ رہتے ہیں۔ ''ثبت است بر جریدۂ عالم دوام آں''

ہزار عنواں بدل بدل کر فسانۂ عشق کہہ چکا ہوں
مگر یہ محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے کچھ بھی کہا نہیں ہے

❖ ❖ ❖

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ

دل آویز شخصیت کے کچھ اچھوتے پہلو

مولانا ندیم الواجدی❖

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی ہمہ جہت شخصیت پر، ان کے کمالات واوصاف پر، ان کی خصوصیات وامتیازات پر، ان کے علوم ومعارف پر اوران کی حیات وخدمات پر بہت کچھ لکھا جارہا ہے اور بہت کچھ لکھا جائے گا، موجودہ اورآنے والی نسلوں کو ایسی باکمال شخصیتوں سے واقف ہونا بے حد ضروری ہے، بلاشبہ وہ جماعت دیوبند کے میرِ کارواں تھے، مسلک دیوبند کے ترجمان تھے، افکارِ ولی اللّٰہی، علومِ قاسمی اور معارفِ تھانوی کے شارح تھے، بہ ظاہر اب کوئی ایسا شخص نہیں ہے جوان اوصاف کا حامل ہو، یوں اللہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ کسی کو بھی ان کا حقیقی جانشین بنا کر اس خلاء کو پُر کرسکتا ہے جوان کے سانحۂ وفات سے پیدا ہوا ہے۔

ان کے لاتعداد شاگردوں کی طرح احقر راقم السطور بھی ان کا ایک ادنیٰ شاگرد ہے، جس نے ان کے سامنے دارالعلوم دیوبند کی درس گاہوں میں زانوئے تلمذ طے کیا ہے، لیکن شاگردوں کی صف میں شامل ہونے سے پہلے بھی احقر ان سے استفادہ کرتا رہتا تھا، کبھی ان کے خطبات کے ذریعے جو وقتاً فوقتاً دارالعلوم دیوبند کی دارالحدیث میں ہوتے تھے، اور کبھی ملاقات کے دوران؛ اکثر ہم طلبہ ان کے دفتر مجلس معارف القرآن میں جواحاطہ مسجد قدیم کی بالائی منزل کے اس حجرے میں واقع تھا جو بہ زمانۂ اہتمام حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کی فرودگاہ تھا اور جہاں اب موجودہ مہتمم صاحب کی مجلسیں لگتی ہیں، اس حجرے میں چاروں طرف کتابیں ہی کتابیں تھیں اوران کتابوں کے درمیان حضرتؒ کچھ نہ کچھ لکھتے پڑھتے یا آنے جانے والوں سے بات چیت کرتے نظر آتے تھے، اس دفتر میں ایک اور بزرگ عالم دین صاحب قلم مولانا عبدالرؤف عالی صاحبؒ بھی حضرت کے علمی کاموں میں معاون کی حیثیت سے بیٹھے ہوئے نظر آتے تھے، مگر یہ تعارف کی ابتدا نہیں ہے، میں نے سب سے پہلے حضرت کی زیارت اس وقت کی جب میری عمر زیادہ سے زیادہ آٹھ سال ہوگی، میں اس وقت قاری محمود دیوبندیؒ کے یہاں حفظ کررہا تھا، میرے ساتھ حضرت کے دوصاحب زادے برادرم مولانا سفیان قاسمی اور برادرم محمد عدنان قاسمی بھی پڑھتے تھے، اکثر وبیشتر میں

❖ مدیر ماہنامہ ترجمان دیوبند

ان دونوں ساتھیوں کے ساتھ کھیلنے کودنے کے لیے طیب منزل چلا جاتا، ایسے ہی کسی موقع پر ہم لوگ کھیلتے ہوئے طیب منزل کے بیرونی حصے کی بالائی منزل پر چلے گئے، طیب منزل کے جس کمرے میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ تشریف فرما رہتے تھے اور جس کی دیواروں پر سپاس ناموں کے فریم آویزاں تھے یہ کمرہ اسی کے عین اوپر واقع تھا، ہم لوگ کھیلتے کھیلتے ادھر پہنچے تو سامنے ہی کمرے میں ایک وجیہہ، خوب صورت اور دلآویز شخصیت موجود تھی، سیاہ داڑھی، سنہرے فریم کا خوب صورت چشمہ، تھوڑا سا بھاری وجود، معلوم ہوا کہ وہ میرے ساتھیوں کے والد بزرگ وار ہیں، ہمیں دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے میں آ کھڑے ہوئے، اس وقت کی پوری گفتگو مجھے یاد نہیں، البتہ اتنا یاد ہے کہ انھوں نے مجھ سے پوچھا کیا نام ہے تمہارا، میں نے اپنا نام بتلا دیا، فرمایا کس کے لڑکے ہو، میں نے عرض کیا مولانا واجد حسین صاحبؒ کا بیٹا ہوں، جلال آباد میں پڑھاتے ہیں، فرمایا اچھا تو تم ان کے بیٹے ہو، کیا پڑھتے ہو، میں نے عرض کیا حفظ کر رہا ہوں، پوچھا اُردو بھی پڑھتے ہو، میں نے عرض کیا جی، یہ سن کر اندر تشریف لے گئے اور دینی تعلیم کا ایک رسالہ اٹھا کر باہر آئے، فرمایا یہاں سے پڑھو، میں نے فرفر پڑھنا شروع کیا، بہت خوش ہوئے، سر پر ہاتھ رکھا اور دعاؤں سے بھی نوازا، یہ واقعہ ان تفصیلات کے ساتھ اتنا وقت گزرنے کے باوجود اسی طرح یاد ہے جیسے آج ہی پیش آیا ہو، مجھے خیال آتا ہے کہ حضرت کے یہاں خورد نوازی کی یہ صفت شروع سے موجود تھی اور عمر کے آخری مرحلے تک موجود رہی۔

جن دنوں میں دارالعلوم میں زیر تعلیم تھا میرا ایک مضمون ''ابحاث فی السیرة'' کے نام سے وزارت حج واوقاف سعودی عرب کے مجلّہ ''التضامن الاسلامی'' میں چھپا، مضمون کی اشاعت کے بعد معاوضے کے طور پر مجھے ایک چیک بھی ملا، میرا کسی بینک میں کوئی اکاؤنٹ نہیں تھا اور میں چیک وصول کر کے حیران پریشان تھا کہ اس کا کیا کروں، خدا مغفرت کرے جناب سید محبوب رضویؒ (مؤلف تاریخ دارالعلوم دیوبند) کی کہ انھوں نے دست گیری کی اور خود بینک جا کر اس کو دارالعلوم کے اکاؤنٹ میں جمع کرایا اور جب وہ کیش ہو کر آ گیا تو دفتر محاسبی سے مجھے وہ رقم دلوائی، اس مضمون کا بڑا چرچا ہوا، حضرتؒ نے بھی مجھے اپنے دفتر میں طلب فرمایا، مضمون دیکھا، بڑی خوشی کا اظہار کیا اور اسی وقت ہمت افزائی پر مشتمل کچھ کلمات بھی سپرد قلم فرما کر مجھے عنایت کئے، اس سے میری خوشی دوبالا ہوگئی، زبان سے حوصلہ تو سب ہی نے بڑھایا، مگر دعائیہ کلمات لکھے حضرت نے ہی، جسے میں اکثر اپنے ساتھیوں کو دکھلایا کرتا تھا۔

یہ بھی طالب علمی ہی کے دور کا یادگار واقعہ ہے اور میرے لیے سرمایہ افتخار بھی ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے دفتر اہتمام نے مجھے چار رسالوں کا عربی میں ترجمہ کرنے کا کام سپرد کیا، دراصل رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے اقوام متحدہ کی اپیل پر اُس سال کو بچوں کا سال منانے کا پروگرام بنایا تھا، رابطہ چاہتا تھا

کہ اس مناسبت سے بچوں کی تعلیم وتربیت کے اسلامی تصورات وتعلیمات کو موضوع بنا کر کچھ رسائل مرتب کئے جائیں اور ان کی اشاعت عمل میں آئے، اس سلسلے میں دارالعلوم دیوبند میں بھی خط آیا، طے پایا کہ رابطے کی اپیل پر عمل کیا جائے اور کچھ رسائل لکھ کر بل کہ چھپوا کر روانہ کئے جائیں، اس سلسلے میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ، حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ، حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ سلیم مدظلہ وغیرہ حضرات نے اردو میں مقالے لکھے، جو ترجمے کے لیے میرے سپرد کیے گئے، خاکسار نے رات دن ایک کر کے ان مقالات کو عربی میں منتقل کیا۔ جن حضرات نے حضرت کی تحریریں پڑھی ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کے یہاں بھاری بھرکم علمی اصطلاحات والفاظ کے ساتھ لمبے لمبے جملے بھی ہوا کرتے تھے، کہیں کہیں کوئی لفظ اور کسی جگہ پوری عبارت قلم زد ہوتی اور اس کی جگہ بین السطور میں یا برابر کی خالی جگہ پر دوسرا لفظ یا دوسری عبارت لکھی ہوتی، قلم نہایت پختہ تھا، مجھ جیسے نوآموز کو حضرت کی تحریروں کو سمجھنا، پھر ان کو عربی میں منتقل کرنا بے حد دشوار تھا، مگر لگ لپٹ کر یہ کام کیا، اس دوران عبارت فہمی کے لیے بار بار حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی تھی، اس کا یہ نتیجہ نکلتا کہ حضرت اس عبارت میں کچھ اور جملے شامل کر دیتے، اور مجھے پسینے آجاتے، اللہ اللہ کر کے کام پورا ہوا اور شاباشی ملی۔

فراغت کے بعد میں نے امام غزالیؒ کی احیاء العلوم کا اُردو ترجمہ شروع کیا، کئی سال کی محنت کے بعد جب یہ ترجمہ پایۂ تکمیل کو پہنچا اور زیور طبع سے آراستہ ہو گیا تو خیال آیا کہ اس کا اجراء ہونا چاہیے، اس مقصد کے لیے اسلامیہ اسکول دیوبند میں ایک تقریب رکھی گئی اور اس میں شرکت کے لیے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے وائس چانسلر سید ہاشم علی مرحوم کو دعوت دی گئی، جب ان کی تاریخ مل گئی تو میں حضرت کے دولت کدے پر حاضر ہوا اور درخواست کی کہ رسم اجراء کی تقریب میں تشریف لائیں، حضرت نے ڈائری دیکھ کر ارشاد فرمایا ان دنوں میں دیوبند سے باہر ہوں البتہ پیغام کا وعدہ کیا جو مجھے اسی روز مل گیا، اور اسے تقریب میں پڑھ کر سنایا گیا، اس پیغام میں حضرت نے اس ناچیز کے متعلق جو وقیع کلمات ارشاد فرمائے تھے وہ ان تمام تقریروں پر بھاری تھے جو اس دن کی گئیں، ہمت افزائی کا یہ انداز بالکل انوکھا تھا اور انہی کا حصہ تھا۔

میرے بیٹے عزیزم یاسر ندیم الواجدی نے جب دوران طالب علمی اپنی پہلی کتاب ''گلوبلائزیشن اور اسلام''، لکھی تو ہم لوگ اس کا ایک نسخہ لے کر حاضر خدمت ہوئے، بہت دعائیں دیں، اور ایک بہت ہی قیمتی جملہ ارشاد فرمایا کہ مجھے تو ان میں (یاسر میں) مستقبل کے مولانا تقی عثمانی نظر آتے ہیں، اس کے بعد بھی کئی ملاقاتوں میں یہ وقیع جملہ ارشاد فرمایا، ایک مرتبہ انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی کوالالمپور ملیشیا کے پروفیسر ڈاکٹر ابواللیث اعظمی قاسمی دیوبند تشریف لائے ہوئے تھے، ان کا قیام ہمارے گھر پر تھا، ایک دن حضرت کے دولت کدے پر ناشتے کی دعوت تھی، میں اور یاسر دونوں شریک دسترخوان تھے، حضرت نے

ڈاکٹر ابواللیث سے مخاطب ہوکر فرمایا مجھے یاسر اور شکیب (حضرت کے پوتے) سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں، حضرت کی دور بیں نگاہوں نے ان دونوں میں مستقبل کے حوالے سے جو کچھ دیکھا محسوس کیا تھا اور جس کا اظہار حضرت وقتاً فوقتاً فرماتے رہتے تھے اور دعاؤں سے بھی نوازتے تھے خدا کے فضل وکرم سے یہ دونوں بچے حضرت کی توقعات اور امیدوں کے مطابق کام کرتے نظر آرہے ہیں۔

۲۰۱۰ء میں احقر کی بارہ کتابوں کا اجراء عمل میں آیا، پروگرام کے داعی میرے دوست اور کرم فرما مولانا سفیان قاسمی تھے، تقریب دارالعلوم وقف دیوبند کے وسیع میدان میں رکھی گئی اور صدارت کے لیے حضرتؒ کو زحمت دی گئی، اس دن حضرت نے ہمارے غریب خانے پر بھی قدم رنجہ فرمایا اور تقریب میں بھی پوری بشاشت کے ساتھ کافی دیر تک تشریف فرما رہے، اور نصف گھنٹہ خطاب بھی فرمایا، موضوع تھا کہ علم سند کے بغیر معتبر نہیں، میری کتابوں کے حوالے سے بھی بہت کچھ ارشاد فرمایا، دعاؤں سے بھی نوازا، بعد میں یہ تقریر ماہ نامہ ترجمان دیوبند میں بھی چھپی، الحمد للہ جب بھی حضرت کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی دعاؤں کے ساتھ واپسی ہوئی، خوردنوازی حضرت کے مزاج کا حصہ تھی جس کا مسلسل اظہار ہوتا رہتا تھا، حضرت کی زبان مبارک کیا تھی دعاؤں کا بہتا ہوا چشمہ تھی، انتقال سے دو تین روز پہلے بھی جو آخری جملہ حضرت کی زبان سے ادا ہوا وہ دعائیہ جملہ تھا، اور اس دعا کے حصول کی سعادت حضرت کے خادم خاص مولانا شاہد کے حصے میں آئی جو تیس سال سے سفر وحضر میں سائے کی طرح حضرت کے ساتھ رہا کرتے تھے، یہ دُعا مولانا شاہد نے موبائل میں ریکارڈ کرلی، اس کے بعد حضرتؒ خاموش ہوگئے اور یہ خاموشی بالآخر موت کے سناٹے میں تبدیل ہوگئی۔

ہمت افزائی اور خوردنوازی کے ضمن میں یہ بھی یاد آیا کہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دار العلوم دیوبند کے حادثۂ وفات کے بعد حضرات اکابر نے یہ طے فرمایا کہ حضرت کی سوانح حیات مرتب کرائی جائے، اس سلسلے میں مشورے کی میٹنگ ہوئی، اور حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ نے سوانح حیات لکھنے کے لیے احقر کا نام تجویز کیا، مجھے بلایا گیا، یہ میٹنگ حضرت کے دولت کدے پر تھی، جس وقت احقر وہاں پہنچا اس وقت حضرت کے علاوہ علامہ رفیق احمدؒ سابق شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد، حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا خورشید عالمؒ بھی تشریف فرما تھے، حضرت نے ہی مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تمہارا نام اس کام کے لیے طے ہوا ہے، تمہیں مکتبہ تاج المعارف اور جامعہ دینیات کے برابر میں ایک کمرہ دیا جائے گا اور فلاں فلاں سہولتیں فراہم کی جائیں گی، راقم السطور نے عرض کیا کہ کام بہت بڑا ہے، اور موجودہ حالات میں نازک بھی ہے، مجھے جواب کے لیے کچھ وقت درکار ہے، ان حضرات نے یہ درخواست منظور کرلی، احقر نے کافی سوچا اور یہ سوچ کر معذرت پیش کردی کہ شاید میں موضوع کے ساتھ انصاف نہ کرپاؤں، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ عمر کے آخری دور میں جن حالات سے دوچار ہوئے وہ اب اگرچہ تاریخ

کا حصہ بن چکے ہیں، مگر اس وقت تازہ تھے، اور ہر دل میں ان حالات کی کسک موجود تھی، ان حالات کا ذکر کئے بغیر سوانح ادھوری ہوتی اور لکھنے میں اس بات کا اندیشہ تھا کہ لکھنے والے کی ذات کو نشانہ بنایا جاتا، میری معذرت کے بعد ان حضرات اکابر نے میرے عزیز دوست مولانا عتیق احمد بستوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو یہ ذمہ داری سپرد کرنی چاہی، انھوں نے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے مشورہ مانگا، حضرت مولانا علی میاںؒ نے بڑی قیمتی بات ارشاد فرمائی کہ ابھی اختلافات کا غبار اڑ رہا ہے، اسے بیٹھ جانے دیجئے، ابھی ان کی سوانح لکھنے کا وقت نہیں آیا، مولانا عتیق احمد بستوی نے جب خط کے ذریعے یہ بات بتلائی تو مجھے اپنے فیصلے پر اطمینان ہوا، ورنہ معذرت پیش کرنے کے بعد میں کافی دنوں تک یہ سوچ کر بے چین رہا کہ کہیں میں نے غلط فیصلہ تو نہیں کیا، بہ ہر حال سوانح لکھنا نہ میرے مقدر میں تھا اور نہ مولانا عتیق احمد بستوی کی قسمت میں، البتہ اس سے یہ بات ضرور سامنے آئی کہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کو مجھ پر بڑا اعتماد تھا جب ہی تو وہ مجھ سے اتنا بڑا کام لینا چاہتے تھے، بس یہ قیمتی احساس ہی میرے لیے سرمایۂ افتخار ہے جسے اتنے دن گزارنے کے باوجود میں آج تک اپنے دل کے نہاں خانوں میں سنبھال کر رکھے ہوئے ہوں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہمت افزائی کرنا حضرتؒ کی سرشت میں داخل تھا، مجھے یاد ہے کہ میرے بیٹے عزیزم یاسر ندیم الواجدی نے اپنے ادارے دارالعلوم آن لائن کا آغاز کیا تو افتتاح کے لیے حضرت کو گھر پر تشریف آوری کی زحمت دی گئی، تقریب کا آغاز ہوا تو نیٹ خراب ہو گیا، ان دنوں دیوبند میں نیٹ کا معاملہ بڑا گڑبڑ تھا، نیٹ بحال ہونے میں دو گھنٹے لگ گئے، حضرت اطمینان کے ساتھ تشریف فرما رہے، اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے، رات کی بے آرامی اور پریشانی سے ان کی پیشانی پر شکن تک نہیں آئی، جب نیٹ ٹھیک ہو گیا تو آپ نے افتتاحی کلمات ارشاد فرمائے، یہ واقعہ یادگار بن کر ہمارے دلوں میں آج بھی زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

میں نے حضرت سے مشکوۃ شریف جلد ثانی اور نخبۃ الفکر پڑھی ہے، اس وقت حضرت کی درس گاہ احاطہ باغ کے مغرب میں اوپر کی طرف واقع تھی، اس کا سیدھا اور مختصر راستہ یہ تھا کہ باب قاسم سے دارالعلوم کے اندر آئیں اور مسجد قدیم کی قبلے والی دیوار سے لگی ہوئی جو گلی جا رہی ہے اس سے احاطہ باغ میں داخل ہو جائیں، رفیع منزل کے باب الداخلہ کے برابر سے ایک زینہ اوپر کی طرف جا رہا ہے، اسی زینے سے حضرت اپنی درس گاہ میں تشریف لایا کرتے تھے، اب رفیع منزل کا خاتمہ بالخیر ہو چکا ہے، احاطہ باغ کی مغربی اور جنوبی عمارتیں بھی داستان پارینہ بن چکی ہیں، اس وقت یہ خوب صورت احاطہ تھا، یہاں درخت اور پودے لگے ہوئے تھے، احاطے میں قدم رکھتے ہی خوش گوار ٹھنڈک کا احساس ہوتا تھا، حضرت وقت کے بڑے پابند تھے، گھنٹہ بجتے ہی حضرت کے قدموں کی دھمک زینے پر سنائی دیتی، حالاں کہ زینہ درس گاہ سے کافی دور تھا، مگر کیوں کہ حضرت کے قدم زمین پر زور سے پڑتے تھے اس لیے ان کی گونج فاصلے سے بھی سنی

جاسکتی تھی، ہم طلبہ جو باتوں میں یا شرارتوں میں مشغول ہوتے جلدی سے سیدھے ہوکر بیٹھ جاتے اور کتابیں کھول لیتے، اگر گھنٹہ بج گیا اور چار پانچ منٹ گزر گئے تو یہ سمجھ لیا جاتا کہ آج سبق نہیں ہوگا، اس وقت کے اکثر اساتذہ کا یہی حال تھا، شاید ہی کوئی استاذ تاخیر سے درس گاہ میں پہنچتے ہوں، البتہ حضرت کے اسفار رہتے تھے اس لیے چھٹیاں بھی زیادہ ہوتی تھیں، تاہم کتاب مقدار خواندگی تک پہنچ ہی جاتی تھی، دوران درس اِدھر اُدھر کی گفتگو کا مزاج نہیں تھا، پوری توجہ کتاب پر مرکوز رہتی تھی، تقریر رواں دواں ہوتی، بہت توجہ کے ساتھ سننا پڑتا تھا، ایک لمحہ بھی ذہن غافل ہوتا تو درس کا سرا ہاتھ سے نکل جاتا اور وہ سرا تلاش کرنے میں دقّت ہوتی۔

حضرت اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے بے نظیر تھے، ایک تو یہ کہ ان کی مجلسیں دوسروں کی برائی، چغل خوری اور غیبت سے بالکل پاک ہوتی تھیں، نہ خود کرتے تھے اور نہ سنتے تھے، اس زمانے میں بھی اس احتیاط پر کاربند رہے جس زمانے دارالعلوم کا اختلاف اپنے عروج پر تھا، گلی، نکڑ، چوراہوں، ہوٹلوں کے ساتھ ساتھ ہر گھر میں غیبت کی مجلسیں اہتمام کے ساتھ لگا کرتی تھیں، یہ بات ماننی چاہیے کہ اِس فریق نے کبھی اپنی خاندانی شرافت اور وقار سے سمجھوتا نہیں کیا، اقدام تو خیر کیا کرتے جواب دینا بھی نہیں جانتے تھے، عمل کا ردّ عمل بھی مفقود تھا، جو لوگ مخلصانہ طور پر ان حضرات کے ساتھ تھے وہ ان کی سرد مزاجی پر کُڑھا کرتے تھے، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کا تحمل، برداشت، رواداری اور خاموشی جیسے اوصاف تو اب ہمارے حلقوں میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں، حضرت مولانا سالم قاسمیؒ نے بھی کبھی حدود شرافت سے تجاوز نہیں کیا، میں نے اس پورے عرصے میں حضرت کی کوئی ایسی تقریر نہیں سنی، نہ ایسی کوئی تحریر دیکھی جس میں انھوں نے مخالفین کی شان میں عالمانہ معیار سے گرا ہوا کوئی لفظ یا جملہ استعمال کیا ہو، یہ صورت حال شروع سے آخر تک برقرار رہی، یہی وجہ ہے کہ جب صلح کی کوششوں کا آغاز ہوا تو دلوں کی مٹی نرم ہونے میں بہت زیادہ دشواری پیش نہیں آئی، حالاں کہ بیس سال کی دوریوں اور تلخیوں کو یک لخت ختم کردینا اتنا آسان بھی نہیں تھا، لیکن حضرت کی وسیع القلبی نے اس کو آسان سے آسان تر کردیا، میں اس موضوع پر قدرے تفصیل کے ساتھ لکھنا چاہوں گا کیوں کہ ان دوریوں کو مٹانے اور تلخیوں کو کم کرنے میں راقم السطور نے اپنی قلم کی ساری توانائیاں صرف کردی تھیں، میں نے یہ کام ۲۰۰۱ء میں شروع کیا اور اس کا نتیجہ ۲۰۰۵ء میں سامنے آیا، ماہ نامہ ''ترجمان دیوبند'' کے صفحات بہ طور گواہ موجود ہیں، پانچ سال کی جدوجہد کی یہ کہانی ان صفحات پر دیکھی اور پڑھی جاسکتی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے اختلاف کا اثر ہر اس جگہ محسوس کیا گیا جہاں جہاں فضلائے دیوبند ہیں، جہاں جہاں محبین دیوبند اور وابستگانِ دیوبند ہیں، عملاً لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہوچکے تھے، باشندگانِ دیوبند کو اس اختلاف کی وجہ سے جن پریشانیوں اور اذیتوں سے گزرنا پڑا اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، پچاسی خاندان تو وہ تھے جن کے سربراہ دارالعلوم چھوڑ کر باہر آگئے تھے، ان میں سے بیشتر لوگوں کو روزگار کی

مار جھیلنی پڑی اور سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، بہت سے لوگ وہ تھے جنھوں نے عیدین کی نماز عیدگاہ میں پڑھنی چھوڑ دی کیوں کہ وہاں فلاں صاحب نماز پڑھاتے تھے، جنازوں کی نماز کے لیے لوگ جامع مسجد کا رُخ کرنے لگے، اس سے قبل تمام جنازے دارالعلوم دیوبند میں جاتے تھے اور احاطۂ مولسری میں ان کی نماز ہوتی تھی، میتیں تکثیر جماعت کی فضیلت اور بزرگوں کی متعین کردہ مخصوص جگہ کے شرف سے محروم ہونے لگیں، اگرچہ تدفین دونوں فریقوں کے مرنے والوں کی قبرستان قاسمی میں ہی ہوتی رہی، شادی بیاہ میں دشواریاں پیدا ہونے لگیں، دیوبند میں اس وقت شادی گھر نہیں تھے، زیادہ تر لوگ محمود ہال میں ولیمے وغیرہ کی دعوتیں کرتے تھے کیوں کہ یہ ہال ایک خاص فریق کے زیرِ انتظام تھا اس لیے دوسرا فریق اس ہال میں منعقد ہونے والی تقریبات میں شرکت سے محروم رہتا تھا، دونوں اداروں کے ملازمین، مدرسین اور طلبہ تک ایک دوسرے سے ملنے میں جھجکتے تھے کہ کہیں دیکھ لیے نہ جائیں، ملنا ہوتا تو چھپ چھپا کر ملتے، کچھ چھچھورے لوگ ایک دوسرے پر چھینٹا کشی بھی کر بیٹھتے تھے، فقرے کسنے سے بھی نہیں چوکتے تھے، عجیب وغریب صورت حال تھی، یہ صورت حال مکمل بیس سال تک قائم رہی۔

بیس سال کے بعد دیوبند میں ایک عید پیغام نوید بن گئی، حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے ۲۷ دسمبر ۲۰۰۰ء کو عید کی نماز سے قبل اپنی تقریر میں اہل دیوبند سے کہا کہ آج بہت سے مسلمان عیدگاہ کے بجائے محلوں کی مسجدوں میں نماز پڑھتے ہیں اگر انہیں عیدگاہ کی امامت سے اختلاف ہے تو وہ کسی دوسرے کو امام بنالیں مگر عیدگاہ نہ چھوڑیں، احقر نے اس تقریر کو اتحاد کی دعوت تصور کرتے ہوئے ’’ترجمان دیوبند‘‘ فروری ۲۰۰۱ء میں ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا ’’مایوسی کے اندھیروں میں امید کی کرن، دیوبند کی عیدگاہ میں حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کی تقریر‘‘ اس مضمون میں ان حالات وواقعات کا تجزیہ کیا گیا تھا جو ۱۹۸۰ء کے بعد پیش آئے، مولانا مدنیؒ کی تقریر کے متعلق میں نے لکھا تھا کہ ’’یہ ایک قابل تحسین اور دوررس نتائج کا حامل اعلان ہے اور یہ ممکن ہے کہ اس سے سردمہری اور بےاعتنائی کی برف پگھل جائے یا نفرت کی آگ ٹھنڈی پڑ جائے‘‘، بہ ہر حال برف پگھلی اور نفرت کی آگ بھی ٹھنڈی پڑی مگر اس میں پانچ سال لگ گئے، اس عرصے میں راقم السطور نے کئی مضامین لکھے، اور دونوں فریقوں کی ہر قابل ذکر شخصیت کو بھیجے، عوام وخواص نے اس تحریک کی پذیرائی کی۔

مئی ۲۰۰۱ء میں جمعیۃ علماء ہند نے تحفظ سنت کے عنوان سے غیر مقلدین کے خلاف ایک کانفرنس منعقد کرنے کا اعلان کیا، احقر نے اس کی ستائش کی اور یہ گلہ بھی کیا کہ یہ مسلک دیوبند کی بقاء اور تحفظ کا سوال ہے، اس کانفرنس کو گروہی عصبیت اور جماعتی تنگ نائے سے باہر رکھا جائے اور اس میں دارالعلوم وقف کو بھی دعوت دی جائے، یہ مضمون پڑھنے کے بعد جمعیۃ علماء کے صدر محترم نے دیوبند کے ایک صاحب کے ذریعے جوان کے انتہائی معتمد تھے مجھ سے یہ جاننے کی کوشش کی کہ اگر دارالعلوم وقف کو دعوت دی جاتی ہے تو کیا وہ لوگ دعوت قبول کرلیں گے، میں نے عرض کیا آپ دعوت تو دیجئے، اس طرح جمعیۃ علماء نے

دارالعلوم وقف کے ذمہ داروں کو دعوت نامے بھجوائے، احقر تمام ذمہ داروں سے فرداً فرداً ملا، اور دعوت قبول کرنے کی درخواست کی، مجھے یہ لکھنے میں کوئی جھجک نہیں کہ میری درخواست پر مثبت اور ہمت افزاء ردّ عمل صرف حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کا تھا، چند روز میں اس مثبت ردّ عمل کا نتیجہ بھی سامنے آ گیا، مولانا نے دعوت قبول کر لی تھی، شرکت کے لیے اساتذۂ دارالعلوم وقف پر مشتمل ایک وفد دہلی روانہ کیا گیا، وفد کے ساتھ حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کا ایک مفصل مکتوب تھا جو کانفرنس میں پڑھ کر سنایا گیا، حضرت نے اس خط میں حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا ”کہ آپ کا دعوت نامہ حیرت آمیز مسرت کا باعث بنا، حیرت اس پر کہ سابق میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کے جانب سے مختلف عنوانات پر سمینار بھی ہوئے اور کانفرنسیں بھی لیکن دارالعلوم وقف کو کبھی یاد نہیں کیا گیا، مسرت اس پر کہ موجودہ دعوت اس اتحاد کے احساس پر مبنی معلوم ہوتی ہے جس کا وقف دارالعلوم ہمیشہ ساعی رہا ہے“۔

ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا چاہیے کہ حضرتؒ کے نرم اور فراخ دلانہ رویّے کی بنا پر یہ ممکن ہو سکا کہ دارالعلوم وقف کے وفد نے کانفرنس میں شرکت کی، ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ نے وفد کے ساتھ اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا، دونوں حضرات کے اس طرز عمل نے تلخیوں میں شہد کی آمیزش کی، جس کا اثر دیر تک رہا، یہاں تک کہ ۲۸/ جنوری ۲۰۰۵ء کو قضاء وقدر سے ایک ایسا حادثہ پیش آیا جو اگر چہ اندوہ ناک تھا مگر اس نے ماضی کی تلخیوں کو یک لخت مٹا ڈالا، اچانک ہی دیوبند کی فضاؤں میں اتحاد و اتفاق کے پر کیف نغمے رس گھولنے لگے، حالاں کہ ان دنوں لوگ کشمیر کی برف پوش پہاڑیوں سے ٹکرا کر آنے والی یخ بستہ ہواؤں سے کانپ رہے تھے مگر اس حادثے کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات اور پیش آنے والے واقعات نے ان یخ بستہ ہواؤں کو باد بہار کے شاداب جھونکوں میں بدل ڈالا۔

اس اندوہ ہناک واقعے کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ اُس سال حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ غسلِ کعبہ (زادھا اللہ جلالۃ و کرامۃً) کی تقریبِ سعید میں شرکت کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے، حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ میں قیام کے دوران اچانک ان کی طبیعت ناساز ہو گئی جس کی وجہ سے انہیں شاہ فہد ہسپتال کے انتہائی نگہداشت والے شعبے میں داخل کرانا پڑا، ۲۸/ جنوری ۲۰۰۵ء کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی، حضرت مولانا سالم قاسمیؒ اس وقت کسی سفر میں تھے، خبر پڑھ کر حضرت نے اپنے بیٹے مولانا سفیان قاسمی کو فون کیا اور پوچھا کیا وہ یہ خبر پڑھ چکے ہیں، اور یہ کہ مزاج پرسی کے لیے فون کرنے کے متعلق اُن کی کیا رائے ہے، مولانا سفیان قاسمی نے کہا اس موقع پر ہمیں فون ضرور کرنا چاہیے، چناں چہ حضرت مولانا نے اسی وقت مدینہ منورہ فون کیا، اور خیر و عافیت دریافت کی، حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ کے لیے یہ فون اس قدر غیر متوقع تھا کہ کچھ دیر تک تو انہیں اس کا یقین ہی نہیں آیا کہ دیوبند سے مولانا سالم قاسمیؒ بھی انہیں فون کر سکتے ہیں، اپنا استعجاب دور کرنے کے لیے انھوں نے پوچھا بھی کہ کیا آپ

قاری محمد طیب صاحبؒ کے صاحب زادے مولانا سالم قاسمیؒ بول رہے ہیں؟ حضرت مدنیؒ صحت یاب ہوکر ہندوستان تشریف لے آئے، ۳۰/ جنوری کو واپسی ہوئی، ۳۱/ جنوری کو انھوں نے حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ کو شکریہ کا خط لکھا، جس میں مزاج پرسی پر اظہار تشکر کے ساتھ یہ بھی لکھا:

''یہ حقیقت ہے کہ حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز جماعت کی بنیاد ہیں، ہم تو ان کی خاک پا کے برابر بھی نہیں ہیں، ماضی میں جو اختلافات ہوئے وہ بدنصیبی تھے اور ہیں، اس لیے جو کہا، کیا اور ہوا اس کو معاف کرنا چاہیے اور آخرت کے لیے نہیں رکھنا چاہیے۔''

اس کے جواب میں حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ نے بھی ایک مکتوب روانہ فرمایا، اس مکتوب میں حضرت نے لکھا تھا:

''جماعت کی ایک اہم ترین ضرورت کو محسوس فرماتے ہوئے آپ نے اختلافات کو ختم کرنے کے بارے میں تائیدی کلمات تحریر فرمائے اور احقر کی قدیم آرزو کی تکمیل کو متوقع بنا کر مسرت کو المضاعف فرمادیا ہے، جماعتی وقار اور مسلک، روایاتِ اکابر کی مجروحیت کا سدّ باب اختلاف کو یک سر ختم کر دینے میں ہی مضمر ہے، احقر کے خیال میں عمر کے مراحلِ نہائی میں پہنچ جانے پر ہماری مشترک خواہش وکوشش یہی ہے اور یہی ہونی چاہیے کہ ہم اپنے آنے والی نئی نسل کے علماء کو اختلافات کی یہ نامبارک وراثت دے کر نہ جائیں بل کہ حسب روایاتِ اسلافِ کرام ہم اتحاد واتفاق، فکری اور عملی وحدت اور مخلصانہ مشترک جذباتِ خدمتِ علم دین دے کر بہ توفیق الٰہی ایک اہم ترین جماعتی فریضے سے سبک دوش ہوکر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں۔''

حضرت مولانا قاسمیؒ کا یہ مکتوب آبِ زر سے لکھ کر محفوظ رکھنے کے قابل ہے کہ انھوں نے بیس سال کے سنگین جھگڑے کو اپنی چند سطروں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن کردیا، یہ دونوں خطوط اور اس وقت کی صورت حال کا منظر نامہ میری ایک تحریر میں محفوظ ہے، جس کا عنوان تھا ''بڑا مزا اس ملاپ میں ہے جو صلح ہوجائے جنگ ہوکر'' یہ مضمون ماہ نامہ ترجمان دیوبند مارچ ۲۰۰۵ء کی اشاعت میں چھپا ہوا ہے اور میری کتاب ''ہمارے مدارس مزاج اور منہاج'' میں بھی شامل ہے، اگرچہ دونوں طرف کچھ طالع آزما لوگ ایسے بھی تھے جو اس اتحاد کو سبوتاژ کرنا چاہتے تھے، مگر اکثریت بہ ہر حال ان لوگوں کی تھی جنھوں نے اس مکاتبت کا دل کی گہرائیوں سے استقبال کیا، یہ لوگ پوری دنیا میں بکھرے ہوئے تھے، ترجمان دیوبند کا یہ شمارہ ہمیں کئی بار چھاپنا پڑا، اس وقت وہاٹس اپ اور فیس بک تو تھا نہیں، البتہ اس مضمون کو ہزاروں کی تعداد میں فوٹو اسٹیٹ بھی کیا گیا اور جہاں جہاں بھی فضلائے دار العلوم اور محبین دیوبند رہتے ہیں وہاں وہاں اتحاد واتفاق کے یہ خوش گوار جھونکے مضمون کی شکل میں پہنچے اور مشامِ جاں کو معطر کر گئے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگ اس اختلاف سے اکتا چکے تھے، اور اب وہ یہ چاہتے تھے کہ اس کو ایک ناخوش گوار حادثہ سمجھ کر بھول

جانا چاہیے، الحمد للہ ایسا ہی ہوا، اور آج اس کا نام ونشان تک باقی نہیں ہے، پھر سب پہلے کی طرح شیر وشکر ہیں، اس سے پہلے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے تک کے روادار نہ تھے، اس مکاتبت کے بعد جانبین نے ایک دوسرے کی دعوتوں کا اہتمام بھی کیا، آستانۂ قاسمی میں جو دعوت ہوئی اس میں احقر کو بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، مولانا سفیان قاسمی نے مجھے اس دعوت میں مدعو کیا تو ان کے اس جملے نے میری رگوں میں مسرت کی لہر دوڑا دی کہ آپ کو ضرور آنا ہے کیوں کہ اس اتحاد کا بیڑا آپ ہی نے اٹھایا تھا۔

بیڑا کوئی بھی اٹھائے یہ اہم نہیں ہے، اہم بات یہ ہے کہ جس معاملے کو ہم انتہائی مشکل اور پیچیدہ سمجھ رہے تھے وہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی پیش قدمی، حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ کے اظہار تشکر اور حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے تفصیلی جواب نے اتنا آسان کر دیا کہ اس سے پہلے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، دیوبند کی فضاء اس طرح بدل گئی جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے اور ہولے سے باد نسیم چل پڑے، بیس سال پہلے دیوبند جیسا تھا پھر ویسا ہی ہوگیا، لوگ ایک دوسرے سے بے دھڑک ملنے لگے، شادی بیاہ کی تقریبات میں بے تکلف شرکت ہونے لگی، جنازے پھر احاطۂ مولسری میں پہنچنے لگے، ماحول ایسا بن گیا جیسے کوئی جھگڑا تھا ہی نہیں، حالاں کہ جھگڑا تھا اور بڑا خطرناک تھا، اگر آپ کے آباؤ اجداد نے کوئی ادارہ قائم کیا ہو، اور آپ کے آباؤ اجداد لگ بھگ سو برس تک اس کے سیاہ سفید کے مالک رہے ہوں، اچانک کوئی آکر آپ کو چیلنج کرے اور آپ اس ادارے سے بے دخل کر دئے جائیں کیا آپ اس کو معاف کر دیں گے؟ اکثر لوگ اس کا جواب نفی ہی میں دیں گے، میں سوچتا ہوں کہ حضرت مولانا سالم قاسمیؒ کا دل کتنا بڑا تھا، اور ان کے مزاج میں صلحِ کُل کا عنصر کس قدر غالب تھا کہ آپ نے چشم زدن میں سب کچھ معاف کر دیا اور بدلے میں کچھ مانگا بھی نہیں، اللہ غریق رحمت کرے، یہ اسوہ ان تمام لوگوں کے لیے نمونۂ عمل ہے جو اس طرح کے اختلافات میں الجھے ہوئے ہیں، انہیں بھی چاہیے کہ وہ اختلافات کی آگ کو آنے والی نسلوں سے دور ہی رکھیں، اسی میں ان کی اور آنے والی نسلوں کی بھلائی ہے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے عملی طور پر بھی اس اتحاد کو فروغ دینے کی کوشش کی، جمعیۃ علماء ہند نے اپنے کسی پروگرام میں ان کو مدعو کیا تو وہ اس میں اس طرح تشریف لے گئے جیسے کبھی کوئی اختلاف ہوا ہی نہیں تھا، دار العلوم دیوبند نے دہشت گردی کے خلاف ہونے والی کانفرنس میں انہیں مدعو کیا تو اس میں بھی تشریف لے گئے، اس وقت کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوریؒ کے برابر میں تشریف فرما ہوئے اور سامعین کو اپنے گراں قدر خطاب سے بھی نوازا، اسی طرح رابطۂ مدارس کے اجلاس میں بھی ان کو دعوت دی گئی، اس کے اجلاس میں بھی شرکت فرمائی، دوسری طرف دار العلوم دیوبند نے بھی اپنے بعض اقدامات سے دوری کے اس خلاء کو پاٹنے کی ہر ممکن کوشش کی جو بہ قول حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ بدنصیبی کی وجہ سے پیدا ہوگیا تھا، مثال کے طور پر دار العلوم وقف دیوبند نے حکیم الاسلام سمینار کا انعقاد کیا، اس موقع پر دار العلوم دیوبند نے اپنا

مہمان خانہ آنے والے مہمانوں کے لیے وقف کر دیا، بل کہ اس سیمینار میں شرکت کرنے والے خاص حضرات کو شام کے کھانے پر بھی مدعو کیا، اس سیمینار میں جمعیۃ علماء ہند اور دارالعلوم دیوبند کے بعض حضرات کو شرکت بھی کرنی تھی مگر بدقسمتی سے سیمینار میں ایک کتاب کا اجراء ہو گیا جس کے بعض مضامین قبضے کے پس منظر میں لکھے گئے تھے، اس لیے ان حضرات نے سیمینار میں شرکت سے احتراز کیا، یہ واقعہ پہلی نشست کا ہے، حضرت مولانا قاسمیؒ نے اگلے روز کی نشست میں اس صورت حال پر افسوس کا اظہار کیا اور فرمایا وہ اتحاد کے پرزور حامی ہیں اور اس طرح کے کسی اقدام کے سخت خلاف ہیں جو اتحاد کی راہ میں رکاوٹ بن رہا ہو، غرضیکہ اتحاد کے بارے میں حضرت نے پہلے دن جس موقف کو اختیار کیا تھا آخری دن تک اسی پر قائم رہے، اور کسی بھی مرحلے پر آپ نے کسی ایسے عمل کی تائید نہیں کی جو اس موقف کے مزاحم رہا ہو۔

حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ اپنے والد ماجد کی طرح اتحاد بین المسلمین کے قائل ہی نہیں تھے بل کہ اس کے داعی بھی تھے، آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے پلیٹ فارم سے وہ اس کی بھرپور کوشش کرتے رہتے تھے کہ ملّی مسائل میں تمام ملّی جماعتوں کا ایک موقف ہو، بدقسمتی سے ۲۰۰۰ء میں مسلمانوں کا یہ مشترکہ پلیٹ فارم بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا، اس کے ایک دھڑے کے صدر سید شہاب الدین مرحوم بن گئے اور دوسرے دھڑے کے صدر حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ قرار پائے، لیکن حضرت کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ دونوں دھڑے ایک ہو جائیں، ۲۷/ اکتوبر ۲۰۱۴ء کو ان دونوں دھڑوں میں انضمام ہو گیا، اس انضمام کے لیے حضرت کی کوششیں مسلم مجلس مشاورت کی تاریخ میں یادگار واقعے کے طور پر رقم کی جائیں گی۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ہندوستانی مسلمانوں کا قابل فخر ادارہ ہے، اس ادارے کا ابتدائی تخیل حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے دل و دماغ میں پیدا ہوا، یہ تخیل دارالعلوم میں پروان چڑھا، اور بمبئی میں اس کو بال و پر ملے جہاں مسلمانوں کے ہر طبقۂ فکر کے زعماء وقائدین جمع ہوئے اور سب نے مسلم پرسنل لاء کی حفاظت کے لیے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تشکیل میں حصہ لیا، اس کے اوّلین صدر اور بانی بھی حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ تھے، ایک سچے اور حقیقی جانشین کی طرح حضرت مولانا سالم قاسمیؒ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم سے مستقل طور پر سرگرم عمل رہے، یہاں تک کہ ان کو سینئر نائب صدر بھی بنا دیا گیا، حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ اس کے دوسرے صدر تھے، ان کے انتقال کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں انتخابی اجلاس ہوا، اس میں تین نام اگلے صدر کے لیے زیر غور آئے، سب سے نمایاں نام حضرت قاسمیؒ کا تھا، بہ قول حضرت مولانا رابع ندوی ''وہ بورڈ کے پہلے صدر کے فرزند، دارالعلوم دیوبند میں اپنی طویل خدمات رکھنے اور اس کے ترجمان کی حیثیت سے جانے جاتے اور بورڈ کے نائب صدر ہونے کی وجہ سے اہمیت رکھتے تھے'' حق بات تو یہ ہے کہ وہ سینئر نائب صدر ہونے کی حیثیت سے اس بات کے زیادہ مستحق تھے کہ ان کو صدر بنایا جاتا، لیکن حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلامؒ کا نام

بھی سامنے آ گیا، کچھ لوگوں نے حضرت مولانا رابع ندویؒ کا نام بھی پیش کر دیا، فیصلہ ہوا کہ ان تینوں حضرات کی بند کمرے میں میٹنگ ہو جائے، میٹنگ ہوئی اور حضرت مولانا مجاہد الاسلامؒ کے نام پر اتفاق ہو گیا، مولانا رابع ندوی تو خود بھی پس و پیش میں تھے وہ بورڈ کے کوئی عہدہ دار بھی نہیں تھے ان کا نام صرف توازن پیدا کرنے کے لیے سامنے لایا گیا تھا، اصل نام حضرت مولانا قاسمیؒ کا تھا جو انھوں نے اپنا حق ہونے کے باوجود واپس لے لیا، واپس ہی نہیں لیا بل کہ قاضی صاحبؒ کے نام پر اتفاق بھی کر لیا جو ان سے چھوٹے بل کہ ان کے شاگرد تھے، ملّی مفاد کے لیے اس طرح کی قربانیوں کی مثالیں کم ہی دیکھنے کو ملتی ہیں۔

دو سال بعد پھر یہی صورت حال تھی، قاضی مجاہد الاسلامؒ رحلت فرما چکے تھے، حیدر آباد کے انتخابی اجلاس میں نئے صدر کا نام تجویز ہونا تھا، اس بات سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ مولانا قاسمیؒ ہر طرح اس منصب کے اہل اور مستحق تھے، مگر کچھ لوگ مولانا رابع ندوی کو سامنے لے آئے، قریب تھا کہ عہدۂ صدارت کے لیے دو جلیل القدر ہستیوں کے درمیان مقابلہ ہو، دونوں طرف کے لوگ اپنے ووٹوں کا استعمال کریں، اور اکثریت کی بنیاد پر نئے صدر کا اعلان ہو، بورڈ کا دستور تو اس کی اجازت دیتا ہے لیکن روایت یہ رہی ہے کہ انتخاب اتفاقِ رائے سے ہو، یہاں بھی حضرت مولانا قاسمیؒ کا بڑا پن اور خاندانی عجز و انکسار سامنے آیا، انھوں نے بالکل عین وقت پر اپنا نام واپس لے کر بورڈ کو روایت کے حصار سے باہر نکلنے سے بچا لیا، مولانا رابع ندوی نے عہدۂ صدارت کے لیے اپنے انتخاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے ''کہ اس میں مولانا محمد سالم صاحبؒ کی تائید بھی شامل تھی، ان کو نائب صدر کا منصب پہلے سے حاصل تھا وہ برقرار رہا لیکن راقم السطور ان کو صدارت کے منصب کی حیثیت سے ہی محسوس کرتا رہا'' بلاشبہ یہ دوسری قربانی تھی جو مولانا قاسمیؒ نے اس خاموشی سے دی کہ دوسروں کو احساس تک نہ ہونے دیا، پہلی مرتبہ انھوں نے یہ منصب اپنے شاگرد کے لیے چھوڑا اور دوسری مرتبہ اپنے ایک درسی ساتھی کے لیے، جماعتی گروہ بندیوں کے دائرے سے نکل کر قربانیوں کا وسیع کینوس تیار کرنے کے لیے ایسی ہی شخصیات کے عمل اور اسوے کو اپنانا ضروری ہے، بعض اوقات عہدوں کی تڑپ جماعتوں کی تقسیم پر منتج ہوتی ہے، جس کے نقصانات جماعتوں کو لے ڈوبتے ہیں، مولانا قاسمیؒ نے دونوں مرتبہ اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کیا کہ جماعت بڑی ہے، جماعت اہم ہے، عہدہ بڑا نہیں ہے اور جماعت کے مقابلے میں عہدے کی کوئی اہمیت ہے۔

۱۹۸۰ء کے بعد حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی ذاتِ گرامی کو یہ کہہ کر بھی نشانہ بنایا گیا تھا کہ وہ اپنے فرزند مولانا سالم قاسمیؒ کو نائب مہتمم یا مہتمم بنانا چاہتے ہیں، میرے خیال میں اس وقت کے دار العلوم میں اس خیال کی کوئی باز گشت نہیں سنی گئی، میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مجلس شوری نے کبھی بھی اس موضوع پر غور نہیں کیا، اور نہ اس وقت کے مہتمم نے اس طرح کی کوئی تجویز رکھی، اس وقت دار العلوم دیوبند میں دو نائب مہتمم تھے، دونوں لمبے عرصے سے اس عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے، حضرت مولانا سالم قاسمیؒ کو

ہم نے کبھی اہتمام کے امور میں دخل دیتے ہوئے نہیں دیکھا، ان کا کام پڑھنا پڑھانا، اور دعوتی و تبلیغی دورے کرنا تھا، وہ اسی کام میں لگے رہتے، دیوبند میں رہتے تو تدریسی مشغولیات کے بعد ان کی توجہات کا مرکز جامعہ دینیات اور تاج المعارف جیسے ادارے تھے، دار العلوم کے عہدۂ اہتمام سے ان کی دوری کا حال تو یہ تھا کہ انقلاب کے بعد بہت دنوں تک تو وہ نیا دار العلوم کھولنے پر راضی ہی نہیں ہوئے اور جب دار العلوم وقف قائم ہو گیا تو لمبے عرصے تک وہ صرف نام کے مہتمم رہے، عملاً ان کے دوسرے رفقاء کار اس ادارے کو فروغ دینے میں لگے رہے، اس کے بعد جب انھوں نے دیکھا کہ یہ ادارہ اب ناگزیر ضرورت بن گیا ہے اور اب اس کی بقا بے حد ضروری ہے تو پھر اس کے اہتمام کا حق ادا کرنے میں بھی وہ پیچھے نہیں رہے، آج یہ ادارہ اپنے مضبوط وجود کے ساتھ موجود ہے، اس میں حضرت کے فکر و تدبر اور جہد و عمل کی حیثیت کلیدی ہے۔

بات عہدوں کی چل رہی ہے تو میں دو واقعات اور ذکر کرنا چاہوں گا، ان دونوں واقعات میں احقر ایک کردار کی حیثیت سے شریک رہا ہے، ان دونوں واقعات سے میں نے ایک نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حضرت کے یہاں استغناء بہت تھا، مال و منال سے بھی کہ نہ جاگیریں بنائیں نہ بنگلے کھڑے کیے، نہ فارم ہاؤس خریدے، اور عہدۂ و منصب سے بھی، اس استغناء اور بے نیازی کی کچھ تفصیل یوں ہے کہ جس وقت جمعیۃ علماء ہند کا اختلاف اپنے شباب پر تھا، اور یہ جماعت عملاً دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی اس وقت ایک مرحلہ امیر الہند کے انتخاب کا بھی پیش آیا، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کی وفات ہو چکی تھی اور جمعیۃ علماء ہند کو ایک نئے امیر الہند کا انتخاب کرنا تھا، ضرورت تھی کہ یہ انتخاب ایک غیر متنازع اور مسلّمہ شخصیت کی صورت میں ہو، ایک دن جمعیۃ علماء کے ایک اہم ذمہ دار شخصیت کا فون میرے پاس آیا ان کا کہنا تھا کہ جمعیۃ نے اس منصب جلیل کے لیے حضرت کا نام طے کیا ہے، ان کی خواہش تھی کہ میں حضرت مولانا قاسمیؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی طرف سے یہ درخواست پیش کروں کہ وہ اس منصب کو از راہ عنایت و شفقت قبول فرما لیں، مجھے یقین تھا کہ یہ کوشش رائگاں جائے گی، اس کے باوجود میں نے مولانا سفیان قاسمی کو فون کیا کہ مجھے حضرت سے ابھی اسی وقت ملاقات کرنی ہے، انھوں نے از راہ مہربانی در دولت پر فوراً بلا لیا، میں نے حاضر خدمت ہو کر حرفِ مدعا پیش کیا، حضرت نے میری بات توجہ سے سنی اور یہ کہہ کر ختم کر دی کہ ہم جمعیۃ کے جھگڑوں میں پڑنا نہیں چاہتے، یہی بات میں نے جمعیۃ کے ذمہ دار شخصیت تک پہنچا دی، حضرت اگر چاہتے تو وہ یہ منصب قبول بھی کر سکتے تھے، لیکن اختلافات سے دور رہنے اور عہدوں کے پیچھے نہ بھاگنے کے مزاج کی وجہ سے انہوں نے یہ پیش کش اسی وقت مسترد کر دی، ایک ایسا ہی موقع اس وقت پیش آیا جب حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کی وفات کے بعد عہدۂ اہتمام کا قضیہ نامرضیہ پیش آیا، پہلے مولانا غلام وستانوی مہتمم بنا دئے گئے، پھر ان کو ہٹا دیا گیا اس وقت نئے مہتمم کا انتخاب ایک چیلنج بن کر سامنے آیا، ضرورت تھی کہ ایک ایسی ہمہ گیر، جامع اوصاف، تجربہ کار، عقل و دانش سے بھرپور شخصیت کو سامنے لایا جائے

جس پر سب کا اتفاق بھی ہو، اس موقع پر پھر مجھے یاد کیا گیا اور اس شخصیت نے مجھ سے کہا دار العلوم کو اس بحران سے نکالنے میں صرف حضرت کی شخصیت ہی مددگار ثابت ہوسکتی ہے، آپ جائیں اور حضرت کو دار العلوم دیوبند کا مہتمم بننے پر راضی کرلیں، میں سچ کہتا ہوں کہ میرے لیے یہ پیش کش ناقابل یقین تھی، اس کے ساتھ ہی میرے لیے یہ بڑا حسین لمحہ بھی تھا کہ میں اس درخواست کے ساتھ حاضری دوں، میں نے پھر مولانا سفیان قاسمی صاحب کو فون کیا اور اسی وقت حاضری وملاقات کا وقت مانگا، انہوں نے فوراً ہی بلالیا، میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ میں اس طرح وہاں پہنچا جیسے ہواؤں میں اڑ رہا ہوں، فرط خوشی سے میرا چہرہ تمتما رہا تھا اور دل بلیوں اچھل رہا تھا، خدا جانے میں نے اپنی بات کس طرح اور کن لفظوں میں رکھی اور اپنا مافی الضمیر ادا کرنے میں کتنا وقت لگایا، مولانا سفیان خاموش موجود تھے، میں پیغام پہنچا رہا تھا، اور کچھ اپنے جذبات وخیالات کی آمیزش بھی کررہا تھا، حضرت اس وقت گاؤ تکیئے سے ٹیک لگائے اخبار پڑھ رہے تھے، میری بات انھوں نے توجہ کے ساتھ سنی اور جب میں خاموش ہوا تو انھوں نے ایک ہی جملہ کہا کہ ''ہم نہ اس عہدے کے پہلے طالب تھے اور نہ آج طلب گار ہیں'' یہ اس الزام کا جواب تھا جو بیس پچیس سال پہلے ان پر لگایا گیا تھا، مجھے اس وقت بڑی مایوسی ہوئی جب میں ناکام آیا، میں نے اپنی ناکامی کی داستان فون پر ان کو سنائی جنہوں نے مجھے اس پیش کش کے ساتھ بھیجا تھا، لیکن آج جب یہ سطریں لکھ رہا ہوں مجھے حضرت کے فکر وتدبر، عقل ودانش اور بے نیازی واستغناء کے سامنے سرنگوں کرنا پڑتا ہے، بلاشبہ ان کا یہ فیصلہ ہر اعتبار سے درست تھا، دار العلوم تو بزرگوں کے اخلاص کا تاج محل ہے اس کی دلکشی ورعنائی تو ان شاء اللہ اسی طرح برقرار رہنی ہے مگر یہ ہوسکتا تھا کہ کچھ فتنہ پرور لوگ حضرت کی غیر متنازع شخصیت کو پھر سے متنازع بنانے میں کامیاب ہوجاتے اور یہ بھی ہوسکتا تھا کہ دار العلوم کے منصب اہتمام کی ذمہ داریاں دار العلوم وقف کے اہتمام پر غالب آجاتیں اور وقف کے بڑھتے ہوئے قدم رُک جاتے، اگر ایسا ہوتا تو یہ ایک بڑا نقصان ہوتا، اس وقت کے دور اندیشانہ فیصلے نے ان نقصانات سے بچالیا۔

لکھنے کو بہت کچھ ہے، خیالات ہیں کہ دل ودماغ میں ہلچل مچائے ہوئے ہیں، دل چاہتا ہے لکھوں اور لکھتا رہوں، لیکن کب تک اور کہاں تک، کسی نہ کسی موڑ پر تو اشہب قلم کی لگام پکڑ کر روکنا ہی ہے، یوں بھی اب لوگوں کو اتنی فرصت کہاں کہ وہ طویل تحریریں پڑھیں، اس لیے اسی پر اکتفا کرتا ہوں اس شعر کے ساتھ جو نہ جانے کتنے لوگوں کے لیے ان کے حادثۂ فاجعہ کے بعد لکھا گیا اور پڑھا گیا، لیکن حقیقت میں اس کا مصداق کم ہی لوگ ہوتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ فی زمانہ اس شعر کا حقیقی مصداق حضرت والاؒ کی ذات والا صفات ہے ؎

ڈھونڈوگے اگر ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت وغم، اے ہم نفسو! وہ خواب ہیں ہم

❖ ❖ ❖

الوداع! چراغِ قاسمیت، آفتابِ دیوبند

محمد ارمغان ارمانؔ ❖

۲۳ صفر المظفر ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۳ نومبر ۲۰۱۷ء کو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیّب قاسمی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزندِ ثانی متکلمِ اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحب (صدر المدرّسین وناظم تعلیمات دارالعلوم وقف دیوبند) کا انتقال ہوا اور پھر چار ماہ بعد ہی ۱۰ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۸ مارچ ۲۰۱۸ء کو یہاں حضرت حکیم الاسلامؒ کے رُوحانی فرزند یعنی خلیفۂ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زید صاحب (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ محمدیہ فیصل آباد) کا انتقال ہوگیا، رحمہما اللہ تعالیٰ۔

اور اَب ۲۷ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء بروز ہفتہ بعد نمازِ ظہر ڈھائی بجے حضرت حجۃ الاسلام کے پڑپوتے، حضرت حکیم الاسلام کے فرزندِ اکبر وخلیفۂ مجاز وجانشین، حضرت حکیم الاُمّت کے آخری تلمیذِ رشید وصحبت یافتہ، حضرت شیخ الاسلام کے تلمیذِ رشید، حضرت رائے پوری ثانی رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسترشد، مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند، سینئر نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، ترجمانِ اہلِ سُنّت، شانِ دیوبندیت، پاسبانِ عُلومِ قاسمی، عالمِ ربّانی، بقیۃ السلف، سرتاج العلماء، مرجع الخلائق، اُستاذ العلماء، مُحدّثِ جلیل، خطیب الاسلام حضرتِ اقدس مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ پچانوے سال (باعتبارِ ہجری) کی عُمر میں انتقال فرماگئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہ وَارْحَمْہ، اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہ

آ گئی اب تو شاید قیامت قریب
اُٹھتے جاتے ہیں سب اہلِ علم و نجیب

نمازِ جنازہ بعد نمازِ عشاء دس بجے احاطۂ مولسری (دارالعلوم دیوبند) میں آپ کے صاحب زادہ وجانشین اور مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہ کی اقتدا میں ادا کی گئی اور تدفین قبرستانِ قاسمی میں جدِّ اعلیٰ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور والدِ ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیّب قاسمی رحمہما اللہ تعالیٰ کے درمیان عمل میں آئی، یعنی دائیں جانب والدِ ماجد اور بائیں جانب جدِّ اعلیٰ آرام فرما ہیں۔ آہ! حضرت خطیب الاسلام کا شمار ایسے ہی باکمال لوگوں میں ہوتا تھا جن

❖ فیصل آباد، پاکستان

کے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مشرّف علی تھانوی مدظلہم کا شعر ہے کہ۔

سجائے گا اب کون ایوانِ مجلس
جلائے گا اب شمع کون انجمن کی

آپ کے انتقال کے ساتھ تاریخ کا ایک عظیم دَور ختم ہوگیا، آپ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ جڑی کئی روایات دَم توڑ گئیں۔ ایسی ہی نابغۂ روزگار شخصیات کے انتقال کر جانے پر کہا جاتا ہے کہ: مَـــوْتُ الْعَالِمْ، مَوْتُ الْعَالَمْ.

آپ کے انتقال پر مفکرِ اسلام حضرت ڈاکٹر علاّمہ خالد محمود صاحب مدظلہم نے مختصر الفاظ میں تعزیت کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا کہ دیوبند کا آفتابِ علم وعرفان غروب ہوگیا جن کے نام اور کام سے دیوبند کی تاریخ جانی جاتی تھی اور جن کی بات بات سے علم ودانش کے پھول جھڑتے تھے۔

حضرت خطیب الاسلام کے فرزند وجانشین جناب مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہ کے بقول: حضرت پھیپڑوں کے صحیح طور پر کام نہ کرنے نیز ضعف ونقاہت کی وجہ سے کافی عرصہ سے بسترِ علالت پر تھے، اس دوران انھیں آئی سی یو میں بھی رکھا گیا۔ گزشتہ کئی دِنوں سے حضرت پر غشی طاری تھی، انھیں آکسیجن کے ذریعہ سانسیں دِلائی جارہی تھیں اور ڈرپ کے ذریعہ جسمانی تقویت کے لیے دوائیں دی جارہی تھیں۔ شہر کے مختلف معالجوں نے اپنی بھرپور جدوجہد کی، پھر ماہر ڈاکٹروں کی ٹیم نے کہا کہ حضرت کا آخری وقت آ چکا ہے، وقت بہت کم رہ گیا ہے، اب تو صرف معجزہ ہی ہوسکتا ہے، کیوں کہ اعضائے جسمانی نے بھی کام کرنا بند کردیا تھا۔ بالآخر تقدیر غالب آئی اور دوپہر ڈھائی بجے حضرت اپنی آخری سانسیں اپنے گھر آستانۂ قاسمی میں لے کر دارِفانی سے رُخصت ہوگئے۔

مختصر سوانحی حالات

آپ ایک جامع الصفات والکمالات شخصیت کے مالک تھے، بیک وقت ایک بہترین محقق عالم، متکلم، مفسر، مُحدِّث، مدرِّس، مبلغ، مصلح، مفکر، منتظم اور خطیب تھے، عہدِ حاضر میں عُلومِ قاسمی کے وارث وشارح، کاروانِ دیوبند کے میرِ کارواں، اکابر کی یادگار اور سلسلۂ اشرفیہ کے ترجمان تھے۔

تاریخ ولادت

آپ ۲۲؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۴ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۲۶ء بروز جمعہ آستانۂ قاسمی دیوبند میں پیدا ہوئے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت سیّدنا ابوبکر صِدِّیق رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔ والدِ ماجد حکیم الاسلام

حضرت مولانا قاری محمد طیّب قاسمی صاحبؒ (م۱۴۰۳ھ، مہتمم سابع دارالعلوم دیوبند) ہیں جو فخر الاسلام حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ (م۱۳۴۷ھ، مہتمم خامس دارالعلوم دیوبند) کے فرزندِ اکبر اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (م۱۲۹۷ھ، بانی دارالعلوم دیوبند) کے پوتے تھے۔ اور والدہ ماجدہ ایک علمی گھرانے کی چشم و چراغ، نہایت نیک، متقی اور عبادت گزار تھیں۔

تعلیم وتدریس

ابتدائی تربیّت گھر میں ہوئی۔ آپ نے ۱۳۵۱ھ میں دینی تعلیم کا آغاز اور ۱۳۶۷ھ میں تکمیل فرمائی، از ابتدا تا انتہا دارالعلوم دیوبند میں ہی تعلیم حاصل کی۔

آپ کے اَساتذہ میں؛ حکیم الامّت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی (م۱۳۶۲ھ)، شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی (م۱۳۷۷ھ)، جامع المعقول والمنقول حضرت علاّمہ محمد ابراہیم بلیاوی (م۱۳۸۷ھ)، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہی (م۱۳۷۴ھ)، حضرت مولانا سیّد فخر الحسن مُرادآبادی (م۱۴۰۰ء)، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیّب قاسمی، حضرت مولانا سیّد میاں اختر حسین دیوبندی (م۱۳۹۷ھ، فرزندِ اکبر عارف باللہ حضرت مولانا سیّد میاں اصغر حسین دیوبندی)، حضرت مولانا عبدالسمیع دیوبندی (م۱۳۶۶ھ)، حضرت مولانا قاری محمد اصغر، حضرت مولانا عبدالاحد دیوبندی (م۱۳۹۹ھ، فرزند حضرت مولانا عبدالسمیع دیوبندی) رَحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم جیسی عبقری شخصیات ہیں۔ نیز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی (م۱۴۰۲ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی استفادہ کیا۔

آپ کے رُفقا میں؛ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان (م۱۴۳۸ھ، بانی ومہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی، وصدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان)، شیخ الحدیث حضرت علاّمہ رفیق احمد بھیسانوی (م۱۴۱۱ھ، سابق شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد ودارالعلوم وقف دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور)، حضرت مولانا سیّد اَسعد مدنی (م۱۴۲۷ھ، فرزند حضرت شیخ الاسلام، نیز یہ حضرت خطیب الاسلام کے تلمیذِ رشید بھی ہیں)، حضرت مولانا جلیل میاں حسین دیوبندی، حضرت مولانا سیّد فرید الوحیدی (م۲۰۰۴ء، فرزند مولانا وحید احمد بن مولانا صِدّیق احمد برادرِ اکبر حضرت شیخ الاسلام) رحمہم اللہ تعالیٰ، حضرت مولانا عتیق الرحمن سنبھلی صاحب (فرزند حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ)، حضرت مولانا سیّد محمد رابع حسنی ندوی صاحب (ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) مدظلہما وغیرہ ہیں۔

تکمیل عُلومِ دینیہ کے فوراً بعد دارالعلوم دیوبند میں ہی درس وتدریس میں لگ گئے اور طویل عرصہ

تک تقریباً چھوٹی بڑی تمام کتابیں پڑھاتے رہے، ایک خلقِ کثیر نے آپ سے استفادہ کیا۔

منصبِ اہتمام

آپ کا دَورِاہتمام تیس سال سے متجاوز ہے۔۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں والدِ ماجد حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ کی قیادت میں دارالعلوم دیوبند کی نشاۃ ثانیہ دارالعلوم وقف دیوبند کی شکل میں ہوئی، جولائی ۱۹۸۳ء میں والدِ ماجد کے وصال پر آپ مہتمم منتخب ہوئے۔ پھر ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۳ستمبر ۲۰۱۴ء میں آپ کی کمزوری و پیرانہ سالی اور منصبِ اہتمام کے کثرتِ کار کے سبب اراکینِ شوریٰ کی تجویز پر آپ کو دارالعلوم وقف کا صدر مہتمم اور صاحب زادہ حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہ کو مہتمم منتخب کیا گیا۔

بیعت وخلافت

آپ کی بیعت شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رَائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ (۱۳۸۲ھ) سے اور اصلاح وتربیّت والدِ ماجد سے ہے اور والدِ ماجد کی طرف سے بھی آپ کو خلافت واجازتِ بیعت حاصل ہوئی۔ آپ نے دیگر امور ومشاغل کے ساتھ بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی آخر تک جاری رکھا، سو سے زائد حضرات کو خلافت عطا فرمائی۔

تصنیفات ومقالات

آپ نے بے شمار اُردو وعربی میں گراں قدر مقالات تحریر فرمائے اور کئی تصنیفات یادگار چھوڑیں، مثلاً: مبادی التربیۃ الاسلامیۃ (عربی)، جائزہ تراجمِ قرآن، تاجدارِ اَرضِ حرم کا پیغام، مَردِ غازی، مجاہدینِ آزادی، عظیم تاریخی خدمات، رسالۃ المصطفیٰ، سفرنامۂ برما وغیرہ۔ اس کے علاوہ آپ کی زیرِ نگرانی اکابر کے افادات اور سوانحی حالات پر مشتمل کئی کتابیں تصنیف ہوئیں، نیز زیرِ سرپرستی کئی رسائل وجرائد بھی شائع ہو رہے تھے۔

آپ کے خطبات کا مجموعہ بنام خطباتِ خطیب الاسلام کی کئی جلدیں چھپ چکی ہیں۔ آپ شعر کہنے کی بھی اعلیٰ درجہ صلاحیت رکھتے تھے جیسا کہ اپنی اہلیۂ محترمہ کی وفات پر آپ نے ایک دِلسوز مرثیہ لکھا تھا، لیکن باقاعدہ شاعری کو نہیں اَپنایا۔

اخلاق وعادات

آپ وقت کے نہایت پابند، قائدانہ صلاحیت کے مالک اور اَصاغر کی ہمّت افزائی کرنے والے تھے۔ آپ کی شخصیت اعلیٰ اخلاق، پاکیزہ کردار اور بلند فکر کی حامل تھی، مثلاً؛ تحمل مزاج، وسیع القلب، کشادہ نظر، شریف النفس، صُلح جو، عفو ودَرگزر، صابر وشاکر، متوکل علی اللہ، ملنسار، خوش مزاج، متواضع اور سادگی پسند وغیرہ۔ آپ فکرِ قاسمی اور اکابر کی روایات کے امین، زبان وقلم میں اعتدال پسند، تنازعات سے پاک اور اتحادِ اُمّت کے داعی تھے۔ آپ کی مجلسیں غیبت وچغلی سے بالکل پاک ہوا کرتی تھیں، کبھی کسی کے خلاف زبان وقلم کا استعمال نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ مخالفین بھی آپ کے اعلیٰ اخلاق کا کھلا اعتراف کرتے تھے۔

مناصب واعزازات

آپ کی جلیل القدر خدماتِ دینیہ کے اعتراف میں آپ کو عالمی سطح پر کئی بڑے اعزازات سے بھی نوازا گیا۔ اس وقت آپ کئی اہم مناصب پر فائز تھے، مثلاً : صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند، رُکن علماء کونسل مصر، سرپرست ورُکن مجلسِ شوریٰ مظاہر علوم وقف سہارنپور، رُکن مجلسِ انتظامیہ وشوریٰ ندوۃ العلماء لکھنؤ، سینئر نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، سابق صدر وسرپرست آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت، سرپرست جامعہ دینیات، سرپرست اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، اس کے علاوہ آپ بے شمار تنظیموں، اداروں اور جماعتوں کے رُکن اور مدارسِ اسلامیہ کے سرپرست تھے۔

باقیات الصالحات

آپ کی اولاد میں چار بیٹے؛ (۱) جناب محمد سلمان قاسمی (۲) حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی مدظلہ جانشین حضرت خطیب الاسلامؒ ومہتمم دارالعلوم وقف دیوبند (۳) جناب محمد عدنان قاسمی (۴) جناب حافظ محمد عاصم قاسمی چیئرمین طیّب ٹرسٹ دیوبند اور دو بیٹیاں ہیں۔

والدِ ماجد سے چند مشابہتوں کا ذکر

☆ ... دینی تعلیم کا آغاز جس طرح حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے سات سال کی عُمر میں (۱۳۲۲ھ) اور تکمیل بائیس سال کی عُمر میں (۱۳۳۷ھ) فرمائی، اسی طرح صاحب زادہ حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی سات سال کی عُمر (۱۳۵۱ھ) میں آغاز اور بائیس سال کی عُمر (۱۳۶۷ھ

مطابق ۱۹۴۸ء) میں تکمیل فرمائی تھی، یُوں ان دونوں کا کُل مُدّتِ تعلیم پندرہ سال ہوا۔

☆ ... جن باکمال اَساتذہ سے حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے دینی تعلیم حاصل کی، صاحب زادہ حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی اُن میں سے کچھ حضرات سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہے، یُوں یہ عظیم باپ بیٹا باہم اُستاذ بھائی کا رِشتہ بھی رکھتے ہیں۔ مثلاً : حکیم الُامّت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا عبدالسمیع دیوبندی، جامع المعقول والمنقول حضرت علاّمہ محمد ابراہیم بلیاوی، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

حضرت حکیم الاسلامؒ نے اپنے شیخ حضرت تھانوی سے باضابطہ مروّجہ نصاب کی کوئی کتاب پڑھنے کے سوا کثرت سے علمی ورُوحانی کسبِ فیض کیا ہے، اس لیے مُرید ہونے کے ساتھ شاگرد بھی ہیں، جب کہ صاحب زادہ نے حضرت تھانویؒ سے باضابطہ ابتدائی درجہ کی ایک کتاب پڑھی ہے۔

☆ ... وعظ وخطابت میں حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو عظیم مقام پایا وہ محتاجِ بیاں نہیں، صاحب زادہ حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ اس وصف میں آپ کا عکسِ جمیل تھے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو اپنے والدِ ماجد کی طرح عوام وخواص میں بہت مقبولیت ومحبوبیت عطا فرمائی، زبان وبیان کا عُمدہ اسلوب، خوب سلیقہ اور خاص ذوق عطا فرمایا تھا، اندرون وبیرون ملک بے شمار دعوتی اسفار کئے، ان کی تقریر میں عالمانہ وعارِفانہ وحکیمانہ رنگ اور فکر وبصیرت جھلکتی تھی، مربوط انداز، نپے تُلے الفاظ اور خوش گوار لہجے میں بات ہوتی تھی۔

☆ ... مزاج وعادات میں حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے من جملہ دیگر خندہ رُوئی، حلم، صبر، سکوت، استغنا، ثباتِ قدمی، نفاست پسندی، سخت کوشی اور پابندی وقت میں بے نظیر تھے، ویسے ہی صاحب زادہ حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی حال تھا۔ کیسی ہی ناخوشگوار صورتِ حال اور مشکل حالات ہوں، کبھی نرم گوئی، نرم مزاجی اور بُردباری کو تَرک نہ فرمایا، خلوت ہو یا جلوت؛ کبھی کسی کی غیبت اور بُرائی بیان کی اور نہ سُنی، عفوودرگزر اور عالی ظرفی کا مظاہرہ فرماتے۔

باپ بیٹے کے لیے ایک سعادتِ عظمیٰ اور بشارتِ کبریٰ

۱۸ دسمبر ۱۹۵۶ء میں جب حضرت حکیم الاسلام بمعہ اہلیۂ محترمہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک عزیز اوراہلِ بَرما کی دعوت پر بَرما کا تاریخی سفر فرمایا تو آپ کے رفیقِ سفر صاحب زادہ حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ تھے جن کی اُس وقت عُمر تیس سال تھی؛ یہ طویل دَورہ تقریباً اڑھائی ماہ رہا اور نہایت کامیاب اورنتیجہ خیز ثابت ہوا تھا۔ پھر بعد میں حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سفر کی رُوداد اور وہاں کے

قابلِ ذکر اَحوال وواقعات کو سفر نامۂ برما کے نام سے مُرتب کیے، یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔ کتاب کے آخر میں اپنے والدِ ماجد کا ایک اہم خواب نقل کرتے ہیں جس میں عظیم باپ بیٹا دونوں کے لیے ایک بڑی بشارت اور نیک فال ہے۔ ملاحظہ ہو:

حضرت حکیم الاسلامؒ کا ایک مُبارک خواب

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ رقمطراز ہیں کہ: سفرِ رَنگون سے واپسی میں ۲۴ رَجب ۱۳۷۶ھ، ۲۵ فروری ۱۹۵۷ء یوم دوشنبہ کو اَخیر شب میں جہاز ہی میں حضرت قبلہ مدظلہ نے یہ خواب دیکھا جو اَحقر کو صبح ہی سُنایا، فرمایا کہ:

’’میں نے دیکھا کہ میں اور تم یعنی احقر محمد سالم کسی دوسرے شہر میں ہیں، مجھے معلوم ہوا کہ اس شہر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود ہیں، یہ سُن کر میں تنہا ان کو تلاش کرتا ہوا اُن تک پہنچ گیا؛ مُلاقات ہوئی، تو نہایت بزرگانہ شفقت سے پیش آئے۔ مُلاقات کے بعد یہ یقین خواب ہی میں ہو گیا کہ میں تابعی بن گیا، چُوں کہ عیاناً ایک صحابی ومقرب کی زیارت سے مشرّف ہو گیا۔ اس پر اللہ کا شکر ادا کیا اور ساتھ ہی دِل میں یہ داعیہ بھی پیدا ہوا کہ تمھیں (محمد سالم) کو بھی مِلاؤں۔ تو قیام گاہ واپس آیا اور تم سے کہا: اس شہر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود ہیں؛ میں نے زیارت کر لی اور الحمد للہ تابعی بن گیا، تم بھی یہ شرف حاصل کرلو۔

یہ سُن کر تم بڑے شوق سے میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو گئے۔ اب معلوم ہوا کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا تو مکان بھی یہیں ہے، تو میں اور تم ان کے مکان پر ہی حاضر ہوئے، وہاں جا کر دیکھا تو وہ اپنا ہی قدیم جدّی مکان ہے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ والا، اور وہاں اَمّاں عائشہ رضی اللہ عنہا بھی موجود ہیں اور اُن کی والدہ بھی یعنی بڑی دادی۔ یہ دیکھ کر ہمیں اور بھی زیادہ خوشی ہوئی اور اَمّاں عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہی کہا کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ یہاں رہتے ہیں اور ابھی تشریف لاتے ہیں۔

تھوڑی ہی دیر حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے، تو میں نے نہایت ادب سے مُلاقات کی، تو پھر انتہائی شفقت فرمائی۔ اس کے بعد میں نے کہا کہ حضرت! یہ سالم آیا ہے۔ تو اس پر تم سے مُلاقات کے لیے اس طرح بڑھے جیسے منتظر ہی تھے۔ تم نے ادب سے جھک کر مُلاقات کی، تو میں نے کہا کہ معانقہ کرو، تم بڑھے اور اَدب کی وجہ سے رُک گئے، تو فرمایا کہ بس ٹھیک ہے، اور خود سے اُنھوں نے ہی معانقہ کیا اور سَر پر ہاتھ پھیرا۔

اس کے بعد معلوم ہوا کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر سے جاتا تھا، تو میں نے حضرت قبلہ سے عرض کیا کہ حضرت! ہمیں ان برتنوں کی زیارت کرا دیجیے جن

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا جاتا تھا۔ فرمایا : بہت اچھا! اور یہ فرما کر اندر سے ایک مُونجھ کا پیالہ لائے جس میں اندر بال سے کھڑے ہوئے ہیں، اور فرمایا : اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا جاتا تھا۔ تو ہم نے اس پیالہ کو چُوما اور اَدب سے سَر پر رکھا اور دیر تک اس سے اکتسابِ فیض کیا۔ اس کے بعد آنکھ کھل گئی، حق تعالیٰ کا شکر اَدا کیا۔

احقر سے بعد میں حضرت قبلہ نے فرمایا کہ یہ خواب میرے اور تمھارے حق میں ان شاء اللہ فالِ نیک ہے اور فرمایا : امّاں عائشہ اور دادی بُوا کی مقبولیت کا بھی اس سے اندازہ ہوتا ہے۔(۱)

تلامذۂ حکیم الُامّت کا خِتام مِسْکٌ

فخر المُحدِّثین حضرت مولانا عبید اللہ المفتی القاسمی (م ۱۴۳۷ھ، فرزندِ اکبر مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری، وخلیفۂ مجاز حضرت حکیم الاسلام، ومہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور) رحمہم اللہ تعالیٰ کے انتقال کے بعد پوری دُنیا میں حکیم الُامّت حضرت تھانوی قدس سرّہ سے براہِ راست باقاعدہ نسبتِ تلمذ رکھنے والی آخری شخصیت حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ کی تھی۔ یہ چراغ بھی کچھ عرصہ سے ٹمٹما رہا تھا، بالآخر حکیم الُامّت جامع المُجدِّدین حضرت تھانوی قدس سرّہ کے سلسلۂ تلامذہ کی یہ آخری کڑی بھی ٹوٹ گئی، اب پوری دُنیا میں حضرت تھانویؒ سے شرفِ تلمذ رکھنے والا کوئی موجود نہیں رہا۔

حضرت تھانوی قدس سرّہ سے براہِ راست باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے والوں میں بہ لحاظِ ترتیب بھی آخری شخص غالباً حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ ہی تھے؛ کیوں کہ آپ نے ۱۳۶۲ھ (مہینہ معلوم نہیں ہوسکا) میں حضرت تھانوی سے میزانُ الصَّرف پڑھی جو فارسی زبان میں عربی علم الصَّرف کی مشہور ومعروف اور دَرسِ نظامی کے ابتدائی درجہ کی بنیادی کتاب ہے اور حضرت تھانوی قدس سرّہٗ کی وفات بھی اسی سال یعنی ۱۶ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء میں ہوئی۔ ذیل میں حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر سے دو اِقتباسات ملاحظہ ہوں۔

(۱) ۲۸ ربیع الاوّل ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۱ نومبر ۱۹۸۷ء کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں حکیم الُامّت کانفرنس کا انعقاد ہوا تھا، اس موقع پر جامعہ کی طرف سے ترجمان ماہنامہ ''الحسن'' کی ایک ضخیم خصوصی اشاعت بنام حکیم الُامّتؒ نمبر بھی شائع کی گئی؛ حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس خاص نمبر کے لیے ایک مقالہ بنام ''حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرّہ العزیز ایک اُصول پسند شخصیت''، تحریر فرمایا تھا، اس کے آخر میں خود فرماتے ہیں کہ :

(۱) سفر نامۂ برما: ۸۳، ۸۴

بطورِ تحدیثِ نعمت حضرتِ اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا، منتسبین کی دُعاؤں سے فیض یابی کے لیے یہ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ راقم ناکارہ کو بفضلِ خداوندی اور سعی وتوجّہ والد ماجد حکیم الاسلام حضرتِ اقدس مولانا محمد طیّب صاحب نوراللہ مرقدہٗ یہ سعادت میسر آئی کہ عربی نصاب دارالعلوم دیو بند کی اوّلین کتاب میزانُ الصَّرف حضرت حکیم الُامّت رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے کا موقع ملا، فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ. (۱)

(۲) ۲۰۰۵ء میں محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمہ اللہ تعالیٰ (م۱۴۲۶ھ) کی وفات پر آپ کی یاد میں مظاہرعلوم وقف سہارنپور نے اپنے ترجمان ماہنامہ ''آئینۂ مظاہر علوم'' کی خصوصی اشاعت بنام ''محی السنہ'' نمبر کا اہتمام کیا، اس میں حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک مقالہ بنام ''ذکرِ ابرار وتذکرۂ ابرار مقدّسین'' تحریر فرمایا تھا، اس میں فرماتے ہیں کہ:

راقم ناکارہ کو حکیم الُامّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرّہ سے جس زمانہ میں شرفِ تلمذ حاصل ہوا، اس سے کچھ عرصہ قبل ہی (یعنی ۱۳۶۱ھ میں) حضرت مولانا ابرارالحق صاحب کو باوجود نوعُمری کے (بائیس سال کی عُمر میں) خلافت سے نوازا گیا تھا۔ آگے فرماتے ہیں کہ حضرت حکیم الُامّت کا غالبًا عصرِ رواں میں شرفِ تلمذ سے مشرّف آخری یہ ہی احقر کفش بردار ہے اور یہی سعادتِ تلمذ احقر کے لیے کرمِ ربّانی کا محورِ اُمید ہے۔ (۲)

المختصر! خلفائے حکیم الُامّت میں سب سے آخر میں وفات پانے والے حضرت محی السنہؒ تھے، تو تلامذۂ حکیم الُامّت میں حضرت خطیب الاسلامؒ۔ یوں آپ کو نسبتِ اشرفی میں یہ ایک منفرد خصوصیّت حاصل ہوئی کہ تلامذۂ حکیم الُامّت کے آپ ''خِتٰمُهٗ مِسْكٌ'' ہیں؛ ترتیب کے لحاظ سے بھی اور دُنیا سے رُخصت ہونے والوں میں بھی۔ خوب فرمایا حضرت عارفیؔ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہ ؎

بار یاب مجلسِ اشرف رہا ہوں عارفیؔ
یہ شرف میرے لیے سرمایۂ صد ناز ہے
دیکھتے ہیں مجھ کو عزّت کی نظر سے اہلِ دل
اللہ اللہ ان کی نسبت میں بھی کیا اعجاز ہے

نسبتِ اشرفی کی حامل چند بقیدِ حیات شخصیات

اس وقت دُنیا میں چند ایک ایسی شخصیات ابھی بقیدِ حیات ہیں جن کو اپنے بچپن میں جامع المجد دین حضرت تھانوی قدس سرّہ کی زیارت وصحبت وبیعت کا شرف حاصل ہوا یا حضرت کی مبارک

(۱) ج:۱،ص:۲۸۸　　(۲) ص:۳۵، ۳۶

نگاہیں اُن پر پڑی ہیں۔ وہ حضرات جو شرفِ بیعت رکھتے ہیں:

(۱) محترمہ عتیقہ صاحبہ مدظلہا؛ یہ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۱۳۹۶ھ) کی صاحب زادی اور حضراتِ شیخین؛ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب و شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہما کی بڑی ہمشیرہ ہیں۔ ان کو بچپن میں تبرکاً بیعت حاصل ہوئی۔

(۲) جناب ڈاکٹر احسن عباس صاحب؛ یہ عارِف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی عارفیؒ (م ۱۴۰۶ھ) کے فرزندِ ثانی ہیں۔ (ان کی حیات یا وفات کے بارے میں پوری طرح معلوم نہیں کرسکا، تاہم اَغلب یہی ہے کہ ابھی باحیات ہیں)

اور وہ حضرات جن پر حضرت تھانوی قدس سرّہ کی مبارک نگاہیں پڑی ہیں:

(۳) مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ؛ یہ حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی کے فرزندِ ارجمند، حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحی عارفیؒ رحمہما اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ مجاز اور دارالعلوم کراچی کے صدر ہیں۔ خود فرماتے ہیں کہ ناچیز کی عُمر حضرت حکیم الامتؒ کی وفات کے وقت صرف سات برس تھی۔ وفات کا حادثہ تو بخوبی یاد ہے، حضرت کو حیات میں دیکھا بھی ضرور ہوگا؛ مگر افسوس! کہ نہ دیکھنا یاد رہا، نہ شکل مبارک حافظہ میں ہے۔(۱)

نوٹ: یہاں چوتھا نام شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مشرّف علی تھانوی صاحبؒ (فرزند فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی، ونواسۂ حضرت حکیم الاُمّت، وخلیفۂ مجاز حضرت عارفی رحمہم اللہ تعالیٰ، ومہتمم جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور) کا لکھا تھا اور مضمون بھی مکمل ہوچکا تھا کہ اطلاع آئی کہ حضرت مولانا کا بھی مدینہ منورہ میں انتقال ہوگیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. اس خبر سے قلب کو بہت صدمہ ہوا، آہ! اس دَورِ قحط الرجال میں ہمارے بڑے بزرگ ایک ایک کرکے ہم سے رُخصت ہوتے جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت کی قبر پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے، آمین۔

احقر کے علم میں ان حضرات کے علاوہ اس وقت کوئی اور ایسا شخص نہیں جسے حضرت تھانوی قدس سرّہ سے شرفِ بیعت یا زیارت حاصل ہو یا اُس پر حضرت کی مبارک نگاہیں پڑی ہوں۔ البتہ ممکن ہے کہ انڈیا یا بنگلہ دیش وغیرہ میں کوئی بقیدِ حیات ہو، واللہ اعلم

حضرت شیخ العرب والعجم پر خصوصی اشاعت و تاثرات

شیخ العرب والعجم عارِف باللہ مُجدّدِ زمانہ سیّدی و مُرشدی حضرتِ اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختؒر قدس

(۱) حیاتِ مفتیٔ اعظم: ۴۹

سرّہ کا ۲۲ رَجب المرجب ۱۴۳۴ھ مطابق ۲ جون ۲۰۱۳ء میں جب وصال ہوا، اس وقت حضرت خطیب الاسلام اور ان کے صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہ جو اس وقت دارالعلوم وقف دیوبند کے نائب مہتمم تھے، ان حضرات نے قدرشناسی کی مثال قائم کرتے ہوئے حضرت والا مُرشدی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں جامعہ کے ترجمان ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' کا خاص شمارہ بنام مُرشدِ ملّت نمبر شائع کیا؛ حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے مختصر مگر جامع تعزیتی کلمات تحریر فرمائے، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''عارِف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختؔر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسلکِ اہلِ حق کے مؤثر ترجمان عالم اور بواسطۂ حضرت مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ مشربِ حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص نقیب کی وفات حسرتِ آیات سے عالمی پیمانے پر ملّتِ اسلامیہ کی الم ناک محرومی ہے۔ حضرت حکیم صاحبؒ کے فیضِ علمی اور عرفانی سے دُنیا کے مختلف ممالک کے عُلماء، صلحا اور عامّۃ المسلمین طویل عرصہ تک مستفیض رہے اور جہاں بھی حضرت والا کا جانا ہوا؛ مختصر قیام کے باوجود اُن کے سراپا علم ومعرفت کلمات سے لوگوں میں ایمانی قُوت کا غیرمعمولی اضافہ ہرکس وناکس غیرمعلومی طور پر محسوس کرتا تھا اور اُن کی ذاتِ گرامی کی عالمی مقبولیت عوام وخواص اور اہلِ علم اور حاملینِ ذوقِ دین کے ذہنوں ہی میں نہیں، بلکہ قدرشناس حضرات تحریراً اُن کے پُرتاثیر کلماتِ عرفانیہ کو محفوظ کر کے اُن کے عالمی قدرشناس حلقے کے لیے وسیع پیمانے پر اِستفادہ کی راہیں پیدا کر دیتے تھے الخ۔''

راقم کو شرفِ زیارت

خانوادۂ قاسمی کے چشم وچراغ ہونے کے سبب حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کا احقر کو بھی بہت شوق تھا، ممکن مگر نہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا۔

جمادی الاخریٰ ۱۴۳۲ھ مطابق مئی ۲۰۱۱ء میں جب حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ دو ہفتے کے دَورہ پر پاکستان تشریف لائے۔ ان دِنوں کی بات ہے کہ ایک روز حسبِ عادت اجتماعاتِ دینیہ کے اشتہار دیکھ رہا تھا، اسی دوران ایک جگہ پر نظر پڑی کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پڑپوتے، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیّب قاسمی رحمہما اللہ تعالیٰ کے صاحب زادے اور دارالعلوم (وقف) دیوبند کے مہتمم فلاں تاریخ کو فیصل آباد میں جامعہ اسلامیہ امدادیہ میں تشریف لا رہے ہیں اور بیان فرمائیں گے۔ یہ خبر پڑھنا تھا کہ قلب خوشی سے سرشار اور زبان تشکر آمیز کلمات سے لبریز ہوگئی۔ پھر گن گن کر دِن گزارنے لگا کہ وہ روزِ سعید کب آئے گا۔

مقررہ دِن جامعہ کو جانے والی سڑکوں پر بہت ہجوم دیکھنے کو ملا، گاڑیوں اور پیدل چلنے والوں کی لمبی لمبی لائنیں لگی ہوئی تھیں، دُور دُور سے حضرات عُلماء، صلحاء، طلبہ اور عام لوگ جوق در جوق پہنچ رہے تھے، ایک عجیب سماں تھا جیسے کسی مُلک کے بادشاہ کی آمد ہونے والی ہو؛ بے شک یہ اللہ والے لوگوں کے دِلوں پر حکمرانی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے احقر کو بھی توفیق نصیب فرمائی اور وقت مقررہ سے پہلے جامعہ پہنچ گیا۔ حضرت مسجد جامعہ ہٰذا میں جب تشریف لائے، تو حاضرینِ مجلس نے جوشِ مسرّت اور فرطِ عقیدت میں کھڑے ہوکر اپنے معزز اور بلند نسبتوں کے امین مہمان کا استقبال کیا۔ حضرت کے چہرۂ مبارک پر انوارِ قاسمی جھلملا رہے تھے، نہایت متواضع، سادہ مگر نفیس اور تکلّفات سے بالا تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! احقر کو قریب سے زیارت اور پُر حکمت بیان سننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ پاکستان تشریف آوری بھی غالبًا آخری تھی۔

جان کر مِن جملۂ خاصانِ مَے خانہ تجھے
مُدّتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

ربِّ کریم حضرت کی بے حساب مغفرت و بخشش فرما کر جنّت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اس پُرفتن دَور میں ہمیں سچے اللہ والوں سے جُڑنے اور اُن کی بھرپور قدر دانی کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، آمین۔

❖ ❖ ❖

ملّی وحدت کے علمبردار

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ

محمد مجتبیٰ فاروق ❖

یہ میرے لئے سعادت کی بات ہے کہ برصغیر ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کی عظیم شخصیت خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم القاسمی صاحبؒ کی شخصیت پر اپنے تحریری تاثرات پیش کرنے کا موقع ملا۔

میں نے بہت کم ایسے خاندان دیکھے کہ نسل درنسل مسند خیر وصلاح پر براجمان ہوں۔اشاعت وتعلیم دین اور اصلاح معاشرہ میں خانوادۂ قاسمی کو اللہ نے جو امتیاز و برکت عطا فرمائی ہے،اس کی دوسری مثال ماضی قریب وحال میں شاید ہی ملے۔حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ کی خدمات عالیہ اور ان کے بعد خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ کی دیرینہ خدمات ۔ پھر مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند اور پھر ان کے فرزند عالی قدر ....ایک سلسلۃ الذہب ہے۔حضرت کے دوسرے بھائی ہوں یا دیگر اولادیں۔ذکر صرف ذکور کا نہیں بلکہ محترمہ عظمیٰ ناہید صاحبہ بنت حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ بھی دختران ملت کی تربیت واستحکام کا ایک فیض جاریہ ہے۔خواتین کے حقوق کی ایسی علمبردار کہ دانشور بھی قدر کرتے ہوں اور دین کی وسعتوں کی ترجمان بھی ہو۔ہمیں ان کے ساتھ کام کرنے کا جب بھی موقع ملا انہیں دختران ملت کے درد میں ڈوبا دیکھا۔قابل تحسین ہے یہ خانوادۂ قاسمی۔

الحمد للہ! ہمیں ویسے تو کئی مواقع سے حضرت سے ملاقات کا شرف حاصل رہا۔لیکن دو خصوصی ملاقاتیں بہت اہم تھیں ایک ملاقات امیر جماعت اسلامی ہند کے ساتھ اور دوسری ملاقات صدر مسلم مشاورت کے ساتھ۔دونوں ہی ملاقاتیں حضرت کے دولت کدہ دیوبند ہی میں ہوئی تھیں۔

اس موقع پر ملت کو درپیش مسائل، امت مسلمہ اور ملی قیادت پر گفتگو کرتے ہوئے امیر جماعت اسلامی ہند نے ملی اتحاد واشتراک کی اہمیت وضرورت کے تناظر میں حضرت سے جاننا چاہا کہ جماعت اسلامی اور دیوبند کے اختلاف کی علمی ودینی بنیاد کیا ہے؟ امیر جماعت نے یہ بھی کہا کہ مولانا مودودی علیہ الرحمہ کی فقہی آراء سے اختلاف تو جماعت اسلامی کے افراد کو بھی رہا ہے۔جماعت اسلامی کی سمجھ یہی ہی کہ

❖ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت

جس طرح کسی عالم دین کی کوئی اجتہادی رائے سے اہل علم کو اختلاف ہوسکتا ہے، اسی طرح مولانا مودودی علیہ الرحمہ کی رائے سے بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن جہاں تک جماعت اسلامی کے عقیدہ، نصب العین اور طریقہ کار کا سوال ہے تو اس میں کون سی بات اختلافی یا خلاف دین ہے؟ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ نے بہت ہی تحمل و متانت کے ساتھ فرمایا کہ ''میں نے جماعت اسلامی کے دستور کا نہ صرف مطالعہ کیا ہے بلکہ اپنے کچھ بزرگوں سے تبادلہ خیال بھی کیا تھا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اہل دیوبند کا جماعت اسلامی سے اختلاف علمی و دینی نہیں بلکہ سیاسی ہے۔'' حضرتؒ نے تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ''برصغیر میں علمی، ملی، سماجی و سیاسی قیادت ایک طویل عرصہ سے جمعیت علماء اور دارالعلوم کے ہاتھوں میں رہی ہے۔ آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد بھی۔ دو قومی نظریہ، تقسیم ہند اور اسلام سے متعلق مولانا مودودی صاحبؒ کی آراء اہل دیوبند کے لئے تشویش کا سبب رہی ہیں۔ دینی و علمی اور ملی و سیاسی قیادت طویل عرصہ سے جمعیت کے ہاتھوں میں رہی۔ مولانا مودودی کی رائے چونکہ اہل دیوبند سے مختلف تھی اس لئے اہل دیوبند نے اس کو اختلاف پر محمول کیا لیکن اگر وہ اسے سیاسی رائے کا اختلاف کہتے تو شاید بات نہ بنتی، چنانچہ ملت میں اسے دینی اختلاف کے بطور پیش کیا گیا۔'' یہ بہت بڑی بات تھی جو دیوبند کا وہ بطل جلیل کہہ رہا تھا کہ جس کے پائے کا کوئی دوسرا شخص نہ تھا۔ حضرت نے فرمایا تھا کہ ملت کے مفاد میں ہے کہ جمعیت ہو یا دارالعلوم ان اختلافات سے اوپر اٹھیں لیکن کیا کریں حالات اب بھی ایسے نہیں کہ لوگ سمجھانے سے سمجھ لیں گے۔ حضرتؒ کی یہ وسعت ظرفی ہی تھی کہ انہوں نے دارالعلوم دیوبند کے قضیہ میں الجھنے کی بجائے یک طرفہ طور پر دستبرداری اختیار کر لی تھی۔ حالانکہ اتنے بڑے معاملہ میں اتنے متعلق و معتبر ذمہ دار کے لئے یہ آسان نہ تھا۔ لیکن اللہ کا ان پر خصوصی فضل رہا اور ایک بڑا فتنہ رفع ہوگیا۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ آزاد بھارت کا سب سے پہلا ملی وفاق آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت پر ایک وقت آیا کہ وہ تقسیم ہوگئی۔ حضرت ایک حصہ کے ذمہ دار بنائے گئے اور مرحوم سید شہاب الدین صاحب دوسری مشاورت کے صدر بنائے گئے۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ حضرت کو اس کا ہمیشہ قلق رہا۔ اس مشاورت کے جنرل سکریٹری مولانا محترم عمید الزماں کیرانوی صاحب تھے (اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے) بہت خلیق و نفیس آدمی تھے۔ ہمیشہ اس کے لئے کوشاں رہے کہ دونوں مشاورت میں اتحاد ہو جائے۔ ہماری ان سے کئی نشستیں رہیں اور ہم نے دو مشاورت کے علی الرغم ملی مفاد میں مختلف کام باہم مل کر کئے۔ یہ اتحاد ان کی زندگی میں شاید اللہ کو منظور نہ تھا لیکن حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ کے دل مضطر کو قرار کیسے آتا۔ اللہ کا فضل ہوا کہ دوسری مشاورت کے صدر جناب ڈاکٹر ظفر الاسلام خان صاحب کے دور صدارت میں حضرت نے اپنی مشاورت کو ضم کر دیا۔ اس متبرک کاوش میں حضرت کی

نمائندگی مجھی مولانا عطاالرحمان قاسمی پیش پیش رہے۔اس انضمام کا حسن یہ ہیکہ اس وقت بھی الحمدللہ حضرت کی اتنی اعلی مرتبت شخصیت ان کے لئے فتنہ نہ بنی۔ اور انہوں اپنی صدارت کا استحقاق تو دور دوسری مشاورت کے صدر جناب ڈاکٹر ظفر الاسلام خان صاحب کی صدارت قبول کرلی۔ جس شخص کے لئے دارلعلوم دیوبند جیسا عظیم الشان ادارہ فتنہ نہ بن سکا اس کے لئے مشاورت کیا فتنہ بنتی۔ہم جیسے لوگ جنہیں حضرتؒ سے مستقل استفادہ کا موقع نہ مل سکا۔ملی و دینی ضرورتوں کے لئے وقتاً فوقتاً ہی ملتے رہے۔ بلاتردد گواہی دے سکتے ہیں کہ حضرت کو اللہ نے جس شرف ومنزلت کا حامل بنایا تھا اس کے لئے جس انکساری و ایثار کے ساتھ انہوں نے دین وملت کی خدمت کی۔اللہ ان کی کوششوں میں برکت عطا فرمائے اور ان کی وسعت ظرفی کو ملت کے دیگر اکابرین کے لئے بھی مشعل راہ بنائے۔اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت میں اعلی مقام عطا کرے۔

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے

❖ ❖ ❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ

معاصرین کی نظر میں

مولانا محمد شمشاد رحمانی ❖

اس عالم رنگ و بو میں خدائے کارساز نے اپنی بے پایاں حکمتوں، مصلحتوں اور دنیا کو چلانے والے اصولوں اور ضابطوں کو مدنظر رکھتے ہوے اس دنیا میں تراش وخراش، بناؤ سنگھار، اتار چڑھاؤ اور اس کی بقا وارتقا کے لیے رحلت وارتحال اور ارسال وترسیل کا عمل جاری رکھے ہوا ہے۔ اور یہ بات بھی ارباب دانش وبینش اور اصحاب علم وفکر سے مخفی و پوشیدہ نہیں ہے، کہ یہ خدائی عمل انسانوں ہی کے مفادات کو مدنظر رکھتے ہوے ہے؛ کیوں کہ یہ دنیا وجود میں لائی ہی گئی ہے اس میں انسانیت کو بسانے، آباد کرنے اور اس کے ذریعہ چہل پہل کرنے کے لیے، تاکہ خداوند قدوس اپنی رعنائی وزیبائی اور انفرادیت ویکتائیت اور وحیدیت کے جلوے بکھیر سکے اور اپنی معبودیت کے مظاہر عیاں کرسکے۔ اسی لیے ہر دور میں اللہ رب العزت ایسی ایسی شخصیات وجود میں لاتا رہا ہے، جو اس کے مقاصد کی تکمیل میں نہ صرف خود امتثال امر کرکے سرخروئی وسرفرازی اور نشان امتیاز حاصل کریں؛ بل کہ دوسروں کو بھی اس طرف توجہ دلا کر اہم رول وکردار ادا کریں اور ہر دو اعتبار سے خدائی قرب وتقرب کے مقامات طے کریں۔

شخصیات آتی ہیں اور آتی ہی رہیں گی؛ لیکن ان میں بھی مراتب موفقہ ہوتے ہیں، خدائی توفیق اور ایزدی منشا کے مطابق شخصیات خدمات انجام دیتی ہیں۔ کچھ ہستیاں گل سرسبد کا مقام حاصل کرلیتی ہیں، تو کچھ قوس وقزح جیسی خوبیوں اور دل کشی کی مالک ہوتی ہیں۔ یہ مقام رفعت وعظمت اور نشانِ امتیاز ہر کسی کو کہاں نصیب:

یہ مقام بلند ملا جس کو مل گیا
ہر کسی کے واسطے دار و رسن کہاں

دنیا کے مختلف خطوں، علاقوں، ملکوں، گوشوں اور ناحیوں میں رب قادر وقدیر کی جلوہ نمائیاں بکھری ہوئی اور ہر چہار جانب بہ شکل علمی، عملی، عرفانی، ربانی، یزدانی اور برہانی شخصیات منتشر اور پھیلی ہوئی ہیں،

❖ استاذ دار العلوم وقف دیوبند

جو خدائی احکام پر خود عمل پیرا ہوکر دوسروں کو امتثالِ اَوامر اور اجتنابِ نواہی کی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتی ہیں، اور دینی، دنیوی اور اخروی فوز وفلاح اور کامیابی وکامرانی کی رغبت وترغیب دلاکر عمل صالح پر آمادہ کرکے خلاّقِ عالم کے مقاصدِ تخلیق کی تکمیل میں اپنی قابل ستائش اور ناقابل فراموش خدمات انجام دیتی ہیں۔

ہمارے وطن عزیز ہندوستان کو رب کائنات کی خصوصی توجہات وعنایات بہت قدیم زمانے سے ہی حاصل رہی ہیں، جس کے نتائج واثرات اس کے چپے چپے سے عیاں ونمایاں ہیں۔ خاص طور پر اٹھارہویں صدی عیسوی میں جب ہندوستان سے دین اسلام کے پرخچے اڑتے ہوئے اور اس کی بنیادیں ہلتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھیں، تو دست غیب نے اس کو سہارا دیا اور اس میں اسلام کی جڑیں مضبوط کرنے اور اس کے برگ وبار کو پھیلانے کے لیے خدائی انتخاب کی نگاہ علمائے دیوبند پر پڑی اور اس مسعود ومبارک جماعت کو یہ عظیم سعادت سونپی گئی، تب سے لے کر آج تک ہندوستان میں دینی شباب ورعنائی اور شادابی میں کوئی کمی نہیں آئی ہے؛ بل کہ روز بہ روز اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ ایک سے بڑھ کر ایک جبال العلم اور آسمان علم وفضل کے آفتاب وماہتاب اور روشن مینارے وجود میں آئے اور اپنی مقدور بھر خدمات انجام دے کر راہیٔ ملک عدم ہوے۔

علمی وخاندانی نجابتوں اور اقدار وروایات کی امین عبقری شخصیت

فکر دیوبند کی نمایاں وچنندہ شخصیات کی طویل ترین فہرست میں موجودہ دور میں سب سے منفرد وممتاز اور جلی، روشن وتابناک، بلند وبالا علمی نسبتوں اور خاندانی شرافتوں ونجابتوں کے مالک، بزرگ عالم دین، سرخیل جماعت دیوبند، ترجمانِ فکر دیوبند، علوم قاسمی کے بے بدیل شارح، عظیم محدث، دور اندیش مفکر، دینی مجالس ومحافل کے صدر نشیں، صاحب زادۂ حکیم الاسلام، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ کی عظیم عبقری شخصیت اور عالی ذات ہے۔

حضرت خطیب الاسلام قدس سرہ نے سرزمین دیوبند میں ایک ایسے خانوادہ میں آنکھ کھولی، جو علم وفضل میں باکمال، فکر ونظر میں بے مثال، جود وسخا میں بے تمثال اور خدمت دین کے باب میں ممتاز تھے۔ ایک ایسا خانوادہ جس کی خدمات روز روشن کی طرح عیاں وبیاں تھیں۔ ایک ایسا گھرانہ جس کے احسان تلے پورا ہندوستان ہی نہیں؛ بل کہ پورا برصغیر ہے۔ وہ عظیم خانوادہ وگھرانہ ''خانوادۂ قاسمی'' کے نام سے مشہور ومعروف ہے، جس کی نسبت زبدۃ الاتقیا، قدوۃ الاصفیاء، حجۃ اللہ فی الارض، حجۃ الاسلام، قاسم العلوم والخیرات، الامام الاکبر حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی صاحب نور اللہ مرقدہ، بانیٔ دار العلوم دیوبند کی طرف

ہے۔ یہ ہی وہ ذات قدسی ونفس عنبری ہے، جس نے اسلامیانِ ہند کو سہارا دیا اور اسلام کے احیا و بقا اور ارتقا وترقی کا ذریعہ بنی۔ یہ ہی وہ ملکوتی صفات کی حامل عبقری ہستی ہے، جس نے وطن عزیز ہندوستان کو غلامی کی زنجیر سے بچانے کی فکر کی ہے اور ۱۸۵۷ء میں شاملی کی جنگ آزادی میں سپہ سالاری کا فریضہ انجام دیا۔ یہ ہی وہ عندلیب گلشن ہے، جس کی ضیابار کرنیں اور نور ریز جگمگاہٹوں نہ صرف ایشیا کو تابانی بخشی ہیں؛ بل کہ واسطہ بلا واسطہ شرق وغرب اور شمال وجنوب اس سے روشن ومنور ہیں۔ اور حضرت الامام علیہ الرحمہ کا یہ سلسلہ کہیں جا کر رکا نہیں اور نہ ہی کہیں منقطع ہوا؛ بل کہ ایک تسلسل اور روانی کے ساتھ جاری وساری رہا اور آج تک جاری ہے۔ آپ ہی کے پڑپوتے خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ ہیں، جنھوں نے اپنے خانوادہ میں سب سے لمبی عمر پائی اور حیات مستعار کا لمحہ لمحہ دین متین کی خدمت میں صرف فرما دیں۔

حضرت خطیب الاسلامؒ کا سراپا

حضرت علیہ الرحمہ کو جہاں دربار الٰہی سے علوم اسلامیہ اور فنون دینیہ میں عبقری شان، عقل ودانائی میں کامل ومکمل، فہم وفراست میں اکمل، فراست وبصیرت میں یکتائے روزگار اور ”**اتقوا فراسة المؤمن؛ فانه ینظر بنور الله**“ کے عکس جمیل، ذہن ودماغ نکتہ سنج، نظر وفکر میں بالیدگی، زہد وورع میں اور تصوف وسلوک میں مقامات رفیعہ پر جاگزیں اور دیگر باطنی اوصاف وخصائل، کمالات وفضائل اور خصوصیات وامتیازات میں امتیازی شان عطا کی گئی تھی۔ تو وہیں ظاہری حسن وجمال اور خوب صورتی وخوب روئی میں بھی جاذب نظر، اپنے خد وخال اور شکل وصورت کے اعتبار سے دل کشی اور رعنائی وزیبائی، سرخ وسفید رنگ، متناسب اعضا وجوارح، کتابی چہرہ، سفید ریش، بڑی بڑی آنکھیں، جن میں علم ومعرفت اور انابت الی اللہ کی چمک، کشادہ وفراخ پیشانی، جو ”**سیماھم فی وجوھھم من أثر السجود**“ کی حسین تفسیر، سر پر کلاہِ فضیلت، نرم ونازک لبوں پر ہلکا سا تبسم، خوب صورت دانت، چوڑا چکلا سینہ، رفتار سبک، متوازن قد وقامت، اس پر سادگی وسنجیدگی کا خوش نما لبادہ، سادہ لباس زیب تن کیے ہوئے، فکر آخرت سے معمور، تواضع وانکساری سے مخمور، الغرض! پورا وجود، خوبی ورعنائی اور حسن وجمال کا پیکر زیبا اور سادگی کے ساتھ فرشتوں جیسا تقدس اور اپنی وجاہت اور حسن وجمال میں اپنی نظیر آپ تھے۔

یہ ہی اوصاف وخصائل آپ کی عبقری وآفاقی اور ملکوتی صفات کی حامل شخصیت کا سراپا اور عناصر ترکیبی تھے۔

اوصاف وکمالات اور خوبیوں کا مختصر سا خاکہ

حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ فاضلانہ اخلاق سے مزین، عارفانہ خوش مزاجی وخوش گفتاری سے مرصع، لطافت وپاکیزگی، باذوقی وبامروتی، لینت ونرمی، حلم وبردباری، کرم فرمائی وذرہ نوازی، عفو ودرگزر، متانت وسنجیدگی، تواضع وانکساری، خاکساری وکسرنفسی، خوردنوازی وخورد پروری اور انسانیت نوازی ومردم گری میں یکتائے زمانہ اور ایک نمونہ تھے۔

عقائد ونظریات اور افکار وخیالات میں رسوخ وپختگی، اعتدال وتوازن، یکسانیت وبرابری، حسن مزاج ومذاق اور لطافت طبع کا ایک ایسا جاذب نظر، دل کش ودل ربا، خوش نما اور حسین مرقع، کہ اس کی نظیر بہت کم ہی مل پائے گی۔

حضرت علیہ الرحمہ میں رب قادر وقدیر نے بے شمار خوبیاں ودیعت فرمائی تھیں، آپ کی ذات عالی صفات کمالات کا مجموعہ، اوصاف حمیدہ اور خصائل محمودہ کا حسین مرقع تھی۔ آپ کو عجب وخود پسندی سے کامل نفور تھا، تصنع وبناوٹ اور نام وری ودکھاوے سے اللہ واسطے کا بیر تھا، سینہ بے کینہ اور قلب وجگر ایسا مجلّٰی ومصفی اور روشن وتابناک آئینہ کی مانند تھا، جس میں جانی دشمن کے لیے بھی نفرت وکدورت اور بغض وعداوت کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ آپ علیہ الرحمہ بلند حوصلگی وعالی ظرفی، استقامت وپامردی، متانت وسنجیدگی اور ایقان واتقان کا جنس نایاب، جو ہر فرد اور یکتا ومنفرد موتی تھے۔ تواضع وانکساری میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا، مہمان نوازی اور اکرام ضیف میں آپ اپنی مثال آپ تھے، اخلاق حسنہ سے مزین اور علمی وخاندانی اقدار وروایات کے امین وپاسبان تھے۔

آپؒ کی متنوع خدمات اور کارناموں کا اجمالی خاکہ

میدان علم وفن کے شہسواروں کو اس بات سے واقفیت ہوگی ہے کہ درس وتدریس اور تعلیم وتعلم ایک ایسا ثمر آور سعادت کیش اور فوز وفلاح کا ضامن شجر ہے، جس سے انسانیت کو میٹھے میٹھے پھلوں بہ شکل رجال سازی، مردم گری، عقل ودماغ کی تعمیر وترقی، ذہنی وسعت وفکری بالیدگی میسر آتے ہیں، جو انسانیت کے لیے حرز جاں، دینی ودنیوی کامیابی وظفریابی اور معاش ومعاد کی ارتقا وترقی مضمر ہے۔ تدریس ہی وہ مبارک عمل اور خوش آئند وظیفہ ہے، جس سے اربابِ فضل وکمال، حاملین علم ودانش، خاصانِ مہر ووفا، جویا گانِ صدق وصفا اور طالبین حق ورضا کی تہذیب وتنقیح کرتی ہے، جس سے دنیا میں تازگی، تابندگی، امن وامان، خیر خواہی وخیر سگالی کی ندیاں بہنے لگتی ہیں، شرافت ونجابت کے آبشارے پھوٹنے لگتے ہیں اور قلب

ونگاہ، نظر وفکر اور ذہن ودماغ کے دریچے کھلنے اور کھلنے لگتے ہیں۔ تعلیم وتدریس ہی وہ نہر سلسبیل اور چشمۂ صافی ہے، جس کی بہاؤ میں کبھی ٹھہراؤ نہیں آتا، جس کے سوتے کبھی خشک نہیں ہوتے، جس کی مٹھاس کبھی زائل نہیں ہوتی۔ درس وتدریس ہی وہ گلشن صد رنگ اور سرسبز وشاداب چمن ہے، جس میں مختلف قسم کے انسانی پھول پھلتے، کھلتے، نکھرتے، خوش بو بکھیرتے ہیں، کلیاں چٹختی اور مسکراتی ہیں، بلبل نوا سنج شادمانی وشادکامی اور سرور وابتہاج کے زمزمے گاتا اور خوش بختی وسعادت مندی، ظفریابی وفلاح یابی کے ترانے گنگناتا ہے، اور علم وعمل کا جامع مالی وباغباں ان کی بنیادوں اور جڑوں میں اپنی عقل ودانش اور دانائی وسمجھ داری کی شرابِ محبت سے ایسی سینچائی کرتا ہے کہ اس میں رنگ بہ رنگ کے خوش نما، جاذب نظر اور شگفتہ وشائستہ پھول نظر آنے لگتے ہیں۔ حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ اس میدان کے عظیم شناور اور بے مثال انسانیت ساز اور مردم گر تھے۔

آپ نے اپنی حیات مستعار کا ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر فراغت کے بعد ہی دارالعلوم دیوبند میں درس وتدریس سے وابستہ ہوگئے اور علم وفن کی ہر کیاری کی خوب آبیاری وآب پاشی کی۔ آپ کی زندگی میں ہزار ہا ہزار تشنہ لبان علوم قاسمی اطراف واکناف عالم سے آپ کے میکدہ میں آتے اور خوب خوب تشنگی بجھا کر پوری دنیا کے کونے کونے اور چپے چپے میں پھیل کر آپ کا فیض عام کرتے اور آج بحمد اللہ! موجودہ جماعت دیوبند کی اکثریت آپ کی شاگردیت پر ناز کرتی اور آپ کے چشمۂ صافی سے سیرابی پر سجدۂ شکر ادا کرتی ہے۔ اور خود راقم السطور بھی آپ ہی کے خوان علم کا ایک خوشہ چیں ہے، جس پر رب قادر وقدیر کا ہزار ہا تشکر وامتنان بجالاتا ہے۔

آپ کی زندگی درسی وتدریسی، تصنیفی وتالیفی اور تعلیمی وملی خدمت سے بھری ہوئی ہے، زندگی میں امت مسلمہ کی خیر خواہی وخیر سگالی کے سوا کسی اور طرف توجہ نہیں فرمائی؛ حتی کہ ذاتی آرام وسکون کو بھی ملی کاموں کے لئے تج فرمادیا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی خدمات کے اعتراف میں دنیا بھر سے آپ کو ایوارڈوں سے نوازا گیا، آپ سینکڑوں دینی وملی اداروں کی سربراہی وسرپرستی فرماتے اور آپ کی نگرانی میں ہزار ہا علمائے کرام نے ملک وملت کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں۔

مصر کی حسنی مبارک سرکار نے آپ کی مختلف الجہات خدمات کے اعتراف میں مصر کا سب سے بڑا ایوارڈ ''نوط الامتیاز'' سے سرفراز کیا۔ ترکی نے ''جائزۃ الامام محمد قاسم النانوتویؒ'' ایوارڈ سے نوازا، اور ہندوستان میں بھی متعدد ایوارڈ سے سرفراز فرمائے گئے، جیسے ''شاہ ولی اللہ ایوارڈ''، اور اس کے علاوہ آپ اپنی بے مثال خطابت کی وجہ سے ''خطیب الاسلام'' کے لقب سے اتنا معروف ہوئے کہ یہ آپ کے نام کا جز بن گیا۔

آپ علیہ الرحمہ بہ یک وقت دارالعلوم وقف دیوبند کے صدر مہتمم، مسلم پرسنل لا بورڈ کے سینئر

نائب صدر، مسلم مجلس مشاورت کے سابق صدر، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے اہم رکن، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس شوری کے رکن، مظاہر علوم وقف سہارنپوری کی مجلس شوری کے اساسی رکن، ادارہ اردو دینیات کے بانی وسرپرست، فقہ اکیڈمی انڈیا کے سرپرست اور ملک وبیرون ملک میں پھیلے ہوئے سینکڑوں دینی وملی اداروں کے سرپرست ونگراں تھے اور تمام اداروں کو حضرت قدس سرہ کی سرپرستی پر ناز تھا۔ آپ کی محبوبیت ومقبولیت کا یہ عالم تھا کہ آپ جہاں بھی گئے، سب کو اپنا اسیر اور گرویدہ بنا کر آئے اور آپ کی ایک جھلک پانے کے لیے سینکڑوں میل کا سفر طے کرتے ہوئے عوام وخواص کو اکتاہٹ نہیں ہوتی تھی۔

آپ اپنے معاصرین کی نظر میں

سب سے اہم بات یہ ہے کہ جس سے کسی بھی فرد کی مقبولیت ومحبوبیت اور اس کی مرجعیت کو جانچا اور تولا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس شخصیت کے معاصرین اور اس کے اقران ان کی تعریف میں رطب اللسان رہیں؛ ورنہ اصاغر تو تعریف کرتے ہی ہیں، اس سے وہ معیار قائم نہیں ہوتا، جو اپنے معاصرین، جنھوں نے اس کو قریب سے دیکھا، برتا، پرکھا اور ہر طرح سے آزمایا ہو، پھر آپ کی مدح سرائی کرتے ہوں، تب جا کر اس کی عبقریت آشکارا اور دوبالا ہوتی ہے۔ حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کی محبوبیت ومرجعیت کا تو یہ عالم تھا کہ اکابر ومعاصرین سبھی آپ کے مدحت کش اور ثنا خواں تھے۔

ایک زمانہ آپ کی خوبیوں کا معترف اور آپ کے کمالات کا ثنا خواں ہے۔ اکابر واصاغر آپ سے اپنی نسبت جوڑنے میں نیک بختی محسوس کرتے ہیں۔ ذیل میں چند نامور علمائے عظام اور موجودہ دور کی مشہور شخصیات کے حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کے تئیں تاثرات سپرد قرطاس کرتا ہوں، جن سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ حضرت کی شخصیت کے تعلق سے جو کچھ بھی کہا جارہا ہے، وہ مبالغہ پر مبنی نہیں؛ بل کہ عین حقیقت ہے۔

فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ کی نظر میں

مفکر ملت، فقیہ الاسلام حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب نور اللہ مرقدہٗ جو حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کے معاصرین میں تھے، اور مظاہر علوم وقف سہارن پور کے ناظم اعلی تھے، علم وفضل میں ایک بڑا نام تھا، خصوصاً فقہ میں تو آپ امتیازی شان رکھتے تھے۔ ایسی عظیم شخصیت حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کی عبقریت کے سلسلے میں بڑے وقیع کلمات رقم فرمائے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

”حضرت الحاج مولانا محمد سالم صاحب زیدہ مجدہ، مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند گوناگوں فضیلت

تابیوں کے باعث مستغنی عن التوصیف والتعارف ہیں۔ ان کے فضل وکمال اور تقریر وخطابت کے منتہائے عروج کے بارے میں کچھ عرض کرنا ''آفتاب آمد دلیل آفتاب'' کا مصداق ہے۔ علوم کے استحضار کے ساتھ آپ اپنی خطابت میں کسی بھی موضوع کو اس کے مالہ وماعلیہ کے ساتھ کامیاب طور پر بیان کرنے میں جو خصوصی دسترس رکھتے ہیں اور آپ کو جو زبان وبیان کی قدرت، مہارت وکمال اور طرۂ امتیاز حاصل ہے، اس کے پیش نظر آپ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی عظیم الشان روایات کے امین وعلم بردار اور صحیح جانشین ہیں''۔(۱)

مفسر قرآن حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ کی نظر میں

مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اخلاق حسین صاحب دہلوی نور اللہ مرقدہ حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کے تعلق سے اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

''مولانا محمد سالم صاحب مدظلہ نہ صرف دار العلوم دیوبند کے ایک مایہ ناز عالم، فقیہ اور مفسر ہیں؛ بل کہ خانوادۂ قاسمی (علم ونسب دونوں کے لحاظ سے) کے ایک کامیاب ترجمان وشارح کی حیثیت بھی رکھتے ہیں''۔

حضرت خطیب الاسلامؒ کی زبان وادب اور استعمال محاورات وغیرہ کے تعلق سے فرماتے ہیں:

''بعض حضرات کو مولانا موصوف کی زبان کے عربی فارسی الفاظ ومحاورات سے متاثر ہونے کی شکایت رہتی ہے، اس لیے ابتدا میں عرض کردوں کہ مولانا موصوف کی ابتدائی زندگی فراغت علوم کے بعد دار العلوم دیوبند جیسے بین الاقوامی تعلیمی اور تحقیقی ادارے میں ایک کامیاب اور مقبول مدرس واستاذ کی تھی، اور اس کا تقاضا تھا کہ درس نظامی کی اہم تفصیلی کتابوں اور حدیث فقہ اور کلام کی اونچی کتابوں کی تدریس وتعلیم کے لیے مولانا کی زبان فارسی اور عربی الفاظ کی حامل رہے؛ کیوں کہ مولانا کے مخاطب دار العلوم دیوبند کی حیثیت علمی کے مطابق طالب علم درجے کے لوگ نہ تھے، بل کہ علما اور فضلاء مرتبے کے حضرات ہوتے تھے''۔

مولانا کی خطابت کے متعلق ایک موقع پر لکھتے ہیں

''اس ناچیز نے یہ دیکھا کہ مولانا محمد سالم صاحب زید مجدہ کی طویل تقریریں اسی علمی زبان میں عوام وخواص دونوں طبقے بڑی توجہ کے ساتھ سنتے ہیں اور کسی قسم کی اکتاہٹ نہیں محسوس کرتے''۔

اور ایک موقع پر لکھتے ہیں:

(۱) خطبات خطیب الاسلام، ج۱، ص۱۴

''انسانی عظمت کی اسلامی بنیادوں'' کے عنوان کے تحت مولانا نے اسلام کی بین الاقوامی قدروں کا تعارف کراتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کی اس دعا کی طرف اشارہ کیا ہے، جو دراصل دعا کے موثر پیرائے میں توحید، نبوت اور انسانی اخوت کے تینوں بنیادی اصولوں کا اعلان کیا ہے''، جس کا مفہوم یہ ہے کہ: ''اے خدا! میں شہادت دیتا ہوں کہ تو واحد ہے، اور شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ تیرے بندے اور رسول ہیں، اور شہادت دیتا ہوں کہ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہے''۔

اسلام کی بین الاقوامی قدروں کی تشریح وتعبیر میں افراط وتفریط نے جگہ پائی ہے، مولانا نے دونوں انتہاؤں سے بچ کر اعتدال وتوسط کی راہ اختیار کی ہے''۔

حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کے جوہر خطابت کی ستائش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''موصوف نے عربی نصاب قدیم کی ترمیم کے مسئلہ پر نئی دہلی کے ایک مشترکہ اجتماع میں جو نہایت معتدل اور معقول تقریر کی اور درس نظامی کے اندر ترمیم کے حامی جدید دانش ور حضرات کے شبہات کا معقول جواب دیا، وہ ہم شب شرکائے قدیم علوم کے لیے باعث اطمینان ومسرت ثابت ہوا۔

یہ اجتماع جناب محمد یونس سلیم نے دہلی میں طلب کیا تھا، جب وہ بہار کے گورنر تھے۔ مولانا کی تقریر کے بعد پھر ہم شرکاء (اخلاق حسین قاسمی، قاضی مجاہد الاسلام مرحوم، مفتی عبدالرحمٰن صاحب وغیرہ) نے مولانا کے بیان کی تائید کرنے پر اکتفا کیا''۔

ایک موقع پر مولانا کے خطبات اہل علم کو پڑھنے کی ترغیب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بہر حال مولانا موصوف کے تمام خطبات وتقاریر اس قابل ہیں کہ اہل علم توجہ سے پڑھیں، سرسری مطالعہ سے کام نہ لیں، تلاوت کی نیت نہ کریں کہ ایک بزرگ زادے اور بزرگ کا کلام ہے، چلو ایک نظر ڈال لیں، اجر وثواب حاصل ہوگا''۔

مولانا کی سیاسی بصیرت کا اعتراف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ مولانا محمد سالم صاحب کی نظر آج سے جس فرعونی اسپرل اسٹ طبقہ کی طرف اسی طرح گہری ہے، جس طرح امت کے لیے کھڑے ہونے والے قدیم وجدید فتنوں پر موصوف کی گہری نظر کا ثبوت موصوف کے تنقیدی مضمون سے واضح ہو رہا ہے، چناں چہ عراق پر امریکی حملے کے خلاف مجلس مشاورت کی طرف سے جو احتجاجی دھرنا دیا گیا، اس میں صدر مجلس کی حیثیت سے مولانا نے جو احتجاجی تقریر کی، وہ مولانا کی تازہ سیاسی بصیرت کا واضح ثبوت تھا''۔

فقیہ الملت حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ کی نظر میں

فقیہ الملت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا خانوادۂ قاسمی سے بڑا گہرا تعلق اور ربط تھا، خصوصاً حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ سے بڑی عقیدت واحترام سے پیش آتے تھے، اور چوں کہ حضرت مفتی صاحبؒ کو جامع العلوم کانپور سے حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ ہی دار العلوم لائے تھے، اور یہ تعلق ہمیشہ برقرار رہا؛ حتی کہ دار العلوم دیوبند کے قضیۂ نامرضیہ کے بعد اُن ناگفتہ بہ حالات میں بھی جب دار العلوم وقف دیوبند کی بنیاد رکھی جا رہی تھی، تو اس تاسیس میں حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ نے شرکت فرمائی اور دار العلوم وقف کی تعمیر وترقی کی دعائیں کیں اور حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کی محنتوں کو سراہا۔ حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کے علمی وعملی توفق، امت کے تئیں ان کی فکر مندی، نئی نسل کے روشن وتابناک مستقبل کے تعلق سے کوششیں اور شبانہ روز کی جدوجہد سے خوب واقف ہی نہیں؛ بل کہ اپنی مجلسوں میں اس کا تذکرہ بھی فرماتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے چوں کہ حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کو بہت قریب سے دیکھا تھا، ان کے کمالات اور خوبیوں کے مداح تھے، ان کے امتیازات اور خصوصیات سے واقف تھے۔ اسی لیے حیات مستعار کے کسی لمحہ میں بھی وہ تعلق ختم نہیں فرمایا، چاہے حالات نامساعد ہی کیوں نہ ہوں۔

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ کی نظر میں

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری نور اللہ مرقدہ کا حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ سے زندگی بھر کا ساتھ رہا، حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ سے اور خانوادۂ قاسمی سے جو آپ کا لگاؤ تھا، وہ اظہر من الشّمس ہے۔ آپ نے اس خانوادہ سے تعلق خاطر کو اس طرح نبھایا کہ کسی بھی مرحلے میں ان کا ساتھ نہیں چھوڑا؛ حتی کہ دار العلوم دیوبند دو حصوں میں تقسیم ہوگیا، تو آپ ان کے ساتھ دار العلوم وقف دیوبند آ گئے۔ ہمیشہ اس خاندان کے علمی توفق اور خدمات کا تذکرہ فرماتے اور حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کو اپنا سربراہ تسلیم فرماتے۔ ان کے کمالات اور خوبیوں کے معترف تھے اور اپنی تقریر وتحریر میں اس کا اظہار بھی فرماتے تھے۔

مفکر ملت حضرت مولانا عبد اللہ پٹیل کاپودرویؒ کی نظر میں

مفکر ملت حضرت مولانا عبد اللہ کاپودروی نور اللہ مرقدہ کا عالم یہ تھا کہ وہ خانوادۂ قاسمی کے ہر ہر فرد کی تعظیم وتوقیر فرماتے اور ان کے ساتھ اکرام واحترام کا معاملہ فرماتے۔ حضرت کاپودری نور اللہ مرقدہ یہ

بار ہا فرماتے کہ: ''آج ہم جو کچھ بھی ہیں، یا ہمیں جو کچھ بھی ملا ہے، وہ صرف اور صرف خانوادۂ قاسمی کا دَین ہے، اور آج بھی اس خانوادہ کا ایک عظیم فرد حضرت خطیب الاسلام مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ ہماری رہنمائی اور علمی وملی قیادت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں''۔

حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کے علمی کمالات اور خاندانی شرافتوں کا خوب تذکرہ فرماتے اور دارالعلوم وقف دیوبند کے تئیں نیک خواہشات کا بھی اظہار فرماتے۔ دارالعلوم وقف دیوبند میں جب مجلس مشاورت کا قیام عمل میں آیا اور آپ کو اس کے رکن بننے کی دعوت دی گئی، تو آپ نے اس کو بہ سروچشم قبول فرمایا اور مشاورت کی میٹنگوں میں بڑے شوق سے شرکت فرماتے تھے؛ حتی کہ مرض الوفات میں بھی دارالعلوم وقف دیوبند کی تعمیر وترقی کے لیے فکرمند نظر آتے تھے۔

جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد مدنی کی نظر میں

جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، صدر جمعیۃ علمائے ہند نے دارالعلوم وقف دیوبند کی اطیب المساجد میں منعقد تعزیتی نشست سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: حضرت علیہ الرحمہ بڑے ہی متحمل مزاج اور گوناگوں خصوصیات وکمالات کے مالک تھے۔ ایک زمانہ ہمارا اختلاف کا رہا؛ لیکن آپ نے کبھی بھی ان اختلافات کو تقریر وتحریر کا موضوع نہیں بنایا۔ آپ علم وعمل میں کامل تھے اور آپ نے بڑی خدمات انجام دی ہیں اور دارالعلوم وقف دیوبند آپ کا لگایا ہوا علمی پودہ ہے، جس کی تعمیر وترقی میں آپ کی محنتیں رنگ لائیں۔ اللہ تعالی ان کے لگائے ہوئے اس پودے کو خوب خوب ترقیات سے نوازے۔

پیر طریقت حضرت مولانا قمر الزماں الہ آبادی کی نظر میں

پیر طریقت حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم العالیہ نے جامع مسجد دیوبند میں تعزیتی نشست سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ دارالعلوم دیوبند اور اپنے خانوادہ دونوں کے ترجمان تھے۔ آپ موجودہ دور میں فکر دیوبند کے ترجمان اور علوم قاسمی کے شارح تھے، آپ نے پوری زندگی دین کی خدمت اور اتحاد ملت کی کوششوں میں صرف فرمادیں۔ نیز آپ نے حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کے علمی کمالات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ: حضرت علوم ظاہری وباطنی کے اسرار ورموز سے واقف تھے، آپ سے ایک امت نے اکتساب فیض کیا اور آپ نے اکابر واسلاف میں سب سے طویل العہد خدمات انجام دیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کی نظر میں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے تعزیتی مکتوب میں حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کی ایک دو اہم خصوصیات کی طرف توجہ دلائی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے آپ قدس سرہ ''علوم قاسمی کے ترجمان'' تھے اور دوسری یہ ہے کہ: آپ بہت بڑے منتظم اور اتحاد و اتفاق کے علم بردار تھے، جس کا عظیم مظہر دارالعلوم دیوبند کا قضیۂ نامرضیہ ہے، جس نے امت مسلمہ ہندیہ کو ایک عجیب صورت حال سے دوچار کر دیا تھا۔ حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ نے اس وقت جس بصیرت وفراست سے کام لیا تھا اور بعد میں بھی جس دریا دلی اور اتفاق باہمی کا ثبوت پیش کیا تھا، وہ ان ہی کا حصہ تھا۔ ان کے الفاظ ہیں:

''حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب، رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نانوتویؒ کی زبان حکیم الاسلام قدس سرہ کی طویل صحبت سفر وحضر میں عطا فرمائی، اور وہ حضرت حکیم الاسلام، قدس سرہ کے علوم سے طویل عرصے تک براہِ راست مستفید ہوئے، اور پھر ان علوم کا عکس ان کے مواعظ وخطبات میں واضح طور پر نظر آنے لگا، اور حضرت حکیم الاسلامؒ کی وفات کے بعد بھی انہوں نے ان علوم کو پھیلانے اور پھیلاتے رہنے کا مبارک سلسلہ جاری رکھا۔ چوں کہ امت کی فکر انہیں اپنے والد ماجدؒ سے ورثے میں ملی تھی۔ اس لیے دارالعلوم دیوبند کی تقسیم کے بعد اختلاف کی جو ناگوار صورت حال پیدا ہوئی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں جذبۂ وحدت وایثار کے تحت اسے ختم کر کے وحدت ویگانگت پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا۔ اوران کے ذریعے دارالعلوم وقف کے تحت دین کی قابلِ قدر خدمات اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمائیں۔ اوراب بفضلہٖ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم وقف ہم آہنگی کے ساتھ اپنے اکابر کے فیوض جاری رکھے ہوئے ہیں''۔

حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی کی نظر میں

حضرت مولانا محمد رابع حسنی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جو حضرت خطیب الاسلام کے درسی رفیق بھی ہیں اور دونوں کے درمیان طویل رفاقتیں رہیں اور اچھے تعلقات بھی۔ وہ حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کی وفات پر تعزیتی مکتوب میں فرماتے ہیں:

''مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ خاندان نانوتہ کے جلیل القدر عالم دین حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے سلسلہ کے وارث علم وخاندان تھے، اور انہوں نے اپنی علمی و دینی مصروفیات سے

دین وملت کی رہنمائی قابل قدر انداز سے کی، انہوں نے اپنی مختلف علمی و دینی خصوصیات، اپنے عالی خاندان سے وراثت میں پائی تھی، ان کے والد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے اور ذی وقار جانشین تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی دینی عظمت کے ساتھ ان کی علمی وفکری بلندی جوان کا امتیاز رہی ہے، اس کا حصہ بھی حضرت قاری صاحبؒ کوقدرت کی طرف سے ملا تھا، جوان کی تحریر وتقریر میں محسوس کیا جاتا تھا اور وہ اپنے عہد کے ممتاز علمائے دین میں عظیم المرتبت مقام ومقبولیت عامہ رکھتے تھے، ان کی ان خصوصیات کے ماحول میں ان کے خلف الرشید مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کی نشو ونما اور تربیت ہوئی تھی، اوران کی خصوصیات کا ان میں پرتو آیا تھا۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اپنے اسلاف کے سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم المرتبت درس گاہ میں جو دادا کی ہی قائم کردہ تھی، یعنی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی قائم کردہ درس گاہ میں اپنے خاندانی اوران کے زیرنگرانی علمی اور تعلیمی ماحول میں رہے تھے، اوراس کے نہج وانداز فکر کے حامل بنے تھے، اپنے عہد میں اسی انداز کی خدمت علم وملت کرتے تھے، جس سے امت کے مختلف طبقات نے فائدہ اٹھایا اور فائدہ اٹھا رہے تھے، اس طرح ان کی وفات کا واقعہ خدمت دین وملت کے دائرہ میں ایک کمی پیدا ہونے کا باعث ہوا''۔

حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی کی نظر میں

حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ، مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے بھی حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کی رحلت پر تعزیتی مکتوب میں حضرت علیہ الرحمہ کے علمی کمالات اوران کی خدمات کا اعتراف کیا ہے اور تعریفی وتوصیفی کمالات رقم فرمائے ہیں۔ حضرت علیہ الرحمہ سے اپنے تعلق کا اظہار بھی فرمایا ہے اوران کی خوبیوں اور دینی وملی کاوشوں کی خوب پذیرائی بھی فرمائی ہے۔

حضرت مولانا تقی الدین ندوی کی نظر میں

حضرت مولانا تقی الدین ندوی دامت برکاتہم العالیہ، استاذ حدیث ورئیس جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ نے اپنے تعزیتی مکتوب میں حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کی علمی خدمات اوران کے کارناموں کا اعتراف کرتے ہوے ان کے فضل وکمال کا اعتراف بھی کیا ہے اور اپنے تعزیتی وتاثراتی کلمات میں لکھا ہے:

''خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ صحیح معنوں میں اپنے والد صاحبؒ کے سچے

جانشین اور ''اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِأَبِیْهِ'' کے حقیقی مصداق تھے۔ بلاشبہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ہندوستان کی اُن مایہ ناز ہستیوں میں سے تھے، جو اپنی روایات اور خصوصیات کے ساتھ یگانۂ روزگار تھے۔ ایسی ہمہ گیر شخصیت مدتوں کے بعد دنیا کے سامنے آتی ہے، ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کے جانشیں اور تلامذہ ان کے علوم وفیوض کو تقسیم کرنے والے ہوتے ہیں۔ حضرت حکیم الاسلامؒ کے علوم واسرار وحکم، سلامتی ومتانت اور ہر دل عزیزی، خطابت وبیان کے جانشیں ان کے صاحب زادے حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ تھے''۔

یہ چند منتخب اور چنندہ اکابر امت اور وقت کے جبال العلم شخصیات کے تاثرات ہیں، جو ''مشتے از خروارے'' کے طور پر پیش ہیں؛ ورنہ صحیح معنوں میں اگر تمام اکابر عظام اور معاصرین کے تاثرات اور آپ علیہ الرحمہ کے تئیں ان کے گراں قدر اور طویل مقالات کا سرسری تذکرہ ہی کیا جائے، تو ایک رسالہ تیار ہو جائے گا، جس کا یہاں موقع نہیں۔ آپ نے دیکھا کہ اتنے بڑے بڑے علمائے کرام، جن پر امت فخر کرتی تھی اور کرتی ہے، وہ شخصیات آپ کے کمالات اور دینی وملی خدمات اور کارناموں کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو خراج عقیدت پیش کرتی ہیں۔ جو آپ کی عندالناس وعنداللہ مقبولیت کی واضح دلیل ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ آپ کی مغفرت کاملہ فرما کر اعلی علیین میں مقام کریم عطا فرمائے اور نبیین، صدیقین، شہداء اور صالحین کی صفوں میں جگہ نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین وخاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم۔

❖ ❖ ❖

میرے مشفق ومربی مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ
جن کی باتیں یاد رہیں گی

ڈاکٹر عبید اقبال عاصم قاسمی ❖

مولانا محمد سالم قاسمی صاحب جب تک زندہ تھے، کبھی یہ تصور بھی نہیں تھا کہ یہ ہمارے درمیان سے چلے جائیں گے؛ لیکن موت کے استبدادی پنجہ کو علام الغیوب، ستار العیوب وغفار الذنوب رب ذوالجلال والاکرام نے اتنی طاقت عطا کی ہے کہ جب وہ کسی کے وقت متعینہ پر اسے لینے آتا ہے تو وہ معالجین کی ہزار ہا تدابیر، فوج در فوج طبیبوں کی مہارت، نت نئے علاج معالجہ، علم ودولت، شان وشوکت یہاں تک کہ حکومت وسلطنت کی پرواہ کئے بنا چشم زدن میں جسم کو ایک ایسے ہیولیٰ میں تبدیل کر دیتا ہے کہ پس ماندگان کو اسے آنکھوں کے سامنے سے ہٹا لینے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہوتا۔ موت ایک اٹل حقیقت ہے، جس سے کسی بھی جاندار کو، کسی بھی جگہ، کسی بھی وقت سابقہ پڑ سکتا ہے۔ اوروں کی طرح حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی گئے؛ لیکن اپنے پیچھے اپنی خوش اخلاقی، زندہ دلی، عادات واطوار کا ایسا ذخیرہ چھوڑ گئے، جو ہم جیسوں کے جیتے جی دل ودماغ میں جاگزیں رہے گا۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ راقم کے استاذ بھی تھے اور مشفق ومحسن مربی بھی۔ میری عمر زائد از زائد دس سال رہی ہوگی، استاذ محترم کے صاحبزادے ''عدنان قاسمی'' سے شعبہ فارسی کے درجہ اول میں پہلی ملاقات ہوئی، الحمد للہ یہ ملاقات دوستی میں تبدیل ہو کر اتنی پائیدار ہوگئی کہ کم وبیش پانچ دہائیاں گذرنے کے باوجود اس وقت کے تمام دوست، جن میں مولانا احمد خضر شاہ، الحاج خورشید انور صاحب (مقیم حال مدینہ منورہ)، حکیم محمد احمد (مقیم حال بمبئی)، فہیم اختر، عمر فاروق، تاج عثمانی وغیرہ ماشاء اللہ اسی بے تکلف انداز میں نہ صرف ملتے ہیں؛ بلکہ جب کبھی نشست ہوتی ہے تو تمام احترام واکرام بالائے طاق رکھ کر بے تکلفی کی ان حدود میں داخل ہوئے بنا نہیں رہتے، جو اَب ہم میں سے کسی کے بھی شایانِ شان نہیں ہے۔

چوں کہ ہم سب کی مشترکہ بیٹھک بیش تر عدنان میاں کے گھر پر ہی رہتی تھی؛ اس لیے یہ گھر ہمیں

❖ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

صرف عدنان کا نہیں بلکہ اپنا ہی گھر معلوم ہوتا تھا اور گھر کے ہر فرد کا اعزاز و اکرام اسی انداز سے کرنا ہمارا شعار تھا جس انداز سے عدنان میاں کرتے تھے۔ چناں چہ حضرت والا کو ''بھائی صاحب''، والدہ مرحومہ کو ''امی'' یا خالہ جان، سلمان بھائی کو ''بھائی جان'' اور حضرت مولانا محمد سفیان صاحب کے لیے ''بھیا'' ہماری زبانوں پر بھی چڑھا ہوا تھا۔

''بھائی صاحب'' کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے والی یہ آنکھیں اُس وقت سے شہادت دینے کے لیے موجود ہیں جب کہ ان میں معصومیت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ ہم سب دوستوں کو اُسی انداز سے پیار کرتے جیسے عدنان میاں کو، گویا کہ ہم ان کی اولاد کے درجے میں تھے۔ بچپن سے ''بھائی صاحب'' سے جو رشتہ قائم ہوا تھا الحمدللہ اُس میں دن بہ دن مضبوطی آتی گئی۔ حضرت والا مرحوم کی شفقتوں، عنایتوں اور محبتوں کی ایک طویل ترین فہرست ہے جس کو مختصر سے مضمون میں سمویا نہیں جا سکتا تاہم کچھ واقعات ایسے ہیں کہ جن سے استاذ مرحوم کی عظمت کا سکہ دلوں پر جما ہوا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں اجلاس صد سالہ کے بعد جس طریقے کے واقعات رونما ہوئے اور ایک دوسرے پر تیر سادھے گئے۔ راقم ان حالات و واقعات میں سے اکثر و بیشتر کا چشم دید گواہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ (۲۰ر تا ۲۲ر مارچ ۱۹۸۰ء) کے موقع پر ۲۱ر مارچ ۱۹۸۰ء کو ایک تجویز کے ذریعہ ''عالمی تنظیم فضلاء و ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند'' کا قیام عمل میں آیا، جس کا عالمی صدر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) کو بنایا گیا۔ بعد میں اس کا باقاعدہ ایک دفتر دیوبند میں بنا جس کا جنرل سکریٹری مفسر قرآن مولانا اخلاق حسین قاسمیؒ کو بنایا گیا۔ دفتر کے انتظامی امور کے لیے بحیثیت آفس سکریٹری مولانا مفتی جمیل الرحمٰن قاسمی (مدرسہ رحمانیہ ہاپوڑ) کو دیوبند دفتر کی ذمہ داری تفویض کی گئی۔ مختلف جگہوں پر اس کی شاخیں قائم ہوئیں، جن میں دیوبند یونٹ کی انفرادی شان تھی۔ عزیز دوست مولانا ڈاکٹر طاہر الاسلام قاسمی اس وقت ''عالمی تنظیم فضلاء و ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند'' کی مقامی یونٹ کے جنرل سکریٹری اور راقم ان کے معاون سکریٹری کی حیثیت سے تھا۔ تنظیم کا دیوبند یونٹ سب سے زیادہ سرگرم عمل تھا اور تو اور خود حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی پہلی نشست (مئی ۱۹۸۰ء) میں اپنے آپ کو ممبر کی حیثیت سے شامل کیا تھا جو ہمارے لیے انتہائی فخر و اعزاز کی بات تھی۔ دارالعلوم کے ہنگاموں کے درمیان تنظیم کے مقامی یونٹ کے ذمہ دار ہونے کی وجہ سے برادرِ محترم ڈاکٹر طاہر الاسلام صاحب اور راقم کی بہت سے ایسے معاملات میں حضرت والا سے گفتگو رہی جو اس وقت پیش آمدہ ہنگاموں کا مقابلہ کرنے کے لیے وقتی ضرورت تھی ان قضایا و تنازعات کے تمام پہلوؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے مختصراً صرف اتنی بات کہی جا سکتی ہے کہ ان کربناک و تکلیف دہ حالات میں بھی حضرت

والا رحمۃ اللہ علیہ نے نہ تو کبھی کوئی ایسا مشورہ دیا جس سے دارالعلوم کے وقار پر آنچ آتی ہو اور نہ ہی کسی ایسی تجویز کی موافقت کی جس سے ان کی خاندانی روایات، فطری شرافت یا دارالعلوم کے تقدس وعظمت پر کوئی حرف آنے کے امکانات ہوں۔

دارالعلوم دیوبند پر قبضہ جس طریقہ پر اور جن حالات میں ہوا اس پر بحث ومباحثہ سے نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی آج کی صورتِ حال میں قابل تذکرہ، لیکن جن لوگوں نے اُن حالات کو دیکھا ہے وہ اس اضطرابی وانتشاری کیفیات سے بخوبی واقف ہیں، جنھوں نے جماعت دیوبند بالخصوص قصبہ کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ دیوبند میں حکیم الاسلامؒ کے ہمنواؤں کی کمی نہیں تھی اور وہ ہر طریقہ کی قربانی کے لیے تیار بھی تھے لیکن خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی فراستِ ایمانی (جسے ہم لوگ اُس وقت اپنی عاقبت نااندیشی کی بنا پر بزدلی سے بھی تعبیر کرتے تھے) نے کسی بھی ایسی پیش قدمی سے ہمیشہ روکے رکھا جس سے کوئی ناخوشگوار صورت حال پیدا ہو۔ دارالعلوم دیوبند ہاتھ سے نکل جانے کے بعد کچھ مشیروں کے مشوروں پر عمل کرتے ہوئے اس ادارے میں واپسی درج کرانے اور اس کے تحفظ کی خاطر جمہوری و آئینی طریقوں کو اختیار کرتے ہوئے احتجاج کے بہت سے طریقے اختیار کئے گئے، جن میں سے ایک آخری حربے کے بطور ''جیل بھرو آندولن'' بھی تھا، جس میں حضرت والا مرحوم کی معیت میں بہت سے جاں نثاروں نے اپنی اپنی گرفتاریاں دیں۔ جیل میں اپنے ہی لوگوں کے درمیان آپس میں جو اختلافات رونما ہوئے ان سے دل برداشتہ ہو کر حضرت مولانا مرحوم نے اپنی فکر کے زاویے کو تبدیل کرتے ہوئے مئی ۸۲ء میں بے سروسامانی کے عالم میں دیوبند کی جامع مسجد میں اپنے ساتھ دارالعلوم سے باہر آئے، اساتذہ و ملازمین اور طلباء کے مستقبل کی خاطر دارالعلوم وقف کا آغاز کیا۔

۸۲ء میں دارالعلوم وقف جن حالات میں قائم ہوا اور جس شد و مد کے ساتھ اس کی مخالفت کی گئی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ ایک سمندری جوش ہے جو ذرا سی دیر میں اس کے جھاگوں کی طرح بیٹھ جائے گا لیکن مولانا محمد سالم قاسمی اور ان کے رفقاء مولانا سید انظر شاہ، مولانا خورشید عالم صاحب (رحمہم اللہ علیہم اجمعین) اور دیگر بہت سے حضرات نے انتہائی نامساعد حالات میں اسے چیلنج سمجھتے ہوئے مخالفانہ ومعاندانہ تھپیڑوں کو جس طرح برداشت کیا تھا وہ علامہ اقبال علیہ الرحمہ کے الفاظ میں۔

''تندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے''

کے مانند تھا۔ اس کے لیے ان اکابرین نے اپنے سپہ سالار پر پوری طرح بھروسہ کرتے ہوئے بالقصد منجدھار میں ڈالی ہوئی اس کشتی کو پار لگا کر اسے دارالعلوم دیوبند کے مماثل کھڑا کر دیا اور مخالفین کو

مرحوم کی تعمیری صلاحیتوں کا اعتراف کرنے پر مجبور کردیا۔

دارالعلوم دیوبند سے باہر آنے والے ملازمین کے لیے یہ وقت جتنا دشوار ترین گذرا اس کا تصور بھی لرزہ خیز ہے۔ ان ملازمین میں حضرت مولانا محمد سالم صاحب سے لے کر درجہ چہارم کے ملازمین تک کو جو پریشانیاں اور دشواریاں پیش آئیں ان کے تذکرے کا یہ موقع نہیں ہے لیکن اسے قائد کارواں کی فہم و فراست ہی کہا جائے گا کہ اس صعوبت کا مقابلہ خندہ پیشانی کے ساتھ انتہائی صابر و شاکر بن کر کیا، کم و بیش دس سال مصائب کا پہاڑ سامنے کھڑا رہا لیکن کبھی کسی نے حضرت والا کی زبان سے نہ تو کوئی حرفِ شکایت سنا اور نہ ہی کوئی آہ و فغاں۔ جب بھی ملتے اسی خندہ پیشانی کے ساتھ متبسمانہ انداز اور پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر، نہ تو مخالفتوں کی پرواہ اور نہ ہی مخالفین کا کوئی شکوہ بلکہ اگر کوئی دبے الفاظ میں کبھی مخالفین کا تذکرہ بھی کرتا تو ''بھائی صاحب'' مرحوم گفتگو کا رخ اس انداز سے موڑتے کہ مخاطب کو یہ احساس تک نہ ہوتا کہ اس کا دامن غیبت سے کیسے اور کب چھٹکارا پا گیا؟

دارالعلوم وقف کے قیام کے بعد اس ناکارہ نے دیوبند میں تقریباً آٹھ سال سماجی کاموں میں گذارے ان سب میں ہی ''بھائی صاحب'' کے مشورے مشعل راہ رہے اور جن معاملات میں مولانا مرحوم کے مخلصانہ مشوروں سے اعراض برتا یا انھیں قابل اعتنا نہ گردانا تو اس کے نقصانات بھی سامنے آئے۔ ۱۹۸۴ء میں ادارہ خدمتِ خلق کے زیر اہتمام قاسمی بیت المال کے قیام کے وقت مولانا مرحوم نے جو مشورے دیئے تھے وہ ان دنوں دوراز کار معلوم ہو رہے تھے، لیکن بعد میں اُن کی صداقت سامنے آگئی۔ ۱۹۸۷ء میں جب شہر طیب کی پلاننگ کی جارہی تھی تو اس وقت ادارہ خدمت خلق کے صدر مولانا حسن الہاشمی صاحب اور میں اکثر و بیشتر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ حضرت والا مرحوم نے ایک ماہر تجربہ کار اور دور اندیشی پر مبنی بہت سے مشورے دیئے اور بطورِ تعاون کچھ پلاٹس بھی خریدے۔ استاذِ محترم کے مشورے اُس وقت ہمیں سمجھ میں نہیں آتے تھے لیکن کچھ دن بعد جب طمع و لالچ میں مبتلا اپنے چند ساتھیوں کی خرابیِ نیت کی نذر ہو کر مخلصانہ کوشش کرنے والوں کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا گیا تو مولانا مرحوم کی دور اندیشی و بصیرت کا قائل ہونا پڑا، لیکن اس وقت تک ''چڑیاں کھیت چُگ چکی تھیں'' شہر طیب کے منصوبہ کی ناکامی نے ہمارے تمام سماجی منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اور جس قدر مشکلات و آزمائش سے گذرنا پڑا ان کا تذکرہ کسی طرح مناسب نہیں۔ مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ کم از کم مجھ کو تو اسی کے نتیجہ میں دیوبند جیسے وطن کو خیرباد کہہ کر علی گڑھ کو وطن ثانی بنانے پر مجبور ہونا پڑا۔

علی گڑھ میں آنے کے بعد بھی ''بھائی صاحب'' سے عقیدت و احترام کا تعلق اسی بے تکلفانہ انداز میں رہا جیسا پہلے تھا۔ دیوبند جانا ہوتا تو عدنان میاں سے ملنے کے ساتھ ساتھ ''بھائی صاحب'' سے ملاقات

کی سعادت بھی حاصل ہوتی، ان نجی ملاقاتوں میں بھی حضرت والا بہت ہی پیار محبت کے ساتھ نصیحتیں فرماتے، لطیفوں سے محظوظ فرماتے، اشعار سناتے غرض یہ کہ ''بھائی صاحب'' سے ملاقات جیتی جاگتی زندگی کا ایک نمونہ ہوتی جس میں بزرگانہ، مشفقانہ، مربیانہ و دوستانہ سبھی پہلو ہوتے۔

''بھائی صاحب مرحوم'' کا اندازِ گفتگو جتنا خوب صورت تھا اس کی مثال بھی شاذ و نادر ہی ملے گی، انھیں کسی سے کوئی شکوہ ہوتا تو اس کا اظہار اس طرح فرماتے کہ مخاطب کو بُرا بھی نہ لگے اور اُس تک بات بھی پہنچ جائے۔

۲۰۰۴ء میں یوپی رابطہ کمیٹی کے سکریٹری کی حیثیت سے میرا نام بطورِ ممبر (سید شہاب الدین مرحوم کی زیرِ صدارت چلنے والی) آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت سے منسلک ہوا۔ مجھے اس بات کا بخوبی علم بھی تھا اور احساسِ ندامت بھی کہ مشاورت کا دوسرا گروپ میرے مشفق و مربی مولانا محمد سالم قاسمی صاحب کی زیرِ صدارت اپنے کاموں کو انجام دے رہا ہے اور میں اُس سے بعض مجبوریوں کی وجہ سے وابستگی اختیار نہیں کرسکتا۔ کئی دفعہ دیوبند آکر ''بھائی صاحب مرحوم'' سے ملنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ دن گذرتے رہے آنا جانا شروع ہوگیا۔ مولانا مرحوم نے کبھی اس کا ذکر نہیں کیا، کچھ عرصہ کے بعد ایک دفعہ مولانا مرحوم مجھ سے فرمانے لگے کہ ''عاصم میاں! سید شہاب الدین صاحب کی مشاورت کے ممبران کی فہرست میں ایک نام عبید اقبال عاصم کا آتا ہے یہ کون صاحب ہیں؟ مجھے جواب دینے کی ہمت نہیں ہوئی، کافی دیر تک خاموشی رہی۔ مولانا مرحوم نے خود ہی اس خاموشی کو توڑا اور فرمایا ''مقصد کام ہونا چاہیے کہیں بھی رہو اخلاص کے ساتھ کام کرو۔'' تب میں نے کہا کہ ''حضرت آپ سے باہر نہیں ہوں'' اس کے بعد بہت دیر تک مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں اور پھر کبھی بھی آپ نے اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔ دونوں مشاورتوں کے انضمام سے پہلے کئی مرتبہ سید شہاب الدین صاحب اور دوسرے ممبران کے حکم پر میں نے مولانا سے اس سلسلے میں بات کی تو کچھ ایسی باتیں سامنے آئیں کہ جن کے معلوم ہونے کے بعد اپنے قدم پیچھے ہٹانا ہی بہتر سمجھا۔ بعد میں مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی صاحب اور ڈاکٹر ظفر الاسلام خاں صاحب کی کوششوں سے بلا شرط دونوں مشاورتوں کا انضمام ہوگیا اور مشاورت کی گولڈن جوبلی تقریبات (اگست ۲۰۱۵ء) میں مولانا محمد سالم صاحب کی صدارت میں ہی اس کی وہ تاریخی افتتاحی تقریب عمل میں آئی جس میں بحیثیت مہمان خصوصی اس وقت کے نائب صدر جمہوریہ حامد انصاری صاحب بھی شریک تھے۔ اسی موقع پر محترم انصاری صاحب نے اپنے باوقار عہدے سے اوپر اٹھ کر اس ملی درد و کرب کا اظہار کیا تھا جو ان کے سینے میں موجزن تھا۔ اس پر بی جے پی اور آر ایس ایس کے خیموں میں کہرام برپا ہوگیا تھا اور محترم انصاری صاحب کو ہدف ملامت بنانے میں ان انتہا پسندوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی خصوصیات میں ایک بڑی خاصیت ان کے دل کا آئینہ کی طرح صاف ہونا تھا۔ زندگی میں سب سے کربناک واقعہ دارالعلوم دیوبند کا وہ قضیہ نامرضیہ ہے جس کے نتیجے میں انھیں نہ صرف یہ کہ خود؛ بلکہ اپنے بہت سے جاں نثار ساتھیوں کے ساتھ اس دارالعلوم سے بے دخل ہونا پڑا جس کی آبیاری میں ان کے خاندان کا سب سے بڑا حصہ تھا۔ ایک سو پندرہ سالہ لگا تار نسل در نسل ''مدرسۂ دیوبند'' کو ایشیا کی عظیم ترین دینی علمی درس گاہ ''دارالعلوم دیوبند'' میں تبدیل کرنے والے خاندان کو جس طریقہ سے دارالعلوم سے بے دخل کیا گیا اس کے ذکر کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن مولانا کی وسعت ظرفی، فراخدلی اور معاملہ فہمی کی داد دیئے بنا کوئی نہیں رہ سکا جب انھوں نے اپنے مخالف سمجھے جانے والے حضرات کو ایسے موقع پر گلے لگایا جب کہ مقدمات کی تکمیل وتصفیہ مولانا کے اپنے حق میں ہونے کے واضح اشارات مل رہے تھے۔ یہ سب کچھ مولانا نے صرف اور صرف آخرت کے لیے کیا تھا، ان شاء اللہ العزیز انھیں اس کا اجر وافر مقدار میں ضرور ملا ہوگا۔

مال و دولت، جاہ و مرتبت سے استغناء کی مثالیں مولانا کی زندگی میں بہت ملتی ہیں۔ دارالعلوم سے مقدمات کی واپسی کے بعد بینک میں منجمد خطیر رقم میں ارباب دارالعلوم کی نصفا نصفی کی پیشکش کے باوجود اس سے بے رغبتی کا اظہار کرنا، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت سے ایسے موقع پر جبکہ مولانا کا ہی ووٹ فیصل کی حیثیت رکھتا تھا، اپنا ووٹ دوسرے کو دے دینا ایسی مثالیں ہیں جن کی نظیر ملنی دورِ حاضر میں ناممکن نہیں تو کم از کم مشکلات میں سے ضرور ہے۔

اس صدی کے ابتدائی سالوں میں راقم نے دہلی اور علی گڑھ میں ایسی متعدد کانفرنسوں میں شرکت کی اور خود بھی منعقد کیں جن میں اسلام کے بنیادی رکن ''زکوٰۃ اور اس کے مصارف'' کے تحفظ کے سلسلے میں علماء و دانشورانِ کرام کے درمیان کھل کر گفتگو ہو رہی تھی، کئی کانفرنسوں میں استاذِ محترم مفتی فضیل الرحمٰن، ہلال عثمانی صاحب بھی شریک ہوئے۔ شروع میں تو دانشورانِ کرام کا طرز مخلصانہ معلوم ہو رہا تھا لیکن آہستہ آہستہ ان میں سے بعض کا نشانہ علماء و دینی مدارس بننے لگے تو مفتی ہلال صاحب نے کچھ مخلص حضرات سے مشاورت کے بعد یہ تجویز پیش کی کہ اس سے پہلے کہ زکوٰۃ کا نظام تہس نہس ہو، علمائے کرام پر مشتمل ایسے بورڈ کی تشکیل ہو جو اپنی نگرانی میں اس کام کو انجام دے اور دینی مدارس بھی اُن سے متاثر نہ ہوں۔ مفتی صاحب کے مشورے پر میں نے اس خیال کا اظہار حضرت اقدس مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے سامنے رکھا جس سے مرحوم نے اتفاق کرلیا۔ کئی مہینوں کی الگ الگ نشستوں کے بعد یہ طے پایا کہ اس کے صدر حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ اور جنرل سیکریٹری مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب ہوں گے۔ علاوہ ازیں ہیچ مداں راقم سمیت دیگر بہت سے عہدیداران بھی طے پا گئے۔ سب کچھ طے ہوگیا طریقِ کار اور نظام بھی مفتی ہلال صاحب نے ترتیب دے لیا۔ اسی اثناء میں جب راقم دیوبند گیا ہوا تھا تو حضرت والا

نے بلا کر فرمایا کہ اس معاملہ میں شرح صدر نہیں ہو رہا ہے۔ کیوں کہ آج تو یہ کام بہت اخلاص کے ساتھ ہو رہا ہے لیکن کل جب دوسرے لوگ آئیں گے تو کون کس مزاج کا ہو؟ یہ طے کرنا مشکل ہے اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم کرنے میں کامیابی مل جاتی ہے تو اس سے وہ مستحقین ضرور متاثر ہوں گے جو دینے والے کے اقرباء میں شمار ہوتے ہیں اور صرف وہی نہیں بلکہ اس کی سب سے زیادہ ضرب دینی مدارس پر پڑے گی جن کی آمدنی کا بیشتر انحصار زکوٰۃ کی مد ''فی سبیل اللہ'' پر ہے۔ حضرت والا کی گفتگو واقعتاً دور اندیشی پر مبنی تھی، اس کے بعد مفتی ہلال عثمانی صاحب اور دوسرے اراکین سے مشوروں کے بعد اس خیال کو ترک کرنے میں ہی عافیت سمجھی گئی۔

حضرت والا کی محبتیں، شفقتیں، عنایتیں اپنے چھوٹوں پر کس قدر رہتی تھیں اور کس طرح وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو نصیحت آمیز انداز میں انتہائی پیار و محبت کی فضا میں بڑا بنا کر پیش فرماتے تھے اس کی ان گنت مثالیں ہیں۔

عدنان میاں سے دوستی کے سبب آستانۂ قاسمی ہماری مجلسوں، قہقہوں، بحث و مباحثوں، کھانے پینے کی ہفتہ وار نشستوں کا بہترین ٹھکانہ بھی تھا اس میں ہر طرح کی گفتگو بھی ہوتی۔ لطیفے و تبصرے بھی ہوتے، کھانا پینا بھی ہوتا۔ غرضے کہ ''زندگی'' اور ''زندہ دلی'' کا جیتا جاگتا ثبوت یہ بیٹھک تھی (حقیقت یہ ہے کہ آستانہ قاسمی کی اس بے تکلف بیٹھک نے مستقبل کی زندگی میں ہر ہر موڑ پر رہنمائی کی) کبھی کبھار ''بھائی صاحب مرحوم'' اس محفل یاراں سے لطف اندوز ہونے کے لیے تشریف لا کر ہمارے ساتھ شریک گفتگو ہو جاتے اور دلچسپ تبصروں، بہترین لطیفوں، دیوبند کی علاقائی، عوامی اندازِ گفتگو کے وہ نمونے ہمارے سامنے پیش فرماتے کہ ہنستے ہنستے سب لوٹ پوٹ ہو جاتے۔ اس وقت بھائی صاحب ایک بہترین دوست کا کردار ادا فرماتے۔

شعر و شاعری سے ''بھائی صاحب مرحوم'' کو خاصا شغف تھا۔ بہت سے اشعار برمحل سنانے میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ بحر طویل کی ایک غزل ایک مرتبہ سنانے کا موڈ بنا، تو پہلا مصرعہ ہی اتنا طویل تھا کہ ہم سمجھے کہ غزل مکمل ہوگئی۔ ''بھائی صاحب'' نے توقف کر کے فرمایا کہ یہ اس غزل کا مصرعۂ اولیٰ تھا یہ سن کر محفل زعفران زار ہوگئی۔ مولانا کا اندازِ تربیت جداگانہ تھا۔ وہ عام علمائے کرام کی طرح نہ تو لہجہ میں کرختگی یا کروفر کو ظاہر فرماتے حالاں کہ چہرے سے فطری رعب و تمکنت ٹپکتا، لیکن مولانا مرحوم خندہ پیشانی سے اسے ظاہر نہ ہونے دیتے، سامنے والے کی بات کو پورے غور و فکر اور سنجیدگی کے ساتھ سنتے، کبھی بات آپ کی منشاء کے موافق نہ ہوتی تو اسے بہت ہی خوب صورت انداز میں اپنی رائے کے اظہار کے بطور فرماتے، بعد میں تجربہ سے وہ بات صد فیصد درست معلوم ہوتی۔

راقم نے اپنی زندگی کے کم وبیش پچاس سال کسی نہ کسی صورت میں آستانہ قاسمی کے اس جو ہر نایاب کو ہر رنگ میں دیکھا۔ میں یہ بات اگر قسم کھا کر کہوں تو حانث نہیں ہوں گا کہ مرحوم کے ہر انداز میں شفقت و محبت کا عنصر غالب رہتا تھا۔ غصہ کی حالت میں بھی (جو شاذ و نادر ہی ہوتا تھا) اپنے بڑے سے بڑے مخالف کو ایسے الفاظ سے خطاب نہ فرماتے جس سے سننے والے کو ناگواری یا غیر شائستگی کا احساس ہو، غیبت کا تو تصور ہی نہیں تھا۔ ستم ظریف حالات کے زمانے میں بھی من حیث المجموع یا من حیث الجماعت مخالفین کی ایذاء رسانیوں کا تذکرہ ہوجاتا لیکن انفرادی طور پر اگر کوئی کسی کو کچھ کہتا تو اندازِ گفتگو ہی تبدیل ہوجاتا۔

مولانا کی یادداشت کمال درجہ کی تھی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی ذہن میں اس طرح محفوظ رہتی کہ سننے والا دنگ رہ جاتا۔ مولانا کے ساتھ کئی مرتبہ سفر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ سفر میں موڈ انتہائی خوش گوار ہوتا، جگہ جگہ گاڑی روک کر جہاں کی جو چیز مشہور ہوتی خریدتے، خود بھی تناول فرماتے اور رفقاء سفر کو بھی کھلاتے، وقت کی پابندی تو ضرب المثل تھی۔ ایک مرتبہ علی گڑھ کا پروگرام بنایا تو مجھ سے فرمایا کہ صبح پانچ بجے چلیں گے، ہلکی سردی کا موسم تھا غالباً نومبر کا مہینہ تھا اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ عاصم میاں! پانچ کا مطلب پانچ ہوتا ہے یعنی چار بج کر انسٹھ منٹ کے بعد والے پانچ۔ میں نے عرض کیا ان شاء اللہ تعمیل حکم ہوگی۔ اگلی صبح میں وقت مقررہ سے دس منٹ پہلے پہنچا تو حضرت بالکل تیار تھے اور ٹھیک پانچ بجے ہم لوگ دیوبند سے روانہ ہوگئے۔ دورانِ سفر حضرت مرحوم نے یہ بھی فرمایا کہ سفر کے لیے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی معمول تھا وہ بھی صبح سویرے ہی سفر پر روانہ ہوتے تھے۔

مولانا مرحوم کا علمی استحضار بھی غضب کا تھا۔ بالکل آخری ایام میں جبکہ مولانا پر ذہول ونسیان کا غلبہ ہوگیا تھا اور مخاطب کو بات چیت میں یہ اندازہ ہوجاتا کہ نسیان کی کیفیت شدت اختیار کررہی ہے ایسے میں اگر کوئی علمی مسئلہ درپیش آجاتا تو مولانا مرحوم اس وقت اس کے ایسے نکات بیان فرماتے گویا کہ آپ اس وقت درس گاہ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور علم کے موتی لٹارہے ہیں۔ یہ واقعہ بہت سے حضرات کے ساتھ پیش آیا۔ وفات سے دو تین ماہ قبل حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی تو بار بار یہ سوال فرماتے کہ آج کل کہاں ہیں؟ میں جواب دیتا پھر تھوڑی دیر بعد یہی سوال کئی مرتبہ یہ سوال وجواب کا سلسلہ جاری رہا تو میں نے ''رفع یدین'' کا کوئی مسئلہ چھیڑ دیا۔ پھر حضرت نے اس پر احناف کے مستدلات کو اتنے بھرپور علمی انداز میں پیش فرمایا کہ یقین ہی نہیں آیا کہ حضرت ذہول ونسیان کی کیفیت سے گذر رہے ہیں۔ مولانا تعلقات کو کتنا زیادہ عزیز رکھتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ عزیز دوست خورشید انور (مقیم مدینہ منورہ)، سعود الحق (مقیم دہلی) اور میں تینوں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (سعود الحق اُن مولانا عبدالحق صاحب مرحوم کے صاحبزادے ہیں جو قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ

راست مانے جاتے تھے، وہ واقعتاً دارالعلوم دیوبند کے مخلص خدمت گار تھے۔ سعود الحق اپنی طبیعت کے اعتبار سے تعلقات کو محدود رکھتے ہیں اور کسی سے ملنے ملانے میں بھی انھیں بہت سے موانعات رہتے ہیں، جن میں کچھ تکلّفات بھی شامل ہیں، انھیں اسباب کی بنا پر ان کو مولانا مرحوم کی خدمت میں حاضری کے مواقع کم ملتے تھے) عرصۂ دراز کے بعد مولانا مرحوم سے سعود میاں کو ملنے میں کچھ جھجھک ہو رہی تھی کہ پتہ نہیں پہچانیں گے بھی یا نہیں، میں نے ہمت دلائی اور حضرتؒ کی خدمت میں سعود الحق کو پیش کر کے اُن کا تعارف کرایا اور یہ بھی کہ یہ آپ سے ملنے کی شدید خواہش کے باوجود ملنے سے ہچکچا رہے تھے۔ مولانا مرحوم نے انتہائی خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہوئے سعود میاں کی بہت ہی بے تکلّفانہ انداز میں گوشمالی کی اور قدیم تعلقات کی تجدید کے لیے ملتے رہنے کا اشارہ بھی دیا۔

غلبۂ تنفس کے زمانے میں عیادت کے لیے گیا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ کیا علی گڑھ میں دینی مذہبی پروگرام بند ہوگئے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! کئی دفعہ ایسے پروگرام ہوئے جن میں منتظمین آپ کی شرکت کے خواہش مند تھے لیکن آپ کی طبیعت اور سفر کی صعوبت کو دیکھتے ہوئے میں نے از خود انھیں آپ کو بلانے سے روک دیا۔ مسکرا کر کچھ دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا کہ:

’’مجھے دقت سفر میں نہیں ہوتی بلکہ سفر نہ کرنے میں ہوتی ہے‘‘۔

ایک مرتبہ خورشید انور اور میں حضرت سے ملنے کے لیے گئے تو خورشید میاں نے مولانا تھانویؒ سے متعلق پوچھ لیا کہ آپ نے تو انھیں دیکھا ہے ان کے کیا معمولات تھے؟ جواب میں مولانا مرحوم نے حضرت تھانویؒ کے معمولات، اندازِ تربیت، طریقۂ تدریس (چوں کہ آپ نے باقاعدہ حضرت تھانویؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا تھا۔ میزان الصرف، حضرت سے ہی پڑھی تھی اور غالباً اس وقت آپ اُن کے آخری شاگرد تھے) کی بہت سی تفصیلات مہیا فرمائیں جن سے مولانا مرحوم کی یادداشت، قوتِ حافظہ کا بھی اندازہ ہوتا تھا۔

بہر حال! موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ اُس نے اس عظیم ہستی کو بھی اپنے چنگل میں لے لیا لیکن بانوے سال تین ماہ چھ دن (۸؍جنوری ۱۹۲۶ء تا ۱۴؍اپریل ۲۰۱۸ء) وہ اس فانی دنیا میں جس شان کے ساتھ زندہ رہے اور اپنوں و غیروں کے سامنے اپنی زندگی کے مختلف گوشوں کو جس طرح اُجاگر کیا وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ زندگی کے سرد و گرم، تلخ و شیریں ایام میں صبر و استقامت، اولوالعزمی و ثابت قدمی، عفو و در گذر، حلم و بردباری، فہم و فراست کے ساتھ جس طرح اپنی زندگی کو مثالی بنا کر پیش کیا اُس نے مخالفین و معاندین کو بھی اُن کی قصیدہ خوانی پر مجبور کر دیا۔ آج مولانا ہمارے درمیان نہیں ہیں اور ہمارے عقیدہ و ایمان کے مطابق وہ اب اس فانی دنیا میں آنے والے بھی نہیں ہیں لیکن انھوں نے اپنی زندگی کو کھلی کتاب کی

طرح آنے والوں کے سامنے رکھ دیا ہے۔ ہماری سعادت یہی ہے کہ ہم اُن نقوش کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائیں اور اپنی عاقبت کو سدھارنے میں لگے رہیں۔

خطیب الاسلام کے لقب سے ملقب اس لقب کے عصر حاضر کے بالکل صحیح مصداق حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نور اللہ مرقدہ و برد مضجعہ کا سانحۂ ارتحال ۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء کو دو بج کر سترہ منٹ پر اس وقت پیش آیا جب کہ وہ تو دنیاوی غموں سے بالکل پاک صاف ہو کر اللہ رب العزت کے حضور جانے کے لیے اپنے کو تیار کر چکے تھے، لیکن ان کے پس ماندگان، ان کے چاہنے والے اور ان کے معتقدین ومنتسبین کی خواہش وتمنا تھی کہ گذشتہ کئی دنوں سے روح وجسم کے رشتوں میں چلنے والی کشمکش میں روح قفس عنصری میں بایں صورت موجود رہے کہ جسم وہی توانا پیکر اختیار کر لے جو کم از کم دس سال قبل تھا لیکن قضا و قدر کے فیصلے میں روح کو يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً. کا حکم مل چکا تھا، جس کی تعمیل ملک الموت نے وقت متعینہ پر کر کے مولانا سے محبت کرنے والوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر علم وعمل کے گہرے سمندر کو ساکت وصامت کر دیا۔ بقولِ شاعر ؎

جلتے ہوئے چراغ سے سیکھا نہ ہم نے کچھ
جب بجھ گیا چراغ تو ہم روتے رہ گئے

مولانا مرحوم نے مرض الموت میں تقریباً چار پانچ دن جس طرح موت سے پنجہ آزمائی کی اُس سے کبھی کبھار یہ گمان ہوتا تھا کہ اس جنگ میں فتح مولانا کی ہی ہوگی، لیکن ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ'' اسی رات بعد نمازِ عشاء ''شب معراج'' میں جس وقت مولانا مرحوم کے بے جان جسمانی وجود کو مجمع کثیر پر مشتمل انسانوں کے ذریعہ زیر زمین لٹانے کے بعد اس پر تختے رکھ کر مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى. کا ورد کرتے ہوئے تین مشت خاک ڈالی جارہی تھی تو میں صامت وساکت اس عظیم شخصیت کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے مولانا کی صاف ستھری زندگی کی ورق گردانی کر رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ فی الحقیقت ایسے ہی لوگوں کے لیے رب کریم ارشاد فرماتے ہوں گے کہ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي.

کسی شاعر نے مولانا جیسے لوگوں کے لیے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

تمہیں کہتا ہے مردہ کون، تم زندوں میں زندہ ہو
تمہاری خوبیاں روشن، تمہاری نیکیاں باقی

❖ ❖ ❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ

''گل حسن تو بسیار''

مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی ❖

کسی ایسی شخصیت پر خامہ فرسائی کرنا جو ہشت پہل صفات اور گونا گوں خوبیوں کی جامع ہو؛ عام طور پر کافی دشوار گذار اور مشکل ہوتا ہے؛ خاص طور پر ایسے حالات میں جب کہ صاحبِ قلم کو مذکورہ شخصیت سے خوشہ چینی اور ہم نشینی وصحبت کے مواقع نسبتا کم میسر آئے ہوں۔ اگر بالکل ہی صحبت اور دید وشنید کے مواقع میسر نہ آئے ہوں اور قلبی وابستگی بھی نہ ہو، تب تو ان کی شخصیت پر قلم اٹھانے سے احتراز کرنا ہی بہتر ہے، سچائی یہ ہے کہ سوانح نگاری، وہ بھی کسی عظیم شخصیت کی؛ عقیدت ومحبت اور صحبت وتعلق کے بغیر ممکن نہیں ہے؛ اگر کسی نے ایسا کیا بھی، تو شاید سوانح نگار اپنے عمل سے انصاف نہ کر سکے۔ اس کی تحریر تاریخ نگاری کے زمرے میں تو شامل کی جاسکتی ہے؛ لیکن عاشقوں کے درد کا درماں نہیں بن سکتی۔ جب کہ تذکرہ نگاری کا ایک مقصد اہل محبت کے لیے درد کا درماں تلاش کرنا بھی ہوتا ہے۔ عرب شاعر مہیار بن مردویہ دیلمی کا یہ شعر:

اعد ذكر نعمان لنا ان ذكره ☆ هو المسك ما كررته يتضوأ

(ترجمہ: میرے سامنے حضرت نعمان کا تذکرہ بار بار کرو؛ اس لیے کہ ان کا ذکر مشک کی طرح ہے، جتنا اسے مکرر کیا جائے گا خوشبو اسی قدر پھیلتی جائے گی) اسی مفہوم کی ترجمانی کرتا ہے۔

تذکرہ نگاری کا مقصد کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ''انگلی کٹا کر شہیدوں میں اپنا نام لکھا لیا جائے''۔ یا ''سوئی لے کر خریدارانِ یوسفؑ میں'' نام شامل کرایا جائے؛ جب یہ مقصد ہو تو پھر ایسے حالات میں احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ عرب کا فلسفی شاعر متنبّی کے بقول:

تخالف الاحكام فی اهل الهوى ☆ فانت جميل الخلف مستحسن الكذب

اہل محبت کے احکام جداگانہ ہوتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ ذیل کے سطور کو بھی سمجھا جائے جو تذکرہ نگاری کے ضروری اسباب کے بغیر محض اظہار عقیدت ومحبت کے طور پر خطیب الاسلام حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ کی عظیم شخصیت کے تعلق سے سپرد قلم کیے جارہے۔

❖ ناظم تعلیمات مدرسہ بدر الاسلام بیگوسرائے بہار

حضرت کی شخصیت ایک سورج کے مانند تھی؛ جس نے تقریباً نصف صدی تک دنیائے اسلام کو اپنی علم وحکمت کی ضیا پاشی سے منور کیا۔ ایسی شخصیت کی تعریف وتوصیف بیان کرنا ہر ایک کے لیے ممکن نہیں ہے اس لیے کہ ''دامان نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار''۔ اور ایسی مشہورِ عالم شخصیت کی توصیف کی چنداں ضرورت بھی نہیں اس لیے کہ ''مادح خورشید مادح خود است''۔ لیکن اظہار عقیدت اور اپنے لیے سعادت مندی سمجھ کر غبار خاطر کو صفحۂ قرطاس پر ثبت ہمیشہ اہل محبت کا شعار رہا ہے۔

کسی عظیم شخصیت کے بارے میں متعین طور پر یہ بتانا کہ سب سے پہلے ان کے نام سے آشنائی کب ہوئی؛ عام طور پر مشکل ہوتا ہے؛ ایسا ہی کچھ حضرت خطیب الاسلامؒ کا بھی معاملہ ہے۔ سب سے پہلے حضرت کے نام سے آشنائی کب ہوئی؛ یقینی طور پر کہنا مشکل ہے؛ لیکن غالب گمان یہ ہے کہ حضرت مولانا سالم قاسمیؒ کا ذکر خیر سب سے پہلے اپنے خال محترمِ اپنے دیار کے عالم کبیر حضرت مولانا محمد شفیق عالم قاسمی بانی ومہتمم جامعہ رشیدیہ جامع مسجد بیگوسرائے کی زبانی سنا، موصوف دارالعلوم دیوبند کے قدیم فاضل ہیں۔ جون ۱۹۶۱ء سے لے کر انھوں نے ۱۹۶۵ء تک حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کے زمانہ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند سے کسبِ فیض کیا تھا۔ حکیم الاسلامؒ کے معتمد ترین طلبہ میں سے تھے اور اس وقت کی جمعیۃ الطلبہ کے جنرل سکریٹری تھے۔ موصوف بڑی محبت اور عقیدت کے ساتھ اکثر حضرت حکیم الاسلام قاری طیب صاحبؒ قاسمی کا ذکر خیر فرمایا کرتے تھے اور ان کی مجالس کے شہ پارے ہم خردوں سے بیان کیا کرتے تھے۔ اسی ضمن میں یہ ضرور فرماتے تھے کہ: باپ کا علم جو بیٹے کو نہ مستحضر ہو۔ پھر بیٹا قابلِ میراث پدر کیوں کر ہو۔

اگر باپ کے علوم ومعارف بیٹے کی طرف منتقل ہوتے ہیں؛ تو بیٹا باپ کی وراثت پانے کے لائق ہوتا ہے۔ اس کی ایک شاندار مثال ہمارے حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند ہیں۔ کہ حکمت قاسمیہ کے امین اور بانئ دارالعلوم اور ان کے صاحبزادے کے سچے جانشیں ہیں۔ اور کمال یہ ہے کہ ان کے جواں سال صاحبزادے حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ بھی اپنے والد ماجد کی میراث سنبھالنے کے لائق ہو چکے ہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ کی طرح وہ بھی میرے استاذ ہیں اور میں نے ان سے ترجمہ قرآن کریم نصف ثانی اور نورالانوار پڑھی ہے۔ جب کہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی صاحبؒ سے میں نے مشکوۃ شریف، اور حجۃ اللہ البالغہ پڑھی ہے۔ حضرت قاری صاحب اپنے کچھ مخصوص تلامذہ کو بعد نماز عصر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علوم ومعارف اور حکمت شریعت پر خصوصی مہارت اور اس حکمت کو نسل نو کی طرف منتقل کرنے کی غرض سے ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا درس دیا کرتے تھے۔ حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ کی درس گاہ احاطہ مولسری کے جنوب میں تھی۔ دوسروں کے برعکس حضرت مکمل وقت کی پابندی کے ساتھ درس گاہ میں گھنٹہ لگتے ہی تشریف لاتے، علوم ومعارف کے خزانے لٹاتے اور گھنٹہ مکمل ہوتے درس موقوف کر دیتے۔ چوں کہ درس، کلام اللہ کا تھا

اس لیے کلامِ الٰہی کے اسرار و رموز کو خوب آشکارا فرمایا کرتے تھے۔ مولانا شفیق عالم قاسمی کی زبان سے حضرت مہتمم صاحب اور ان کے نامور باکمال صاحب زادے کے تعلق سے نکلنے والے ان جملوں اور اس طرح کے دیگر مجلسی جملوں سے میرے دل و دماغ میں نسبت قاسمی کی اہمیت جاگزیں ہوگئی اور مولانا سالم قاسمی اور حضرت الامام نانوتوی کے ساتھ نسبی تعلق رکھنے والے تمام بزرگوں کی عقیدت و محبت دل و دماغ میں پیوست ہوگئی۔ بندہ ایک عرصے تک یہ سمجھتا رہا کہ ''مہتمم صاحب'' اگر ہندوستان میں کوئی ہیں، تو وہ دارالعلوم دیوبند والے حضرت ہیں۔ گویا ''حضرت مہتمم صاحب'' اس وقت حضرت قاری طیب قاسمیؒ کے لیے علم بن گیا تھا۔

ہمارے ضلع بیگوسرائے کی ایک قدیم اور مردم خیز بستی ہے بارو، جسے مسند ہند شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے سب سے لائق شاگرد حضرت مولانا یار علی محدث برونویؒ اور صاحب فرہنگ آصفیہ مولوی سید احمد کے آباء واجداد (جو سید احمد شہیدؒ کے ساتھ معرکہ بالاکوٹ میں شہید ہوئے) ان کا و دیگر بہت سے نامور اہل علم کا وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس مردم خیز بستی میں ایک دینی تعلیمی ادارہ قائم کرنے کی بات چل رہی تھی، جس میں جناب سرور علی صاحب پیش پیش تھے۔ اس ادارہ کا نام کیا ہو؟ اس سلسلہ میں کئی نام زیر غور آئے تو علاقے کے علماء اور ادارہ کے محرک جناب حافظ یسین صاحب مدظلہ کے مشورہ سے ادارہ کی نسبت قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی طرف کی گئی اور اس کا نام مدرسہ قاسم العلوم رکھا گیا۔ اس کی اطلاع جب حضرت خطیب الاسلام مولانا سالم قاسمی نور اللہ مرقدہ کو دی گئی اور افتتاحی پروگرام کے لیے پروگرام کا تقاضہ کیا گیا، تو حضرت بہت خوش ہوئے، یہاں کے علماء و منتظمین کو ڈھیر ساری دعائیں دیں اور اس مدرسہ کے افتتاحی جلسہ کے لیے حضرت نے اپنے پروگرام کی منظوری مرحمت فرمادی اور کہنے لگے کہ اگرچہ میں بہت مصروف ہوں اور ان ایام میں بیگوسرائے کا سفر کرنا بہت مشکل ہے؛ لیکن نسبتوں کا احترام کرنا اپنے اکابر کا شعار رہا ہے۔ مدرسہ کی نسبت چوں کہ قاسم العلوم والخیرات کی طرف ہے؛ اس نسبت کی کشش مجھے اپنے طرف کھینچ رہی ہے۔ اس لیے میں ضرور جاؤں گا۔ چناں چہ یہاں تشریف لائے اور ''بارو'' میں افتتاح مدرسہ کا شاندار پروگرام حضرت کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اور حضرت کا حکیمانہ خطاب بھی ہوا۔ اسی کے دوسرے دن اطراف شہر واقع بستی لعل پور میں بھی حضرت کا شاندار خطاب ہوا۔ اسی طرح ٹھکری چک میں مولانا مظفر ندوی صاحب کی دعوت پر حضرت کی تشریف آوری مدرسہ انوار العلوم میں ہوئی اور علماء و دانشوران سے پرمغز خطاب ہوا۔ اس کے بعد مشہور صاحبِ خیر الحاج نسیم احسن صاحب زید مجدہ کے دولت کدہ پر بھی خصوصی نشست ہوئی۔ اس نشست کا فوری ثمرہ یہ ہوا کہ الحاج نسیم احسن صاحب حضرتؒ کے زبردست شیدائی بن گئے۔ حضرت کے دست گرفتہ بھی ہوگئے۔ اور تعلق و سلوک میں اس کمال کو پہنچے کہ حضرت مولانا سالم صاحبؒ نے حاجی نسیم صاحب کو مجاز بیعت بناتے ہوئے اپنی خلافت بھی عطا کردی۔ اس طرح حضرت کو سرزمین بیگوسرائے سے

ایک خاص تعلق تھا اور تا حیات رہا اور حضرت کے خلیفہ الحاج نسیم احسن صاحب، حضرت کے معتمد شاگرد حضرت مولانا شفیق عالم قاسمی، مدرسہ قاسم العلوم وغیرہ کے ذریعہ یہ نسبت تا دیر قائم رہے گی ان شاء اللہ۔ رہے نام اللہ کا!

میرے زمانۂ طالب علمی ۱۹۹۲ء تا ۱۹۹۷ء میں حضرت کا بیان عام طور پر جمعہ سے قبل اور عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے موقع پر جامع مسجد دیوبند میں ہوا کرتا تھا۔ ان ایام میں دار العلوم وقف دیوبند کا سارا تعلیمی نظام بھی جامع مسجد ہی میں انجام پاتا تھا۔ یہ عاجز حضرت خطیب الاسلام کی عقیدت میں ان کا پر مغز اور مؤثر ترین خطاب کو سننے کے لیے وقت سے بہت پہلے جامع مسجد دیوبند پہنچ کر پہلی صف میں جگہ لیا کرتا تھا، تا کہ حضرت کو قریب سے دیکھ بھی سکے اور حضرت کے قیمتی بیان کے لآلی منثورۃ اور بکھرے موتیوں کو چن سکے۔ حضرت کے استقبال کے لیے مسجد کے منتظمین بھی چشم براہ رہا کرتے تھے۔ یہ عاجز علی وجہ البصیرۃ کہتا ہے کہ حضرت کا خطاب حضرت کی شخصیت کی طرح کافی جامع ہوا کرتا تھا، کچھ مضامین کو حضرت اس حد تک سہل بنا کر حاضرین کے سامنے پیش کر دیتے تھے کہ عامی سے عامی فرد بھی کچھ نہ کچھ سمجھنے میں کامیاب ہو جاتا تھا اور کچھ مضامین اتنے اعلی درجہ کے ہوتے تھے کہ ان میں سے بہت سی باتیں سر کے اوپر سے گذ جاتی تھیں لیکن گذرتی عمر کے ساتھ جب علم وشعور میں پختگی پیدا ہونے لگی۔ تو حضرت کے خطاب میں ذکر کردہ وہ مضامین بھی پوری طرح سمجھ میں آنے لگے ہیں۔ ۱۹۹۷ء جب یہ عاجز دار العلوم دیوبند کے دار الافتاء میں زیر تعلیم تھا، تو حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ کی تشریف آوری دار العلوم دیوبند کے مہمان خانہ میں ہوئی، مہمان خانہ میں کئی اہل تعلق اساتذۂ کرام نے آپ سے ملاقات کی، درجات علیا کے بعض طلبہ بھی حاضر ہوئے۔ کچھ دیر مجلس چلتی رہی۔ کچھ دیر بعد مہمان خانہ سے نیچے اترے۔ دار العلوم کے کئی اساتذہ اور یہ عاجز بھی ساتھ تھا۔ آپ نے آستانۂ قاسمی کی طرف چلنے اور حضرت مولانا سالم قاسمی صاحب سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ کئی حضرات راستے سے اجازت طلب کرنے لگے (اختلاف صد سالہ کی تلخیوں کے زیر اثر، اس زمانہ میں دار العلوم اور وقف دار العلوم کے اساتذہ و منتظمین کے مابین اس انداز کی بے تکلفی نہیں تھی۔ جو الحمد للہِ اس وقت ہے، جو یقیناً ہمارے دو اکابر حضرت مولانا سالم قاسمیؒ اور حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہما کی پر خلوص مساعی کا ثمرہ ہے) تو حضرت قاضی صاحبؒ نے کہا: ''چوں در دوستی مخلصم یافتی۔ عنانم زصحبت چرا تافتی''۔ حضرت قاضی صاحب کے اس طرح بر محل شعر چست کرنے سے یہ حضرات بھی ساتھ چلنے کو آمادہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر دونوں بزرگوں میں جو قیمتی گفتگو ہوئی۔ اس کا ہر ہر جملہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل تھا۔ خاص طور پر حضرت مولانا سالم قاسمیؒ نے امت کی زبوں حالی، دیگر گوں سیاسی حالات، پرسنل لاء کے بارے میں حکومت اور کورٹ کی بدنیتی، بابری مسجد کا مسئلہ، مدارس اور فضلائے مدارس کی تربیت اور اثر خیزی وغیرہ موضوعات پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ جب یہ

عاجز دارالعلوم دیوبند میں معین مدرس تھا، تو بھی آستانۂ قاسمی پر بغرض استفادہ جانا آنا رہتا تھا۔ خالِ محترم مولانا شفیق عالم قاسمی کے تعلق سے خصوصی عنایت فرماتے تھے۔ ہر مجلس سے ایک نئی توانائی لے کر لوٹتا۔ اسلامک فقہ اکیڈمی کے کئی سیمیناروں میں حضرت کا خطاب یا خطبہ سننے کا موقع ملا۔ ہر خطاب میں ایک بات قدر مشترک کے طور پر یہ ضرور محسوس کی جاتی تھی کہ وہ اتحاد امت کے داعی ہیں، افتراق وانتشار کو امت کی زبوں حالی کا سبب سمجھتے ہیں، اتحاد امت کو پارہ پارہ کرنے والی ہر چیز کو وہ قابل مذمت سمجھتے تھے۔ مسلکی تعصّبات کو بھی نظر استحسان سے نہیں دیکھتے تھے۔ ان کا صریح اعلان تھا کہ مدارِنجات دین ہے، مسلک نہیں ہے، دین ہی کی تبلیغ ہونی چاہیے، فقہی مذاہب اور مسالک مدار نجات نہیں ہیں؛ لہٰذا مسالک کی ترجیح تو ہوسکتی ہے، اس کی تبلیغ نہیں ہوگی۔ اجتہادات فقہاء اصل دین نہیں ہیں، اصل دین منزل من اللہ ہے، جو وحیِ متلو اور غیر متلو کی شکل میں امت کے سامنے موجود ہے۔ استنباطات فقہاء میں عقل انسانی کا دخل ہے اور جس چیز میں عقل انسانی دخیل ہو وہ قطعاً قابل تبلیغ نہیں ہوسکتی۔ قابل تبلیغ وہی حصہ ہے جو منزل من اللہ ہے۔ اگر اجتہادات فقہاء کو تبلیغ کا درجہ دے دیا جائے، تو یہ عمل، منزل من اللہ دین کے ساتھ ناانصافی کے مترادف ہوگا۔ اس لیے کہ اصلِ دین میں کسی اختلاف اور تضاد کا پیدا ہونا ممکن نہیں ہے بخلاف مذہب کے اس میں استنباط اور استدلال عقلی کی وجہ سے اختلاف کا پیدا ہونا ناگزیر ہوتا ہے۔

سترہویں فقہی سیمینار منعقدہ برہانپور بتاریخ ۵-۷/اپریل ۲۰۰۸ء میں آپ نے علمائے کرام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''حجت شرعیہ صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے۔ اجماع اور قیاس کا جہاں تک تعلق ہے وہ اصل حجت شرعیہ نہیں؛ بلکہ حجت تفریعیہ ہیں؛ جب یہ دونوں کتاب وسنت سے متفرع ہوں گے تب ہی معتبر ہوں گے، اگر یہ نہ ہو تو ان میں حجیت کی شان باقی نہیں رہتی۔

دین امر منقول کا نام ہے؛ لیکن اس میں حجت ہونے کی شان معقول ہونے کے لحاظ سے بھی موجود ہے۔ حضرات انبیائے کرام عالم انسانی اور ذات باری کے درمیان واسطۂ خیر ہیں، اس لیے کہ حق تعالی کا علم اتنا عظیم ہے کہ عالم انسانی کے لیے اس کا تحمل ممکن نہیں تھا، اس لیے انبیائے کرام علیہم السلام کا امتیاز یہ ہے کہ وہ ایک طرف خصوصیات عبدیت کے ساتھ بندوں میں شامل ہیں اور دوسری طرف عرفان کامل کے ساتھ اللہ سے واصل ہیں۔ ان کا کام اللہ کا دین اور اس کے علم کو عام انسانوں تک پہنچانا ہے اگر وہ درمیان میں نہ ہوں، تو انسان مراد ربانی تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔

مکاتب فکر کی کثرت کے باوجود تعاون وتفاہم اور استفادۂ باہمی کی روایت قائم کرنے لئے علمائے کرام کو آمادہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ: '' مکاتب فکر سے گھبرانے کی آپ کو قطعاً ضرورت نہیں۔ مکاتب فکر وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں کثرتِ علم ہو اور ظاہر ہے کہ یہودیت کی تاریخ اٹھالیجیے۔ ساڑھے تین

ہزار سال سے موجود ہے؛ لیکن ایک بھی مکتب فکر اس میں موجود نہیں ہے۔ عیسائیت میں صرف دو مکاتب فکر موجود ہیں۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ۔ تیسرا کوئی مکتب فکر نہیں ہے۔ یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ کتاب اللہ جیسی ضخیم و عظیم کتاب اس کے پاس موجود ہے۔ اور معلم کائنات رسول اللہ ﷺ کی سراپا علم سیرت طیبہ کی شکل میں موجود ہے، اسی کثرت علم کی وجہ سے اسلام میں ہی مذاہب فکر پیدا ہو سکتے ہیں۔ چناں چہ عہد نبوت ہی میں مکاتب فکر پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اور اسی بنیاد پر ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے۔ یہ بھی لائق توجہ ہے کہ مکاتب فکر دو طرح کے پیدا ہوتے ہیں ایک وہ جو باطل ہیں، ان کے مقابلے میں امر حق پیش کیا جاتا ہے۔ دوسرے وہ مکاتب فکر بکثرت پیدا ہوں گے، جن کے اندر خطا وصواب دونوں کے امکانات موجود ہوں گے۔ آپ کے خیال کے مطابق جو فریق تاویل فاسد اختیار کیے ہوئے ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ اس کو تاویلِ صحیح بتا دیں۔ اگر وہ قبول کرے تو ٹھیک ہے۔ اگر نہ کرے تو آپ کا فرض ادا ہو گیا۔ الجھنے کی، لڑنے کی، معرکہ آرائی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ عالم دین میں بصیرت اور تحمل بھی ضروری ہے۔“

حضرت مولانا اپنے اکثر خطاب میں امت مسلمہ کو افراط وتفریط سے بچنے اور اعتدال کی تلقین فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ اعتدال ہی اس امت کی سب سے امتیازی صفت ہے، اس آیت کریمہ سے استشہاد کرتے: **وکذلك جعلنكم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا.** (۱) اور مسلمانو! اسی طرح ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا تا کہ تم دوسری امت کے افراد پر گواہ بن سکو اور رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ بنیں۔ وسطیت اور اعتدال ہی اس امت کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ تمام اعمال وعبادات میں وسطیت اور اعتدال کی روح کارفرما ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نہ صرف اعتدال اور میانہ روی کے داعی تھے؛ بلکہ خود آپ کی زندگی میانہ روی کا پرتو تھی اور اعتدال آپ کی زندگی کا نمایاں وصف تھا۔ اسی لیے آپ اپنی مختصر سی زندگی میں اتنے کارہائے نمایاں انجام دینے میں کامیاب ہو سکے جو ایک انجمن بھی انجام نہیں دے پاتی۔ ظاہری طور پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شاید اسی وجہ سے خورد ونوش و دیگر اعمال میں بے اعتدالی کے نتیجے میں ظاہر ہونے والی بیماری ذیابطیس یا شوگر سے آپ پوری زندگی محفوظ رہے۔ بلکہ حضرت ضعیف العمری تک وقتی عوارض کے علاوہ ہر طرح کی بیماری سے محفوظ رہے۔ اطباء کا اتفاق ہے کہ اخلاطِ اربعہ میں توازن کے فقدان کی وجہ سے تمام امراض پیدا ہوتے ہیں؛ لیکن جس کے تمام اخلاط بلکہ مزاج اور رہن سہن ہر چیز میں اعتدال ہو وہ بالیقین ہر مرض سے محفوظ رہے گا۔

اسلام کے نظام معاشرت کے سلسلہ میں حضرت کا بیان کافی موثر ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ یہاں دارالعلوم دیونا بیگوسرائے میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ”دنیا کا سب سے خوبصورت اور جامع نظام

(۱) البقرة ۱۴۳

معاشرت صرف اور صرف اسلامی نظام معاشرت ہے۔ اسلام نے خواتین کو فیاضانہ حقوق عطا کئے ہیں اور عادلانہ ذمہ داریاں ان کے سپرد کی گئی ہیں؛ جن احکامات میں مرد وعورت میں فرق ہے، وہ فطری اور طبعی تقاضوں کی رعایت کی وجہ سے ہے۔ چوں کہ مغربی اقوام نظام فطرت سے باغی ہوگئی ہیں؛ اس لیے ان کی جانب سے اسلام کے خلاف پروپگنڈے کا بازار گرم ہے۔''

حضرت والا اکثر علماء ومشائخ ومفکرین ملت کے استاذ تھے، مختلف پروگراموں میں آپ کی موجودگی سے آپ کے تلامذہ اپنے اندر قوت محسوس کرتے اور حضرت والا سے اپنی نسبتِ تلمذ پر فخر کرتے اور اس کا تذکرہ بھی بڑی بشاشت سے کیا کرتے تھے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی کے ہانسوٹ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے دار العلوم دیوبند کے نائب مہتمم حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب مدظلہ نے حضرت خطیب الاسلامؒ کے تعلق سے یہ فرمایا کہ ''ہمارے لیے یہ سعادت کی بات ہے کہ آج کی اس مجلس میں استاذ الاساتذہ، اور خود میرے مشفق تر استاذ اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی حکمت شریعت اور روایات اکابر کے امین حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ تشریف فرما ہیں۔'' یہ جملے قاری صاحب نے اتنے جذباتی انداز میں کہے کہ اکثر حاضرین آبدیدہ ہوگئے۔

جس زمانے میں یہ عاجز دار العلوم امارت شرعیہ میں صدر مدرس تھا، انھیں ایام میں امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں اصلاح معاشرہ کے عنوان سے ایک کانفرنس منعقد ہوئی، اس کانفرنس سے حضرت نے بھی کلیدی خطاب فرمایا۔ کئی نامی گرامی حضرات نے مختلف مواقع خاص طور پر شادی بیاہ کو انتہائی سادگی کے ساتھ کرنے پر زور دیا۔ اس پر حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے فرمایا کہ ''ہمارے علماء تو اس طرح بیان فرما رہے تھے کہ اسلام میں خوشی ومسرت کے اظہار کی کوئی گنجائش ہی نہیں، حالاں کہ حقیقت اس کے برعکس ہے، شادی کے مواقع پر، خوشی کے مواقع پر جائز خوشی کا اظہار ضرور ہونا چاہیے؛ اور غیر شرعی رسومات کو روکنا چاہیے۔ چھواروں کی تقسیم، ولیمہ کی دعوت کا اہتمام یہ جائز خوشی کا حصہ ہے؛ شرعی حدود میں دف بجانا یہ شرعی انداز میں خوشی کے اظہار کی علامت ہے۔ ہر چیز میں اعتدال ممدوح ہے۔ افراط وتفریط مذموم ہے۔ خوشی کے مواقع پر بھی افراط وتفریط نہیں ہونی چاہیے اور غم کے مواقع پر بھی۔'' حضرتؒ پوری زندگی اعتدال کے داعی رہے، اصول پسند رہے۔ افراط وتفریط پر مبنی ہر عمل کی حکمت کے ساتھ تنقید کرتے تھے اور اس کو روکنے کی حتی المقدور کوشش کرتے تھے۔ آج جب حضرت والا ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ تو یہ ضروری ہے کہ حضرت کے قائم کردہ جادہ اعتدال پر قائم رہا جائے اور حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ کے افکار، علوم ومعارف کو عصر حاضر کے اسلوب میں تحریر، خطاب اور پیغامات کے ذریعہ عام کیا جائے اور ان کے جاری کردہ مشن کو پوری دیانت داری کے ساتھ منزل تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ حضرت کے لیے اس سے بہتر خراج تحسین کچھ اور نہیں ہوسکتا۔ تغمده الله بواسع الرحمة والغفران.

❖ ❖ ❖

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ

سراپا دعوت وعزیمت

مفتی محمد سلطان قاسمی ❖

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دین متین کی حفاظت کی ذمہ داری خود اٹھائی ہے اور اس کے لیے ہر زمانے میں رجال کار پیدا فرمائے، جنہوں نے دین میں پیدا شدہ بدعات وخرافات اور گرد وغبار کو صاف فرمایا اور دین کو اپنی صحیح شکل وصورت میں متأخرین تک پہنچایا، اس کی طرف یہ حدیث شریف بھی مشیر ہے:
یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین و تاویل الجاهلین.

یہ تجدیدی کام کبھی اللہ تعالیٰ نے افراد، کبھی جماعتوں اور کبھی خاندانوں سے بھی لیا۔ چناں چہ خاندانوں میں سب سے عظیم خانوادے ''خاندانِ نبوت'' علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ کی خدمات اظہر من الشمس ہیں، ان ہی میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ، خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ، میر سید علی ہمدانیؒ، ملا جامیؒ اور شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ جیسے اساطین علم ومعرفت آئے جنہوں نے علوم و معارف نبوت سے پوری دنیا کو روشن کر دیا۔

اسی طرح ایک عظیم علمی خاندان ''خاندان ابن تیمیہ'' کی علمی خدمات بھی اہل علم کی نظر میں ہیں، اس خاندان کا فضل وکمال، علم وارشاد اور عصری علوم وفنون میں مہارت شہرہ آفاق ہے، اس خاندان میں پانچ عظیم شخصیات پیدا ہوئیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے دیگر حضرات پر فوقیت بخشی ہے، ان کی تفصیل اس طرح ہے:

(۱) ابوعبداللہ فخر الدین محمد بن خضر ابن تیمیہؒ متوفہ ۶۱۲ھ
(۲) ابوالبرکات مجد الدین عبدالسلام بن عبداللہ ابن تیمیہؒ متوفی ۶۵۳ھ
(۳) ابوالمحاسن شہاب الدین عبدالحلیم بن عبدالسلام ابن تیمیہؒ متوفی ۶۸۲ھ
(۴) شرف الدین محمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہؒ متوفی ۷۲۷ھ
(۵) ابوالعباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہؒ متوفی ۷۲۸ھ

❖ سرینگر، جموں وکشمیر

یہ سب کے سب ''ابن تیمیہ ہی کے نام سے مشہور ہوئے۔

ان پانچ حضرات میں سے اللہ تعالیٰ نے دوسرے اور پانچویں کو خوب شہرت وقبولیت سے نوازا، ان میں پہلے علم وفضل کے ماہتاب اور دوسرے آفتاب ہیں، پہلے کو ابن تیمیہ الجد اور دوسرے کو ابن تیمیہ الحفید کہا جاتا ہے۔ ماضی قریب میں برصغیر ہی میں ایک عظیم خاندان اپنے علم وعرفان، رشد و ہدایت، روایت ودرایت حدیث، قوت حفظ، دقت نظر، زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت میں اپنی بلندیوں کو پہنچا، یہی خاندان ہمارے اکابر اہل علم کا مدار الاسناد بھی ہے، جسے ہم ''خاندانِ شاہ ولی اللّٰہی'' سے یاد کرتے ہیں، اس خاندان کی عظیم شخصیات میں یہ حضرات ہیں:

(۱) حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

(۳) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

(۴) حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ

(۵) حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ

(۶) حضرت شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ

خاندان ولی اللّٰہی برصغیر کے تقریباً تمام فقہاء ومحدثین کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، نزہۃ الخواطر میں مفتی عنایت احمد کاکوریؒ سے منقول ہے:

> ''شاہ ولی اللہؒ کی مثال اس شجرہ طوبیٰ کی سی ہے جس کی جڑ ان کے گھر میں ہے اور اس کی شاخیں مسلمانوں کے ہر گھر میں پھیلی ہوئی ہیں، لیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں کہ اس کی جڑ کہاں ہیں''

ایک یمنی محدثؒ، شاہ صاحبؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

> ''شاہ ولی اللہؒ طوبیٰ کا درخت ہے، جس طرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں وہاں جنت ہے اور جہاں اس کی شاخیں نہیں وہاں جنت نہیں، اسی طرح جہاں شاہ ولی اللہؒ کا سلسلہ ہے وہاں جنت ہے اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں وہاں جنت نہیں۔(۱)

تاریخ اسلام کے ان ہی عظیم خانوادوں میں سے ایک عظیم ترین خاندان ''صدیقی خاندان'' ہے جس کی ایک شاخ ''خانوادۂ قاسمی'' کہلاتی ہے، اس میں بھی کئی عظیم ہستیاں پیدا ہوئیں، جن میں سب سے عظیم ترین حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ ہیں جن سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ عظیم کام لیا جو صدیوں میں کسی سے لیا جاتا ہے، بلکہ ایسی شخصیت کا پیدا ہونا بھی دین اسلام کے عظیم معجزوں میں سے ایک

(۱) امیر الروایات ۰۹۲، بحوالہ حدیث اور فہم حدیث ۱۲۵

ہے، آپ کے پیرومرشد سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں:

''کئی صدی کے بعد اللہ نے مولانا محمد قاسم صاحبؒ جیسی شخصیت پیدا فرمائی۔'' (۱)

اللہ تعالیٰ نے آپؒ سے جو عظیم ترین کام لیا وہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ہے جس کے بارے میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:

'اگر لارڈ میکالے نے یہ کہہ کر اپنا نظام تعلیم ہندوستان میں پھیلایا کہ ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان پیدا کرنا ہے، جو رنگ و نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں اور روح و فکر کے لحاظ سے انگلستانی۔''

تو بانی دارالعلوم مولانا قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم کی بنیاد ڈالتے ہوئے زبان حال سے یہ عملی صدا بلند کی کہ ہماری تعلیم کا مقصد، ایسے نوجوان تیار کرنا ہے، جو رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندی سندھی، ایرانی و افغانی، خراسانی و ترکستانی ہوں لیکن روح و فکر کے اعتبار سے اسلامی۔'' (۲)

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ فرماتے ہیں:

''دارالعلوم کی بنیاد صرف علم و اخلاص یا احیاء سنت اور مخالف بدعت یا علم حدیث کی ایک خاص طرز تعلیم پر نہیں بلکہ دارالعلوم کا سب سے بڑا طرۂ امتیاز دین کی حمیت اور اسلام کی حفاظت کا جذبہ ہے۔'' (۳)

یہ جو اتنا عظیم اخلاص کا تاج محل ہے جس کی شاخیں پورے عالم میں پھیلی ہوئی ہیں اور فکر ولی اللّٰہی کا سچا امین اور مفتی عنایت احمد کاکوریؒ اور یمنی محدثؒ کی مذکورہ تعبیر کا صحیح مصداق ہے، اس کی بنیاد اسی مرد درویش اور صدیقی خاندان کے چشم و چراغ نے ڈالی ہے۔

آپؒ کے بعد اس خاندان کے اہم فرد اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ ہیں، آپ حیدر آباد کے مفتی اعظم بھی رہ چکے اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم بھی، تاریخ دارالعلوم دیوبند کے مصنف آپؒ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''آپ کے دور اہتمام میں دارالعلوم نے معنوی اور صوری دونوں حیثیتوں سے نہایت عظیم الشان ترقی کی جو اس سے پہلے اس کو حاصل نہ ہو سکی تھی۔'' (۴)

آپ کے بعد اس خاندان کے چشم و چراغ اور عظیم وارث حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ہیں، آپ نے نصف صدی تک دارالعلوم دیوبند کا اہتمام سنبھالا اور اس مدرسہ کی فکر کو پوری دنیا میں پھیلا دیا، تاریخ دارالعلوم میں آپ کے لیے یہ الفاظ تحریر کئے گئے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ آپ کی دل کش شخصیت کے بے شمار حسین پہلو ہیں، شرافت و انسانیت سراپا

---

(۱) مثالی شخصیات، ص: ۵۰ — (۲) مثالی شخصیات، مقدمہ سوانح قاسمی

(۳) پاجا سراغِ زندگی، ص: ۱۲۷ — (۴) تاریخ دارالعلوم ۲/۲۲۹

انکسار، پاک باطنی، علم وفضل، خطابت وتقریر اور وعظ وتلقین، سادگی اور عجز وانکسار، دمِ گفتگو حکیمانہ، فصاحت و بلاغت غرض کہ ان کی پر عظمت شخصیت اعمال وکردار اور جلال وجمال کا ایک حسین امتزاج ہے۔"(۱)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہٗ فرماتے ہیں:

"حکیم الاسلام کی شخصیت اپنے عہد کی بڑی مایہ ناز علمی، وادبی شخصیت تھی، علم دین اور حکمت و دانش کے بلند پایہ حامل تھے، انہوں نے اپنے عظیم مورث اور علوم دینیہ میں بلند مقام رکھنے والے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے علمی گیرائی اور وسعت کی وراثت پائی تھی، ان کو ان کی تقریروں، تحریروں اور دروس میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے اس بلند علمی مقام کے ساتھ ساتھ دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم درس گاہ کو جوان کے اسلاف کی کوشش کا مرکز رہی تھی، اپنے آغاز جوانی میں سنبھالا اور اس کی خدمت میں اپنی پوری عمر لگادی، ان کی کوششوں کا مظہر صرف دارالعلوم دیوبند کی ترقی اور مضبوطی ہی میں نمایاں اور محدود نہیں تھا بلکہ اس کے نمائندہ خاص ہونے کے تعلق سے ہندوستانی مسلمانوں کی دینی رہنمائی کا فریضہ بھی اثر پذیری کے ساتھ انجام دیا، مسلمانوں میں جو دینی انحراف یا عقائد کی خرابی پائی جاتی تھی اس کے ازالہ میں بھی خصوصی حصہ لیا، وہ ایک دل نواز اسلوب کے حامل خطیب تھے، ان کی شخصیت بھی دل نواز تھی، وہ اپنی باطنی خوبیوں کے ساتھ دل نواز طرز وانداز کے بھی مالک تھے، طبیعت میں نرم مزاجی اور خوش اخلاقی تھی، ان سے مل کر مسرت حاصل ہوتی تھی، گفتگو اور اندازِ کلام دل کو متاثر کرنے والا اور ذہنوں کو مطمئن کرنے والا تھا، اپنی بات کو علمی وتاریخی حوالوں اور مثالوں سے واضح کرتے تھے، بعض اہم ترین موقعوں پر علماء کی طرف سے ان کی نمائندگی بڑی موثر ہوئی، اسی طرح سے دارالعلوم دیوبند جو دراصل علوم دینیہ کا مؤثر ترین ادارہ رہا ہے اور ہے اس کی صحیح نمائندگی کا مولانا نے حق ادا کیا اور اس کے مہتمم کے منصب پر فائز رہے اور جو ذمہ داری ان پر عائد ہوتی تھی اس کو بھی ادا کیا۔(۳)

اس علم وعرفان کے سنگم خانوادہ میں اتنی بزرگ شخصیات کے سایہ عاطفت میں ہمارے مخدوم ومحبّ گرامی قدر نبیرہ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نوراللہ مرقدہٗ نے آنکھیں کھولیں اور بھرپور پرورش پائی، آپ کی ولادت ۸/جنوری ۱۹۲۶ء کو ہوئی، ابتدائی تعلیم مختلف اساتذہ سے انفرادی طور پر حاصل کی، ثانوی تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور وہیں سے ۱۳۶۷ھ میں فضیلت کی تکمیل فرمائی، آپ کے فارسی کے اساتذہ میں خلیفہ عاقل صاحبؒ، مولانا ظہیر صاحبؒ اور مولانا سید حسن صاحبؒ تھے۔

ماضی قریب کے اکابر میں صرف آپؒ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپؒ براہِ راست حکیم الامت

(۱) تاریخ دارالعلوم ۲/۲۳۸ (۲) حیاتِ طیب ۱/۲۲

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے شاگرد ہیں، ان سے آپؒ نے میزان الصرف پڑھی، آپ نے دارالعلوم میں اس دور کے چوٹی کے اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا، حضرت مولانا اختر حسین میاں صاحبؒ سے کنز الدقائق، قاری اصغر صاحبؒ سے میبذی، حضرت مولانا عبدالسمیع صاحبؒ سے مختصر المعانی اور حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ سے ہدایہ پڑھی، آپ کے اساتذۂ دورۂ حدیث میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، علامہ ابراہیم بلیاوی صاحبؒ اور حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ نمایاں ہیں۔

ان کے علاوہ آپ کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور سعودیہ عربیہ کے محدث شیخ عبداللہ بن ناحیؒ سے اجازت حدیث حاصل ہے۔ دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد مادر علمی ہی میں تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا، نورالایضاح اور ترجمہ قرآن، ہدایہ، مشکوٰۃ شریف، ابوداؤد شریف اور بخاری شریف وغیرہ کتابیں پڑھائیں، آپؒ وقت کے پابند ایک کامیاب مدرس تھے، طلبہ میں آپؒ کا درس بے حد مقبول تھا۔

آپؒ کے شاگرد رشید اور دارالعلوم وقف دیوبند کے مایہ ناز استاذ حضرت مولانا محمد اسلام صاحب مدظلہ آپؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''حضرت مولانا (محمد سالم صاحب) دارالعلوم کے وہ استاذ ہیں جو تدریس کے ساتھ وقت کے اتنے پابند کہ بلاشبہ طلبہ درس گاہ میں ان کی آمد پر اپنی گھڑیوں کے ٹائم سیٹ کرتے، طلبہ دیکھا کرتے تھے کہ وہ متعینہ درس گاہ (دارالتفسیر) میں ایک قدم اندر رکھتے، اسی وقت گھنٹہ بجتا تھا، وقت کے منٹوں اور سیکنڈوں کے لحاظ سے اتنے پابند دارالعلوم کے اساتذہ و کارکنان میں سے کوئی نہ تھا، یہ بھی ان کی خوبی تھی کہ تدریس کے لیے وہ اپنے گھر سے نکلتے اور براہِ راست درس گاہ پہنچتے، اختتامی گھنٹہ بجتا اور وہ واپس صدر گیٹ کے راستے اپنے گھر کو روانہ ہوتے، نہ کسی سے ملاقات نہ کسی دفتر میں جانا۔''

آپؒ کا ایک کارنامہ دارالعلوم دیوبند میں مرکز المعارف کی نگرانی ہے، یہ دراصل دارالعلوم کا ایک تحقیقی شعبہ تھا، اسی طرح جامعہ دینیات دیوبند کا قیام بھی مولاناؒ کی تعلیمی سرگرمیوں کا ایک روشن باب ہے، عصری یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم طلبہ کو مراسلاتی طریقہ تعلیم کے ذریعہ اسلامی علوم سے آراستہ کرنے کی خاطر مولانا نے دیوبند میں جامعہ دینیات کا قیام عمل میں لایا تھا۔

جب ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم وقف کی بنیاد پڑی اور ۱۹۸۳ء میں قاری محمد طیب صاحبؒ کے انتقال کے بعد آپ اس کے مہتمم ہوئے تو آپ کے اپنی بے پناہ انتظامی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مختصر سی مدت میں دارالعلوم وقف دیوبند کو ایک عالمی ادارے کی حیثیت سے متعارف کرایا، نیز آپ برسوں دارالعلوم وقف میں بخاری شریف کا درس دیتے رہے، جہاں تک تصنیف و تالیف کی بات ہے تو اگر چہ مولانا نے

تصنیف وتالیف کو مستقل مشغلہ نہیں بنایا اور آپ کی بے پناہ انتظامی مصروفیات اس کی اجازت بھی نہیں دیتیں تھیں، لیکن وقتاً فوقتاً آپ کی علمی سرگرمیاں جاری رہیں، مختلف سیمیناروں کے لیے آپ نے بیش قیمت علمی مقالات تحریر فرمائے، بہت سی علمی کتابوں پر وقیع مقدمات لکھے، ویسے آپ کے خطبات بذاتِ خود عظیم علمی سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی مختلف جلدیں خطبات خطیب الاسلام کے نام سے شائع ہوکر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کرچکی ہیں۔ علماء نے آپ کی مستقل تصنیفات میں درج ذیل کتابوں کا تذکرہ کیا ہے:
(۱) مبادئ التربیۃ الاسلامیہ (عربی) (۲) تاجدار ارض حرم کا پیغام (۳) مرد غازی (۴) ایک عظیم تاریخی خدمت (۵) قرآن کریم کے اردو تراجم کا جائزہ (۶) مجاہدین آزادی (۷) رسالۃ المصطفیٰ (۸) سفرنامہ برما۔

حضرت کا ایک امتیاز، دینی خدمات میں وسعت اور تنوع تھا، اس کا اندازہ آپ کے عہدوں اور مناصب سے لگایا جاسکتا ہے، آپ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تاحیات نائب صدر رہے، مجلس مشاورت کے صدر، دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم اور پھر صدر مہتمم، مجلس منتظمہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے رکن، مجلس شوریٰ مظاہر علوم وقف کے رکن، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے کورٹ کے رکن اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے سرپرست تھے، آپ کی ان ہمہ جہت اور متنوع خدمات کی وجہ سے عالم اسلام اور اندرون ملک آپ کو مختلف اعزازات اور ایوارڈوں سے نوازا گیا، مصر کی حکومت نے آپ کو برصغیر کے ممتاز عالم کا نشان امتیاز عطا کیا، اسی طرح ترکی کی جانب سے آپ کو ''جائزۃ الامام محمد قاسم النانوتویؒ ایوارڈ'' عطا کیا گیا، نیز ''حضرت شاہ ولی اللہؒ ایوارڈ'' سے بھی آپ کو نوازا گیا، لیکن ان سب کمالات کے باوصف آپ انتہائی متواضع، نرم دل اور ملنسار وخلیق تھے، کبر وغرور، نام ونمود آپ کے آس پاس بھی نہ پھٹکا، آپ اس سلسلے میں اپنے سلف صالحین کے مکمل نمونہ نظر آتے ہیں اور اس مقولہ کے عین مصداق کہ ''وہ سب کچھ ہونے کے باوجود کچھ بھی نہ تھے''

یہی وجہ ہے کہ آپ کی ایک بڑی صفت فروعی ومختلف فیہ مسائل میں نرمی اور سہولت پسندی تھی، چناں چہ معروف فاضل ڈاکٹر اکرم ندوی حضرت کے اس امتیاز پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''آپ کی ایک اہم خوبی تھی کشادہ دلی و بے تعصبی اور جزئیات وفروعی مسائل میں توسع، اس وصف کمیاب بلکہ نایاب میں آپ ایک شریف اور تہذیب یافتہ صاحب علم وفکر کی طرح سلف صالح کے اسوہ پر قائم تھے، آپ نے ایک بار آکسفورڈ میں دین اور مسلک کے درمیان فرق کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ عام طور سے لوگ مسلک کو دین کا درجہ دیتے ہیں اور دین ومسلک میں کوئی فرق نہیں کرتے۔''

غرض ان سب کمالات کی یہ جامع ترین شخصیت ۲۶؍رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴؍اپریل ۲۰۱۸ء ہمیں داغ مفارقت دے کر اللہ تعالیٰ کی وسیع جنت کی مہمان بنی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

❖ ❖ ❖

حضرت خطیب الاسلامؒ کے نامور تلامذہ

مولانا محمد تبریز عالم قاسمی ❖

''استاذ'' ملت کا محافظ بھی ہوتا ہے اور فرد و معاشرے کا معمار بھی، نسلِ انسانی کی کردار سازی اور مذہبی تعمیر و ترقی میں استاذ کی مثال ایک باغبان کی سی ہے، استاذ ایک چراغ بھی ہے، جو تاریک راہوں میں روشنی کی شمع روشن کئے رہتا ہے؛ اسی لیے اسلامی نظامِ تعلیم میں اساتذہ کو نہایت اہمیت اور بڑے مقام سے نوازا گیا ہے، چناں چہ مدارس اسلامیہ کے ماحول میں اساتذہ و طلبہ اپنی الگ ہی مثال اور جداگانہ پہچان رکھتے ہیں۔ یہاں استاذ و شاگرد کا رشتہ عظمت و تقدس کا جلی عنوان ہوتا ہے، بالخصوص اسانیدِ حدیث میں تو استاذ و شیخ کی اپنی الگ ہی شناخت اور اہمیت ہے، یہاں کے طلبہ و تلامذہ اپنی کام یابی کا سہرہ اپنے استاذ محترم کے سر باندھنے میں سعادت محسوس کرتے ہیں، استاذ کو روحانی باپ کا درجہ دیا جانا مدارس اسلامیہ کا طرۂ امتیاز ہے، بایں وجہ استاذ کی وفات پر ایک عالم ماتم کناں اور ایک دنیا اشک بار ہوتی ہے۔

نامور تلامذہ کی ناموری کی ایک بنیادی وجہ

کسی استاذ کے تلامذہ کی ناموری کی بہت ساری وجہیں اور جہتیں ہوسکتی ہیں اور ہوتی ہیں؛ تاہم یہ بھی ایک ناقابل فراموش تاریخی حقیقت ہے کہ ان وجوہ میں بنیادی اور بڑی وجہ استاذ کی بے لوث محنت، محبت اور اس کی مخلصانہ توجہ و دعائیں ہوتی ہے، کاروانِ علم و عمل کی تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ شاگرد نے اپنی کام یابی کو استاذ کی کام یابی قرار دیا؛ چناں چہ امیر المؤمنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارکؒ (۱۱۸-۱۸۱ھ) نے اپنے استاذ گرامی امام ابوحنیفہؒ (۸۰-۱۵۰ھ) کے بارے میں فرمایا تھا: اگر اللہ تعالی نے مجھے ابوحنیفہ جیسا استاذ نہ دیا ہوتا تو میں ایک عام آدمی سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ **لو لا أن الله تعالی أعانني بأبي حنيفة و سفيان الثوري لكنت كسائر الناس.** (۱) امام محمدؒ (۱۳۱-۱۸۹ھ) اور امام ابویوسفؒ (۱۱۳-۱۸۲ھ) کی علمی خدمات و تالیفات کو امام ابوحنیفہؒ کے علم و فن اور فہم و فراست سے مستفاد قرار دیا گیا۔ مسلم شریف کے مقابلہ میں بخاری شریف کی فوقیت کی ایک وجہ دار قطنیؒ (۳۰۶-۳۸۵ھ) نے امام مسلم نیشا پوریؒ (۲۰۶-۲۶۱ھ) کا امام بخاریؒ (۱۹۴-۲۵۶ھ) سے شرف تلمذ کو قرار دیا ہے؛ چناں چہ اصول

❖ استاذ دارالعلوم حیدرآباد

(۱) البدایہ والنہایہ: ۱۰/۱۰۷، ط الفکر، شاملہ

حدیث کی کتابوں میں امام دار قطنیؒ کا یہ جملہ سند کی حیثیت رکھتا ہے :**لولا البخاری لما راح مسلم ولا جاء** (۱) سلطان العارفین شیخ جلال الدینؒ (۶۰۴-۶۷۲ھ) نے اپنے مولائے روم ہونے کی وجہ حضرت شمس الدین التبریزیؒ (۵۸۲-۶۴۵ھ) کی غلامی کو قرار دیا تھا۔ شیخ الاسلام ابن القیمؒ (۶۹۱ھ۷۵۱ھ) نے اپنی علمی موشگافیوں کا سہرہ اپنے استاذ حافظ ابن تیمیہؒ (۶۶۱ھ۷۲۸ھ) کے سر باندھنے میں فخر محسوس کیا، تو علامہ سخاویؒ (۸۳۱ھ۹۰۲ھ) نے اپنی تحقیقات عالیہ کو حافظ ابن حجرؒ (۷۷۳ھ۸۵۲ھ) کے علوم وفنون کی جانب منسوب کرنے کی سعادت حاصل کی۔ قاسم بن قطلو بغاؒ (۸۰۲ھ۸۷۹ ھ) کی علمی جولانی کو دنیا نے ان کے استاذ حافظ ابن ہمامؒ (۷۹۰ھ-۸۶۱ھ) کی تحقیقات غالیہ کی ترجمانی قرار دیا اور حضرت الامام محمد قاسم النانوتویؒ (۱۲۴۷ھ۱۲۹۷ھ) کا فیضان و عرفان، ان کے پیر ومرشد حضرت حاجی امداد اللہؒ (۱۲۳۳ھ-۱۳۱۷ھ) کے فیضان وعرفان کا اقتباس شمار کیا گیا۔ خود حاجی صاحبؒ نے حضرت نانوتویؒ کو اپنا لسان قرار دیا تھا۔ (۲)

مؤثر اساتذہ کے اوصاف

علمی قابلیت اور ناموری کے حصول کا ہنر طلبہ میں وہی استاذ پیدا کر سکتا ہے، جس کی صلاحیت واستعداد کا خمیر: کثرتِ مطالعہ ومعلومات، اخلاص وبے لوثی، طلبہ کے ساتھ خیر خواہی اور معمولاتِ حیات میں پابندی اوقات جیسے قیمتی اجزا سے تیار ہوا ہو، یہ عناصر اتنے قوی تاثیر کے حامل ہیں کہ ایسے استاذ سے اکتساب فیض کرنے والے تلامذہ نہ صرف یہ کہ متاثر ہوتے ہیں، بلکہ آفتاب وماہ تاب کی مثال بن کر ایک عالم کو روشن کرتے ہیں، یہی وہ نسخہ کیمیا ہے، جس سے خاک، کندن اور پتھر ہیرے سے بدل جایا کرتے ہیں، پھر ایک غیر متناہی روحانی رشتہ کا سلسلہ دراز ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایسے اساتذہ کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد ایسی بھی تیار ہو جاتی ہے، جسے نامور تلامذہ کا عنوان دینا مناسب بھی ہوتا ہے اور تقاضائے انصاف کے مطابق بھی۔

مولانا محمد سالم صاحبؒ اور مذکورہ اوصاف

خانوادۂ قاسمی کے گل سر سبد، فکر قاسمی کی عظمت کے نشان، اسلاف واکابر کی یادگار، صبر واستقامت کی مثال، دل نواز اسلوب کے حامل، نامور خطیب ومدرس، دورِ حاضر میں خاندانِ قاسمی کے ماتھے کا جھومر

(۱) شرح نخبۃ الفکر للقاری ۱/۲۸۰، شاملہ

(۲) قاسم العلوم والخیرات، ص: ۵

اور قاسمؒ وطیبؒ کے علوم ومعارف کے امین وشارح حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ (۱۹۲۶ء-۲۰۱۸ء=۱۳۴۴ھ-۱۴۳۹ھ) میں مذکورہ اوصاف حمیدہ علی وجہ الکمال پائے جاتے تھے۔ زیادتی معلومات اور کثرتِ مطالعہ خاندانی اور موروثی تھی، جو جگ ظاہر ہے، اس لیے اس پر کیا لکھا جائے۔ اخلاص ایسا کہ درس وتدریس جیسے پیغمبرانہ پیشہ کے علاوہ کوئی غیر پیغمبرانہ پیشہ اختیار ہی نہیں کیا۔ بقول حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مہتمم دار العلوم وقف دیوبند: حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شعوری حیات مستعار کا ایک ایک لمحہ علم دین کی خدمت کے لیے وقف رہا ہے۔ طلبہ کے ساتھ خیر خواہی ایسی کہ جب ۶۹-۱۹۶۸ء میں دار العلوم میں طلبہ کی حشر انگیز اور جارحانہ وبدلحاظی کی حامل اسٹرائک ہوئی، اور ظاہر ہے کہ یہ اسٹرائک انتظامیہ ہی کے خلاف تھی، جس کے سربراہِ اعلی اور مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (۱۳۱۵ھ-۱۴۰۳ھ) تھے، جن کے فرزند اکبر حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ ان کے مشیر خاص اور دار العلوم کے باوقار استاذ تھے، اس اسٹرائک کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ ہر ضلع کے نمائندہ طلبہ کو اسٹرائک کی حمایت میں نظماً ونثراً بیان دینا ضروری تھا، مولانا عبد العلی فاروقی (جن کا تذکرہ آگے آئے گا۔) اس وقت لکھنوی طالب علم تھے اور اس اسٹرائک کا حصہ بننا نہیں چاہتے تھے، انھیں معلوم ہوا کہ اس کام کے لیے کسی وقت ان کے کمرے پر چھاپہ پڑنے والا ہے، چناں چہ وہ اور ان کے عم زاد مولانا عبد العلیم فاروقی صاحب (رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند) چھپتے چھپاتے حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ کی قیام گاہ پہنچ گئے اور پورا واقعہ سنایا۔ مولانا عبد العلی صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

> ہماری داستانِ درد سن کر حضرت نے جو فرمایا وہ ان کی عالی ظرفی، خردنوازی، نسبتوں کا لحاظ اور ایثار واعتماد کی سنہری تاریخ کا ایک ناقابل فراموش واقعہ ہے کہ حضرت نے خود اپنے، اپنے والد ماجد اور چہیتوں کے خلاف بولنے کی نہ صرف اجازت، بلکہ ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ہمیں آپ کی سعادت مندی اور تعلق پر اعتماد ہے، آپ ہم لوگوں کی طرف سے فکر مند نہ ہوں، اس لیے ان کے مطالبہ کو پورا کر کے ان کے عتاب سے اپنے کو بچا لیجیے اور ضروری ہو تو ہمارے خلاف ان کے اسٹیج سے تقریر بھی کر دیجیے گا، اس سلسلہ میں حضرت مہتمم صاحب ودیگر منتظمین سے ہم بات کر لیں گے۔'' (۱)

اور اگر پابندی وقت کی بات کی جائے تو حضرت اس وصف میں مثالی اور بہت ممتاز تھے، حضرت کے تقریباً تمام شاگردوں اور متعلقین کو اس کا اقرار واعتراف ہے۔ بقول حضرت مولانا محمد سفیان صاحب: پابندیٔ وقت کے اہتمام کا عالم یہ تھا کہ اپنے تدریس کے زمانے میں ادھر مدرسے کی گھنٹی کی آواز سنائی دیتی تھی، ادھر حضرت کا قدم درس گاہ میں ہوتا تھا۔ (۲) علاوہ ازیں نظم وضبط اور پابندی وقت میں ضرب المثل

(۱) ماہنامہ البدر، کاکوری، مئی ۲۰۱۸ء، مضمون: آخری استاذ کو وداعی سلام

(۲) ماہنامہ ندائے دار العلوم، شعبان ورمضان ۱۴۳۹ھ

حضرت تھانویؒ (۱۸۶۳ء-۱۹۴۳ء) کی میزان الصرف کی پندرہ روزہ شاگردی نے اس وصف کو یقیناً دو آتشہ کر دیا ہوگا۔

انھیں اوصاف حمیدہ کی بنیادوں پر دارالعلوم سے فراغت کے معاً بعد دارالعلوم میں تدریس کے لیے منتخب کیے گئے اور چھوٹی بڑی تمام کتابوں کا درس دیا جو بہت مقبول ومؤثر رہا، یہ تدریسی سلسلہ تقریباً ۳۶ سالوں کو محیط ہے اور دارالعلوم وقف کے قیام کے بعد بھی تعلیم وتدریس کا مبارک سفر جاری رہا، جو مادیت کے اس پرفتن دور میں قابل رشک بھی ہے اور روحانیت کے حصول کے حوالے سے قابل تقلید بھی۔ آپ کی علمی قابلیت ومقبولیت کے گواہ ویسے تو ملک وبیرون ملک ہزاروں منتسبین وتلامذہ موجود ہیں؛ تاہم ان کے ایک شاگرد کا بیان نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مولانا عبدالعلی فاروقی صاحب رقم طراز ہیں:

> ''میرے دورِ طالب علمی کا غیر منقسم دارالعلوم دیوبند آج سے بہت کچھ مختلف تھا اور یہ وہ دور تھا جب میرے ممدوح حضرت الاستاذ مولانا محمد سالم قاسمیؒ کے بھی بہ ہر اعتبار بڑے اور ان کے اساتذہ بھی دارالعلوم میں موجود تھے اور اپنے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور اپنے اساتذہ: حضرت مولانا فخرالحسن صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ ودیگر کے ہوتے ہوئے یقیناً چھوٹے تھے، لیکن اس کے باوجود اپنی کچھ پرکشش خصوصیات کی وجہ سے وہ اپنے بڑوں کے درمیان بھی ایک امتیازی مقام رکھتے تھے۔ مثلاً وہ مہتمم زادے اور طلبہ کے خیال کے مطابق مستقبل کے مہتمم ہونے کے باوجود اپنے زیر تدریس اسباق میں حاضری اور نصاب کی تکمیل، اپنے حلم وتدبر، اپنی خوش خلقی وخوش لباسی اور سب سے بڑھ کر اوقات کی قدر وپابندی میں نمایاں مقام کے حامل تھے۔''(۱)

تذکرہ نامور تلامذہ کا...

اگر دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم وقف جیسے عالمی اور مرکزی ادارے میں تدریسی زندگی کی سات دہائیاں گذاردی جائیں تو ظاہر ہے کہ ایسے نامور استاذ کا فیض عمومی انداز کا ہی ہوگا؛ چناں چہ مولانا محمد سالم صاحبؒ کے فیض یافتوں اور نامور شاگردوں کا طبقہ پوری دنیا میں علم وہنر کی قندیل روشن کئے ہوئے ہے۔ راقم نے اپنی بساط کی حد تک حضرتؒ کے تلامذہ کے احوال تلاش کئے، امکانی حد تک ان سے رابطہ کیا اور ان کی بتائی ہوئی تفصیل کو پیش نظر رکھا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ تمام تلامذہ کا احاطہ نہ ممکن ہے اور نہ ہی مقصود؛ اس لیے ذیل میں بہ طور نمونہ ومثال چند اصحاب علم وفضل کا ذکر خیر پیش کیا جا رہا ہے۔ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے تلامذہ کے لیے کیا یہ فخر وسعادت کی بات نہیں ہے کہ یہاں اُن کا ذکر جمیل صرف اِس بنیاد پر کیا جارہا ہے کہ وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کی فہرست میں شامل ہیں۔

(۱) ماہنامہ البدر، کاکوری، مئی ۲۰۱۸ء

(۱) مفتی فضیل الرحمٰن عثمانی

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب ۲۵/اکتوبر ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوئے، جائے ولادت دیوبند ہے، دارالعلوم دیوبند کے بہت قدیم فاضل ہیں، آپ کے والد قاضی جلیل الرحمٰن عثمانیؒ دارالعلوم دیوبند کے پہلے مفتی مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ (صاحب فتاوی دارالعلوم) کے لڑکے تھے۔ مفتی کفیل الرحمٰن نشاط عثمانیؒ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند آپ کے چھوٹے بھائی تھے، یعنی آپ ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ محقق قلم کار اور نامور مفتی ہیں۔ ۱۹۷۳ء میں مالیر کوٹلہ پنجاب کے سرکاری دارالافتاء میں بحیثیت مفتی مقرر ہوئے اور اب تک وہیں مقیم ہیں۔ اس کے علاوہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن تاسیسی و رکن عاملہ بھی ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے دارالعلوم وقف دیوبند میں صدر مفتی کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا ہے۔ پچاس سے زائد کتابوں کے مقبول مصنف ہیں، ساری کتابیں فیصل بک ڈپو دیوبند سے شائع ہو چکی ہیں۔ آپ نے مولانا محمد سالم صاحبؒ سے شرح وقایہ پڑھی ہے۔(۱)

(۲) مولانا حسیب الرحمٰن

مولانا حسیب الرحمٰن صاحب کا سن ولادت ۱۹۳۷ء ہے، آپ کا وطن ڈابر، کشن گنج (بہار) ہے۔ نسباً شیخ صدیقی ہیں۔ آپ کے والد الحاج شمس الحق بن محمد علی صاحب دین دار اور بڑے زمین دار تھے، مولانا محمد علی مونگیریؒ سے مرید تھے، مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ کثرت سے آپ کے پاس آیا کرتے تھے۔

مولانا حسیب الرحمٰن صاحب نے ابتدائی تعلیم دارالعلوم لطیفی کٹیہار میں حاصل کی، بعد ازاں ۱۹۵۱ء میں ۱۱/ یا ۱۲/سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، ۱۹۵۶ء میں فراغت ہوئی۔ اگلے دو سال تکمیل علوم وفنون اور تکمیل افتاء میں رہے، مولانا محمد سالم صاحبؒ سے قدوری پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ، حضرت علامہ بلیاویؒ اور حضرت علامہ بہاریؒ وغیرہ آپ کے اساتذہ میں ہیں۔ فراغت کے بعد حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ اور والد محترم کے حکم سے جامعہ رحمانیہ میں مدرس مقرر ہوئے اور پورے ۲۲/سال تک تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے ہر فن کی کتابیں پڑھائیں۔ مونگیر میں ۱۵/سال تک فتوی نویسی کا کام بھی انجام دیا ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، مولانا بدر الحسن صاحب اور مولانا رضوان القاسمی صاحبؒ وغیرہ آپ کے شاگردوں میں ہیں، جامعہ رحمانیہ سے علاحدگی اختیار کرنے کے بعد تین سال (۱۹۸۱ء تا ۱۹۸۵ء) دارالعلوم ارریہ میں مدرس

(۱) ذاتی انٹرویو سے مستفاد

رہے، اس کے بعد ایک سال کا عرصہ ترتیب وار جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ اور مفتاح العلوم مئو میں گذارا، جہاں آپ سے بخاری کا سبق متعلق رہا۔ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد میں جب دورہ حدیث قائم ہوا تو ۱۹۸۵ء میں بہ حیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم حیدرآباد تشریف لائے اور تقریباً ۳۱ رسالوں تک شیخ الحدیث کے پروقار عہدے پر فائز رہے۔ پیرانہ سالی اور ضعفِ بصارت کی وجہ سے ۲۰۱۶ء کے اوائل میں درس و تدریس سے علاحدگی اختیار کر لی اور وطن میں مقیم ہو گئے، آپ ایک اچھے مقرر کے ساتھ یادگار اسلاف ہیں، اپنے اساتذہ اور بزرگوں کے ملفوظات و واقعات خوب سنایا کرتے تھے، فن حدیث سے خصوصی لگاؤ تھا۔(۱)

(۳) قاری سید محمد عثمان منصور پوری

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری بن نواب سید عیسی کی تاریخ ولادت ۱۲ راگست ۱۹۴۴ء اور جائے ولادت منصور پور ہے، جو مظفر نگر (یوپی) کا مشہور قصبہ ہے، آپ سادات کے ایک معزز اور زمین دار گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ فارسی سے دورۂ حدیث تک مکمل تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی۔ ۱۹۶۵ء میں دورہ حدیث میں اول پوزیشن حاصل کرنے والے طالب علم رہے ہیں۔ ۱۹۶۶ء میں دیگر فنون کی تکمیل کی۔ شیخ القراء قاری حفظ الرحمٰن صاحب سے تجوید و قراءت کا علم حاصل کیا۔ ۱۳۸۴ھ میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ سے شرح عقائد پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ فراغت کے بعد پانچ سال جامعہ قاسمیہ، گیا (بہار) میں اور گیارہ سال جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں بہ حیثیت مدرس خدمت انجام دی۔ ۱۹۸۲ء میں آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ہوا، اس وقت سے لے کر اب تک درس و تدریس کے ساتھ مختلف انتظامی ذمہ داریاں بہ حسن و خوبی انجام دے رہے ہیں۔ ۱۹۸۶ء میں آپ کو تحفظ ختم نبوت کا ناظم مقرر کیا گیا، جس پر تادم تحریر فائز ہیں۔ ۱۹۹۴ء تا ۱۹۹۶ء دارالعلوم میں ناظم دارالاقامہ بھی رہے ہیں۔ ۱۹۹۷ء تا ۲۰۰۸ء دارالعلوم دیوبند میں نیابتِ اہتمام کے پُر وقار عہدے پر فائز رہتے ہوئے نمایاں خدمات انجام دیں۔ دارالعلوم دیوبند میں جب سے محاضرات کا سلسلہ شروع ہوا، اس وقت سے اس شعبہ کے ناظم بھی ہیں۔ طلبہ کی انجمن النادی العربی کے ذمہ دار اعلی ہونے کی حیثیت سے بھی آپ کی خدمات قابل ستائش ہیں۔ ۲۰۰۸ء میں ملک کی سب سے بڑی تنظیم جمعیۃ علمائے ہند کے صدر منتخب کیے گئے، تاحال اس عہدے کو زینت بخشتے ہوئے ہیں۔ آپ کو حسن و جمال، فضل و کمال، شرافت و نجابت اور دیگر بہت سی خصوصیات کے ساتھ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے داماد ہونے کا شرف حاصل ہے، برسہا برس سے ہفتم، دورۂ حدیث اور عربی ادب کی مختلف اور اہم کتابیں زیر درس رہی ہیں، جس کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔(۲)

(۱) ذاتی انٹرویو اور جامعہ رحمانیہ مونگیر سے موصول تفصیلات سے مستفاد (۲) ذاتی انٹرویو اور دارالعلوم ڈائری ۱۴۲۷ھ سے مستفاد

(۴) مولانا عبد الخالق سنبھلی

حضرت مولانا عبد الخالق سنبھلی صاحب ۴؍جنوری ۱۹۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم جناب نصیر احمد صاحب ایک اچھے شاعر تھے۔ شہر سنبھل کے سرائے ترین محلّہ میں آپ کے گھر کے قریب واقع مدرسہ وحید المدارس میں آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا، بعد ازاں مدرسہ شمس العلماء منتقل ہوئے اور حفظ قرآن سے لے کر شرح جامی تک کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۶۸ء میں دار العلوم دیوبند تشریف لائے، کم وبیش پانچ سال دار العلوم میں مقیم رہ کر حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے ۱۹۷۰ء میں شرح عقائد اور مشکوۃ جلد ثالث اور ۱۹۷۲ء میں موطا امام مالکؒ پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ ۱۹۸۲ء میں دار العلوم دیوبند میں بحیثیت استاذ تشریف لائے۔ اس وقت سے آج تک آپ دار العلوم کے مایہ ناز، ہر دل عزیز اور مقبول استاذ ہونے کی حیثیت سے معروف ہیں۔ متعدد مرتبہ دار العلوم دیوبند کے ناظم امتحان رہے اور ۲۰۰۸ء سے دار العلوم کے نائب مہتمم کے عہدے پر بھی فائز ہیں۔ فی الحال مشکوۃ، ابن ماجہ اور دیوان متنبّی وغیرہ کے اسباق آپ سے متعلق ہیں۔ (۱)

(۵) مولانا سعادت علی قاسمی

مولانا سعادت علی قاسمی الہ آبادی ۱۰؍جنوری ۱۹۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی امانت علی محکمہ ٹیلیفون میں ایس ڈی او کے عہدے پر فائز تھے۔ حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے ۱۹۷۲-۱۹۷۱ء میں موطا امام مالکؒ پڑھی۔ ۱۹۷۵ء سے مدرسہ ریاض العلوم، گورینی، جون پور میں بحیثیت استاذ تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ فی الحال شیخ الحدیث اور صدر المدرسین کی حیثیت سے مصروفِ عمل ہیں۔ آپ کا درس نہایت پُر مغز اور مختصر، مگر جامع ہوتا ہے۔ ہدایہ آخرین، بخاری جلد ثانی، ابو داؤد اور الاشباہ والنظائر جیسی اہم کتابیں زیر درس ہیں۔ آخر الذکر کتاب کے علاوہ تمام کتابیں راقم الحروف نے حضرت الاستاذ سے پڑھی ہیں۔ دورانِ درس ادھر اُدھر کی گفتگو کا مزاج نہیں ہے، سبق بہت توجہ کے ساتھ سننا پڑتا ہے۔ مفید مشورے، پختہ رائے، بروقت صحیح رہنمائی کے حوالے سے اپنی مثال آپ ہیں۔ بہ وقت ضرورت بہ قدر ضرورت گفتگو کے عادی ہیں۔ (۲)

(۱) ماخوذ از حضرت مولانا عبد الخالق صاحب سنبھلی/استاذ حدیث و نائب مہتمم دار العلوم دیوبند، مضمون نگار: مفتی خلیل الرحمٰن قاسمی برنی، www.najeebqasmi.com اور ذاتی انٹرویو سے مستفاد

(۲) ذاتی انٹرویو سے مستفاد

(۶) مولانا محمد حسن قاسمی

مولانا محمد حسن قاسمی ولد جناب نور الحسن مرحوم (ولادت: ۱۶؍رمضان ۱۳۷۱ھ) الہ آباد کے باشندہ ہیں۔ ۱۳۹۲ھ میں حضرت مولاناؒ سے موطا امام مالک پڑھی ہے۔ خوش مزاج، ملنسار اور علم و عمل سے دل چسپی رکھنے والی شخصیت کے مالک ہیں، شروع سے ہی درسِ نظامی کی تدریس سے جڑے ہوئے ہیں، فی الحال مدرسہ تعلیم القرآن، رحمت نگر، کرامت کی چوکی، کریلی، الہ آباد کے عہدہ اہتمام پر فائز ہیں۔(۱)

(۷) مولانا بدرالدین اجمل (ایم، پی)

مولانا بدرالدین اجمل صاحب کی پیدائش ۱۲؍فروری ۱۹۵۰ء میں بمقام ممبئی ہوئی۔ عطر و عود کے کاروبار سے منسلک مولانا بدرالدین اجمل صاحب آسام کے بڑے تاجروں میں شمار کئے جاتے ہیں اور ریاستی سیاست میں بہت زیادہ اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ سال ۲۰۰۵ء میں انھوں نے اپنی سیاسی جماعت آل انڈیا یونائیٹڈ ڈیموکریٹک فرنٹ کا قیام کیا اور سال ۲۰۰۹ء میں عام انتخابات میں کامیاب ہو کر ممبر پارلیمنٹ بنے اور تاہنوز اس عہدے پر فائز ہیں۔ چوں کہ دینی مزاج بھی رکھتے ہیں، اس لیے مختلف رفاہی و دینی تنظیموں اور تحریکوں کے صدر اور سرپرست بھی ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے موقر رکن شوریٰ اور جمعیۃ علماء ہند آسام کے صدر بھی ہیں۔ مفتی زین الاسلام صاحب (مفتی دارالعلوم دیوبند) کے بقول حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے دورہ حدیث میں ابن ماجہ شریف پڑھی ہے۔

(۸) مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ

حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ (ولادت: ۵؍فروری ۱۹۵۱ء وفات ۲۸؍ستمبر ۲۰۱۳ء) کا آبائی وطن ولید پور بھیرہ، ضلع اعظم گڈھ (موجودہ ضلع مئو) تھا۔ آپ کے والد الحاج قاضی محمد شعیب کوثر اعظمی ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔ ۱۳۸۸ھ میں بغرض تعلیم دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا اور حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے جلالین شریف پڑھی، امروہہ مدرسہ چلہ کی عارضی مدرسی سے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز کیا اور مختلف مدارس میں خدمت انجام دیتے ہوئے ۱۹۹۰ء میں مدرسہ شیخ الاسلام شیخو پور تشریف لائے۔ وہاں ۲۴؍سال کا ایک لمبا زمانہ گذار کر اخیر میں ۱۴۲۴ھ میں اپنے قائم کیے ہوئے ادارہ مدرسہ سراج العلوم چھپرہ، ضلع مئو میں مستقل اقامت اختیار کی۔

(۱) ذاتی انٹرویو سے مستفاد

آپ ایک مشہور عالم دین، کہنہ مشق قلم کار، مستند مصنف، مثالی استاذ، علم وعمل کا نمونہ، رجال ساز شخصیت، ماہنامہ ضیاء الاسلام کے مدیر، نہایت سلیس وشستہ طرز تحریر کے مالک تھے۔ پاکستان کے مشہور صاحب نسبت بزرگ حضرت مولانا عبدالواحد صاحبؒ (تلمیذ شیخ الاسلام) سے بیعت وخلافت کا تعلق تھا۔ تقریبا ۳۸؍ کتب ورسائل کے مصنف تھے۔ یہ ایک خوش گوار اتفاق ہے کہ مولانا اعظمیؒ نے مولانا قاسمیؒ سے جلالین پڑھی اور بعد میں اسی کتاب کی شرح تسہیل الجلالین لکھنی شروع کی، افسوس وہ شرح پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی کہ مولانا اعظمیؒ کا وقت موعود آ پہنچا۔ آپ کی خودنوشت سوانح بنام حکایتِ ہستی آپ کی حیات میں ہی شائع ہو چکی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی حیات وخدمات پر ایک ضخیم کتاب سراپا اعجاز (ترتیب: محمد عرفات اعجاز اعظمی) مدرسہ سراج العلوم چھپرہ، ضلع مئو سے چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہے۔ (۱)

(۹) مولانا مجیب اللہ گونڈوی

مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی ۱۹۵۲ء میں بمقام چوڑ ہار، پوسٹ وتھانہ اٹیا تھوک، ضلع گونڈہ (یوپی) پیدا ہوئے۔ والد کا نام حبیب اللہ ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے دورہ حدیث میں دوسری پوزیشن حاصل کرنے والے طالب علم رہے ہیں۔ مولانا قاسمیؒ سے شرح عقائد، جلالین جلد ثانی، الفوز الکبیر جیسی اہم کتابیں پڑھی ہیں۔ شعبہ افتاء دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد دارالعلوم عربیہ اسلامیہ جودھپور، راجستھان میں بحیثیت صدر مدرس خدمت انجام دی۔ ۱۹۷۹ء تا ۱۹۸۲ء مدرسہ جامع العلوم، کانپور میں ہدایہ آخرین، میبذی اور نسائی وغیرہ زیر درس رہیں۔ ۱۹۸۲ء میں آپ کو بحیثیت استاذ دارالعلوم دیوبند بلالیا گیا۔ فی الحال دارالعلوم میں شرح عقائد، مشکوۃ (جلد اول)، سراجی اور ابوداؤد (کتاب الجہاد) جیسی اہم کتابیں آپ سے متعلق ہیں۔ گذشتہ کئی سالوں تک دارالعلوم دیوبند کے شعبہ تعلیمات کے عہدہ نظامت پر بھی فائز رہے ہیں۔ یہ خوش گوار اتفاق ہے کہ مولانا قاسمیؒ سے شرح عقائد پڑھی اور بعد میں اسی کتاب کی ایک شاندار شرح لکھی، جو بیان الفوائد کے نام سے طلبہ واساتذہ میں مقبول ہے اور یہی کتاب برسہا برس سے زیر درس بھی ہے۔ (۱)

(۱۰) مفتی امین پالن پوری

مولانا مفتی امین صاحب پالنپوری ۱۵؍ جنوری ۱۹۵۲ء میں پیدا ہوئے۔ پالن پور (شمالی گجرات)

(۱) از: حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی مختصر سوانحی خاکہ، از: مولانا ضیاء الحق خیر آبادی، مدیر مجلہ رشد وہدایت، سکٹھی، مبارک پور، اعظم گڈھ

(۱) ذاتی انٹرویو سے مستفاد اور مولانا یعقوب اعظمی، داماد مولانا مجیب اللہ صاحب گونڈوی کی فراہم کردہ معلومات پر مشتمل

کے رہنے والے ہیں۔ حضرت مولانا ومفتی سعید احمد پالن پوری کے برادرِ عزیز ہیں۔ والد ماجد کا نام یوسف اور دادا کا نام علی ہے۔ آپ کا خاندان ڈھوکا اور برادری مومن ہے۔ ۱۹۶۲ء میں اپنے برادرِ مکرم کے ہمراہ دار العلوم دیوبند آئے اور قرآن کریم دو سال میں حفظ کیا۔ عربی اول، دوم اور سوم کی تعلیم دار العلوم اشرفیہ راندیر (سورت) میں حاصل کی۔ شرح جامی اور مختصر المعانی وغیرہ کتابیں مظاہر علوم سہارن پور میں پڑھیں اور دو مرحلوں میں دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۲ء میں دورہ حدیث کے سال حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے موطا امام محمد پڑھی۔ ۱۹۸۲ء میں دار العلوم دیوبند میں بحیثیت استاذ تشریف لائے، اُس وقت سے اب تک دار العلوم میں درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مصروف ہیں۔ مشکوۃ، ہدایہ اخیرین اور نسائی زیرِ درس ہیں۔ ایک درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ ماضی میں موطا امام محمد بھی متعلق رہی ہے۔ راقم الحروف نے ۲۰۰۷ء میں حضرت مفتی صاحب سے موطا امام محمد پڑھی ہے۔ اس اعتبار سے حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ میرے استاذ الاستاذ ہوئے، فللہ الحمد۔ مفتی امین صاحب کی خود نوشت سوانح بنام آبِ حیات دار العرفان دیوبند سے شائع ہوچکی ہے۔(۱)

(۱۱) مولانا نور الحق رحمانی قاسمی

مولانا نور الحق رحمانی قاسمی بن حافظ مولوی عزیز الحق صاحب (ولادت: نومبر ۱۹۵۲ء، ضلع کٹیہار) دار العلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں سے ہیں۔ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، ترجمہ ومضمون نگاری کا صاف ستھرا اور تحقیقی ذوق رکھتے ہیں۔ اردو کے ساتھ عربی زبان کے بھی ماہر ہیں۔ ایک درجن سے زائد اردو وعربی کتابوں کے مصنف ہیں۔ **الإمارات الشرعية في الهند: دراسة تاريخية** آپ کی مشہور تالیف ہے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی کی تاسیس میں قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ کے ساتھ شریک رہے۔ نیز قاضی صاحبؒ کی مشہور کتاب اسلامی عدالت اور فقہی مقالات کا عربی ترجمہ بھی کر چکے ہیں، جو نظام القضاء الإسلامی اور فقہ المشکلات کے نام سے حیدر آباد اور بیروت سے شائع ہو چکا ہے۔ موسوعہ فقہیہ کویت کی تین جلدوں کا اردو ترجمہ بھی آپ کا بڑا کارنامہ ہے۔ ۷۲-۱۹۷۱ء مطابق ۹۳-۱۳۹۲ھ میں حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے موطا امام محمد پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ فراغت کے بعد شروع میں تربیتِ افتاء وقضاء امارت شرعیہ میں رہے، بعد ازاں المعہد العالی پٹنہ میں مستقل مدرس ہوئے اور تقریباً اٹھائیس سالوں سے معہد پھلواری شریف میں مقیم ہیں۔(۲)

---

(۱) ماخوذ از: آب حیات، ترتیب: مصطفیٰ امین پالن پوری، دار العرفان، دیوبند
(۲) ذاتی انٹرویو سے مستفاد

(۱۲) مولانا لیاقت علی قاسمی

مولانا لیاقت علی بن حاجی عبد الوحید صاحب، گاؤں ماہ پور، ضلع مئو کے باشندہ ہیں۔ تاریخ ولادت ۵/جولائی ۱۹۵۲ء ہے۔ ۷۲-۱۹۷۱ء میں حضرت مولاناؒ سے موطا امام محمد پڑھی۔ حضرت مولاناؒ کو اسی سال موطا امام محمد کا سبق دیا گیا تھا۔ فراغت کے بعد مدرسہ جامع العلوم، دین پور، اعظم گڈھ میں چار سال بخاری شریف پڑھائی۔ دار العلوم دیوبند میں ڈیڑھ سال شعبہ تبلیغ میں بھی کام کر چکے ہیں۔ مدرسہ مصباح العلوم کوپا گنج میں متواتر بیس پچیس سال شیخ الحدیث رہے۔ پھر کسی وجہ سے مستعفی ہو کر مدرسہ ضیاء العلوم محمد آباد تشریف لائے۔ بتقدیرِ الٰہی دوبارہ مدرسہ مصباح العلوم آئے اور ۲۰۱۵ء میں وہیں سے ریٹائر ہوئے۔ فی الحال اپنے گاؤں میں الجامعۃ الاسلامیہ ہدایت الاسلام، ماہ پور کے سرپرست ہیں۔ راقم الحروف سے گفتگو کے دوران اپنے استاذ مولانا محمد سالم صاحبؒ کو یاد کرتے ہوئے یہ جملے ارشاد فرمائے:

''موطا امام محمد صرف جمعہ کے دن بعد نمازِ فجر ہوتی تھی۔ حضرت دیوبند میں رہتے ہوئے کبھی ناغہ نہیں کرتے تھے۔ ہر طرح کی خوبی کے مالک، انتہائی شگفتہ، ماہر استاذ تھے۔ تقریر میں تسلسل تھا۔ الفاظ جیسے موتی کی لڑیاں ہوں۔(۱)

(۱۳) مولانا عبد العلی فاروقی

مولانا عبد العلی فاروقی (ولادت: ۱۵/اگست ۱۹۵۳ء) دار العلوم دیوبند کے ابنائے قدیم میں سے ہیں۔ والد کا نام مولانا عبد الحلیم بن مولانا عبد الرحیم صاحب ہے۔ دار المبلغین لکھنؤ میں شرح جامی تک، بعد ازاں مدرسہ مفتاح العلوم مئو میں تعلیم حاصل کی۔ اخیر میں ازہر ہند دار العلوم دیوبند پہنچے اور ۶۸-۱۹۶۷ء میں حضرت مولاناؒ سے جلالین، شرح عقائد اور مشکوۃ جلد ثانی جیسی اہم کتابیں پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ فراغت کے بعد اپنے والد ماجد کے قائم کردہ مدرسہ دار العلوم فاروقیہ کاکوری، لکھنؤ میں ۵/ستمبر ۱۹۷۰ء سے تدریسی و انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ منسلک ہیں، جس کا سلسلہ تا دمِ تحریر جاری ہے۔ ماہنامہ البدر کے مدیر اعلیٰ بھی ہیں۔ دسمبر ۲۰۱۷ء میں آپ کی خود نوشت سوانح یادوں کے جھروکوں سے مکتبہ البدر، لکھنؤ سے شائع ہو چکی ہے۔ مولانا فاروقی کو اپنے استاذ محترم سے حد درجہ لگاؤ تھا، اسی وجہ سے استاذ محترم کی توجہات اور ان کا اعتماد انھیں ہمیشہ حاصل رہا ہے۔ اپنے استاذ محترم کی وفات پر ماہنامہ البدر میں ''آخری استاذ کو وداعی سلام'' کے عنوان سے اداریہ لکھا اور اپنے تعلقات کا اظہار فرمایا ہے۔ اسی اداریہ میں

(۱) ذاتی انٹرویو سے مستفاد

اپنے استاذ محترم کے اندازِ درس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

یوں تو حضرت مولانا کا شمار دارالعلوم کے مقبول اساتذہ میں ہوتا تھا اور تمام علوم میں دست رس ہونے کی وجہ سے وہ اپنے سے متعلق تمام اسباق کا حق اس طرح ادا کرتے تھے کہ ہر استعداد وصلاحیت کا طالب علم مطمئن ہو جاتا، لیکن علم کلام ان کا خاص اور موروثی موضوع تھا، جس میں ان کے جوہر کھلتے تھے۔ چناں چہ شرح عقائد نسفی پڑھاتے ہوئے کلامی مسائل پر ان کی نکتہ آفرینیاں قابل رشک ہوتی تھیں اور فن خطابت میں خصوصی مہارت کی وجہ سے وہ علم کلام کے پیچیدہ مسائل کو بھی ایسے دل نشیں انداز میں پیش کر دیتے تھے کہ کمزور سے کمزور استعداد والا طالب علم بھی کچھ نہ کچھ لے کر ہی اٹھتا تھا۔(۱)

(۱۴) مولانا احمد اللہ بختیاری

مولانا احمد اللہ بختیاری صاحب کی جائے ولادت رائے چوٹی، آندھرا پردیش ہے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۹۷۲ء میں شرح عقائد، مشکوۃ جلد اول اور موطا امام محمد پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ خالص علمی آدمی ہیں۔ اپنے استاذ سے پڑھی ہوئی کتاب شرح عقائد بیس سالوں تک پڑھائی ہے۔ آپ کے والد گرامی سید صبغت اللہ بختیاری حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے تلمیذ اور خلیفہ تھے۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد جامعۃ الامام محمد بن سعود، ریاض کے کلیۃ اللغۃ العربیۃ میں چار سال رہے۔ دارالعلوم حیدرآباد میں ۳۳؍سال تک تدریسی خدمات انجام دی ہیں۔ تقریباً دس کتابوں کے مصنف ہیں۔ مولانا عبدالسلام میرٹھی، سابق ایڈیٹر الکفاح (عربی مجلّہ) اور الجمعیۃ (اردو)، مولانا آس محمد صاحب اجراڑہ اور مولانا نوراللہ قاسمی رائے چوٹی خلیفہ مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ آپ کے درسی ساتھی ہیں۔(۲)

(۱۵) مولانا محمد موسی پانڈور

مولانا محمد موسی صاحب (ولادت: ۱۹۵۳ء) صاحب نسبت بزرگ ہیں۔ علمی اور نیک گھرانے کے روشن چراغ ہیں۔ آپ کا خاندان پانڈور کہلاتا ہے، جو ساؤتھ افریقہ میں آباد ہے۔ اور بزرگوں کی خدمات کے حوالے سے ایک مقبول خاندان ہے۔ آپ کی ابتدائی عربی تعلیم ڈابھیل گجرات سے شروع ہوئی، متوسطات کی تعلیم ہتھورہ باندہ میں حاصل کی اور ۱۹۷۵ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔

(۱) ماہنامہ البدر کاکوری، مئی ۲۰۱۸ء= یادوں کے جھروکوں سے، از: مولانا عبدالعلی فاروقی، طباعت: نعمانی پریس، لکھنؤ
(۲) ذاتی انٹرویو سے مستفاد

وہاں مولانا محمد سالم صاحبؒ سے ابن ماجہ پڑھ کر شرف تلمذ حاصل کیا۔ آپ مشہور بزرگ مولانا محمد ابراہیم صاحب افریقی خلیفہ خاص مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے بڑے بھائی ہوتے ہیں اور مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے آپ کو بھی اجازتِ بیعت حاصل ہے۔ علاوہ ازیں آپ شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کے خلیفہ بھی ہیں۔ مولانا محمد سالم صاحبؒ سے اچھے تعلقات تھے، مولانا محمد سالم صاحبؒ کے ساؤتھ افریقہ میں ہونے والے بیانات سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔ (۱)

(۱۶) مولانا ندیم الواجدی

مولانا ندیم الواجدی (ولادت : ۲۳ر جولائی ۱۹۵۴ء) ملک کے نامور قلم کار ہیں۔ دیوبند کے علمی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ ابتدائی تعلیم دیوبند میں حاصل کی، اس کے بعد اپنے والد مولانا واجد حسین صاحب اور دادا مولانا احمد حسن صاحب دیوبندی سے عربی کی مروجہ کتابیں پڑھیں۔ یہ دونوں حضرات اُس وقت مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد میں حدیث وتفسیر کے استاذ تھے۔ ۱۹۶۷ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور حضرت مولاناؒ سے مشکوۃ جلد ثانی اور نخبۃ الفکر پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ دو درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ امام غزالی کی احیاء علوم الدین کا اردو ترجمہ آپ کا بڑا کارنامہ ہے۔ ماہنامہ ترجمان دیوبند کے مدیر کی حیثیت سے ملکی، ملی، سماجی، بلکہ ہر موضوع پر لکھتے رہتے ہیں۔ حضرت والاؒ سے بہت قریبی لگاؤ تھا، جس کا تذکرہ موصوف نے اپنے کئی مضامین میں کیا ہے۔ اپنے استاذ کے سبق کے بارے میں ایک جگہ رقم طراز ہیں:

> ”البتہ حضرت کے اسفار رہتے تھے، اس لیے چھٹیاں بھی زیادہ ہوتی تھیں۔ تاہم کتاب مقدارِ خواندگی تک پہنچ ہی جاتی تھی۔ دورانِ درس ادھر ادھر کی گفتگو کا مزاج نہیں تھا۔ پوری توجہ کتاب پر مرکوز رہتی تھی۔ تقریر رواں دواں ہوتی۔ بہت توجہ کے ساتھ سننا پڑتا تھا۔ ایک لمحہ بھی ذہن غافل ہوتا تو درس کا سرا ہاتھ سے نکل جاتا اور دوسرا تلاش کرنے میں دقت ہوتی۔“ (۲)

(۱۷) مولانا بدرالحسن قاسمی

مولانا بدرالحسن صاحب قاسمی ر اسکالر اسلامیات وزارتِ اوقاف و اسلامی امور، کویت ۱۹۵۵ء

(۱) مفتی سبیل صاحب خلیفہ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کی فراہم کردہ تفصیلات سے مستفاد

(۲) ماہنامہ ندائے دار العلوم وقف، شعبان رمضان ۱۴۳۹ھ، مضمون : حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، دلآویز شخصیت کے کچھ اچھوتے پہلو، از : ندیم الواجدی = احیاء علوم الدین مترجم، ج ۱، ص ۲۸، دار الکتاب، دیوبند

میں دربھنگہ، بہار میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند کے قدیم اور ذی استعداد فضلاء میں ہیں۔ آپ کی علمی گہرائی و گیرائی کے لیے یہ سند کافی ہے کہ آپ دارالعلوم کے سابق استاذ ذی وقار اور عربی مجلّہ الداعی کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ فی الحال کویت میں مقیم ہیں۔ ایک درجن سے زائد عربی و اردو کتابوں کے مصنف ہیں۔ اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا کے نائب صدر، المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پٹنہ کے صدر، رابطہ عالم اسلامی کے رکن اور فقہی انسائیکلوپیڈیا مراجعت کمیٹی، کویت کے صدر بھی ہیں۔ مولانا قاسمیؒ سے شرح عقائد، جلالین، الفوز الکبیر اور موطا جیسی اہم کتابیں پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ دورہ حدیث میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی۔ شروع سے ہی خاندانِ قاسمی سے گہرا تعلق رہا ہے۔ یہ تعلق ہی کی بات ہے کہ مولانا بدرالحسن صاحب کی تدریس کا آغاز دارالعلوم میں اسی درس گاہ سے ہوا، جس درس گاہ میں مولانا سالم صاحبؒ کبھی درس دے چکے تھے۔ فی الحال تدریس، تصنیف و تالیف، خطابت اور عربی و اردو مضمون نگاری میں مصروفِ عمل ہیں۔ (۱)

(۱۸) مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی

مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی صاحب کی جائے ولادت لکھنؤ اور تاریخ ولادت ۱۹۵۵ء ہے۔ آپ کے والد گرامی مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے میں ملک کے نامور مبلغ و داعی، زبردست مصنف، ماہر مدیر اور ذی علم مناظر ہونے ساتھ مختلف خوبیوں کے مالک تھے۔ مولانا سجاد صاحب اپنے والد گرامیؒ کے عکس جمیل اور ان کے علوم و معارف کے وارث و امین ہیں۔ ندوہ، دیوبند اور مدینہ یونیورسٹی کے فیض یافتہ ہیں۔ ۷۳-۱۹۷۲ء میں مولانا محمد سالم صاحبؒ سے شرح عقائد پڑھی ہے۔ اب نعمانی صاحب ایک ممتاز عالم دین، مشہور اسلامی اسکالر، عظیم مفکر و مصلح، ماہنامہ الفرقان کے ایڈیٹر، خانقاہ نعمانیہ مجددیہ کے روح رواں اور مشہور بزرگ مولانا پیر ذوالفقار صاحب نقشبندی کے خلیفہ خاص ہیں۔ اس کے علاوہ مسلم پرسنل لابورڈ کے موقر رکن و ترجمان، آل انڈیا ملی کونسل کے رکن اور مختلف تنظیموں، اداروں اور تحریکوں کے سرپرست ہیں۔ (۲)

(۱۹) مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب برصغیر کے نامور فقیہ، شرعی علوم و فنون کے ماہر، المعہد العالی

(۱) مولانا بدرالحسن صاحب کی فراہم کردہ تفصیلات پر مشتمل
(۲) مولانا بلال سجاد نعمانی، نیرل اور رحمان فاونڈیشن سائٹ کی تفصیلات سے مستفاد

الاسلامی کے بانی وناظم، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن تاسیسی، سکریٹری وترجمان، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے روح رواں، سہ ماہی بحث ونظر کے مدیراعلی، رابطہ عالم اسلامی کی مجمع الفقہ الاسلامی اور دار العلوم ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی اور مجلس نظامت کے مؤقر رکن، مجلس تحفظ ختم نبوت آندھرا وتلنگانہ کے جنرل سکریٹری اور متعدد مدارس وتنظیموں کے سرپرست ہیں۔ آپ ۱۰؍جمادی الاولی ۱۳۷۶ھ مطابق نومبر ۱۹۵۶ء میں بہار کے ایک قصبہ جالے (ضلع دربھنگہ) کے معروف علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والدہ، دادی، پھوپھی اور والد محترم حکیم زین العابدین بن عبد الاحد صاحب سے حاصل کی۔ متوسطات سے دورہ حدیث تک کی تعلیم جامعہ رحمانیہ مونگیر میں مکمل کی۔ بعد ازاں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور یہیں ۱۳۹۶ھ میں حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے ابن ماجہ شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ مولانا قاسمیؒ سے شاگردی کا یہ رشتہ ہمیشہ برقرار رہا، اخیر میں اپنے استاذ کے خوابوں کی تعبیر دار العلوم وقف کی مجلسِ مشاورت کے رکن نامزد کیے گئے۔ دارالعلوم وقف میں آپ کے علمی محاضرے وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں۔(۱)

(۲۰) مفتی زین الاسلام قاسمی الہ آبادی

مفتی زین الاسلام صاحب قاسمی الہ آبادی ۳؍جولائی ۱۹۵۵ء میں ایک شریف اور نیک گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد جناب عبدالصمد صاحب اگرچہ تحصیل دار مجسٹریٹ کے عہدے پر تھے، لیکن جوانی میں ہی مشہور بزرگ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھیؒ سے اصلاحی تعلق قائم کرلیا تھا۔ آپ کے دادیہال اور نانیہال دونوں ہی سلسلے میں آباء واجداد اصحاب علم وفضل اور اہل افتاء ہوئے ہیں۔ ۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۷ء دارالعلوم دیوبند میں رہے اور حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے ابن ماجہ شریف پڑھی۔ علاوہ ازیں تکمیل ادب اور تکمیل افتاء کے سال بھی حضرت مولاناؒ سے خصوصی استفادہ کیا ہے۔ ۱۹۷۸ء تا ۱۹۸۲ء مدرسہ عربیہ رحمانیہ رڑکی میں مدرس رہے، بعد ازاں افضل المعارف الہ آباد، مدرسہ عربیہ بیت المعارف الہ آباد وغیرہ میں بھی درسِ نظامی کی مختلف کتابیں پڑھائیں۔ فتوی نویسی کا سلسلہ بھی ہمیشہ جاری رہا۔ آپ شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپ گڈھی نوراللہ مرقدہ کے مسترشد، خادم اور مجاز صحبت ہیں۔ آپ کو مشہور بزرگ شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم سے شرفِ تلمذ اور اجازتِ بیعت وارشاد کی سعادت بھی حاصل ہے۔ فروری ۲۰۰۷ء میں دارالافتاء

(۱) ماخوذ از قاموس الفقہ : خالد سیف اللہ رحمانی، مضمون : حرفِ چند صاحبِ کتاب کے بارے میں، از : مولانا اشرف علی قاسمی، ج۱، ص۲۰۰، ناشر: کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند

دیو بند میں تقرر رہوا۔اسی سال راقم الحروف نے حضرت مفتی صاحب کے پاس فتوی نویسی کی مشق کرنے کی سعادت حاصل کی، **فللّٰہ الحمد**. مفتی دارالعلوم دیو بنداب آپ کی شناخت ہے،شعبہ افتاء میں درمختار کا درس بھی آپ سے متعلق ہے۔ دارالافتاء دارالعلوم دیو بند میں لکھے گئے فتاوی بنام: چند اہم عصری مسائل (اول، دوم)، چند اہم فتوے، معاوضہ علی التراویح کی شرعی حیثیت، طلاق عدل وانصاف پر مبنی اسلام کا ایک مستحکم قانون (اردو، ہندی، انگریزی) شائع ہو چکے ہیں۔ مولانا دلشاد صاحب (دارالعلوم وقف)، مولانا رفیق بستوی صاحب، مولانا انوار الرحمٰن صاحب بجنوری (رکن شوری دارالعلوم دیو بند) اور مولانا رفعت صاحب قاسمی (مؤلف مسائل سیریز) وغیرہ آپ کے درسی ساتھیوں میں سے ہیں۔(۱)

(۲۱) مولانا احمد اللہ قاسمی ندوی

مولانا احمد اللہ قاسمی ندوی ولد حاجی برکت اللہ صاحب مرحوم (ولادت: یکم مارچ ۱۹۵۷ء) خاص مئوشہر کے رہنے والے ہیں۔ ۱۳۹۸ھ/مطابق ۱۹۷۸ء میں دارالعلوم دیو بند کے اندر حضرت سے سنن ابی داؤد پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ۱۹۸۴ء سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ علمی آدمی ہیں۔ بے مثال مقرر اور حاضر جواب مناظر کی حیثیت سے بھی ملک کے مختلف گوشوں میں شہرت رکھتے ہیں۔اور کئی کتابوں کے کامیاب مصنف بھی ہیں۔ان کی کتابیں: **راحة القلب والعينين بأحاديث ترك رفع اليدين**، اگراب بھی نہ مانے تو، زلزلہ قیامت، منظر عام پر آ کر مقبول خاص وعام ہو چکی ہیں۔ قرآن کریم کی تفسیر بنام تنویر القرآن سلسلہ وار سہ ماہی مجلّہ ندائے دارالعلوم مئو میں شائع ہو رہی ہے، جس کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ادھر گذشتہ آٹھ سالوں سے دارالعلوم مئو میں مشیخت حدیث کے پر وقار منصب پر رونق افروز ہیں۔(۲)

(۲۲) مولانا ادریس بجنوری

مولانا مفتی قاری ادریس صاحب بجنوری (ولادت: ۱۹۵۷ء) کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ رہا ہے۔ ۱۹۷۵ء میں مشکوۃ اور اگلے سال ابن ماجہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ دورانِ طالب علمی قاری حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ سے خصوصی تعلق رہا ہے۔ گاہ بہ گاہ حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے بھی ملاقاتیں رہتی تھیں۔ سائل کے استفسار پر ابن ماجہ کے سبق کے تعلق سے فرمانے لگے:

(۱) ذاتی انٹرویو اور مفتی صاحب کی فراہم کردہ تفصیلات سے مستفاد
(۲) ذاتی انٹرویو سے مستفاد

سبق تحقیقی ہوتا تھا، عقائد پر اتنی شاندار بحث ہوتی تھی کہ بس آدمی رشک کرتا رہ جائے اور ایسی تحقیق ہوتی کہ بہت کم سننے کو ملتی تھی۔ عقائد پر حضرت کو بہت عبور حاصل تھا۔(۱)

(۲۳) مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری بن مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ بن علامہ انور شاہ کشمیریؒ ۱۳/اگست ۱۹۵۸ء کو دیوبند میں پیدا ہوئے۔ سحر انگیز طرزِ تکلم اور خطابت میں اپنے والد گرامی کا عکس، شرافت و مروت میں خانوادۂ شاہی کی آبرو، خوش مزاجی و خوش اخلاقی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے مشکوۃ جلد ثانی، بخاری شریف جلد ثانی کے چند پارے پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ فی الحال دار العلوم وقف کے شیخ الحدیث صدر المدرسین و ناظم تعلیمات ہیں۔ علاوہ ازیں تنظیم علمائے ہند کے صدر اور جامعہ امام انور شاہ دیوبند کے مہتمم اور ماہنامہ محدث عصر کے مدیر بھی ہیں۔(۲)

(۲۴) مفتی حبیب اللہ قاسمی

مفتی حبیب اللہ قاسمی بن ابو العلماء والمشائخ حاجی شیخ یار محمد صاحب (ولادت: یکم مارچ ۱۹۵۸ء) دار العلوم دیوبند کے اکابر فضلاء میں سے ہیں۔ آپ کی شخصیت اہل علم، اہل تدریس، اہلِ افتاء اور اہلِ خطابت میں معروف و مشہور ہے۔ تمام علوم و فنون سے گہری مناسبت ہے۔ آپ کے رشحاتِ قلم کی تعداد درجنوں ہے۔ حبیب الفتاوی (۶/جلدیں) رسائل حبیب جیسی اہم کتابیں سندِ قبول حاصل کر چکی ہیں۔ مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ اور مولانا عبد الحلیم صاحب جون پوریؒ سے اجازت بیعت حاصل ہے۔ ۷۸-۱۹۷۷ء کے اندر دار العلوم میں حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے بخاری شریف جلد ثانی کی نصف ثانی پڑھی۔ جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور اعظم گڈھ کے موسس و بانی، شیخ الحدیث و صدر مفتی ہیں۔ دینی، علمی، روحانی اور ملی خدمات آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔(۳)

(۲۵) مولانا ڈاکٹر عبید اقبال عاصم

مولانا ڈاکٹر عبید اقبال عاصم ولد اقبال الٰہی عثمانی کی جائے پیدائش دیوبند اور تاریخ ولادت

(۱) مفتی سبیل صاحب، تمل ناڈ، خلیفہ مفتی محمود حسن گنگوہی کی بیان کردہ تفصیلات سے مستفاد

(۲) ذاتی انٹرویو سے مستفاد

(۳) ماخوذ از: تعارف حضرت حبیب الامت دامت برکاتہم، شائع کردہ: جامعہ اسلامیہ دار العلوم، مہذب پور = ذاتی انٹرویو سے مستفاد

۲۵؍جولائی ۱۹۵۹ء ہے۔ مولانا محمد سالم صاحبؒ سے مشکوۃ، ترمذی اور بخاری شریف کا کچھ حصہ پڑھا اور ۱۹۸۰ء میں دار العلوم سے ہنگامی سال میں فراغت حاصل کی۔ ۱۹۹۰ء سے علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں بحیثیت امام خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ۱۹۹۶ء میں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ عربی سے ایم اے اوراس کے بعد ۲۰۰۲ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی حاصل کی ہے۔ متفرق مضامین کے علاوہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ غبار خاطر اوراس کا شعری سرمایہ نامی کتاب پر یوپی گورنمنٹ اعزاز سے نواز چکی ہے۔ مولانا موصوف کو اپنے استاذ محترمؒ سے حد درجہ لگاؤ تھا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

’’مولانا اوران کے گھرانے سے راقم کا تعلق اس وقت سے ہے جب کہ بقول شخصے دودھ کے دانت ٹوٹنے کا عمل بھی شروع نہیں ہوا تھا۔‘‘

دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

’’استاذ محترم کی شکل میں ہم جیسوں نے اس عہد کا مطالعہ کیا ہے، جو ہمارے اسلاف واکابرین کا خاصہ تھا۔‘‘(۱)

(۲۶) مولانا خورشید احمد اعظمی

مولانا خورشید احمد اعظمی بن حافظ سعید اختر صاحب، مئوناتھ بھنجن، یوپی میں ۲۵؍دسمبر ۱۹۶۰ء کو پیدا ہوئے۔ دار العلوم دیوبند میں حضرت مولاناؒ سے ابوداؤد جلد ثانی پڑھی ہے۔ ندوہ میں تخصص فی الادب کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے کلیۃ الحدیث میں چار سال رہے۔ ایک سال مکہ میں تدریب الائمہ والمعلمین کے شعبہ سے بھی وابستہ رہے۔ ۱۹۸۶ء سے تعلیم الدین مئو میں درس وتدریس میں مشغول ہیں۔ مسلم، مشکوۃ، سراجی اورنخبۃ الفکر جیسی اہم کتابیں زیرِ درس ہیں۔ شرح مقدمہ مسلم، تذکرۃ الاخیار نامی کتابوں کے مؤلف ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ ۱۹۸۰ء صد سالہ میں ان کے سر پر دستارِ فضیلت ان کے ابو داؤد کے استاذ گرامی قدر مولانا محمد سالم صاحبؒ ہی نے باندھی تھی۔ (۲)

(۲۷) مولانا اشتیاق احمد اعظمی

مولانا اشتیاق احمد اعظمی (ولادت: ۲۵؍نومبر ۱۹۶۰ء) مئوناتھ بھنجن، یوپی کے متوطن ہیں۔ آپ

(۱) ندائے دار العلوم وقف، شمارہ: شعبان ورمضان ۱۴۳۹ھ، مضمون: ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی، از: ڈاکٹر عبید اقبال عاصم ذاتی انٹرویو سے مستفاد

(۲) ذاتی انٹرویو سے مستفاد

کے والد حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے تلمیذ اور مجاز بیعت ہیں اور الحمدللہ حیات ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے مشکوۃ جلد اول پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ خاندانِ قاسمی سے عقیدت ومحبت کا تعلق ہے؛ کیوں کہ آپ مولانا محمد سفیان صاحب صاحب زادہ مولانا محمد سالم صاحبؒ کے درسی ساتھی بھی ہیں۔ مولانا اعظمی نے راقم الحروف سے جو کچھ بتایا وہ درج کر دینا بھی مناسب ہے:

''بخاری شریف کے درس کا آغاز حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے دستِ مبارک سے ہوا۔ اسی دن الحدیث المسلسل بالماء والتمر پڑھائی اور پانی اور کھجور پلا اور کھلا کر اجازت عطا فرمائی۔ غالباً دورہ حدیث کے سال چند ایام مسجد قدیم میں حجۃ اللہ البالغۃ کے درس سے مستفید فرمایا۔ ان سب سعادتوں کے حصول کے لیے حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی کے ہم رہینِ منت ہیں؛ کیوں کہ وہ ہمارے رفیق درس تھے، داداجان کی یہ خدمات ان ہی کے توسط سے ہمیں بھی میسر ہوئیں۔'' (۱)

(۲۸) مولانا افضال الرحمٰن

مولانا افضال الرحمٰن صاحب کا آبائی وطن سلطان پور یوپی ہے۔ اب ہردوئی یوپی میں مقیم ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا بشارت علی صاحب نوراللہ مرقدہ محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب رحمہ اللہ کے رفیق خاص اور مجازین میں تھے۔ مدرسہ اشرف المدارس اور مجلس دعوۃ الحق کے نائب ناظم بھی تھے۔ مولانا افضال الرحمٰن صاحب کی تعلیم وتربیت انھیں حضرات کے سائے میں ہوئی ہے۔ آپ نے ۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۶ء میں مولانا محمد سالم صاحبؒ سے مشکوۃ اور ابن ماجہ پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ دارالعلوم وقف کے موجودہ مہتمم مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی آپ کے رفیقِ درس ہیں۔ آپ علم وعمل کے پیکر، خانقاہ ومدرسہ کے جامع، ملنساری ومہمان نوازی میں اپنی مثال آپ، وقت کے قدردان اور تقوی، طہارت اور اخلاص کا نمونہ ہیں۔ آپ حضرت شاہ ابرارالحق صاحبؒ کے خلیفہ خاص بھی ہیں اور اس وقت مدرسہ اشرف المدارس کے مؤقر شیخ الحدیث بھی۔ ہردوئی میں ہی علم وعمل کی شمع روشن کئے ہوئے مصروف عمل ہیں۔ اپنے استاذ محترم سے پڑھی ہوئی کتاب مشکوۃ المصابیح تقریباً پچیس سال سے پڑھا رہے ہیں اور اس کی ایک جامع شرح زیر تالیف بھی ہے۔ اس کے علاوہ تصنیف وتالیف کا صاف ستھرا ذوق بھی ہے۔ اسلامی عقائد، دینی کام کرنے والوں میں باہمی ربط کیسا ہو، حاشیہ جمال القرآن جیسی کتابیں منظر عام پر آکر مقبول خاص وعام ہو چکی ہیں۔ (۲)

(۱) ذاتی انٹرویو سے مستفاد (۲) بالمشافہ گفتگو سے مستفاد

(۲۹) مولانا انیس الرحمٰن قاسمی

مولانا انیس الرحمٰن قاسمی بن جناب ابوالکلام صاحب (ولادت: ۱۹۶۰ء) نے ۱۹۷۵ء میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدۃ الطحاوی پڑھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ ذی علم آدمی ہیں۔ موصوف نے اپنے معاونین کے ساتھ چالیس اردو فتاوی کی کتابوں سے ایک مفید اور رہنما کتاب کی ترتیب وتبویب کا کام شروع کیا ہے، جس کی کچھ جلدیں فتاوی علمائے ہند کے نام سے طبع ہوچکی ہیں۔ تکمیل کے بعد یہ کتاب اردو فتاوی کی انسائیکلو پیڈیا ہوگی۔ اس کتاب کے مقدمہ میں مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے مولانا کے تعلق سے لکھا ہے:

آپ ایک معتبر عالم دین، کارِ قضا کا تجربہ رکھتے ہیں، امارت شرعیہ جیسی اہم تنظیم کے قافلہ سالاروں میں ہیں۔ ان کے اندر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی بالغ نظری اور امیر شریعت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ کی حسن تدبیر دونوں کا عکس جمیل پایا جاتا ہے۔ حج کمیٹی بہار کے چیرمین ہیں اور بعض عصری تعلیمی اداروں کے بانی ہیں۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء اور اسلامک فقہ اکیڈمی کے معزز ارکان میں ہیں۔ ان کی متعدد کتابیں منظر عام پر آکر مقبول خاص وعام ہوچکی ہیں۔ (۱)

(۳۰) مولانا خورشید انور اعظمی

مولانا خورشید انور اعظمی صاحب کی جائے پیدائش محلّہ رسول پور، مبارک پور، اعظم گڈھ اور تاریخ ولادت ۵/جولائی ۱۹۶۲ء ہے۔ والد کا نام مولانا قمر الدین صاحب ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے ۱۹۷۸ء میں ابوداؤد جلد ثانی پڑھی ہے۔ ملنسار، خوش مزاج وخوش اطوار، ٹھوس علمی استعداد اور صاحب علم وفن شخصیت کے مالک ہیں۔ راقم الحروف نے ۲۰۰۰ء میں مظہر العلوم بنارس کے ایک سالہ قیام کے دوران حضرت سے کافیہ پڑھی ہے۔ ۱۹۸۲ء سے مظہر العلوم بنارس میں ہی مقیم ہیں۔ فی الحال صدر المدرسین کے عہدے پر فائز ہیں۔ ہدایہ جلد اول اور مسلم شریف زیر درس ہیں۔ (۲)

(۳۱) پروفیسر سعود عالم قاسمی

ڈاکٹر پروفیسر مولانا سعود عالم قاسمی صاحب (ولادت: ۱۵/مارچ ۱۹۶۳ء) کو بھی حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے شرف تلمذ حاصل رہا ہے۔ ۱۹۷۹ء میں حضرت سے ابوداؤد شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ خاندانِ قاسمی سے گہری وابستگی ہے۔ قاری صاحبؒ اور مولانا محمد سالم صاحبؒ دونوں کی

(۱) فتاوی علمائے ہند، ج ۱: ص: ۳ (ذاتی انٹرویو سے مستفاد)　　(۲) ذاتی انٹرویو سے مستفاد

مجلسوں میں جایا کرتے تھے۔ اب آپ مشہور اسلامی اسکالر ہیں۔ شعبہ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے صدر کے علاوہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اہم رکن ہیں۔ فقہ اکیڈمی انڈیا سے بھی وابستہ ہیں۔ علمی و تحقیقی مزاج کے مالک ہیں۔ تقریباً دس کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔(۱)

(۳۲) مولانا محمد سفیان قاسمی

مولانا محمد سفیان قاسمی بن مولانا محمد سالم قاسمی بن قاری محمد طیب صاحب (ولادت: ۲۶ر ستمبر ۱۹۵۴ء) خاندانِ قاسمی کے چشم و چراغ ہیں۔ حفظ قرآن کریم کے بعد دار العلوم دیوبند میں تعلیم مکمل کی۔ ۱۹۷۵ء میں دار العلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ دورانِ تعلیم ہی پرائیویٹ طریقے پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ہائی اسکول سے ایم اے تک کے امتحانات دیئے۔ ۱۹۷۶ء میں جامعۃ الازہر قاہرہ میں کلیۃ الشریعۃ سے ماجیستیر (ایم اے) کیا۔ ۱۹۸۰ء میں وطن واپسی ہوئی۔ ۱۹۸۳ء سے دار العلوم وقف سے وابستگی ہوئی اور ابتدائی کتب زیر تدریس رہیں۔ تدریجاً انتظامی ذمہ داریاں بھی سپرد ہوئیں۔ ۲۰۰۷ء کے کلکتہ کے اجلاس میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن منتخب ہوئے۔ دار العلوم وقف کی آبیاری میں آپ کا خونِ جگر بھی شامل ہے۔ پہلے اس ادارہ کے نائب مہتمم رہے، بعد ازاں ۲۰۱۴ء میں مجلس شوری نے مہتمم منتخب کر دیا۔ دار العلوم وقف کا ترجمان ماہنامہ ''ندائے دار العلوم وقف'' کے مدیر اعلی ہونے کی حیثیت سے قیمتی، پر مغز اور قاسمی انداز کا اداریہ لکھتے رہتے ہیں۔ مولانا محمد سالم صاحبؒ کے صاحب زادہ ہونے کی حیثیت سے آپ ان کے علوم و معارف کے امین ہیں۔ تاہم رسمی اعتبار سے آپ نے حضرتؒ سے مشکوۃ پڑھی ہے۔(۲)

(۳۳) مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی

مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی بن نجیب اللہ مرحوم کا سن ولادت ۱۹۶۴ء اور جائے ولادت چمپارن (بہار) ہے، فی الحال دہلی میں مقیم ہیں۔ فعال اور متحرک شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ کے تعارف کے لیے شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ اور ان کی تصنیفات کافی ہیں۔ آپ شاہ ولی اللہ دہلی کے چیرمین اور تقریباً اٹھائیس کتابوں کے مصنف ہیں۔ آل انڈیا مجلس مشاورت کے سکریٹری بھی رہ چکے ہیں۔ جس کے حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ برسہابرس صدر رہے۔ آپ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے عربی و فارسی رسائل کو مجموعہ رسائل شاہ ولی اللہ کے نام سے شائع کر رہے ہیں، جو آپ کا بڑا کارنامہ ہے، جس کی نو ضخیم جلدیں منظر عام

(۱) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سائٹ اور ذاتی انٹرویو سے مستفاد

(۲) عکسِ احمد، ص: ۴۸۵، حجۃ الاسلام اکیڈمی، دار العلوم وقف

پر آ چکی ہیں۔ ان میں حواشی، حوالے، تسہیل اور لغوی تحقیق پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ شاہ صاحبؒ کے مخطوطات آپ کی توجہ کا مرکز ہیں۔ ماہنامہ براہین کے ایڈیٹر ہیں۔ حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے زمانہ طالب علمی سے ہی روابط رہے ہیں۔ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"مجھے یہ فخر وسعادت حاصل ہے کہ میں نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت الاستاذ مولانا محمد سالم قاسمیؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہے، ان سے حدیث کی متعدد کتابیں پڑھی ہیں۔ زمانہ طالب علمی میں بھی مجھ پر ان کی غیر معمولی شفقتیں اور مہربانیاں حاصل رہی ہیں۔"

اس نیک شاگرد نے اپنے استاذ محترم کو شاہ ولی اللہ ایوارڈ ۲۰۱۳ء سے بھی نوازا ہے، جس پر فخر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "مجھے خوشی ہے کہ حضرت الاستاذ مولانا محمد سالم قاسمیؒ صاحب نے اس شاہ ولی اللہ ایوارڈ کو قبول کر کے میری حوصلہ افزائی کی تھی اور شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کے وقار واعتبار میں اضافہ فرمایا تھا۔(۱)

(۳۴) مولانا محمد اسلام قاسمی

مولانا محمد اسلام قاسمی صاحب دارالعلوم وقف دیوبند کے قدیم اور موقر اساتذہ میں ہیں۔ عربی زبان وادب میں خصوصی مہارت کے ساتھ دیگر علوم وفنون میں امتیازی صلاحیت کے حامل ہیں۔ تکمیل ادب کی اکثر کتابوں کے ساتھ شروع میں دورہ حدیث میں شمائل ترمذی کا درس بھی آپ سے متعلق رہا ہے۔ فی الحال تکمیل ادب کی کتابوں کے علاوہ مسلم شریف اور حجۃ اللہ البالغہ آپ سے متعلق ہیں۔ رابطۂ عامہ کی ذمہ داری بھی انجام دیتے رہے ہیں۔ آپ نے حضرت مولاناؒ سے شرح عقائد نسفی پڑھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔(۲)

❖ ❖ ❖

(۱) ندائے دارالعلوم وقف، شعبان ورمضان ۱۴۳۹ھ، ص: ۲۶ = ذاتی انٹرویو سے مستفاد

(۲) عامر ظفر قاسمی مدھوبنی کے مضمون اسلامی علوم وثقافت کا بین الاقوامی عظیم مرکز: دارالعلوم وقف دیوبند سے مستفاد

اسلاف کی حسین روایات کے امین

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ

ڈاکٹر ایاز احمد اصلاحی ❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ ان زعمائے ملت وخدام دین میں سے تھے کہ ان سا کوئی فرد، اب چراغ رخ زیبا لیکر ڈھونڈ پانا بھی مشکل محسوس ہوتا ہے۔

دیوبند کے دوران قیام میں جب میں دارالعلوم دیوبند کا ایک طالب علم تھا مولانا سالم صاحب سے دو ایک بار ملنے کا شرف حاصل ہوا، اس کے علاوہ بعض ملی نشستوں اور جلسوں میں بھی ان سے مستفید ہونے اور ملنے کا موقع ملا، مولانا مرحوم سے جب بھی ملاقات ہوئی اس کا اثر دل ودماغ پر دیر پا رہا۔ انھیں سن کر، ان سے مل کر اور ان کی بعض تحریریں پڑھ کر ان کی شخصیت میں مجھے تین نمایاں خصوصیات کا احساس ہمیشہ ہوا۔ (۱) ان میں خوش خلقی خوئے دل نوازی کی حد تک تھی جو کہ ایک داعی کا اولین وصف ہوتا ہے۔ (۲) ان کے فکر وعمل میں قوم کے مستقبل کو لے کر فکرمندی درمندی کی حد کو پہنچی ہوئی تھی، جو کہ ایک ایسے سچے سماجی مصلح کی پہچان ہوتی ہے جو اپنی قوم کے دینی وتہذیبی وجود کے تحفظ وبقا کو لے کر ہر آن واقعتاً بے چین وفکرمند رہتا ہے۔ (۳) ان کے اندر دینی وفقہی مسائل میں وسیع النظری وسیع المشربی کی حد تک پائی جاتی تھی، یہ خوبی بھی قوم وملت کے ہر اس مخلص رہنما کے اندر پائی جاتی ہے، جو ایک بڑے مقصد کے لیے اپنی قوم کی منتشر قوتوں کو متحد کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے اور تفریق وتقسیم کا سبب بننے والے عناصر سے خود کو دور رکھتا ہے چاہے وہ اس کے اپنے مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے ہی کیوں نہ ہوں۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا سالم صاحبؒ کی شخصیت عامۃ الناس کے لیے بالعموم اور مسلم علماء وقائدین کے لیے بالخصوص ایک آئیڈیل فرد جیسی تھی۔

افسوس کہ ۲۰۱۸ء میں ملت کا یہ انمول ہیرا بھی ہم نے کھو دیا، ان کی زندگی میں ان کی قوم نے ان کی توسع پسندی، بالغ نظری، روشن خیالی اور مستقبل آگاہی سے بہت کم سیکھا اور بہت کم فائدہ اٹھایا، اس قوم نے تو اسے اس کی جوانی میں ہی فتنوں کا ہدف بنا کر تعلیم وتدریس اور دعوت وتبلیغ کی اس مسند سے محروم کر دیا

❖ اسسٹنٹ پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

جس کی بناء اس کے جد معظم اور بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ڈالی تھی۔ لیکن اسلام کے اس سچے داعی و مصلح اور استاذ الاساتذہ نے اس صبر آزما حادثے کی وجہ سے کبھی ہمت نہیں ہاری، کیوں کہ عقابوں کی منزل زاغ وزغن کے آشیانے نہیں بلکہ آسمان کی بلندیاں ہوا کرتی ہیں، اس مرد خدا نے بھی علوم ومعارف کے اپنے عظیم اور تاریخی آبائی مرکز کے چھن جانے کے باوجود ایک دن کے لیے بھی نہ تو اپنے اصل فرض سے غفلت برتی اور نہ ہی کسی مرحلے میں اپنے مقاصد کو چھوٹا ہونے دیا، بلکہ جب نا گفتہ بہ حالات میں ان کے عظیم والد کی سرپرستی میں دارالعلوم وقف کا قیام عمل میں آیا، تو ان کے ساتھ مل کر علم ودین کی اشاعت کے ایک نئے مرکز سے اصلاح ودعوت کی صدا پہلے سے زیادہ جوش وقوت کے ساتھ اس نے بلند کی، اس کے بعد پھر کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور نہ ہی اپنے کسی عمل سے کبھی حلقہ دیوبند میں افتراق وانتشار کو بڑھاوا دیا، اس لیے کہ اس کے خانوادے کی ایک روشن روایت یہ بھی رہی ہے کہ اس کے افراد نے تعلیمی مراکز سے وابستہ بعض دوسرے علماء وقائدین کی طرح تدریس وتعلیم یا تبلیغ واصلاح کی مسند ومنصب کو اظہار ذات یا جلب منفعت کا کبھی ذریعہ نہیں بنایا، جہاں تک مجھے معلوم ہے حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ اپنے والد محترم کی طرح ہی زندگی بھر اس صالح روایت پر قائم رہے۔ میری نظر میں یہی وہ اوصاف حمیدہ ہیں جنھیں ہم حضرت مولانا سالم قاسمی مرحوم کی شخصیت کے عناصر ترکیبی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اکابرین ہند میں سے تھے، ان کے عظیم کارناموں کی وجہ سے انھیں ملک کے قد آور ہی نہیں قابل قدر وقابل صد احترام علماء میں سرفہرست رکھا جاتا ہے۔ ان کی شناخت صرف یہی نہیں ہے کہ وہ عالم اسلام کی عظیم دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کے بانی اور علماء وصلحاء کے جلیل القدر، نانوتوی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں، بلکہ ذاتی علم وکمال کے لحاظ سے بھی وہ خود ایک ایسے بطل جلیل تھے جن کے کارنامے انسانی سماج کو صحیح سمت دکھانے اور دہر میں انقلاب لانے کی ضمانت بنتے ہیں۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مرحوم اور ان کے صالح وباصلاحیت فرزند حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا تعلق اسی قاسمی خانوادے سے ہے، ان دونوں کا شمار ہمیشہ مدرسہ دیوبند اور فکر دیوبند کی نمایاں خدمات انجام دینے والوں میں ہوگا۔ افسوس کہ دارالعلوم دیوبند میں ناخوشگوار حالات اور کشمکش کے بعد جب حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو کبیدہ خاطر ہوکر مجبوراً اس سے الگ ہونا پڑا اور اس کے نتیجے میں جب ۱۹۸۲ میں انھوں نے دارالعلوم وقف کے نام سے سرزمین دیوبند میں ہی ایک نئے مدرسہ کی بنیاد رکھی، تو حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ بھی اس کے سینئر اور ممتاز اساتذہ میں شامل ہوکر اس سے وابستہ ہو گئے اور اس کار خیر میں اپنے والد محترم کے دست راست بن گئے، پھر ایک سال کے بعد والد محترم کے انتقال کے بعد ۱۹۸۳ء میں وہ اس مدرسہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ حضرت مولانا نے اپنے اخلاص، انتھک

کوششوں اور حسن انتظام سے بہت جلد اس ادارے کو بھی ملک کی ایک عظیم تعلیم گاہ میں تبدیل کر دیا، اس طرح خطۂ سہارن پور کی یہ خوش بختی ہے کہ نانوتویؒ وقاسمی خانوادے سے تعلق رکھنے والے علماء کے ہاتھوں، اس کی سرزمین پر قومی و عالمی سطح کے تین بڑے مدارس قائم ہوئے، میری مراد ہے: دارالعلوم دیوبند، دار العلوم وقف دیوبند اور مظاہر علوم سہارن پور، مارچ ۱۹۸۲ء (جو کہ تاریخ دیوبند کا ایک سیاہ باب ہے) میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ اور ان کے فرزند کے ساتھ جو نامناسب برتاؤ روا رکھا گیا، یہ اس کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں، ہمیں تو یہاں بس یہ یاد دلانا مقصود ہے کہ ان ناخوش گوار حالات کا مرحوم حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ کے عزائم پر کبھی کوئی منفی اثر نہیں پڑا اور نہ ہی انھوں نے اس نئے ادارے کو انتقاما کبھی محاذ آرائی کے اڈے کے طور سے استعمال کیا، ان کے اس مثبت رویے میں بھی ہمارے لیے عبرت کا بہت کچھ سامان ہے۔ ان کا ایک مثبت کارنامہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے چند سال قبل مشاورت کے دو گروپوں کو متحد کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا حالاں کہ وہ خود ایک گروپ کے صدر تھے، اور اپنے گروپ کو اصل مشاورت میں ضم کرنے کے بعد اس کی صدارت سے بھی دستبردار ہو گئے۔

حضرت مولانا سالم صاحبؒ اس برگزیدہ خانوادے سے ہیں جہاں صرف معلّمی ہی سو پشت سے پیشہ آباء نہیں رہی بلکہ دعوت و جہاد کا میدان بھی اس کی خدمات سے پوری طرح آشنا ہے، یہاں ایسے مجاہدین کی کمی نہیں جنھوں نے سیف وقلم دونوں سے اللہ کے دین کی خدمت کا فریضہ ادا کیا اور اپنی تعلیمی و دعوتی تدبیروں سے ۱۸۵۷ء کے بعد کے زوال زدہ ماحول میں ملت اسلامیہ ہند کو حالات کے بہاؤ میں بہہ جانے کی بجائے اس کے سامنے مؤمنانہ جرأت وحوصلہ کے ساتھ کھڑے ہونے کا سلیقہ سکھایا۔ اس بے نظیر خانوادے پر نظر ڈالئے تو یہاں آپ کو معلم اسلام ہی نہیں حجۃ الاسلام، متکلم اسلام، حکیم الاسلام اور خطیب الاسلام بھی ملیں گے۔ خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ اپنے بڑوں کی تمام خوبیوں سے بھرپور طریقے سے مزین تھے اور ان خوبیوں کا استعمال انھوں نے تعلیم وتدریس کے میدان کی طرح دعوت واصلاح کے میدان میں بھی یکساں طور سے کیا، انھوں نے صرف ایک استاذ ومنتظم مدرسہ کے طور سے ہی نہیں بلکہ ایک مخلص ملی قائد کی شکل میں بھی زندگی بھر دین وملت کی خدمت کی اور پیرانہ سالی میں بھی اس خدمت سے کبھی پہلو تہی نہیں کی، وہ آخر تک آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر اور برسوں آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے صدر رہے، اس کے علاوہ مرحوم نے بہت سے دینی مدارس اور اداروں کے سرپرست کی حیثیت سے قوم وملت کی گوناگوں خدمات انجام دیں۔

بے شک حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ علمائے دیوبند اور خانوادۂ قاسمی کے سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی تھے اور اس لحاظ سے ان کا انتقال علمائے دیوبند واساتذہ دیوبند کے لیے ایک عہد کا خاتمہ

ہی کہا جائے گا۔ موجودہ وقت میں دیو بند کے زیادہ تر علماء واساتذہ ان کے تلامذہ رہے ہیں، ان کے متوسلین وفیض یافتگان کا حلقہ بہت وسیع ہے، اپنی ملی خدمات کی وجہ سے وہ پورے ملک میں مقبول ومعروف تھے۔ اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ان کی وفات کئی معنوں میں قوم وملت کا بہت بڑا خسارہ ہے، وہ اپنے آپ میں اس طور سے ایک ایسے منفرد عالم دین اور ملی قائد تھے جس نے ہمیشہ دینی تقاضوں کو مسلکی تقاضوں پر ترجیح دی اور ایک ایسے دور میں جب کہ مسلکی چیرہ دستیوں نے شرق سے غرب تک ملت اسلامیہ کے وجود کو زخمی کر رکھا ہے، انھوں نے ہمیشہ اپنی قوم کے سامنے ملی اتحاد کا درس دیا اور اپنی مجالس اور تقریروں میں مسلمانوں کو مسلکی وگروہی تفرقہ بازیوں سے دور رہنے کی مستقل نصیحت کی، انھیں متعدد بار کچھ اس قسم کے الفاظ میں اپنا درد بیان کرتے سنا گیا کہ اس امت کی اصلاح اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اس کے علماء ومبلغین اسلام کی تبلیغ کی بجائے اپنے اپنے مسلک، یا اپنے مشرب یا اپنے ذوق کی تبلیغ کرتے رہیں گے، اور یقیناً اس امت کی کامیابی اب اسی بات میں ہے کہ اس کے مبلغین ومصلحین اسے اپنی اپنی ذات اور اپنے اپنے مسلک کی بجائے صرف اسلام اور اس کے فکر کی طرف بلانا شروع کردیں اور جزوی مسلکی وفقہی اختلافات کو ملی اتحاد کو متاثر کرنے کی اجازت نہ دیں (تصرف کے ساتھ)۔

آج میری نظر میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے لیے ہمارا سب سے بڑا خراج عقیدت یہی ہے کہ یہ امت ان کی اس اصلاحی نکتے کو مستقل طور سے ذہن نشین کرلے اور اس کی موجودہ قیادت انہی کی طرح مخلص، بالغ نظر، روشن خیال، مستقبل آگاہ، وسیع النظر اور اتحاد پسند بن جائے۔ یعنی مسلمانوں کے ہر میر کارواں کا رخت سفر وہی ہو جو حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے پاس تھا تو مسلمانوں کے اجتماعی مسائل کا حل ہونا بہت آسان ہوجائے۔ خدا کرے ہمارا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہو اور ہماری دعا قبول ہو۔

❖ ❖ ❖

خانوادۂ قاسمی کے سچے جانشین

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ

مولانا حذیفہ شکیل قاسمی ❖

کوئی نالاں، کوئی گریاں، کوئی بسمل ہوگیا
اس کے جاتے ہی دگر گوں رنگ محفل ہو گیا

اس عالم رنگ و بو میں نہ جانے کتنے لوگ روز دولت حیات سے ہمکنار ہوتے ہیں اور وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر وقت کی تیز رفتاری کے ساتھ قدم ملانے کی سعی میں مصروف نظر آتے ہیں، ساتھ ہی گردش ایام اور تبدیلی زمانہ کا اثر قبول کرتے ہوئے بالآخر موت کی دبیز چادر اوڑھ کر ابدی نیند سو جاتے ہیں، گزرتا ہوا وقت انہیں دن بہ دن صفحۂ ماضی کے گم گشتہ اوراق کا حصہ بنا دیتا ہے اور گمنامی کی وادیاں ان کا مقدر ہو جایا کرتی ہیں، لیکن کچھ ہستیاں اس عالم تغیر پذیر میں اپنے قابل قدر کارناموں اور گراں قدر خدمات کے ذریعے اپنی یادیں چھوڑ جاتی ہیں، ایسی شخصیتیں نایاب نہ سہی لیکن کم یاب ضرور ہوا کرتی ہیں اور ان کی حیثیت یقینی طور پر نابغۂ روزگار کی ہوا کرتی ہے، ایسی ہی چند شخصیتوں میں ایک نام قاسم النانوتویؒ کی علمی وراثت کے حقیقی جانشین، خانوادۂ قاسمی کے چشم و چراغ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کے فرزند ارجمند خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کا ہے۔

محفل علم وادب کا وہ چراغ سحر جو کئی سال سے ضعف و مرض کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل جاتا تھا، بالآخر ۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء کو ہمیشہ کے لیے بجھ گیا۔

نہ سمجھے تھے کہ اس جان جہاں سے یوں جدا ہوں گے
یہ سنتے گو چلے آئے تھے اک دن جان ہے جانی

علم و عمل، فضل و کمال، ایمان و معرفت، اور زہد و ورع کا وہ مہر تاباں غروب ہو گیا، جس کی ضیاء پاشیوں سے نصف صدی سے زائد عرصہ تک ایک عالم منور ہوتا رہا۔ وہ چشمۂ علم اور منبع تزکیہ و ہدایت خشک ہو گیا، جس سے ایک دنیا سیراب ہوئی۔ وہ گنج گراں مایہ ہم سے جدا ہو گیا جو تا عمر اپنی تحریر و تقریر سے حقائق

❖ شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ

ایمانی و دقائق حدیث، اسرار احسانی اور رموز حکمت ربانی کے موتی لٹاتا رہا، یعنی امام دوراں، معلم زماں، مدرس بے مثال، منتظم باکمال، خطیب الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد سالم قاسمی نور اللہ مرقدہ۔ ہزاروں لاکھوں قلوب کو سوگوار وحزیں چھوڑ کر راہیٔ عالم بقا ہوئے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون**

راہ علم کا یہ مسافر جس کا نام سن کر آج دل میں محبت کی ایک دنیا آباد ہوجاتی ہے، جس کی زندگی کے شب وروز اسلام کی خدمت، دین کی حفاظت اور علم وعرفان کی اشاعت میں گزرے، جس شخص نے اپنی پوری زندگی درس وتدریس کے مقدس پیشے کے لیے وقف کردی تھی اور جس نے اپنے بارش علم سے ایک عالم کو سیراب کردیا ہو اس شخص کی زندگی، ان کی سیرت، ان کی سرگرمیاں، ان کا علمی قد وقامت، ان کا فکری سراپا، ان کی خدمات کے متنوع الجہات دائروں کا احاطہ نہایت ہی جوکھم بھرا کام ہے لیکن بہرحال چند سطور بطور خراج عقیدت پیش کرتا ہوں۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ خلف اکبر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی ولادت ہندوستان کی ریاست اتر پردیش کے ضلع سہارن پور کے مرکز علم وعرفان قصبہ دیوبند کے خانوادۂ معرفت و وجدان یعنی خانوادۂ قاسمی میں ۸/جنوری ۱۹۲۶ء بروز جمعہ کو ہوئی۔ یہ سرزمین وہ ہے جس کے بارے میں مجاہدین اسلام کے ایک گزرتے کارواں کے سرخیل حضرت سید احمد شہیدؒ کی زبان سے اسی سرزمین پر یہ الہامی کلمات نکلے تھے کہ: ''مجھے اس مٹی سے علم کی خوشبو آرہی ہے''۔ حضرت کی نگاہ دوررس کے عوض وجود میں آنے والے اس جملے کی صداقت کا بہت جلد سارا زمانہ معترف ہوا۔

اور وہ خانوادہ جس کا پورے برصغیر کے مسلمانوں پر احسان ہے، گوکہ اس کی نوعیّتوں میں بدلتے وقت کے ساتھ تبدیلیاں ضرور پیش آئیں لیکن اس سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس خانوادے نے ہر عہد میں اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں اور یلغاروں کا دندان شکن جواب دیا ہے، فتنہ خارجی ہو یا داخلی، دونوں کی سرکوبی کے لیے اس کے افراد ہمیشہ کمر بستہ نظر آئے ہیں۔ کبھی عیسائی مبلغین کی جانب سے مسلمانوں کو عیسائیت میں داخل کرنے اور ان کے گلے میں قلادۂ نصرانیت کے ڈالے جانے کے ذریعے وجود میں آنے والی ارتدادی تحریک کا قلع قمع کیا، تو کبھی آریہ سماجی ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں کے سرمایۂ دین وایمان پر حملوں کی مذموم کوششوں کو اپنی وسعت علم ونظر سے ناکام ثابت کیا ہے۔ اسی خاندان کے بزرگ نے شاہ جہاں پور کے میلہ خدا شناسی میں اگر اپنی علمی قابلیت کی وجہ سے پادریوں کو زیر کیا ہے تو ساتھ ہی میرٹھ ورڑکی کے مناظرے سے پنڈٹ دیانند سرسوتی کو میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور بھی کیا ہے۔ بعد کے دنوں میں فتنہ قادیانیت ہو یا اس جیسے دیگر فتنے۔ تمام فتنوں کے سد باب کی ذمہ داری اس خانوادے کے عظیم سپوتوں نے نبھائی ہے اور اپنی وسیع تر فکر کے زیر اثر مسلمانوں کے گم گشتہ اقتدار کی بازیابی

اور عملی سطح پر مسلمانوں میں جاہلانہ ومشرکانہ رسوم وخرافات کے خاتمے کا بیڑہ بھی اٹھایا ہے۔ یہ سطور محض عقیدت ومحبت کی بنیاد پر معرض وجود میں نہیں آرہے ہیں بلکہ تاریخ کے اوراق ان تمام واقعات پر شاہد عدل ہیں۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

لیکن ان تمام کارناموں سے سوا بھی ایک کارنامہ ہے جس کی عظمت کا اعتراف کرنے اور جسے متحدہ ہندوستان پر احسان عظیم ماننے میں کسی کو دورائے نہیں اور وہ قابل قدر کارنامہ ہے سرزمین ہند پر مختلف مدارس کا قیام جن میں خصوصاً مغربی یوپی کے نسبتاً کم معروف قصبہ دیوبند میں دارالعلوم کے قیام کو امتیازی مقام حاصل ہے جو پوری ملت اسلامیہ ہندیہ کے لیے تعلیمی، فکری اور تہذیبی سطح پر نہ صرف مرکز ومحور ثابت ہوا بلکہ یہی مدرسہ بعد میں ازہر ہند کے طور پر مشہور ہوا اور اسلامی دنیا میں دینی وتعلیمی اعتبار سے مرکز انقلاب ثابت ہوا۔ یہ برصغیر ہند کا وہ عظیم علمی مرکز ہے جس سے علوم نبوت کے پھوٹنے والے چشموں نے نہ صرف خزاں رسیدہ چمنستان ہند میں تازگی اور اس کے برگ وبار میں بالیدگی پیدا کی بلکہ اس سے جاری ہونے والی فیض کی لہروں سے دنیا کا چپہ چپہ فیض یاب ہوا، یہاں سے اسلامی علوم کی حفاظت، احیائے سنت، امحائے بدعت اور فرنگی اقتدار وتہذیب کے بڑھتے ہوئے سیلاب بلاخیز کو روکا گیا۔ یہ وہ عظیم دینی درس گاہ ہے جس نے ایسے ایسے فرزندان اسلام اور پرستاران توحید پیدا کئے جنھوں نے بت کدۂ ہند میں ''چراغ مصطفوی'' بن کر ''شرار بولہبی'' کا مقابلہ کیا۔

شخصیتوں کی تعمیر میں والدین کا حصہ سب سے اہم ہوتا ہے۔ بچپن کی پرورش و پرداخت ہی اس بچے کے لیے سمت کا تعین کرتی ہے۔ اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ بچے کی ذہنی تربیت میں ماں کا کردار کلیدی ہوا کرتا ہے۔ اس زاویے اور نقطۂ نظر سے ذرا ہم خطیب الاسلامؒ کی زندگی پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالتے ہیں۔

حضرت والا کے سر پر اگر ایک طرف والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ کا دست شفقت اور سایۂ عاطفت تھا تو وہیں انہیں ایک صالحہ، عابدہ اور باعمل خاتون کی گود بھی حاصل ہوئی، جن کی بہترین تربیت نے اس گل نوخیز کو گلستاں بننے کا موقع فراہم کر دیا۔ آیئے حکیم الاسلامؒ کے ایک اقتباس کا سہارا لیتے ہیں تا کہ بآسانی اس عظیم ماں، باکردار، صالحہ اور نیک سیرت خاتون کی قابل رشک زندگی کو سمجھ سکیں۔ آپ 'جذبات الم' میں اپنے جذبات کو کچھ اس انداز میں تحریری شکل دیتے ہیں:

> ''خود اپنی ذات سے بھی نہایت صالحہ، پابند اوقات اور اپنے معمولات پر مستقیم تھیں۔ میں ان کے معمولات، غبط کی نگاہوں سے دیکھا کرتا تھا اور بسا اوقات ذہن میں یہ تصور بندھ جاتا کے شاید یہی خاتون میرے لیے بھی نجات کا ذریعہ بن جائے۔ مرحومہ کو فرض کی ادائیگی کا حد درجہ اہتمام تھا، گھر کے کیسے ہی اہم کام میں مصروف ہوں، اذان کی آواز سنتے ہی ہر کام سے بیگانہ وار اٹھ کر، اول وقت میں

نماز ادا کیے بغیر مطمئن نہ ہوتی تھیں، ایک ہزار دانے کی تسبیح ان کے سرہانے رہا کرتی تھی، نماز عشاء کے بعد ایک ہزار بار کلمۂ طیبہ اور وقت خواب ادعیۂ ماثورہ پڑھنے کا معمول تھا، جو سفر اور حضر میں جاری رہتا تھا، نماز صبح کے بعد تلاوت قرآن کریم اور حضر میں بغیر کسی شدید اور غیر اختیاری مجبوری کے ناغہ نہیں ہوتا تھا۔ حج کا بھی ایک شغف دل میں تھا، میری معیت میں سات بار حج و زیارت روضۂ اقدس سے مشرف ہوئیں''۔ ''حج و نماز اور اوقات کی پابندی کے ساتھ ان میں ادا زکوٰۃ کا شغف یہ تھا کہ پائی پائی حساب کر کے عموماً ماہ رمضان میں زکاۃ ادا کیا کرتی تھیں، شہر کے عزیزوں میں سے غربا اور بالخصوص بیواؤں کی فہرست ان کے سامنے رہتی تھی۔''(۱)

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے بچپن، لڑکپن، جوانی، کہولت اور بڑھاپے کی تمام منزلیں علم کی اسی مقدس وادی میں طے ہوئیں جسے دیوبند کہا جاتا ہے۔ قدرت نے انھیں ایسے عظیم خانوادہ، لائق و فائق والدین، بہترین اساتذہ، پھر رفقائے کار اور ماحول سے نوازا تھا، جنھوں نے مل کر ان کے علمی و فکری ذوق کی آبیاری کی اور عنفوان شباب سے ہی ان کی تدریسی و تعمیری صلاحیت، فکری تعمق اور گیرائی کے نمونے سامنے آنے لگے۔

ابتدائی تعلیم حضرت نے انفرادی طور پر مختلف اساتذۂ علم و فن سے حاصل کی۔ جون ۲۰۱۵ء کی ایک خصوصی نشست جس میں یہ خاکسار بھی موجود تھا حضرت نے فرمایا کہ: ''میں نے میزان الصرف مکمل حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے پڑھی تھی'' اور پورا واقعہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا۔ اس تذکرے کے بعد' پھر اسی مجلس میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی علیہ الرحمہ نے میزان کی چند سطریں تبرکاً پڑھائیں، الحمدللہ اس طور پر اکتساب فیض کا شرف راقم الحروف کو بھی حاصل رہا۔ اور وہ مبارک سلسلہ جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے جڑا ہوا تھا' میں بھی اس کا ایک حصہ بن سکا۔ حضرت سے ملاقات کا شرف یقیناً میرے لیے سرمایۂ سعادت ہے۔ یہ ملاقات آپ کے دولت کدے پر ہی ہوئی تھی، آپ نے دعاؤں سے نوازتے ہوئے اس ناچیز کے سر پر دست شفقت بھی رکھا تھا۔

حضرت نے ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم کی حصولیابی کے لیے دارالعلوم میں داخلہ لیا اور وقت کے ممتاز علماء اور کبار محدثین سے تعلیم حاصل کی، ۱۹۴۸ء میں سند فضیلت عطا ہوئی۔ آپ کے نمایاں ترین اساتذہ میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ اور حضرت مولانا سید فخر الحسن مرادآبادیؒ وغیرہم کے نام خاصی اہمیت کے حامل ہیں۔

انسان اگر اپنے رفقا اور معاصرین کی معاصرت سے ممتاز ہوتا ہے اور یہ خوبی بھی اگر کسی کے شخصی

(۱) جذبات الم، ص ۶، ۷

کمال اور فضیلت کی دلیل ہوسکتی ہے تو یقیناً یہ حضرت مولانا سالم قاسمیؒ کے شخصی کمال کی دلیل ہے کہ ان کے رفقائے درس میں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ ابن شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ، مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلیؒ ابن مولانا منظور احمد نعمانیؒ اور مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی وغیرہم جیسی بلند پایہ، منفرد زمانہ اور یکتائے روزگار شخصیتوں کے نام ہیں۔

فراغت کے بعد حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ صاحب دارالعلوم میں بحیثیت استاذ بحال ہوئے۔ ترجمہ قرآن کریم اور نور الایضاح سے اپنے مقدس تدریسی سفر کا آغاز کیا، یہ سفر ہدایہ، شرح عقائد سے ہوتے ہوئے مشکوۃ شریف، ابوداؤد شریف اور پھر درس نظامی کی آخری منزل بخاری شریف تک پہونچا۔ گویا رب کائنات کے مقدس کلام سے اس بابرکت سفر کا آغاز ہوا اور محبوب رب کائنات کے فرمودات و ارشادات کے ذریعے خوشگوار انجام کو پہونچا۔ حضرت کی زندگی کا سفر بھی کچھ یوں ہی یعنی احکامات الٰہی کی پاسداری اور فرمودات رسول کی اطاعت گزاری میں طے ہوا۔

علمائے سلف کے نزدیک وقت کی کیا قدر و قیمت تھی اگر کسی کو اس کا صحیح اندازہ کرنا ہوتا تو وہ انضباط وقت کے سلسلے میں حضرت والا کے حساسیت کو دیکھ کر لگا سکتا تھا۔

حضرت جس انہماک و دل سوزی، نشاط و سرگرمی کے ساتھ حدیث کا درس دیا کرتے تھے اس کی صحیح مرقع کشی سے زبان و قلم قاصر ہے۔ حضرت والا کا سینہ عشق رسول کی آتش سوز اس کی آماجگاہ تھا، درس و تدریس اور علم حدیث سے آپ کا والہانہ شغف اور اس کی نکتہ آفرینی میں غیر معمولی انہماک اسی عشق رسولؐ کا طبعی نتیجہ تھا۔ ہزاروں دلوں نے اس حرارت سے اکتساب فیض کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ علم حدیث آپ کے لیے محض ایک علم اور فن کی حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ یہ ان کا ذوق و حال بن گیا تھا اور ان کے جسم و جان اور رگ و ریشے میں کچھ اس طرح رچ بس گیا تھا جیسے پھول میں خوشبو اور ستاروں میں روشنی۔

یا ع

شاخ گل میں جس طرح شبنم کا نم

آج پوری دنیا میں حضرت کے تلامذہ کی اتنی تعداد ہے جس کو شمار میں لانا ایک دشوار گزار عمل ہے بس یہ کہنا مناسب ہوگا کہ۔

اس علم کے شیریں بادل نے قطرے اتنے برسائے
سب نے پیا اور خوب پیا، پیمانے تلک بھر لائے

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی نور اللہ مرقدہ علم و کمال، حکمت و بصیرت، فہم و فراست، اخلاق و عمل،

پاکیزگی وتقدس کی ایک خوبصورت تصویر، مسلک دیوبند کے ترجمان اور ملت کے صالحین کی سیرت وکردار کے ایک شفاف آئینہ تھے۔

جب ہم خطیب الاسلامؒ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ یقیناً وہ ایک عظیم باپ کے باکمال فرزند تھے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ کی بہت سی خصوصیات ان میں درآئی تھیں۔ وہ اپنے والد محترم ہی کی طرح بڑی دلنواز شخصیت کے مالک تھے، وہ علمی کمالات اور ذاتی خوبیوں میں اپنے والد محترم کا عکس جمیل تھے، آپ کی زندگی کے ہر ہر ورق سے 'الولد سر لابیہ' کی حقیقت کا خوب خوب اعتراف ہوتا ہے۔

حضرت کو اللہ نے بے پناہ صلاحیتوں اور خوبیوں سے نوازا تھا، عموما ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ جنھیں قدرت کی طرف سے مختلف کمالات اور خوبیوں سے نوازا جاتا ہے، وہ تمام خوبیاں بیک وقت سامنے نہیں آتی ہیں یا پھر بوجوہ قصداً نہیں لائی جاتی ہیں۔ حضرت والا کی ذات بھی مجمع الکمالات اور مختلف النوعیت صلاحیتوں کا منبع تھی، لیکن درس وتدریس سے والہانہ وابستگی کے سبب کچھ چیزیں ایسی ہیں جنھیں باقاعدگی کے ساتھ توجہ حاصل نہ ہوسکی۔ ان خوبیوں میں سے ایک خوبی شعر وسخن کے لطیف ذوق کی صورت میں آپ کی ذات گرامی میں موجود تھی جو کبھی کبھی ان کے اندر بسنے والے ''ندیم'' نامی شخص کے ذریعے ظاہر ہوتی تھی۔ آپ نے بہت زیادہ شاعری نہیں کی مگر جتنی بھی کی خواہ وہ عمر کے ابتدائی منازل میں ہو یا بعد کے مراحل میں سب کی سب لاجواب اور عمدہ ترین ہے، فکر وخیال میں ندرت بھی ہے اور ساتھ ہی فنی لوازمات کے برتاؤ میں ہنروری، دیدہ ریزی اور بڑی خوش اسلوبی بھی، شعری استعارات وکنایات کو اس خوبی سے استعمال کرتے ہیں کہ پڑھ کر دل جھوم اٹھتا ہے۔ میں نے جتنے اشعار پڑھے ہیں ان میں کلام کی انفرادیت اور بیان وادا کے حسن کو ہر جگہ جلوہ گر پایا ہے۔

آپ کو شعر گوئی کا یہ ملکہ بھی والد ماجد سے ہی وراثت میں ملا تھا جس پر آپ بانداز والد ہی کاربند رہے، یعنی عوامی شاعری سے اجتناب کیا۔

تصنیف وتالیف کے لیے دیگر مصروفیات کی بنا پر آپ کو یکسوئی کم حاصل ہوتی تھی، لیکن اس کے باوجود آپ کے نوک قلم سے بہت سی کارآمد تحریریں وجود میں آئی ہیں جن میں نمایاں طور پر رنگ تحقیق کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔

ایک اور خاص صفت کے متعلق معروف محقق ڈاکٹر اکرم ندوی کچھ اس طرح لکھتے ہیں۔ ''آپ کی ایک اہم خوبی تھی کشادہ دلی وبے تعصبی اور جزئیات وفروعی مسائل میں توسع، اس وصف کم یاب بلکہ نایاب میں آپ ایک شریف بلکہ تہذیب یافتہ صاحب علم وفکر کی طرح سلف صالح کے اسوہ پر قائم تھے، آپ نے

ایک بار آکسفورڈ یونیورسٹی میں دین اور مسلک کے درمیان فرق کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ عام طور سے لوگ مسلک کو دین کا درجہ دیتے ہیں اور دین و مسلک میں کوئی فرق نہیں کرتے۔''

تحریر کے ابتدائی سطور میں جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ حضرت کی خدمات متنوع الجہات دائروں کو محیط ہے۔ آیئے اس جملے کی صداقت کا اندازہ حضرت سے منسلکہ عہدوں اور مناصب سے لگائیں جو یقیناً ان کی علمی عبقریت اور شخصی عظمت کی واضح دلیل ہے۔ آپ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے تاحیات نائب صدر رہے، مجلس مشاورت کے صدر، دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم و سرپرست، مجلس منتظمہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے رکن، مجلس شوری مظاہر علوم وقف سہارنپور کے رکن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر اور اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے سرپرست تھے۔ آپ کی ان خدمات اور دیگر من جملہ خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ملک و بیرون ملک کے مختلف اداروں اور حکومتوں نے متعدد اعزازات و اکرامات سے بھی نوازا۔ مثلاً حکومت مصر کی جانب سے برصغیر کے ممتاز عالم کا نشان امتیاز، جنوبی افریقہ میں امام قاسم نانوتویؒ ایوارڈ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے خلق خدا تجھ کو غائبانہ کیا

اس عنوان کے تحت میں نے آپ کے سانحۂ ارتحال کے موقع پر ملک و بیرون ملک کی مختلف قد آور شخصیات کے تاثرات کو جمع کیا ہے۔ جن میں علمی، مذہبی، سماجی اور سیاسی ہر طبقے کے افراد ہیں۔ چند تاثرات پیش ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب (پاکستان شرعی عدالت کے سابق چیف جسٹس) ''حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کے ذریعہ تعلیم کے تئیں کیے گئے کاموں کی حیثیت سنہرے باب کی ہے، جس سادگی کے ساتھ انہوں نے اپنی زندگی گزاری ایسا کرنے والا اس دور میں شاید ہی کوئی ہو۔ مولانا علم کے وہ سمندر تھے جن کے پاس بیٹھنے والا بھی علم کی خوشبو سے شرابور ہو جاتا تھا، ان کا انتقال اسلامی دنیا کے لیے ایک بڑا جھٹکا ہے۔''

مولانا بدرالدین اجمل قاسمی (یونائٹیڈ ڈیموکریٹک فرنٹ کے قومی صدر و رکن پارلیمنٹ): ''مولانا کی وفات ایک عظیم سانحہ ہے، یقیناً قحط الرجال کے اس دور میں حضرت ہم سب کے لیے شجر سایہ دار کی حیثیت رکھتے تھے۔''

مولانا اسرارالحق قاسمی (معروف عالم دین و رکن پارلیمنٹ): ''مولانا جیسے جلیل القدر عالم دین اور مخلص ترین رہبر کا اٹھ جانا یقیناً مسلمانوں کے اجتماعی نقصان کا سبب ہے، مرحوم اعلی علمی صلاحیتوں کے

علاوہ بے شمار اخلاقی و علمی خوبیوں سے لیس تھے جن سے طالب علمی کے زمانے سے عملی زندگی میں قدم رکھنے تک مسلسل استفادہ واستفاضہ کا سلسلہ قائم رہا۔''

مولانا حکیم عبداللہ مغیثی (آل انڈیا ملی کونسل کے صدر): ''مولانا ایک تاریخ ساز شخصیت اور علم و عمل کا عظیم سنگم تھے، ملت اسلامیہ کے عظیم قائداور رہبر تھے، ان کی وفات ایک عظیم علمی وملی خسارہ ہے جس کی تلافی مشکل ہے۔''

مولانا سید احمد بخاری قاسمی (تنظیم علمائے ہند کشمیر کے صدر، مدرسہ عربیہ شمس الہدی سری نگر کے مہتمم): ''حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ صرف ایک باکمال شخص ہی نہیں بلکہ ایسی شخصیت تھے جن کے مواعظ حسنہ سے لوگ مستفیذ ہوتے رہے ہیں، وہ سلسلہ قاسمی کے عظیم سپوت، علوم اسلامی کے شارح و ترجمان اور نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر میں دارالعلوم کی ایک شناخت و پہچان اور دیوبندی مکتب فکر کی علامت تھے۔''

ڈاکٹر منظور عالم (آل انڈیا ملی کونسل کے جنرل سکریٹری): ''کچھ شخصیتیں اس مقام و مرتبے کی ہوتی ہیں کہ ان کے جانے سے پوری ملت کو یتیمی اور بے یاری کا احساس ہوتا ہے۔ حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ بھی انہیں عظیم شخصیات میں سے تھے۔ قحط الرجال کے اس دور میں آپ کی شخصیت ہر ادارے اور ہر تنظیم کے لیے شجر سایہ دار کی حیثیت رکھتی تھی، جس کی چھاؤں میں ہر شخص اطمینان وسکون محسوس کرتا تھا۔ افسوس! آج ہم سب اس سایے سے محروم ہو گئے۔''

سشما سوراج (وزیر خارجہ): ''تعلیم کے تئیں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا جنون حد تک تھا اور انہوں نے بیرون ممالک میں تعلیم کے نمائندے کی حیثیت سے ملک کا وقار بلند کیا ہے جو ایک مثال ہے۔''

راہل گاندھی (کانگریس کے قومی صدر، سینئر لیڈر): ''حضرت مولانا سالم قاسمیؒ نے اپنے علم سے دنیا کو روشن کیا اور اپنی سادگی سے ہر کسی کے دل کو چھو لینا ان کا سب سے بڑا فن رہا ہے۔''

ملائم سنگھ یادو (سماج وادی پارٹی کے رہنما): ''حضرت مولانا سالم قاسمیؒ نے اپنے لیے کبھی کچھ نہیں مانگا، وہ علم کے بے تاج بادشاہ تھے، جن کی کمی برسوں تک محسوس کی جاتی رہے گی۔''

حضرت والا کی علمی قابلیت، فکری وسعت، سوچ کی گہرائی و گیرائی اور گراں قدر خدمات کے احاطے کے لیے جہاں صفحات درکار ہیں، وہیں یہ موضوع وقت طویل کا بھی متقاضی ہے جو فی الحال میسر نہیں، حضرت کی زندگی کئی اہم اور روشن جہات پر محیط ہے، جن پر سیر حاصل تحریر معرض وجود میں آسکتی ہے اور آنی بھی چاہیے۔

بلا شبہ حضرت اقدس کا سانحۂ ارتحال اس دور کا ایک عظیم ترین حادثہ ہے۔ آپ کی ذات درحقیقت بڑی جامع الکمالات، متنوع الصفات اور شریعت وطریقت کا مجمع البحرین تھی۔ وہ اپنے اکابر ومشائخ کی طویل روحانی روایات اور علمی نسبتوں کے حامل وامین تھے۔ ان کی دکان سے علم ومعرفت کا سودا بکا کرتا تھا۔ ہزاروں تشنگان علم نے ان کے منبع فضل وکمال سے اپنی علمی تشنگی فرو کی۔ لاکھوں گم گشتگان راہ نے اس قندیل فروزاں سے منزل حقیقی کا پتہ پایا۔ حضرت کا فیضان ایشیاء ویورپ اور مشرق ومغرب کی جغرافیائی حدود سے بلند ہوکر عالمگیریت اختیار کرگیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت کے عدیم النظیر کمالات اور نادر صفات کا احاطہ واستقصاء کرنا ایک مضمون میں ناممکن ہے، اس کے لیے ضخیم دفاتر بھی اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کرتے نظر آئیں گے۔

خلاصہ یہ کہ موجودہ عہد میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ فکر قاسمی کے سب سے بڑے ترجمان، علوم نانوتویؒ کے رمز شناس، علمائے سلف کی صالح روایتوں کے امین اور اس دور انحطاط میں اسلامی اقدار و تہذیب کے بہترین علمبردار تھے۔ آپ نے جو گراں قدر علمی کارہائے نمایاں انجام دیئے اس کی نظیر خال خال ہی نظر آتی ہے۔ بلا شبہ گنبد افلاک آپ کے گونا گوں وہمہ جہت کارناموں سے رہتی دنیا تک گونجتا رہے گا۔ حضرت کی زندگی اور ان کے کارناموں سے نئی نسل کو جو مثبت اور تعمیری پیغام ملتا ہے، وہ قابل رشک ہونے کے ساتھ ساتھ لائق عمل بھی ہے۔

اس کا انداز نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محرم نہیں پیران طریق

❖ ❖ ❖

علم وعمل کا بحر بیکراں

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ

مولانا محمد ناصر سعید اکرمی ❖

آئے دن کوئی نہ کوئی دنیا سے رخصت ہوتا ہے اس میں مرد بھی ہوتے ہیں، عورتیں بھی، بچے بھی ہوتے ہیں جوان بھی، عامی بھی ہوتے ہیں اور عالم بھی، دنیا میں جو بھی آئے گا وہ ایک نہ ایک دن یہاں سے چلا بھی جائے گا۔ کسی کے لیے بھی یہاں ہمیشہ رہنا نہیں ہے سب کو فنا ہونا ہے، باقی رہنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے (**كل شئ هالك الّا وجهه**) یعنی ہر چیز ختم ہوگی سوائے اللہ کی ذات کے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے امت کو دنیا میں رہنے کے لیے یہ سبق دیا ہے کہ "**كن في الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل**" یعنی دنیا میں تم اس طرح رہو جیسا کہ ایک اجنبی آدمی رہتا ہے یا راستہ عبور کرنے والا۔ ایک اجنبی آدمی کسی جگہ جاتا ہے تو کس طرح رہتا ہے وہی آدمی اپنے وطن میں رہتا ہے تو کس انداز سے رہتا ہے دونوں میں بہت فرق ہے، تو حدیث پاک کے الفاظ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انسان کا اصل وطن آخرت ہے نہ کہ دنیا، دنیا میں کچھ وقت رہتا ہے جو عمر اللہ کے پاس سے لے کر آیا ہے اتنی ہی عمر اس دنیا میں رہتا ہے

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

دنیا میں بڑے بڑے لوگ آئے اور اپنا علم وہنر اور دم خم دکھا کر چلے گئے آج وہ منوں مٹی میں دب کر رہ گئے ہیں۔ خواجہ مجذوب نے کہا ہے:

قیصر اور سکندر و جم چل بسے
ژال و سہراب اور رستم چل بسے
کیسے کیسے شیر و ضیغم چل بسے
سب دکھا کر اپنا دم خم چل بسے

(**كل نفس ذائقة الموت**) ہر آنے والے کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ موت سے کسی کو مفر

❖ مدیر ماہنامہ "نقوش طیبات" بھٹکل

نہیں آدمی سب کا انکار کرسکتا ہے لیکن موت کا نہیں کرسکتا، اللہ تک کا انکار کرنے والے ملحد وزندیق قسم کے لوگ بھی دنیا میں آئے اور ختم ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لیے موت کا ایک وقت مقرر کیا ہے۔ موت اسی وقت آکر رہے گی **یدرکم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ** قیمتی سے قیمتی انسان بھی اس فانی دنیا کو رخصت کر کے چلا جاتا ہے، انہی قیمتی انسانوں میں سے حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ تھے جنھوں نے ۲۳/رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء اس فانی دنیا کو الوداع کہا، اور راہی جنت ہوگئے **انّا للہِ وَانّا اِلَیہ راجعون**، انتقال کے وقت آپ کی عمر ۹۴ سال کی تھی۔ بچپن ہی سے آپ ذہین وفطین تھے، زمانہ طالب علمی میں بڑے شوق وذوق سے علم حاصل کیا، اسی طرح آپ اپنے اساتذہ اور اکابر سے بڑے ہی ادب سے پیش آتے تھے۔

مولانا مرحوم حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے فرزند اکبر تھے۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پر پوتے تھے، اور علم وعمل، ورع وتقوی میں ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' کے مصداق تھے شکل وشباہت میں بھی اپنے والد ماجد کی طرح تھے۔ مرحوم کے وفات کی خبر ملتے ہی لوگ جوق در جوق آستانہ قاسمیہ میں جمع ہونے لگے اور اپنے محبوب شیخ اور عالم دین کا آخری دیدار کرنے لگے۔ رات دس بجے نماز جنازہ مرحوم کے بڑے فرزند حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی (مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند) نے ایک سواد اعظم کی موجودگی میں ادا کی۔ اور ہزاروں سوگواروں نے نمناک آنکھوں کے ساتھ قبرستان قاسمی میں جہاں کہ قیمتی جانیں مدفون ہیں، سپرد خاک کئے گئے۔

آپ کی پیدائش ۲۲/جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۲۶ء کو دیوبند میں ہوئی۔ بچپن ہی سے ہونہار تھے، والد ماجد صاحب کی زیرنگرانی تربیت پائی، تعلیم کا آغاز ۱۳۵۱ھ سے ہوا، ناظرہ قرآن کے بعد حفظ کی تکمیل کی، بعدہٗ دیوبند میں فارسی کی تعلیم حاصل کی، مرحوم سالم صاحب کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ حضرت تھانویؒ کے آخری شاگرد تھے آپ کو حضرت سے ابتدائی کتاب میزان الصرف اسباق پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔

مرحوم کو ایسے اساتذہ سے جن کا شمار اساطین علم میں ہوتا ہے، کسب فیض کا موقع ملا اس وقت کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت مولانا ابراھیم بلیاوی، حضرت مولانا فخر الحسن رحمہم اللہ وغیرہ تھے جو اپنے علم وفن میں ید طولیٰ رکھتے تھے، آپ تعلیم کی فراغت کے بعد اپنی مادر علمی ہی میں درس وتدریس میں مشغول ہوئے، چناں چہ آپ کو درس نظامی کی جملہ کتابیں پڑھانے کا موقع ملا، پڑھنا پڑھانا ہی آپ نے اپنا مستقل مشغلہ بنالیا، علم

کے اتھاہ سمندر میں آپ غوطہ زن ہو گئے اور علم کے موتیوں سے اپنے دامن کو ایسا بھر دیا کہ دنیا والوں نے اس کو دیکھ لیا، اس دنیا میں چند ہی ایسے خوش قسمت ہوتے ہیں جو فنا فی العلم ہو کر خود علم کا بحرِ بیکراں بن جاتے ہیں اس بحر ناپیدا کنار کی تہہ میں اترنے والے غواص بیش قیمت موتیوں سے اپنے دامن کو بھر کر ایک عالم کو مرعوب و متأثر کرتے ہیں۔

اسی کشمکش میں گزریں پھر زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

چناں چہ آپ کی رحلت سارے ہی علمی حلقوں کا بہت بڑا نقصان ہے لیکن اس سے سب سے بڑا نقصان دینی مدارس کا ہے

و ما کان قیس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم قد تهدما

قیس کا مرنا ایک آدمی کا مرنا نہیں ہے بلکہ ایک پوری قوم کی عمارت منہدم ہوگئی ہے۔

مرحوم حضرت مولانا سالم صاحب رسوخ فی العلم کے ساتھ خلوص وللہیت کے مجسم پیکر تھے، صدق وصفا، جود وسخا جیسے صفات سے متصف تھے۔ آپ جس خاندان کے چشم و چراغ تھے اس خانوادے کو فیاض ازل نے ایسی ہی صفات حمیدہ کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا، جن کے نقوش و احسانات کا صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ ایک عالم مرہون منت ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے آپ پڑپوتے تھے، جنھوں نے دیوبند کے عظیم مدرسے کی بنیاد ڈالی، وہ مدرسہ اس وقت سے آج تک لوگوں کو علم وعمل سے سیراب کر رہا ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک سیراب کرتا رہے گا۔ اس مدرسہ کے علماء وفضلاء آسمانِ دنیا میں روشن ستارے بن کر ابھرے اور چمکے۔ صرف حضرت تھانویؒ ہی کو لیجیے، کیا دیا آپ نے دنیا والوں کو یہ روز روشن کی طرح دنیا والوں کے سامنے ہے۔ سرزمین نانوتہ سے اور بھی ہستیاں وجود میں آئی ہیں، مولانا یعقوب نانوتوی، مولانا مظہر، مولانا مملوک علی رحمہم اللہ وغیرہ یہ سب شہر نانوتہ کے درّ نایاب تھے۔ خود مرحوم کے والد بزرگوار حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ جن کی علمی دنیا میں طوطی بولتی تھی، آج بھی ان کی تقاریر کی آواز کانوں میں گونجتی اور رس گھولتی ہیں۔ وہ حلاوت و مٹھاس آج بھی لوگ محسوس کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی قبروں کو نور سے بھر دے اور نیک اعمال کا اپنے شایان شان بدلہ دے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی جاری رکھا۔ چناں چہ کئی تصانیف اور علمی مقالے اپنے پیچھے بطور یادگار چھوڑے ہیں جن سے قیامت تک لوگ استفادہ کرتے رہیں گے، ان شاء اللہ۔ مرحوم کو دنیا والوں نے کئی اعزازات اور ایوارڈ سے نوازا

ہے، مصر کی حکومت نے آپ کو برصغیر کے ممتاز عالم کے نشانِ امتیاز سے نوازا، مولانا قاسم نانوتویؒ ایوارڈ، مولانا شاہ ولی اللہؒ ایوارڈ وغیرہ وغیرہ، اسی طرح آپ شروع ہی سے مسلم پرسنل لاء بورڈ کے مجلس رکن تھے پھر تا حیات اس بورڈ کے نائب صدر کی حیثیت سے رہے دار العلوم ندوۃ العلماء کے رکن شوریٰ کے علاوہ مظاہر علوم وقف سہارنپور کے رکن اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کے رکن، اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کے سرپرست جیسے اہم عہدوں پر فائز رہ کر اپنی خدمات انجام دی ہیں۔

مولانا مرحوم اپنے بزرگوار والدِ محترم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کے ہمراہ ۱۹۵۲ء میں بھٹکل تشریف لائے تھے، اس وقت راقم خود بھی دنیا میں موجود نہیں تھا۔ البتہ لوگوں سے سنا کہ اس وقت حضرت مولانا محمد سالم صاحب مرحوم بہت چھوٹے تھے، رخساروں پر سبزا ابھی ظاہر نہیں ہوا تھا۔ دوسری مرتبہ حضرت مرحوم کا بھٹکل کا سفر ۲۰۰۱ء میں انجمن پلاٹینم جوبلی کے موقع پر ہوا تھا اس وقت خصوصیت کے ساتھ آپ کو دعوت دی گئی تھی اور اس موقع پر آپ نے تعلیم کے موضوع پر مدلل و مفصل تقریر کی تھی۔

راقم الحروف کو مولانا مرحوم کے والد ماجد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی شخصیت نے بہت متأثر کیا تھا۔ آپ کے ورع وتقویٰ کے علاوہ آپ کی علمیت، انداز خطابت اسلوب بیاں سے بہت ہی زیادہ متأثر تھا، ساتھ ہی ساتھ آپ کا رکھ رکھاؤ، وضع قطع ہر چیز میں ایک عالمانہ شان موجود تھی۔ وہ وقت آج بھی احقر کے ذہن کے دریچوں میں محفوظ ہے جس وقت حضرت قاری صاحبؒ نے اجازت حدیث صحاح ستہ، مؤطاً طحاوی و دیگر کتب احادیث کی عملی طور پر اجازت دی تھی، اور حدیث مسلسلات اور دو حدیثیں حدیث المصافحہ بروایت حضرت انس، اور حدیث الاسودین (پانی، کھجور) کو عملی طور پر اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ اس طرح آپ نے اپنی تینوں سندوں کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ **اللھم ارحمه اللھم اغفر له.**

یہ غالباً ۷۶، ۱۹۷۵ء کی بات ہے اس وقت جامعہ کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد اقبال ملاّ ندوی، حضرت مولانا محمد صادق اکرمی ندوی دامت فیوضھما کے علاوہ آخری درجہ کے ہم تینوں طلبہ (راقم الحروف، مولانا عبد العظیم قاضی ندوی، مولانا مفتی حفظ الرحمن قاسمی) موجود تھے اس وقت ہم تینوں درجہ ششم عربی میں زیر تعلیم تھے۔ اسی طرح مولانا مرحوم ۹۶ء ماہ جولائی رابطہ ایوارڈ کے جلسے میں بھٹکل تشریف لائے تھے، ۲۰۰۹ء میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے جلسے میں بھی آپ کی تشریف آوری ہوئی تھی، آخر میں جامعہ اسلامیہ کے پچاس سالہ جلسے میں ۲۰۱۲ء میں آپ کا بھٹکل آنا ہوا تھا۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی مرتبہ مختلف مناسبتوں سے آپ بھٹکل تشریف لاتے رہے اور اہل بھٹکل آپ کے خطابات سے اور مواعظِ حسنہ سے مستفید ہوتے رہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اس کا شایان شان اجر عطا کرے۔

ادھر مسلسل کئی ماہ سے اچھے اور قابل لوگ دنیا سے رخصت ہوتے جارہے ہیں، ان میں مفسر بھی ہیں، محدث بھی، فقیہ بھی ہیں، اور ماہر تعلیم بھی، بظاہر ان کا خلا پر ہوتا نظر نہیں آتا، اللہ کے نبی ﷺ نے اس کو قیامت کی علامتوں میں سے بتایا ہے، آپ نے فرمایا (**یقبض العلم بقض العلماء**) قرب قیامت میں علم اٹھا لیا جائے گا، جید علماء کا اس طرح ایک ایک کر کے اٹھ جانا قرب قیامت کی علامتوں میں سے ہے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ اپنی قابل رشک زندگی کی ۹۴ بہاریں دیکھ کر اللہ کو پیارے ہو گئے، یقیناً وہ اپنے اسلاف و اکابر کی پاک روحوں میں شامل ہو گئے ہوں گے، اللہ تعالی مرحوم کی زندگی میں کیے ہوئے تمام مساعیٔ جمیلہ کو شرف قبولیت بخشے اور ان کے لگائے درخت دار العلوم وقف کو تادیر سرسبز وشاداب رکھے، اسی طرح مرحوم کے جد امجد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا لگایا ہوا درخت دار العلوم دیوبند جس کے مہتمم خود مرحوم کے والد بزرگوار حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ تھے، جنھوں نے ساٹھ سال کی طویل مدت تک ادارہ کا اہتمام سنبھالا، اور اس کو ترقی کے بام عروج تک پہنچایا، پوری دنیا میں اس ادارہ کو مشہور کیا، اللہ تعالی مرحوم قاری صاحبؒ کے اس عمل کو قبول فرمائے، اور جنت الفردوس میں ان کے بلند درجات کا سبب بنائے۔ اسی طرح اللہ تعالی تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے اور ان سب کا نعم البدل امت کو نصیب فرمائے۔

❖ ❖ ❖

میرے شیخ میرے مربی

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ

مولانا محمد شاہد قاسمی ❖

دار العلوم دیوبند نے ہر دور میں بڑے بڑے قیمتی لعل وگوہر انسان پیدا کئے جن کی علمی دینی خدمات کی پورے عالم اسلام پر چھاپ رہی ہے، وہ جہاں بھی گئے اپنے اخلاص وللّٰہیت، خدمت دین اور جوش عمل سے چھا گئے ان ہی درخشندہ ستاروں اور لائق ترین سپوتوں میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذات گرامی بھی ہے۔

خطیب الاسلامؒ کے علم وعمل زہد وتقویٰ اور تدبر وتفکر جیسے بے شمار پہلوؤں کے جامع شخصیات کی خدمات پر قلم اٹھانا جس عظیم تاریخی اور نفسیاتی بنیادوں کا متقاضی ہے کہ احقر جیسے ادنیٰ طالب علم کے لیے اس کا تصور ہی عزم وہمت کی راہ میں سد سکندری بن جاتا ہے، لیکن مقولہ معروف **"مالا یدرك كله لا یترك كله"** کے پیش نظر انگلی کٹا کر شہیدوں کی فہرست میں نام شمار کرنے کے لیے کچھ معروضات پیش خدمت ہیں۔

شجرۂ خاندان

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم النانوتویؒ (بانی دار العلوم دیوبند) کے پڑپوتے اور فخر الاسلام حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے نبیرہ سعید اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (مہتمم دار العلوم دیوبند، بانی وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ) کے خلف الرشید وفرزند ارجمند تھے، آپ کا سلسلہ نسب ۴۸/ واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے۔

ولادت

آپ کی ولادت ۲۲/ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ بمطابق ۸/ جنوری ۱۹۲۶ء بروز جمعہ بوقت فجر آستانہ

❖ خادم خاص خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ

قاسمی دیو بند میں ہوئی۔ حضرت خطیب الاسلامؒ نے اس گہوارہ علم و آگہی میں آنکھیں کھولیں جو وقت کا عظیم خانوادہ مسلک حق کا داعی اور دینی وملی قیادت کا سپہ سالار اعظم تھا، حجۃ الاسلامؒ کے علمی وروحانی ضیا پاشیوں سے بقعہ نور بنکر جگمگانے والا آستانہ، فخر الاسلام حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کی تعمیری وتنظیمی صلاحیتوں کے خطہ قدس اور حضرت حکیم الاسلام کے گہوارہ علم وعمل کے آستانے میں آپ کی ولادت و پرورش ہوئی اور تربیت کے پاکیزہ مراحل کو پہنچی، قوت گویائی اور آغاز کلمات حق کی پرتاثیر سے ہوئی، آستانۂ قاسمی کیا تھا! گویا اکابر کا مرکز تحریک، مسئلہ دعوت وارشاد علم کلام، علم ہیئت، تفسیر وحدیث، معانی وبیان، اور حقائق کے ادراک کی شبانہ جد و جہد یہ آستانۂ قاسمی ہے جہاں خطیب الاسلامؒ نے اپنی طفولیت کے مراحل طے کئے۔

رسم بسم اللہ

۱۳۵۱ھ میں درویش صفت اویس وقت حضرت مولانا محمد اصغر میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی نے بسم اللہ پڑھا کر ''رب یسر ولا تعسر'' پڑھاتے ہوئے الف، ب، کا سبق دیا، جس تقریب میں دار العلوم کے اس وقت کے تمام اکابرؒ خاص طور پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ جامع المعقول والمنقول علامہ مولانا ابراہیم بلیاویؒ شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ اور کبار علماء واساتذہ جمع وشریک دعاء تھے، اس بابرکت آغاز نے یہ سند دیدی تھی کہ حق تعالیٰ جل مجدہ اس لڑکے سے علم دین کی ایسی خدمات لے گا جو تاریخ کے صفحات کا حصہ بنیں گی اور اس کا علمی فیض دیر تک دنیا کو روشناس کرے گا۔

آغاز حفظ

۱۳۵۳ھ میں حضرت پیر جی گنگوہی رحمۃ اللہ کے پاس حفظ شروع کیا اور اس کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی صاحبؒ جو اس وقت دار العلوم کے نائب مہتمم تھے ان کے پاس حفظ کی تکمیل فرمائی، اس کے بعد فارسی خانہ دار العلوم میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کی۔

۶۰-۱۳۵۹ھ میں حضرت مولانا محمد سلیم صاحبؒ (کاندھلوی) ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ نے دہلی کے فردوس منزل میں ندوۃ المصنفین کے قریب کے ایک دوسری کوٹھی پر مدرسہ صولتیہ کا دفتر قائم کیا تھا، جس میں خطیب الاسلامؒ کو باجازت حکیم الاسلامؒ بغرض تعلیم عربی اپنے پاس بلالیا تھا، تقریباً ایک ڈیڑھ سال تک مولانا محمد سلیم صاحبؒ کے ساتھ قیام رہا، اس دوران تقریباً روزانہ ہی ندوۃ المصنفین مین مفکر ملت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ کے یہاں بھی حاضر ہوتے رہے اور علم وعمل سے فیض یاب ہوتے رہے۔

حکیم الامت کی شاگردی

۱۳۶۲ھ میں حضرت حکیم الاسلامؒ نے درس نظامی کی پہلی کتاب ''میزان الصرف'' کے آغاز کے لیے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے پاس مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ہمراہ تھانہ بھون بھیجا، اس وقت حکیم الاسلامؒ نے ایک رقعہ لکھا، کہ حضرت میں خود ہی حاضر ہوتا لیکن بکار مدرسہ مدراس جا رہا ہوں، حکیم الامتؒ نے مدراس پر لائن کھینچ کر جواب میں فرمایا، یا اللہ یہ مد، راس لائے اور حکیم الامت نے مفتی صاحبؒ سے فرمایا آپ اپنے کھانے کا انتظام باہر کرلیں، یہ لڑکا میرا مہمان رہیگا، حضرت خطیب الاسلامؒ کے ہمراہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے بیٹے محمد ذکی صاحبؒ بھی میزان پڑھنے کے لیے حضرت خطیب الاسلامؒ کے ساتھ گئے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم دونوں بچے تھے نماز میں شرارت طفلانہ کرتے رہتے تھے، جس سے نمازیوں کو پریشانی ہوتی تھی، وہاں کے اساتذہ ہماری تنبیہ کیا کرتے تھے، ایک دن حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا آپ لوگوں کو تربیت کرنے نہیں آتی ہے، ایک کو پکڑا اور صف کے دوسرے کنارے پر کھڑا کردیا اور فرمایا کہ تربیت اس طرح ہوا کرتی ہے، الغرض ۱۵/۱۶ر دنوں تک تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامتؒ کے یہاں قیام رہا، جس میں ایک دن حضرت کے بڑے گھر پر کھانا ہوتا تھا اور دوسرے دن حضرتؒ کے چھوٹے گھر پر کھانا ہوتا تھا اس طرح سے حضرت حکیم الامتؒ سے روحانی اور علمی فیض حاصل کرتے ہوئے میزان الصرف کی تکمیل فرمائی، اس کے بعد دار العلوم میں منشعب کی تکمیل کی، رفتہ رفتہ وقت گذرتا گیا اور دار العلوم کے اساتذہ سے علمی، روحانی فیض حاصل کرتے ہوئے، ۱۳۶۸ھ بمطابق ۴۸ر۱۹۴۷ء میں دار العلوم سے دورہ حدیث شریف کی تکمیل کی۔

نکاح

۱۹۴۷ء میں ہی حضرت کا نکاح دیوبند کے مشہور و با اثر پیش کار محمد اختر عثمانی کی صاحبزادی ''امت الاکرم'' صاحبہ سے ماہ مارچ میں ہوا اور رخصتی ماہ دسمبر ۱۹۴۷ء میں ہوئی۔

تدریس

دار العلوم سے فراغت کے فوراً بعد دار العلوم میں عربی درجات میں اعزازی طور پر تدریسی خدمات انجام دینی شروع کی، جس میں سب سے پہلے ''نور الایضاح'' کا آپ نے درس دیا، ایک دو سال بعد ہی دار العلوم میں مستقل مدرس متعین ہوگئے، اس وقت سے ۱۹۸۲ء تک بلا انقطاع دار العلوم میں تدریسی

خدمات انجام دیتے رہے، جس میں تقریباً تمام ہی کتابیں درس نظامی کی آپ کو پڑھانے کا موقع ملا جس میں شرح عقائد، اور ابوداؤد شریف مدتِ مدید تک آپ کے زیر درس رہی۔

درس تدریس سے وابستگی تاحیات تقریباً ۷۰ سال تک برقرار رہی آپ کی تدریس میں معنوی طور پر قاسمی علم کلام کے پرداز پر نکات آفرینی کے ساتھ مشکل مسائل کے مباحث کو آسان اور سہل پیرائے سے مخاطب کو سمجھا دیتے، اگر مخاطب کا ذہن کتاب سے منحرف ہوا تو اس کے لیے درس مباحث کو سمجھنا مشکل ہو جاتا تھا۔

حضرت خطیب الاسلام کا علمی امتیاز

آپ کو تحریر و مطالعہ کی وہ عادت وقیعہ تھی کہ جس میں بیماری و صحت، سفر و حضر، خوشی و غم، کثرت کار، ہجوم افکار، خلوت و جلوت، میں سے کوئی بھی چیز مانع مطالعہ نہیں بنتی تھی، آپ کی مجالس بڑی جامع اور پرمغز ہوا کرتی تھی، بعد عصر آستانۂ قاسمی پر علماء اور طلباء کا ایک جم غفیر رہتا تھا، دارالعلوم کے بڑے بڑے اساتذہ اس مجلس علم و عمل میں شریک ہو کر اس سرچشمہ علم و منبع حکمت سے اپنی تشنگی بجھایا کرتے اور پژمردہ دلوں کو تازگی بخشتے تھے۔

خطابت

اسی طرح آپؒ کی خطابت، علمی بصیرت، حکیمانہ نکتہ سنجی اور درس عبرت سے لبریز ہوتی تھی، گویا کہ علم کا سمندر ہے جو اپنے اندر سے علوم و معارف کا خزینہ بہائے جارہا ہے، ان کی خطابت علوم عقلیہ اور نقلیہ کا شاہکار ہوا کرتی تھی، بعض اوقات اہل علم و فن اور دانشوران وقت بھی حضرت کی علمی تقریر کو سمجھنے سے قاصر ہوتے تھے، چشم دید گواہ ہوں کہ ایک مرتبہ کانپور شہر میں سیرت پر حضرت کی تقریر ہورہی تھی عوام الناس کا ایک جم غفیر تھا، جو یکا یک شور و شغب کرنے لگا کہ حضرت بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے کچھ نازل ہو کر اور سہل انداز میں بیان فرمائیں، حضرت نے کچھ سہل انداز میں بیان فرمایا، پھر دوسری مرتبہ سامعین کھڑے ہو گئے حضرت کچھ اور سہل انداز میں بیان کریں، اس پر حضرت نے فرمایا اس سے نیچے میں نہیں اتر سکتا اور یہی معاملہ متعدد جگہوں پر پیش آیا اسی طرح تقریباً حضرت کی تحریر کا معاملہ بھی تھا کہ اچھے اچھے لوگ اس تحریر کو سمجھ نہیں پاتے تھے، اس قدر بلیغ و فصیح جملے تحریر فرماتے تھے کہ اہل علم بھی بسا اوقات اس تحریر کو دیکھ کر حضرت کے علوم و معارف کی خصوصیت بیان کر کے خاموش رہ جاتے تھے، تحریر و تقریر دونوں ہی حیرت ناک ذہانت وذکاوت کے ساتھ پر تاثیر ہوتی تھی کہ تمام حق پسند افراد کے عقائد اعمال طاعت وعبادات معاملات وتعلقات معاشرت ومعیشت میں ذوق دینی راسخ ہو جاتا تھا۔

حضرت خطیب الاسلامؒ عالمی شخصیت

حضرت خطیب الاسلامؒ کی شخصیت عالمی پیمانے پر معظم ومحترم تھی، لیکن حضرت والا کی یہ مقبولیت عامہ کی بنیاد محض وقیع علمی صلاحیت پر ہی نہیں تھی بلکہ ان کی مقبولیت درحقیقت حضرت والا کا وہ تقویٰ تھا کہ جو تمام بیرونی اثرات سے مامون ومحفوظ تھا، جس نے حضرت والا میں پاکیزگی کردار کے ساتھ بے خوفی اور ہر قسم کے طمع سے بالاتر ہوکر دلجمعی کو ایک پہنچان بنادیا تھا اور آپ کی دینی قیادت ورہنمائی پر پاکیزگی نیت ایسا قابل حجت بنی ہوتی تھی کہ حق وصداقت سے بڑی سے بڑی طاقت وقوت ہٹا نہیں سکتی تھی، انسانیت نوازی رحم دلی اور مردم سازی بے مثال تھی، ان کا دل ودماغ قلب وجگر، اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، اعمال وافعال، عبادت وریاضت اور اخلاق وکردار سنت نبوی کا آئینہ دار تھا وہ اولیائے کاملین وصادقین میں تھے، صوم وصلاۃ کی پابندی کا یہ حال کہ میں نے ۲۸؍سالہ زندگی میں علالت کے زمانے کے علاوہ کوئی نماز قضا پڑھتے ہوئے نہیں دیکھی اور علالت کا زمانہ بھی ایسا کہ جس وقت نہ اٹھا جارہا تھا نہ چلا جارہا تھا بلکہ دن میں دو دو خادم مل کر وضو وغیرہ کرایا کرتے تھے، ان دنوں میں بھی فجر کے وقت مقررہ وقت پر اٹھ کر قضائے حاجت سے فارغ ہوکر خود سے وضو کرکے سنت پڑھنے کے بعد خادم کو آواز دیتے تھے تاکہ خادم کو زیادہ زحمت نہ ہو اور وہ نیند پوری کرلے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ خوبصورت اور خوش سیرت بااخلاق بامروت اور وضع دار ہونے کے ساتھ ساتھ سفر وحضر میں بہت شفیق ونرم اور مہربان تھے میرے لیے تو والد کی حیثیت رکھتے تھے، زندگی کے ہر دائرے میں نرمی وشفقت رکھتے تھے، نرم اتنے کہ ایک ادنیٰ سے ادنی آدمی اپنی بات حضرت سے منوالیا کرتا تھا، گویا وہ اپنے اور غیروں کے ساتھ **"تعاشروا کالاخوان وتعاملوا کالاجانب"** کے جیتے جاگتے نمونہ تھے، لیکن دین وشریعت اور اصول وضوابط میں اگر کوتاہی یا غلطی ہوتی تو پھر اس وقت **"اشدھم فی امر اللہ عمر"** جیسی شانِ امتیازی رکھتے تھے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ کی ذات مبارکہ میں قدرت فیاض نے علم وحلم کو اساسی حیثیت دے کر علمی عرفانی اور اخلاقی صفات کمال کو اس طرح جمع فرمادیا تھا کہ ہر صفت اپنی افادی پہلوؤں پر مشتمل تھی، ان کی ذات گرامی ملت نواز، علمی اور دینی شخصیات میں امتیازی حامل تھی کہ جن کی زندگی کے تمام تر شب وروز خدمت علم دین کے لیے وقف رہے، ان کا عہد آغاز ان اکابر اور بزرگوں کے زیر سایہ رہا جو آج تک دینی دائروں میں علماً وعملاً بے مثال عظمتوں کے حامل قرار دیئے جاتے ہیں ساتھ ہی حضرت اقدس حجۃ الاسلامؒ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی ذات گرامی سے نسباً اور بانی دارالعلوم کی جملہ خصوصیات علمی وعملی کے مکمل عامل وحامل تھے۔

چناں چہ جس طرح حجۃ الاسلامؒ کے قلب و دماغ میں یہ بات آئی کہ اب تک تو حکومت ہاتھ سے گئی ہے اور حکومت تو آنی جانی ہے، مبادی کہیں ایسا نہ ہو کہ دین وایمان ہمارے ہاتھ سے چلا جائے، اسی جذبہ صادق کو لے کر ایک استاذ اور ایک شاگرد محمود دین سے ۱۸۶۶ء میں دارالعلوم کی بنیاد ایک انار کے درخت کے نیچے مسجد چھتہ میں رکھی جو درحقیقت ایک مدرسہ نہیں بلکہ ایک تحریک تھی، ٹھیک اسی طرح حضرت خطیب الاسلامؒ کے قلب و دماغ میں یہی جذبۂ صادق آیا کہ نئی مسلم نسل جو اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کررہی ہے، یقیناً وہ "قال اللہ وقال الرسول" اوردین وعقیدے سے نابلد اور ناواقف ہیں ان کے دین وایمان کو بچانے کا کوئی راستہ نکالا جائے، چناں چہ دارالعلوم کے قیام کے ٹھیک ایک صدی کے بعد ۱۹۶۶ء میں گھر بیٹھے دینی تعلیم حاصل کرنے کا ادارہ بنام جامعہ دینیات اردو دیوبند قائم کیا، جو درحقیقت حضرت کی فکری بلندی کا آئینہ دار ہے، جس کا مقصد نوجوانانِ ملت کی مادی ترقی میں کسی رکاوٹ کے بغیر عالمی سطح پر ان کو مستند دینی واخلاقی تعلیم دینا ہے، اس کے چار امتحانات ابتدائی دینیات / عالم دینیات / ماہر دینیات اور فاضل دینیات جو بالترتیب آٹھویں کلاس سے .B.A تک مماثل ہیں۔ آج الحمد للہ اس ادارے سے نئی مسلم نسل کے لڑکے ولڑکیاں تعلیم حاصل کر کے ایمان وعقیدے کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اس کی بنیاد پر ڈاکٹر انجینئر وکیل اور ماسٹر وغیرہ بن کر کامیاب زندگی گذار رہے ہیں۔

حضرت خطیب الاسلامؒ کی تربیت والد محترم حکیم الاسلامؒ کی زیرنگرانی ہوئی جو اپنے وقت کے جبل العلم ہونے کے باوجود تواضع وسادگی، استغنا وتوکل علی اللہ کے وصف سے متصف تھے، بقول علامہ اقبالؒ۔

باپ کا علم اگر بیٹے کو نہ ازبر ہو
پھر پسر قابل میراث پدر کیوں کر ہو

حضرتؒ کی شخصیت اپنے والد ماجد کے تمام صفات حمیدہ کا نمونہ تھی، جس طرح حضرت حکیم الاسلامؒ نے شہر شہر گاؤں گاؤں ملک ملک کا سفر کر کے دارالعلوم کو عالمگیر پیمانے پر متعارف کرایا، ٹھیک اسی طرح حضرت خطیب الاسلامؒ نے دارالعلوم کے قضیۂ نامرضیہ کے بعد دارالعلوم وقف کے آغاز سے اپنی حیات مبارکہ تک شہر شہر گاؤں گاؤں ملک ملک کا سفر کر کے دارالعلوم وقف کو عالمگیر پیمانے پر متعارف کرا کر اس مقام پر لا کھڑا کیا کہ جو محتاج تعارف نہیں ہے اور روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

آپ کی ذات گرامی کا عملی موضوع صرف دین اسلام کی تبلیغ تھی، نیت صالحہ نے آپ کی زندگی کے تمام اعمال واقوال اور احوال کو دین کا ترجمان بنا دیا تھا، آپ کی صورت مبارکہ کو دیکھ کر اور کلمات دین و حکمت کو سن کر آپ کے اعمال صالحہ کی پرتاثیری کے نتیجے میں دنیا کے مختلف ملکوں میں بے شمار لوگوں کو دین سے وابستگی میسر آئی۔ یہ پرتاثیری آپ کی نیت کے اخلاص اور عمل کی صالحیت کا نتیجہ تھی، آپ کی زندگی

دینی رہنمائی علم وفضل تحریر وتقریر، تعمیر واصلاح عبادت وریاضت دعوت وعزیمت ہی کے دائروں میں کارفرما تھی۔ آپ کے فکر ونظر نے دین کی دعوت وعزیمت کو ایسا اپنایا کہ اس کے سوا کسی دوسری چیز کو اس میں دراندازی کا بھی موقع نصیب نہیں ہوا۔

بیعت وسلوک

سلوک وطریقت کی راہ میں اولاً حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت ہوئے اوران کے بتائے ہوئے اوارد ووظائف پر عمل کرتے رہے، کچھ ہی وقفہ کے بعدان کا انتقال ہوگیا، بعدہ اپنے والد ماجد حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند بانی وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ سے بیعت ہوکر راہ سلوک میں درجہ کمال کو پہونچے پھر رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں حضرت حکیم الاسلام نے تحریراً خلافت سے نوازا۔

سلوک وطریقت کے سلسلے میں آپ نے جو روحانی ترقی کی اور دعوت الی اللہ اورسنت وشریعت کی ترویج واشاعت میں آپ نے جو مجاہدہ اور قربانی دی اس کا اعتراف آپ کے معاصرین اور ہمنشین برابر کرتے رہے ہیں۔

عشق نبویؐ اورسنت نبویؐ میں اس قدر ڈوبے ہوئے تھے کہ ہر قول وفعل اور علم وعمل میں سنت نبویؐ کا لحاظ ہمہ وقت رہتا تھا، حضرت کے ہمراہ سفر عمرہ پر جانے کا موقع میسر آیا، جو حضرت کا آخری عمرہ مبارکہ تھا، اس سفر میں دو خادم احقر ناکارہ اور حافظ اقبال صاحب چوناوالے ممبئی بھی تھے اور حضرت کے حفید ارشد مولانا محمد شکیب قاسمی صاحب مع اہلیہ محترمہ بھی اس سفر عمرہ میں ہمراہ تھے، اس وقت ایک واقعہ پیش آیا کہ جب حضرتؒ کو ہم خدام ویلچیر پر بیٹھا کر روضۂ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم پر لے کر حاضر ہوئے اور صلاۃ وسلام میں مشغول ہوگئے تو چند منٹوں بعد ہی حضرت کے بدن پر کپکپی طاری ہوگئی اور جسم گرم ہوگیا چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا، ہم خدام گھبرا گئے اور فوراً ہی حضرت کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے لگے اس وقت حضرت روضہ اطہر سے ہٹنے کو بالکل امادہ نہیں ہورہے تھے، لیکن مولانا محمد شکیب قاسمی صاحب ضد کرکے وہاں سے لے آئے اور ڈاکٹر کے پاس لے گئے، ابتدائی چیک اپ کے بعد پتہ چلا کہ کوئی بیماری نہیں ہے صرف تنفس اور حرارت کی دوا دیکر ڈاکٹر نے رخصت کردیا۔

واقعہ درحقیقت یہ تھا کہ حضرت اس وقت عشق نبویؐ اور محبت نبویؐ میں ڈوبے ہوئے تھے اوران پر وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی، لیکن ہم خدام مع حفید ارشد وجد کی کیفیت سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے ظاہر پر عمل کررہے تھے۔

پوری امت کی اصلاح وتربیت کی فکر آپ کو ہمیشہ لگی رہتی تھی، بالخصوص دینی خدمات انجام دینے والے حضرات مثلاً اہل خانقاہ اور اہل تبلیغ کو خصوصی نصائح اور ہدایت فرماتے رہتے تھے اور بے حجابا حق بات کہا کرتے تھے خدا کی راہ میں کسی ملاوٹ کرنے والے کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

آپ کی شخصیت ملت اسلامیہ کے تمام دینی، اجتماعی، اداری اور مختلف الفکر طبقات کثیرہ میں ہمیشہ متفق علیہ رہی ہے، ایسی صفات حمیدہ سے متصف شخصیات خال خال ہی نظر آتی ہیں، وہ اپنی خاندانی روایات اور بلند اخلاق واوصاف کے حامل تھے، اپنی قائدانہ صلاحیت خلوص انکساری اور زبان وقلم کے اعتدال کی وجہ سے ملت اسلامیہ کے تمام حلقوں میں مقبول تھے۔

خلافت راشدہ کے عہد آغاز سے برصغیر میں آج تک کی علمی تاریخ جن ارباب فضل وکمال کی لاثانی اور لافانی خدمات سے روشن وتابناک ہے، ان کی بے شمار تعداد پر محیط تذکرے کا یہ وقت قلیل متحمل نہیں ہے، البتہ حضرت خطیب الاسلامؒ کے وقیع علمی تعارف کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند مسلّم اکابر رحمہم اللہ کے ایسے مثالی تلامذہ کا تذکرہ ضرور کیا جائے کہ جنہوں نے اپنے مشائخ واساتذہ کرام کے وہبی ولدنی علوم ربانیہ کی امانت کو صرف محفوظ ہی نہیں بلکہ اس کو انتہائی عالمانہ سلیقے سے کمال ذہانت کے ساتھ پیش بھی کیا اور اس طرح مستقبل کے علم دوست نسلوں کو سپرد کرکے اپنے بزرگوں کا پورا پورا حق ادا فرمایا ہے جیسے مثلاً حق تعالیٰ کی مشیت سے

حضرت شمس تبریزؒ کو............حضرت جلال الدین رومیؒ دئے گئے۔

حافظ ابن تیمیہ کو...............ابن قیم دیئے گئے۔

حافظ حدیث ابن حجر عسقلانیؒ کو.........علامہ سخاویؒ دیئے گئے۔

حافظ ابن ہمام صاحبؒ فتح القدیر کو.....قاسم ابن مطلوبغا دیئے گئے۔

مسند ہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو..........حضرت شاہ عبدالعزیزؒ دئے گئے۔

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہؒ صاحب کو.......حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ دیئے گئے۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو..............شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ دیئے گئے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کو...........شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ دیئے گئے۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو..............حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ دیئے گئے۔

اور حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ کو..........خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی ذات گرامی سے مشرف فرمایا۔

خطیب الاسلامؒ بزرگوں کے امتیازات وخصوصیات کا مظہر اتم تھے، بزرگان دارالعلوم کی مقبول عند اللہ تمام نسبتیں حق تعالیٰ نے حضرت کی ذات گرامی میں جمع فرمادی تھیں، جس کی فیض رسانی حضرتؒ کے دور میں عالمگیر پیمانے پر ہوتی رہی اور بواسطہ مستفیدین ان شاء اللہ ہوتی رہے گی، حق تعالیٰ اس فیضان سے ملت اسلامیہ کو ہمیشہ مستفید رکھے اور یہ فیضان دائماً جاری رہے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیائے عظام کی روحانی سیرتوں کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ اپنے دور کے عظیم علمی دینی اور روحانی پیشوا تھے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ ظاہری وباطنی محامد ومحاسن کا پیکر بے مثال تھے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ حسب ونسب جمال وکمال علم وعمل، اور روحانیت ومعنویت کی جامع ترین شخصیت تھے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ ایک آفتاب معرفت تھے جن کے فیوض وبرکات کی شعاؤں سے تمام طبقات ملت یکساں مستفید ہوتے تھے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ امت کے جملہ مکاتب فکر کے درمیان وسیلہ اتحاد تھے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ کی ذات گرامی پوری ملت اسلامیہ کی معتمد تھی لاکھوں اور کروڑوں افراد ان کے گفتار وکردار سے دین صحیح پر آئے، اور مومنانہ اور مخلصانہ زندگی سے آسودہ ہوئے۔

۱۹۸۷ء کی بات ہے کہ جس زمانے میں راقم سطور مدرسہ بشارت العلوم کھڑایاں پتھرا در بھنگہ میں زیر تعلیم تھا۔ وہاں حضرت خطیب الاسلامؒ کی تشریف آوری ہوئی تھی جس میں احقر کو خدمت کی سعادت نصیب ہوئی تھی اس وقت حضرت کی تقریر اور دعاؤں نے مجھ ناچیز کو مسحور کر دیا تھا، چناں چہ ۱۹۸۹ء میں احقر نے اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لیے دارالعلوم کا سفر کیا اور دارالعلوم کے داخلہ امتحان میں شریک ہوا، دارالعلوم وقف میں داخلے میں نام آ گیا اور سیٹ گل کدہ منزل متصل کمال شاہ مسجد میں ملی، تعلیمی سلسلہ جاری رہا، بعد عصر حضرتؒ کی مجلس میں پابندی سے شریک ہوتا رہا۔ اس زمانے میں میرے علاقے کے مولانا عارف صاحب قاسمی حضرت کی خدمت میں رہتے تھے، لیکن ان سے تعارف نہیں تھا۔ ایک سال کا عرصہ گذر گیا ایک دن مولوی عارف صاحب قاسمی نے مجھے بلایا اور کہا کہ حضرت یاد فرما رہے ہیں اس وقت خوشی کی لہر میرے جسم وذھن میں دوڑ گئی۔ ع

"کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل"

گرتا پڑتا حاضر خدمت ہوا حضرت نے فرمایا کیا نام ہے؟ کہاں کے ہو؟ کیا پڑھتے ہو؟ سوال و جواب کے بعد فرمایا یہاں بیٹھک میں رہو گے؟ احقر نے سعادت سمجھی اور کہا: حضرت کا حکم حاضر ہوں۔ گویا

۱۹۹۵ء رمضان کے شروع میں حضرت کے حکم سے بیٹھک میں خادم کی حیثیت سے رہنا شروع کر دیا، رفتہ رفتہ دن بدن حضرت سے محبت وعقیدت، ربط وتعلق میں اضافہ ہوتا رہا، ایک دن حضرت نے احقر کو اپنے ہمراہ سفر پر چلنے کے لیے فرمایا، راقم کو سفر کا بڑا شوق تھا اور پھر ایک بزرگ اللہ کے برگزیدہ اور مقبول بندے کی رفاقت اور محبت جو کہ ایک نعمت غیر مترقبہ تھی کوئی معمولی بات نہ تھی نا کارہ کو خود اپنی قسمت پر رشک آیا اور زبان حال سے یوں گویا ہوا۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی ہے

آپ کے ساتھ یہ میرا پہلا سفر تھا، پھر تو اس کے بعد سفر ہوتے ہی رہے، الحمدللہ ہندوستان کے تقریباً ایک دوصوبے کے علاوہ تمام ہی صوبے کا سفر حضرت کی معیت میں نصیب میں آیا، اس کے علاوہ بھی بیرون ملک، پاکستان، بنگلہ دیش، مصر، دبئ، مراکش، کے سفر کی سعادت بھی نصیب ہوئی، حضرتؒ سفر وحضر میں ہمہ وقت بیدار مغز اور چست وتوانا رہتے تھے، اپنے خادم کے ساتھ بے تکلفانہ برتاؤ کرتے تھے اور شفقت ونرمی فرماتے تھے، سفر وحضر میں تقریباً ایک ہی جیسا معمول، بعد فجر تلاوت قرآن کریم کا ایسا معمول تھا کہ جیسے فرائض کی ادائیگی، بعدہ لکھنے پڑھنے کا معمول بھی دوامیت کے ساتھ، مقامات مقدسہ کی زیارت کا بڑا شوق، جس سے احقر بھی لطف اندوز ہوتا تھا، مگر افسوس ہے کہ نا کارہ ان سفروں سے کوئی قیمتی مواد حاصل نہیں کر سکا۔

ان ہی سفروں میں سے ایک سفر مدھوبنی بہار کے گاؤں دملہ کا ہے جو مدرسہ محمود العلوم دملہ میں ۲۰۰۶ء میں منعقد کرایا گیا تھا۔ اس پروگرام میں نتیش کمار وزیر بہار بھی تھے۔ وزیر صاحب نے حضرت سے اصرار کیا کہ آپ ہمارے ساتھ ہیلی کاپٹر میں چلیں۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ آپ کے ساتھ لاؤلشکر بھی ہوگا، میں اکیلا نہیں ہوں بلکہ خادم بھی ساتھ ہے، اس کے ساتھ ہی جا سکتا ہوں۔ اس پر وزیر صاحب نے فرمایا کہ حضرت میں اپنے ایک باڈی گارڈ کو اتار دیتا ہوں خادم بھی ساتھ چلے گا۔ واہ رے قسمت پھر زبان حال سے یہی کہنا پڑا کہ ع

ہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل

سفر پورا ہوا لیکن حضرت کی استغناء ایسی کہ ان سے نہ تو فون نمبر لیا اور نہ کوئی ایسی بات کی جس سے استغنائیت میں فرق آئے۔

الغرض سفر وحضر میں حضرت کی خاصی معیت تقریباً ۲۸ رسالوں آخری سانس تک باقی رہی، اور الحمدللہ آخری دعائیں اور آخری وقت کی خدمت بھی نصیب میں آئی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

احقر ان کی معیت میں خوش دل رہتا تھا نہ کوئی غم واندوہ اور نہ فکر فردا، بہت ساری باتیں، سفر و حضر کی یادیں سینے میں محفوظ ہیں، لیکن حضرت کا سایہ عاطفت اٹھ جانے کے بعد نہ جانے کیوں دل و دماغ پر ایسا اثر ہے کہ نہ تو علم وعمل اور نہ ہی طاقت وقوت کارفرما ہے، گویا دل و دماغ، قلب وجگر، علم وعمل طاقت و قوت سب ہی ایک طرح سے مفلوج ہو چکے ہیں۔حق تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے اور کھویا ہوا میرا نصیب پھر سے اجاگر کر دے۔آمین!

بہر حال دنیا سے ہر کسی کو رخصت ہونا ہے، قدرت الٰہی کے نظام کے تحت دنیا ایک گزرگاہ ہے جس میں روز اول سے انسانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے۔اس دار فانی میں ہر آنے والا شخص کسی مسافر کی طرح آتا ہے اور اپنا وقت مدعود پورا کر کے ملک بقا کو ہمیشہ ہمیش کے لیے رخصت ہو جاتا ہے۔ تمام مخلوق کے لیے موت زندگی کے ابدی خاتمے کا نام ہے، جب کہ جن وانس کے لیے موت ایک نئی زندگی کے آغاز کا نام ہے۔ جہاں پچھلی زندگی کا حساب چکانا ہے۔موت سے بڑی عبرت کوئی اور نہیں اور موت سے بڑھ کر نصیحت کا سامان کوئی اور نہیں، مرنے والا اپنے اعمال کے علاوہ کوئی چیز ساتھ لے کر نہیں جاتا، ان جانے والوں میں بعض ایسی قابل قدر شخصیت بھی ہوتی ہیں جن کی شاندار خدمات کی وجہ سے دنیا عرصہ دراز تک فراموش نہیں کر پاتی ان کی جدائی کا غم قوم وملت کے لیے ایک بڑا سانحہ ہوتا ہے، بلکہ دین سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کا صدمہ ہوتا ہے، ایسی ہی بلند و بالا شخصیت حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تھی، جو اپنی مختصر علالت کے بعد ۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء بروز ہفتہ کو اس دار فانی سے دار بقاء کو ہمیشہ ہمیش کیلئے منتقل ہوگئے، (انا للہ و انا الیہ راجعون) دارالعلوم کی دارالحدیث میں ان کے جسد خاکی کو دیکھ کر ذہن اس طرف متوجہ ہوا کہ یہ انسان کتنا جیتا و جاگتا ہے اسے دیوانہ کہیے یا فرزانہ، بے ہوش کہیے یا باہوش، اس نے دنیا کی تمام مخلوقات کو اپنے علم وقوت کے ذریعہ زیر کر رکھا ہے، ہواؤں پر فضاؤں پر اپنی حکمرانی کر رکھی ہے بڑے سے بڑے وحشی جانوروں کو اس نے اپنے قبضہ قدرت میں کر رکھا ہے، غرضیکہ ہر چیز پر قادر قاہر اور غالب ہے اور اگر مغلوب مقہور اور مجبور ہے تو صرف اس قانون محکم کے سامنے کہ **اذا جاء اجلها لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون.**

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

حق تعالیٰ ان کے جملہ حسنات کو قبول فرمائے، اور ان کو اعلیٰ علیین میں مقام کریم عطاء فرمائے، اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے، آمین!

❖ ❖ ❖

معاصر علماء میں خطیب الاسلامؒ کا امتیاز

مولانا عبداللہ ابن القمر الحسینی ❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ اپنی ذات میں علوم وکمالات کی ایک انجمن تھے، آپ جن نسبتوں کے حامل تھے ان میں سے ہر نسبت اپنی جگہ وہی حیثیت رکھتی تھی جو کاغذوں میں کرنسی کے نوٹ کی ہوتی ہے، آپ کے مورث اعلیٰ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند، جدامجد، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ، آپ کے والد مکرم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، آپ نے جن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیئے وہ فخر روزگار، معاصر علماء واکابر میں یہ نسبتیں یہ مفاخر یہ امتیازات اور کس کو حاصل تھے؟

اکابر دیوبند میں آپ ان شخصیات میں سے ایک تھے جنہیں دیکھ کر بزرگان دیوبند کی یاد تازہ ہوتی تھی اور دارالعلوم دیوبند کا وہ بہترین عہد نظروں میں گھوم جاتا تھا جس میں علم وفضل کے آفتاب وماہتاب دارالعلوم دیوبند کے مسند تدریس پر فائز ہوا کرتے تھے۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب حکیم الاسلامؒ کے خاص پروردہ اور تربیت یافتہ تھے خدا تعالیٰ نے زبردست تدریسی صلاحیت کے ساتھ تقریر وخطابت تصنیف وتالیف اور انتظام وانصرام کا بھی خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، تدریس انتہائی جامع مانع اور ٹھوس ہوتی تھی، قاسمی فکر کا چوں کہ غلبہ تھا اس لیے تدریس، تقریر، تحریر گفتگو اور مجلس میں کلامی انداز ہوتا، ہر بات کو اتنے مکمل اور عقل ونقل سے اس قدر مدلل کر کے فرماتے کہ سننے والے کو ایک ہی مرتبہ میں تشفی ہوجاتی۔ اپنے اصول وضوابط اوقات اور معمولات کے اتنے پابند کہ انہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا کہ اصول وضوابط کیا ہوتے ہیں اور انسانی زندگی میں ان کی اہمیت کیا ہوتی ہے؟

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند کی ایک ایسے نازک وقت میں بنیاد رکھی جب ہندوستان میں دینی تعلیمات اور اسلامی اقدار کی بیخ کنی کے لیے برطانوی سامراج نے اپنے خزانوں کا منہ کھول دیا تھا، آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ نے والد محترم کے قائم کردہ ادارہ کو ترقی دی، اور حافظ صاحبؒ کے خلف الرشید نے دیوبند میں قائم اس مدرسہ کو عالمی دانش گاہ

❖ ناظم شعبہ نشر واشاعت دارالعلوم وقف دیوبند

بنایا، مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب تک تعارف کرایا، بزرگان دیوبند کے علوم و معارف کو پھیلایا، دیوبندی مسلک کو مستحکم کیا، لاتعداد اسفار کئے، اور گراں قدر تصانیف سے امت کو فیض پہنچایا، یہ مفاخر تمام کے تمام خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کو وراثت میں ملے اور اپنی خداداصلاحیتوں سے جو عظمت، جوشہرت اور نیک نامی حاصل کی وہ اس پر مستزاد، جب تعلیم شروع ہوئی تو والد محترمؒ اپنے مرشد اور مجدد وقت حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے میزان کی، بسم اللہ کرائی، حضرت اقدس تھانویؒ کے علوم و کمالات اور تقویٰ وطہارت نے میزان سے لے کر دورہ حدیث تک اثر دکھایا، درسیات میں ایسی پختگی، ایسا عمق اور ایسا رسوخ حاصل کیا کہ دارالعلوم نے اس جوہر قابل کو بڑھ کر اٹھالیا۔

والد محترم حضرت حکیم الاسلامؒ کی تربیت نے چار چاند لگائے احاطۂ دارالعلوم نے اپنی آغوش میں جن بہت سے اماثل روزگار کو جگہ دی، ان میں خطیب الاسلامؒ کی ہستی اپنی ہمہ جہت بلند پایہ نسبتوں اور کمالات کی جگہ سے سب سے ممتاز رہی، نصف صدی دارالعلوم دیوبند کی تدریس گاہ ہے، دارلعلوم دیوبند کے درو بام اس شخصیت کے کردار وعمل اور تدریسی خدمات کی انفرادیت کے شاہد عدل ہیں، حضرت کے بارے میں تواتر کے ساتھ علماء وطلباء سے یہ روایت نقل ہوتی آئی ہے کہ جب درس کے لیے تشریف لاتے تو وقت کی اتنی پابندی فرماتے کہ ادھر درس گاہ میں قدم رکھا ادھر گھنٹہ بجا۔

اہل نظر نظم و ضبط کا سبق لیتے، سنجیدگی، متانت، عالمانہ وقار کی مثالیں دیتے، علم کلام اور معقولات میں ایسا درک اور دسترس کہ ہر بات کو مدلل انداز سے نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کرتے، درسی تقریر میں جو تسلسل اور ربط ہوتا ٹھیک وہی تسلسل اور ربط تقریر، تحریر اور گفتگو میں بھی ہوتا، اور عمر کی آخری منزل تک یہی انداز اور پرواز رہا، یہیں تک نہیں جب جامع مسجد میں تعلیم کا آغاز ہوا تو دورۂ حدیث میں گنے چنے طلباء تھے، ادھر دارالعلوم میں ایک بڑی تعداد کو پڑھاتے تھے، خیال یہ تھا کہ شاید وہ جوش وخروش نہ ہو مگر اسی جوش وخروش اور اسی اہتمام کے ساتھ ٹھیک وقت پر تشریف فرما ہوتے اور پڑھاتے، اس پورے عرصہ میں کبھی کسی مایوسی، ہزیمت اور شکستگی کے احساس کو دل میں جگہ نہیں دی، حالاں کہ حالات ایسے تھے کہ الامان الحفیظ

طلباء کو دیکھئے تو ان کے پاس نہ کتاب، نہ تپائی، نہ چٹائی صرف جامع مسجد کا فرش اساتذہ اور ملازمین کو دیکھئے تو نہایت قلیل مشاہرہ اور وہ بھی کئی کئی مہینوں کے بعد بے سروسامانی، عسرت اور مشکلات سے اگر کسی کا سامنا نہ ہوا ہو تو وہ جامع مسجد کے زمانہ کے احوال وکوائف پڑھے، اندازہ ہوجائے گا کہ یہ سب چیزیں کیا ہوتی ہیں اور انسانی زندگی ان سے کس طرح متأثر ہوتی ہے؟

حضرت بحیثیت مہتمم اسی ملازمین کے لٹے پٹے قافلہ کا درد لیے ہوئے تھے، خدا تعالیٰ نے ایسی

ہمت اور حوصلہ عطا فرمایا تھا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی یہ نہیں سوچا کہ والد محترم کے ایماء پر قائم کردہ اس ادارہ سے دستبردار یا اپنی دلچسپی کا رخ اس سے موڑ لینا چاہیے، نہایت عزم اور ہمت سے ادارہ کو ترقی دینے میں لگے رہے، یہاں تک کہ دارالعلوم وقف دیوبند کی شکل میں ایک عظیم الشان عالمی ادارہ کھڑا کر دیا، اس کے سبب انسان کے یقین اور ایمان میں اضافہ اور پختگی آئی کہ وہ بغیر اسباب کے بھی مسبب کو وجود میں لاسکتا ہے، بشرطیکہ انسانی تدابیر اور جدوجہد کا سلسلہ قائم رہے، اکثر فرمایا کرتے تھے نظر اسباب پر نہیں مسبب الاسباب پر ہونی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت کو تقریر و خطابت کا بھی ملکہ عطا فرمایا تھا، والد گرامی حضرت حکیم الاسلامؒ کی طرح کئی کئی گھنٹے بے تکان بولتے تھے، تقریر میں تسلسل اور آمد ایسی جیسے چشمہ سے پانی بہہ رہا ہو، معمولی بات کو اتنے نرالے اور اچھوتے انداز سے فرماتے کہ اگر کوئی دوسرا اس کو دہرانا چاہے تو اس انداز سے دہرانا مشکل ہوتا، نکتہ آفرینیاں، ایسی کہ سننے والے حیرت میں رہ جائیں تعبیرات عالمانہ ہوتی تھیں، اور بسا اوقات فنی اصطلاحات کا استعمال اتنا بھرپور ہوتا کہ تقریر خالص علمی ہو جاتی اور علماء و طلباء خوب محظوظ ہوتے روایتی مقررین کی طرح تقریر میں لطیفے اور اشعار قطعی طور پر نہیں ہوتے تھے، نہایت سنجیدگی اور وقار کے ساتھ بیٹھتے اور سنجیدگی سے بولتے، اجلاس میں خطاب شروع کرنے سے پہلے ناظم جلسہ سے وقت معلوم کر لیتے وقت خواہ چند منٹ کا ہو یا چند گھنٹوں کا، اپنی گفتگو اسی میں مکمل کرتے، ایسا لگتا کہ باقاعدہ تیاری کر کے آئے ہوں، البتہ مجلس میں کبھی کبھی لطیفے اور اشعار بھی ہو جاتے تھے، مگر یہ لطیفے اور اشعار بھی انتہائی سنجیدہ، علمی اور فکر انگیز ہوتے تھے، جس سے آپ کے حسن انتخاب کا اندازہ ہوتا، مجلس خالص علمی ہوتی تھی، غیبت، اور غیر ضروری گفتگو کا تو تصور ہی نہیں تھا، اکثر والد محترم حضرت حکیم الاسلامؒ اور بزرگان دیوبند کے ایمان افروز واقعات بیان فرماتے، بعض مرتبہ سفر میں اپنے ساتھ پیش آمدہ واقعات بھی بیان فرماتے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے علوم کے تو جیسے حافظ ہوں۔

حضرت حکیم الاسلامؒ جیسے عظیم والد کے جانشین ہونے کا واقعی حق ادا کیا، ادنی درجہ کی نہ کسی کو تکلیف پہنچائی اور نہ اس کا ذریعہ بنے، ہمیشہ پڑھنے پڑھانے اور علمی کاموں میں مصروف رہے۔ حضرت والا دارالعلوم وقف کے مہتمم اول کے ساتھ ساتھ رکن شوری دارالعلوم ندوۃ العلماء، رکن شوریٰ مظاہر علوم وقف جیسے ملک کے مایہ ناز اور ممتاز دینی اداروں کے سرپرست و بانی مبانی تھے، اسی کے ساتھ ساتھ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور لاتعداد تنظیموں کی صدارت و سربراہی فرمائی ۲۷، ۲۸ نومبر ۲۰۱۰ء میں کل ہند رابطۂ مساجد کے پلیٹ فارم سے ''مسلمانوں کی تعلیمی و مالی پریشانی اور اس کا حل'' کے عنوان سے ایک کانفرنس ممبئی حج ہاؤس میں منعقد ہوئی، جس میں پہلی مرتبہ تمام مکاتب فکر کے سربراہان احقر کی دعوت پر

تشریف لائے دیوبند، بریلی، اہل حدیث، جمعیۃ العلماء، جماعت اسلامی، شیعہ و بوہری، فلاحی، اس دوروزہ پروگرام میں الگ الگ نشستوں کے الگ الگ صدور طے ہوئے اس پروگرام کی آخری نشست نبیرۂ اعلی حضرت قبلہ مولانا توقیر رضا خان صاحب کی صدارت میں منعقد ہوئی اسٹیج پر حضرت خطیب الاسلامؒ کے ساتھ ساتھ جماعت اسلامی کے امیر مولانا جلال الدین عمری صاحب، مولانا کلب جواد نقوی صاحب، مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب، سید محمود اسعد مدنی صاحب، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب، مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مولانا سید ولی رحمانی صاحب بوہریوں کے پیشوا اور اجمیر شریف کے سجادہ نشین، بدایوں کے سجادہ نشین کے ساتھ ساتھ ممبئی کے عصری دینی درس گاہوں کے ذمہ داران نیز ممبئی کی مؤقر شخصیات کی موجودگی میں پروگرام کے اختتام پر نبیرۂ اعلیٰ حضرت سے خطبۂ صدارت کے بعد جب دعاء کے لیے گذارش کی گئی اس وقت حضرت مولانا نے بہت لجاجت کے ساتھ عرض کیا کہ عالم اسلام کی مایہ ناز اور ہم سب کی بزرگ شخصیت حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی کی موجودگی میں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں دعا کراؤں! میں خود حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب سے عرض کروں گا کہ وہ دعاء کرائیں ہم سب آمین کہیں گے۔

یہ تھے حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ کے سچے اور صحیح جانشین، حکیم الاسلام جن کے متعلق دنیا جانتی ہے کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پہلے اجلاس میں نصف صدی قبل اسی طرح تمام مکاتب فکر کے سربراہان اور مسلک بریلویت کے سب سے بڑے عالم مولانا برہان الحق جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ نے سرزمین ممبئی میں وائی ایم سی گراؤنڈ میں ۱۹۷۲ء کے سال میں مسلمانوں کا پہلا متحدہ پلیٹ فارم آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے عہدۂ صدارت کے لیے نام پیش کیا تھا جس میں تمام مکاتب فکر کے سربراہان نے بیک آواز ہوکر حضرت حکیم الاسلام کی عظمت واہمیت اور ان کی ولایت کا اعتراف کرتے ہوئے پرزور تائید کی تھی۔

۱۹۸۰ء میں حکیم الاسلامؒ کی قیادت میں اجلاس صد سالہ کے موقع پر دنیا نے حکیم الاسلامؒ کی مقبولیت کا اندازہ کیا۔ ٹھیک اسی طرح ۲۰۰۷ء میں حضرت کے جانشین، خطیب الاسلامؒ کی مقبولیت ومحبوبیت کا اندازہ عالمی سیمینار کے موقع پر کیا گیا۔

حضرتؒ اپنے خانوادہ کے دوسرے بزرگوں کی طرح بالکل غیر سیاسی تھے، توڑ جوڑ اور سازش کرنا تو جانتے ہی نہیں تھے، سیدھی سچی بات کرتے تھے اور دوسروں سے بھی اسی کی توقع رکھتے تھے، سب سے بڑی مومنانہ صفت یہ تھی کہ حق اور سچی بات منہ پر کہہ دیتے، پیٹھ پیچھے کہنے کے لیے کچھ باقی نہیں رکھتے، یہ حضرتؒ کی عادت میں داخل تھا۔

دارالعلوم پر فریق مخالف کے قبضہ کے بعد چند نمایاں حضرات ملنے کے لیے آتے تھے اور طرح طرح کی باتیں کرتے سب کی سنتے اور من کی کہتے، نہ کسی کے دباؤ میں آئے اور نہ کبھی خوشامدانہ انداز اختیار کیا۔

ایک مرتبہ مولانا محمد عثمان صاحبؒ دیوبندی جو دارالعلوم میں نیابت اہتمام کے منصب پر رہ چکے تھے، حضرتؒ سے ملنے کے لیے آئے، حضرت خندہ پیشانی سے ملے، دوران گفتگو بے تکلفی کے انداز میں کہنے لگے ''مولانا! فلاں معاملہ میں سچ کہوں یا جھوٹ، حضرت نے برجستہ فرمایا'' میں کیا کہہ سکتا ہوں جس کی آپ کو عادت ہو وہ کہئے''۔

حضرت کی تحریر بھی نہایت مرتب اور مربوط ہوتی تھی، البتہ جملے ذرا طویل ہوتے تھے، جس میں مبتداء اور خبر کا بعض مرتبہ فاصلہ بڑھ جاتا تھا، آخری وقت تک نزدیک کے چشمہ کی ضرورت نہیں پڑی، جب کوئی تحریر یا کتاب پڑھتے یا لکھتے تو بغیر چشمے کے مطالعہ خوب کرتے، دوران سفر بھی حضرت اپنے معمولات حضر کی طرح مکمل کرتے، ہر وقت کوئی نہ کوئی کتاب آس پاس رکھی رہتی تھی، یہاں تک کہ مرض الموت میں بھی آس پاس کتابوں کا انبار لگا رہتا تھا۔ خدا تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا، رحلت کے بعد ایسا لگا کہ ایک شخص نہیں خوبیوں کی ایک کائنات رخصت ہوگئی۔

جب سفر درپیش ہوتا تو گھنٹوں پہلے تیار ہو جاتے اور روانگی کے لیے بے چین رہتے، انسان کو فطرۃً سفر سے وحشت ہوتی ہے اور سفر ہوتا ہی ہے تکالیف کا مجموعہ، حضرتؒ اس کے برخلاف سفر سے مانوس تھے ذرا بھی وحشت نہیں ہوتی تھی اور پھر دوران سفر اپنے رفقاء کے ساتھ اس طرح گھل مل کر رہتے کہ کسی کو یہ احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ اتنی بڑی شخصیت کے ساتھ سفر کر رہا ہے، دوران سفر شگفتہ مزاجی عروج پر ہوتی، کہیں تھوڑی دیر کے لیے گاڑی رکواتے اور کھانے پینے کی اپنی کوئی پسندیدہ چیز منگواتے اور رفقاء سفر کو بھی اس میں شریک فرماتے، اس پر اکثر حکیم الاسلامؒ کا یہ جملہ نقل فرماتے -کلّہ چلے بلا ٹلے- غیبت سے سخت نفرت تھی نہ کسی کی غیبت کرتے اور نہ سنتے تھے، مزاج شناس تو ہمیشہ حضرتؒ کی مجلس میں محتاط رہتے، البتہ اگر کوئی شخص مزاج سے واقف نہ ہوتا یا پہلی بار مجلس میں آتا اور دوسرے کے بارے میں کچھ کہتا تو حضرتؒ کو شدید ناگوار ہوتا، چہرے کا رنگ سرخ ہو جاتا اور یہ کہہ کر فوراً غیبت کا دروازہ بند کر دیتے کہ آپ اپنی بات کیجیے، دارالعلوم کے اختلاف کے زمانہ میں کسی صاحب نے حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے بارے میں کچھ کہنا چاہا تو آپ نے یہ کہتے ہوئے ان صاحب کو خاموش کر دیا کہ دوسروں سے آپ کو کیا مطلب اپنی بات کیجیے؟ اختلاف کے پورے عرصہ میں آپ کا یہی طرز عمل رہا اپنے مخالفین کو نہ زبان سے کچھ کہا اور نہ تحریر میں لائے۔

خطیب الاسلامؒ کے ملی درد اور دارالعلوم دیوبند کی روایات کے تحفظ کے باب میں مصالحت کے لیے اقدام، ایک ایسا واقعہ ہے جس کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی، خدانخواستہ اس پہلو سے اغماض برتا

جاتا تو مستقبل میں ملت کے حصہ میں ایک تکلیف دہ اختلاف آتا کہ جس سے ملت مزید شاخ در شاخ ہو جاتی ،حضرت والا نے برسہا برس کے اختلافات کو منٹوں اور سکنڈوں میں یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ ہم اپنے اختلافات کو آنے والی نسلوں میں منتقل نہیں کرنا چاہتے۔ اس ضمن میں حضرت خطیب الاسلامؒ کے خلف الرشید حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب کا فعال کردار بھی نا قابل فراموش ہے رب کریم جزائے خیر عطا کرے۔

۲۰۰۸ء میں جب ارباب دارالعلوم وقف دیو بند نے حضرت حکیم الاسلامؒ پر عالمی سیمینار کرانے کا فیصلہ کیا تو اس وقت راقم السطور گورکھپور میں تھا، اور اس سے قبل ۱۹۹۷ء میں تھانہ بھون کی سرزمین پر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ پر ایک سیمینار کرا چکا تھا، جو اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے بہت کامیاب رہا، نومبر ۲۰۰۵ء میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ اور حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ کی طرف سے دیو بند حاضری کا پیغام موصول ہوا، راقم الحروف حاضر ہوا تو فرمایا کہ حضرت حکیم الاسلامؒ پر عالمی سیمینار کرائے جانے کا فیصلہ کیا گیا ہے اور اس سیمینار کے انتظام وانصرام کے لیے قرعۂ فال آپ کے نام نکلا ہے، یہ سن کر ایک طرح سے تو بے پناہ مسرت ہوئی کہ میرے بڑوں نے مجھے کسی قابل سمجھا مگر دوسری طرف سے اپنے کاندھوں پر انتہائی بوجھ محسوس ہوا کہ یہ کام کوئی آسان نہیں ہے، انتہائی ذمہ داری، محنت اور جدوجہد کا متقاضی ہے، اللہ کا نام لے کر اپنی سعادت تصور کرتے ہوئے بندہ نے اس عظیم ذمہ داری کا بوجھ اپنے کمزور کاندھوں پر اٹھالیا، جگر گوشۂ خطیب الاسلامؒ حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم وقف کی سرپرستی میں شبانہ روز کی دوڑ دھوپ سے ۲۷، ۲۸ نومبر ۲۰۰۷ء میں سہ روزہ حکیم الاسلامؒ عالمی سیمینار رہوا اور ماشاء اللہ اجلاس صد سالہ کے بعد سرزمین دیو بند پر یہ پہلا اجلاس عام جو حکیم الاسلام عالمی سیمینار کی اختتامی نشست کی شکل میں تھا، جس میں علماء ومفکرین کی ایک بڑی تعداد شریک ہوئی اور حضرت حکیم اسلامؒ کی حیات وخدمات پر معیاری مقالات پڑھے گئے، سیمینار کے پلیٹ فارم ہی سے ''کل ہند رابطۂ مساجد'' کے قیام کا اعلان بھی ہوا، جس کے صدر حضرت خطیب الاسلامؒ اور نائب صدر مولانا محمد سفیان قاسمی مدظلہٗ طے ہوئے نیز جنرل سکریٹری کے طور پر اس خاکسار کا انتخاب ہوا۔

سیمینار کے کچھ عرصہ کے بعد خاکسار کا دارالعلوم وقف دیو بند میں تقرر عمل میں آیا اور شعبۂ نشر واشاعت اور ماہنامہ ندائے دارالعلوم وقف دیو بند کی بھاری بھر کرم ذمہ داری تفویض کی گئی جس کو خاکسار اس وقت سے لے کر آج تک اللہ کی نصرت سے انجام دے رہا ہے۔

خاکسار اس بات کو بطور تحدیث نعمت عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ حضرت خطیب الاسلامؒ سے اس عرصہ میں خصوصی ملاقاتیں رہیں اور اتنی قربت اور تعلق رہا کہ بسا اوقات حضرت نے بعض اہم امور میں اس خاکسار کی رائے کو ترجیح دی، حضرت والا کے ساتھ اس خاکسار کے ملک وبیرون ملک بھی کثرت سے اسفار رہے۔

اس موقع پر یہ عرض کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ خانوادۂ قاسمی سے میرا تعلق خاندانی ہے میرے دادا حضرت مولانا مفتی عبدالمجید کوٹھیاوی حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے جید خلفاء اور معتبر علماء میں سے تھے، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ جیسی جلیل القدر شخصیات سے دادا مرحوم کے روابط اور مراسم بہت گہرے رہے ہیں، یہ دیرینہ تعلق اور نسبت الحمدللہ اب موجودین میں بھی تر وتازہ ہے، دارالعلوم وقف دیوبند سے میرا خادمانہ تعلق بھی اسی نسبت کا ایک مظہر ہے، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے جانشین اور دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم کی شخصیت بھی الحمدللہ خانوادۂ قاسمی کے علم وفکر اور فضل وکمال کی زندہ مثال ہے خدا تعالیٰ ان کا سایۂ عاطفت قائم رکھے۔

بڑی ناانصافی ہوگی اگر اس موقع پر محترم جناب مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی واستاذ دارالعلوم وقف دیوبند کی ان انتھک کوششوں کو نہ سراہا جائے جو انھوں نے خطیب الاسلامؒ سیمینار کے انعقاد کے لیے کی ہیں، مولانا موصوف نے اپنی گوناگوں ذمہ داریوں اور مصروفیتوں کے باوجود اس عظیم الشان کام کا بیڑہ اٹھایا، جو سرزمین دیوبند پر اپنی نوعیت کا پہلا اور منفرد سیمینار ہے، جو بین الاقوامی سہ لسانی ''سیمینار کی شکل میں منعقد ہوا اور اس قدر قلیل مدت میں اس کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔

دعا ہے کہ رب العالمین حضرتؒ کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی خدمات اور کارناموں کو ملت کی صلاح وفلاح کا ذریعہ بنائے اور ان کی انتھک کوششوں وشبانہ روز مستجاب دعاؤں سے قائم دارالعلوم وقف دیوبند کو قیامت تک کے لیے قبول فرما کر ذخیرۂ آخرت بنائے۔

❖ ❖ ❖

مسلک دیوبند کے ترجمان ونگہبان

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ

مفتی سید احمد قاسمی ❖

مسلک دیوبند کے ترجمان اور خاندان قاسمی کے عظیم فرزند خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی رحلت وفرقت کے بعد حزن وملال اور آہ وبکا کی جس کیفیت سے ہم گزرے تھے وہی کیفیت، وہی دردوکرب اور جدائی کی بے قراری جیسے احساسات سے ہم ایک بار پھر دوچار ہیں کیوں کہ آج کے سیمینار نے ایک بار پھر ان کی شخصیت وخدمات اور ان کے روشن افکار کے حوالے سے ان کی یاد تازہ کردی ہے۔ بلاشبہ ہم جماعت علمائے دیوبند کے سرخیل اور مسلک دیوبند کے حقیقی ترجمان مفکر ملت حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کو آج یاد کرتے ہوئے محسوس کررہے ہیں کہ واقعی ہم دین واسلام کے پیکر اور ملک وملت کے عظیم پیشوا کی رہنمائی سے محروم ہوگئے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کے علوم ومعارف اور مسلک دیوبند کے ترجمان خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی شخصیت ہمہ جہت تھی، وہ بیک وقت ایک کامیاب مدرس بھی تھے اور بلند پایہ خطیب بھی، انہیں فقہ وفتاویٰ کے رموز پر بھی دسترس حاصل تھی اور ہر پل بدلتی ہوئی دنیا سے بھی باخبر تھے۔ وہ بلند پایہ عالم دین، روشن فکر قائد اور بے مثال مقرر وواعظ تھے۔ ان کی ہشت پہل شخصیت کے کن کن پہلوؤں کو یاد کریں اور کسے نظر انداز کریں ،بس وہ ہندوستانی علماء کی ایک شان تھے جن کے فیضان سے ہم آج محروم ہو چکے ہیں۔

راقم الحروف نے جب شعور کی آنکھیں کھولیں تو حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی علم وعبقریت کا شہرہ عرب وعجم میں پھیل چکا تھا اور میرا پورا خاندان پہلے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور پھر حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی محبت وعقیدت سے سرشار تھا۔ میرے ذہن ودماغ میں بچپن میں ہی ان بزرگوں کی عقیدت ومحبت پیوست ہوگئی تھی، کیوں کہ میرے نانا حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ بانی ومہتمم جامعہ عربیہ نور الاسلام میرٹھ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے خلیفہ ومجاز تھے

❖ مہتمم جامعہ عربیہ نور الاسلام، میرٹھ

اورحضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ تاحیات جامعہ عربیہ نورالاسلام، میرٹھ کی ہر علمی تقریب میں شرکت فرماتے رہے۔

مولانا کی پیدائش سرزمین دیوبند کے آستانۂ قاسمی میں ایک علمی ودینی گھرانے میں ۲۲؍جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۸؍جنوری ۱۹۲۶ء بروز جمعہ کو عارف باللہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی دیوبندیؒ کے یہاں ہوئی۔ مکمل تعلیمی زندگی اسی مرکز علم وعرفاں دارالعلوم دیوبند میں گزاری جہاں بحیثیت طالب علم کچھ لمحوں کے لیے بھی وقت گزارنا باعث فخر تصور کیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا سالم قاسمیؒ کو مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بھی خصوصی شاگردی کا شرف حاصل رہا ہے۔ آپ نے اپنے وقت کے مشہور اساتذہ سے فیض حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند میں ہی تمام علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں اور اپنے علم وتحقیق کے فیض سے ساری دنیا کو بھی منور فرماتے رہے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی انتظامی صلاحیتوں کا شہرہ اس وقت بھی ہوا جب دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صدسالہ کو ایک عالمی جشن میں تبدیل کردیا، انہیں اپنے موقف پر استقامت کو دنیا نے اس وقت بھی دیکھا جب انہوں نے بے سروسامانی کے عالم میں دارالعلوم دیوبند وقف کی بنیاد رکھی، جو آج شجرِ ثمر آور بن کر عالمی شہرت اختیار کرچکا ہے، اسی طرح ان کی سلامتی، فکر کو امت نے اس وقت بھی دیکھا جب وہ کل ہند مجلس مشاورت کی کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہوئے اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سینئر نائب صدر کی حیثیت سے غیر معمولی جدوجہد کی۔ جماعتی اور فکری اختلافات کے مواقع پر بھی حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے جس متانت، وسعت قلبی اور رواداری کا عملی نمونہ پیش کیا وہ بھی ایک تاریخی باب ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ مولانا کو ملک وبیرون ملک جو عزت وتوقیر حاصل ہوئی اور جو مواقع حاصل رہے ان میں وہ ہمیشہ اسلاف کی روش پر قائم رہے، نہ ٹلے، نہ ہٹے اور نہ ہی کسی جاہ وحشم سے متاثر ہوئے، بلکہ اپنی خوداعتمادی، خدااعتمادی اور دیانت وخودداری کے ساتھ جماعت دیوبند کی سربلندی وسرخروئی کا باعث بنے رہے۔ مولانا کو اللہ نے گوناگوں خصوصیات اور بے شمار امتیازی صفات سے نوازا تھا، لیکن مولانا کی ایک اہم خصوصیت جس کا ہر ایک کو اعتراف ہے کہ وہ ہر شخص کی پہنچ میں تھے، کوئی بھی ان سے مل سکتا تھا اور انہیں کہیں بھی لے جاسکتا تھا۔ آخیر عمر تک جب کمزوری غالب آچکی تھی، پھر بھی ہندوبیرونِ ہند کے اسفار کرتے رہے، جلسوں میں شرکت کرتے، عوام سے مخاطب ہوتے، اداروں اور مدارس کی سرپرستی ونگرانی فرماتے، ہر وقت امت کی فکر میں اور اس کی خیر وصلاح کے سلسلہ میں متفکر رہتے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نوراللہ مرقدہ کے علوم ومعارف، حکم واسرار اور افکار قاسمیہ کے سچے وارث، سچے جانشیں، سچے امین، سچے ترجمان، محدث کبیر، رئیس المتکلمین، مفکر عظیم، مفسر قرآن کریم، فقیہ زمن، بلند پایہ مقرر، منفرد اور محققانہ طرز کے ادیب وخطیب، کہنہ مشق مدرس، افراد سازی

اور افراد شناسی میں وحید زماں، انشاء پردازی کا ذوق طیب رکھنے والے، شگفتہ اور دل آویز تحریر و مضامین کے مالک، حق گوئی و بیباکی کے میدان کے شہ سوار، استاذ الاساتذہ، علوم آلیہ و عالیہ کے ماہر، ایک درجن سے زائد تصنیفات کے مصنف، سینکڑوں اداروں مکاتب و مدارس وملی و مذہبی تنظیموں کے سرپرست اعلیٰ، جید، ممتاز اور جلیل القدر عالم دین، گلشن طیب دارالعلوم وقف دیوبند کے صدر مہتمم، خانوادۂ قاسمی کے چشم و چراغ، صدیقی النسب جانشیں حکیم الاسلام یعنی خطیب الاسلام شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد سالم صاحب قدس سرہٗ تھے۔ جامعہ عربیہ نورالاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ جو بزرگوں کی آماجگاہ رہا ہے اور خصوصاً حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ کی خصوصی توجہ کا مرکز تا حیات رہا ہے، جامعہ عربیہ نورالاسلام میں حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ کے انتقال کے بعد سے حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ تقریباً ۳۵ رسال سے تسلسل کے ساتھ ختم بخاری شریف فرماتے رہے، بعض مرتبہ حضرت والا بیرون ملک کے سفر پر ہوتے جب جامعہ میں ختم بخاری شریف کی اطلاع ملتی تو سیدھے جامعہ تشریف لاکر بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیتے اور درس کے آخر میں موجود علماء، طلباء کو اپنے تمام سلسلہ سند حدیث سے اجازت مرحمت فرماتے۔ تین سال پہلے جب حضرت والا نے جامعہ عربیہ نورالاسلام میں آخری درس دیا، وہ درس دیکھنے و سننے کے قابل تھا۔ علالت اور ضعف کی وجہ سے بولا نہیں جا رہا تھا پھر بھی مسلسل ایک گھنٹہ آخری حدیث کا درس دیتے رہے، حضرت والا کے خادم خاص جناب مولانا شاہد صاحب نے براہ شفقت روکنا چاہا، لیکن حضرت والا اپنے خاص انداز میں درس دیتے رہے اور آخر میں نہایت ہی آہ و بکا اور گریہ وزاری کے ساتھ دعا فرمائی، عوام و خواص کا تانتا بندھا ہوا تھا، پورا مجمع مصافحہ کا متمنی تھا لیکن مصافحہ کے بجائے زیارت پر اکتفاء کیا گیا۔

حضرت والا کا ذوق مزاح بھی بڑا انوکھا اور دلکش ہوا کرتا تھا ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ کی آمد قصبہ محلکہ ضلع میرٹھ میں ہوئی، راقم الحروف ہمراہ تھا اور باغ میں تشریف لے گئے، آم کا زمانہ تھا صاحب باغ نے مختلف قسم کے آم حضرت والا کے سامنے پیش کئے، آپ انہیں نوش فرماتے رہے اور بار بار فرماتے کہ آج تو حسن آراء پر دل آ گیا، کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ماجرا ہے اور حضرت کیا فرما رہے ہیں؟ تجسس تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا، دریافت کرنے کی کسی میں ہمت نہیں تھی، بالآخر خود ہی حضرت والا نے فرمایا کہ آموں میں حسن آراء نام کا آم بہت عمدہ ہے اور بہت میٹھا ہے، سب سے زیادہ آج وہی پسند آیا ہے، تب جا کر ''حسن آراء پر دل آ گیا'' کا عقدہ کھلا اور سب کا ہنسی کے مارے عجیب حال تھا۔

ایک مرتبہ آپ ختم بخاری شریف کے جلسہ میں جامعہ عربیہ نورالاسلام میرٹھ میں تشریف لائے، جلسہ کے بعد حاجی ریاض الدین قریشی مرحوم کے مکان پر طعام کے لیے تشریف لے گئے، دسترخوان پر

بیٹھے تو مسکرانے لگے اور پھر ایک واقعہ سنایا کہ ایک صاحب نے پنڈت کی دعوت کردی وہ اپنے ساتھ اپنے چیلے کو بھی لے گیا، صاحب خانہ نے ان کے سامنے مختلف انواع واقسام کے کھانے پیش کردئے، گرو و چیلا آمنے سامنے بیٹھ گئے اور کھانا کھانا شروع کردیا، دونوں کھانے میں مصروف، گُرو نے دیکھا کہ چیلا ایک نوالہ کھاتا اور مٹّھا کا گھونٹ پیتا، گرو نے اسے سمجھانا چاہا کہ مٹّھا تو وہ کُٹیا میں بھی جا کر پی سکتا ہے، یہ مختلف انواع کے کھانے کھالے، لیکن میزبان کی موجودگی میں کچھ کہہ نہ سکا، جب فارغ ہوکر اپنی کُٹیا کی طرف چلے تو راستہ میں گُرو نے چیلے کے ایک دھول رسید کی اور کہا مٹّھا پینے کی کیا ضرورت تھی، تو چیلا مسکرایا اور کہا کہ گُرو جی میں ایک نوالہ کھاتا اور ایک گھونٹ مٹّھا پیتا تاکہ کھانا پیٹ میں صحیح ڈھنگ سے جمع ہوجائے اور آپ صرف سوکھی چنائی کررہے تھے، پیٹ کہیں سے خالی اور کہیں سے بھرا، یہ سُن کر گُرو نے اس کو ایک دھول اور رسید کی کہ تو نے مجھے پہلے سے یہ ترکیب کیوں نہ بتائی۔ حضرت کی زبانی یہ واقعہ سن کر موجود لوگ ہنسنے لگے اور حضرت اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ کھانا تناول فرماتے رہے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کو گرچہ راقم نے بچپن سے ہی دیکھا اور سنا تھا اور بارہا میرے نانا حکیم مولانا محمد اسلام انصاریؒ نے میرا تعارف کرایا تھا مگر جب میں فراغت کے بعد جامعہ نورالاسلام میرٹھ کی تدریسی و تنظیمی ذمہ داریوں میں ہاتھ بٹانے لگا تو اس دوران حضرت سے راہ ورسم بڑھے اور بڑھتے چلے گئے، بار بار میں ان سے ملاقات کے لیے دیوبند حاضر ہوتا وہ جامعہ عربیہ نورالاسلام کی سرگرمیوں کے بارے میں پوچھتے اور خوب دعاؤں سے نوازتے۔ احقر کو شرف تلمذ تو حاصل تھا ہی حضرت نے اجازت و خلافت سے بھی نوازا، اس سے بڑھ کر اور کیا کرم فرمائی ہوسکتی ہے؟ جب میرے نانا مولانا حکیم محمد اسلام انصاریؒ کا انتقال ہوگیا تو اس کے بعد تو ان کی توجہ راقم کی جانب دوچند ہوگئی تھی اور بے حد محبت فرماتے تھے۔ اب وہ نہیں ہیں جس کا شدت سے راقم کو احساس ہے، ایک کمی ہے جو شاید پوری نہیں ہوسکے گی۔ اللہ سے دعا ہے کہ ان کو اللہ جنت الفردوس میں بلند مقام عطا کرے، دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان کے شاگرد، شاگردوں کے شاگردوں کو دین کی خدمت کا بھرپور موقع عنایت فرمائے۔ آمین

حضرت اقدس مولانا محمد سالم قاسمی صاحب جہاں مدرسہ کے ذریعہ تشنگان علوم ونبوت کی سیرابی فراہم کرانے میں کوشاں رہتے وہیں عوام میں رشد وہدایت کے فُقدان کی وجہ سے بے چین و بے قرار نظر آتے، تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کے لیے وظائف اور ذکر کی تلقین فرماتے اور صفائی قلب کے لیے ہر ممکن کوشش فرماتے تھے، عوام وخواص آپ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرنے کو باعث سعادت سمجھتے اور تعلق قائم فرما کر رشد وہدایت پا جاتے اور پھر کسی اور بزرگ کی ضرورت محسوس نہ کرتے، آپ کے فیوض و بیعت و صحبت اور آپ کے تعلق کی برکت سے ہزاروں انسانوں کو ہدایت میسر آئی بے شمار لوگوں کو آپ کی برکات

سے فیضیاب ہونے کا موقع میسر آیا اور سینکڑوں لوگوں کو دین برحق کی رہنمائی ملی، آپ سے خلعت خلافت و اجازت و بیعت کے بعد وہ باطنی علوم اور نسبت سلوک کے افادے و افاضے میں مصروف ہوتے، حاصل یہ کہ حق تعالیٰ نے آپ کی ذات گرامی سے علوم ظاہری و باطنی کے بے شمار چشمے جاری فرمائے جو ان شاء اللہ العزیز تا قیامت تشنگان و طالبان امت کو سیراب کرتے رہیں گے۔ آپ کی ذات درس و تدریس وعظ و خطابت، ارشاد و اصلاح، بیعت و سلوک، تصنیفات و تالیفات مبارک اور قیمتی اعمال سے معمور رہی ہے، زائد از نصف صدی آپ اپنی ذات بابرکات سے امت اسلامیہ کو سیراب فرما کر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے، اللہ رب العزت آپ کو غریق رحمت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلی مقام عنایت فرمائے، اور پسماندگان، متعلقین، منتسبین نیز تلامذہ کو صبر جمیل عنایت فرمائے اور امت مسلمہ کو آپ کا بہترین نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

❖ ❖ ❖

حضرت خطیب الاسلامؒ

اپنے اوصاف وخصائص کے آئینے میں

عبدالرحمٰن سیفؔ عثمانی ❖

عزیز دوست مولوی شکیب قاسمی کی ذرہ نوازی ہے کہ انہوں نے مجھ جیسے کم علم و بے بضاعت شخص کو اپنے دادا مرحوم پر ایک مضمون لکھنے کا موقع دیا۔ اللہ رب العزت مجھ میں وہ صلاحیت ودیعت فرمائے کہ جس کے طفیل حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب کے لئے اپنے قلم کا ایسا خراج عقیدت پیش کرسکوں جس کا تعلق دلی جذبات سے ہو۔ ظاہری طرف داری سے نہیں۔ ایسی تحریر جو چاپلوسی وریا کاری سے دور ہوکر حقائق کے قریب ہو۔ بے شک اس وقت راقم خود اپنے لئے دعا گو ہے کہ اے رب کریم فضل فرما اور ایک عظیم خاندان کے بزرگ شخص کے لئے چند سطریں لکھنے کی توفیق بخش۔

''خطیب الاسلام'' حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ لقب کب ملا؟ کس نے دیا؟ کس تقریب یا تحریر میں دیا؟ اس کا علم مجھے نہیں ہے لیکن ہاں ''خطیب الاسلام'' کے موزوں اور برحق ہونے کی تصدیق وقبولیت میں کوئی تردد کسی بھی اس شخص کے ذہن وقلب میں پیدا نہیں ہوگا جس نے حضرت مولانا سالم قاسمی صاحب کو تقریر کرتے سنا ہے۔ بلاشبہ مولانا اسلام کے خطیب تھے، مبلغ تھے، مفکر تھے، مقرر تھے، یاد نہیں کب سے لیکن پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ راقم نے جب سے جمعہ کی نماز پڑھنا شروع کی ہے تب سے مرکزی جامع مسجد میں حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ کو ہی خطبہ دیتے ہوئے سنا ہے۔

بچپن سے لے کر جوانی تک کم وبیش ایک ہزار جمعہ کی نمازیں تو راقم نے حضرت کی اقتداء میں پڑھی ہوں گی۔ ۲۵ر سال کے اس عرصے میں بے شمار تقریریں بھی سنی ہیں، لاریب اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ مولانا سالم صاحبؒ کی تقریریں شیریں بیانی کا عنوان ہوا کرتی تھیں۔ معلومات فراہم کرتے ہوئے سماعتوں کے ذریعہ دل میں اتر جانے والے خطاب آج بھی لوگ بھولے نہیں ہوں گے۔

ایک لفظ آپ اپنی تقریر میں بہت استعمال کیا کرتے تھے ''ظاہر ہے'' بے شک یہ بات کو تمثیلاً سمجھانے کے لئے بولا جاتا تھا اور اسی کے ساتھ ساتھ ان کی تقریر آگے بڑھتی تھی۔ آپ حقیقی معنوں میں ایک بہترین مقرر

❖ ڈائریکٹر علامہ شبیر احمد عثمانی ایجوکیشنل ٹرسٹ، دیوبند

تھے، آپ کے لہجے میں شبنم کی سی نرمی اور ٹھنڈک تھی، بے شک یہ اللہ رب العزت کا وہ عطیہ ہے جو آپ کو اپنے والد محترم حضرت حکیم الاسلامؒ سے وراثت میں ملا تھا۔ آپ نے کبھی چیخ چلا کر تقریر نہیں کی، اطمینان کے ساتھ نرم لہجہ میں الفاظ کے موتی اس طرح رولتے تھے کہ سامعین گھنٹوں گھنٹوں بیٹھے آپ کو سنتے رہتے تھے۔

زندگی میں بس ایک ہی بار آپ کو غصے میں تقریر کرتے سنا اور وہ غصہ برحق تھا، بروقت تھا، موقع تھا بابری مسجد کی شہادت کا، ۶ر دسمبر کو ظالموں کے ہاتھوں مسجد شہید کی گئی تھی اور ۷ر دسمبر ۱۹۹۲ء بروز پیر کو مرکزی جامع مسجد میں جلسہ کیا گیا تھا، اُس دن خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے جو تقریر کی تھی وہ معمول کے مطابق پر کیف ونرم گفتاری کا مصداق نہیں تھی بلکہ اس کے برعکس پر غیظ و پر الم تھی، لفظ بہ لفظ تو یاد نہیں لیکن جتنا یاد ہے اس کے چند جملے یہاں نقل کر دیتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا تھا:

> ”اس طرح کے واقعات ہمارے لئے نئے نہیں ہیں، اسلام کی تاریخ یہی رہی ہے کہ ہر دور میں دشمنوں سے سابقہ پڑتا رہا ہے، دشمنوں نے ہمیشہ ستایا اور نقصان پہنچایا ہے لیکن اس سے مسلمان کبھی گھبرایا نہیں اور نہ ہی اس کے پائے استقامت میں لغزش آئی ہے، آج کا حادثہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے اتنا ہی سنگین ہے، اس لئے ہمیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی حواس باختہ ہونے کی ضرورت ہے، وہ طاقتیں جو اسلام دشمن ہیں، آج غالب آنے کی کوشش کر رہی ہیں، جو کبھی نہیں ہو سکتا۔ مسلمان اپنے عزم اور ایمانی بل کی قوت پر دشمنوں کی طاقت کو خاطر میں لانے والا نہیں ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ نہ مسلمانوں کا حوصلہ ٹوٹے گا اور نہ ہی اس کے عزائم متاثر ہوں گے۔“

بے شک اس تقریر میں جذبہ ہے، مخالفین کے لئے غصہ ہے، امت کے لئے حوصلہ بخش الفاظ ہیں۔ اُس دن حضرت بہت طیش اور غصے میں بول رہے تھے، وہ وقت ہی ایسا تھا۔ مسلمانوں کے جذبات اور احساسات کو مجروح کرنے کا جو کام حکومت نے کیا تھا اُس کی کسک اور تڑپ آج تک ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں سے باہر نہیں نکلی ہے۔

خطیب الاسلامؒ کا اندازِ تلاوت

قرآن مجید اللہ رب العزت کا ایسا کلام ہے جس کو پڑھنے کے لئے اُس کے قاعدے اور طریقے کا علم لازمی ہے لیکن علم کے علاوہ تلاوت کا جو اہم ترین پہلو ہے وہ قاری کا سلیقہ وشعور ہے۔ آج ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ہیں جو قواعد التجوید اور اصول التجوید سے تو واقف ہیں مگر قرآن کو دل میں اتارنے کا فن ان تجوید کے سند یافتوں کو نہیں آتا۔

مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ جس انداز سے قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے وہ نہایت دل نشیں اور پُر کیف ہوتا تھا، حد درجہ میانہ رفتار سے قرآن کریم پڑھتے تھے، نہ اتنا تیز کے سننے والے کو الفاظ ہی سمجھ

میں نہ آئیں اور نہ اتنا کھینچ تان کر کہ سورۂ اخلاص، سورہ فاتحہ سے بھی لمبی لگنے لگے۔ تلاوت کا یہ انداز بھی موروثی تھا، جو والد محترم حضرت حکیم الاسلامؒ ہی سے آپ میں منتقل ہوا تھا۔ آواز میں ایسی نرمی اور لہجہ میں اس درجہ حلاوت تھی کہ دل چاہتا تھا آپ پڑھتے رہیں اور ہم ہمہ تن گوش، سراپا سامع ہو جائیں۔

حضرت خطیب الاسلامؒ کی امامت

جب سے راقم نے مسجد میں جانے کی ابتدا کی ہے تب سے جمعہ کی نماز مولانا محمد سالم صاحبؒ ہی کے پیچھے پڑھی ہے، جمعہ کے علاوہ جامع مسجد میں عیدین کی نماز بھی آپ ہی پڑھاتے تھے۔ غالباً ۲۰۰۷ء تک آپ نے عیدین کی نماز کے لئے امامت کی ہے۔

اسلامی زندگی میں امام کا درجہ بہت اونچا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ سب سے اونچا ہے تو بھی غلط نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے امام کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ امت کی فکر کرنے والا ہو، یہ فکر مختلف طرح کی ہوسکتی ہے۔ امت کی اصلاح کے لئے فکر کرنے والا ہو تو اصلاح کی کوششیں کرے، تقریریں کرے، مجالس کا اہتمام کرے اور لوگوں تک دین کا صحیح پیغام پہنچائے، امت کی نمازوں کے لئے فکر کرنے والا ہو تو اس بات کا خیال رکھے کہ نماز پڑھانے کے لئے حدیث مبارکہ میں کیا اصول بیان فرمائے ہیں۔ حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ دونوں صورتوں میں ایک اعلیٰ صفت امام تھے، وہ امت کے لئے اصلاحی بیان بھی فرماتے تھے اور سنت رسول کے مطابق نمازیں بھی ہلکی پڑھاتے تھے۔

تمام شہر دیوبند ہی نہیں ملک و بیرون ملک کے وہ تمام لوگ میرے قول کی تصدیق کریں گے جنہوں نے بھی مولانا سالم صاحبؒ کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے۔ آپ کی نمازیں بالکل اُس حدیث کے مطابق تھیں جس میں فرمایا گیا ہے:

ایک شخص (حزم بن ابی کعب) نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر) عرض کیا: یارسول اللہ! فلاں شخص (معاذ بن جبل) لمبی نماز پڑھاتے ہیں، اس لئے میں (جماعت کی) نماز میں شریک نہیں ہوسکتا (کیوں کہ میں دن بھر اونٹ چرانے کی وجہ سے رات کو تھک کر چکنا چور ہو جاتا ہوں اور طویل قراءت سننے کی طاقت نہیں رکھتا) (ابومسعود راوی کہتے ہیں) کہ اس دن سے زیادہ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وعظ کے دوران غضب ناک نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تم (ایسی شدت اختیار کر کے لوگوں کو دین سے) نفرت دلانے لگے ہو (سن لو) جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو وہ ہلکی پڑھائے کیوں کہ ان میں بیمار، کمزور اور حاجت والے (سب ہی قسم کے لوگ) ہوتے ہیں۔(۱)

(۱) صحیح بخاری، کتاب العلم، حدیث نمبر ۸۹

حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ بہت شاندار نماز پڑھاتے تھے، مجھے یاد نہیں آپ نے کبھی بھی لمبے رکوع وسجدے کئے ہوں، تلاوت ایسی کہ سورہ فاتحہ شروع ہوتے ہی مقتدی خشوع وخضوع کے ساتھ نماز میں محو ہوجاتا تھا۔ بے شک تحریر اُس احساس کو بیان کرنے سے قاصر ہے جو حضرتؒ کی تلاوت سننے کے بعد دل میں پیدا ہوتا تھا، آج تو نہ جانے کس قسم کا ماحول بنا لیا گیا ہے کہ جس کسی کو بھی دیکھو جماعت کی امامت کرتے ہوئے لمبے لمبے رکوع وسجدے کرنے پر تلا ہوا ہے۔ مدارس کے طلبہ جو مساجد میں امامت کرتے ہیں نہ جانے کس شخص نے ان کے ذہنوں میں سے وہ حدیث صاف کردی جس میں رکوع وسجود میں تین مرتبہ تسبیح پڑھنے کا حکم ہے، کہیں بھی چلے جایئے اکثریت یہی ملے گی کہ رکوع میں جانے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ اب امام صاحب اٹھیں گے ہی نہیں اور سجدے میں تو ایسا لگتا ہے کہ شاید امام صاحب رہے ہی نہیں۔ کم سے کم دیوبند کی بہت سی مساجد میں تو یہی حال ہے، اس کے علاوہ ملک بھر میں تبلیغی جماعت کے زیر اثر امام کا حال یہی ہے۔ انہیں معلوم ہی نہیں ہے کہ فرض نماز کیسے پڑھانی ہے؟ آج ہر نماز میں یہی یاد آتا ہے کہ آخر تین مرتبہ پڑھنے والی حدیث ان امام صاحب نے کیوں فراموش کردی؟

میں تمام طلبۂ مدارس سے اپیل کرتا ہوں کہ براہِ کرم آپ جب بھی جہاں بھی نماز پڑھائیں تو خدا کے واسطے حدیث کے مطابق اور اکابر دیوبند کے طرزِ عمل کا پاس رکھتے ہوئے مختصر سورتوں کے ساتھ ہلکی نماز پڑھائیں۔

۵/اور ۷/مرتبہ پڑھنے کی روایت بے شک درست ہے لیکن وہ انفرادی نماز کے لئے ہے، آپ اپنی نماز میں چاہے سو مرتبہ پڑھیں کوئی نہیں روکے گا، لیکن خدا کے واسطے امامت کرتے ہوئے اتنے لمبے رکوع سجدے نہ کریں کہ بدن کا سارا خون سر میں ہی جمع ہوجائے۔

اس موقع پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے ملاحظہ فرمایئے:

مغرب کی نماز میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مقتدی کی حیثیت سے کھڑے تھے، امام صاحب نے کوئی لمبی سورت پڑھ دی تو حضرت شیخ الہندؒ نے نماز سے فارغ ہوکر امام صاحب سے کہا کہ مولوی صاحب! سورہ اخلاص اور سورۂ فلق بھی قرآن ہی کی سورتیں ہیں اور ان کو پڑھنے سے بھی نماز ہوجاتی ہے۔

اکابر دیوبند کا یہی عمل رہا ہے، اکابر کی اسی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ بھی کبھی لمبی نماز نہیں پڑھاتے تھے۔ اسی لئے نماز میں دل لگتا تھا۔ اب تو امام صاحب کا سارا زور اپنی آواز کو جماتے ہوئے قراءت کی جلوہ نمائی پر رہتا ہے۔ اس موضوع پر لکھنے کا دل بہت چاہ رہا ہے لیکن یہاں دورِ حاضر کے ائمۂ مساجد کی اصلاح مقصد نہیں، یہ تذکرہ جو ضمناً آگیا اصلاح لینے والے تو ان چند سطور سے بھی اپنی اصلاح کرسکتے ہیں، بشرطیکہ اپنی غلطیوں پر نظر کرتے ہوئے انہیں دور کرنے کی فکر اور حق بات کو قبول کرکے اس پر عمل کرنے کا جذبہ ہو۔

خطیب الاسلامؒ کی ایک مؤمنانہ صفت

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ جہاں بہت سی خوبیوں کے مالک تھے وہیں ان کی ایک اہم خوبی تھی کینہ سے بیزاری، وہ کسی کے لئے بھی اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتے تھے، آپ کو غصہ بہت جلد آتا تھا، بلاشبہ غلط بات پر غصہ آنا مومن کی علامت ہے اور غصہ کا جلد چلا جانا مومن کی شان ہے۔ یہ مومنانہ صفت مولانا محمد سالم صاحبؒ کی خاصیت تھی۔ آپ کو جب بھی کسی بات پر غصہ آتا یا کوئی بات ناگوار گزرتی تو اس پر غصہ کا اظہار فرماتے لیکن یہ غصہ زیادہ دیر نہیں رہتا تھا، بس چند لمحوں میں ہی وہ پہلے کی طرح نارمل ہو جاتے تھے، انسان کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ اگر کسی کی کوئی بات بری لگے یا کسی رائے میں اختلاف ہو جائے تو اس بات کو طول دے کر دلوں میں نہیں رکھنا چاہئے۔ اختلاف رائے تو صحابہؓ میں بھی رہا ہے لیکن وہ کسی سے بھی کبیدہ خاطر نہیں رہتے تھے، نہ دلوں میں رنج رہتا تھا نہ ہی سامنے والے سے کینہ وبغض رکھا جاتا تھا۔ حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ بھی ایک شفاف ونرم دل کے مالک تھے، کسی سے بغض وکینہ تو آپ کے خاندان میں کسی کے اندر نہیں رہا، ویسے بھی خاندانی لوگ تعمیری فکر رکھتے ہیں، تخریبی نہیں۔

اندازِ تدریس

حضرت خطیب الاسلامؒ ایک ذی شعور و باصلاحیت انسان تھے، اپنے خاندان کی علمی روایت کے شاندار امین تھے، دارالعلوم سے فراغت کے بعد اکابر کی اسی یادگار و پُر وقار درسگاہ میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور سالہا سال ایک کامیاب وشفیق مدرس کی حیثیت سے بے شمار تلامذہ کو حدیث کا درس دیا۔ آپ کا درس مثالی ہوتا تھا، آپ کا اندازِ تدریس شاندار تھا، تقریر مسلسل رہتی تھی، اللہ رب العزت نے لسانی صلاحیتوں سے خوب نوازا تھا، اس لئے ایسی مبسوط اور سبق سے مربوط تقریر کرتے تھے کہ طلبہ کے اندر کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی تھی۔ دورانِ درس کبھی لطائف یا خارجی باتوں میں وقت ضائع نہیں کرتے تھے، خالص تدریس اور طلبہ کے اندر علم منتقل کر دینے کی فکر ان کے انداز میں محسوس کی جا سکتی تھی۔

تقریر میں علمی مباحث کے نکات کو ایسی تفصیل سے سلجھاتے کہ کسی بھی ذہن میں کوئی الجھن باقی نہیں رہتی تھی۔ تقریر میں رفتار کافی ہوتی تھی، کم وقت میں زیادہ بات بتانے کے سبب آپ بہت تیز بولتے تھے، اتنا تیز کہ کوئی طالب علم تقریر کو تحریر نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت مولانا قاری ابوالحسن اعظمی صاحب فرماتے ہیں:

> ''میں نے آپ سے ابن ماجہ پڑھی ہے اور پوری درسگاہ میں فقط ایک میں ہی تھا جو آپ کی تیز رفتار تقریر کو جلدی جلدی لکھا کرتا تھا، میرے علاوہ آپ کی رواں دواں تقریر کوئی طالب علم لکھ نہیں پاتا تھا، پھر بعد میں خواہش مند طلبہ میری کاپی میں سے نقل کر لیا کرتے تھے اور امتحان میں یہی تقریر سب

سے زیادہ کام آتی تھی۔‘‘

آپ کی ایک اور اہم خصوصیت درسگاہ میں وقت پر آنا تھی، ہمیشہ وقت پر آتے تھے، کبھی تاخیر نہیں کی اور کبھی درس کے اوقات میں کسی دوسرے موضوع پر گفتگو بھی نہیں کی۔

بے شک یہی اکابر دیوبند کا طرز رہا ہے۔ خطیب الاسلامؒ نے جن حضرات سے تعلیم حاصل کی تھی وہ وہی تھے جو دارالعلوم دیوبند میں شخصیت گری اور مردم سازی کا کام کرتے تھے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ادریس کاندھلویؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا ابراہیم بلیاویؒ، مولانا عتیق الرحمٰن عثمانیؒ اور اکابر دیوبند کی آخری کڑی حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ۔ ان جید علماء کرام سے اکتساب فیض ہی کا ثمرہ تھا کہ خطیب الاسلامؒ بھی ایک باصلاحیت اور قابل فخر استاذ کی حیثیت سے طلبہ میں معروف رہے۔ درج بالا اساتذہ ہی اکابر دیوبند کی وہ آخری کھیپ ہیں جنھوں نے دارالعلوم سے باصلاحیت اور باشعور شخصیتیں تیار کرکے اس دنیا کو دی تھیں۔ آج تو نہ مردم شناسی کا شعور ہے اور نہ ہی مردم سازی کا جذبہ، بس ٹائم ٹیبل کے حساب سے درسگاہ میں آؤ، درس دو اور ڈیوٹی پوری ہوئی۔

بہرحال آج کے حالات کا مزید تذکرہ کیا تو بقول شاعر ’’بات نکلے گی تو پھر دور تلک جائے گی‘‘ بہتر یہی ہے کہ اس موضوع کو یہیں روک دیتا ہوں۔ اس وقت دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحبؒ کا ایک جملہ یاد آرہا ہے وہ نقل کردیا جائے تو شاید ان کے طنزیہ جملے سے کسی بجھتے ہوئے احساس کو لومل جائے۔ بات غالباً ۲۰۰۱ء کی ہے، دیوبند کے ریلوے اسٹیشن پر چند طلبہ کا کوئی جھگڑا ہوگیا تھا، اس بابت بات کرتے ہوئے کسی نے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب سے کہا کہ:

> ’’محترم! دارالعلوم میں طلبہ کی تربیت پر توجہ نہیں ہے، اس پر غور کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ تو اس پر مہتمم صاحب نے فرمایا کہ میاں طلبہ ہی کیا یہاں تو اساتذہ بھی تربیت کے محتاج ہیں۔‘‘

حضرت خطیب الاسلامؒ اور وقت کی پابندی

صرف درسگاہ ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ وقت کے انتہائی پابند تھے۔ اس موضوع پر بہت سے لوگوں نے بہت کچھ تحریر کیا ہوگا، اس لئے راقم الحروف وقت بچاتے ہوئے بس اتنا ہی لکھتا ہے کہ خطیب الاسلامؒ وقت کے اتنے پابند تھے کہ ہمیں ان سے سبق حاصل کرکے اپنی خصلتِ ناقدریٔ وقت کی اصلاح کرنی چاہئے، بڑوں کی زندگی کے اعلیٰ اخلاق و کردار سے چھوٹوں کا اپنی اصلاح کرلینا ہی بڑوں کے لئے ذخیرہ آخرت ہے۔

آپ کے بہت سے واقعات مشہور ہیں جو پابندی وقت کی مثال کے طور پر پیش کئے جاتے ہیں، خصوصاً آپ کے فرزند مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب کے ساتھ کیا گیا واقعہ جس کا تذکرہ مولانا محمد سفیان

قاسمی صاحب نے ازخود ماہنامہ ندائے دارالعلوم کے خطیب الاسلام نمبر کے اداریہ میں کیا ہے، جس میں بلاشبہ ایک باپ کی طرف سے اولاد کی ایسی تربیت تھی جو اسے تاحیات یاد رہے گی۔ میں سلام کرتا ہوں حضرت خطیب الاسلامؒ کو، اللہ انہیں آخرت میں سرخ روئی نصیب فرمائے۔ آمین

خود میرے ساتھ کا واقعہ یہاں درج کر دیتا ہوں جو ظاہر ہے کسی اور کے علم میں نہیں ہوسکتا۔ ہوا یوں: کہ میرے دادا حضرت عمر فاروق عاصم عثمانیؒ کا جب انتقال ہوا تو شام کے وقت حضرت کا فون آیا، فون میں نے ہی رسیو کیا۔ سلام کا جواب کے بعد حضرت نے فرمایا کہ میں سالم بول رہا ہوں۔ راقم نے بچپن سے مولانا سالم نام سنا ہے تو فقط سالم سن کر پہچان نہ سکا اور پھر پوچھا سالم کون؟ حضرت نے کہا سالم قاسمی، میں اب بھی نہ پہچان سکا کیوں کہ پہلی بار فون پر بات کر رہا تھا، اس لئے آواز آشنا نہیں تھی اور دارالعلوم سے فارغ ہونے والے سبھی لوگ خود کو قاسمی کہتے اور لکھتے ہیں اس لئے دھیان ہی نہیں گیا کہ یہ حضرت مولانا سالم صاحبؒ ہوں گے۔ بہر حال اب حضرت نے حسبِ عادت ہلکے سے غصے میں کہا سالم قاسمی دارالعلوم وقف سے بول رہا ہوں، اتنا سنتے ہی میری سٹی پٹی گم ہوگئی، لکھنے میں تو اس بات نے پانچ سطریں لے لی ہیں لیکن فون پر بولتے ہوئے پانچ سیکنڈ ہی کا وقت لگا ہوگا۔ خیر اس کے بعد حضرت نے دادا کی تعزیت کی اور دادی و دیگر اہل خانہ کی خیریت دریافت کرنے کے بعد فرمایا:

''میں انشاء اللہ صبح دس ساڑھے دس کے درمیان ملنے آؤں گا۔''

بات ختم ہوئی اور راقم گھر آنے والے مہمانوں میں مشغول ہوگیا۔ میرے ذہن میں بھی نہیں رہا کہ آپ سے بات ہوئی تھی۔ بہر حال اگلے روز آپ جناب مولانا دلشاد قاسمی صاحب کے ہمراہ رکشا میں تشریف لائے اور والد صاحب سے ملاقات کی۔ بیٹھک میں ایک دو لوگ اور بیٹھے ہوئے تھے، میں نے چائے کے لئے پوچھا تو حضرت نے منع فرمادیا۔ دورانِ گفتگو میری نظر گھڑی پر گئی تو دیکھا دس بج کر بیس منٹ ہو رہے تھے، تب اچانک مجھے حضرت کی فون پر گفتگو یاد آئی تو اندازہ ہوا کہ آپ ٹھیک سوا دس بجے گھر تشریف لائے تھے، بالکل اپنے قول کے مطابق یعنی دس اور ساڑے دس کے بیچ۔ بے شک دورِ حاضر میں اس درجہ پابندئ وقت کا خیال رکھنے والا اپنے اطراف مشکل ہی سے نظر آتا ہے۔

انکساری

عاجزی اور انکساری یہ دونوں خصلتیں آج دنیا سے دھیرے دھیرے رخصت ہوتی ہوئی نظر آرہی ہیں، خود نمائی کے شوق نے لوگوں کو عجیب مرض میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہر انسان آخرت سے زیادہ اس فانی دنیا میں رہنے والے لوگوں کی نظروں میں خود کو بڑا اور باکمال دکھانے کے درپے ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن یہاں مزید تفصیل کا موقع نہیں ہے، بس یہ سمجھ لیجئے کپڑا ہو یا جوتا، موبائل ہو یا چشمہ،

گھڑی ہو یا گھر کا دیگر سامان، انسان اپنی ضرورت نہیں بلکہ برانڈ دیکھ رہا ہے، جسے دیکھو وہی برانڈ کے پیچھے بھاگ رہا ہے، سب کو اپنا نام نمایاں کرنا ہے اور ایک ہمارے اکابر دیوبند کا طرزِ عمل ہے۔ ہمارے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہے جس کے اندر نام ونمود کی خواہش کا کوئی عمل دخل ہی نہیں ہے۔ جینا ہو یا مرنا سب اس کے لئے اور اسی لئے یہ علماء دین، یہ اللہ کے بندے، یہ اکابرین، یہ علوم دینیہ کے علمبردار، یہ چراغِ راہ، آج اس دنیا سے چلے جانے کے برسوں بعد بھی زندہ ہیں۔ دلوں میں، کتابوں میں، واقعات میں، روایات میں، حکایات میں، کیوں کہ جو اللہ کو یاد رکھتے ہیں دنیا انہیں یاد رکھتی ہے اور اللہ کو یاد رکھنے والے کبھی خود نمائی نہیں کرتے، غرور نہیں کرتے۔ خود کو مشہور کرنے کے خواہش مند نہیں ہوتے، علم دین سے آراستہ بڑے خاندانوں میں آج بھی انکساری، عاجزی کا تھوڑا بہت حصہ باقی چلا آرہا ہے۔ خاندانِ قاسمی کے عظیم المرتبت شخص، ہم سب کے بزرگ، دارالعلوم کے بانیوں میں سے ایک حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے مدارس دینیہ کا کوئی بھی طبقہ ناواقف نہیں، آپ کے بے شمار واقعات میں ایک یہ بھی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ دیوبند کے اسٹیشن پر کوئی صاحب دارالعلوم دیکھنے کے لئے آئے جو اس وقت اپنے تعمیری مراحل میں تھا اور ہر طرف اس کی شہرت ہورہی تھی، تو وہ صاحب دیوبند اترے اور نزدیک ہی کھڑے مولانا قاسم نانوتوی صاحبؒ سے معلوم کیا کہ دیوبند کا مدرسہ عربیہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا زیادہ دور نہیں، اُدھر ہی جارہا ہوں آیئے ساتھ چلئے۔ یہ کہہ کر حضرت نانوتویؒ نے اس مہمان کا بکس بہ اصرار اپنے سر پر رکھ لیا اور باتیں کرتے ہوئے اس کے ساتھ جب دارالعلوم کے قریب پہنچے تو مدرسہ کے طالب علموں نے حضرت کو بکس اٹھاتے ہوئے دیکھا اور وہ فوراً حضرت کے قریب اس بکس کو لینے کے لئے دوڑ پڑے۔ حضرت نے وہ بکس اتار کر طلبہ سے کہا یہ ہمارے مہمان ہیں، انہیں مدرسہ میں لے جایئے۔ یہ دیکھ کر اُس مہمان کو تھوڑی حیرت ہوئی اور اس نے ایک طالب علم سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جیسے ہی اُسے معلوم ہوا کہ یہ مولانا قاسم نانوتویؒ اور دارالعلوم کے مہتمم ہیں تو اس شخص پہ رقت طاری ہوگئی، وہ زار وقطار رونے لگا اور وہیں حضرت نانوتویؒ کے قدموں پر گر پڑا، معافی تلافی کرنے لگا۔ حضرت نے اسے شانوں سے پکڑ کر اٹھایا اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ایسا نہ کریں بھائی، آپ ہمارے مہمان ہیں اور مہمان کی خدمت کرنا ہی مومن کے لئے سعادت ہے، میں نے تو سنت رسولؐ پر عمل کیا ہے، آپ ندامت کا احساس نہ کریں۔

یہ تھے اکابر دیوبند، یہ تھا اُن کا انکسار۔ اس واقعہ کو تحریر کرنے کا مقصد حضرت خطیب الاسلامؒ کے انکساری کو بتانا تھا۔ ظاہر سی بات ہے کہ مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ بھی اسی عظیم المرتبت انسان حضرت نانوتویؒ کی اولاد میں سے ہیں، اس لئے آپ کے اندر بھی یہ صفت موجود ہونا لازمی تھی۔ وقت کی پابندی کے زیرعنوان درج بالا سطور میں راقم نے فون پر ہوئی گفتگو کا ذکر کیا ہے۔ حضرت نے اپنا فقط نام بتایا تھا ''سالم بول رہا ہوں'' یہ نہیں کہا ''مولانا سالم بول رہا ہوں'' دیکھ لیجئے کتنے بڑے عالم دین، ہزاروں شاگردوں کے

استاذ، ملک و بیرون ملک میں جانی پہچانی شخصیت لیکن کبر نہیں، انکسار کے مالک، خودنمائی نہیں، عاجزی کے پیکر، یہ تھے خطیب الاسلام اور فقط آپ ہی نہیں خاندان کے دیگر حضرات بھی خودنمائی کی وبا سے محفوظ ہیں۔ آپ کے برادر اصغر حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحبؒ کے گھر لگی ہوئی نیم پلیٹ کون نہیں جانتا۔ نہ مولانا، نہ جناب، نہ صاحب اور نہ ہی کوئی عہدہ یا منصب۔ سادگی کے ساتھ لکھا ہوا فقط ''محمد اسلم قاسمی'' انکساری کی معراج معلوم ہوتا تھا۔ آج کل کے کم ظرف وخودنمائی کے اسیر لوگ اپنے گھر کی نیم پلیٹ پہ اپنی ڈگریوں کے ساتھ ساتھ اپنا شجرہ بھی لکھوا لیتے ہیں اور جب فون پر بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں: ''ہیلو ہاں میں بول رہا ہوں مولانا فلاں فلاں....'' نام سے پہلے تو میں آجاتا ہے اور یہی ''میں'' ہی ایک فرشتے کو شیطان کر گیا تھا۔

درج بالا حضرت نانوتویؒ کے واقعہ میں کسی معترض کو دو اعتراض ہو سکتے ہیں، وہ بھی ہم صاف کر دیں تو بہتر ہے۔ اول یہ کہ اُس وقت ٹرین کہاں تھی جو کوئی اسٹیشن سے آیا۔ ٹرین تھی، دہلی سے سہارنپور کے لئے ٹرین ۱۸۷۰ء میں شروع ہوگئی تھی جو کہ ایک پسنجر ٹرین تھی۔

دوسرا اعتراض مولانا نانوتویؒ اس وقت وہاں کیا کر رہے تھے؟ اس بارے میں دو روایات ملتی ہیں، پہلی یہ کہ آپ کسی کو چھوڑنے اسٹیشن آئے تھے۔ دوسری یہ کہ آپ بھی اُسی گاڑی سے اترے تھے اور میرٹھ سے تشریف لائے تھے جہاں آپ مدرسہ کے مہتمم بننے سے پہلے ایک اخبار میں تصحیح کا کام کرتے تھے۔ دوسری روایت زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال واقعہ سچا ہے اور ہم نے اپنے بڑوں سے متواتر سنا ہے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ سے میرا تعلق

رب السمٰوٰت والارض کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ حق و دیانت کے ساتھ لکھنے کی روش نے کسی بھی بات کو بڑھا چڑھا کر یا غلو آمیز عقیدت کے جذبات شامل کر کے لکھنے کی عادت ہی نہیں ہونے دی۔ بلا مبالغہ آپ اس مضمون سے بھی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ راقم نے حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے بارے میں جو بھی لکھا ہے وہ فقط عقیدت مند دل کے جذبات کا اظہار ہی نہیں بلکہ لفظ لفظ حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ پورے مضمون میں ایک سطر یا ایک جملہ بھی ایسا نہیں جس کو پڑھنے کے بعد کسی بھی ہوش مند کے ذہن میں یہ بات اُبھر سکے کہ مولانا محمد سالم صاحبؒ تو بڑے ہی زبردست انسان تھے اور یہ تمام صفات تو فرشتوں والی ہیں۔ حضرت ایک نیک دل انسان ہی نہیں بلکہ فرشتہ تھے اور دنیا میں اُن جیسا کوئی دوسرا پیدا ہی نہیں ہوا۔ ایسا کچھ بھی راقم الحروف کی تحریر سے ظاہر نہیں ہوگا، کیوں کہ غلو آمیز عقیدت کے ہم قائل نہیں، اسی لئے یہاں یہ بات لکھنے میں بھی کوئی تامل محسوس نہیں ہوتا کہ راقم کا تعلق حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ سے بہت گہرا یا مسلسل ملاقاتوں کا نہیں تھا، بے شک وہ ہمارے بڑے تھے اور قابل احترام و قابل قدر انسان تھے، ان کی عزت وعقیدت ہمیشہ دل میں رہے گی اور رہنی بھی چاہیے۔

رہی تعلق کی بات تو راقم کا تعلق حضرت سے دعائیں لینے تک محدود تھا۔ کبھی کبھار ان سے ملاقات کے لئے جاتا تھا، اکثر کسی نہ کسی تقریب یا دعوت میں ملاقات ہوتی تو مصافحہ کر کے سر پر دستِ شفقت دراز کروالیتا تھا۔ داداجان کے شعری مجموعہ ''میرے بعد'' کی اشاعت کے بعد ایک نسخہ حضرت کے لئے لے کر گیا تو بہت خوش ہوئے اور یاددہانی کے طور پر پوچھا: ''تم فاروق کے پوتے ہونا؟ عبداللہ کے بیٹے؟'' میں نے اثبات میں سر ہلایا اور کتاب پیش کی۔ کتاب کے معیار وحسن کو دیکھ کر بہت دعائیں دیں اور یہ بھی بتایا کہ فاروق اور ہم دارالعلوم میں ابتداء ہی سے ساتھ پڑھتے رہے ہیں۔

بے شک یہ تعلق فقط داداجان ہی نہیں بلکہ اس سے بھی قدیم ہے۔ خاندانِ قاسمی اور خاندانِ عثمانی کا تعلق دارالعلوم کے قیام سے بھی پرانا ہے۔ حضرت نانوتویؒ اور میرے دادا کے دادا مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ دونوں ہی مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے تلامذہ ہیں۔ دونوں نے استاذ الاساتذہ سے دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی اور بعد میں آپسی مشاورت وکوشش سے دیگر رفقاء کے ساتھ مل کر مدرسہ اسلامیہ عربیہ کے نام سے دارالعلوم قائم کیا ہے۔ اس کے بعد یہ تعلق آگے بڑھا تو مولانا قاسم صاحبؒ کے فرزند حافظ محمد احمد صاحبؒ اور مولانا فضل الرحمٰن عثمانی صاحبؒ کے فرزند مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی صاحبؒ، مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، مولانا مطلوب الرحمٰن عثمانیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تک آیا۔ اس کے بعد حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ کے فرزند مفتی عتیق الرحمٰن ومولانا مطلوب الرحمٰن عثمانی کے فرزند علامہ عامر عثمانیؒ کے گہرے وقریبی مراسم کے بعد مولانا محمد سالم صاحبؒ اور میرے دادا عمر فاروق عاصم صاحب تک آیا۔ اس کے بعد الحمدللہ ان کے پوتے شکیب قاسمی کے ساتھ بھی راقم کا ایک تعلق قائم ہے۔ تعلق کا یہ سلسلہ بہت پرانا ہے بلکہ تعلق کی اس شاخ پر رشتے داری کا پھول اسی وقت کھلا جب مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے فرزند جناب عدنان قاسمی صاحب کے ساتھ میرے تائے ابی مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی کی صاحبزادی کا نکاح ہوا۔

ارادہ تو یہی تھا کہ ایک یا دو صفحات میں مضمون لکھ کر شکیب بھائی کو بھجوا دوں گا لیکن حضرت خطیب الاسلامؒ کے اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ اتنی جگہ لے لے گا اس کا اندازہ نہیں تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مزید طوالت کے ڈر سے راقم مضمون کو یہیں ختم کر رہا ہے مگر حضرت خطیب الاسلام کی حیات کے ابھی بہت سے پہلو باقی ہیں، جن پر کلام کیا جاسکتا ہے اور کیا جانا چاہئے۔ آپ کا اندازِ عبادت، آپ کا اندازِ تربیت، آپ کا اندازِ نگارش، آپ بحیثیت مہتمم اور بھی بہت کچھ عناوین ہیں جن سے حضرت کی حیات پر تفصیلی روشنی ڈالی جاسکتی ہے۔

اللہ رب العزت حضرت خطیب الاسلامؒ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے اور ہمیں ان کے اسوۂ حسنہ سے اپنی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

❖ ❖ ❖

بابِ دوم

افکار ونظریات

مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

دیوبندی فکر کے نقیب وترجمان
اور ندوۃ العلماء کی فکر و منہج دعوت کے داعی

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ❖

دارالعلوم دیوبند کی خصوصیت وامتیاز

دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے موقع پر لاکھوں کے مجمع کو جس میں علماء وخواص اور قائدین ملت کی بڑی تعداد تھی اور برصغیر کا منتخب مجمع موجود تھا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے دارالعلوم دیوبند کی خصوصیت اور امتیاز بتاتے ہوئے کہا تھا کہ:

''اس درس گاہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اختلافی مسائل کے بجائے توحید وسنت پر اپنی توجہ مرکوز کی (اور یہ وراثت اور امانت حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی، شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید رحمہم اللہ کے وسیلے سے اس کو ملی اور ابھی تک اس کو عزیز ہے) دوسری خصوصیت اتباع سنت کا جذبہ اور فکر ہے۔ تیسری خصوصیت تعلق مع اللہ کی فکر اور ذکر وحضوری اور ایمان واحتساب کا جذبہ ہے۔ چوتھا عنصر اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ اور کوشش اور دینی حمیت وغیرت ہے۔

یہ چار عنصر مل جائیں تو دیوبندی بنتا ہے، اگر ان میں سے کوئی عنصر کم ہو جائے تو دیوبندیت ناقص ہے، فضلاء دارالعلوم دیوبند کا یہی شعار رہا ہے اور وہ ان چار چیزوں کے جامع رہے ہیں''۔

اسی کے ساتھ انہوں نے ایک پانچویں خصوصیت وامتیاز کی طرف بھی توجہ دلائی تھی کہ:

''میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کی روح کا یہی پیغام ہے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اسی فکر میں پگھلتے اور گھلتے رہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی اور مولانا مدنی (اپنے اپنے خاص طرز واسلوب سے) اسی کے لیے ہمیشہ سوزاں ولرزاں رہے

❖ معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنو

کہ ہندوستانی مسلمان اپنی خصوصیات اور ملی تشخصات کے ساتھ اس ملک میں باقی رہیں، قرآن وسنت کو سینے سے لگائیں رکھیں، اختلافی مسائل چھیڑنے کے بجائے توحید وسنت پر زور دیں، دارالعلوم دیوبند کا یہی پیغام ہے اور اس کی یہی خصوصیت رہی ہے کہ اس نے سرمایہ ملت کو بچانے کی کوشش کی''۔(۱)

دارالعلوم دیوبند کے اکابر واسلاف

دارالعلوم دیوبند کے بانی اور ترجمان کی حیثیت سے سرفہرست اور پہلا نام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا اور دوسرا نام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ہے، پھر اس کی فکر کے ناشر وترجمان کی حیثیت سے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کا نام اور کام سب سے زیادہ نمایاں ہے، پھر ان کے تلامذہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، علامہ شبیر احمد عثمانی اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دھلوی رحمہم اللہ کی شخصیات ہیں جنہوں نے اس کی فکر و پیغام بلکہ اس کی روح اور مزاج کو نہ صرف عام کیا؛ بلکہ مسلک دیوبند کو، مسلک حق کی شناخت وعلامت کے طور پر باور کرایا۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی صاحبؒ

ان حضرات سے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی نے اس فکر ومزاج کو پورے طور پر لے کر اس کے پیغام کو اس طبقے میں بھی عام کیا جو اہل حق سے ہٹا ہوا اور منحرف سمجھا جاتا تھا اور یورپ وامریکہ، افریقہ کے ممالک کے دوروں کے ساتھ برصغیر کے اسفار اور اندرون ملک کے مسلسل دوروں، تقریروں، تحریروں اور مواعظ ومجالس کے ذریعہ دینی تعلیم وتربیت کا وہ کام کیا جس کی نظیریں کمیاب ہیں۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ان صفات وخصوصیات کے بھی حامل تھے جو ان کے اسلاف کی میراث تھیں اور وہ اس کی فکر ومزاج کے ہی نہیں؛ بلکہ ان علوم ومعارف کے بھی حامل تھے جو ان کو ان کے دادا حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے بطور میراث ملے تھے۔

ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ انہوں نے علم وحلم کو جمع کیا تھا اور ان میں جو علمی تبحر ورسوخ پایا جاتا تھا، اسی کے ساتھ دوسروں کے ساتھ معاملات میں حلم، صبر، برداشت اور عفوودرگزر کی جو باتیں ملتی ہیں، ان میں وہ اپنے معاصرین پر بہت فائق نظر آتے ہیں۔ ان کی خطابت اور اسلوب بیان کی ایک بڑی خصوصیت تھی کہ ان کی تقریر میں بیٹھنے والا، خواہ کتنی طویل ہو، اکتاتا نہیں تھا۔ ان کے اسلوب میں مولانا روم کے اسلوب کی چھاپ پائی جاتی تھی اور ایسی مثالیں دیتے اور حکایتیں بیان کرتے کہ اس سے لوگوں کے لیے بڑی

(۱) کاروان زندگی، جلد دوم، ص: ۳۱۰، ۳۱۱

اصلاح کا سامان ہوتا۔ ان کے بیان سے اہل علم اپنے علم کے اعتبار سے اور عوام فہم کے اعتبار سے خوب مستفید ہوتے۔ اس طرح ان کے ذریعہ اصلاح عقائد، ازالہ منکرات وبدعات کا بڑا کام ہوا۔ اس عاجز کو ان کے بیانات بارہا سننے کا شرف حاصل ہوا اور ان کے بیان سے علمی، دینی اور فکری تینوں اعتبار سے فائدہ پہنچا۔ ان کی شفقتیں بھی حاصل ہوئیں اور بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا اور ان کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ بہت ہی نرم مزاج، بڑے خلیق وملنسار اور خوش گفتار تھے۔ ''نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو'' کے مصداق تھے، غصہ جیسے ان کو آتا ہی نہیں تھا۔ طویل مدت جو ساٹھ سال سے زیادہ کی ہے، دارالعلوم دیوبند کے منصب اہتمام کی ذمہ داری سنبھالی اور اس کو استحکام بخشا اور اس کے مسلک وپیغام کو فروغ دیا۔

امام سید احمد شہیدؒ کی تحریک دعوت واصلاح سے علمائے دیوبند کی نسبت کا ذکر ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید عبدالحی حسنیؒ کے قلم سے

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور ان کے والد مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ کے تعلق ومحبت اور تکریم وضیافت اور مولانا محمد سالم کے دادا حافظ محمد احمد صاحبؒ خلف الرشید حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا سید عبدالحئیؒ حسنیؒ والد ماجد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ لکھتے ہیں:

''انہوں نے ایسا اظہار عقیدت کیا کہ ہم کو ان بزرگوں کے حسن ظن پر حیرت ہے، ہم لوگوں کی مخدومیت اور اپنی خادمیت کا اظہار ہر ہر بات پر فرماتے تھے، سب کو شکایت اس بات کی تھی کہ آپ سرائے میں کیوں ٹھہرے، کیا آپ ہم کو اپنا خادم نہیں سمجھتے، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ سرائے میں رہیں۔ مولوی محمود حسن صاحب نے کہا کہ کل میں نے بہت اصرار کیا، لیکن انھوں نے مانا نہیں، مولانا ذوالفقار علی صاحب نے کہا کہ آپ نے ان کے انکار کو تسلیم ہی کیوں کیا، آخر کو آدمی سرائے بھیجا گیا اور اسباب (سامان) اٹھوا منگایا۔ اس عرصہ میں کھانا نہایت اہتمام کے ساتھ پکوایا گیا تھا۔ کھانے کے بعد مولوی ذوالفقار علی صاحب نے اپنے ہاتھ سے اور مولوی محمود حسن صاحب نے بستر بچھا کر کہا کہ آپ قیلولہ فرمائیں، ارادہ اسی وقت روانگی کا تھا، مگر حافظ احمد صاحب خلف الرشید مولانا محمد قاسم صاحب علیہ الرحمہ نے نہایت اصرار کے ساتھ شب کی دعوت کی نسبت فرمایا، ان کی استدعا ایسے تواضع وانکسار کے ساتھ تھی کہ مجبوراً فسخ عزیمت کرنی پڑی، ان سب بزرگوں نے نہایت افسوس کے ساتھ ذکر کیا کہ آپ دو دن سے آئے ہوئے ہیں، بارش کی وجہ سے ہم لوگوں کو اطلاع نہیں ہوئی، ورنہ ہم سرائے میں حاضر ہوتے اور آپ نے باوجود اس بات کے جاننے کے کہ دیوبند میں سب ہمارے خادم ہیں، یہاں فروکش ہونے سے گریز کیا، وہ یہ باتیں کر رہے تھے اور ہم شرم وغیرت کے مارے عرق عرق (پسینہ پسینہ)

ہوئے جاتے تھے، اے اللہ! ان بزرگوں کا یہ حسن ظن اور ہماری یہ حالت، ان کی یہ حسن عقیدت اور ہماری یہ شامت اعمال، ان میں وہ مسکنت اور غربت، ہم میں یہ خودداری اور نخوت، ان میں وہ سادگی اور بے تکلفی، ہم میں یہ تکلف اور سیہ مستی، **این الثری من الثریا، نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیآت اعمالنا.**

اس کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ کر کے اٹھے اور نماز کو گئے، نماز کے بعد مولوی فضل الرحمٰن صاحب ملنے آئے، عصر تک وہ بیٹھے، حافظ احمد صاحب اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب بیٹھے رہے، بزرگان سلف یعنی خاندان عزیزیہ (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) واحمدیہ (سید احمد صاحب بریلوی شہید) کے تذکرے ہوتے رہے، یہ بزرگ حضرت سیدناؒ کے قصص اس شیفتگی سے بیان کرتے تھے جیسے عاشق اپنے معشوق کے حالات بیان کرتے وقت مزے لیتا ہے، عصر بعد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گئے، شہر کے باہر کسی تکیہ میں ان کا مزار میدان میں کچا بنا ہوا ہے، اسی اثناء راہ میں قاضی کی مسجد کی زیارت کی جس میں حضرت سید صاحب فروکش ہوتے تھے''۔(۱)

آگے مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کا تذکرہ مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ کی گفتگو کے ضمن میں اس طرح کرتے ہیں:

''بہت قصے مولانا نے فرمائے، جو اس روسیاہ کو یاد نہیں رہے، اتنے ہی میں مولوی احمد صاحب بن مولانا محمد قاسم صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند لالٹین لے کر آ گئے اور کہا کہ کھانا تیار ہے، غریب خانہ تک چلیے، وہاں جا کر کھانا کھایا، کھانے میں بڑا تکلف اور اہتمام کیا تھا، کھانے کے بعد پھر سید صاحب کا تذکرہ شروع ہوا، مولوی محمود حسن صاحب ومولوی حبیب الرحمٰن صاحب وغیرہ بھی شریک تھے، یہ لوگ ایسی شیفتگی سے بیان کر رہے تھے جس کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی، ان بزرگوں نے بالاتفاق بیان کیا کہ مولانا محمد قاسم صاحب کو سید صاحب کے ساتھ ایسی عقیدت تھی کہ ان کے ادنی ادنی ہم راہیوں کے ساتھ وہ باادب پیش آتے تھے، اگر سید صاحب کے متعلقین میں سے کوئی شخص ملتا تھا تو اس سے ایسا ملتے تھے جیسا کوئی عقیدت مند مرید اپنے پیر ومرشد سے یا خادم اپنے آقا سے''۔(۲)

آگے لکھتے ہیں:

''سب نے بالاتفاق بیان کیا کہ سید صاحب کے اکثر دیکھنے والے بیان کرتے تھے کہ مولوی قاسم صاحب خَلقاً وخُلقاً مولانا محمد اسماعیل صاحب سے بہت مشابہ ہوئے ہیں، سید صاحب کے دیکھنے

---

(۱) دہلی اور اس کے اطراف ذکر دیوبند۔ مطبوعہ اردو اکادمی

(۲) معارف اعظم گڑھ شمارہ نمبر ۴ جلد ۴۳ ص ۲۶۹، ۲۷۹

والوں نے انقراض صحبت کے بعد پھر کسی کا وعظ نہیں سنا، البتہ اگر کہیں اتفاق ہوا تو مولوی صاحب مرحوم کا وعظ سنا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کا وعظ مولانا محمد اسماعیل صاحب کے وعظ سے بہت ملتا ہے‘‘۔(۱)

دیوبند میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء کے قیام اور دارالعلوم کے تعلق سے ان کی پیش گوئی کا ذکر مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ کے حوالہ سے اس طرح کیا ہے:۔

’’مولوی ذوالفقار علی صاحب یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ان اطراف میں دیکھنے والوں نے یہاں تک بیان کیا ہے کہ شب کے وقت سید صاحب چارپائی پر استراحت فرماتے تھے اور ایک جانب مولانا عبدالحئی صاحب (بڑھانوی) دوسرے جانب مولانا محمد اسماعیل صاحب بیٹھ کر صبح کر دیتے تھے، رات میں جس وقت سید صاحب کی آنکھ کھلتی تھی، فرماتے تھے، مولانا وہ کہتے تھے، حضرت آپ کہتے تھے، فرمائیے، ان کو جو پوچھنا ہوتا تھا، وہ پوچھتے تھے، سید صاحب مختصر الفاظ میں جواب دیتے، پھر سو رہتے اور یہ دونوں بزرگ اس جواب کے مزے لیا کرتے اور اس کے وجد ومحویت میں رہتے‘‘۔(۲)

اور لکھتے ہیں:

’’اکثر علمائے دیوبند نے بالاتفاق بیان کیا کہ یہ مدرسہ سید صاحب کی پیشین گوئی کے موافق بنا ہے، جب وہ یہاں تشریف لائے تھے تو فرمایا تھا کہ مجھ کو اس قصبہ سے علم کی شعاعیں یا انوار نکلتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، چناں چہ جب یہ مدرسہ اول اول کھلا ہے قاضی کی مسجد کے پاس کھولا گیا، جہاں سید صاحب رونق افروز ہوئے تھے پھر اس کے بعد دوسری جگہ منتقل ہوا اور اب جہاں ہے اس کی نسبت حضرت مجدد صاحب نے پیشین گوئی کی تھی، ایک مرتبہ اس جگہ سے ان کا گذر ہوا تھا۔ فرمایا کہ مجھ کو علم کے انوار نظر آتے ہیں، دیر تک وہاں اس قسم کی باتیں ہوئیں‘‘۔(۳)

دیوبند سے روانگی کا ذکر کرتے ہوئے مولانا حافظ محمد احمد صاحب خلفؒ رشید حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ:

’’مولوی احمد صاحب ومولوی حبیب الرحمٰن صاحب وغیرہ مشایعت کی غرض سے ہمراہ ہوئے، ہم نے بہت معذرت کی، لیکن انھوں نے نہ مانا، چونگی کی چوکی تک آئے اور چلتے چلتے وعدہ کرالیا کہ پھر دیوبند واپسی کے وقت آنا‘‘۔(۴)

حضرت سید احمد شہیدؒ کی نانوتہ تشریف آوری اور قیام کے تعلق سے اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے گھرانہ کے تعلق کا ذکر ان الفاظ میں بزرگان دیوبند کے حوالہ سے کیا ہے کہ:

---

(۱) بحوالۂ سباق ص:۲۷۱
(۲) بحوالہ سابق ۲۷۲
(۳) بحوالہ سابق ص ۲۷۲
(۴) بحوالۂ سابق ص ۲۷۳ بعنوان ارمغان احباب

’’سید صاحب جب نانوتہ تشریف لے گئے تو پہلے سے میاں وجیہ الدین یعنی مولوی محمد قاسم صاحب کے خسر نے دعوت کا سامان کیا تھا انہوں نے یہ خیال کیا تھا کہ سید صاحب کے ساتھ بیس پچیس آدمی ہوں گے انہی کے واسطے سامان کیا تھا جب سید صاحب تشریف لے گئے، تو ان کے ساتھ جلال آباد کے پٹھانوں کا ایک گروہ تھا، میاں وجیہ الدین یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے، انہوں نے خیال کیا کہ سامان تھوڑے آدمیوں کا کیا ہے اور ان کے ساتھ ایک انبوہ ہے، کیونکر کافی ہوگا، خصوصاً اس وجہ سے ان کو پریشان ہوئی کہ نانوتہ ایسا گاؤں ہے جہاں دفعتاً زیادہ سامان کا فراہم ہونا بہت دشوار ہے، آخر شدہ شدہ یہ خبر سید صاحب کو پہنچی، سید صاحب نے ان کو بلا کر فرمایا کہ آپ گھبرائیے نہیں، اپنی چادر دے دی کہ اس کو کھانے پر ڈھانک دو اور اس کے نیچے سے نکال نکال کر صرف کرو، انہوں نے ایسے ہی کیا اور وہ کھانا سب کو کافی ہو گیا‘‘۔(۱)

جہاں تک مولانا محمد سالم قاسمی علیہ الرحمہ کا تعلق ہے، تو انھیں ان نسبتوں اور اقدار کا بڑا پاس ولحاظ تھا اور انہوں نے اپنے اسلاف کی ان اقدار و روایات کو قائم رکھا تھا جیسا کہ انہوں نے اپنے مضمون (پندرہ روزہ ’’تعمیرات‘‘ مفکر اسلام نمبر ۲۰۰۰ء) میں ذکر بھی کیا ہے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اپنی ملاقاتوں میں اس قدیم تعلق کا اکثر ذکر کرتے تھے۔

مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی وسعت نظر و مطالعہ اور اعتدالِ فکر

مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے اپنے آباء واجداد کے بہ نسبت اچھی عمر پائی جو ان کی تاریخ ولادت جنوری ۱۹۲۶ء کے اعتبار سے ۹۲ سال سے کچھ مہینے زائد ہوئی جو اسلامی ہجری تقویم کے لحاظ سے تین سال کے اضافہ سے (جو نو دہائیوں میں ہو جاتا ہے) ۹۵؍سال ہوئی، ان کو یہ شرف و اعزاز بھی حاصل ہوا کہ ان کے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی عربی تعلیم کے لیے اپنے شیخ و مرشد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے سپرد کیا اور اس طور پر وہ حضرت تھانوی کے آخری تلامذہ میں شامل ہو گئے، دار العلوم دیوبند میں ان کو جلیل القدر اساتذہ معقولات و منقولات کے ملے، جن میں سب سے اہم نام شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو ان کے دور طالب علمی میں دار العلوم کے شیخ الحدیث وصدر المدرسین تھے، ان سے دورۂ حدیث میں مولانا محمد سالم صاحبؒ نے حدیث شریف پڑھی، یہ سال ۴۷-۱۹۴۸ء کا ہے۔ پھر وہ دار العلوم دیوبند میں استاد بھی ہو گئے، اور اپنا تدریسی سلسلہ آخر تک قائم دائم رکھا یہاں تک کہ بالکل صاحب فراش ہو گئے، تب بھی ان کے دینی علمی افادات سے استفادہ کے لیے طلبہ و اساتذہ ان کے مکان پر آتے اور فائدہ اٹھاتے، یہ ان کی دور رس نگاہ تھی

(۱) بحوالہ سابق ۲۶۹ بعنوان ارمغان احباب

کہ صحت کی کمزوری اوراعذار کی بنا پر اپنے کو منصب اہتمام سے علاحدہ کرلیا تھا اوران کی سر پرستی میں ان کے خلف الرشید مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب تیار ہو گئے تھے اوراس ذمہ داری کو ان کی سر پرستی میں اچھے انداز سے انجام دینے لگے، چناں چہ علمی تحقیقی مجلّہ ''وحدۃ الامۃ'' کا اجرا اور ''حجۃ الاسلام اکیڈمی'' کا قیام اور وقف دارالعلوم کی توسیع اور علمی مذاکروں، سیمیناروں، کانفرنسوں اور ملی اجتماعات کا انعقاد، یہ سب کام ان کی سر پرستی میں ان کے افراد خاندان اور رفقائے کار واساتذہ دارالعلوم وقف انجام دے رہے تھے۔

اخیر میں علالت کے باعث مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاسوں میں بھی ان کی شرکت نہیں ہو پا رہی تھی، جس کی انہوں نے ہمیشہ پابندی کی تھی اور جب تک وہ سفر کرسکتے تھے ملت کے ہر اہم پروگرام میں شرکت ضروری سمجھتے تھے۔ مگر دارالعلوم سے ان کی اچھی نمائندگی ہوتی رہی، وہ باہر کی کمیٹیوں میں شرکت کے لیے بھی سفر کرتے، جس میں جامع ازہر مصر کی دعوت پر بھی ان کے سفر اہمیت کے حامل سفر ہوتے، جہاں انہوں نے اپنے صاحبزادہ مولانا سفیان قاسمی کو مزید تعلیم وعلمی تربیت کے لیے بھیجا تھا اوران کے اس زمانۂ قیام میں اس عاجز کا بھی مصر کا ایک سفر مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء) کے ساتھ ہوا تھا اور وہ بہت اخلاق ومحبت سے پیش آتے تھے جس سے محسوس ہوتا تھا کہ ان کے والد نے ان کی اچھی علمی، اخلاقی تربیت کی ہے، ان کے ایک برادرزادے مولوی محمد فاروق قاسمی ندوی نے دارالعلوم ندوۃ میں مکمل تعلیم حاصل کی جو مولانا محمد اسلم قاسمی مرحوم کے فرزند ہیں۔

تعلیم وتربیت کا ان کا نقطۂ نظر وسیع تھا اور وہ جدید اور قدیم دونوں کی رعایت رکھ کر ایسے علماء دیکھنا چاہتے تھے جو دونوں طبقوں میں مفید اور مؤثر ہوں، وہ ندوۃ العلماء کے نظریہ تعلیم وتربیت ''**خذ ما صفا ودع ما كدر**'' کے ساتھ ''**إلى الإسلام من جديد**'' اور ''**الجمع بين القديم الصالح والجديد النافع**'' کے قائل ومعترف تھے اوراس کا اظہار ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے جلسوں میں ان کے صدارتی کلمات اور طلبہ دارالعلوم وقف کی طرف سے استقبالیہ کے پروگراموں میں خطابات اوران کے دوسرے خطابات سے ہوتا۔

ان کا اسلوب بیان منفرد تھا جس میں خطابت سے زیادہ استدلال کا عنصر غالب تھا اوراس کے لیے شروع میں ایک تمہید ہوتی، پھر وہ اس کے مطابق آگے گفتگو کرتے اور خطابت میں خاص اسلوب کی وجہ سے انھیں خطیب الاسلام کہا جاتا تھا۔ انہوں نے اپنے دارالعلوم کے نظام تعلیم میں اس کی گنجائش رکھی کہ طلبہ کچھ عصری معلومات بھی حاصل کرسکیں اوراس سلسلہ میں ان کے صاحبزدگان اور رفقاء نے اچھا حصہ لیا، جن میں ان کے پوتے ڈاکٹر شکیب قاسمی صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اصلاحی ودعوتی خدمات اور ملی مسائل میں شراکت عمل

مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ نے اصلاح وارشاد کی راہ بھی اختیار کی اور اس تعلق سے اپنے دوستگان کی اچھی روحانی اور دینی تربیت بھی کی جس میں ان کے والد ماجد حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ کے توسط سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کے سو سے زائد خلفاء ومجازین ہیں۔

مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ نے اپنے والد جوان کے شیخ ومربی بھی تھے اچھی خدمت کی تھی اور ان کے سفر وحضر میں وہ برابر ساتھ رہے تھے اور انہی کے رنگ میں وہ بڑی حد تک رنگ گئے تھے، اور ان کی تحریر وتقریر اور سلوک ومعاملات میں ان کا رنگ ڈھنگ لوگ محسوس کرتے تھے، اس طرح ان کے حصہ میں ایسے عظیم المرتبت اور جلیل القدر والد کی صحیح نیابت اور جانشینی آئی تھی، اپنے والد کے ۱۹۸۳ء میں وفات کے بعد ۲۰۱۸ء میں اپنی وفات تک جو ۳۵ سال کا عرصہ ہے انہوں اس کو ایک دینی امانت اور حق سمجھ کر پوری طرح نبھایا اور تعلیمی، دینی، اصلاحی، دعوتی اور ملی سبھی معاملات وامور میں ان کی اور دارالعلوم کی اچھی ترجمانی کی۔

مولانا محمد سالم صاحبؒ کی ایک اہم خصوصیت ملی مسائل وامور میں اشتراک عمل کی تھی اور وہ اس تعلق سے کسی بھی پروگرام، اجلاس اور مشورے کی میٹنگ میں شرکت کو ضروری سمجھتے تھے۔ خاص طور سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جس کے وہ نائب صدر تھے۔ آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت (جس کے وہ صدر بھی ہوگئے تھے) کے جلسوں میں اہتمام سے شریک ہوتے اور اس کو اپنی شرکت اور مشوروں سے تقویت پہنچاتے۔ اتحاد ملت اور آپسی اخوت کو زندہ کرنے کا بھی ان میں جذبہ تھا اور اس کے لیے انہوں نے اس نقصان کی تلافی کی پوری کوشش کی جو دارالعلوم دیوبند کے انتظامی طور پر تقسیم کے سانحہ سے ہوا تھا، اگرچہ اس خلاء کو پر کرنا اب ممکن نہیں رہا تھا، لیکن دلوں سے اس خلا کو پر کرنا عملا اس وقت ممکن ہوا جب انہوں نے اور حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے اس سلسلہ میں قدم اٹھایا اور ایک دوسرے کے لیے محبت کا ہاتھ بڑھایا۔

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے تعلق اور ان کے منہج دعوت سے تاثر

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے ان کو گہرا تعلق تھا اور یہ زمانۂ طالب علمی سے تھا اور وہ ان کی کتابوں کو شوق وذوق سے حاصل کرتے اور اس کا مطالعہ کرتے اور اس بات کی کوشش کرتے کہ خرید کر حاصل کریں۔ انہوں نے ایک موقع پر ان کی کتاب ''قرآنی افادات'' کا کہیں اشتہار دیکھا یا تذکرہ سنا تو اس کے ناشر کو خط بھیج کر وہ کتاب بطور قیمت طلب کی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے ان کو کئی نوعیتوں سے گہرا تعلق تھا۔ جس میں سب سے مؤثر بات حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے اندرونی نسبت بھی تھی۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ بھی اس تعلق کی قدر فرماتے تھے جو ان کے اجداد میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی نانوتہ تشریف آوری پر ظاہر کیا تھا جس کا تفصیلی تذکرہ سوانح قاسمی میں علامہ سید مناظر حسن گیلانی نے کیا ہے۔ مزید حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے والد ماجد مولانا سید عبدالحئی الحسنی ندویؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء جو اس عاجز کے حقیقی نانا تھے جب اپنی نوعمری میں دارالعلوم دیوبند اور اس کے اطراف ومضافات اور دہلی وغیرہ تشریف لے گئے اور وہاں کے اکابر علماء، محدثین اور اہل قلوب و مصلحین ومربیین نفوس کی خدمت میں حاضری دی تھی تو دیوبند کے قیام میں مولانا محمد سالم صاحب قاسمی علیہ الرحمہ کے دادا مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ نے بڑی تکریم وضیافت فرمائی تھی جو کہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق کا ایک طرح سے اظہار تھا۔ اس بات کا جب مولانا سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کو علم ہوا تو ان کے اس کتاب کے مطالعے کی بڑی خواہش ہوئی۔

حضرت مولانا کی شخصیت سے مولانا محمد سالم قاسمی کا تاثر ان کے ایک مضمون سے جو انہوں ان کی وفات پر لکھا، پیش کیا جاتا ہے، وہ رقمطراز ہیں:

> ”حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ صرف ایک عظیم شخصیت نہیں؛ بلکہ بیسویں صدی کے نصف آخر کی تقریباً تمام تاریخ ساز شخصیات کی خصوصیات کو حق تعالی نے ان کی ذات گرامی میں جمع فرما دیا تھا، اس لیے ان کی ذات گرامی کی دید اور ان کے کمالات سے مستفید، خوش بخت طبقات اگر یہ فرمائیں کہ ہم نے عالم اسلام کے ہر دائرہ فکر کی زہد وتقوی کے ساتھ اور معنویت وروحانیت کی حامل علمی، فکری، تربیتی، تعلیمی، تبلیغی، تصنیفی، تاریخی، ادبی، اداری، انتظامی، اجتماعی سیاسی اور اخلاقی تمام عہد آفریں شخصیات کو دیکھا ہی نہیں؛ بلکہ برتا بھی ہے تو ان کا یہ قول اہل فکر ونظر کی ہر کسوٹی پر اتنا کھرا اترے گا کہ اس میں کج فکری سے کھوٹ نکالنے کے شائقین انشاء اللہ کبھی کامیابی کا منہ نہیں دیکھ پائیں گے، اس لیے گزری ہوئی محسن ملت شخصیات پر ان کی موجودگی ملت کے لیے نہ صرف صبر واستقامت کا ذریعہ ہی بنی؛ بلکہ ہمت وحوصلہ کی افزونی کا عظیم سبب بھی ثابت ہوئی“ (۱)

ندوۃ العلماء کی خدمات کا اعتراف

ندوۃ العلماء کے تعلق سے حضرت مولانا کی خدمات کا اعتراف اور بین الاقوامی فکری قیادت کا ذکر وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

(۱) تعمیر حیات، خصوصی شمارہ ۱۰/ جولائی تا ۲۵/ اگست ۲۰۰۰ء، صفحہ: ۱۲۴

''جس طرح دارالعلوم دیوبند کو شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے دور میمون میں ان کی مخلصانہ انتظامی صلاحیتوں نے ہندوستان گیر بنایا اور حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب کے دور مسعود میں ان کی عظیم صلاحیتوں نے دارالعلوم دیوبند کو بلا شرکت غیرے بین الاقوامی بنایا، ٹھیک اسی طرح حضرت مولانا علی میاںؒ کے والد ماجد حضرت مولانا حکیم عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم ندوۃ العلماء نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کو ملک کے ارباب علم میں متعارف کرایا، حضرت والا کے برادر بزرگوار حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالعلی حسنی صاحبؒ کے مبارک دور میں ملک کے بیشتر علمی حلقوں اور اداروں میں دارالعلوم ندوۃ العلماء ایک باوقار درس گاہ کے طور پر پہچانا گیا اور خود حضرت مولانا علی میاں کے زمانہ مسعود میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو ان کی اعلی انتظامی صلاحیتوں سے نہ صرف بین الاقوامی سطح پر غیر معمولی عظمت کے ساتھ متعارف ہی ہوا؛ بلکہ عالم عرب اور دیگر ممالک کی موقر یونیورسٹیز نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کو اعلی علمی اور دینی اہمیت کے ساتھ تسلیم کر کے اس کی عظمتوں کو غیر معمولی بنادیا۔ ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء. دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کو یہ بین الاقوامی امتیاز بلا شرکت غیرے حضرت مولانا علی میاں ہی کی ذات گرامی سے حاصل ہوا، حق تعالی اس کی اس فضیلت وامتیاز کو ہمیشہ کے لیے برقراری عطا فرمائے آمین''۔(۱)

ارتداد کے مقابلہ میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے طریقہ کار اور اسلوب کی تائید واعتراف

ارتداد کے مقابلہ میں ان کے رہنمایانہ کردار اور تجدیدی واصلاحی خدمات کا اعتراف ان کی ان سطروں سے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، جن پر وہ مضمون ختم کرتے ہیں، وہ رقمطراز ہیں:

''عصر رواں میں یورپ کا الحادی فتنہ تمدنی رنگ میں خاص طور پر دولت مند عالم عرب کی نئی مسلم نسل کو غیر معمولی طور پر مرعوب ومتأثر کر رہا ہے، عالم عرب میں اس جدید تمدنی فتنۂ الحاد کی گہرائی وگیرائی کو مفکر اسلامؒ کے فکر عمیق وسلیم نے پہچان کر اس کی جانب وہ اصلاحی قدم ایک ایسے تحریری خطاب کے ذریعہ فرمایا کہ جس کے جاذب ودلکش عربی عنوان ''ردة ولا أبابكر لها'' میں نہ صرف اس فتنہ کی پوری تاریخ ہی کو سمودیا؛ بلکہ نئی نسل کے تربیت کنندگان کو تڑپا کر رکھ دیا اور عالم عرب میں حضرت مولانا کے اس مقالہ کے لا تعداد ایڈیشن شائع ہوئے اور شائع ہو رہے ہیں جس کی اثر پذیری سے بے شمار افراد اس تمدنی الحاد سے بچ کر ہدایت یاب ہوئے''

(۱) تعمیر حیات، خصوصی شمارہ ۱۰؍جولائی تا ۲۵؍اگست ۲۰۰۰ء، صفحہ: ۱۲۷

''وسعت علم اور اخلاقی بلندی کے ہر دو اوصاف حسنہ سے حق تعالیٰ نے حضرت مولانا علی میاںؒ کو حصہ وافر عطا فرما کر نوازا تھا، ان کی علمی وسعتوں سے عرب وعجم کے اہل علم کی تاثر پذیری آج الحمدللہ کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے، جس پر مستقبل کی لامحدود مدت تک ان کی تصانیف سے ارباب علم کا استفادہ شاہد عدل رہے گا۔

حضرت مولانا نے اپنے دینی معتقدات، علمی حقائق ونکات اور فکری نظریات سے شدید ترین اختلاف رکھنے والوں کو اپنی بلندی اخلاق سے اپنائیت کا وہ احساس وشعور عطا کیا کہ انہوں نے بھی حضرت مولانا کو کبھی ہدف اختلاف بنانے کی جرأت نہیں کی، اسی علمی واخلاقی ہمہ گیری نے قیادت ملت کے اس منصب قبولیت ومقبولیت پر فائز فرمایا کہ جس کی عصر رواں میں ملت ضرورتمند تھی اور ضرورتمند ہے۔

حضرت مولانا نے اپنے انہی علمی واخلاقی امتیازات وخصوصیات کی بدولت دین میں مبالغہ کرنے والے حاملین علم قدیم کو اور تمدن میں حدود سے تجاوز کرنے والے متجددین کو برصغیر ہی میں نہیں؛ بلکہ عالمی سطح پر اس راہ اعتدال سے قریب فرمایا جو اسلام کا بلاشرکت غیرے طرۂ امتیاز ہے۔

حضرت مولانا کی پاکیزہ زندگی کا یہ وہ باب ہے کہ جس پر مستقبل کے مصنفین، مولفین اور مورخین ہمیشہ انشاء اللہ قلم اٹھاتے رہیں گے، لیکن اس ناقابل اختتام راہنما داستان عملی پر جہاں ان کے قلم اعتراف عجز کے ساتھ رکنے پر مجبور ہو جائیں گے، اس کی ترجمانی احقر راقم الحروف نے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی وفات پر دو شعروں میں کی تھی، اسی حقیقت کا نقش ثانی ومکمل حضرت مولانا علی میاںؒ کی ذات گرامی ہے، اس لیے اسم گرامی کے فرق کے ساتھ میں اسی ترجمانی پر اپنے کلمات کو ختم کرتا ہوں۔

رہبر منزل نما ورہبر منزل نگر
بوالحسن دانشورو دیوانۂ فرزانہ گر
نوریٔ خاکی اساس وخاکیٔ نوری نہاد
خواجۂ بندہ نواز وبندۂ یزداں شناس''(۱)

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے تعلق

مولانا محمد سالم قاسمیؒ کا برادر معظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے بھی گہرا ربط وتعلق تھا، جو ان کے دارالعلوم دیوبند میں رفیق درس تھے جہاں شرائط دورہ کی بعض کتابیں ساتھ پڑھی تھیں، ان کا یہ

(۱) تعمیر حیات، خصوصی شمارہ ۱۰ر جولائی تا ۲۵ر اگست ۲۰۰۰ء، صفحہ: ۱۲۸

تعلق جو اس زمانے میں ہوا تھا آخر تک قائم رہا اور مزید اس تعلق اور نسبت سے جو ان کو ان کے بزرگوں و اجداد کو امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔تعلق ظاہر ہوتا تھا اور ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے رکن ہونے کے بعد ان کی ندوۃ العلماء تشریف آوری بڑھ گئی تھی اور طلباء کی طرف سے استقبالیہ کے پروگراموں میں خطاب بھی فرماتے۔ایک موقع پر خطاب فرماتے ہوئے کہا تھا کہ ندوہ کی یہ خصوصیت ''**خذما صفا دع ما کدر**'' یہ تمام صحیح الفکر مدراس کی اور صحیح الفکر علماء وقائدین کی خصوصیت ہے۔اسی طرح حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی وفات پر اورنگ آباد مہاراشٹر میں جامعہ کاشف العلوم کے پروگرام میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''جس شخصیت سے اللہ کو جب تک کام لینا ہوتا ہے اس سے لیتا ہے، پھر اسے اٹھالیتا ہے اور اس کے بعد کی شخصیت کو وہ مقام حاصل ہو جاتا ہے جو اس شخصیت کو حاصل تھا'' پھر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ''اب یہ ہم سب کے بڑے ہیں اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے مقام پر ہیں''۔

❖ ❖ ❖

فکرِ نانوتویؒ کے جانشین وامین

حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی ❖

مسند الہند حضرت الامام الشاہ ولی اللہ محدث الدہلویؒ جس فکر کو لے کر اٹھے تھے، الامام نانوتویؒ نے اسی کو بڑھایا۔ حجۃ الاسلام الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نہ صرف یہ کہ اس فکر کے پر جوش حامی وداعی بنے، بلکہ اس کی توسیع وتہذیب کے علم بردار بھی۔ دارالعلوم دیوبند کا قیام اس فکر کا نمایاں ترین سنگ میل ہے۔ قیام دارالعلوم کے بعد ملک و بیرون ملک میں برپا حالات اور بڑھتی شورشوں کا جس پامردی سے مقابلہ کیا گیا، ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ الناتوتویؒ نے اس کے ساتھ غیر مسلموں میں دعوت، ان کے پیشواؤں کے ساتھ مناظرے، اسی طرح مسلمانوں میں پھیلتی بدعقیدگیوں کے استیصال کے لیے موثر اقدامات بھی کئے۔ ان کا زیادہ تر سابقہ باطل جماعتوں اور گمراہ فرقوں سے پڑتا تھا اور اس طرح کے ماحول میں بے جان گفتگو اور استدلال سے عاری باتیں چنداں وقعت نہیں رکھتیں، اس لیے انہوں نے اپنی زبان بھی علمی اور استدلالی رکھی۔ ان کی یہ علمی اور استدلالی زبان بالآخر ان کی فطرتِ ثانیہ اور حیات کا لازمہ بن گئی۔ اسی کا اثر ہے کہ ان کی جو بھی تصنیفات وتالیفات یا خطبات ہیں سب کا ایک ہی رنگ ہے۔ معقولات سے بھرپور اور دقت بیانی سے معمور۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مرقومات سے ان کے مرادی نتائج تک رسائی آج بھی جوئے شیر لانا ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کا یہ کلامی اور فلسفیانہ رنگ ان کے حفید حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند میں بھی منتقل ہوا۔ حضرت حکیم الاسلامؒ نے خطابت کا جو آہنگ اور کلام کا جو اسلوب پایا تھا اس نے حضرت حکیم الاسلامؒ کو نہ صرف علمی کمال اور انفرادی شان وشوکت عطا کی؛ بلکہ اسلام کی اشاعت کا اس عدیم المثال جوہر سے بیش از بیش کام لیا۔ ان کی اس ہمہ رنگ خوبی سے فکر نانوتویؒ کی بھی بہتر اور دل نشیں انداز میں تشریح ہوئی۔ اپنی شیریں بیانی، خوش گفتاری، محکم طرزِ استدلال اور غوامض ودقائق کی تسہیل سے حضرت نانوتویؒ کے علوم وافکار کی زبردست ترجمانی کی۔ قلم اٹھایا تو سینکڑوں کتابیں معرضِ وجود میں آگئیں۔ کتابیں کیا ہیں: علوم ومعارف کی جوئے سلسبیل۔ اسرار وحکم کے مواج سمندر، حکمت وبصیرت کا باغ وبہار گلستاں، حکمت وفلسفہ کا عجائب خانہ۔

❖ صدر المدرسین وناظم تعلیمات دارالعلوم وقف دیوبند

الولد سر لابیه. حکیم الاسلام حضرت قاری صاحبؒ نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور وہبی ملکات کے ذریعے افکار نانوتویؒ کی تشریح و تسہیل اور تعبیر و ترجمانی کا جو سنہرا سلسلہ جاری کیا تھا خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ اسی کا امتداد تھے۔ مرحوم نے اپنے نامور والد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے شانہ بہ شانہ اور قدم بہ قدم چل کر اپنی جدی وراثت کو اگلی نسل تک پہنچایا۔ اس کمالِ جہات اور روچا بک دستی سے کہ قاسمی الافکار طبقہ عش عش کر اٹھا۔ لوح وقلم کی راہ ہو یا خطابت کا میدان، حضرت نانوتویؒ کے علوم و افکار کی تبیین و توضیح ان کی زندگی کا مشن تھی۔ اپنے والدِ بزرگوار حضرت حکیم الاسلامؒ کے اسلوب و آہنگ کو اپنی ذات میں اس طرح جذب کیا کہ ان کی زبان وقلم نانوتوی طرزِ کلام کا عکسِ جمیل نظر آئے۔ مختصر سی مجلس ہو یا اجلاس عام، خواص کا مجمع ہو یا عوام کا ازدحام، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ بہ طرزِ نانوتوی اور بہ لہجۂ حکیم الاسلامؒ دین قیم کی اشاعت میں سدا سرگرم رہے۔

ایک موقع پر رقم طراز ہیں:

> ''دارالعلوم وقف مسلک روایات کا محافظ بھی ہے، اور فکر قاسمی کا امین بھی، اس لیے ہم خدام وقف دارالعلوم دیوبند بتوفیق الٰہی علمی ترقی کے عزم صمیم کے ساتھ بصد خلوص دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں فکر قاسمی کے مطابق علم کو جمود سے نکال کر ارتقائی حرکت کے موقف پر لانے کے لیے موفق فرمائے اور حضرت الامام مولانا محمد قاسم النانوتویؒ بانئ دارالعلوم اور امین فکر قاسمی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی اس مقدس امانت کی حفاظت اور آرزو کے تکمیل کی ہم خدام وقف کو ہمت وقوت ارزانی عطاء فرمائے''(۱)

حضرت خطیب الاسلامؒ جب تک اس عالم آب وگل میں رہے، ان پر فکرِ قاسمی ہمہ دم مستولی رہا۔ ان کا قال وحال اسی فکر کا ترجمان، وہی فلسفیانہ اسلوبِ کلام اور وہی متکلمانہ اندازِ سخن، گفتگو بے حد مرتب اور انتہا درجے مربوط۔ ذیل میں ان کے افکار وخیالات کے چند نمونے پیش خدمت ہیں، جن سے خوب نمایاں ہوگا کہ حضرت خطیب الاسلامؒ نے جدی افکار وخیالات کو خود میں کس درجہ سمولیا تھا۔ ان کی تحریر وتقریر حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ اور حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی تحریر وتقریر کا معجون معلوم ہوتی ہے۔

عناصرِ اربعہ کی دلنشیں تشریح

اہل علم ونظر واقف ہیں کہ انسان آگ، پانی، مٹی اور ہوا سے پیدا ہوا ہے۔ ان چاروں کو عناصر اربعہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان چاروں عناصر کی اپنی اپنی خاصیتیں ہیں۔ عربی کا مقولہ ہے: **اذا ثبت**

(۱) خطبات خطیب الاسلام، ج: دوم، ص: ۱۹۱

الشیء ثبت بلوازمہ. جب کسی چیز کا ظہور ہوتا ہے، تو اس کے جلو میں اس کی خصوصیات و امتیازات بھی ہوتے ہیں۔ ان عناصر کے بدیہی لوازم بہتوں نے پڑھے ہوں گے، مگر خطیب الاسلام حضرت مولانا قاسمیؒ کا یہ انداز دیکھیے:

> ''اس بدن میں اللہ نے چار چیزیں رکھی ہیں، وہ چار چیزیں یہ ہیں: آگ، پانی، مٹی، ہوا۔ یہ عناصرِ اربعہ کہلاتے ہیں۔ ان چار چیزوں کے ملنے سے ایک مزاج اور پیدا ہوتا ہے۔ آگ کے مزاج کے اندر درحقیقت کبر و تکبر کا مادہ ہے، اس کی لپٹ اوپر کو جاتی ہے، نیچے کو نہیں آتی۔ پانی کے مزاج کے اندر حرص ہے، سیلاب آتا ہے تو وہ ہر چیز کو اپنے بہاؤ کے ساتھ لے کر جاتا ہے۔ حریص کا کام ہوتا ہے کہ اپنی اور غیر کی سب چیزیں لے جاتا ہے۔ ہوا کے مزاج میں امتیاز پسندی ہوتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ جہاں میں ہوں، وہاں کوئی دوسرا نہ ہو۔ مٹی کا مزاج ہے درحقیقت بخل کا۔ یہ اربوں کھربوں کے خزانے دبائے بیٹھی ہے۔ آپ ساری عمر ڈنڈوت کیجیے، ہاتھ جوڑیے اس کے سامنے، یہ دینے والی نہیں۔ بخیل سے آپ چھین لیں تو چھین لیں، بذات خود دینے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔''(۱)

آسمان و زمین بھی ان مراحل سے گزرتے ہیں

حیوان کسی بھی نوع کا ہو، اس پر زندگی کے تین مراحل گزرتے رہتے ہیں: بچپن، جوانی، بڑھاپا۔ ہر جاندار پیدائش کے بعد بچہ، پھر جوان، پھر کہولت سے ہوتا ہوا بڑھاپے کو پہنچتا ہے۔ یہ ایک مسلم حقیقت ہے۔ انسانوں کا ہر ذی شعور اور ہر عقیل و فہیم طبقہ اس حقیقت سے آشنا ہے، مگر زندگی کے یہ ادوار صرف حیوانات کے ساتھ خاص ہیں، یا دیگر مخلوقات مثلاً زمین اور آسمان بھی ان ادوار سے گزرتے ہیں؟ مفکرین کا ایک طبقہ فلاسفہ کہتا ہے کہ یہ دونوں قدیم ہیں۔ زندگی کے ان مراحل سے انہیں سروکار نہیں۔ یہ ہمیشہ رہیں گے ان پر فناء طاری نہیں ہوگا۔ یہ لوگ حشر و نشر کو بھی نہیں مریں گے۔ خطیب الاسلام حضرت قاسمیؒ نے عقل پرستوں اور فلسفہ زدوں کا تعاقب کچھ اس شان سے کیا کہ حقانیت عالم آشکار، جب کہ معقولیوں کے افکار خاک میں مل جاتے ہیں۔ انسانی زندگی کے ترتیب وار مراحل بیان کرتے ہوئے انہوں نے آسمان اور زمین پر بھی ان مراحل کے گزرنے پر روشنی ڈالی اور فلاسفہ کی غلط فہمی کا ازالہ انہیں کے رنگ میں کیا۔ فطری خطیب کی زبانی سنئے:

> ''اس سے غلط فہمی ہوئی ایک طبقہ کو، جن کو فلاسفہ کہا جاتا ہے، انھوں نے زمین و آسمان کو یکساں دیکھا، تو انھوں نے اقرار کیا کہ کائنات میں تین چیزیں قدیم ہیں: (۱) مادہ (۲) روح (۳) خدا۔ خدا

---

(۱) خطباتِ خطیب الاسلام ج ۴ ص: ۱۱۵-۱۱۴

کی ذات بھی وہ ہے جو ہمیشہ رہے گی۔ مادہ بھی ہمیشہ رہے گا اور روح بھی ہمیشہ رہے گی۔ گویا خدا کا کام روح اور مادے کو پیدا کرنا نہیں، بلکہ روح اور مادے کو اِدھر سے نکالا اُدھر ڈال دیا اور اُدھر سے نکالا اِدھر ڈال دیا۔ مادے کے اندر صورتیں اور شکلیں بدل دیں، پیدا کرنا خدا کا کام نہیں، ان کے خیال کے مطابق۔ اور یہ غلط فہمی بہت سے فلسفیوں کو زمین اور آسمان کو یکساں دیکھنے کی صورت میں ہوئی، لیکن قرآن کریم نے آکر اس کی نفی کردی کہ کائنات کی ہر چیز کو بچپن آتا ہے، جوانی آتی ہے، بڑھاپا آتا ہے، زمین وآسمان بھی اس سے خالی نہیں، ان پر بھی بچپن آیا، ان پر بھی جوانی آئی، لیکن ان کی مدت طویل ہے، ان کا بچپن بھی ہزاروں برس کا، اور جوانی بھی ہزاروں برس کی، اور ان کا بڑھاپا بھی اتنا ہی طویل المدت ہوگا۔'' (۱)

اس کے بعد زمین وآسمان کے بچپن، جوانی اور بڑھاپے پر کئی صفحات میں دلچسپ بحث کی ہے۔ ان کی نکتہ سنج، دقیقہ رس اور اخاذ واستنباطی طبیعت نے وہ گل فشانیاں کی ہیں، اوراق کے صفحات پر انہوں نے وہ جواہر پارے بکھیرے ہیں کہ قاری سرمست ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آیات واحادیث سے انہوں نے زبردست استشہاد کیا ہے۔ یہ وہی نصوص ہیں جن پر بار ہا نظریں پڑی ہیں، مگر ان کی عقابی نگاہوں نے ان معانی کو ڈھونڈ نکالا، جن سے دوسرے اہل علم قاصر رہ گئے تھے۔ اسی درمیان انہوں نے پہاڑ، لوہے، آگ، پانی، ہوا اور انسانی قوتوں کی ایک دوسرے پر حکمرانی کو پر لطف انداز میں پیش کیا ہے۔

اہل باطل کون ہیں؟

اہل علم جانتے ہیں کہ حجۃ الاسلام النانوتویؒ کی زندگی کا ایک بڑا حصہ اہل باطل اور عالمِ کفر سے مناظروں میں گزرا، ان کی زیادہ تر قلمی خدمات انہیں مناظروں سے وابستہ ہیں۔ بقول حضرت خطیب الاسلامؒ:

''انہوں نے جو کچھ بھی لکھا اور جب کبھی لکھا کسی ضرورت سے مجبور ہو کر لکھا اور عموماً اسی وقت لکھا جب مجبور کرنے والوں سے دامن چھڑانے کی کوئی صورت باقی نہ رہتی تھی، گویا اس لحاظ سے بانی دارالعلوم کا سارا تصنیفی سرمایہ ایک جبری سرمایہ ہے، جسے درحقیقت قوت سے فعل کے دائرہ میں قدرت لانا ہی چاہتی تھی، اسی لیے میرے نزدیک مولانا کا شمار ان مصنفین میں ہے، جنہوں نے صرف لکھنے کے لیے نہیں؛ بلکہ لکھنے کے سوا کسی اور بلند مقصد کے لیے قدرت نے ان سے کچھ لکھوا دیا۔'' (۲)

خیر، عرض یہ کرنا تھا کہ حجۃ الاسلام النانوتویؒ کی حیات مستعار کا ایک بڑا حصہ مناظروں میں گزرا، اہل حق کا مناظرہ، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے ہوتا ہے۔ خطیب الاسلامؒ نے اگرچہ اپنے عہد کے

(۱) خطبات خطیب الاسلام، ج ۴، ص: ۱۳۱-۱۳۲　　(۲) حوالہ بالا، ص: ۶۲

مروج مناظروں میں حصہ نہیں لیا، مگر ان کا مناظرانہ مذاق ان کی تحریروں سے چھلکا پڑتا۔ صغریٰ، کبریٰ اور مقدمات کے ساتھ اپنا موقف بیان کرتے تو ان کا فرمودہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت بن کر ابھرتا۔ مناظرے کے لیے اہل حق کے ساتھ اہل باطل کی معرفت ضروری ہے۔ اہل باطل کی پہچان بہت سے اربابِ علم ونظر اور اصحابِ فضل وکمال نے کرائی۔ سب کا اپنا ایک رنگ ہے اور ایک خاص ادا، مگر خطیب الاسلام سب سے جدا ہیں۔ فرماتے ہیں:

> ''اہل باطل سے مراد وہ اہل فتن ہیں جنہوں نے عقائد واعمال میں نئی نئی راہیں اختیار کیں، خود کو مسلمان کہتے ہوئے وہ ان غلط راستوں پر چل پڑے۔ ان اہل باطل سے مقابلہ ضروری نہیں کہ ہاتھوں سے ہی ہو، اللہ نے جو زبانیں دیں اور علم عطا فرمایا، یہ حضرات ان سے کام لیتے رہے اور مخالف نظریات کی تردید میں ان کے علم کی تلوار ہمیشہ بے نیام رہی۔ دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاری (۱۰۱۴) اس حدیث پر لکھتے ہیں: یقاتلون بایدیھم او بالسنتھم اھل الفتن (مرقات، ج۱۱، ص۴۶۹) وہ اپنے ہاتھوں سے بھی اور اپنی زبانوں سے بھی اہل باطل کا مقابلہ کرتے ہوں گے۔ پھر آپ اہل فتن کی تشریح میںؒ کہتے ہیں: ای من البغاۃ والخوارج والروافض و سائر اھل البدع (۱)
> ان اہل فتن میں اسلام کے باغی، خارجی، رافضی اور بدعتی سبھی آجاتے ہیں۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں میں جو بھی فتنہ پیدا ہوا، اس فتنہ کے مقابلے میں آنے والے اور ان سے بحث ومباحثہ کرنے والے وہ اجر پائیں گے جو اجر پہلے دور کے لوگوں کو ملتا تھا۔ (۲)

ختم نبوت پر حضرت نانوتویؒ کی طرف سے پرزور وکالت

فکر قاسمی کی یہی وہ جدی وراثت تھی جسے وہ تاعمر سنبھالے اور اسے ملتِ اسلامیہ کے درمیان تقسیم کرتے رہے۔ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی خاتمیت امت کے درمیان ہمیشہ مسلم رہی ہے۔ حضور علیہ السلام سب سے آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی بھی نیا نبی نہیں آئے گا۔ یہ امتِ مسلمہ کا ایک متفقہ موقف ہے۔ امام العصر علامہ کشمیریؒ نے تو اس سلسلے میں لازوال نقوش چھوڑے ہیں۔ بانیٔ دارالعلوم حجۃ الاسلام حضرت النانوتویؒ بھی اس عقیدے کے زبردست حامی اور مؤید تھے، اسی لیے انہوں نے ''تحذیر الناس'' نامی کتاب میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی خاتمیت کی ہمہ گیری کو بیان کرنے کے لیے اچھوتا اور نادر اسلوب اختیار کیا اور ختم نبوت زمانی کے ساتھ ختم نبوت مرتبی کو بھی آپؐ کے لیے ثابت کیا، لیکن اس کتاب میں چند جملے ایسے گہرے نکل گئے، جن سے اہل باطل کو موقع مل گیا اور انہیں نئے نئے معانی پہنانے لگے۔ بانیٔ بریلویت جناب

(۱) خطبات خطیب الاسلام، ج۴، ص:۶۲　　(۲) ایضاً، ج۴، ص۱۶۹

احمد رضا خان بریلوی نے سیاق وسباق سے کاٹ کر ان پر نہ صرف یہ کہ کفر کا فتویٰ عائد کیا؛ بلکہ حسام الحرمین میں اسے نقل کر کے علمائے حرمین سے بھی کفر کا فتویٰ حاصل کیا۔ یہ تو بھلا ہو محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کا، انہوں نے **المهند علی المفند** لکھ کر خان صاحب کی فریبی طبیعت کو بے نقاب کر کے اصل مسائل سے آشنا کرایا اور علمائے حرمین کو اپنے موقف سے رجوع کرنا پڑا۔

حجۃ الاسلامؒ کے اس دوٹوک اور بے غبار موقف کی تشریح میں اور بھی اہلِ علم نے زورِ قلم صرف کیا، مگر حضرت خطیب الاسلامؒ یہاں بھی بازی لے گئے۔ وہی علمی زبان، وہی استدلالی انداز، وہی اچھوتا اسلوب اور وہی استحکام ودل کشی:

> ''ختم نبوت زمانی تو سب کو مسلم ہے اور غور سے دیکھا جائے تو یہ ختم نبوت مرتبی کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ ختم نبوت مرتبی کا اصول تقاضا کرتا ہے کہ یہ زماناً بھی سب سے آخر میں ہو۔ اور یہ ختم نبوت زمانی کافی ہے جو ختم نبوت مرتبی کو تکمیل بخشتی ہے۔ ہاں ختم نبوت کو صرف زمانی میں محدود کرنا اور ختم نبوت مرتبی کو نہ دیکھنا یہ صرف عوام کی سمجھ ہے۔ اہل فہم ودانش دونوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ صرف زمانی کا اقرار کرنا اس میں بالذات کوئی فضیلت نہیں۔ جمعہ کی نماز میں سب سے آخر میں آنے والا کوئی زیادہ ثواب نہیں لے جاتا۔ نہ حضرت علی کے آخری بیٹے، حضرت حسن حضرت حسین سے افضل تھے۔
>
> ہاں حضور ﷺ کا صف انبیاء میں آخری ہونا اس لیے تھا کہ آپ سب سے اونچے مرتبے کے نبی ہیں اور کئی اور وجوہ ہیں جن کی وجہ سے آپ کو زماناً آخری نبی رکھنا ضروری ٹھہرا۔ ان وجوہات کو حضرت نانوتویؒ نے اپنے الہامی استدلال میں خوب واضح کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے زماناً آخری ہونے کو بالذات فضیلت نہ تھی لیکن بواسطہ دیگر کئی وجوہ کے آپ کا زمانہ آخر میں آنا یقیناً آپ کے کئی کمالات کا ترجمان ہے۔ حضرت مولاناؒ نے صرف بالذات فضیلت کی نفی کی تھی، بالواسطہ فضیلت کی نہیں، مگر افسوس کہ بعض معترضین نے آپ کی عبارت سے لفظ بالذات کو سرے سے اڑا دیا۔''(۱)

اگلے صفحے میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ:

> ''اوپر کی عبارت میں لفظ بالذات قابلِ غور ہے۔ اس میں صاف پایا جاتا ہے کہ اس میں تاخیر زمانی کی فضیلت کا مطلق انکار نہیں، بالذات فضیلت کی نفی ہے، مگر افسوس کہ بریلی کے مولانا احمد رضا خاں نے اس کا غلط ترجمہ کر کے علمائے عرب کو یہ تاثر دیا کہ حضرت نانوتویؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تاخر زمانی کی فضیلت کے مطلقاً منکر ہیں''

---

(۱) خطبات خطیب الاسلام، ج۴، ص:۱۸۱-۱۸۰

مدارس علم و عشق کے مراکز

معلوم ہے کہ دینی مدارس کا سلسلہ صفۂ نبوی سے مربوط ہے۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے سقوط کے بعد مسلمانوں کے خلاف استعماری قوتوں کی جو یلغار ہوئی اس سے قوی اندیشہ تھا کہ مسلمان اپنا ایمان اور اسلامی شعار بھی نہ بچا سکیں۔ اسلامی شعائر کے تحفظ و بقاء، بلکہ اشاعتِ مزیدہ کے لیے حجۃ الاسلام النانوتویؒ نے مدارس کا سلسلہ جاری فرمایا اور ان کا جال اس طرح بچھایا کہ یہ مدارس اسلام کے آہنی قلعے کے طور پر سامنے آئے۔ ان مدارس کے بے شمار فوائد اپنی جگہ، حضرت خطیب الاسلامؒ کے قلم سے ان کے یہ فوائد بھی پڑھیے:

''بانیٔ دارالعلوم حضرت الامامؒ النانوتوی نے اپنے رفیع القدر اتباع سنت پر مبنی ذوق کے تحت اس مرکز کے نظام میں علم و عشق کو اس طرح بہم آمیز فرمایا کہ درس گاہوں میں طلبہ کو دورانِ درس اساتذہ سے علمی تحقیق پر مبنی ہر قسم کے سوالات کی اُصولاً آزادی عطا فرما کر اور اساتذۂ کرام کو اطمینان بخش جواب دہی کا مکلّف بنا کر طلبہ کے دماغوں کو زیادہ سے زیادہ غذائے علم سے آسودگی کا موقع مہیا فرمایا اور طلبہ پر درس گاہوں سے باہر ''ماحول مدرسہ'' میں احترام کامل کے ساتھ اساتذہ کی بلا چوں و چرا ایسی طاعت و فرماں برداری پر مامور فرمایا جیسی خانقاہوں میں مرید اپنے شیخ کی اطاعت کرتا ہے اور اس ذریعہ سے سوزِ عشق سے حصہ یابی کی طرح ڈال کر حضرت الامامؒ نے خانقاہی مقصد سے بھی طلبہ کو مانوس کرنے کی معقول و مؤثر تدبیر فرما دی۔''(۱)

فضلائے مدارس منصورین علی الحق ہیں

خطیب الاسلام حضرت قاسمیؒ دین اور غلبۂ دین کے تئیں نہ صرف حساس؛ بلکہ اپنے جدِ اعلیٰ امام النانوتویؒ کی طرح فکرِ بے تاب رکھتے تھے۔ حدیث شریف میں منصور علی الحق جماعت کی ہر دور میں موجودگی کی بات آئی ہے۔ ترمذی شریف میں ہے: **لا تزال طائفة من امتی منصورین لا یضرهم من خذلهم حتی تقوم الساعة** (۲) چناں چہ آج ساڑھے چودہ سو برس گزر جانے کے باوجود اہلِ باطل کے اس سیلِ بے پناہ میں اہلِ حق کی بھی ایک جماعت موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گی۔ یہ جماعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بحسن و خوبی ادا کر رہی ہے۔ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل میں اس طائفہ نے کسی بھی فرد و جماعت کی رو رعایت نہیں کی۔ ظلمات کی اس دہشت ناک بھیڑ اور وحشت اثر ہجوم میں حقانیت کا یہ علم بردار طبقہ حق کا چراغ مسلسل جلا رہی ہے۔ یہی اہل حق آج کی اصطلاح میں دیوبندی کہے جاتے ہیں۔ حضرت خطیب الاسلامؒ اس جماعت کے عہدِ اخیر میں سرخیل رہے۔ جہاں گئے اس کی

(۱) خطبات خطیب الاسلام، ج ۳، ص: ۵۴　　(۲) حدیث نمبر: ۲۱۹۲

تائید ونصرت پر کار بند رہے۔ اسی لیے طلبۂ مدارس کی ان کی نگاہوں میں بڑی وقعت تھی، انہیں مبارک باد دیتے، ان سے توقعات رکھتے اور ان کے لیے بلند و بالا کلمات استعمال کرتے۔ دارالعلوم وقف میں منعقدہ تقریب تکمیل بخاری شریف میں بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیتے ہوئے فرمایا:

''آج میرا دل چاہتا ہے کہ میں مبارک باد اُن طلبہ کو دوں، جن کو حق تعالیٰ نے فراغت نصیب فرمائی کہ آپ کو حق تعالیٰ نے انہیں لوگوں کے اندر شامل فرمالیا۔ اگر شامل فرمانا مقصود نہ ہوتا، تو اس درس گاہ مقدس کے اندر آپ کے قدم نہ پہنچتے۔ یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے درحقیقت آپ کے اوپر۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک فرمائے۔''

''یہ طبقہ (منصور علی الحق) کبھی قیامت تک ختم ہونے والا نہیں ہے۔ آپ کے اسلاف کی تاریخ گواہی دے رہی ہے اس بات کے اوپر کہ ہر قدم پر، ہر لمحہ کے اوپر، ہر دور کے اندر آپ نے ان بزرگوں کی ترجمانی کی ہے۔ اور دین کے بارے میں وہی روش اختیار کی ہے اور یہ توقع ہم کرتے ہیں انشاء اللہ یہاں سے نکلنے کے بعد آپ جہاں بھی جائیں گے، آپ یقین کیجیے کہ آزمائشوں سے گزرنا پڑے گا اور جب آپ مراحل سے گزر جائیں گے تو عزتوں کا تاج آپ کے سر پر رکھا ہوا ہوگا۔ عزتیں آپ کو تلاش کریں گی آپ کو عزت تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ دنیا سر پر بٹھانے کے لیے آپ کو تیار ہے۔ اس لیے نگاہ آپ کی عزت اور ذلت پر نہیں ہونی چاہیے، مقصد پر ہونی چاہیے اور وہ مقصد درحقیقت یہ ہے کہ آپ کو اللہ نے خادم دین بنا کر قبول کر لیا ہے۔''(۱)

دارالعلوم دیوبند

اتنا ہی نہیں کہ آپ طلبہ کی ہمت افزائی فرماتے، بلکہ ان کی تربیت کے لیے اپنے منفرد لب و لہجے میں ان کی قبلہ نمائی بھی کرتے۔ دارالعلوم دیوبند کے اغراض و مقاصد پر متعدد علم و قلم نے اپنی کاوش پیش کی ہے، تاہم حضرت خطیب الاسلامؒ نے اس کے اہداف و آمال پر جیسی روشنی ڈالی ہے، بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے:

''دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اول حضرت بانی دارالعلوم کے رفیق لبیب فقیہ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا وصف امتیازی اتباع سنت رسول اللہ ہے، جس نے جماعت اہل حق میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایمانی مال اندیشی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت آفرینی اور بانی دارالعلوم حضرت الامام النانوتویؒ کے عالمی فکر اسلامی کے ساتھ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ کی اتباع سنت رسول اللہ کے امتیازی وصف نے دارالعلوم دیوبند کی معنویت کو درجہ کمال عطا فرمادیا۔''(۲)

❖ ❖ ❖

(۱) خطبات خطیب الاسلام، ج ۲، ص ۲۲۰

(۲) حوالۂ بالا، ج ۲، ص: ۳۹۶

مولانا محمد سالم قاسمیؒ اور دعوت دین

ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی ❖

اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ یہ دین دائمی عالمگیر اور نا قابل تنسیخ ہے۔ پہلے نبی حضرت آدمؑ سے لے کر آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء کرام نے اسی دین کی دعوت دی ہے۔ اس دین کی اساس توحید، رسالت اور آخرت کے یقین کامل پر ہے۔ اللہ کی عبادت اور رسول کی اطاعت اس دین کا محور ہے۔ یہی دین اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور دین قابل یقین اور قابل قبول نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے:

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلَامِ دِيْناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِيْ الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ. (۱)

اور جو کوئی دین اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں برباد ہوگا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری رسول کی حیثیت سے اس دین کی تکمیل کا فریضہ منجانب اللہ انجام دیا۔ اب اس دین میں کسی طرح کا نقص نہیں ہے بلکہ ہر طرح سے کامل اور مکمل ہے۔ اس دین میں کمی یا اضافہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انسان اسے سمجھنے اور اس کو تسلیم کرنے کے لیے مامور ہے۔ حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

> ''اسلام اپنی اس خصوصیت میں ممتاز ہے، یہ دیو مالائی قصوں کا دین نہیں ہے، یہ قصے اور کہانیوں کا دین نہیں ہے یہ حقائق کا دین ہے، عقل انسانی کو مطمئن کرنے والا دین ہے۔ اس دین نے آکر آپ کے سامنے جو چیزیں پیش کیں ان کے دلائل بھی اتنے قائم کر دئے کہ انسانی عقل اگر صحیح ہو تو اس سے انکار نہیں کرسکتی۔ اس کو قبول کرنے پر مجبور ہے۔ اللہ نے آپ کو دین کامل دیا، دین مدلل دیا، دین مکمل عطا فرمادیا، اسی لیے اس دین کے اندر اللہ نے عقل انسانی کو مطمئن کرنے والے دلائل سے آپ کو مطمئن کردیا۔ (۲)

❖ سابق صدر شعبۂ دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۱) آل عمران: ۸۵

(۲) خطبات خطیب الاسلام جلد ا ص ۶۳، دیوبند، ۲۰۰۶ء

دین کی اساس قرآن وسنت ہے

قرآن کریم اس دین کا آخری دستور العمل ہے اور خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اس کا عملی نمونہ ہے۔ گویا یہ دونوں چیزیں دین اسلام کا علمی اور عملی معیار اور میزان ہیں۔ آئین اور نمونہ ہیں۔ اسی لیے نبی کریمؐ نے اپنے آخری خطبہ حجۃ الوداع میں ان دونوں ستونوں کو مضبوطی سے تھامنے کی تلقین فرمائی ہے۔ "ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله و سنة نبيه" (۱)

"میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں اگر تم ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اس کے رسولؐ کی سنت ہے۔"

قرآن کریم اور سیرت طیبہ کے باہمی رشتہ کا تقدس بیان کرتے ہوئے اور ان کو انسانیت کے لیے راہ نجات قرار دیتے ہوئے مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے فرمایا:

> "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے سوال کیا گیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے، تو آپ نے فرمایا" کان خلقه القرآن" آپ کی سیرت آپ کا اخلاق تھا، اس کو تلاوتاً پڑھو تو یہ قرآن ہے اور عملاً دیکھو تو ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بن جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سیرت پر کلام ہو تو ظاہر ہے کہ وہ قرآن پر کلام ہوتا ہے۔ اور قرآن کریم کے بارے میں ارشاد فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا تنقضی عجائبه و لا یخلق و لا عن کثرة الرد" یہ قرآن کریم وہ ہے کہ اس کے عجائبات کبھی ختم ہونے والے نہیں اور یہ کبھی پرانا ہونے والا نہیں" (۲)

امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن وسنت کو خود بھی مضبوطی کے ساتھ پکڑے اور دنیائے انسانیت کو بھی ان دونوں مصادر سے روشناس کرائے۔ تمام انسانوں کو اس دین کی طرف بلائے اور اس کی روشنی میں اپنے انفرادی اور اجتماعی مسائل کو حل کرنے کی دعوت دے۔ یعنی دین اسلام کو خود بھی اپنی زندگی کا نظام بنائے اور اہل جہاں کو بھی اس دین کو اختیار کرنے اور اسے دنیا وآخرت کی سعادت کا ذریعہ بنانے کی دعوت دے۔

دعوت، دین کا اساسی موضوع ہے

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے دعوت کو دین کی اساسیات میں شمار کیا ہے اور اسے اسلام کا بنیادی موضوع قرار دیا ہے۔ انھوں نے وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے:

(۱) مؤطا امام مالک (۲) خطبات خطیب الاسلام جلد ا ص ۲۳

''اسلام کا اساسی موضوع دعوت ہے۔ دعوت ہی وہ واحد موضوع ہے کہ انسان کی ذکر وفکر کی جوہری قوتوں کے فطری مطالبات کی تکمیل یعنی دعوتی و دینی پر مخاطب کی قوت فکر کے مطالبہ دلیل و برہان کو پورا کرنا اور قوت ذکر کے مطالبہ عروج ہی کی مکمل رہنمائی کرنا لیکن ذکر وفکر کے ان مطالبات کی تکمیل کرنے والے مکمل نظام کی تشکیل، انسانی استطاعت سے باہر ہے کیوں کہ شعور انسانی دینی دعوؤں پر اگر عقلی دلائل وثبوت قائم کر بھی لے تب بھی اللہ کی ذات وصفات اور عالم غیب تک رسائی کے نظام کی تشکیل نبوت کی رہنمائی کے بغیر خالی ہوگی اور اس مرحلہ پر آکر نبوت کی جانب انسان کی احتیاج کسی دلیل کی محتاج نہیں رہی۔''(۱)

تحفظ دین کے طریقے

مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی نظر میں سابقہ شریعتیں اس لیے ختم ہوئیں کہ ان کے تحفظ کی ذمہ داری ان کی قوموں پر تھی۔ جب وہ قومیں منحرف ہوئیں تو شریعتیں ختم ہوگئیں مگر اسلام کی ذمہ داری مسلمانوں پر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ پر ہے، اس لیے یہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ مولانا فرماتے ہیں:

''حق تعالیٰ نے دین کے تحفظ کے دو طریقے جاری فرمائے ہیں، پہلا یہ کہ قدیم اقوام کو ان کا محافظ قرار دیا گیا اور دین ان کے حوالہ کیا گیا لیکن ظاہر ہے کہ نہ وہ باقی رہنے کے لیے آئے تھے اور نہ باقی رہے ''کل نفس ذائقة الموت'' (۲) کے تحت ان کے ختم ہونے کے ساتھ وہ ادیان بھی ختم ہوگئے۔

یکے بعد دیگرے پیغمبر آتے رہے اور شرائع میں تبدیلیاں کی جاتی رہیں لیکن خاتم الانبیاء علیہ السلام کو جو دین دیا گیا اس کے بارے میں ''**لا تبدیل لکلمات اللّٰہ**''(۳) فرما دیا گیا۔ یعنی دین میں ذرہ برابر قیامت تک کوئی تبدیلی نہیں ہوگی اور سلسلہ نبوت ختم ہونے کے بعد ذمہ داری متبعین نبوت پر آجاتی ہے، اس لیے اب آپ حضرات ہی اس کے اصل ذمہ دار ہیں۔''(۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جتنے انبیاء کرام تشریف لائے وہ سب اللہ کے دین کے داعی تھے اور اللہ کی طرف اس کی دعوت دینے کے لیے مامور تھے۔ انبیاء علیہم السلام کا کام دین کی دعوت دینا تھا، اور ان کی امتوں کا کام اس دین کی حفاظت کرنا تھا، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین کے داعی بھی تھے اور محافظ بھی۔ آپ کے بعد یہ ذمہ داری علماء کرام پر عائد ہوئی کیوں کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں اور وہ اپنے فرائض میں انبیاء بنی اسرائیل کے ہم رتبہ ہیں۔ اس نکتہ کی وضاحت کرتے

(۱) ایضاً ۱/ ۶۵　　(۲) آل عمران: ۱۸۵　　(۳) سورہ یونس: ۶۴

(۴) دینی اور فقہی مذاہب ومسالک، ص ۶، ایفا پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء

ہوئے حضرت مولانا سالم قاسمیؒ نے فرمایا:

"ختم نبوت سے قبل دعوت کی تمام تر ذمہ داری انبیاء علیہم السلام سے متعلق تھی اور وہی یکے بعد دیگرے اس فریضے کی ادائیگی فرماتے رہے۔ لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد، آپ کے دائمی منصب نبوت سے یہ امت اس طرح مستفید ہے کہ دعوت دین جو انبیاء کرام کا وظیفہ حیات تھا "العلماء ورثۃ الانبیاء" فرما کر اس شرف عظیم سے علماء امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرف فرمادیا گیا۔ اور اس حدیث کے مطابق یہ خیر الامم چند صحابہ کرام سے نہ کبھی غیر معمولی علمی تبحر رکھنے والے علماء کرام سے خالی ہوئی اور نہ صاحب عرفان مربی اولیاء عظام سے کبھی محروم ہوئی۔" (۱)

امت کی بقا دعوت دین سے وابستہ ہے

امت مسلمہ کی بقا کا راز اس دین سے وابستگی اور اس کی اشاعت میں پنہاں ہے۔ انسان فانی ہے اور دین باقی ہے۔ امت باقی رہ سکتی ہے تو صرف دین کے ساتھ، اس سے الگ ہو کر فنا ہو جائے گی۔ مولانا سالم قاسمیؒ نے فرمایا

"درحقیقت ہم باقی رہنے والے نہیں لیکن دین باقی رہنے والا ہے۔ ہمیں اگر اپنی بقا چاہیے تو دین کے دامن کو تھامنا ہوگا۔ باقی کا دامن آپ نے تھام لیا تو آپ بھی باقی رہ جائیں گے اور اگر آپ نے دامن نہیں تھاما تو آپ کی بقا کی کوئی ذمہ داری موجود نہیں ہے۔" (۲)

اسلام دین فطرت ہے اور اس کی دعوت و اشاعت بھی فطری طریقہ سے ہوسکتی ہے۔ چوں کہ اسلام رہتی دنیا تک اپنا فیض جاری رکھے گا اس لیے اس کے ماننے والوں کے لیے ضروری ہے کہ بدلتے ہوئے حالات میں اسلام کی دعوت کو اپنی طاقت اور پہچان کا ذریعہ بنائیں۔ مسلمانوں کے باقی رہنے کا راز اسلام کی دعوت میں پنہاں ہے اگر وہ دین کی دعوت سے وابستہ رہیں گے تو ان شاء اللہ ان کو مٹایا نہ جا سکے گا۔ مولانا سالم قاسمیؒ فرماتے ہیں:

"تاریخ کی انمٹ شہادتوں کے مطابق اسلام ہی وہ واحد زندہ و پائندہ دین ہے کہ ہر دور میں اس کے مٹا دینے کے بدنہاد خواہشمندوں کو صرف اس کی قوتِ دعوت ہی نے ذلت ناک شکستوں سے دوچار کیا ہے، جس کی اولین بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام و دیگر مذاہب عالم کی طرح صحت و سقم اور صدق و کذب کے احتمالات رکھنے والے محض عقلی فلسفوں پر مبنی نہیں بلکہ اس کی اساس وحی ربانی کے ان فطری اور نفسیاتی اصولی ہدایتوں پر قائم ہے کہ جو براہِ راست سلیم الفطرت انسانی پر مؤثر ہونے کے لیے کسی بیرونی مؤید قوت کے ضرورت مند ہیں۔ (۳)

(۱) خطبات خطیب الاسلام ۱/۶۴　　(۲) خطبات خطیب الاسلام ۱/۱۱　　(۳) ایضاً ۱/۶۳

دعوت کا محور توحید ہے

عقائد عبادات، اخلاق، معاملات، معیشت و معاشرت اور تمدن تک اس دین کے بہت سے پہلو ہیں۔ مگر ان سب کا محور توحید باری یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ہے، ایک ہی خدا معبود ہے، قانون ساز ہے، خالق و مالک ہے، حاکم و فرماں روا ہے اور وہی یوم جزا کا مالک ہے، توحید اسلام کا اساسی محور ہے، اسی پر پورا اسلامی نظام قائم و دائم ہے اور اسی کی دعوت اساسی ہے۔ مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''توحید اسلام کا محوری نقطہ ہے جس کی صداقت، حقانیت اور واقعیت پر مخلوق کائنات کے ذرہ ذرہ کو خلاق فطرت نے گواہ پیدا کر دیا ہے۔ کائنات کی بے شمار مخلوقات مادہ توحید کی گواہ بنی ہوئی ہیں جب کہ مادہ اس کا خالق نہیں بلکہ واقعۂ موجود ہے۔ اور کلام وغیرہ کی کمالی صفات سے محروم ہے اور اس کی کمالی صفات سے محرومی ہی اس کو اس خالق کائنات کا محتاج بنا دیتی ہے کہ بے قدر لاشریک و واجب الوجود ہے، کی ذات واحد کو اسلام نے اللہ رب العزت کے نام نامی سے واقف بنا کر انسانیت کو معزز و مفتخر فرمایا ہے۔ اس لیے دعوت کا بنیادی نقطہ اسی خالق کائنات تک رسائی ہے جس کا وسیلہ صرف اللہ کی حاصل ہونے والی نبوت اور مظہر صفت ربانی وکلام اللہ کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ حاصل ہونے والی ولایت، قطبیت، غوثیت اور ابدالیت وغیرہ کے مقامات رفعت، انسانیت کو ارزانی فرمائے گئے۔''(۱)

دعوت وسیع اصطلاح ہے

دعوت ایک وسیع اصطلاح ہے جس میں اساسیات دین کی دعوت سے لے کر اسلامی نظام زندگی کے ہر شعبہ کی ابلاغ و ترسیل اور اس کا نفاذ شامل ہے۔ مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی نظر میں دعوت اسلام کا میڈیا ہے۔ اس کے ذریعہ سے اسلام کے نظری عقائد اور عملی احکام کو انسانوں کے ذہن و قلب تک پہنچایا جاسکتا ہے۔ مولانا محمد سالم صاحبؒ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) قرآن کریم نے ''میڈیا'' کے لیے انتہائی وسیع المعنی اور جامع ترین لفظ ''دعوت'' استعمال کیا ہے جو اس کی تمام اصول و فروع میں پیوست صادقانہ حیثیت کو واضح کرنے کے لیے ایک ایسا لفظ ہے کہ جس کا بدل کسی زبان و لغت میں موجود نہیں ہے۔ چناں چہ قرآن کریم کی آیت اس مفہوم پر شاہد عدل ہیں۔
يَـا أَيُّهَـا الَّذِيْنَ آمَنُواْ اسْتَجِيْبُواْ لِلّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُم لِمَا يُحْيِيْكُمْ. (اے ایمان

(۱) خطبات خطیب الاسلام ۱/۶۴

والو! حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جس وقت بلائے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے) یا اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت سنا کر بھلی طرح (ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف (اور چاہیے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا)۔

(۲) لفظ دعوت کے وسیع مفہوم میں داعی کی یہ صفت بھی پورے طور پر شامل ہے کہ وہ اپنی دعوت پر یقین کامل رکھتا ہو، یعنی اس کے ظاہر و باطن پر اس کے آثار مدعو کو متاثر کرنے والے ہوں۔

(۳) ''دعوت'' کی قرآنی تعبیر وسعتوں میں مدعو کے لیے اطاعت وفرمانبرداری کا مفہوم بھی داخل وشامل ہے اور یہ ہی چیز دعوت کی کامیابی وناکامی کا معیار بنتی ہے۔

(۴) لفظ ''دعوت'' اس مفہوم کی جانب بھی مشیر ہے کہ داعی اس کو پہنچائے تو وہ طاعت وعبادت ہے اور نہ پہنچائے تو کتمان علم یعنی علم کو چھپانے کے گناہ کو بھی یہ لفظ اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔

(۵) ''دعوت'' نئے اور مؤثر اسالیب کے تجسس وتلاش کا بھی امکان اپنے اندر رکھتی ہے یعنی مخاطبین کے اعتبار سے جدت تعبیر ہی دعوت میں پُر تاثیری کا فطری ذریعہ بنتی ہے۔''(۱)

اسلام کی دعوت دینے کے لیے جہاں دین کے عقائد واحکام اور علوم کی معرفت ضروری ہے وہاں دعوت دینے کے طریقہ میں معقولیت اور حکمت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ دین کی حقانیت کو اگر حکمت کے ساتھ پیش نہیں کیا گیا تو دعوت کی ناکامی کے ساتھ دین کی بدنامی کا اندیشہ ہے۔ اسی لیے قرآن پاک نے حکم دیا ہے کہ ''ادْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ. (۲)

اپنے رب کی راہ پر بلاؤ لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور ان سے بحث کرو عمدہ طریقہ سے۔

دین میں آزادی ہے

اسلام کی دعوت، فکر ونظر اور اخذ وقبول کی آزادی پر قائم ہے۔ اسلام دین کے معاملہ میں زور زبردستی اور جبر واکراہ کو پسند نہیں کرتا۔ وہ صاف اعلان کرتا ہے کہ افانت تكره الناس حتى يكونوا مومنين. (۳)

کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اس آزادی کی وجہ بھی معقول ہے۔ تلوار کی طاقت سے کسی کی گردن کاٹی اور جھکائی تو جا سکتی ہے مگر دل کے اندر کلمۂ توحید کو ڈالا نہیں جا سکتا۔ دعوت

(۱) خطبات خطیب الاسلام ۱/ ۱۰۷،۱۰۶　　(۲) النحل: ۱۲۵　　(۳) یونس: ۹۹

دین دلوں میں افہام وتفہیم اور سوز دروں کے ذریعہ سے ہی داخل ہوسکتی ہے۔ اس کے لیے ایک طرف تو دین سے کما حقہ واقفیت، اس کی حقانیت پر شرح صدر اور اس کو پیش کرنے کا جذبۂ بیتاب لازم ہے۔ دوسری طرف استدلال کی قوت، فکر ونظر اور بصیرت بھی ضروری ہے تاکہ مخاطب کے ذہن ودماغ کو بھی مطمئن کیا جاسکے اور اس کے دل میں اترنے کی بھی راہ نکل سکے۔ حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے اسلام کی دعوت کے اس نکتہ کو نہایت معقول طریقہ سے بیان کیا ہے اور فکر ونظر کی آزادی کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

> ''کسی مذہب کی دعوت یا کسی مخصوص نظریہ حیات کی پیش کش کی صورت میں مخاطب کو اس کے قبول کرنے یا نہ کرنے کے مکمل اختیار کا دیا جانا ایک ایسا مسلّم اور ناقابل اختلاف متین ضابطہ ہے کہ تمام معقولیت پسندی انسانی طبقات میں کبھی اور کہیں بھی یہ ضابطہ دورایوں سے دوچار نہیں ہوا۔ اس ضابطہ مسلمہ کو جذباتیت یا غیظ وغضب یا جہالت کے تحت قبول نہ کرنا وہیں سر ابھارتا ہے کہ جہاں مدعی کا فکر وذہن اپنے دعاوی پر دلائل قویہ سے خالی ہو یا طریق اثبات کی قوی اور مسکت صلاحیت سے عاری ہو۔''(۱)

علماء کی تربیت ضروری ہے

دین اسلام کی دعوت دینے کے لیے داعیان اسلام کی تعلیم وتربیت کی ضرورت ہے۔ ایسے افراد تیار کرنے کی ضرورت ہے جو دین کے احکام اور حکمتوں سے واقف ہوں اور حالات وزمانہ کی رعایت کے ساتھ دنیائے انسانیت تک اسے ذمہ داری کے ساتھ پہنچائیں۔ دینی مدارس کا قیام اس لیے عمل میں آیا تھا کہ اللہ کی کتاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور شریعت کے تفصیلی احکام کی تعلیم کا جامع نظام بنایا جائے اور ایسے علماء تیار کیے جائیں جو نہ صرف شریعت مطہرہ کے محافظ ہوں بلکہ دین کی دعوت کے حامل ہوں۔ چناں چہ دین کی دعوت مدارس اسلامیہ کے بنیادی مقاصد میں شامل رہی ہے۔ دعوت دین کے سلسلہ میں علماء سے جو کوتاہی ہورہی ہے اس کا ازالہ خود مدارس کے علماء کو کرنا چاہیے۔ حضرت مولانا سالم قاسمیؒ نے جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ کے سیمینار ''دعوت اسلامی اور مدارس دینیہ'' منعقدہ ۲۵/فروری ۲۰۰۵ء میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> ''دعوت اسلامی مدارس دینیہ کا ہر دور میں اہم ترین مقصد اور بنیادی موضوع رہا ہے اور آج بھی انتہائی متعصب اور مقتدر محاذوں پر شدید نبرد آزمائی کے ساتھ ملت کی اسلامی، ملی اور قومی پہچان کی برقراری کی اور دعوتِ اسلامی کے فریضہ کی متوکلا علی اللہ ادائیگی کی عظیم خدمت بمدد خداوندی یہی مدارس انجام دے رہے ہیں۔ لیکن اس کے مطابق ثمرات ونتائج حسب توقع سامنے نہیں آرہے ہیں بلکہ ملت

(۱) ایضاً ۲/۴۰

اسلامیہ دین وتوحید کے مزاج وحدت کے برخلاف تفریق وتقسیم کے دائروں میں بٹتی ہی چلی جارہی ہے۔اس تشویشناک صورتحال کی تولید کی حقیقی وجہ بھی مدارس اور علماء کرام ہی ہیں اور اس کو ختم کرنے کی اہلیت وصلاحیت بھی علماء کرام کے سوا کسی دوسرے میں نہیں ہے۔اس صورت حال میں بہ سلسلہ دعوت تجربہ میں آئی ہوئی کوتاہیوں کا سدباب کیے بغیر کسی دعوتی نظام کی تشکیل احقر کے گمان غالب میں کما حقہ ثمر آور اور نتیجہ خیز نظر نہیں آتی۔''(۱)

دعوت امت کی ذمہ داری ہے

اگر چہ دین کی دعوت دینے کی ذمہ داری اصلاً علماء پر عائد ہوتی ہے جو کہ نائب رسول ہیں اور وہی اس دین کے رمز آشنا اور اولوالامر ہیں۔مگر امت مسلمہ اس ذمہ داری سے الگ نہیں ہے۔بحیثیت امت محمدیہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس دین کو سیکھیں، سمجھیں اور دنیائے انسانیت کے سامنے اس کی دعوت پیش کریں۔مختلف شعبہ ہائے حیات میں کام کرنے والے مسلمان اپنے ہم پیشہ اور ہم نشیں انسانوں کو اللہ کے دین کی طرف بلائیں۔یہ ان کی دینی اور سماجی ذمہ داری ہے۔کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے پوری امت کو دعوت دین کا مجاز اور کارکن بنایا ہے۔حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے امت مسلمہ کی اس ذمہ داری پر روشنی ڈالتے ہوئے جامع مسجد پریمیٹ مدراس میں ارشاد فرمایا:

''اس امت کی ذمہ داری تمام امتوں کے مقابلے آگر بڑھ جاتی ہے اور تمام دنیا کے انسانوں کو ذکراً وفکراً مطمئن کرنا یہ امت محمدیہ کی بنیادی ذمہ داری کے اندر شامل ہے۔اس ذمہ داری کو اپنے اپنے دائرے کے اعتبار سے ادا کرنا ہر مسلمان کی بنیادی ذمہ داری ہے، اس لیے اس دین کی عظمت کو باقی رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ جتنا جانتا ہو اس کو پہنچادے اور اگر تم نہیں جانتے تو فرمایا کہ: وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالاً نُّوحِيْ إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُواْ أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ(۲)

''اور پیغام نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے مگر یہی مردوں کے ہاتھ وحی بھیجتے تھے، ہم ان کو، سو پوچھ لو یاد رکھنے والوں سے اگر نہیں جانتے۔''(۳)

دعوت دین کی نہ کہ مسلک کی

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی نگاہ مختلف مسالک، مذاہب اور مشارب کی دعوتی وتبلیغی کوششوں پر تھی۔وہ امت کے مختلف گروہوں کی دعوتی سرگرمیوں سے واقف تھے اور مسلک ومشرب اور جماعت کی حد

(۱) مجموعہ مقالات سمینار منعقدہ ۲۵-۲۷ رفروری ۲۰۰۵ء، ادارہ علمیہ، جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ ۲۰۰۶ء
(۲) الانبیاء: ۷-۳۰ (۳) خطبات خطیب الاسلام ۲/ ۳۴۵

بندیوں سے آگاہ تھے۔ اس تناظر میں وہ کسی مسلک و مشرب یا جماعت کو اپنی طرف بلانے کو دعوت کا کام نہیں قرار دیتے تھے بلکہ اس دین کے مزاج کے منافی سمجھتے تھے۔ وہ براہ راست دین کی طرف بلانے یعنی دین کے اصولوں کی دعوت دینے کو دعوت دین قرار دیتے تھے۔

اسلامی فقہ اکیڈمی کے سترہویں اجلاس مؤرخہ ۱۵/اپریل ۲۰۰۸ء بمقام برہان پور، علماء، فقہا اور مفتیانِ کرام سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے فرمایا:

> ''فقہا کا مستنبط کردہ قانون اسلامی دین کے درجہ میں نہیں ہے، دین وہ ہے جو منزل من اللہ ہے، جس میں عقل انسانی قطعاً دخیل نہیں ہے، ظاہر ہے کہ جس کے اندر عقل انسانی دخیل ہو تو وہ قابل تبلیغ نہیں ہوسکتا، قابل تبلیغ صرف دین منزل من اللہ ہی ہوگا۔ بخلاف مذاہب فقہا کے کہ وہ عقلاً اجتہادی اور استنباطی ہیں۔ اس لیے ان کا درجہ ترجیحی تو ہوسکتا ہے تبلیغی نہیں ہوسکتا۔ اگر ان کو درجۂ تبلیغ دے دیا جائے تو یہ دین منزل کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ اس لیے کہ دین میں کسی اختلاف، کسی تضاد کا امکان نہیں ہوتا، بخلاف مذہب کے کہ اس میں استنباط واستدلال عقلی کی وجہ سے اختلاف کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔''(۱)

اس دور میں مسلکی تحزب وتعصب زیادہ بڑھ گیا ہے۔ دین کی عظمت اور وقعت نظروں سے اوجھل ہوگئی ہے اور مسلک و جماعت سے جذباتی وابستگی نے اسے دین کی جگہ لا کھڑا کیا ہے۔ اپنے مسلک کی دعوت دینا اور اپنے فروعی مسائل کو کلی حیثیت دے کر ان کو قبول کرنے پر اصرار کرنا نوجوان علماء کا مشغلہ بن گیا ہے۔ وہ اپنے مسلک کی اشاعت کو فریضہ دعوت سمجھتے ہیں اور دوسرے پر اسے تھوپنے کو جہاد سمجھتے ہیں، بلکہ عالمی سازش کا شکار ہو کر اس معاملہ میں تعلّی اور تشدد سے کام لیتے ہیں اور جو لوگ ان کے پیش کردہ تصورات کو قبول نہ کریں ان کو دین کے دائرہ سے خارج کر دیتے ہیں۔ مسلکی تعصب و تنگ نظری کے اس ماحول میں حضرت مولانا سالم قاسمیؒ کا یہ اصرار کہ دعوت صرف دین کی دی جائے مذہب و مسلک کی دعوت سے گریز کیا جائے، بنیادی اہمیت کا حامل ہے اور امت کو اس کے اصل سرچشمہ سے وابستہ کرنے کی عالمانہ اور حکیمانہ کوشش ہے۔ مولانا سالم قاسمیؒ علماء سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''مذہب قابل تبلیغ نہیں ہوتا صرف قابل ترجیح ہوتا ہے، ضرورت جب پیش آئے تو دلائل کی قوت پر آپ کسی بھی فقہی مذہب کو اختیار کرسکتے ہیں۔ لیکن ان فقہی مذاہب کی دعوت دینے کا آپ کو حق نہیں دیا جائے گا کیوں کہ دعوت دیے جانے کا حق دار صرف دین ہے۔ انبیاء کرام صحابۂ کرام، علماء کرام یہ سب دین ہی کی دعوت دیتے رہے ہیں۔''(۲)

عصر حاضر میں دین اسلام کی حقانیت اور جامعیت کا تقاضا ہے کہ علماء اور داعی حضرات دین کی

---

(۱) دین اور فقہی مذاہب ومسالک، ص ۱۱

(۲) دین اور فقہی مذاہب ومسالک، ص ۱۱، ایفا پبلی کیشنز، نئی دہلی ۲۰۰۸ء

اساسیات پر اپنی دعوتی سرگرمیوں کو مرتکز کریں۔ بندگانِ خدا اور تشنگانِ دین کو اسلام کی اساسیات سے روشناس کرائیں۔مسلکی، مشربی، گروہی خیالات و روایات کی دعوت نہ دیں۔مولانا سالم قاسمیؒ نے اس پر زور دیتے ہوئے علماء کرام سے فرمایا:

''اللہ کی توحید کے ساتھ اس کی طرف سے آنے والی تمام ہدایات واحکامات کے اقرار واعتراف کا نام دین ہے اور اسی دین کو حق تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے شرع لازم قرار دیا ہے۔اسی کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور اسی کے لیے اولیاء اللہ ذریعہ اثبات بنتے ہیں۔اس کے برخلاف نہ کوئی چیز لائق قبول ہے اور نہ اس کے سوا کسی چیز پر اجر وثواب ہی دیا جاتا ہے۔''(۱)

دین کی دعوت امت کی وحدت کا ذریعہ ہے

مسلک و مشرب و مکتب فکر کے بجائے صرف دین حنیف کی دعوت دینا نہ صرف دین اسلام کی حفاظت واشاعت کا موثر ذریعہ ہے بلکہ امت مسلمہ کے اندر وحدت کا شعور پیدا کرنے کے لیے بھی ضروری ہے۔امت مسلمہ اگر اپنی قومی ترجیحات میں دعوت دین کو شامل کر لے تو وہ داخلی انتشار سے بھی محفوظ رہ سکے گی اور دین اسلام کی اشاعت وترقی کو بھی یقینی بنا سکے گی۔مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے ان دونوں مقاصد کے حصول کے لیے امت مسلمہ کے بالغ نظر افراد خصوصاً علماء کرام سے مطالبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''دعوت اسلامی ایک حتمی ضرورت ہے اس کی تکمیل کے لیے عصر حاضر میں منجملہ فرائض یہ بھی ہے کہ مذاہب فقہیہ کی اور مسالک و مکاتیب فکر یہ کی تبلیغ کی ممنوعیت کو علماء کرام ایک مستقل حیثیت دیں اور اس ذوق شرعی کی زیادہ سے زیادہ ہمت افزائی فرمائیں کہ علماء کرام اسٹیج پر صرف تبلیغ دین منزل کو اپنائیں۔یہ ہی ملت میں فکری وحدت کی بنیاد پر قبول دعوت اسلامی کا واحد وسیلہ بن سکے گا اور کار دعوت کو خیر القرون کے بابرکت وموثر طرز وطریق سے باہر نہ ہونے دیا جائے، اسی طرز نبوت نے فطرت اور شعور انسانی پر اپنی پر تاثیری کو کسی حجت وبرہان کا ضرورت مند نہیں رہنے دیا۔''(۲)

دعوت کے لیے میڈیا کا استعمال

اس زمانہ میں ذرائع ابلاغ اور وسائل نشر واشاعت نے جتنی وسعت، سرعت اور قوت حاصل کر لی ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔عوام کو بنانے اور بگاڑنے میں، اطلاعات اور معلومات کو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچانے میں اور انسانی ذہن سازی میں میڈیا کا رول بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔باطل قوتیں

(۱) مجموعۂ مقالات سیمینار ۲۵، ۲۷ فروری ۲۰۰۵ء، جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ　　(۲) ایضاً

اپنے غیر فطری نظام کو مستحکم کرنے میں اس کا استعمال کر رہی ہیں، مشرکانہ اور ملحدانہ خیالات کی اشاعت میں ان سے کام لے رہی ہیں۔ فواحش اور منکرات کا سیلاب اس کے ذریعہ معاشرہ میں آ رہا ہے۔ مگر مسلمان اس میڈیا کا اسلام کی دعوت اور دین حق کی اشاعت کے لیے استعمال نہیں کر پا رہے ہیں۔ مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے اسے محسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ:

> ''بصد افسوس اس نا قابل انکار حقیقت کا اظہار بھی ناگزیر ہے کہ یہ ضروری ذرائع ابلاغ دنیا کے سب سے پہلے اور سب سے آخری بین الاقوامی دین فطرت اسلام کو کما حقہ میسر نہیں ہیں اور جس درجہ میں میسر بھی ہیں تو ان کا استعمال اسلام کے لیے برمحل نہیں ہو رہا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلم ارباب فکر اکیسویں صدی کے استقبالیہ ایجنڈے میں اسلامک میڈیا کو اسی اہمیت کے ساتھ شامل فرمائیں کہ اسلام جس کا بجا طور پر ہی نہیں بلکہ لازمی طور پر مستحق اور ضرورت مند ہے۔'' (۱)

یعنی نظام باطل جن ہتھیاروں سے لیس ہو کر نظام حق کو مغلوب کرنے اور انسانی دل و دماغ کو مفتوح کرنے کی کوشش کر رہا ہے، دعوت حق کے علمبرداروں کو بھی ان وسائل کا استعمال کرنا چاہیے۔ دین حق کو ہر فرد بشر کے دل و دماغ میں پہنچانے کی سعی کرنی چاہیے۔ اور معاصر ذہن کو اسلام کا مخاطب بنانا چاہیے۔

نئے مدارس کی ضرورت

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے موجودہ حالات و زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے عصری اسلوب میں اسلام کی دعوت دینے کے لیے روایتی دینی مدارس کے علاوہ ایسے مدارس کے قیام پر زور دیا ہے جہاں قدیم علوم اور جدید علوم کا امتزاج داخل نصاب ہو۔ جہاں مدعو قوم کی زبان اور ثقافت کو سکھانے کا اہتمام ہو، تاکہ ایسے افراد تیار ہوں سکیں جو مقابل اور مخاطب قوم کے ذہن اور ان کی زبان سے واقف ہوں اور عصری تقاضوں کے مطابق ان کو دین کی طرف بلا سکیں اور ان کے قلب و ذہن پر اسلام کی حقانیت کا نقش مرتسم کر سکیں۔ مولانا سالم قاسمیؒ نے ۱۸/ اکتوبر ۱۹۹۷ء کو دہلی کی حج کانفرنس میں اپنے صدارتی خطبہ میں ارشاد فرمایا:

> ''پیش آنے والے اس دشوار ترین مرحلے کا کامیاب حل اس کے سوا دوسرا نہیں ہے کہ عصری اور دینی علوم کی جامع نئی درس گاہیں قائم کی جائیں اور قدیم صالح اور جدید نافع کے حامل ایسے علماء تیار کیے جائیں کہ جو اکیسویں صدی کی متوقع زبردست مادی ترقی سے نئی مسلم نسل کے سامنے آنے والے نئے سوالات، نئے شبہات، نئے اعتراضات اور نئی تلبیسات کے نہ صرف جوابات ہی دے سکیں بلکہ ان کے مانوس افکار و نظریات کو ملحوظ رکھ کر ان کی محبوب زبان و اصطلاحات کے ذریعہ انھیں مطمئن بھی

(۱) خطبات خطیب الاسلام ۱/ ۳۵۸

کر سکیں اور نئے چیلنجوں کا کتاب وسنت کی روشنی میں معقول دلائل کے ساتھ ان کے تار پود بکھیر سکیں۔''(۱)

خلاصہ

مختصر یہ کہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ دین کی دعوت کے محرم راز تھے۔ اس کے اصولی اور فروعی مسائل کے رمز آشنا تھے۔ اس راہ کی مشکلات سے آگاہ تھے۔ ان کے دل میں دین کی محبت اور اس کی اشاعت کی تڑپ تھی۔ وہ دین اسلام کو غالب دیکھنا چاہتے تھے۔ دعوت دین کا مؤثر طریقہ سنت رسول اور سلف صالحین کے منہج کو سمجھتے تھے۔ مسلک و مذہب کے اختلاف سے بلند ہو کر صرف دین کی دعوت دیے جانے کا مستحق سمجھتے تھے اور اس کا محور توحید کو قرار دیتے تھے۔ مولانا محمد سالم قاسمیؒ دین کی دعوت دینے کے لیے نئی نسل کو تیار کرنے کی نصیحت کرتے تھے۔ مدارس کے نظام اور نصاب میں دعوت دین کا عنصر شامل کرنے کی تلقین کرتے تھے اور دعوت دین کے لیے جدید ذرائع ابلاغ اور الیکٹرانک میڈیا کا استعمال کرنے پر زور دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی فکر اور درد سے نئی نسل کو متاثر کر دے۔ (آمین)

آنکھ کو بیدار کردے وعدۂ دیدار سے
زندہ کر دے دل کو سوز جوہر گفتار سے

❖ ❖ ❖

(۱) خطبات خطیب الاسلام ۱/ ۳۵۶

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ

افکار و علوم قاسمی کے شارح و ترجمان

مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی❖

فکر نانوتویؒ کے محوری موضوعات

''فکر نانوتوی'' کا مطلب یہ ہے کہ ''فکر اسلامی'' کی تعبیر وتشریح میں حضرت نانوتویؒ کا جو اندازِ فکر اور طرزِ تفہیم ہے اسی کو ''فکر نانوتوی'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو عقلی مطالبوں، حجت طلبیوں اور حسیاتی ازموں کے دور کی نفسیات کو مکمل طور پر اپیل کرنے والا ایک سائنٹفک انداز فکر ہے۔

یعنی ''فکر نانوتوی'' کوئی فلسفیانہ مکتب فکر یا اہل سنت والجماعت سے الگ کوئی گروہی تصور نہیں، بلکہ کتاب وسنت کی جامع تعلیمات کے علم اور اس کے مطابق نظام فکر وعمل کا نام ہے، دوسرے لفظوں میں وہ کلیۃً اہل سنت والجماعت ہے، جس میں افراط ہے نہ تفریط، غلو ہے نہ مبالغہ، بلکہ کمال اعتدال اور جامعیت کا جوہر پیوست ہے، نیز اس میں کلامی طور سے ماتریدیت واشعریت، فقہی طور پر حنفیت اور وقت ضرورت دوسرے مسالکِ فقہیہ سے استفادہ، وجدانی طور سے احسان وتصوف اور سیاسی طور سے اعلاء کلمۃ اللہ اور اظہار دین اسلام کے عناصر ورجحانات نمایاں ہیں۔

سرچشمۂ فکر

''فکر نانوتوی'' کا سرچشمہ بھی فکر اسلامی کے کسی بھی دبستان کی طرح قرآن کریم اور احادیث نبویہ ہیں، جس کا تفقہ ہی اس فکر کی اساس ہے، علوم نانوتویؒ کے وارث حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمۃ اس فکر کے بانیٔ اول حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''بلاشبہ کتاب وسنت کی تعلیم اور توحید ورسالت کی عظمت وتوقیر کی وضاحت وبیان میں حضرت شاہ

❖ شیخ الحدیث ومہتمم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات

ولی اللہ کا ایک مخصوص رنگ اور ممتاز انداز تفہیم ہے، جس کا اولین جوہری مادہ وحی خداوندی اور اس کا تفقہ ہے، جو ان کا اساس فکر ہے، پھر تعلیم وتلقین کے دائرے میں اس کی وہ نوعیت بیان ہے جو ہر دور کی نفسیات کو اپیل کرتی ہے، جس کے مختلف اجزائے ترکیبی ہیں، جو حسب زمانہ اس میں کارفرما ہوتے آرہے ہیں۔

انداز فکر

اس انداز فکر کو جس میں دین اسلام کی اولین روایات کی حفاظت وصیانت بھی ہے اور زمان ومکان کی رعایت بھی۔ ''حکیمانہ اور داعیانہ انداز فکر'' ہی کہنا موزوں معلوم ہوتا ہے، خود حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ کی تصنیفات وتحریرات کے طرز بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا انداز داعیانہ اور حکیمانہ ہے، جو کتاب وسنت کے اسالیب کی پیروی کا ثمرہ ہے، چناں چہ جس طرح کتاب وسنت میں کسی خاص ضرورت کے بغیر عام طور سے پوری انسانی برادری کو خطاب کیا گیا ہے، کیوں کہ قرآن سارے انسانوں کے لیے جامع دستور حیات اور ایک عام ہدایت نامہ ہے اور سنت اسی کی تشریح وتفہیم ہے؛ لہذا اس کی دعوت میں بنی نوع انسان کے لیے فطری کشش اور اپیل موجود ہے، اسی طرح حضرت نانوتویؒ نے کتاب وسنت کے اس طرز بیان کو اپناتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا کہ ان کی حکمت ودعوت کسی مذہبی ونسلی اور گروہی وطبقاتی تعصب وبندش کے بغیر زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے اور وہ اسلام کے ان ہمہ گیر اصول اور آفاقی حقائق سے متعارف ہوں جو پوری انسانیت کی مشترک میراث وسرمایہ ہیں۔

چناں چہ خانوادۂ نانوتوی کے علوم کے وارث حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی تحریر فرماتے ہیں:

> ''اسی جامع ترین اسلامی فکر قاسمی کا وہ بنیادی نقطۂ امتیاز جس کو ہر دور میں وارثین فکر قاسمی کے اکابر واصاغر نے بقوت سنبھالا ہے، وہ ملت اسلامیہ میں ناصواب مکاتب فکر کی تولید پر چراغ پا نہ ہوکر ان کی اصلاح کی جدوجہد کرنا ہے''۔(۱)

پھر دو صفحہ کے بعد لکھتے ہیں:

> ''اس لیے خاطی مکاتب فکر کے بارے میں اس تحمل پسندی اور وسعت وحوصلہ کو دار العلوم دیوبند کا اجتماعی دینی مزاج بنادینا حضرت الامام محمد قاسم نانوتویؒ کا افراط وتفریط کے مابین اسلامی اعتدال کا وہ بیش قرار نمونہ ہے کہ جس کو حضرت الامام کا ممتاز ترین امتیاز قرار دینا عین انصاف ہوگا، اسی معتدل مزاجی کا خوش آئند نتیجہ ہے کہ بعض طبقات نے علمائے دیوبند کو اپنی قلت علم اور حق ناشناسی کی بنا پر ہدف تکفیر بنایا، لیکن اسی اعتدالی جماعتی مزاج سازی کے تحت اکابر علماء دیوبند مکفرین کی ضروریات دین کے

(۱) حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتوی، حیات وافکار وخدمات: ص:۶۸

مقر ہونے کی بنا پران کے اس سراسر غیر اسلامی ایذا رسانی حملے کو برداشت کر کے انہیں درس خیر خواہی سے نوازتے رہے، اور صحیح تعلیمات اسلام کے تحت ان کی تکفیر سے ہمیشہ ممکن احتراز فرماتے رہے۔"(۱)

حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ "جامعیت" کو "فکر نانوتوی" کا سب سے بڑا امتیاز قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"پس حضرت الامام کے بیشمار امتیازات میں یہ امتیاز سب سے فائق تر قرار دیئے جانے کا مستحق ہے کہ آپ نے اپنے قائم فرمودہ بلند معیار "حدیثی مکتب فکر دارالعلوم دیوبند" میں ملک کے اہم ترین منتشر ومندرس مکاتب کو سرزمین دیوبند پر جمع فرما کر حسب تقاضائے وقت ایک جامع ترین علمی اور دینی مجموعہ مکاتب فکر ملت اسلامیہ کو عطا فرما دیا اور اس طرح آپ نے نہ صرف عظیم نقصان کی عظیم ترین تلافی ہی فرما دی؛ بلکہ ہندوستان میں اسلام کا نام ختم کر دینے کے انگریزی ناپاک عزائم کو بھی ہمیشہ کے لیے خاک میں ملا دیا، دارالعلوم دیوبند کی یہی وہ علمی، فکری اور قاسمی جامعیت ہے کہ جو طرہ امتیاز کی حیثیت سے دارالعلوم کو چہار دانگ عالم میں بلا استثناء تمام صحیح العقیدہ دینی مدارس ومعاہد کی مرکزیت کا حامل بناتی ہے"۔(۲)

فکر نانوتویؒ کے محوری موضوعات

حضرت نانوتویؒ کے محور فکر کو اگر مختصر لفظوں میں ادا کیا جائے تو "حفاظتِ دین" اور "اقامتِ دین" سے ادا کیا جا سکتا ہے، چوں کہ ان کا اصل مقصد دین کا احیاء اور اس کا دفاع تھا؛ اسی لیے انہوں نے کوئی تقریر وتحریر یا تحقیق برائے تحقیق پیش نہیں کی، بلکہ ہر قدم تحفظ دین اور اسلامی تہذیب کی اقامت واشاعت کے لیے اٹھایا، زبان وقلم کا سہارا لیا ہو یا عملی جدوجہد اور اصلاحی کوشش؛ سب کا محور ہی ایک تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کی زیادہ تر تالیفات اسلام کے عقائد حقہ کی ترجمانی اور اہل باطل کی نفی وتردید پر مشتمل ہیں۔

اسی خاندان قاسمی کے ایک فرد حضرت مولانا سالم صاحب قاسمیؒ ہیں، جو خود اپنے والد محترم حضرت حکیم الاسلامؒ اور حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کے علوم ومعارف اور ان کے افکار ونظریات کے وارث ہیں، جنہوں نے حجۃ الاسلام کے ذکر کردہ علوم وافکار کی جو وضاحت فرمائی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؒ اپنے خاندانی اکابر کے علوم ومعارف اور افکار کی صحیح ترجمانی فرما رہے تھے، اور صحیح معنوں میں خلف الرشید اور جانشین حکیم الاسلامؒ تھے، اسی لیے آپ کے خطبات ومواعظ میں اسرار ومعارف کی

(۱) حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتوی، حیات وافکار وخدمات: ص:۷۰
(۲) ایضاً: ص:۲۶

باتیں ہیں، تاریخ دانی بھی ہے، پند ونصائح بھی ہیں، اور معلومات کا خزانہ بھی، اسلاف کے واقعات واقوال بیان کرکے اخلاف کو اسلاف سے جوڑتے بھی ہیں، اور ہر فرد کی اصلاح کا مواد بھی موجود ہوتا ہے، اسی طرح امت کی رہنمائی اورامت پر پیش آمدہ آلام ومصائب کا حل بھی آپ کے خطبات ومواعظ میں مل جاتا ہےاورسامعین کی اسلامی ذہن سازی بھی ہوتی ہے، پھرآپ کے خطبات میں دینی، ملی،قومی بلکہ بعض مرتبہ عالمی مسائل پربھی اعتدال وتوازن کےساتھ رہنمائی ملتی ہے۔

یہ چیزیں دراصل حجۃ الاسلامؒ اور حکیم الاسلامؒ کی وراثت ہے، اسی وراثت کو حضرت خطیب الاسلامؒ نے سینہ سے لگایااوردوسروں تک پھیلایا، ذیل میں اسی ترجمانی پرکچھ اوراق سپرد قلم کیے گئے ہیں۔

حضرت خطیب الاسلامؒ کا انداز

حضرت خطیب الاسلامؒ دین وشریعت کی تفہیم وتشریح اور بیان واستدلال کے اسلوب میں اپنے زمانہ کی زبان، نفسیات اور ذہنی سطح کو بھی مدنظر رکھتے ہیں، علمائے متقدمین کے قدیم ورثہ کے ساتھ ساتھ تجدید وتنوع میں ہم آہنگی پیدا کرتے ہوئے اپنا دعوی بہترین انداز میں ثابت کرتے ہیں۔

حضرت حجۃ الاسلامؒ کی فکری وعلمی بصیرت پائے کی ہے، جس سے وہ اپنے دور کا گہرائی سے تجزیہ فرماتے ہیں اوراس کا حل بڑی حکمت ومصلحت کے ساتھ پیش فرماتے ہیں، مستقبل کے چیلنجز کے حل کے ساتھ ساتھ ماضی کی علمی وعملی روایات سے مضبوطی سے ربط رکھتے ہیں، اسی انداز کو حضرت خطیب الاسلامؒ نے بڑی حد تک کامیابی کے ساتھ اختیار کیا ہوا ہے۔

برصغیر میں حضرت حجۃ الاسلام نانوتویؒ کے عمیق علوم اور رفیع افکار کی ترجمانی وتشریح (مختلف افراد کے ساتھ ساتھ) خصوصاحضرت قاری صاحبؒ کے بعد حضرت خطیب الاسلامؒ نے بڑے سلیقے سے فرمائی ہے۔

حضرت نانوتویؒ نے اپنے زمانہ کی نفسیات کے مطابق اسلام کے ہمہ گیر تصور کو اور نظام فکر وعمل کو جدید سائنٹفک اسلوب میں پیش فرمایا، اسی انداز کو باقی رکھتے ہوئے حضرت خطیب الاسلامؒ نے ان علوم وافکار کی دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق تعبیر وتشریح فرمائی ہے۔

فرضی مثالیں پیش کرنے کے بجائے حضرت نانوتویؒ کی طرح مشاہداتی اور حسی مثالوں کے ذریعہ بڑی بڑی حقیقتوں اوراجمال کو واضح فرمادیتے ہیں اورقدرتی وفطری طور پرانسان کو مثالوں سے دلچسپی ہوتی ہے، کیوں کہ اس سے بات اقرب الی الذہن ہوجاتی ہے اورانسان آسانی سے بڑی باتوں کو سمجھ لیتا ہے۔

دعوی کا ثبوت حتی الامکان آیات واحادیث سے ہی پیش فرماتے ہیں، اس کے بعد سائنٹفک انداز۔

رسول اقدس ﷺ کے اوصاف وکمالات

رسول اللہ ﷺ آخری نبی اور رسول بنا کر مبعوث کئے گئے، چوں کہ آپ تمام انسانوں کے لیے اسوہ اور نمونہ ہیں، اس لیے ایسی اعلیٰ وارفع ذات کے لیے کن اوصاف وکمالات کا حامل ہونا چاہیے اور آپ کی ذات بابرکت کن اعلیٰ اوصاف وکمالات کی حامل تھیں اس کو حضرت نانوتویؒ نے اس طرح واضح فرمایا:

مدارِ نبوّت تین کمالات پر ہے

اس تقریر کے ملاحظہ کرنے والوں کو یہ بات معلوم ہوگئی ہوگی کہ نبوت کے لیے اول یہ ضروری ہے کہ ظاہر و باطن میں موافق مرضی خداوندی ہوں، اور ظاہر و باطن سے اطاعت خدا کے لیے تیار ہوں، اس لیے کہ جو اپنے موافقِ مرضی ہوتا ہے وہی مقرب ربّانی ہوسکتا ہے، اور جو شخص ظاہر و باطن دونوں طرح مُطیع وفرماں بردار ہو، وہی شخص حاکم ''ماتحت خدا'' ہوسکتا ہے، اور ظاہر ہے کہ بے تقرّب بادشاہ سے کلام وگفتگو کوئی نہیں کرسکتا، اور بے تقرب چوب دار بادشاہی کسی کے پاس سلام و پیام بادشاہی نہیں لاسکتا ہے، اسی طرح بے تقرب شرف ہم کلامی خداوندی میسر نہیں آسکتی، اور بے تقرب ربّانی، ملائکہ سلام و پیام خداوندی نہیں لاسکتے، مگر بنائے تقرب جب موافق مرضی پر ہوئی، تو بالضرور نبی میں تین باتیں ضرور ہوں گی: (۱) محبت خداوندی (۲) اخلاق حمیدہ (۳) کمالِ عقل وفہم۔

محبت خداوندی : اول تو یہ ہے کہ اخلاص ومحبت خداوندی اس قدر ہو کہ ارادۂ معصیت کی گنجائش ہی نہ ہو۔

اخلاق حمیدہ: دوسرے یہ کہ اخلاق حمیدہ وپسندیدہ ہوں؛ کیوں کہ ہر شخص اور ہر کام کرنے والا بھی اپنے اخلاق کے موافق اور مناسب کام کیا کرتا ہے، سخی دیا کرتا ہے، بخیل جمع کیا کرتے ہیں، خوش اخلاق، اخلاق سے پیش آتے ہیں اور راحت پہنچاتے ہیں، اور بداخلاق بدی سے پیش آتے ہیں اور ایذا دیا کرتے ہیں، اس لیے ہر کار ایک خصلت سے مربوط ہوگا، اگر اچھی خصلت سے مربوط ہے تو اچھا ہوگا، بُری سے مربوط ہے تو بُرا ہوگا۔

اور اخلاق کا اچھا برا ہونا اس پر منحصر ہے کہ خدا کے اخلاق کے موافق یا مخالف ہو؛ جو خلق موافق ہوگا وہ اچھا سمجھا جائے گا، جو مخالف ہوگا وہ بُرا ہوگا، اس لیے جو باتیں موافق اخلاق خداوندی ہوں ان کا بُرا کہنا بجز ناقص فہموں کے اور کسی کا کام نہیں۔

یہ دو باتیں یعنی اعمال اور اخلاق تو ایک قسم کی باتیں ہیں یعنی کرنے کی باتیں ہیں اور معاملات

سے متعلق ہیں۔

کمالِ عقل وفہم: تیسری بات جواز قسم دوم ہے، وہ خوبیِ عقل وفہم ہے؛ کیوں کہ اول تو یہ فہمی خود ایک ایسا عجب ہے کہ کیا کہیے! دوسرے تقرب مقربین خود اسی غرض سے ہوتا ہے کہ بات کہیے تو سمجھ جائیں ،اور سمجھ کر خود بھی عمل کریں اوراوروں سے بھی کرائیں۔(۱)

اسی کی اپنے فاضلانہ انداز میں تشریح کرتے ہوئے حضرت خطیب الاسلامؒ فرماتے ہیں:

سیرت تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے:

اس لیے ضرورت ہے کہ سیرت کو پہچانا جائے، سیرت کسی ایک چیز کا نام نہیں، سیرت تین اجزاء سے مرکب ہے اور سیرت تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

(۱) سب سے پہلی چیز ''کمالِ علم''

حق تعالی انبیاء علیہم السلام کو عالم بنا کر بھیجتے ہیں، دنیا میں انسان علم کی صلاحیت لے کر آتے ہیں، آپ کو علم حاصل کرنا پڑتا ہے، محنت کرنی پڑتی ہے، برخلاف انبیاء علیہم السلام کے، انبیاء کو آنے کے بعد مدرسوں میں جانا نہیں پڑتا؛ بلکہ وہ خود تعلیم دینے کے لیے آتے ہیں، حق تعالی ان کو علم کامل ان کے قلب میں اتار کر دنیا میں بھیجتا ہے، اسی لیے دنیا میں استاد بن کر آتے ہیں، شاگرد بننے کے لیے نہیں آتے۔

اسی طریق پر علم کامل لے کر سارے پیغمبروں کو اپنے اپنے وقت کے اعتبار سے کامل علم دیا گیا، یہ علم جتنا ان کے دور کے اعتبار سے ان کی قوم کے اعتبار سے ضرورت تھی اتنا ہی ان کو دیا گیا، یا یوں کہئے کہ جتنا ان کی قوم برداشت کرسکتی تھی اتنا علم پیغمبروں کو دے کر دنیا میں بھیجا گیا۔

ظاہر ہے کہ ہر پیغمبر نے ایک ایک قوم کو خطاب کیا، اپنی اپنی قوم کو خطاب کیا؛ ایک قوم، ایک ملت، ایک زمین کے ٹکڑے کے اندر رہنے والی، جس کا تمدن ایک، تہذیب ایک، کلچر ایک، زبان ایک، معاشرت ایک، بولنے چالنے کا انداز ایک، وطن ایک، اس صورت کے اندر سب چیزیں ان کی یکساں اور ہر قوم کو حق دیا گیا پیغمبر کی طرف سے کہ جو کچھ ہم اللہ کی طرف سے لا کر دیں اس کے بارے میں تمہارے ذہنوں کے اندر کوئی اعتراض یا کوئی شبہ ہو تو لاؤ ہمارے سامنے، ہم جواب دیں گے، انبیاء کو علم دیا ہی جاتا ہے اس لیے تاکہ وہ دنیا کو مطمئن کرسکیں، عقل پر یہ پابندی نہیں لگائی گئی کہ وہ سوچ سمجھ کر کوئی اعتراض کرے۔

اسی لیے تمام انبیاء اپنی قوم کو کہتے تھے کہ جو سوالات تمہارے ذہنوں کے اندر آئیں ان کو باہر لاؤ ہمارے سامنے، قوم سوالات لاتی اور انبیاء ان کے جوابات دے کر مطمئن کردیتے تھے، لیکن قوم کو مطمئن کردینا انبیاء کا بڑا کام ضرور تھا مگر بہت بڑا کام نہیں تھا، اس لیے کہ ایک قوم سے خطاب تھا ان کا، جو قوم ایک خطہ کی

(۱) مجموعۂ افادات قاسمی: رسالۂ حجۃ الاسلام، ص:۴۷-۴۹، ط: دارالعلوم حیدرآباد

رہنے والی ہو ان کے سوالات بھی یکساں، شبہات بھی یکساں، اعتراضات بھی یکساں، اور اسی انداز میں سب کے جوابات دیتے۔ لیکن اندازہ کیجیے اس ذات کا جس نے ساری کائنات کے اندر آ کر اس زمین کے اوپر اور اس آسمان کے نیچے وہ دعویٰ کیا کہ جو اس کائنات میں کبھی کسی نے نہیں کیا۔

ظاہر ہے کہ ساری دنیا کے انسانوں کو یہ حق دیا کہ تم اپنے اپنے سوالات لاؤ جواب ہم دیں گے، اندازہ کیجیے کہ اس ذاتِ عالی کا علم کتنا وسیع ہوگا کہ ساری دنیا کے انسان ہزاروں سوالات کر سکتے ہیں، اعتراضات وشبہات پیدا کر سکتے ہیں، ان کو کہا جا رہا ہے کہ لائیں ہمارے سامنے، جواب ہم دیں گے اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے مطمئن کیا اور سب کو مطمئن کیا۔

دوسری چیز ذاتی صفت کمالِ اخلاق:

دوسری چیز جو پیغمبر کی ذاتی صفت ہوتی ہے وہ اخلاق ہے، وہ اخلاق جو حق تعالیٰ کے اخلاق ہوتے ہیں:

تخلقوا باخلاق الله (اللہ کے اخلاق پیدا کرو)

تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ اپنے اخلاق دے کر دنیا کے اندر بھیجتے ہیں، تاثیر حق تعالیٰ نے اخلاق کے اندر رکھی ہے، علم کے اندر براہ راست تاثیر نہیں رکھی، علم مؤثر اخلاق کے ذریعہ ہی بنتا ہے کہ اخلاق ہوں تو علم مؤثر بنتا ہے تو سننے والے غلام بن جاتے ہیں، صحابہ کرامؓ کو دیکھئے کہ محض علم کی بنیاد پر غلامی اختیار نہیں کی؛ بلکہ علم کے ساتھ جو اخلاق تھے جناب رسول اللہ ﷺ کے اس نے اس درجہ کے اندر ان کو عاشق بنا لیا تھا کہ رسول اللہ کا جہاں پسینہ گرتا تھا وہاں وہ اپنا خون بہانے کے لیے تیار تھے۔

یہ دونوں صفتیں رسول اللہ ﷺ کی ہیں، گویا علم کامل واخلاق کامل دے کر آپ کو دنیا کے اندر بھیجا گیا، اسی لیے امت کی تربیت جو ہوتی ہے وہ ہر پیغمبر کی صفت پر ہوتی ہے اور ہر پیغمبر کی ایک مخصوص صفت ہوتی ہے، اسی صفت پر اس کی قوم کی تربیت ہوتی ہے اور وہی مزاج امت کا بن جاتا ہے اور ہر پیغمبر کو کوئی صفت ملی ہے۔

آپ ﷺ کا علم، علم عبدیت

آپ ﷺ کو جو علم دیا گیا وہ ''علم عبدیت'' بندگی کا علم اور یہ علم کامل کسی اور پیغمبر کو نہیں ملا۔

سُبحٰان الذیٓ اَسرٰی بعبدِہٖ لیلًا مِّنَ المسجِدِ الحرامِ إلی المسجِدِ الاقْصَا الّذِی بٰرَکْنَا حَولَہٗ لِنُرِیَہٗ من اٰیٰتِنا اِنّہٗ ھُو السَّمِیعُ البصِیرُ (۱)

(۱) سورہ بنی اسرائیل: پ: ۱۵، ع: ۱، آیت: ۱

ترجمہ: پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے؛ تاکہ دکھلائیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے، وہی ہے سننے والا دیکھنے والا۔

دوسرا جز اخلاق کامل:

پیغمبر کو کامل اخلاق بھی دیا جاتا ہے، علم کے اندر تاثیر جو پیدا ہوتی ہے اور رنگینی جو پیدا ہوتی ہے وہ درحقیقت اخلاق سے پیدا ہوتی ہے، اس لیے اخلاق سیرت کا دوسرا جز بن جاتا ہے۔

اخلاق کے بھی تین درجات ہیں:

ایک خلق حسن کہلاتا ہے، دوسرا خلق کریم، تیسرا خلق عظیم کہلاتا ہے، جنابِ رسول اللہ ﷺ کو خلق عظیم عطا کیا گیا، خلق حسن سب سے ابتدائی درجہ ہے اخلاق کا، خلق کریم اس سے اونچا درجہ ہے۔

تیسرا جز؛ کمال عمل:

اور تیسرا جز کمال عمل ہے، دنیا کے مفکرین پر آپ نگاہ ڈالیں تو پتہ چلے گا کہ بڑے بڑے لوگ جنہوں نے کوئی نظام، کوئی فکر بنا کر دنیا کو دیا یا دے کر گئے ان میں کوئی ایسا نہیں ملے گا جس نے اپنے دئے ہوئے نظام پر عمل کر کے دکھلایا ہو، کوئی مفکر دنیا کو جو نظام دے کر گیا ان میں سے کوئی ایسا نہیں ملے گا کہ اس نے مرتے وقت یہ نہ کہا ہو کہ اگر میں زندہ رہتا تو اس کو مکمل کرتا، جس کے معنے یہ ہیں کہ جو نظام میں دے کر جا رہا ہوں وہ نامکمل اور ناقص دے کر جا رہا ہوں۔

دین مکمل اور آپ ﷺ کی زندگی نمونہ کامل:

اس کے برعکس جناب رسول اللہ ﷺ کی یہ شان تھی کہ آپ نے جو نظام لا کر دیا، جو دین آپ نے دنیا کے سامنے پیش کیا اس کے بارے میں کوئی جز ایسا نہیں چھوڑا جس پر آپ نے عمل کر کے نہ بتلایا ہو:

لقد كان لكم في رسولِ الله اُسْوَةٌ حسنةٌ لِّمن كان يرجوا الله واليوم الاٰخِر وذكرَ الله كثيراً۔ (۱)

ترجمہ: تمہارے لیے بھلی تھی سیکھنی رسول اللہ کی چال اس کے لیے جو کوئی امید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور یاد کرتا ہے اللہ کو بہت سا۔

سیرت پاک کے تین اجزاء:

تو گویا تین جز ہیں سیرت پاک کے، ایک کمال علم، ایک کمال اخلاق، اور کمال عمل اور یہ چیزیں موجود ہیں اور امت کے لیے عام کر دی گئی ہیں، جو ہمت کرتے ہیں وہ حاصل کرتے ہیں، کوئی ایک کی ہمت کرتا ہے، کوئی دو کی اور کوئی تینوں جز کی ہمت کر لیتا ہے اور کوئی بالکل ہی ہمت نہیں کر پاتا، ظاہر ہے کہ

(۱) سورۃ الاحزاب: پ:۲۱، ع:۱۹، آیت:۲۱

ہمت کرنے کی صورت میں تینوں چیزیں عام ہیں، یہ نہیں کہ صحابہؓ کے لیے مخصوص ہوں یا تابعین کے لیے یا تبع تابعین کیلیے مخصوص تھیں۔(۱)

احکام اسلام اور اسرار و حکم

اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ثبوت احکام شرعیہ کا اصل مدار نصوص شرعیہ ہیں جن کے بعد اُن کے امتثال اور قبول کرنے میں اُن میں کسی مصلحت وحکمت کے معلوم ہونے کا انتظار کرنا بالیقین حضرت سبحانہ وتعالی کے ساتھ بغاوت ہے، جس طرح دنیوی سلطنتوں کے قوانین کی وجوہ واسباب اگر کسی کو معلوم نہ ہوں اور وہ اس معلوم نہ ہونے کے سبب ان قوانین کو نہ مانے اور یہ عذر کردے کہ بدون وجہ معلوم کئے ہوئے میں اس کو نہیں مان سکتا تو کیا اس کے باغی ہونے میں کوئی عاقل شبہ کرسکتا ہے؟ تو کیا احکام شرعیہ کا مالک ان سلاطین دنیا سے بھی کم ہوگیا، غرض اس میں کوئی شک نہ رہا کہ اصل مدار ثبوت احکام شرعیہ فرعیہ کا نصوص شرعیہ ہیں؛ لیکن اسی طرح اس میں بھی شبہ نہیں کہ باوجود اس کے پھر بھی اُن احکام میں بہت سے مصالح اور اسرار بھی ہیں، اگر چہ ثبوت احکام کا مدار اُن پر نہ ہو، لیکن اُن میں یہ خاصیت ضرور ہے کہ بعض طبائع کے لیے اُن کا معلوم ہوجانا احکام شرعیہ میں مزید اطمینان پیدا ہونے کے لیے ایک درجہ میں معین ضرور ہے اور بعض ضعفاء کے لیے تسلّی بخش وقوت بخش بھی ہے (اور اس وقت ایسی طبائع کی کثرت ہے) اسی راز کے سبب بہت سے اکابر وعلماء مثل امام غزالی وخطابی وابن عبدالسلام وغیرہ رحمہم اللہ تعالی کے کلام میں اس قسم کے لطائف ومعانی پائے جاتے ہیں؛ چوں کہ ہمارے زمانہ میں تعلیم جدید کے اثر سے جو آزادی طبائع میں آگئی ہے اُس سے بہت سے لوگوں میں ان مصالح کی تحقیق کا شوق اور مذاق پیدا ہوگیا ہے اور گو اس کا اصل علاج تو یہی تھا کہ ان کو اس سے روکا جائے (چناں چہ بعض اوقات یہ مذاق مُضر بھی ہوتا ہے) لیکن تجربہ سے اس میں باستثناء طالبین صادقین کے عام لوگوں کو اس سے روکنے کے مشورہ دینے میں کامیابی متوقع نہیں تھی اس لیے اہل علم بھی جستہ جستہ اس میں تحریر وتقریر کرنے لگے۔

انہیں تقریر وتحریر کرنے والوں میں سے ایک حضرت خطیب الاسلامؒ ہیں، جس طرح حجۃ الاسلام، حضرت نانوتویؒ نے عبادات کا فلسفہ واسرار بیان فرمائے، اسی طرح حضرت خطیب الاسلامؒ نے بھی اپنے زمانہ کے عصری تعلیم یافتہ حضرات کے لیے خصوصا اور دیگر حضرات کے لیے عموما عبادات کے اسرار ورموز وفلسفہ بیان فرمایا، اور عبادتِ حج، حج اور اتحاد امت، طواف وداع اور روزہ ایک ریاضت کا قرینہ (۲) جیسے مختلف عناوین کے تحت بیان فرمائے۔

(۱) خطبات خطیب الاسلام: ج:۱،ص:۶۸-۹۳

(۲) خطبات خطیب الاسلام:۲/۲۰۴-۲۳۸

اس کے کچھ اقتباس درج ذیل ہے:

ایک غیر مسلم وکیل نے درج ذیل سوالات کے جوابات بہ واسطۂ مولانا حامد حسن صاحب مہتمم مدرسہ فیض الاسلام سیال نگلہ جی ضلع میرٹھ طلب کیے تھے، سوالات اپنی اہمیت کے پیش نظر رئیس المتکلمین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کی خدمت میں پیش کیے گیے۔

سوال: (۱) خنزیر نجس العین کیوں؟

سوال (۲) منکوحات کی چار میں تحدید کیوں؟

سوال (۳) ازالۂ حدث اکبر کے لیے غسل کیوں؟

اس کے بعد حضرت نے عقلی و منطقی جوابات اور طبی اعتبار سے بھی تسلی و تشفی بخش جوابات دئے ، ذیل میں صرف ایک ہی سوال کے جواب کا اقتباس ذکر کیا جاتا ہے۔

جواب (۱) خنزیر کی حرمت کی عقلی علت دریافت کی گئی ہے، سو اس بارے میں ارشاد فرمایا کہ اس کائنات میں اللہ تعالی نے نباتات، جمادات اور حیوانات کی صورتوں میں لاتعداد مخلوقات پیدا فرمائی ہیں اور اس دنیا کی ہر شئے میں کچھ منافع بھی ہیں اور کچھ مضار بھی، اور یہ منافع و مضار کچھ انسانی بدن کے لیے ہیں اور کچھ روح کے لیے، دین فطرت اسلام نے منافع کو حلال قرار دیا ہے اور مضار کو حرام۔

دوسری بات یہ ہے کہ بدن کے لیے مطہر روح ہے، اور ناپاک کرنے والی چیز خون ہے، اس لیے حلال جانوروں کو جب اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جاتا ہے تو خون کے نکلنے سے ناپاک کرنے والی چیز اس کے بدن سے نکل جاتی ہے، لیکن پاکی کا ذریعہ جو روح ہے اس کے نکل جانے کے بعد، یہ اللہ کا نام اس روح کا قائم مقام بن کر اس جانور کے گوشت میں تطہیر پیدا کر دیتا ہے، اس لیے ذبح میں اللہ کا نام لینا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

خنزیر کو نجاست گندگی سے طبعی اور فطری مناسبت ہے، جس کی وجہ سے اس کی اصل خوراک انسان اور جانوروں کے بدنوں سے نکلی ہوئی نجاست ہی ہوتی ہے اور اسی ناپاک ترین غذا سے اس کا گوشت پوست بنتا ہے، اس لیے اس کے بدن میں روح کی موجودگی کے باوجود انتہائی ناپاکی، بدبو اور بدتاثیری میں کوئی فرق نہیں آتا، تو روح کے نکلنے کے بعد تو اس کا بدن، غلاظتوں اور قابل نفرت چیزوں کی وجہ سے مجموعہ غلاظات و نجاست کے علاوہ کچھ بھی نہیں رہتا، اس لیے اس کا گوشت کھانا، درحقیقت انسان کی ان تمام غلاظتوں اور نجاستوں کا کھانا ہوتا ہے جسے کوئی فطرت سلیمہ قبول نہیں کر سکتی۔

خنزیر کی اس بدنی ناپاکی کے علاوہ اس کی روحی ناپاکی یہ ہے کہ اس میں غیر معمولی غلبۂ شہوت اور انتہا سے زیادہ بے حیائی ہے جو اس کا جز و فطرت ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان اسباب مذکورہ و معقولہ کی بنیاد پر خنزیر کے بدن کے خبث سے جس قدر نقصان

عظیم، انسانی بدن کا متیقّن ہے، اس سے زیادہ روح خنزیر کے خبث سے روح انسانی کی اخلاقی بربادی یقینی ہے، اس لیے خنزیر کے بارے میں حرام قطعی ہونے کا شرعی فیصلہ، اور اس کے نجس العین ہونے پر پوری امت کے علماء کا اجماع، وجوہ مذکورہ کی روشنی میں اتنا ہی فطری ہے جتنا کہ ماکول اللحم جانوروں کے حلال ہونے کا حکم فطری ہے، اسی لیے اکابر امت کے بقول جتنا احکام شرعیہ کی علتوں اور حقیقتوں پر مومن غور کرے گا اتنا ہی شرعی احکام کے مطابق فطرت ہونا اس پر منکشف ہوتا چلا جائے گا۔(۱)

اعتقادیات

حضرت مولانا سالم صاحبؒ نے افادات علم وحکمت کے تحت مشکل ترین مسئلہ ''مسلۂ تقدیر'' پر بھی گفتگو فرمائی ہے، چوں کہ بندہ کا علم نہایت ہی ناقص ہے، اور باری تعالی کا علم محیط ہے، اسی لیے ملحد اور بے دین لوگ احکام شریعت کو قضا وقدر کے معارض سمجھتے ہیں اور شریعت سے سبک دوش ہونے کے لیے قضا وقدر سے استدلال کرتے ہیں اور شکوک پیدا کرتے ہیں، مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب اسی علیم وحکیم کی حکمتیں ہیں اور اعتقادیات چوں کہ دین کے اصول اور ضروریات اسلام سے ہے، اسی لیے حضرت نے ''افادات علم وحکمت- پہلا جزو'' کے تحت ۹۵ صفحات (خطبات خطیب الاسلام: ۴/۲۰۱-۲۹۵) میں اس پر روشنی ڈالی ہے، جس میں تقدیر، علم خداوندی، جوتشی علم، علم غیب، توحید وشرک، اوتار واقطاب جیسے مضامین پر تشفی بخش گفتگو فرمائی ہے، اور جگہ جگہ قرآنی آیات، مثالیں اور بزرگوں کے واقعات ذکر فرمائے، اور حکیم الاسلامؒ وحجۃ الاسلامؒ کے انداز وطریقہ سے ہم آہنگی پیدا کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔

دعوت وتبلیغ

ہندوستان میں دعوت وتبلیغ کا کام موجودہ منہج پر حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے شروع فرمایا، اللہ پاک کی طرف سے ان کے قلب مبارک پر اس کا القاء ہوا، تو انہوں نے دعوت وتبلیغ کے لیے جماعتوں کا طریقہ اختیار کیا۔ آج کے دور میں یہ کام بھی بڑا ہی مفید اور لازمی ہے، اسی وجہ سے یہ کام تیزی سے پھیلا، ہندو بیرون ہند یہ کام ہو رہا ہے، چوں کہ آج کے دور میں بہت سی تحریکیں چل رہی ہیں، لیکن یہ تحریک اپنی مثال آپ ہے۔

آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں اس دور میں مسلمانوں کے لیے دو بڑی پناہ گاہیں ہیں، ایک دینی مدرسے اور دوسرے یہ تبلیغی کام، تعلیم وتبلیغ دونوں کام ٹھوس اور بنیادی کام ہے، اس پر قوموں کے عروج

(۱) مجالس خطیب الاسلام: ۲/۳۶۴-۳۶۸

وزوال کی بنیاد ہے، اور جو کام جتنا اہم ہوتا ہے اسی طرح اس کے آداب وضوابط ہوتے ہیں، چناں چہ حضرت خطیب الاسلامؒ نے دعوت وتبلیغ پر (خطبات خطیب الاسلام: ۴/ ۳۰۵-۳۶۰) مفصل خطاب پیش فرمایا اور وسائل علم، دعوت کے مختلف طریقے اور نوعیتیں، داعی کی صفات، دعوت کے اصول وآداب، کار دعوت کی اہمیت وروح، انبیاء کا طریقۂ کار، ایذاء پر صبر، تعلیم وتبلیغ میں ربط اور تبلیغ کی حقیقت جیسے عناوین پر قرآنی آیات کی روشنی میں مفصل گفتگو فرمائی۔

دعوت وتبلیغ کے عنوان پر حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کا خطاب (خطبات حکیم الاسلام: ۴/ ۳۶۲-۴۳۱) موجود ہے، لیکن انداز اور عناوین بھی بڑی حد تک جداگانہ ہے۔

سائنس اور اسلام

اسی طرح اسلام نے کائنات کے نظام پر غور وفکر کی دعوت دی ہے اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اس غور وفکر یعنی سائنسی مشاہدات وتجربات کی اصل بنیادیں مسلمانوں نے ہی فراہم کی ہیں، اس لیے یہ سمجھنا کہ اسلام اور سائنس میں کوئی تصادم ہے؛ خلاف حقیقت ہے، بلکہ سائنس ہماری معاون ومؤید ہے۔

آج ہم جس دور میں سانس لے رہے ہیں، یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے، اسی لیے اسلام اور سائنس کے موضوع پر حضرت حکیم الاسلام (خطبات حکیم الاسلام: ۶/ ۳۵۷) اور حضرت خطیب الاسلامؒ (خطبات خطیب الاسلام: ۴/ ۱۹۰) دونوں بزرگوں کا خطاب موجود ہے، لیکن حضرت حکیم الاسلامؒ کے مخاطب علی گڑھ یونیورسٹی کے طلبہ تھے، جب کہ حضرت خطیب الاسلامؒ کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مخاطب مدرسہ کے طلبہ ہوں گے، اور یہ خطاب جامع مسجد مدراس میں پیش کیا ہے، اس لیے سامعین کے لحاظ سے دونوں بزرگوں کا انداز جدا جدا ہے، اگر چہ مضمون اور کافی حد تک ذیلی عناوین دونوں بزرگوں کے ایک ہے۔

چناں چہ دونوں بزرگوں نے عناصر اربعہ خاک، آتش، آب، ہوا پر گفتگو فرمائی ہے، لیکن انداز جداگانہ ہے، اور بہت سے عناوین وہ ہیں جو کسی ایک جگہ ہے دوسری جگہ نہیں، چناں چہ حضرت حکیم الاسلامؒ نے روحِ انسانی کی لطافت وطاقت پر مفصل گفتگو فرمائی اور مادیت پر بھی گفتگو کی، اسی کے ساتھ ساتھ سائنس اور اسلام میں کیا نسبت ہے؟ دونوں کا ہم سے کیا تقاضہ ہے؟ اس کو بھی واشگاف کیا ہے، دوسری طرف حضرت خطیب الاسلامؒ نے مختلف علوم کی حقیقت، آسمان وزمین کی حقیقت، شرک وباطل کا آغاز جیسے عناوین پر گفتگو فرمائی ہے۔

ختم نبوت اور حضرت نانوتویؒ

پیغمبروں میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری پیغمبر رسول اقدس

ﷺ ہیں، ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین، اللہ تعالیٰ نے آپ پر دین کی تکمیل فرمادی، اس لیے اب آپ کے بعد کسی پیغمبر کی آمد نہ ہوگی، علماء کرام اسی دین کی نشرواشاعت اور تبلیغ وتفہیم کرتے رہیں گے۔

آپ کا خاتم النبیین ہونا قرآن کریم، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، لیکن کوئی شخص کوئی ایسی عبارت یا نص اٹھا کر اپنی جزوی یا کسی قسم کی نبوت کا دعوی نہ کردے، جس میں عبارت یا نص سے کسی کو معمولی دھوکہ دیا جاسکتا ہے۔

چناں چہ اثر ابن عباسؓ مشہور ہے، حضرت نانوتویؒ کے زمانہ میں اس اثر کے بارے میں کچھ علماء کے درمیان بحثیں ہوئی، بالآخر یہ اثر برائے تحقیق استفتاء کی صورت میں حضرت نانوتویؒ کی خدمت میں پہنچا، اس کی تحقیق، توضیح اور تصحیح اب کتابی شکل میں موجود ہے یعنی ''تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباسؓ'' حضرت نانوتویؒ نے مکمل دلائل کی روشنی میں حضورؐ کی شان، عزت وعظمت اور عموم خاتمیت اور ہر اعتبار سے سلسلۂ نبوت کا ختم ہونا ثابت فرمایا ہے، اس میں عقلی، نقلی، منطقی ہر اعتبار سے گفتگو فرمائی اور اثر ابن عباس کی حقیقت وحیثیت کو بھی واضح کیا اور حکم نبوت کے بارے میں بھی مسکت جواب مرحمت فرمایا۔

کچھ لوگوں نے فتنہ اور تعصب کی وجہ سے اس مایۂ ناز تصنیف پر لایعنی اعتراضات کیے اور کرتے رہتے ہیں، اسی کا احساس حضرت خطیب الاسلامؒ کو ہوا ہوگا تو آپ نے بھی اس موضوع پر خطاب پیش فرمایا، اور حضرت نانوتویؒ کی شخصیت کا تعارف اور خدمات کا ذکر کیا، اسلام پر اندرونی وبیرونی اعتراضات وحملوں پر حضرت نانوتویؒ نے کس طرح جوابات دیئے اس کو واضح فرمایا، اس کے بعد حضرت نانوتویؒ کی ختم نبوت کی عبارتوں اور دلائل کو بہترین انداز میں واضح کرتے ہوئے یہ بھی واشگاف فرمایا کہ تحذیر الناس میں ظلّی نبوت ملنے کا ادنی شائبہ بھی نہیں ہے، یہ خطاب (خطبات خطیب الاسلام: ۴/۱۶۴-۱۹۲) پر موجود ہے۔

نئی دینی تعلیم گاہوں میں عصری تعلیم

حضرت خطیب الاسلامؒ نے حضرت نانوتویؒ کے علوم وفلسفہ کی تشریح بھی فرمائی اور آپ کی طرح افکار ونظریات اور زمانہ سے ہم آہنگی پیدا کرتے ہوئے اپنے خطاب میں اس سلسلہ میں بھی رہنمائی فرمائی ، چناں چہ حضرت نانوتویؒ کے دور میں عصری تعلیم اور دینی تعلیم کی ترتیب الگ الگ تھی، اس دور میں لوگ دینی تعلیم سے بھی کم عمری میں فراغت حاصل کرلیتے تھے، اور فنی عبور حاصل ہوجاتا تھا، اور عصری تعلیم حاصل کرنے والے بھی اپنے طور پر عبور حاصل کرلیتے تھے، البتہ دونوں تعلیم کی طرف بیک وقت توجہ پسند نہ کی جاتی تھی، اس لیے حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں:

''جدید علوم کے تمام سرکاری مدارس موجود ہیں، جو جدید علوم پڑھنا چاہیں ان کو انگریزی

اسکولوں میں جانا چاہیے، ہم عربی مدارس میں جدید علوم شامل کر کے آدھا تیتر آدھا بٹیر نہیں بنا سکتے، دونو ں طرح کے علوم کی مخلوط تعلیم کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طالب علم کسی بھی علم وفن میں درجۂ کمال حاصل نہیں کر سکتا، نہ اسے جدید علوم حاصل ہوں گے نہ قدیم علوم۔(۱)

حضرت مولانا گیلانیؒ نے حضرت نانوتویؒ کا قول نقل کیا ہے، زمانۂ واحد میں علوم کثیرہ کی تحصیل سب علوم کے حق میں باعث نقصان استعداد رہتی ہے۔(۲)

حضرت والا نے یہ جملے کیسے وقت میں بیان فرمائے، اس کا پس منظر اجمالی طور پر حضرت مولانا گیلانیؒ نے اس طرح ذکر کیا ہے:

.......لیکن اسی مسموم فضا اور غلط فہمیوں سے بھرے ہوئے ماحول میں سیدنا الامام الکبیرؒ یہی نہیں کہ انگریزی مدارس میں داخل ہو کر تعلیم پانے کے جواز ہی کا فتویٰ دے رہے ہیں؛ بلکہ بغیر کسی جھجک کے مولویوں کی بھری ہوئی مجلس میں اعلان فرما رہے ہیں کہ سرکاری مدارس میں شریک ہو کر علوم جدید کی تعلیم علمی کمالات کے چمکانے اور آگے بڑھانے میں مولویوں کے لیے مفید ثابت ہوگی۔

یقیناً حضرت والا کے ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے اور میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ یورپ کے جدید علوم وفنون کی اہمیت وضرورت کا انکار جسے اُس زمانہ میں عموماً ہمارے علماء نے اپنا پیشہ بنا رکھا تھا، یہی نہیں کہ صرف انکار ہی کی حد تک بات محدود تھی، بلکہ ''دیوبندی نظام تعلیم'' کے امام اول واکبر نے ٹھیک وقت پر ان جدید عصری علوم کی ضرورت واہمیت ہی کو تسلیم کر لیا تھا بلکہ جن الفاظ میں حضرت والا نے اپنے نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے؛ اس سے آگاہ ہونے کے بعد بلا خوف تردید بہ آسانی یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ علوم اسلامیہ کے ساتھ یورپ کے جدید علوم وفنون، والسنہ کے پیوند لگانے کے سلسلہ میں مذکورہ بالا تین عقلی شکلوں یعنی دونوں کی تعلیم ساتھ ساتھ دلائی جائے، یا عصری علوم سے فارغ ہونے کے بعد پڑھنا چاہتے ہوں ان کے لیے اسلامی علوم کے پڑھنے کا نظم کیا جائے، یا مسلمانوں کی دینی وموروثی علوم میں بقدر ضرورت بصیرت حاصل کر لینے کے بعد مسلمان بچوں کو دانش نو سے مستفید ہونے کے مواقع فراہم کئے جائیں، ان ہی تین شکلوں میں تیسری شکل کو اپنے نصب العین میں حضرت والا نے شریک کرنا چاہا تھا، اپنی اسی تقریر پر آپ نے اس کا بھی جواب دیا ہے کہ بجائے تقدم وتأخر، اس ترتیب کے قدیم وجدید علوم کا مشترک نصاب دارالعلوم دیوبند میں کیوں جاری نہیں کیا گیا، یعنی ہر دو صنف کے علوم کی کتابیں ساتھ ساتھ پڑھائی جائیں، ایسا کیوں نہ کیا گیا، جواب میں فرمایا گیا ہے کہ:

---

(۱) مولانا محمد قاسم نانوتوی، حیات اور کارنامے: باب:۶، ص:۱۶۲، ط: شیخ الہند اکیڈمی دیوبند

(۲) سوانح قاسمی: باب خدمات جلیلہ کا شاہکار، ص:۲۸۳، ج:۲، ط: دارالعلوم دیوبند

''زمانہ واحد میں علوم کثیرہ کی تحصیل سب علوم کے حق میں باعث نقصان استعداد رہتی ہے۔''(۱)

ایک مسلمان کے لیے دینی تعلیم از حد ضروری ہے، اس لیے کہ اس پر آخرت کا مدار ہے، کامیابی کی شاہ کلید ہے، اخروی سرخ روئی کا زینہ ہے، لیکن عصری تعلیم بھی وقت کی ضرورت ہے، بلکہ اب دسویں تک تعلیم حاصل کرنا لازمی ہو چکا ہے، اگر دسویں تک عصری تعلیم حاصل کرے اور اس کے بعد دینی تعلیم، تو طالب علم کی عمر کا خاصا حصہ صرف ہو جاتا ہے، اسی کے پیش نظر حضرت خطیب الاسلامؒ نے موجودہ ملکی و عالمی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ تجاویز بیان فرمائی جو درج ذیل ہے:

مدارس اسلامیہ کے نظام و نصاب تعلیم میں تبدیلی کے حامی بہی خواہان ملت کی رائے بلحاظ حالات نہ صرف غیر مؤثر نہیں ہے بلکہ قابل استفادہ ہے، اس رائے سے استفادہ کے لیے ضروری ہے کہ مدارس قدیمہ کو ان کے طرز اسلوب پر ہی چھوڑ دیا جائے، کیوں کہ بعض قدیم مدارس کے نظام و نصاب میں حذف و اضافہ کر کے ان میں علوم جدیدہ کے رائج کرنے کا تجربہ دو بنیادوں پر ناکامی سے دوچار ہو چکا ہے، ایک یہ کہ اس کے نتیجے میں ان مدارس کی اصل دینی تعلیم کا معیار پست سے پست تر ہو گیا ہے اور دوسرے یہ کہ عصری علوم کی ان مدارس میں ضمنی تعلیم با کمال افراد پیدا نہ کر سکی، لیکن کامیابی ناکامی کے ہی بطن سے پیدا ہوتی ہے، اس لیے ماضی کے ان تجربات کی روشنی کے بعد ذیل میں عرض کردہ نقاط کی روشنی میں اس فکر جدید کا نیا تجربہ ان شاء اللہ کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔

دینی مدارس کے طلبہ سے عمومی طور پر تعلیم میں بحیثیت مجموعی اوسطاً آٹھ سے دس گھنٹے تک یومیہ لیے جاتے ہیں۔

مدارس دینیہ میں دس روز عید الاضحیٰ کی تعطیل شامل کرنے کے بعد مجموعی طور پر کل زمانۂ تعطیلات تقریباً پونے تین ماہ سالانہ ہوتا ہے اور ۲۵/ رجب سے ۲۰/ شعبان تک زمانۂ امتحان سالانہ کو منہا کرنے کے بعد سالانہ مدت تعلیم ساڑھے آٹھ ماہ ہوتی ہے۔

اس کے بالمقابل جدید تعلیم گاہوں میں تعطیلات کی غیر معمولی کثرت کی وجہ سے ایک سال میں تعلیمی مدت اوسطاً پانچ ماہ ہوتی ہے۔

وقت کے لحاظ سے اس عظیم فرق کو پیش نظر رکھ کر مناسب ہوگا کہ دینی تعلیم کے ساتھ جدید علوم کو پوری اہمیت کے ساتھ پڑھانے کے لیے ''جدید مدارس دینیہ'' اس اسلوب پر قائم کیے جائیں۔

جدید مدارس دینیہ کے لیے بابصیرت و تجربہ کار علماء کرام ایسا دینی نصاب تیار فرمائیں جس میں اضافی فنون کو چھوڑ کر لازمی دینی کتب نصاب میں حسب ضرورت بعض پوری اور بعض کے منتخبات اس طرح

(۱) سوانح قاسمی: ص: ۲۸۲-۲۸۳، ج: ۲، ط: دار العلوم دیوبند

شامل کئے جائیں کہ مدارس کے طلبہ سے لیے جانے والے وقت میں سے وہ نصف وقت میں پورے ہوجائیں اور بقیہ نصف وقت میں علوم عصریہ کا بی-اے (B.A.) کا سرکاری طور پر منظور کردہ مروّج نصاب انگلش میڈیم کے ساتھ مدارس دینیہ کے متواضعانہ طرز وطریق سے ممتاز قابلیت والے متدین پروفیسر حضرات کے ذریعہ پڑھایا جائے اور گریجویشن کے اس نصاب کو مدارس دینیہ کے سنین مقررہ پر اس طرح تقسیم کیا جائے کہ ان مدارس سے فارغ ہونے والا طالب علم جس سال میں مدرسہ سے فضیلت حاصل کرے اسی سال میں وہ اپنے ہی مدرسہ سے گریجویشن کر کے بی اے کی منظور شدہ ڈگری بھی لے کر نکلے۔

اسی امکانی فکر نے یہ رہنمائی دی کہ اپنے قدیم مدارس جو عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں ان میں جدت طرازی کی کوئی دراندازی قطعا نہ کی جائے، اس لیے کہ انہیں مدارس سے ہمیں مدرس، مفسر، محدث، متکلم، فقیہ، مفتی اور واعظ وخطیب نصیب ہورہے ہیں، ان میں دراندازی کی صورت میں اس سلسلۃ الذہب کی بحالہ وبرقراری مشتبہ ہوجاتی ہے۔

اس کے برخلاف اگر عرض کردہ فکر وطریق پر قدیم وجدید کی جامع نئی درس گاہیں قائم کی جائیں تو مزاج وقت اور ضرورت وقت کے لحاظ سے امید ہے کہ یہ ایک تاریخ ساز خدمت بھی ہوگی اور اس کا عظیم تر فائدہ یہ بھی ہوگا کہ یہ خدمت ہر دو جانب کے مخلصین ملت، علماء اور گریجویٹ طبقے میں اس فکری قرب کا ذریعہ بھی ثابت ہوگی، جس کے فقدان سے ماضی میں ناقابل تلافی نقصان سامنے آچکا ہے۔(۱)

اسی طرح دینی علوم کی اہمیت کیا ہے؟ مدارس کا وجود کیوں ضروری ہے؟ اس کے وجود میں ملت اسلامیہ کے کیا فوائد مضمر ہیں؟ چناں چہ حضرت نانوتویؒ کی سب سے بڑی کامیابی اور زندگی کا روشن ترین پہلو قیام مدارس بھی ہے، اس تحریک نے ہندوستان کے طول وعرض میں دینی علوم کے حوالے سے دینی بیداری کی ایک زبردست لہر پیدا کردی، ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد حضرت نانوتویؒ اور جملہ بزرگان دیوبند کی سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ دینی تعلیم گاہیں قائم کر کے مسلمانوں کو سنبھالا جائے، چناں چہ حضرت نانوتویؒ نے دیوبند کے علاوہ بھی جگہ جگہ بہ نفس نفیس پہنچ کر دینی درس گاہیں قائم کیں اور وہاں اپنے متوسلین کو خطوط بھیج کر بڑی تعداد میں مدارس قائم کرائے۔(۲)

اور حضرت نانوتویؒ نے لوگوں میں علم کی اہمیت وفوائد بھی واضح کئے، حضرت خطیب الاسلامؒ نے بھی اس پہلو کو بہترین انداز میں واضح فرمایا۔

چناں چہ فرمایا:

(۱) خطبات خطیب الاسلام: ج:۱، ص:۱۵۴-۱۵۷

(۲) مولانا محمد قاسم نانوتوی کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ: باب جہارم، فصل سوم، ص:۱۷۹، ط: کلیۃ معارف الاسلامیہ جامعہ کراچی

دینی تعلیم کے دو بنیادی مقاصد

اس تعامل قدرت سے دینی تعلیم کے یہ دو بنیادی مقصد واضح طور پر سامنے آجاتے ہیں۔

پہلا یہ کہ ذوق اتباع واطاعت رکھنے والے اہل ایمان کو ہر دائرہ حیات میں اطمینان بخش اور مدلل رہنمائی دینا۔

دوسرا یہ کہ سرکش یا معاند معترضین کو دنداں شکن جواب دے کر شعوری بنیادوں پر بے دست و پا کرنا۔

یہ دونوں ضرورتیں اگرچہ کسی مقام وملک کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں لیکن متمرد ین کی سرکشی وعناد میں؛ بطور خاص غیر مسلموں کے نظریات، معتقدات، رسوم وروایات اور تمدنی افکار وترقیات سے مغلوب مسلمانوں کے خیالات ونظریات کچھ ایسی ضرورتیں پیدا کردیتے ہیں جوان کے مخصوص خطۂ ارض یا ملک سے تعلق رکھتی ہیں اور اس کی وجہ سے اہل علم کو اپنے نظام، نصاب تعلیم دین اس صورت حال اور ماحول کو مدنظر رکھ کر بعض مخصوص علوم میں کامل دسترس ضروری ہوجاتی ہے، جو اس خطۂ ارض میں بہ تسلسل پیش آنے والی ضرورتوں میں بروقت نہایت کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔(۱)

فکر نانوتوی کے خصوصی امتیازات

فکر نانوتویؒ کے بہت سے امتیازات میں سے خصوصی امتیاز وہی کمال اعتدال اور جامعیت ہے جو اس فکر کے مرکزی نقطہ کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے، جیسا کہ اکابر علماء نے بھی اسی کو فکر نانوتویؒ کا نقطۂ امتیاز قرار دیا ہے، البتہ اس کی عملیت اور زندگی میں قابل نفاذ ہونے کو بھی خصوصی امتیازات میں سے شمار کیا ہے، جو فلسفیانہ خیال آرائی اور موشگافی کے بجائے ایک واضح نظام فکر وعمل ہے، جس کی روح اتباع سنت اور جس کی مثالی شخصیتیں صحابہ وتابعین وسلف صالحین ہیں، چناں چہ ترجمان قاسمیت ودیوبندیت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''علماء دیوبند کے مسلک کا خلاصہ حسب منشائے حدیث نبوی مختصر الفاظ میں ''اتباع سنت بہ توسط شخصیات'' نکل آتا ہے۔''

ایک اور موقعہ پر حضرت قاری صاحبؒ لکھتے ہیں:

> ''اور جب کہ جامعیت واعتدال اور احتیاط ومیانہ روی ہی مسلک کا جوہر ہے تو دین کے ان تمام شعبوں اور علمی اصول میں قرآن وحدیث سے لے کر فقہ وکلام اور تصوف واصول وغیرہ کی چھوٹی سے

---

(۱) خطبات خطیب الاسلام: ج:۱،ص:۱۵۰-۱۵۱

چھوٹی جزئی پر جمنا اور حکمت واعتدال کے ساتھ اسے مشعل راہ بنانا ہی اس مسلک کا امتیاز ہے اور ادھر ذوات اور شخصیات کی لائن میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے لے کر ائمہ، اولیا، صلحاء، علماء، مشائخ، صوفیاء اور حکماء کی ذوات قدسیہ تک کے بارے میں افراط وتفریط سے الگ رہ کر ان کی عظمت ومتابعت پر قائم رہنا ہی اس مسلک کی امتیازی شان ہے۔''(۱)

اسی طرح توارث وتسلسل کے ساتھ ساتھ اس دور کے عصری تقاضے اور مشکلات کی رعایت یا یوں کہیے کہ عقل پسند طبیعتوں اور حیاتی ازموں کو مطمئن کرنے کے لیے جدید سائنٹفک انداز میں اسلام کی تشریح وتفہیم بھی فکر نانوتویؒ کا خصوصی امتیاز ہے۔ حضرت قاری صاحبؒ رقمطراز ہیں:

''بہر حال شرعی جزئیات کو ان کے عقلی کلیات کی طرف راجع کرنا اور کلیات سے نادر جزئیات اور مقاصد دین کا استخراج کر لینا یا متعدد جزئیات کا اس سے فیصلہ کر دینا آپ کا خاص علم اور علم کا خاص امتیازی مقام ہے''۔(۲)

چناں چہ اسی فکر وعمل کی روشنی میں حضرت خطیب الاسلامؒ نے ''حقائق عالم اور معجزات انبیاءؑ'' عنوان کے تحت چند جملوں میں آیت قرآنی **وما اٰتٰکم الرسول فَخُذُوْہُ** کے تحت ''خلاصۂ دین'' پیش فرمایا، چوں کہ دین اطاعت خداوندی ہے، اور اس کا سمجھنا حضور کی اطاعت پر موقوف ہے، اس لیے حضور کی شخصیت کا تعارف کرتے ہوئے اصل مقصد ''اتباع'' کو واضح فرمایا۔

یوں تو مقصد زندگی کے تعین کے سلسلہ میں اکثر انسان کج فہمی کے شکار ہیں اور انہیں اس کا احساس بھی نہیں ہے، کیوں کہ وہ ایمان وہدایت سے محروم ہیں، لیکن اہل ایمان یہ جانتے ہیں کہ اس کی تخلیق کا مقصد ''عبادت'' ہے، **الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلُوَکم اَیُّکم احسَن عملا.** (۳)

کائنات کی ہر چیز کے وجود کا ایک مقصد ہے، اور انسان کو اللہ رب العزت نے ایک عظیم مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اور اس کی وضاحت ان الفاظ میں فرمائی ہے:''**وما خلقتُ الجن والانس إلا لیعبدون**. (۴) اور مقصد زندگی کے دائرہ کی وسعت زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہوگی، حضرت حجۃ الاسلام نانوتویؒ نے اسی عنوان پر مباحثۂ شاہجہاں پور میں گفتگو فرمائی، چناں چہ حضرت نانوتویؒ نے شاہجہاں پور میں پیدائش عالم کی غرض ومقاصد اور پیدائش عالم کا مقصد، عبادت وبندگی (۵) مناظرانہ انداز میں مختلف مذاہب کے سامعین کے مطابق گفتگو فرمائی۔

---

(۱) مسلکِ علمائے دیوبند: ص:۲۲

(۲) فکر نانوتوی اور دور حاضر میں اس کی معنویت: پہلا باب: فکر نانوتوی کا اجمالی تعارف، :ص:۴۰، ۴۱، ط: معہد الامام ولی اللہ الدہلوی

(۳) الملک:۲　　(۴) الذاریات:۵۶　　(۵) مجموعۂ افادات قاسمی، رسالہ مباحثۂ شاہجہاں پور: ص:۶۸، ۶۹

حضرت خطیب الاسلامؒ نے بھی ''مقصد زندگی عبادت خداوندی'' (خطبات خطیب الاسلام: ۳/۲۵۶-۲۹۵) عنوان کے تحت عباداتی پہلو پر گفتگو فرمائی، اور کچھ عبارات میں اسرار وحکم بھی واضح فرمائے، چناں چہ شب قدر کی تعیین نہ کرنے میں کیا مصالح ہے، اس کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

درحقیقت شب قدر کو پوشیدہ رکھنے یعنی مقرر کر کے یوں نہ بتانے کے بارے میں کہ فلاں رات کو شب قدر ہے چند مصلحتیں بتائی ہیں:

اول یہ کہ اگر تعیین باقی رہتی تو بہت سے کوتاہ طبائع دوسری راتوں کا اہتمام بالکل ترک کر دیتے اور صورت موجودہ میں اس احتمال پر کہ شاید آج ہی شب قدر ہو متعدد راتوں میں عبادت کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

دوسری یہ کہ بہت سے لوگ ہیں کہ معاصی کیے بغیر نہیں رہتے، تعیین کی صورت میں اگر باوجود معلوم ہونے کے معصیت کی جرأت کی جاتی تو یہ بات سخت اندیشہ ناک تھی۔

تیسری یہ کہ تعیین کی صورت میں اگر کسی شخص سے وہ رات چھوٹ جاتی تو آئندہ راتوں میں افسردگی کی وجہ سے پھر کسی رات کا جاگنا بشاشت کے ساتھ نصیب نہ ہوتا اور اب رمضان کی چند راتیں میسر ہو ہی جاتی ہیں۔(۱)

اس کے علاوہ اور بھی مصالح ذکر فرمائے۔

اسی عنوان کے تحت جنت اور آخرت کا تذکرہ کرتے ہوئے دیدار خداوندی کا ذکر فرماتے ہوئے معتزلہ نے اس دیدار پر جو عقل پر اعتماد کیا ہے اس کا تذکرہ فرمایا، اور عقل کے بارے میں وضاحت فرمائی۔

حضرت نانوتویؒ کی علمی گہرائی اور دین کی تفہیم وتشریح میں عقلی طرزِ استدلال کے ساتھ جدید سائنٹفک انداز

دین عقیدہ وعمل کے مجموعے کا نام ہے، عقیدہ سے عمل وجود میں آتا ہے اور عمل سے عقیدہ راسخ ہوتا ہے، جیسے درخت کے بیج سے شاخوں، پھول پتیوں اور پھلوں کا وجود ہوتا ہے اور پھر ٹہنیاں جیسے جیسے پھیلتی اور بڑھتی ہیں جڑ کا رسوخ اور اندرونی پھیلاؤ بڑھتا جاتا ہے، عقائد کے مجموعے کا نام ایمان اور اعمال کے مجموعے کا نام اسلام ہے، اور دونوں کے مجموعے کو دین کہا جاتا ہے، ایمان بیج کی طرح دل کی گہرائیوں میں چھپا ہوا ہوتا ہے، جسے عقل وبصیرت کی آنکھ دیکھتی ہے اور اسلام برگ وبار کی طرح فضاء میں پھیلا ہوا ہوتا ہے، جو سر کی آنکھ سے نظر آتا ہے۔

---

(۱) خطبات خطیب الاسلام: ۳/۲۸۰

کسی مذہب کے حق و باطل کے پہچاننے کا معیار ایمانی عقائد ہوتے ہیں اور انہی پر اعمال کے رد وقبول کا مدار بھی ہوتا ہے، لہٰذا کم از کم یہ ضروری ہے کہ عقائد اور ایمان میں ایک ماننے والے کو بصیرت حاصل ہو، جس کے نتیجے میں اعمال کی حقیقت بھی سامنے آجائے اور وہ دین وشریعت پر خواہ اصول کا حصہ ہو یا کلیات کا، سمجھ بوجھ کر جھکے اور ان پر دلائل اور حقیقت شناسی کے ساتھ جمے، کیوں کہ اگر ایمان کا معاملہ محض سنے سنائے پر مبنی ہو، سمجھ بوجھ کا اس میں دخل نہ ہو تو اسے صورتِ ایمان تو کہا جاسکتا ہے، لیکن حقیقت ایمان باور نہیں کیا جاسکتا۔

بارہویں صدی ہجری میں حکیم الاسلام حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کا ظہور ہوا جب کہ یورپ اپنے الحادی ہتھکنڈوں کے ساتھ ابھرنے کے مقام پر آرہا تھا، خودرائی اور عقل پرستی کی گھٹائیں دلوں پر چھارہی تھیں، اور وقت آرہا تھا کہ یہ سیاہ بادل برس پڑیں اور دنیا کو سیلِ الحاد ودہریت میں بہالے جائیں، تو آپ نے اپنے دلِ روشن، عقل صافی، دوررس نگاہ اور فراستِ باطنی سے اس کو بھانپ لیا اور بخوبی یہ اندازہ بھی لگالیا کہ عقل کی بندگی، ظاہر پرستی اور حجت طلبی کے آنے والے دور میں دینِ اسلام کو محض نقلی اور روایتی انداز میں پیش کرنا یا صرف اس کے ساتھ کچھ عقلی دلائل اور اسرار ومصالح کو بیان کردینا کافی نہیں ہوگا، جب تک کہ مستقل فن کی حیثیت سے اس کو مکمل طور پر عقلی جامہ نہ پہنایا جائے، اور عقلی طور پر اس کا فطری تقاضہ اور مطابق فطرت ہونا ثابت نہ کیا جائے، کیوں کہ اسلام پر شکوک وشبہات کا وار کرنے کے لیے یہ عقلی سفسطے ایک مستقل فن کی صورت اختیار کرنے جارہے ہیں، جن کے آثار کم وبیش نمایاں بھی ہوچکے ہیں، اس لیے آپ نے دین کے سلسلے میں عقلی دلائل وبراہین کو ایک فن کی شکل میں مدون فرمایا اور معرکۃ الآراء کتاب حجۃ اللہ البالغہ تصنیف فرمائی، جس میں مباحث اور ابواب وفصول کے تحت فن اسرار دین کے قواعد وضوابط اور اصول وقوانین وضع فرما کر ہر باب میں اس کے مناسب عقلی دلائل وبراہین کا ایک عظیم ذخیرہ مہیا کردیا اور دینِ اسلام کو مکمل طور پر عقلی دلائل، طبعی مصالح اور روحانی اسرار وحکم کے لباس میں پیش کیا اور دینِ فطرت کو فطری دین دکھلا کر عقل زدہ طبیعتوں کے لیے قابل قبول بنادیا۔

جدید سائنٹفک انداز اپنانے کی ضرورت

پھر اس کے بعد جب تیرہویں صدی ہجری میں مشینی دور کا آغاز ہوا، بحر وبر اور خلا وفضاء سب ہی مشینوں کی زد میں آگئے، سائنس (کائناتی انتظام کے خارجی پہلوؤں کے علم) نے مادہ کے ہزار ہا سربستہ راز دنیا کے سامنے کھول کر رکھ دیئے جس سے دنیا مخفی اور پنہاں چیزوں کا مشاہدہ کرنے کی عادی ہوگئی، اور مشینری نے دنیا کے دل ودماغ پر قبضہ جمالیا، اور ادھر دوسری طرف دشمنِ فطرت رہبانیت وکلیسا کی کوکھ سے مذہب

بیزاری اور لادینیت نے جنم لے لیا، اس طرح یورپ میں سائنس و مذہب کی زبردست کش مکش رہی۔

چناں چہ اس صدی کے اوائل میں ولی اللّٰہی خاندان کی پانچویں علمی پشت میں فیاض دستِ قدرت نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کو اس دور کے طبعیاتی رنگ کے امراض اور جراثیم کے معالجہ کے لیے بطور طبیب نمایاں فرمایا، جنہوں نے اپنی تقریر و تحریر کے ذریعہ ان بندگانِ سائنس ومشاہدات کے دماغوں کو انہیں کے مسلمات سے جھنجھوڑا اور مذکورہ نہج پر دین و مذہب، دینی عقائد و حقائق اور دینی اصول و کلیات کو ابتداء قرآن وحدیث یا مذہب وملت کا نام لیے بغیر گہری لسیاتی اور خالص عقلی دلائل کے ساتھ آج کے محسوسات اور دورِ حاضر کے حسی شواہد و نظائر سے بھی مدلل کر کے اس طرح پیش کیا کہ اسلام کے غیبی امور، شریعت کے بنیادی مقاصد اور دین فطرت کے مبانی واصول اس حسیاتی رنگ استدلال سے بالکل طبعی اور محسوس ومشاہد نظر آنے لگے، حاصل یہ ہے کہ حقائق سب کی سب منقول، لیکن پیرایۂ بیان بلاحوالہ نقل خالص معقول اور اس کے ساتھ فلسفیانہ اور سائنٹفک، گویا عقل وطبع دونوں کو صحیح معنی میں حضرت نانوتویؒ نے دین کا ایک خدمت گار بنا کر دکھلا دیا کہ فلسفہ اور سائنس کے ذریعہ دین کے جس شعبے کی چاہی ان سے خدمت لے لی، جس سے دین کی نسبت سے عقل وطبع دونوں کا موقف بھی خود بخود کھل کر سامنے آ جاتا ہے، حضرت والا کے اس طرزِ استدلال اور طریقۂ اثبات سے پورے دین کا محض دین عقلی ہونا ہی نہیں بلکہ دین فطرت ہونا بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔(۱)

یہی انداز حضرت خطیب الاسلامؒ نے اپنایا اور مختلف علمی مضامین، علمی شہ پارے، موشگافیاں، اسرار وحکم آسان انداز میں مخاطب کے سامنے پیش فرمائے، چناں چہ ''عہد الست'' عنوان کے تحت اولاد آدم کو نکالنے میں حکمت کیا تھی؟ فکر وذکر کی انسانیت کے لیے کتنی اہمیت ہے؟ اس کے بغیر انسانیت کس طرح ناقص ہوگی؟ جیسے عناوین کے تحت دیکھ سکتے ہیں۔

اسی طرح ''تزکیۂ نفس'' عنوان کے تحت اسلام کی بنیادی خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے فرض عین اور فرض کفایہ کی تشریح فرمائی، اس کے بعد تزکیہ واصلاح کے ضمن میں عناصر اربعہ، ان کے خواص، انسان میں ان عناصر کا اثر ذکر فرمایا، اور تواضع کا خصوصی ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ بعض مرحلہ پر تکبر بھی عین طاعت ہے، اور اس کو صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت کیا، چناں چہ آپ فرماتے ہیں:

بعض مرحلہ پر تکبر عین طاعت

تکبر کام کی چیز ہے، ایک مرحلہ آتا ہے جہاں تکبر عین طاعت بن جاتا ہے اور تواضع عین

(۱) فکر نانوتوی اور دورِ حاضر میں اس کی معنویت: دوسری فصل، ص:۱۲۳-۱۲۹

معصیت اور گناہ بن جاتی ہے، یہ وہی صحابہ کرامؓ ہیں جو پیکر تواضع ہیں، ان کو دیکھئے کہ جب یہ میدان غزوات میں پہنچتے ہیں اور دشمن کو جب للکارتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟ دنیا کا وہ کلمہ ان کی زبانوں سے صادر ہوتا ہے جو تکبر کا آخری کلمہ کہا جا سکتا ہے، کہتے ہیں ”هَلْ مِنْ مُّبَارِز“ ہے کوئی ہم سے آ کر مقابلہ کرنے والا، کسی میں ہمت ہے، اس سے بڑا کوئی کلمۂ تکبر ہو سکتا ہے، دنیا کو للکارتے ہیں، ظاہر ہے اس وقت یہ کلمہ عین طاعت بن جاتا ہے، وہاں اگر یہ کہا جائے کہ آیئے تشریف رکھئے تو قصہ ہی ختم ہو جائے گا۔

وہاں یہ نہیں کہا جاتا؛ بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ ہے کوئی مقابلہ کرنے والا، لیکن ظاہر ہے کہ وہاں اس تکبر کو تواضع کے ساتھ غالب کر دیا گیا ہے۔(۱)

انسانی مزاج اور عابدانہ علاج

اسی طرح عبادات کا اصلاح وتزکیہ سے کیا تعلق ہے؟ اس کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

اور آپ کا مزاج چوں کہ عابدانہ ہے، اس لیے عبادت کے ذریعہ علاج کیا گیا، انسانی تکبر اور نماز کو اس کے لیے رکھ دیا گیا، عبادتِ نماز تواضع کو غالب کرنے والی چیز ہے، نماز سراپا تواضع ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ نماز کو صحیح طور پر ادا کرنے والا ظاہر ہے کہ اس کے اوپر تکبر کا غلبہ رہ ہی نہیں سکتا تو تواضع غالب اور فکر مغلوب ہوگا۔

روزے کی عبادت وہ ہے کہ جو انسان کے اندر قناعت کو غالب کر دیتی ہے، آپ صبح سے شام تک روزہ رکھیں، کھانے پینے کے مضطرب ہیں، بھوک اور پیاس سے بیتاب ہیں، افطار کے وقت حلال کھانا رکھا ہوا ہے، لیکن اگر غروب آفتاب نہیں ہوا تو اپنے مال پر ہاتھ بڑھانے کی ہمت نہیں کرتے اور جو اپنے مال پر ہاتھ بڑھانے کی ہمت نہ کرے وہ غیر کے مال پر کیا ہاتھ بڑھا سکتا ہے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ قناعت اتنی غالب ہو جاتی ہے کہ روزے کے ذریعہ عنصرِ حرص مغلوب ہو جاتا ہے تو عابدانہ علاج کر کے حق تعالیٰ نے قناعت کو غالب کر دیا ہے۔

اسی طرح ہوا نے انسان کے اندر امتیاز پسندی پیدا کی، ہوا چاہتی ہے کہ میرے برابر کوئی نہ ہو، ہوا انسان کے اندر موجود ہے تو اس کی خاصیت کیسے موجود نہ ہوگی، اسلام نے اس کا علاج عبادت حج کے ذریعہ کیا ہے۔

عبادت حج وہ عبادت ہے کہ جو انسان اپنی انانیت کو ختم کر کے مساوات کا غلبہ پیدا کر لیتا ہے، ایسے ہی آدمی میں امتیاز ہوتا ہے، اپنے وطن کو چھوڑ و اور حج کے لیے نکلو، آپ وطن سے باہر نکلے تو وطن کا امتیاز ختم ہو گیا، پھر جذبہ امتیاز پیدا ہو جائے۔

(۱) خطبات خطیب الاسلام: ۳۸۲/۳

لباس اور کلام ایک ہی، سارے امتیازات ختم

''الناسُ بِاللِّباسِ'' آدمی لباس سے بھی امتیاز قائم کرتا ہے، فرمایا کہ لباس کی ضرورت نہیں ہے ہم ایک عاشقانہ عبادت کے لیے جارہے ہو تو لباس وہ پہنو جو فقیرانہ لباس ہے۔(۱)

پُل صراط کے بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہونے کے بارے میں حضرتؒ کا تحقیقی جواب:

حضرتؒ نے اپنی تحقیقات، علمی لطائف اور علمی شہ پارے بھی خوب وضاحت سے بیان کیے، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ یقیناً قاسمی خاندان کے علمی وارث وامین ہیں، چناں چہ لوگوں میں زباں زد ہے کہ پل صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے، ایسے پل صراط سے ہر ایک کو گذرنا ہے، سوال یہ ہے کہ ایسا بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز پل سے لوگوں کا ہجوم کس طرح گذرے گا ،لوگ گر پڑیں گے، ویسے بھی اتنے باریک وتیز پل پر چلنا دشوار ہے۔ حضرت خطیب الاسلامؒ نے اس کا جو جواب دیا ہے وہ حقیقت میں ان ہی کی شان ہے، چناں چہ فرماتے ہیں کہ:

درحقیقت راستہ تو ایک ہی ہوگا لیکن اتنا وسیع ہوگا کہ لاکھوں چلیں گے، مگر ایک دوسرے کے لیے آڑ نہیں بنے گا، جس طرح دنیا میں ہزاروں انسان شریعت پر چل رہے ہیں، شریعت کا راستہ تو ایک ہی ہے مگر ایک دوسرے کے لیے آڑ نہیں بنتا، بال اور تلوار سے تو ایک مثال کے طور پر سمجھا گیا ہے ورنہ حقیقی بال اور تلوار مُراد ہو تو چلنا ہی مشکل ہو جائے گا، جیسے دیدار خداوندی کے بارے میں مثال دی گئی ہے کہ مثل قمر لیلة البدر، جیسے اندھیری رات کا چاند چمک رہا ہو، لاکھوں انسان ایک ہی وقت میں دیکھیں گے مگر ایک کے دیکھنے میں دوسرا حارج نہ ہوگا؛ لہذا بال اور تلوار کو شاہد پر قیاس کرنا ہی غلط ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ واقعی میں بال سے زیادہ باریک ہوگا؛ بلکہ اس سے شریعت کی استقامت مراد ہے، تلوار سے مراد نزاکت ہے۔

درحقیقت پل صراط کی صورت مثالی قائم کی جائے گی پُل صراط کی شکل میں، جہنم کے اوپر پُل صراط کو قائم کیا جائے گا، وہ شریعت کی صورتِ مثالی ہوگی، اس کی شان بتلائی گئی ہے کہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز، بال سے زیادہ باریک شریعت کی استقامت کی طرف اشارہ ہے، یعنی اتنا سیدھا ہے کہ عرضاً تقسیم نہیں ہوسکتا اور تلوار سے زیادہ تیز، یعنی نازک راستہ ہے، اگر ذرا سی غفلت کی تو اندیشہ ہے کہ کٹ کر نیچے گر جائے۔ اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ پل صراط کے نیچے بڑے بڑے آنکڑے ہوں گے وہ ادھر اُدھر کے پیروں میں گھروپ ڈالنا چاہیں گے، وہ صورت مثالی ہے فتن کی، یعنی اگر تیزی سے سیدھے راستہ پر

---

(۱) خطبات خطیب الاسلام: ۳/ ۳۸۳-۳۸۴

چلتے رہو گے تو فتنے اثر انداز نہ کرسکیں گے، لہذا جو لوگ دنیا میں سیدھے چلتے ہیں وہ پُل صراط پر بھی سیدھے ہی چلیں گے اور جو لوگ یہاں پر تیزی سے چل رہے ہیں وہ وہاں پر بھی تیزی سے چلیں گے اور جو لوگ یہاں پر سست چل رہے ہیں وہ وہاں پر بھی سُست چلیں گے اور جو لوگ صراطِ مستقیم سے بھٹک کر فتنوں میں مبتلا ہو گئے وہاں پر آنکڑے ان کے پیروں میں گھروپ ڈالیں گے اور وہ اتنے زخمی ہو جائیں گے کہ چلنے کے قابل نہیں رہیں گے۔

اعتدال کے ساتھ چلے چلو

درحقیقت اس کے طے کرنے والے مختلف درجات کے لوگ ہوں گے، انبیاء علیہم السلام تو مثل بجلی کے پل بھر میں گذر جائیں گے اور اولیاء محفوظین اس طرح طے کریں گے کہ جس طرح سے ہوا کا جھونکا چلا اور اُدھر پہونچا، بعض حضرات مثل تیز رفتار سواری کے طے کریں گے اور بعض سست سواری کی طرح طے کریں گے اور بعض لوگ گرتے پڑتے طے کریں گے، وہ لوگ وہ ہوں گے جو عمل یا عقیدے کے فتنے میں گرفتار تھے، اور بعض لوگ کٹ کر جہنم میں گر جائیں گے جو اُم الفتن ہے، پھر سزا بھگتنے کے بعد وہ دوزخ سے نکالے جائیں گے، تو ہر چیز کو وہاں متشکل بنا دیا جائے گا، جو معاملہ بندے نے یہاں پر عقیدے کے ساتھ کیا ہے وہاں پر وہی معاملہ شکل وصورت کے ساتھ کیا جائے گا، درحقیقت یہاں شریعت پر چلنا مشاقی اور تمرین ہے وہاں پر چلنے کے لیے، اسی لیے فرمایا گیا ہے "**سددوا وقاربوا وروحوا او اغدوا، وشئ من الدلجة**" یعنی اعتدال کے ساتھ چلے چلو، قریب قریب چلو، ادھر اُدھر مت بھٹکو اور صبح وشام کو ذکر کرتے رہو اور رات کا بھی کچھ حصہ طاعت اور عبادت میں صرف کرلو تو کام میں لگے رہنے کی یہ تفصیلات ہیں۔

حضرتؒ نے کتنی آسانی سے مثالوں کے ساتھ اس اشکال اور ذہنی کشمکش کو حل فرما دیا اور اس قدر تسلی بخش جواب دیا کہ دل مطمئن ہو جائے اور ذہنی اشکال والجھن رفع ہو جائے۔

اس کے علاوہ تقوی پر عمل سے فجور مغلوب ہوتا ہے، موت کے معنی انتقال کے ہیں، فنا کے نہیں، پیغمبر کی طبیعت پر شریعت اور عقل پر وحی اترتی ہے، قیامت کی تین قسمیں ہیں جیسے عناوین کے تحت بھی اسی انداز کی گفتگو فرمائی ہے۔

موجودہ حالات میں مسلمان کیا کریں؟

اس وقت ملک میں مسلمان سنگین حالات سے گزر رہے ہیں، یکے بعد دیگرے سانحوں اور واقعات کا تسلسل ہے، جیسے وقفہ وقفہ سے فرقہ پرست طاقتوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے بے رحمانہ قتل

، ایوانوں میں شریعت مخالف بلوں کی تجاویز یا منظوریاں اور دیگر ناموافق حالات، ایسے حالات میں حوصلوں کے ساتھ مستقبل کا لائحۂ عمل تیار کرنا ہوگا، اسی میں ایک چیز مسلمانوں سے مایوسی ختم کرنا اور رجوع الی اللہ کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ نے اسی عنوان پر گفتگو فرماتے ہوئے دور نبوت کا اور مشرکین مکہ کا تذکرہ فرمایا، اس کے بعد یہ سمجھایا کہ دنیا میں مصائب وآلام کس کا نتیجہ ہے؟ چناں چہ فرماتے ہیں:

درحقیقت دنیا میں جو مصائب وآلام آتے ہیں، پریشانیاں آتی ہیں وہ انسانوں کے اعمالِ بد کا نتیجہ ہیں، انسان اچھے عمل کرتا ہے تو خیر کا نزول ہوتا ہے، رحمتیں سایہ فگن ہوتی ہیں، نصرتیں شامل رہتی ہیں، بندہ سکون وراحت اور عزت وسرفرازی کا ماحول پاتا ہے اور اللہ تعالی کی رضا جوئی میں سرگرم رہتا ہے اور جب بندہ راہِ خیر سے روگردانی کرتا ہے، تعلق مع اللہ کمزور پڑ جاتا ہے، لہو ولعب، خرافات، لغویات اور نفسانی خواہشات کے پُرفریب رعنائیاں اس کو دینِ حق سے بیزار کر دیتی ہیں، اس کو اپنے اعمال کا محاسبہ کرنے، نفع نقصان میں فرق کرنے، نورِ حق کی طرف رجوع کرنے اور توبہ واستغفار کے ذریعہ حق تعالی کو راضی کرنے کا موقع میسر نہیں ہونے دیتیں۔

اللہ تعالی کی ذات رحمٰن ورحیم ہے، نبی اکرم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سراپا رحمت ہیں، ان کی مقدس ذات کی برکتیں ہیں جو پورے ماحول پر سایہ فگن رہیں اور عذاب الٰہی کو ٹالتی رہیں، آج بھی اگر ہم نبی پاک ﷺ کی قربت پیدا کریں، ان کے دین اور ان کی شریعت پر عمل پیرا رہیں، اپنے دلوں کو ان کی محبت سے سرشار رکھیں تو وہ برکتیں رحمتیں آج بھی ہم کو عطا ہوگی اور ہم حق تعالی کے غضب اور ناراضگی سے محفوظ رہیں گے۔(۱)

اس کے بعد توبہ کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے رجوع الی اللہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں:

امت کو عذاب الٰہی سے محفوظ رکھنے والی دو چیزیں: اس امت کو اللہ کے عذاب سے محفوظ رکھنے والی دو چیزیں ہیں: ایک ان کے درمیان رسول اللہ ﷺ کا جلوہ افروز رہنا اور دوسرے استغفار کرنا، حضور ﷺ کی برکت سے ایسا خارق عادت عذاب نہیں آتا، خواہ وہ امت دعوت ہی کیوں نہ ہو، دوسرے جو لوگ توبہ واستغفار کرتے رہیں گے وہ بھی ایسے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔(۲)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ صرف دارالعلوم دیوبند کے ایک مایہ ناز عالم،

---

(۱) خطبات خطیب الاسلام: ۳/۴۱۲-۴۱۳

(۲) خطبات خطیب الاسلام: ۳/۴۱۵

فقیہ اور مفسر ہی نہیں تھے؛ بلکہ (علم ونسب دونوں کے لحاظ سے) خانوادۂ قاسمی کے ایک کامیاب ترجمان وشارح کی حیثیت بھی رکھتے تھے اور حضرتؒ کے اندران کے والد محترم کی تربیت نے اپنا پورا کام کیا ہے اور اپنی پوری قوت کا مظاہرہ کیا ہے، کیوں کہ قدرت کا یہ فیصلہ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دور قحط الرجال میں حضرت مولانا سالم صاحبؒ ''قاسمی سلسلہ'' کے آخری یادگار کے طور پر پہچانے جائیں۔

حضرت مولاناؒ کے مواعظ ومجالس موجودہ حالات کے لحاظ سے اہم ترین موضوعات پر مشتمل ہیں۔

''انسانی عظمت کی اسلامی بنیادیں'' عنوان کے تحت حضرت مولاناؒ نے اسلام کی بین الاقوامی قدروں کا تعارف کراتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کی دعا کی طرف اشارہ کیا ہے جو دراصل دعا کے مؤثر پیرائے میں توحید، نبوت اور انسانی اخوت کے تینوں بنیادی اصولوں کا اعلان کیا ہے۔ **اللهم اشهد ان الناس كلهم اخوة.**

اے خدا! میں شہادت دیتا ہوں کہ تو واحد ہے اور شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ تیرے بندے اور رسول ہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اسلام کی بین الاقوامی قدروں کی تشریح وتعبیر میں افراط وتفریط نے جگہ پائی ہے، حضرت مولاناؒ نے دونوں انتہاؤں سے بچ کر اعتدال وتوسط کی راہ اختیار کی ہے۔

''امت کے منصور من اللہ طبقہ'' عنوان کے تحت حضرت مولاناؒ نے مذہب اور سائنس کے باہمی تعلق پر نہایت مدبرانہ تبصرہ کیا ہے۔ یہاں بھی افراط وتفریط پیدا ہوگئی ہے، لیکن حضرت مولاناؒ نے اس اہم موضوع کی تشریح میں نہ صرف قدامت پرستی کا مظاہرہ کیا ہے اور نہ ہی جدت پرستی کی راہ اختیار کی ہے۔

حضرت مولاناؒ نے عصری علوم کی ضرورت کا اعتراف نہایت وسیع ذہن وکشادہ فہم کے ساتھ کیا ہے اور دین ودنیا کی فقط تقسیم کی نفی کرتے ہوئے جامع درس گاہوں کے قیام کو وقت کی ضرورت قرار دیا ہے۔

حضرت مولاناؒ نے ان عنوانات کے تحت موجودہ نظریہ کے مطابق انسان کے بنیادی حقوق اور اسلام کے موضوع پر خوب وضاحت سے کام لیا ہے اور بیسیوں صفحات پر پھیلی ہوئی بحث کو ان چند جملوں میں اس طرح سمیٹ دیا ہے۔

''اسلام عالم گیر مساوات انسانی کا وہ واحد عادل علم بردار ہے جس نے اپنی راہ مساوات میں حائل ہونے والی خاندانیت، قبائلیت، علاقائیت، انسانیت، تہذیب اور تمدنیت، معاشرت ومعیشت کی من گھڑت بنیادوں پر انسانیت کو غیر فطری تقسیم سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے''۔

عربی نصاب کی ترمیم

حضرت مولاناؒ نے عربی نصاب قدیم کی ترمیم کے مسئلہ پرنئی دہلی کے ایک مشترک اجتماع میں جو نہایت معتدل اور معقول تقریر کی اور درس نظامی کے اندر ترمیم کے حامی جدید دانشور حضرات کے شبہات کا معقول جواب دیا۔

حضرت مولاناؒ نے تخریب پسند طاقتوں کی اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں کے عنوان کے تحت قدیم وجدید باطل نظریات پر تنقید کا فرض ادا کیا ہے۔ان نظریات باطلہ میں قدیم فرقے ،مرجیہ، جبریہ، قدریہ،فرقہ سبائیہ کے تصورات زیر بحث آتے ہیں، یہ تمام فرقے اپنے نظریات باطلہ کے ساتھ موت کے پردہ میں چھپ چکے ہیں اور قدیم کتابوں کی زینت ہیں۔

اس خلاصہ سے یہ بات مفہوم ہو رہی ہے کہ آپؒ نیکی اور خداترسی میں بھی زباں زد اہل فضل وکمال تھے، آپ کو والد محترم حضرت حکیم الاسلامؒ کی صحبت وتربیت نے متبع سنت اور صاحب فضل وکمال کے ساتھ ساتھ صاحب زبان بھی بنادیا تھا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اس ڈیڑھ صدی میں خصوصاً برصغیر میں فکر اسلامی کے جس تصور نے زمانے کے دھارے پر بہت زیادہ اثر ڈالا وہ حضرت نانوتویؒ کی فکر ہے، اسی فکر اور علوم قاسمی کی ترجمانی حضرت خطیب الاسلامؒ نے بہترین انداز میں فرمائی ہے اور اس علم وفکر کے بنیادی عناصر ورجحانات سے اہل علم کو بھی متعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔

حضرتؒ اپنے خاندان کے اہل علم اور صاحب فضل وکمال نورانی سلسلہ کی ایک اہم ترین کڑی تھے، مواعظ ومجالس حکیمانہ ہوتی تھی، جس میں علمی اشارات، آیت وحدیث سے لطیف استنباط یا استشہاد چار چاند لگادیتے تھے، ایسا محسوس ہوتا کہ ایک قادر الکلام اور قاسمی سلسلہ کی خوبصورت کڑی جلوہ افروز ہے جو قاسمی علوم وافکار کی ترجمانی کر رہی ہے۔

اخیر میں دعا گو ہوں کہ اللہ پاک آپؒ کے درجات کو بلند فرمائے ، اور آپ کی نسلوں میں حجۃ الاسلامؒ اور حکیم الاسلامؒ کے علوم وافکار کے امین اور شارح اور ترجمان پیدا فرماتے رہیں، جو دین وملت کی رہنمائی فرماتے رہیں اور حضرتؒ نے جو کچھ علمی اور روحانی وراثتیں چھوڑی ہے اللہ آپ کے حق میں ان کو صدقۂ جاریہ بنائیں۔آمین

❖ ❖ ❖

خطیب الاسلامؒ کی فکر کے دو امتیازی پہلو

دین میں اعتدال اور امت میں اتحاد

ڈاکٹر محی الدین غازی ❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے خطابات و بیانات پڑھتے ہوئے قاری کو فکر و نظر کی تسکین کے لیے وافر سامان ملتا ہے، دین کے حقائق پر گفتگو ہوتی ہے تو انوکھے اور دقیق پہلو سامنے آتے ہیں، امت کے کردار پر گفتگو ہوتی ہے تو بڑی بڑی ذمہ داریوں کا احساس شدت اختیار کرتا جاتا ہے، سیرت و رسالت پر گفتگو ہوتی ہے تو نئے نئے حسین و جمیل گوشے آشکارا ہوتے ہیں۔ علمی گہرائی، ملی فکرمندی، احساس ذمہ داری اور جذبہ اصلاح و تعمیر ہر خطاب میں نمایاں نظر آتا ہے۔ ہر بیان کے پیچھے یہ تمنا خوب اچھی طرح جھلکتی ہے کہ کہی ہوئی بات سے فائدہ پہونچ جائے۔

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات کی متعدد خصوصیات ہیں، دو خصوصیات نے راقم کو بہت زیادہ متوجہ کیا، ایک دعوت اعتدال اور دوسری ندائے اتحاد۔ ان دونوں پہلوؤں سے خصوصی لگاؤ ہو جانے کی وجہ ممکن ہے کہ راقم کی ان دونوں ہی امور سے بڑھی ہوئی ذاتی دلچسپی بھی ہو، بایں ہمہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی پہلو حضرت کی علمی و فکری شخصیت میں بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔

تدین میں اعتدال بہت ضروری ہے اس لیے کہ دین کے ہر ہر جز میں سراسر اعتدال ہی اعتدال ہے، دین داری میں افراط ہو یا تفریط، شدید تر گرفتوں کا شوق ہو یا واقعی گرفتوں سے بیزاری، ہر دو طرح کی بے اعتدالی فطرت سے بھی ٹکراتی ہے اور اسی لیے دین سے بھی ٹکراتی ہے جو حقیقت میں دین فطرت ہے۔

حضرت فرماتے ہیں:

> ''اسلام افراط و تفریط سے یکسر علیحدگی کے ساتھ اپنے جملہ اصول و فروع میں مکمل دین اعتدال ہے، اس لیے اگر اندرونی سرچشموں سے پیدا ہونے والے کسی فطری تقاضے کو بالکلیہ شرعی گرفت سے آزاد چھوڑ کر اسے افراط سے دوچار کر دینا جس طرح غیر فطری عمل ہوگا ٹھیک اسی طرح اس تقاضۂ فطرت پر شرعی گنجائشوں کے تجسس کے بغیر ایسی شدید گرفتیں قائم کرنا کہ جو اس کے مقصد تخلیق ہی کو ختم

❖ عمید کلیۃ القرآن، الجامعۃ الاسلامیہ شانتاپورم، کیرلا

کر دینے کے مترادف ہوں وہ بھی ویسا ہی غیر فطری عمل قرار پائے گا''(۱)

اس عبارت میں بے اعتدالی پر جس قدر اعتدال کے ساتھ تنقید کی ہے وہ قابل دید ہے۔ اور یہ اعتدال پسندی حضرت کے مزاج کی خاص خوبی ہے۔

راہ تقوی اور وسعت فتوی دونوں کے تقاضے اور دونوں کے فائدے الگ الگ ہیں، راہ تقوی پر خود چلنے کا جذبہ اور دوسروں کو چلانے کا شوق بہت خوب ہے، لیکن اس شوق میں بھی اعتدال ضروری ہے، اسی اعتدال کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں:

''راہ تقوی ارباب ہمت وعزیمت کے لیے ہے لیکن فتوے کی وسعتیں اس دین فطرت اسلام میں کم ہمت و بے عزیمت عوام کے لیے ہیں۔ ان کو عزیمت و ہمت کی راہوں پر چلانے کی کوشش، ان کے قدموں کو صراط مستقیم سے ڈگمگانے کا ذریعہ تو بن سکتی ہے لیکن فقدان عزیمت کی وجہ سے راہ تقوی پر ان کی استقامت تو دور کی چیز ہے ان کا اس پر آنا ہی متوقع نہیں ہوسکتا''۔(۲)

اس عبارت میں مثالیت اور عملیت دونوں ہی کا گہرا شعور اور دونوں کی حسین وجمیل رعایت اور دونوں کے درمیان خوب صورت اعتدال توجہ کے قابل ہے۔

تدین میں حد اعتدال سے بڑھی ہوئی سختی کے کیا نتائج برامد ہوتے ہیں، ان کی تشخیص کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک نیا فتنہ سر ابھار رہا ہے کہ دینی علوم سے بے بہرہ غیر اسلامی تعلیم یافتہ آزاد منش طبقہ غیر معتدل دینی رہنمائی کی افراط وتفریط کو تو بھانپ لیتا ہے مگر صحیح ہدایت شرعی سے واقف ہوتا نہیں۔ اس لیے اس ہدایت کو بجا طور پر نا قابل عمل سمجھ کر صرف اس ناصواب رہنمائی دینے والے نام نہاد علماء ہی کے نہیں بلکہ بلا استثناء پورے طبقہ علماء ہی کے برخلاف زبان وقلم سے صف آراء ہو رہا ہے۔ اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ خود رائی سے اپنے ان خود ساختہ افکار وخیالات کو عین دین بنا کر پیش کرنے میں تامل نہیں کر رہا ہے کہ جن کا بعید سے بعید تر بھی کوئی تعلق دین فطرت اسلام سے نہیں ہوتا۔ اور من مانی خواہشات کے تحت تمدنیات کے سلسلے میں جواز ہی جواز اس کا مقصود بن جاتا ہے، کسی جز میں عدم جواز کا کوئی امکان ان خود ساختہ دینی رہنماؤں کے یہاں باقی نہیں رہتا''(۳)

اس عبارت میں دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ تجدد پسندی اور آزاد روی کے غیر معتدل رویوں پر تنقید کرتے ہوئے بھی علماء کو خود احتسابی کی طرف کتنی خوب صورتی سے متوجہ کیا ہے، منحرف گروہ کے انحراف کو بتاتے ہوئے غیر معتدل ناصواب دینی رہنمائی دینے والے نام نہاد علماء کو بھی بگڑتی ہوئی صورت حال کی

---
(۱) خطبات خطیب الاسلام ج۱ص ۱۲۷　(۲) ایضاً، ج۱ص ۱۳۰　(۳) ایضاً، ج۱ص ۱۲۸

ذمہ داری میں بجا طور پر شریک کیا ہے۔ تدین میں بے اعتدالی پر تنقید کرتے ہوئے بہت سے اہل علم تنقید میں بے اعتدالی کا شکار ہو جاتے ہیں، مگر یہاں اعتدال کی حسین رعایت ہر پہلو سے نظر آتی ہے۔

بے اعتدالی جس طرح تدین کے سلسلے میں ہوتی ہے، اسی طرح تمدن کے سلسلے میں بھی ہوتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ دونوں ہی طرح کی بے اعتدالیاں دین وملت کے لیے سخت نقصان کا سبب بن رہی ہیں۔

حضرت فرماتے ہیں:

''جس طرح تدین کے برخلاف علی الاطلاق محاذ قائم کرنا الحاد وارتداد کی زد میں آتا ہے اسی طرح تمدن کے برخلاف علی الاطلاق محاذ قائم کرنا اسلام کے بارے میں اس بدگمانی کی راہ ہموار کر دیتا ہے کہ اسلام عصر حاضر کے ارتقاء پذیر اور غیر معمولی تیز رفتار تمدن کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا''۔(۱)

عصر حاضر کے ارتقاء پذیر اور غیر معمولی تیز رفتار تمدن کے سلسلے میں امت میں دونوں طرح کے رجحان پائے جاتے ہیں، ایک رجحان ہے اس تمدن سے مرعوب ومسحور ہو کر روایتی تدین سے یکسر بدگمان ہو جانے کا، اور دوسرا رجحان ہے جذبہ تدین سے سرشار ہو کر اور اس جدید تمدن کے خراب اثرات سے بدگمان ہو کر تمدن کے یکسر خلاف ہو جانے کا۔ ان دونوں کے سلسلے میں ایک معتدل موقف امت کے سامنے پیش کرنا وقت کی نہایت اہم ضرورت ہے۔

حکومت اور اقتدار کے ہوتے ہوئے بھی دین کے احکام کو نافذ کرنے میں شدت اور جلد بازی، نیز حقیقی صورت حال سے اغماض اور حکمت تدریج سے غفلت اقامت دین اور نفاذ شریعت کی کوششوں کو غیر مفید ہی نہیں نہایت نقصان دہ بنا دیتی ہے، اس سلسلے میں عصر حاضر کی ایک حکومت کے رویے پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اسلام دین رحمت ہے یہ دین زحمت نہیں ہے۔۔۔ جو قوم تین سو برس سے غلامی کی زندگی بسر کرتی ہوئی آئی ہوں اور ایک باہر کی قوم اپنے تمدن اور کلچر اور تہذیب کے ساتھ ان پر غالب رہی ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا ذوق اور اس کا ذہن کچھ دوسرا بنا ہوا ہوگا۔ اس کے اوپر اچانک آپ اسلام مسلط کر دیں تو یہ بھی قابل قبول نہیں، اس کے اندر ضرورت ہے کہ تدریجی طور پر اسلامی احکام کی پابندی کرائیں۔ تدریجی طور پر اسلام کے منافع ان کے سامنے آئیں یہ بہتر ہے''۔(۲)

مزید فرماتے ہیں:

''پہلے مزاج بنانا پڑتا ہے، برسوں محنتیں کرنی پڑتی ہیں، تب جا کر اسلامی ذہن بنتا ہے، درحقیقت انہوں نے اس پر محنت نہیں کی بس شدت سے کام شروع کر دیا جو کہ مصلحت کے خلاف تھا اور

(۱) خطبات خطیب الاسلام ج ۱ ص ۱۲۹　　　(۲) ایضاً، ج ۲ ص ۴۸۶

مزاج انسانی کے بھی خلاف تھا اور مزاج شریعت کے بھی خلاف تھا'' (۱)

اتحاد امت کے سلسلے میں حضرت خطیب الاسلامؒ کی فکر مندی بہت زیادہ تھی، یہ فکرمندی انہیں اعتدال سے دور نہیں ہونے دیتی تھی اور افتراق وانتشار کے حقیقی اسباب کی کھوج میں مشغول رکھتی تھی۔ امت کے تمام بزرگ پوری امت کے بزرگ ہیں، پوری امت کو اپنے تمام بزرگوں کا قدرشناس اور احترام پسند ہونا چاہیے، اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

''تمام حضرات ائمہ مجتہدین محسنین امت ہیں ان کا بلاتخصیص عظمت واحترام اتباع پر مبنی نہیں بلکہ ان کے کتاب وسنت کے علم عظیم پر موقوف ہے جس کی بنیاد پر وہ تمام کے تمام سب کے لیے واجب الاحترام ہیں''

نہ صرف احترام بلکہ اتباع کے سلسلے میں بھی امت کے تمام مجتہد اماموں کے ساتھ یکساں تعلق ہونا چاہیے، دلائل کسی امر میں کسی مجتہد امام کی اتباع کا تقاضا کریں تو کوئی عصبیت رکاوٹ نہیں بنے۔

حضرت فرماتے ہیں:

''ائمہ اجتہاد کا متبع ہمہ وقت اس کا مستحق ہے کہ جس مجتہد کے اتباع پر اس کا یقین بلحاظ دوسرے امام مجتہد کی جانب بدلائل ہو جائے تو اس کے لیے سابق امام کی فقہ سے ہٹ کر دوسرے امام فقہ کا اتباع کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ ہر امام فقہ کے مختار مسائل استنباطی ہیں، اور استنباط کا تعلق عقل سے ہے اور عقل احتمال خطا وصواب سے مبرا نہیں ہے''

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی تشخیص کے مطابق جب کسی فقہی مذہب یا کسی فکری مسلک کو دین کا مقام دے دیا جاتا ہے، اور دین کی طرح اپنے پسندیدہ مذہب ومسلک کی طرف دعوت وتبلیغ کا کام شروع ہو جاتا ہے تو یہیں سے اختلاف وافتراق کے پودے جڑ پکڑنے لگتے ہیں اور شدت بڑھتی جاتی ہے۔

فرماتے ہیں:

''جب کسی مذہب فقہی یا مسلک فکری کو دیگر مذاہب فقہیہ یا مسالک فکریہ کے بالمقابل ترجیحا کے بجائے اہل علم نے تبلیغا پیش کرنا شروع کر دیا تو بظاہر اسباب اسی غلطی نے امت میں بے نہایت طرق اختلاف کے بیج بو دئے'' (۲)

مزید فرماتے ہیں:

''مذاہب فقہیہ کو جب ترجیحی مقام ہی مل سکتا ہے، تبلیغی نہیں تو مسالک مسلوکہ کے حاملین جو کہ بلحاظ علم اور باعتبار بعد زمانہ نبوت فقہائے کرام کے ہم مرتبہ وہم مقام نہیں قرار دئے جاسکتے تو ان کو بدرجہ اولی تبلیغی درجہ دینے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بالفاظ دیگر مذاہب فقہیہ کو اگر دین کے برابر کا

(۱) خطبات خطیب الاسلام ج ۲ ص ۴۸۷　　(۲) ایضاً، ج ۱ ص ۴۳۰

درجہ نہیں دیا جاسکتا تو مسالک کو کیسے دیا جاسکتا ہے اگر ان دونوں میں سے کسی کو بھی حق تبلیغ دیا جائے جیسا کہ دور حاضر میں یہ امر واقعی بن چکا ہے تو اس حد ناشناسی یا حق ناشناسی ہی کو امت اسلام کے درمیان تفریقات واختلافات عظیمہ کا سرچشمہ قرار دینا مبالغہ محسوس نہیں ہوتا‘‘(۱)

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ دین اور مسلک کے درمیان فرق کو ملحوظ نہیں رکھنے والی اس ذہنیت کے روز بروز بگڑنے اور خراب سے خراب تر ہونے کو شدت کے ساتھ محسوس کرتے، ایک جگہ بڑی صاف گوئی سے فرماتے ہیں:

’’اس انحطاط کے نتیجہ میں ایک ذہنیت یہ پیدا ہوئی کہ لوگ دین سے اتر کر مذہب پر آئے، مذہب سے اتر کر مسلک پر آئے اور آج انتہائی انحطاط علمی یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ مشرب جو محض ذوقی چیز ہے انہوں نے مسلک کا قائم مقام مشرب تک کو بنا رکھا ہے، اور اس کی تبلیغ بھی شروع کر دی۔ بالفاظ دیگر مسلک سے بھی نیچے اتر کر انہوں نے اپنی ذوقی چیز کو دنیا کے سامنے بطور دین پیش کرنا شروع کر دیا ہے‘‘

صورت حال کا ایسا بے لاگ اور دوٹوک تجزیہ حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی نمایاں خصوصیت تھی۔ دین اور مذہب ومسلک کے درمیان فرق کو دوٹوک لفظوں میں بیان فرماتے ہیں:

’’مدار نجات اور مستحق تبلیغ فقط دین ہے مذہب فقہی اور مسلک مختار نہ مدار نجات ہیں اور نہ مستحق تبلیغ ہیں‘‘

اس اہم امر کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’فقہاء کا مستنبط کردہ قانون اسلامی دین کے درجہ میں نہیں ہے، دین وہ ہے جو منزل من اللہ ہے جس میں عقل انسانی قطعا دخیل نہیں ہے، ظاہر ہے کہ جس کے اندر عقل انسانی دخیل ہو تو وہ قطعا قابل تبلیغ نہیں ہوسکتا، قابل تبلیغ صرف دین منزل من اللہ ہی ہوگا، بخلاف مذاہب فقہاء کے کہ وہ عقلا اجتہادی اور استنباطی ہیں اس لیے ان کا درجہ ترجیحی تو ہوسکتا ہے تبلیغی نہیں ہوسکتا، اگر ان کو درجہ تبلیغ دے دیا جائے تو یہ دین منزل کے ساتھ ناانصافی ہوگی اس لیے کہ دین میں کسی اختلاف، کسی تضاد کا امکان نہیں ہوتا بخلاف مذہب کے کہ اس میں استنباط اور استدلال عقلی کی وجہ سے اختلاف کا پیدا ہونا ناگزیر ہے‘‘۔

مزید فرماتے ہیں:

’’فقہاء کا فقہی مذہب قابل تبلیغ نہیں ہوتا صرف قابل ترجیح ہوتا ہے تو ضرورت جب پیش آئے تو دلائل کی قوت پر آپ کسی بھی مذہب فقہی کو اختیار کر سکتے ہیں، لیکن ان فقہی مذاہب کی دعوت دینے کا آپ کو حق نہیں دیا جائے گا، کیوں کہ دعوت دئے جانے کا حق دار صرف دین ہے۔ انبیاء کرام صحابہ کرام علماء کرام یہ سب دین ہی کی دعوت دیتے رہے ہیں‘‘۔

---

(۱) خطبات خطیب الاسلام ج۱ ص۴۳۱

یہ جملہ کہ ''فقہی مذہب قابل تبلیغ نہیں ہوتا صرف قابل ترجیح ہوتا ہے'' آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ یہ جملہ سب سے پہلے کس بزرگ نے تخلیق فرمایا، اس کی راقم کے پاس تحقیق نہیں ہے، تاہم حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح اپنی فکر میں پرو کر پیش کیا، اس کی آب وتاب کا ٹھکانہ نہیں رہا۔

غیر مقلدین کی حالیہ روش سے حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سخت نالاں نظر آتے ہیں، لیکن یہاں بھی مقلد علماء کو خود احتسابی کی دعوت ضرور دیتے ہیں، اور غیر مقلدین کے سخت اور جارحانہ رویہ کی ذمہ داری میں مقلدین کی غیر معقول روش کو بھی شریک ٹھیراتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

''یہ ایک حق بجانب حقیقت کسی دلیل کی ضرورت مند نہیں رہتی کہ اگر کچھ غیر معتدل مقلد اہل علم نے اعتقاداً تو نہیں لیکن اپنے فقہی مذہب کو دین کے تقریباً ہم پلہ قرار دے لیا اور اس کو ترجیحی کے بجائے تبلیغی درجہ دے دیا، تو ان غیر معقول لوگوں کی اپنے فقہی مذہب سے چوں کہ قلت علم کے ساتھ جذباتیت کو اور ان غیر معتدل مقلدین کے اس ناصواب اقدام کو حجت بنا کر علم سے یکسر بے بہرہ نااہل غیر مقلدین نے نفس تقلید کو کتاب وسنت کے متقابل ٹھہرا کر تفریق بین المسلمین کی جہل آمیز راہ ہموار کردی۔(۱)

اس انتہائی نازک اور حساس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے بھی حضرت کی اعتدال پسندی اور انصاف روی خوب نمایاں ہے، عام طور سے لوگ تمام تر صورت حال کی ذمہ داری کسی ایک فریق پر ڈال دیتے ہیں، بہت مشکل ہوتا ہے صورت حال کی خرابی کے حقیقی ذمہ داروں پر سے پردہ ہٹانا اور حقیقی اسباب کو بے نقاب کرنا۔ اس کے لیے انصاف پسندی کے ساتھ جرأت وہمت بھی درکار ہوتی ہے۔

افتراق وانتشار کا سبب معلوم ہوجائے تو صورت حال کو تبدیل کرنے کے لیے اس سبب کے ازالے پر پوری توجہ مرکوز کردینا ضروری ہوتا ہے، حضرت فرماتے ہیں:

''تفریق ملت کا بنیادی سبب، دین، مذہب اور مسلک میں فرق مراتب کو باقی نہ رکھنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس لیے ان تینوں کو اپنے اپنے دائرے میں رکھنا مختلف طبقات ملت میں فکری قرب پیدا کرنے کا واحد ذریعہ بن کر اجتماعی اور ملی ترقی کی راہیں ہموار کرنے کا وسیلہ ثابت ہوسکتا ہے۔''(۲)

گویا جس سبب سے روگ پھیلا ہے، اس سبب کے ازالے پر پورا دھیان دیا جائے نہ کہ حقائق سے چشم پوشی اور اصل علاج سے فرار کی راہ اختیار کی جائے۔

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اس امر کو امت کے لیے نہایت خطرناک تصور کرتے کہ اصلاح کا بیڑا اٹھانے والوں کے درمیان ٹکراؤ کی صورت پیدا ہوجائے، وہ ایسے ہر موقعہ پر اپنی فکرمندی کے

(۱) خطبات خطیب الاسلام ج۱ص۳۱۳ (۲) ایضاً، ج۱ص۳۱۵

اظہار میں تردد نہیں دکھاتے، ایک نہایت حساس مسئلے پر فرماتے ہیں:

''علماء اعتراض کریں مبلغین پر اور مبلغین اعتراض کریں علماء پر، اس سے ضعف اور ٹکراؤ پیدا ہوگا اور جو کام ہو رہا ہے وہ بھی رک جائے گا۔ اب اگر علماء حضرات جماعت تبلیغ کے مقابل آجائیں اور جماعت تبلیغ مدمقابل علماء کے آجائیں۔ اور جماعت والے یوں کہیں کہ علماء کا کام صرف یہ ہے کہ وہ مدرسہ میں بیٹھ کر کتابیں پڑھائیں، ان کے پاس دعوت کا کام نہیں ہے۔ اور علماء یوں کہیں کہ جاہل لوگ تبلیغ کا کام کرتے ہیں ان کو شعور نہیں ہے تو اس سے ان میں ٹکراؤ پیدا ہو جائے گا'' (۱)

اس کے بعد اپنی دوسری فکرمندی کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ خیر کا چشمہ اگر رواں ہے تو اسے رواں رہنا چاہیے۔

فرماتے ہیں:

''تبلیغ کا ایک کام ہو رہا ہے اور اس کا فائدہ بھی ظاہر ہے اس میں بعض نقائص بھی ہیں لیکن فوائد بھی ہیں، لہٰذا اگر نقائص پر زور دیا گیا تو وہ فوائد بھی بند ہو جائیں گے۔ لہٰذا یہ ہونا چاہیے کہ جو فوائد ہیں وہ چلتے رہیں اور جو نقائص ہیں ان کی اصلاح کرتے رہیں'' (۲)

''جو فوائد ہیں وہ چلتے رہیں اور جو نقائص ہیں ان کی اصلاح کرتے رہیں'' یہ بہترین فارمولہ ہے، جسے اتنے اعتماد اور یقین کے ساتھ وہی پیش کر سکتا ہے، جو امت کی خیر خواہی کے لیے اپنے دل و دماغ کو وقف کر چکا ہو۔

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ جب اتحاد امت اور علماء کے باہمی اتفاق پر زور دیتے ہیں تو ان کے پیش نظر دور حاضر کے وہ خطرناک چیلینج اور وہ عظیم ترین ذمہ داریاں ہوتی ہیں، جن کے لیے علماء امت کو آگے بڑھنا ضروری ہے۔ حضرت کے پیش نظر دراصل ایک نظام کی تشکیل نو تھی جو امت کو عزت و سربلندی کے مقام تک پہونچائے۔ فرماتے ہیں:

''ہر نازک اور خطرناک ترین مرحلے پر پہنچنے کے بعد، ارباب علم و فکر پر یہ اہم ترین فریضہ عائد ہو جاتا ہے کہ ملت کو ہر ذلت سے نکالنے اور عمومی و عوامی پیمانے پر عزت و عظمت کی بلند مقامی پر اس کو فائز کرنے کے لیے نظام کی تشکیل نو پر عصری تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر، اپنی پوری علمی فکری اور تجرباتی توانائیاں صرف کریں''۔ (۳)

اس مختصر سے جملے میں کتنے بڑے اور اہم پہلوؤں اور عظیم تقاضوں کی طرف ارباب علم و فکر کو متوجہ کیا ہے ضروری ہے کہ دیر تک اس پر غور و فکر کیا جائے۔

(۱) خطبات خطیب الاسلام ج ۲ ص ۵۰۷　　(۲) ایضاً، ج ۲ ص ۵۰۸
(۳) ایضاً، ج ۱ ص ۳۰۹

امت کی ''وحدت فکر'' اس قدر اہم اور ناگزیر ہے کہ تشکیل نظام کا یہ عظیم منصوبہ وحدت فکر کے بغیر ذرا آگے نہیں بڑھ سکتا، فرماتے ہیں:

''تشکیل نظام کے اس مرحلے پر یہ حقیقت ہر اختلاف سے بالاتر ہو جاتی ہے کہ قوموں کے لیے ہر دائرہ حیات میں ترقی کی خشت اول صرف ''وحدت فکر'' ہی ہوتی ہے، ورنہ اختلاف افکار ونظریات کے سامنے ارتقا کا تصور ایک ایسا خواب ہے کہ جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتا'' (۱)

امت کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لیے درکار تشکیل نظام کے لیے اگر وحدت فکر ضروری ہے تو وحدت فکر کے لیے ضروری ہے کہ دین اور مذہب ومسلک کے درمیان فرق مراتب کو اچھی طرح ملحوظ رکھا جائے، فرماتے ہیں:

''ملت اسلام میں وحدت فکر بیدار کرنے کا واحد طریق اس کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا کہ ہر طبقہ، ملت میں اپنے فقہ معین اور مسلک مختار کو ادنی درجہ میں بھی زیر تذکرہ لائے بغیر تبلیغ دین صرف دین منزل من اللہ کے لیے مخصوص ہو'' (۲)

بہت اہم بات یہ ہے کہ حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ایک طرف تو وحدت فکر کو امت کی عزت وسربلندی کے لیے خشت اول قرار دیتے ہیں، دوسری طرف مکاتب فکر کی کثرت کو اسلام کی خصوصیت قرار دیتے ہوئے اس کی ہمت افزائی بھی کرتے ہیں، حضرت کے الفاظ ہیں:

''مکاتب فکر سے آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، مکاتب فکر وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں کثرت علم ہو۔۔۔ یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ کتاب اللہ جیسی ضخیم وعظیم کتاب اس کے پاس موجود ہے اور معلم کائنات کی سراپا علم سیرت مقدسہ موجود ہے، اسی کثرت علم کی بنیاد پر اسلام ہی میں مکاتب فکر پیدا ہو سکتے ہیں، چناں چہ عہد نبوت میں مکاتب فکر پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے، اور اسی بنیاد پر ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے''

یہ نکتہ نہایت قیمتی ہے، اور حکمت ودانائی کا بخوبی غماز ہے، جو لوگ مکاتب فکر کی کثرت کو امت کے اتحاد واتفاق کے لیے خطرہ سمجھتے ہیں، اور ان کو ختم کرنے کے فراق میں رہتے ہیں، وہ نہ اسلام اور امت اسلام کے مزاج کو سمجھتے ہیں اور نہ وحدت فکر کے راز کو جانتے ہیں، وحدت فکر مکاتب فکر کا کسی ایک مکتب فکر میں ضم ہو جانا نہیں ہے، وحدت فکر تو یہ ہے کہ مکاتب فکر بھی رہیں، اور ان کے درمیان شیرازہ وحدت بھی رہے، اور یہ اسی وقت ہوگا جب مکاتب فکر فکری ترقی اور نمود کا ذریعہ تو بنیں مگر ان سے تعلق ایسی متعصّبانہ صورت اختیار نہ کرلے جو وحدت فکر کے راستے مسدود کر دے۔ جب ہر مکتب فکر کے سامنے اصل ہدف دین کی دعوت وتبلیغ ہوگا تو ان کی کثرت امت کے لیے رحمت اور علمی وفکری ترقی کا باعث ہوگی۔

(۱) خطبات خطیب الاسلام ج۱ص۳۱۴ (۲) ایضاً، ج۱ص۳۱۴

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ دین کی دعوت کے لیے فکر مند رہتے تھے، اور اس میدان میں موجود خلا کو شدت کے ساتھ محسوس کرتے تھے، فرماتے ہیں:

''تبلیغ احکام حقیقتاً تبلیغ نہیں ہے۔ اسے مجازاً تبلیغ کہا جاتا ہے۔ حقیقت میں تبلیغ اس کا نام ہے کہ غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ تبلیغ اسلام کا میدان اس وقت خالی سا ہو گیا ہے۔ گو کچھ جماعتیں کر بھی رہی ہیں، ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اپنے رنگ میں دوسروں تک اسلام پہنچائے، پڑھے لکھے ہوں یا بے پڑھے لکھے، بہت سے بے پڑھے لوگوں نے اپنے ذوق سے مل ملا کر سینکڑوں لوگوں کو اسلام کی دولت سے نواز دیا۔ جن لوگوں میں تبلیغ کرنے کی صلاحیت ہے اگر وہ یہ کہہ کر ٹالتے رہیں کہ فلاں جماعت تبلیغ اسلام کا کام کر رہی ہے یہ غلط ہوگا بلکہ ہر شخص کو یہ کرنا چاہیے اور اس پر دھیان دینا چاہیے۔''(۱)

اس میں شبہ نہیں کہ جب مذہب، مسلک اور مشرب کی تبلیغ پر محنتیں صرف ہونے لگیں، تو دین کی دعوت کے میدان میں خلا پیدا ہو گیا۔ جب توانائیاں غلط جگہ صرف ہونے لگیں تو امت میں افتراق وانتشار بڑھا اور جب اصل میدان میں یعنی دین کی دعوت کے میدان میں توانائیاں لگ نہیں سکیں تو پوری امت کمزوری اور ذلت کا شکار ہوتی چلی گئی۔

دور حاضر میں وارث نبوت ہونے کے تقاضوں کو ادا کرنا کس قدر مشکل اور دشوار ہو گیا ہے اور اس کے لیے کتنی زیادہ تیاری اور محنت درکار ہے، اس کا حضرت خطیب الاسلامؒ کو اچھی طرح ادراک تھا، اور وہ ادراک کی یہ امانت آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کے لیے فکر مند رہا کرتے تھے، فرماتے ہیں:

''ماضی کے مقابلہ پر آج علم وعرفان کی وراثت نبوت کا پہنچانا غیر معمولی اہمیت کا حامل اس لیے بن گیا ہے کہ دور حاضر کی حیرت ناک ترقیات سے مرعوبیت کے نتیجے میں انسانوں کی ذکر وفکر کی قوتیں مادی وسائل علم وخبر کی بے تحاشہ کثرت وسہولت کی عادی ہو چکی ہیں اس لیے انہیں اپنے اصل مطالبات ذکر وفکر کی تکمیل کی راہ پر لانا دشوار سے دشوار تر ضرور بن گیا ہے''(۲)

اللہ سے دعا ہے کہ وہ حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی فکر مندیوں، عرق ریزیوں، جاں فشانیوں اور قربانیوں کو قبول فرمائے، اور نسل نو کے اندر عظیم امانت کے اس بھاری بوجھ کا صحیح ادراک اور حقیقی جذبہ پیدا فرمائے۔

❖ ❖ ❖

(۱) خطبات خطیب الاسلام ج ۲ ص ۵۱۲　　(۲) ایضاً، ج ۱ ص ۶۵

فکرِ نانوتوی، مولانا محمد سالم قاسمیؒ اور ہماری ذمے داریاں

مولانا شاہ اجمل فاروق ندوی ❖

حجۃ الاسلام امام محمد قاسم نانوتوی (۱۸۳۳ء-۱۸۸۰ء) ان برگزیدہ شخصیات میں سے تھے، جنھیں اللہ تبارک وتعالیٰ خاص مقاصد کے لیے دنیا میں بھیجتا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام نانوتویؒ نے کم عمر پائی لیکن کام بڑا، بلکہ بہت بڑا انجام دیا۔ صرف ۴۷ سال کی عمر میں درس وتدریس، وعظ وارشاد، مناظرہ ومجادلہ، جہاد بالسیف اور ایک مخصوص علمی وکلامی مکتب فکر کی بنیاد رکھ دینا، ایسا محیر العقول واقعہ ہے، جس کی توجیہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کی جاسکتی کہ ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء ۔ بلا شبہ یہ تمام کام اپنے آپ میں بڑے مبارک اور عظیم ہیں، لیکن ہمارے محدود مطالعے کی روشنی میں امام نانوتوی کا سب سے بڑا کارنامہ وہ علمی وکلامی طرزِ فکر ایجاد کرنا ہے، جو ان کے بعد چند شخصیات کے حصے میں ہی آ سکا۔

فکرِ نانوتوی کیا ہے؟

جن لوگوں کو حضرت نانوتویؒ کی تصانیف اور دوسری تحریریں پڑھنے کا موقع ملا ہوگا، وہ جانتے ہوں گے کہ فکرِ نانوتوی کسی محدود سوچ کا نام نہیں، بلکہ ایک وسیع ترین فکری نظام کا نام ہے۔ ایسا فکری نظام جو ذات سے شروع ہوتا ہے اور پوری کائنات کو اپنے اندر سمو لیتا ہے۔ جس کے اندر اصلاحِ نفس کا پہلو بھی ہے اور اصلاحِ معاشرہ کا بھی۔ درس وتدریس کا پہلو بھی ہے اور میدانِ کارزار کا بھی۔ حکمت وموعظت کا پہلو بھی ہے اور مناظرے ومجادلے کا بھی۔ اپنوں تک پیغام رسانی کا پہلو بھی ہے اور غیروں تک دعوت اسلام پہنچانے کا بھی۔ علومِ نقلیہ میں گہرائی کا پہلو بھی ہے اور علومِ عقلیہ میں گیرائی کا بھی۔ خانقاہ کا پہلو بھی ہے اور ریاست وحکومت کا بھی۔ اسی لیے ان کے شاگردِ رشید شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''ہم نے حضرت نانوتوی کو جتنا سمجھا ہے، اس کا نتیجہ یہی ہے کہ آپ نے دار العلوم کا قیام ۱۸۵۷ء کی

❖ نگراں شعبۂ اردو، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی

تلافی کے لیے فرمایا تھا۔' اسی بات کو امام نانوتویؒ کے پوتے حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحبؒ (۱۸۹۷ء-۱۹۸۳ء) نے مزید وضاحت کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے:

''شاملی کا میدان اور دارالعلوم کی زمین ایک ہی حقیقت کے دو رخ تھے۔ فرق تیغ و سنان اور قلم و زبان کا تھا۔ وہاں تشدد کے ساتھ آزادیِ ملک و ملت اور آزادیِ مذہب و دین کا نصب العین سامنے تھا اور یہاں عدمِ تشدد کے ساتھ علمی، اخلاقی اور آئینی رنگ میں وہی منصوبہ پیش نظر تھا۔ وہاں اس نصب العین کے لیے افراد استعمال کیے جارہے تھے اور یہاں اس کے افراد بنائے جانے لگے۔ وہاں نام میدانِ جنگ کا تھا اور یہاں نام مدرسہ اور مکتب امن و صلح کا تھا۔ وہاں قلب و دماغ کے اشاروں پر ہاتھ پیر کام کررہے تھے اور یہاں بہ راہِ راست دل و دماغ نے خود اپنے تصرفات دکھلائے۔

غرض حضرتِ والا نے میدانِ شاملی کے نتائج پیش رکھ کر دارالعلوم دیوبند کی تاسیس کی اور اس کے اصول اور نظامِ کار کو ایسے انداز پر اٹھایا کہ شاملی کے میدان کی تلافی ہو اور جو منصوبہ اس وقت کام یابی سے ہم کنار نہ ہوسکا تھا وہ اب ہوجائے۔''(۱)

یہ بات ملتِ اسلامیہ اور خاص طور پر پورے دیوبندی مکتب فکر کے لیے کسی بدنصیبی سے کم نہیں ہے کہ ہم نے امام نانوتویؒ کی فکر کو انتہائی محدود دائرے میں قید کردیا اور امام نانوتویؒ کو ایک بانیٔ مدرسہ سے زیادہ حیثیت نہیں دی۔ اس سے سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ دارالعلوم دیوبند کو ایک ہمہ گیر تحریک کے بجائے صرف ایک مدرسہ سمجھ لیا گیا۔ امام نانوتویؒ ایک عالمی نظامِ فکر کے مؤسس کے طور پر پہچانے جانے کے بجائے صرف کچھ مدارس کے بانی اور صرف حلقۂ دیوبند کے سرخیل کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔ حق یہ ہے کہ دارالعلوم اور بانیِ دارالعلوم دونوں کا یہ تعارف نہایت ناقص اور ادھورا ہے۔ اگر مولانا نانوتوی اور ان کی فکر کو صحیح طور پر سمجھا جاتا اور ان دونوں کا حقیقی تعارف کرایا جاتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ تنہا دارالعلوم ان تمام جماعتوں اور تنظیموں کی ضرورت پوری کررہا ہوتا، جن کی ضرورت بعد کے ادوار میں مسلمانانِ برصغیر کو پڑتی چلی گئی۔ اللہ کی رحمتیں ہوں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحبؒ پر، جنھوں نے نانوتوی اور فکرِ نانوتوی کے متعلق ایک ایک بات ایسی کھول کھول کر بیان کردی کہ کسی کے لیے شک و شبہے کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی۔ حکیم الاسلام کے ان جملوں کو پڑھیے اور ان کی روشنی میں فکر نانوتوی کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کیجیے:

''حضرت والا اس دارالعلوم کی تحریک کو نہ صرف ملک گیر ہی بنانا چاہتے تھے، جس میں اس ملک کی ہر قوم کی ہمدردیاں اس ادارے اور اس کی تحریک کے لیے حاصل ہوں، بل کہ اسے عالم گیر بھی دیکھنا چاہتے تھے اور اس علمی حلقے کا رشتہ بیرونی ممالک کے مسلمانوں اور اُن کی حکومتوں سے بھی جوڑنا چاہتے تھے۔''(۲)

(۱) مقالات طیبہ، قاری محمد طیب، ص:۸۹، ۹۰　　(۲) ایضاً، ص:۱۲۱

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

''اگر محض مذہبی تعلیم و تعلم ہی نصب العین کی آخری حد تھی تو مدرسے میں سپہ گری کے شعبے کے قیام کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی تھی؟ جسے حضرت والا نے اہتمام کے ساتھ خود قائم فرمایا تھا۔ نیز محض مذہبی تعلیم ہی پیش نظر ہوتی تو حضرت والا صنعت و حرفت کا شعبہ اس مدرسے میں قائم نہ فرماتے، جو خالص معاشی مسائل سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر اگر یہ محض ایک مذہبی مکتب تھا تو حضرت والا شرعی محکمۂ قضا قائم فرما کر اعضاءِ مدرسہ کو اس کا جج مقرر نہ فرماتے، جو خالص ایک سیاسی مسئلہ تھا۔ اسی طرح صرف مذہبی تعلیم ہی کا خاکہ مدرسے کے کاروبار کی آخری حد ہوتی تو مدرسے کے چندہ دہندوں میں غیر مذہب کے لوگوں کے عطیات شامل کیے جانے کا کوئی تصور سامنے نہ آنا چاہیے تھا۔ نہ ہندو مسلمانوں سے بلاتخصیص مذہب و ملت چندے قبول کیے جاتے اور نہ ہندو چندہ دہندگان کی دعا و شکریے سے حوصلہ افزائی کی جاتی۔ پھر اگر کاروبارِ مدرسہ کی انتہائی غرض و غایت محض کتابی درس و تدریس تھی تو حضرت والا اس مدرسے کے سرپرست اور ہمہ اوست ہوئے سلطانی چندے کی بنیاد ڈال کر اور خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید خاں والیِ ٹرکی کی مدح میں قصائد لکھ کر خلافت ٹرکی سے رشتۂ ارتباط قائم کرنے کی صورتیں پیدا نہ فرماتے۔ گویا آپ نہ صرف ملک کی اندرونی اقوام ہی سے رشتۂ یگانگت قائم فرمانے کے داعی تھے، بل کہ بیرون ملک سے بھی رشتۂ اتحاد کا سلسلہ پھیلانا چاہتے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مدرسہ محض کتب درسی کی تعلیم کا مدرسہ نہ تھا، بل کہ حضرت اسے ایک ملی جلی تحریک کے مرکز کی حیثیت سے قائم فرما رہے تھے، جس کے نظامِ کار میں علم و عمل، معاش و معاد، قوم و وطن اور دین و مذہب کی حمایت و نصرت کے ملے جلے جذبات ایک دم پیش نظر تھے۔''(۱)

یہ تھی امام نانوتویؒ کی حقیقی فکر اور ان کا اصل منصوبہ۔ مجھ طالب علم کو یہ سعادت حاصل ہے کہ میں نے دیوبند میں ایک ہفتے قیام کر کے فکر نانوتویؒ کو موجودہ دور میں اس کے سب سے بڑے ترجمان خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمیؒ سے سمجھا ہے۔ ان یادگار ایّام میں سے ایک دن میرے سوال کے جواب میں عصر کے فوراً بعد سے مغرب سے ذرا پہلے تک خطیب الاسلامؒ نے فکرِ نانوتوی کی حقیقت بیان فرمائی اور مجلس ختم فرما کر اٹھنے ہی والے تھے کہ میں نے ایک مختصر سا سوال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا: حضرت! کیا دارالعلوم نے ان مقاصد کو حاصل کر لیا، جن مقاصد کی طرف آپ نے ابھی اشارہ فرمایا ہے؟ خطیب الاسلامؒ نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا: نہیں، ان مقاصد کو اب تک حاصل نہیں کیا جا سکا۔ اس صاف جواب پر مجلس میں سناٹا سا طاری ہو گیا اور اس سے پہلے کہ کوئی کچھ بولتا مغرب کی اذان ہو گئی اور حضرتِ والا اندر تشریف لے گئے۔

(۱) مقالات طیبہ، قاری محمد طیب، ص: ۱۲۳، ۱۲۴

مجھے یہ کہنے میں بھی کوئی باک نہیں ہے کہ فکر نانوتویؒ نے تاسیسِ دارالعلوم سے لے کر آج تک تقریباً ۱۵۰؍سال کے درمیان کا بڑا حصہ ''آستانۂ قاسمی'' میں محدود رہ کر ہی گزارا ہے۔ یقیناً اس عالم گیر فکر کو سمجھنے اور برتنے والے متعدد نابغۂ روزگار افراد بھی پیدا ہوئے، لیکن اس طویل مدت کے اکثر حصے میں یہ بے مثال فکر خانوادۂ قاسمی میں ہی نسل در نسل منتقل ہوتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ آج خطیب الاسلامؒ کی رحلت کے بعد ہم تمام دامن گرفتگانِ نانوتویؒ ایک عظیم خلا محسوس کر رہے ہیں۔ ذہن و دماغ میں یہ سوال مسلسل گردش کر رہا ہے کہ فکرِ نانوتویؒ کا تحفظ اب کس طرح کیا جائے گا؟

فکرِ نانوتویؒ کی ترویج میں مولانا محمد سالم قاسمیؒ کا حصہ

امام محمد قاسم نانوتویؒ کے بعد ان کے خلف الرشید فخر الاسلام مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ نے تنظیم دارالعلوم، وعظ و ارشاد اور تحریر کے ذریعے فکرِ نانوتویؒ کا تحفظ کیا۔ ان کے بعد امام نانوتوی کے خوابوں کی تعبیر حکیم الاسلامؒ مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ دیوبند سے وابستہ ہر خاص و عام جانتا ہے کہ حکیم الاسلام کی پوری زندگی اسی فریضے کی ادائیگی میں گزری۔ اس میدان میں ان کی خدمات بیان کرنے کے لیے ایک تصنیف کی ضرورت ہوگی۔ ان کے وصال کے بعد تقریباً چار دہائیوں تک یہ فریضہ ہم سب کے مخدوم و مطاع خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمیؒ (۱۹۲۶ء۔ ۲۰۱۸ء) نے انجام دیا۔ چوں کہ اس وقت خطیب الاسلام ہی موضوعِ گفتگو ہیں، اس لیے ان کے اندازِ تبلیغ کے متعلق چند باتیں قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کی جارہی ہیں۔ خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے فکرِ نانوتوی کی تبلیغ و اشاعت کا کام چار طریقوں سے انجام دیا۔ انھوں نے یہ چاروں کام بہ یک وقت جاری رکھے اور جب تک دم میں دم رہا، انھیں انجام دیتے رہے۔

(۱) خطابت

مولانا محمد سالم قاسمیؒ کو خطابت اپنے والدِ گرامی سے ورثے میں ملی تھی۔ بل کہ یوں کہنا چاہیے کہ خطابت کے معاملے میں وہ اپنے والد پر گئے تھے اور تصنیف و تالیف کے معاملے میں اپنے دادا اور پردادا پر۔ لہٰذا ہندستان سے لے کر امریکا تک عمر بھر اسفار کا سلسلہ جاری رکھا اور ملکوں ملکوں، شہروں شہروں اپنے اجداد کا پیغام عام کیا۔ خطابت کا انداز وہی تھا جو ان کے آباء کی روایت رہی ہے۔ یعنی بغیر چیخے چلائے نہایت مرتب انداز میں کلامی رنگ کی ایسی زنجیری گفتگو جو سامعین کو پوری طرح اپنی گرفت میں لیے رکھے۔ ان کی تقریریں پڑھ کر یا سن کر ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ موضوعِ خطابت خواہ کچھ بھی رہا ہو، ان کا

انداز 'نانوتویانہ' ہی ہوا کرتا تھا۔ اس طرح انھوں نے پوری دنیا میں گھوم گھوم کر اپنے فنِ خطابت کا مکمل استعمال کیا اور حکمت نانوتویؒ کو عام کرتے رہے۔ مولانا کی یہ تقاریر کتابی شکل میں بھی منظر عام پر آچکی ہیں اور انٹرنیٹ پر بھی موجود ہیں۔

(۲) تدریس

فکر نانوتویؒ کی اشاعت کے لیے مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے دوسرا راستہ تدریس کا اختیار فرمایا تھا۔ ۱۹۴۸ میں دارالعلوم دیوبند سے تعلیم مکمل کرنے کے فوراً بعد انھیں استاد مقرر کرلیا گیا تھا۔ اس وقت سے لے کر چند سال پہلے تک وہ پابندی سے تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ نورالایضاح سے لے کر صحیح بخاری تک تفسیر وحدیث اور فقہ وفلسفہ کی بیش تر کتابیں پڑھائیں۔ جس کتاب کو بھی پڑھایا اس کا حق ادا کیا۔ ایک آدھ نہیں کئی کئی نسلوں کی تربیت فرمائی۔ اُن کے معتبر تلامذہ بتاتے ہیں کہ تدریس میں بھی ہمیشہ علومِ نانوتوی کے رنگ کو ابھارے رکھا۔ اسرارِ شریعت کے موضوع پر امام ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ سے خصوصی مناسبت انھیں اپنے والدِ گرامی سے ملی تھی۔ اگر یہ کہا جائے تو ہر گز غلط نہ ہوگا کہ جس طرح اپنے دور میں حجۃ اللہ کا ماہر حکیم الاسلامؒ سے بڑا کوئی اور نہ تھا، اسی طرح موجودہ دور میں اس کتاب کا متخصص خطیب الاسلامؒ سے بڑا کوئی موجود نہیں تھا۔

(۳) تحریر

مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے تیسرا راستہ تحریر کا اختیار فرمایا تھا۔ اگرچہ اس میدان میں وہ اپنے والد کے بہ جائے اپنے دادا اور پردادا کی روش پر چلے اور چند تصانیف ہی پیش فرمائیں۔ اس کے باوجود وہ چند تصانیف اور ان کے علاوہ ان کے قلم سے نکلے ہوئے بے شمار مقالات، مضامین، کتابوں پر مقدمات اور تقاریظ اپنے آپ میں کسی بڑے علمی سرمائے سے کم نہیں ہیں۔ آپ ان میں سے کوئی مختصر تحریر بھی اٹھا لیجیے، اس میں آپ کو علم وحکمت کے ایسے بیش بہا موتی مل جائیں گے، جن کی بنیاد پر پوری پوری تصانیف وجود میں لائی جاسکتی ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ تحریر کی ایک مثال آپ کے سامنے پیش کروں۔ یہ تحریر ۲۰۱۱ء میں ملک کے معروف فکری وتحقیقی ادارے انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی کی سلور جبلی تقریبات کی مناسبت سے بہ طور پیغام لکھی گئی تھیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

> ''عصر حاضر میں حیرت ناک سائنسی ایجادات وترقیات کے ذریعے مغرب نے عالم گیر پیانے پر دنیا کو بے شمار راحت رسانی کے سروسامان دیئے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان ایجاداتی ترقیات

سے متأثر ومرعوب انسانیت پر مغرب کی برتری کے شعور کو دائمی بنانے کے لیے سیاستہً بدفہمی پر مشتمل یہ فارمولہ بھی دماغوں میں جاگزیں کردیا کہ اس سائنسی ارتقا کے دور میں آج کا انسان کل کے انسان سے یکسر بدل گیا ہے۔ ماضی کا محروم علم وتجربات انسان اپنے مقصد حیات کی تکمیل کے لیے مذہب کا ضرورت مند تھا اور اس مقصد تک رسائی کے لیے اخلاقی حدود وقیود کا پابند تھا، لیکن اس کے برخلاف آج کا ئناتی حقائق پر محیط عقل وسائنس کے ذریعے زمین کے اوپر اور نیچے ہی نہیں، بلکہ فضاؤں، ہواؤں اور خلاؤں تک پر قابو یافتہ انسان نہ احکام مذہب کا ضرورت مند ہے اور نہ اخلاقی قیود کا۔

یہ فلسفیانہ مغالطہ انگیزی خودغرضانہ چالاکی، متکبرانہ احساس برتری اور مادیت میں غرق اس مغربی ذہنیت کی پیداوار ہے کہ جس نے یہ حقیقت نگاہوں سے اوجھل کردی کہ اصل انسانیت جن بہتر خاصیات وصلاحیات سے عبارت ہے، وہ اصل فطرت ہیں، جن کے تبدیل ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ انسان کی ناقابل تبدیل بہتر فطری خصلتیں محبت ومودت، ایثار وقربانی، صدق واخلاص، خدمت وراحت رسانی، علمی وعرفانی ترقیات وغیرہ ہیں اور ایسے ہی کم تر فطری احساسات وجذبات، بغض وعداوت، حسد وکینہ، وحشت ودہشت، فساد وبربریت، ایذا رسانی اور الم آفرینی وغیرہ ہیں۔ اس کی قرار واقعی مثال اشراقیین ہیں کہ جنھوں نے مذہب واخلاق کا دامن چھوڑے بغیر اپنی قوت اندرون کو عرفانیت کے بجائے کائنات کے ذرے ذرے میں پوشیدہ حقائق کی تحقیق کے لیے استعمال کیا اور اس کے ذریعے خلائے بسیط میں کُرات عظیمہ کی، فلکیات ونجوم کے نظام وحرکت وسکون کی اور ان کے آثار وثمرات کی مادی وسائل کے بغیر حیرت ناک دریافتیں کیں اور وہی دریافتیں آج مادی آلات کے ذریعے دور حاضر کے سائنس دانوں کے لیے مزید نئے انکشافات کا ذریعہ بن رہی ہیں۔''(۱)

اس مختصر تحریر کو پڑھنے والا کوئی بھی شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ صاحبِ تحریر نے اس کے اندر اپنے مخصوص موروثی کلامی انداز میں کتنے وسیع معانی پیش کردیے ہیں۔ یہی معاملہ ان کی ہر چھوٹی بڑی تحریر کا ہے کہ ہم ان کو بنیاد بنا کر طویل مقالات اور وسیع ترین عملی منصوبے بنا سکتے ہیں۔

(۴) ملّی خدمات

فکر نانوتویؒ کی اشاعت کے لیے خطیب الاسلامؒ نے ایک راستہ عام ملّی خدمات کا بھی اختیار فرمایا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کی توسیع، روزِ اوّل سے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مخلصانہ خدمات، آل انڈیا مسلم مجلسِ مشاورت کی صدارت، ندوۃ العلماء، مظاہر العلوم اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مختلف کمیٹیوں کی رکنیت،

(۱) آئی او ایس ۲۵ رسالہ یادگاری مجلّہ، ص: ۵۵

امام نانوتوی کی تصانیف کی اشاعت کی فکر، ندائے دارالعلوم، وحدۃ الامۃ، وائس آف دارالعلوم کا اجراء اور بے شمار اداروں، مدرسوں اور تنظیموں کی سرپرستی کے ذریعے انھوں نے ہمیشہ ملت کے وسیع ترین مفادات کی تکمیل کی جدوجہد جاری رکھی۔ اس کے علاوہ عصری تعلیم یافتہ طبقے کے لیے جامعہ دینیات قائم کر کے ہزارہا ہزار نوجوانوں تک فاصلاتی نظام کے مطابق اسلامی تعلیمات کو پہنچانا ان کا بے مثال کارنامہ ہے۔

مختصر یہ کہ مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ فکرِ نانوتویؒ کی ترویج و اشاعت میں گزارا۔ اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیتیں انھیں عطا فرمائی تھیں، ان سب کو استعمال کیا اور حتی الوسع یہ فریضہ انجام دیتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ کہنا یہ چاہیے کہ وہ سرتاپا فکرِ نانوتویؒ میں رچے بسے ہوئے تھے اور ان کے روئیں روئیں سے علومِ نانوتویؒ چھلکے پڑ رہے تھے۔

مستقبل کا لائحۂ عمل

آج خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمیؒ ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ ان کے برادرِ خرد متکلم اسلام مولانا محمد اسلم قاسمیؒ (۱۹۳۸ء۔ ۲۰۱۷ء) باحیات ہوتے تو یہ آسرا تو رہتا کہ ابھی حکیم الاسلامؒ کا ایک سپوت موجود ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے چھوٹے بھائی کو بڑے بھائی سے پہلے ہی اپنے پاس بلا لیا۔ لہٰذا اب فکرِ نانوتویؒ کے تحفظ کا مسئلہ ایک سنجیدہ مسئلہ بن گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ جانشین خطیب الاسلام مولانا محمد سفیان قاسمی کی سرپرستی میں فکرِ نانوتویؒ کو نئے زمانے سے ہم آہنگ کرنے اور اسے اکیسویں صدی میں رواج دینے کی تحریک شروع کی جائے۔ تاکہ حجۃ الاسلامؒ کا وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے کہ ''میرا دل چاہتا ہے کہ انگریزی زبان سیکھوں اور اہل یورپ کو بتاؤں کہ حکمت کسے کہتے ہیں؟'' امام نانوتویؒ کا یہ خواب تھا جو آج ان کی وفات کے ۱۴۰؍سال گزرنے کے باوجود بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا ہے۔ ہم تمام وابستگانِ نانوتویؒ کے اوپر یہ فرض بھی ہے اور قرض بھی کہ جلد از جلد اس خواب کی تعبیر کی جانب قدم بڑھائیں۔ آخر کوئی بات تو ہوگی کہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (۱۸۵۱ء۔ ۱۹۲۰ء) نے امام نانوتویؒ کے بعض اردو رسائل کو خود ان ہی سے حرفاً حرفاً پڑھا اور سمجھا۔ کوئی وجہ تو ہوگی کہ حکیم الاسلام مولانا محمد قاری طیب قاسمیؒ نے اپنے رفیقِ خاص شارحِ علوم نانوتویؒ مولانا اشتیاق احمد دیوبندی کے ذریعے کتب نانوتویؒ کی تسہیل کا کام شروع کیا تھا۔ آج کا دور پہلے سے کہیں زیادہ اس بات کا متقاضی ہے کہ علومِ نانوتویؒ کی ترتیب جدید، تسہیل وتشریح اور معاصر تقاضوں کے مطابق اس کی تبلیغ و ترسیل کا کام انجام دیا جائے۔ اسی سلسلے میں چند تجاویز پیشِ خدمت ہیں، کیوں کہ امام نانوتویؒ اور آستانۂ قاسمی کے وابستگان کا اس سے بہتر مجمع شاید پھر آسانی سے میسر نہ آ سکے۔

(۱) سب سے پہلے ضروری تھا کہ فکرِ نانوتویؒ کے سب سے بڑے مرکز دارالعلوم دیوبند وقف میں امام نانوتویؒ کے نام سے منسوب کوئی تحقیقی ادارہ قائم کیا جاتا۔ الحمدللہ یہ ضرورت حجۃ الاسلام اکیڈمی کے ذریعے پوری ہوگئی ہے۔ اب یہ سب کام اکیڈمی کے تحت انجام دیئے جاسکتے ہیں۔

(۲) مہتمم دارالعلوم دیوبند وقف کی سرپرستی میں علومِ نانوتوی سے مناسبت رکھنے والے کچھ بڑے اساتذہ وعلماء کی ایک بین الاقوامی کمیٹی بنائی جائے۔

(۳) اس کے بعد ملک بھر سے علومِ نانوتویؒ سے ذہنی وفکری مناسبت رکھنے والے نوجوان اسکالرز کی ایک ٹیم تیار کی جائے۔

(۴) دنیا بھر میں امام نانوتویؒ کی تمام کتابوں اور رسائل کے دست یاب نسخوں کو اکیڈمی کی لائبریری میں جمع کیا جائے۔

(۵) اس کے بعد سب سے پہلے یہ طے کیا جائے کہ موجودہ حالات کے لحاظ سے کس کتاب پر کام کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے؟ نوجوان اسکالرز کی ٹیم دوتین کتابوں کے نام طے کرکے سینئر علماء کی کمیٹی کے سامنے پیش کرے۔ وہ کمیٹی جس کتاب کو اولیت دے، اسی پر سب سے پہلے کام شروع کیا جائے۔

(۶) یہ کام تین نوعیّتوں کا ہونا ضروری ہے:

(الف) مستند نسخوں کی اشاعت: رسائل نانوتویؒ کے مختلف نسخوں کا تقابل کرکے تمام رسائل کے مستند نسخوں کو تیار کرنا۔ اس میں نہ تسہیل ہو اور نہ تعلیق۔ بل کہ امام نانوتویؒ کی کتابوں کا اصل متن جوں کا توں پیش کردیا جائے، تاکہ یہ عظیم امانت اپنی اصل شکل میں محفوظ ہوسکے اور اہل علم اس سے استفادہ کرسکیں۔

(ب) تسہیل وتشریح: دوسرا مرحلہ کتب نانوتویؒ کی تسہیل وتشریح کا ہونا چاہیے۔ تاکہ اوسط درجے کے علما، دانش وران اور اسکالرز ان سے استفادہ کرسکیں۔ اس سلسلے میں شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند اور مکتبہ دارالعلوم دیوبند نے کئی قابل قدر اقدامات کیے ہیں۔ مثال کے طور پر کچھ سال پہلے مجموعہ ہفت رسائل کے نام سے ۵۲۰ رصفحات میں امام نانوتویؒ کے رسائل قبلہ نما، جواب ترکی بہ ترکی، توثیق الکلام، گفتگو مذہبی، الاجوبۃ الکاملۃ، الدلیل المحکم اور تحفۂ لحمیہ کو شائع کیا گیا ہے، لیکن رائج معیار کے مطابق پوری کتاب کی کمپوزنگ اور سیٹنگ میں سخت نقائص موجود ہیں۔ غضب یہ کہ تسہیل کرنے والوں نے تسہیل کے بہ جائے بے جوڑ باتیں، غیر مدلل تفصیلات اور آدھی ادھوری معلومات تحریر کرکے کتابوں کے معیار کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ مثال کے طور پر صفحہ نمبر ۳۷ کے حاشیے پر تسہیل کرنے والے نے فنِ اسماء الرجال کی تعریف بتانی چاہی، لیکن تین اقتباس لکھنے کے باوجود اس فن کی تعارف میں ایک اصولی لفظ بھی نہیں لکھا۔ اسی طرح صفحہ نمبر ۸۵ کے حاشیے پر یہ لکھنا ضروری سمجھا گیا کہ اس بحث کو غور سے نہ پڑھا گیا تو بہت سے

لوگوں کی طرح آپ بھی بھٹک جائیں گے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ امام نانوتویؒ جب کسی بحث کو سمجھا رہے ہیں تو اس پر اس طرح کے حاشیے کا کیا مطلب ہے؟ صفحہ نمبر ۴۲۳/اور اس کے علاوہ بہت سے صفحات پر بعض مشکل الفاظ کی تشریح میں ان اردو ڈکشنریوں کا حوالہ دیا گیا ہے، جن کا عدم استناد اہل علم کے یہاں مسلم ہے۔ اسی طرح کے بہت سے بڑے بڑے نقائص شیخ الہند اکیڈمی سے ہی شائع ہونے والی دوسری کتاب تقریر دل پزیر میں بھی پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ امام نانوتویؒ کے تمام رسائل کی تسہیل وتشریح کا کام انجام دیا جائے۔ یہ تسہیل وتشریح معاصر علمی اصولوں کے مطابق ہونی چاہیے۔

سب سے پہلے امام نانوتویؒ کے رسائل کو بالترتیب کمپوز کرایا جائے۔ اس کے بعد کم از کم تین ماہر مترجمین کے ذریعے ان کا نہایت سادہ اور رواں ترجمہ کرایا جائے۔ آخر میں اس ترجمے سے اخذ ہونے والی معلومات کی سادہ زبان میں تشریح کر دی جائے۔ اس کے ساتھ ایک انتہائی ضروری کام یہ بھی ہے کہ ان رسائل میں بیان کیے گئے مضامین کو اسلام پر ہونے والے معاصر اعتراضات سے ہم آہنگ کیا جائے۔ مثال کے طور پر امام نانوتویؒ کے رسالے تحفۂ لحمیہ میں جانوروں کو ذبح کرنے اور گوشت خوری وغیرہ کے حق میں جو عظیم الشان عقلی دلائل دیئے گئے ہیں، ان کو تشریح میں معاصر اعتراضات کے مطابق بالترتیب بیان کر دیا جائے۔

(ج) علوم نانوتویؒ کی تجدید: امام محمد قاسم نانوتویؒ کے رسائل ومضامین پڑھ کر اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی علمی کائنات میں جن معرکۃ الآراء مسائل کا شافی وکافی جواب دیا گیا ہے، ان میں سے بیش تر مسائل موجودہ دور میں بھی آئے دن اٹھتے رہتے ہیں۔ بل کہ اسلام دشمن طاقتوں کی طرف سے اٹھائے جاتے رہتے ہیں۔ امام نانوتویؒ کے علمی خزانے میں ان میں سے اکثر مسائل کا مسکت جواب موجود ہے، لیکن عوام وخواص سب اس سے غافل ہیں۔ یہ بات بھی اپنی جگہ طے ہے کہ دلائل کے دقیق ہونے اور عبارتوں کے قدیم ہونے کی وجہ سے رسائلِ نانوتویؒ عوام تو عوام خواص کے لیے بھی ناقابل فہم ہو چکے ہیں۔ خواص تک یہ چیزیں اعلیٰ علمی معیار کے مطابق انجام دی گئی تسہیل وتشریح کے ذریعے پہنچائی جا سکتی ہیں، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ البتہ یہ کتب ورسائل تسہیل وتشریح کے باوجود عوام اور بالخصوص نئی نسل کے لیے ناقابل فہم ہوں گے۔ اس کے لیے ضروری ہوگا کہ بالترتیب ایک ایک رسالے کو منتخب کیا جائے، اس کے مباحث اور دلائل کو آسان زبان میں قلم بند کیا جائے اور الگ الگ کتابوں یا کتابچوں کی شکل میں شائع کیا جائے۔ اس طرح سے کہ مباحث، دلائل اور نتائج سب امام نانوتویؒ کے ہوں، لیکن زبان اور اسلوب بیان موجودہ علمی دنیا میں رائج افراد کا ہو۔ اس طرح علوم نانوتویؒ آسان شکل میں عام اردو قاری تک پہنچ سکیں گے اور وہ ان کی روشنی میں زمانے کے مسائل کا جواب دے سکے گا۔

علوم نانوتویؒ کی اشاعت کے جب یہ تین کام مکمل کرلیے جائیں، یعنی رسائل نانوتویؒ کے مستند نسخوں کی اشاعت، تسہیل وتشریح اور عوام کو مدِ نظر رکھ کر ان علوم کی تجدید کہ تینوں مراحل مکمل ہوجائیں، تو اس کے بعد عوام کے لیے تیار کیے گئے رسائل کو عالمی زبانوں میں منتقل کرنے کا کام شروع ہونا چاہیے۔

اس طالب علم کا عقیدہ ہے کہ اگرچہ آج پنڈت دیانند سرسوتی (۱۸۲۴ء۔۱۸۸۳ء) موجود نہیں، لیکن ان کے لاکھوں بھکت دنیا میں موجود ہیں۔ ہندستان سے انگریزی اقتدار ختم ہوچکا، لیکن عیسائی مشنریوں کے ذریعے اعتراضات کا سیلاب آج بھی موجود ہے۔ جن ہندو پنڈتوں سے امام نانوتویؒ کے مناظرے ہوئے وہ سب مرکھپ چکے، لیکن ان کے اٹھائے ہوئے اعتراضات آئے دن میڈیا اور کتب و رسائل کے ذریعے دنیا میں پھیلائے جارہے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وجود باری، توحید، بیت اللہ کو قبلہ بنانے، کعبے کا طواف کرنے، کسی انسان پر وحی آنے، معجزات وکرامات کے ظہور، جانوروں کو ذبح کرنے اوران کا گوشت کھانے، آواگون، وید کے آسمانی کتاب ہونے، جنت دوزخ کے امکان، جہاد وقتال، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے اور دوبارہ مبعوث ہونے اوران جیسے متعدد مسائل اب ختم ہوچکے ہیں؟ ہر پڑھا لکھا جانتا ہے کہ یہ مسائل آج بھی باقی ہیں، پوری شدت کے ساتھ باقی ہیں اور عہدِ نانوتویؒ سے کہیں زیادہ وسعت کے ساتھ پھیلائے بھی جارہے ہیں۔ جب ہمارے پاس علومِ نانوتویؒ کی شکل میں ان کے شان دار جواب موجود ہیں تو کیوں نہ اس جانب قدم بڑھایا جائے اور فکرِ نانوتوی کے خزانوں کے دہانے ہر خاص وعام کے لیے کھول دیئے جائیں؟ جب مذکورہ ترتیب کے ساتھ رسائل نانوتویؒ مختلف عالمی زبانوں میں منتقل ہوکر خوب صورت گٹ اپ میں یورپ وامریکا تک پہنچنے لگیں گے، تب کہیں جاکر حجۃ الاسلامؒ کا وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوگا کہ ''میرا دل چاہتا ہے کہ انگریزی زبان سیکھوں اور اہل یورپ کو بتاؤں کہ حکمت کیا ہوتی ہے۔''

علومِ نانوتویؒ کی اہمیت وافادیت کا انکار کوئی غیر جانب دار شخص نہیں کرسکتا۔ امام نانوتویؒ سے لے کر خطیب الاسلامؒ تک خانوادۂ قاسمی کے تمام افراد نے اپنی اپنی وسعت وصلاحیت کے مطابق ان علوم کو عام کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی قبروں کو نور سے منور فرمائے۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ان علوم کو آستانۂ قاسمی سے نکال کر مشرق ومغرب تک پہنچا دیا جائے۔ یہ ہم سب کی دینی ذمے داری بھی ہے اور امت کے ایک عظیم محسن کا قرض بھی ہے۔ اس قرض کی ادائیگی میں اب مزید تاخیر کی گنجائش نہیں۔

❖ ❖ ❖

مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ

اور

مدارس اسلامیہ کا نصاب تعلیم

ڈاکٹر سعید فیضی ندوی ❖

آج کل مدارس اسلامیہ کے بارے میں عام احساس یہی ہے کہ مدارس دینیہ میں تعلیم پانے والی بڑی تعداد علوم اسلامیہ اور مقررہ نصابی کتابوں میں مہارت ولیاقت پیدا نہیں کر پاتی، ان کے اندر اعلی استعداد اور اچھی لیاقت نہیں ہوتی۔ اعلیٰ صلاحیت ولیاقت اور استعداد وقابلیت تو دور کی بات ہے، ادنی مناسبت بھی ان علوم وفنون سے نہیں ہو پاتی، اور کہنے والے تو یہاں تک کہنے لگے ہیں کہ مدارس دینیہ کی کوکھیں اب بانچھ پن کا شکار ہوگئی ہیں۔ اس جملہ کو ہم مبالغہ پر محمول کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ آج مدارس دینیہ جو دین کے قلعے ہیں وہاں انتظامیہ اور ارباب اہتمام مدارس سے وابستہ ہونے والوں کی دماغی کیفیت اور فطری لیاقت کا جائزہ لیے بغیر، سب کے ساتھ یکساں سلوک کر رہے ہیں، جس کا ناخوشگوار نتیجہ ہم کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ ان کے وسائل، قربانیوں اور مجاہدات کا ایک بڑا حصہ ضائع اور بیکار ہو رہا ہے، اس سلسلے میں غور وفکر کر کے ایک مضبوط، مستحکم اور مفید وموثر نصاب اور نظام تعلیم مرتب کرنا اور اس کا خاکہ مرتب کر کے اس کو نافذ کرنا آج وقت کی بڑی ضرورت ہے۔

اس موضوع پر متعدد سیمینار اور سینکڑوں ورکشاف ہو چکے ہیں، اکابر اہل علم جن کی مدارس کے موجودہ نصاب تعلیم پر گہری نظر ہے ان کے قیمتی مقالات اور تحریریں اور تجزیے شائع ہو چکے ہیں۔ ہندوستان میں جن اکابر اہل علم کی نظر مدارس کے نصاب اور وہاں کے نظام تعلیم پر ماضی میں بہت گہری رہی اور اس سلسلے میں ان کے مخصوص آراء، تجاویز اور تجربات تھے ان میں حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ سب سے نمایاں تھے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ جو کہ بلا شبہ مدارس اسلامیہ کے حوالہ سے صاحب البیت

❖ کینیڈا

أدری بما فیه کے مصداق تھے۔ مولاناؒ کی ایک تحریر اس موضوع پر ہم حرف آخر تو نہیں کہہ سکتے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ اب تک اس سلسلے میں میری نظر سے جو تحریریں گزری ہیں ان میں سب سے زیادہ مفید اور جامع تحریر اور قیمتی رائے ہے، نیز تسلی بخش حل ہے۔ ضرورت ہے کہ مدارس کے ذمہ داران اس تسلی بخش حل پر غور کریں اور اس تجویز اور نظام تعلیم پر عمل کر کے مدارس کی افادیت کو دوبالا کریں، اگر اس پر عمل ہو جائے تو مدارس دینیہ سے معاشرے کو باصلاحیت افراد آسانی سے مل سکتے ہیں۔ مولانا مرحوم کی بیش قیمت اور گراں قدر تحریر ملاحظہ کیجیے۔

مولانا تحریر فرماتے ہیں: اگر ہم ان تنقیدوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں تو مدارس کے تعلیمی تدریسی طریقۂ کار میں کچھ اصلاحات ناگزیر ہیں۔ اصولی طور پر ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ ایک ہی نصاب تمام طلبہ کو پڑھانا نافع و مفید نہیں ہے، کیوں کہ مکمل عربی نصاب کی تدریس کے لائق جو طلبہ مدارس کا رخ کرتے ہیں ان میں بہ مشکل ۱۰ فیصد ایسے طلبہ پائے جاتے ہیں کہ اگر ان کو اساتذہ کی توجہ و عنایت حاصل ہو تو وہ آج بھی دیدہ ور ہو کر زمانہ کے چیلنج کو قبول کر سکتے ہیں۔ یہ طلبہ ذہین ہونے کے ساتھ علوم اسلامیہ کی طرف طبعی رجحان رکھتے ہیں، مدارس میں پڑھنا ان کی اپنی پسند و ترجیح ہوتی ہے، وہ کسی دباؤ میں آ کر مدرسہ کا رخ نہیں کرتے۔ اس لیے ارباب مدارس ایسے طلبہ کی دریافت و شناخت کریں اور ان کو سرمایہ سمجھیں، ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دیں، ان کے لیے وسائل علم مہیا کریں، ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھائیں، محنت و جفاکشی کی بھٹی پر تپائیں، کندن بنائیں، ان میں سے مفسر، محدث، فقیہ، ادیب، خطیب، متکلم، مؤرخ و سیرت نگار اور علوم اسلامیہ کے ہر فن کے حاذق و ماہر پیدا ہوں گے، جو دعوت و عزیمت کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیں گے۔ ملت اسلامیہ ہند کی آبیاری کے لیے ہر جگہ اول دستہ ثابت ہوں گے اور بحیثیت جماعت تجدیدی کارنامے انجام دیں گے، **لیظهره علی الدین کله** کی عملی تفسیر بنیں گے۔

طلباء کی دوسری قسم مدارس میں وہ ہے جو ذہین و فطین تو ہے، لیکن مدارس میں پڑھنا ان کا اپنا فیصلہ نہیں ہوتا بلکہ والدین اور سرپرستوں کا دینی ذوق انہیں دین پڑھنے پر مجبور کرتا ہے، اور وہ مدارس کی زندگی دباؤ میں رہ کر گزارتے ہیں، تجزیاتی مطالعہ کے مطابق ایسے طلباء کی تعداد ۲۵ سے ۳۰ فیصد پائی جاتی ہے۔ ان طلباء کو مدارس کا مکمل نصاب پڑھانا ان کے اوپر بوجھ مسلط کرنا اور ان کے وقت کو ضائع کرنا ہے۔ ان کے لیے ایک مختصر عربی نصاب چار سالہ تیار کیا جائے، تاکہ کم وقت میں ان طلباء کی فکری تربیت کے ساتھ علوم اسلامیہ سے یک گونہ مناسبت پیدا کی جا سکے، جس سے ان کی آئندہ زندگی پر دین کی چھاپ ہو اور وہ چاہیں تو اپنے طبعی ذوق کے مطابق علوم عصریہ کی تکمیل یونیورسٹیوں میں کر سکیں، یا طبیب و ڈاکٹر بن سکیں، البتہ اس طبقہ کے اندر دعوتی روح پھونکی جائے تاکہ معاشرہ کی اصلاح میں اہم رول ادا کر سکے۔

مدارس کے طلباء کی تیسری بڑی تعداد ایسی ہوتی ہے، جو نہ ذہین ہوتی ہے اور نہ اس کے اندر علوم حاصل کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ معاشی مجبوری، والدین کی خواہش اور معاشرہ کے دباؤ میں آ کر مدارس کا رخ مقصد سے بے نیاز ہوکر کرتی ہے، اور یہ تعداد ۵۰ سے ۶۰ فیصد تک پہنچ جاتی ہے۔ ان طلباء کو مدارس کا مکمل نصاب پڑھانا وسائل کا ضائع کرنا اور دینی علوم کے اعتبار کو کم کرنا ہے۔ کیوں کہ باوجود کوشش کے ان طلباء کا نصابی کتب سمجھنا اور کچھ حاصل کرنا ناممکن ہے، یہ طلباء رعایتی نمبروں سے ترقی کرتے کرتے فارغ ہوجاتے ہیں اور سند فراغت کا استحقاق بغیر حق کے پیدا کر لیتے ہیں، لیکن عملی زندگی میں علم سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہو پاتا ہے۔ لوگ انہیں عالم سمجھ کر ان سے مسائل کا حل چاہتے ہیں، تو یہ دامن بچاتے ہیں یا غلط رہنمائی کرتے ہیں اور بجائے نیک نامی کے بدنامی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ایسے طلباء کے لیے ہلکا آسان وچست نصاب اردو میں تیار کیا جائے جس میں قرآن کریم کی تصحیح اور حفظ، عام مسائل دین، تاریخ اسلام، حساب، انگریزی اور اردو زبان کی تعلیم کا نظام ہو، مزید مختلف محاضرات کے ذریعہ ان کی فکری تربیت کی جائے، تاکہ یہ علاقائی مکاتب، قصبات اور ان کے مضافات کی مساجد میں موذنی وامامت اور تدریس کے فرائض انجام دے سکیں۔ نہ ان کا وقت ضائع ہوا اور نہ مدارس کے وسائل کا غلط استعمال ہوا اور نہ لوگ ان کے بارے میں غلط فہمی کے شکار ہوں۔ ہمارے علم کے مطابق کہیں کہیں اس طرز کا اردو نصاب شروع بھی ہو چکا ہے۔ اگر اس طرز تعلیم کو رائج کریں تو ہر سال علماء کی ایک ایسی جماعت۔ خواہ مختصر ہی کیوں نہ ہو۔ پیدا ہوگی جو علوم دینیہ میں راسخ، نبوی اخلاق وکردار کی آئینہ دار، حکمت وموعظت کا مثالی نمونہ، امت کے لیے مثل باران رحمت ثابت ہوگی، جو دلوں کو تڑپانے، روحوں کو گرمانے، دماغوں کو علمی تابناکیوں سے منور کرنے میں علمائے کبار اور اسلاف کی یاد تازہ کرے گی۔(۱)

❖ ❖ ❖

(۱) ماہنامہ نوائے ہادی، اگست ۲۰۰۶ء

حضرت خطیب الاسلامؒ کی شخصیت

مزاج دعوت اور میدان دعوت کے تناظر میں

مولانا محمد اسامہ صدیقی ❖

حق تعالیٰ شانہ کو اس کائنات میں سب سے محبوب اور پسندیدہ شئے اگر ہے تو وہ کار دعوت ہے، جس کی خاطر اس کائنات میں ایک لاکھ چوبیس ہزار برگزیدہ ومنتخب انسانوں کی جماعت کا اصطفی فرما کر اسی کو ان کی زندگی کا مقصد حیات قرار دیا اور اسی میں ان کے فرض منصبی کو دائر فرما دیا، اس فرض منصبی کی ادائیگی اور کار رسالت کے حق ادا کرنے کی صورت میں نہ صرف نجات بلکہ بشارتیں سنائیں اور بالفرض عدم ادائیگی کی صورت میں گرفت اور وعیدیں نازل فرمائیں، ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰہِ اَحَدٌ وَلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا. اِلَّا بَلَاغًا مِنَ اللّٰہِ وَرِسَالَاتِہٖ وَمَنْ یَعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَھَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْھَا اَبَدًا. (۱)

(آپ فرما دیجئے کہ مجھ کو قطعا کوئی نہیں بچا پائے گا اللہ کے ہاتھ سے اور ہرگز ہرگز اس کے سوا کوئی ٹھکانہ مجھ کو نہیں مل سکتا، مگر یہ کہ اللہ کی طرف سے (اس فرض منصبی اور) کار رسالت کو پہنچا کر اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔)

اس کی تفسیر حضرت علامہ شبیر صاحب عثمانیؒ ترجمہ شیخ الہند میں کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ''اگر بالفرض میں (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے فرائض میں تقصیر کروں تو کوئی شخص نہیں جو مجھ کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے بچالے اور کوئی جگہ نہیں جہاں بھاگ کر پناہ حاصل کرسکوں یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام لانا اور اس کے بندوں کو پہنچا دینا یہی چیز ہے جو اس نے میرے اختیار میں دی اور یہی فرض ہے جس کے ادا کرنے سے میں اس کی حمایت اور پناہ میں رہ سکتا ہوں۔'' (۲)

مذکورہ بالا سورۃ الجن کی آیت کو راقم نے حضرت خطیب الاسلامؒ کے سامنے تلاوت کی اور اس کے

❖ ناظم جمعیۃ الامام محمد قاسم النانوتوی

(۱) سورۃ الجن

(۲) ترجمہ شیخ الہند تفسیر علامہ شبیر عثمانی سورۃ الجن، مجمع الملک فہد بن عبد العزیز، سعودیہ عربیہ

متعلق دریافت کیا، حضرت ٹیک لگائے محو گفتگو تھے آگے کو ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا ''یہ آیت دعوت الی اللہ کے تعلق سے اپنے اندر غیر معمولی حساسیت رکھتی ہے، کیوں کہ اس آیت کے اسلوب میں بڑی ہی شدت ہے اور اس کو ''لن'' کے ذریعہ مؤکد فرما کر تاکید اور در تاکید پیدا کی گئی، اگر صرف ''لن یجیرنی'' فرمادیا جاتا تب بھی اسلوب میں شدت پیدا ہو جاتی کہ مجھ کو ہرگز ہرگز کہیں پناہ ملنے والی نہیں ہے، صرف اس تاکید پر اکتفا نہ فرما کر اس کو مزید مؤکد فرمایا۔ ارشاد فرمایا وَلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا کہ پیغام رسالت اور کار دعوت کے بغیر مجھے ہرگز ہرگز روئے زمین پر کوئی ٹھکانہ ملنے والا نہیں ہے۔

حق تعالیٰ شانہ نے یہ اسلوب اپنے محبوب کے ساتھ اختیار فرمایا، گویا کہ حق تعالیٰ شانہ اپنے نبیؐ سے یہ فرما رہے ہیں کہ تم مزمل، مدثر، طٰہٰ، یٰس، رؤف الرحیم، ہمارے محبوب اسی وقت تک ہو جب تک کار دعوت سے وابستہ ہو اور اس فرض منصبی کو ادا کر رہے ہو۔ یعنی تم اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے محبوب، ہمارے منظور نظر اور ہماری حفاظت میں اس وقت تک ہو جب تک کہ تم اپنے فرض منصبی یعنی کار دعوت کو ادا کرتے رہو گے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری نصرت اور تائید اس وقت تک تمہارے شامل حال رہے گی جب تک تم ہماری طرف سے اپنے پر عائد ہونے والے فرض منصبی کو ادا کرتے رہو گے۔ اس آیت سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ کائنات میں سب سے محبوب چیز حق تعالیٰ شانہ کو یہی کار دعوت ہے اور اس عظیم کار رسالت کی خاطر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار مسائل و مشاکل اور تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑا، خلاصہ کلام یہ ہے کہ محبوب کی محبوبیت کو کار دعوت کی ادائیگی پر موقوف کر دیا گیا۔ (۱)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ اسلوب (بالفرض والمحال) اس کام کے نہ کرنے پر اختیار کیا گیا تو دیگر تمام انبیاء علیہم السلام تو اس آیت کے بدرجۂ اولیٰ مصداق ہوں گے، اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ کائنات میں حق تعالیٰ شانہ کے نزدیک سب سے محبوب چیز کار دعوت اور کار رسالت ہے، یعنی اللہ رب العزت کے پیغام کو انسانوں تک پہنچا دینا۔

مفسرین نے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس امت کی بقاء، اس کی حفاظت، اس کی سر بلندی، اس کی ترقی، تائید اور نصرت من اللہ یہ اس وقت تک ہی ممکن ہے جب تک یہ امت اپنے اوپر عائد شدہ فرض منصبی یعنی کار دعوت کے لیے کھڑی رہے گی اور جب یہ اپنا فرض منصبی اور مقصد حیات کو فراموش کر دے گی تو عزت و رفعت کا تاج اس کے سر سے اتار کر اس کو قعرِ مذلت میں ڈال دیا جائے گا۔ تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ امت نے جب تک اس فرض منصبی کو انجام دیا، اللہ نے اس کو عزت بخشی، جہاں گئے لوگوں نے انہیں خوش آمدید کہا، ان کے دین و مذہب کو قبول کیا اور ان کی حکمرانی بہ رضا و رغبت تسلیم کی۔

(۱) بیاض خود مجلس خطیب الاسلام

بقول اکبرالہ آبادی

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ میں چلنا چھوڑ دیا
جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر امید کا
جب صرصرِ عصیاں چلنے لگی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا(۱)

حضرت خطیب الاسلامؒ فرماتے ہیں:

''امت کو اس فرض منصبی سے مجرمانہ غفلت نے قعر مذلت میں پہنچا دیا'' پہلے دنیا ان سے مرعوب تھی، اب یہ دنیا سے مرعوب ہیں، پہلے دنیا پر ان کی حکمرانی اور سرداری تھی اب دنیا ان پر حکمرانی کر رہی ہے، اس عذاب سے سے نجات کی اب صرف ایک ہی صورت ہے کہ اہل اسلام اپنے مقصد حیات کو پہچانیں، غفلت سے بیدار ہوں اور پھر متحد ہو کر دعوت کے کام میں لگ جائیں، ارشاد باری ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنَاتِ وَالْهُدٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِیْ الْکِتَابِ اُولٰٓئِكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ. اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ.

جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایتوں کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم نے اپنی کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کر دیا ہے، ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے، مگر وہ لوگ جو توبہ کرتے ہیں اور اصلاح کریں اور بیان کر دیں تو میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔

اس آیت میں امت مسلمہ کی زبوں حالی کے بنیادی سبب کو بیان کیا گیا ہے، جب امت مسلمہ کے اکثر و بیشتر لوگ کار دعوت کو نظر انداز کر کے، مقصد حیات سے نظر ہٹانے لگیں گے، انسانیت کا وہ عظیم حق ادا کرنا چھوڑ دیں گے جس کی ذمہ داری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر قیامت تک آنے والے ہر مسلمان مرد اور عورت کو سونپی تھی اور اس ذمہ داری کو تفویض کرنے سے قبل اس کی حساسیت کو ''الا'' خبر دار ہو جاؤ، آگاہ ہو جاؤ، کان کھول کر سن لو جیسے کلمات کے ذریعہ بیان فرما کر یہ بھی بتا دیا تھا کہ جب بھی کوئی فرد، کوئی گھرانہ، کوئی خاندان، کوئی بستی اور کوئی معاشرہ امت مسلمہ کا اپنی اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا تو ذلت اس کا مقدر بن جائے گی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لفظ ''ألا'' فرمایا تو وہاں پر موجود تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمہ تن گوش متوجہ ہو گئے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) کلیات اکبر

ہم کو کسی بڑی اہم چیز کی طرف توجہ دلا رہے ہیں، وہ اہم بات 'فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغائب"

یعنی جو ذمہ داری اللہ نے مجھے سونپی تھی، اب میں تو تم سے عنقریب رخصت ہوا چاہتا ہوں۔ اب وہ ذمہ داریاں قیامت تک آنے والے ہر مسلمان مرد اور عورت کے سپرد کر کے جا رہا ہوں، کوتاہی مت کرنا۔" (۱)

بقول شاعر:

یہ دعوت ہی اوجِ زندگی کا قطب تارا ہے
یہی طوفانِ ظلمت میں مسلمانوں کا سہارا ہے

ایک مجلس میں حضرت خطیب الاسلامؒ نے اس عاجز سے فرمایا کہ قرآن کریم کا بنیادی موضوع ہی دعوت الی اللہ ہے، حتی کہ جہاد فی الاسلام بھی بطور تکملہ دعوت شروع ہوا، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"لا تقاتلهم حتى تدعوهم الى الاسلام" (۲)

"(اے فروہ!) ان (کافروں) سے قتال (جہاد) مت کرنا جب تک تم ان کو اسلام کی دعوت نہ دیدو۔" (۳) حضرت خطیب الاسلامؒ کے حدیث سنانے پر مجھ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ معمول یاد آیا، جس کو حدیث کی مختلف کتابوں میں نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کسی لشکر کو روانہ فرماتے تو اس کو ہدایت فرماتے:

تألفوا الناس ولا تغيروا عليهم حتى تدعوهم فما على الارض من اهل بيت مدر ولا وبر إلا تأتونى بهم مسلمين أحب إليّ من أن تاتونى بنسائهم وأولادهم وتقتلوا رجالهم. (۴)

(لوگوں کو قریب کر کے الفت پیدا کرو، ان پر اس وقت تک حملہ نہ کرو جب تک کہ ان کو دعوت نہ دیدو، روئے زمین پر کوئی کچا اور پکا مکان ایسا باقی نہ رہے کہ ان میں سے لوگ میرے پاس بحالت اسلام آئیں یہ میرے لیے زیادہ پسندیدہ ہے اس سے کہ "تم میرے پاس ان کی عورتوں اور ان کی اولادوں کو (قیدی بنا کر) لاؤ اور ان کے مردوں سے قتال کرو۔)

معلوم ہوا کہ مقصد جہاد نہیں بلکہ عبدیت اور معبودیت کا ٹوٹا ہوا جو رشتہ ہے اس کو دعوت اسلام کے ذریعہ استوار کرنا ہے، اس رشتہ کی استواری میں اگر کوئی چیز حائل ہو یا رخنہ ڈالے، اس حائل شدہ یا رخنہ ڈالنے والی چیز کو ہٹانے کے لیے جہاد کی مشروعیت ہوئی ہے، تو گویا کہ جہاد فی سبیل اللہ تکملہ دعوت ہے۔

(۱) مجلس خطیب الاسلام، غیر مطبوعہ از: راقم
(۲) حیاۃ الصحابہ باب الدعوۃ الی اللہ ص ۵۰) بحوالہ مسند احمد
(۳) مجلس خطیب الاسلام غیر مطبوعہ از راقم
(۴) کنز العمال، ج ۲، ص: ۲۹۴

اسلام ہی عالمی دین ہے

اس سلسلے میں حضرت خطیب الاسلامؒ ڈاکٹر مولانا محمد اویس صدیقی نانوتوی کی کتاب ''دعوت دین کے اصول، قرآن وحدیث کی روشنی میں'' کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں

''اسلام عالمی دین ہے، عالمی دین صرف وہی ہوسکتا ہے جو تمام دنیا کے ان انسانوں کو اپنا مخاطب بنائے جو اپنے مختلف وطنوں، خطوں، زبانوں، تہذیبوں، تمدنوں، ملکوں، معاشرتوں، مذہبوں، نظریات، افکار، معیاروں، فکری کسوٹیوں اور ذہنی میزانوں کے حامل ہوتے ہیں۔ اسی لیے کسی عالمی فکر یا عالمی دین کے لیے انسانی بنیادوں پر یہ ضروری ہے کہ وہ ہر معیار پر، ہر کسوٹی پر اور ہر ذہنی ترازو پر کھرا ثابت ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اور تمام انسانی طبقات کو اپنے معیاروں، کسوٹیوں اور میزانوں پر اس کو جانچنے کی کھلے عام اجازت دیتا ہو۔ انسانی عقل وشعور کے تراشیدہ افکار، یا ترمیم واضافہ کردہ مذاہب یقینی طور پر نہ تمام معیاروں پر پرکھے جانے کے قابل ہوتے ہیں اور نہ ہر کسوٹی پر ان کا کھرا ثابت ہونا ممکن ہوتا ہے۔ اسلام اپنی اس بنیادی وعالمی اور قطعی خصوصیات میں اس یکتائی اور بے مثالی کا حامل ہے کہ جس کے بارے میں یہ تو ممکن ہے کہ کچھ کج فطرت انسان اسے قبول نہ کریں، لیکن یہ ممکن نہیں کہ جن واضح نا قابل انکار اور مطابق فطرت حقیقتوں میں وہ قائم ہے ان کا کوئی صحیح العقل انکار کردے۔ اسلام کی تابناک ماضی اس پر شاہد عدل ہے کہ اس عالمی دین اسلام کو لاتعداد اقوام عالم نے اپنے اپنے بے شمار معیاروں پر پرکھا، اپنی اپنی کسوٹیوں پر جانچا اور اپنی اپنی فکری میزانوں پر تولا، لیکن بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ صرف اسلام ہی وہ دین ہے کہ جو ہر معیار وکسوٹی پر کھرا ثابت ہوا اور آج تک ہو رہا ہے، قبول نہ کرنا تو علاحدہ بات ہے، لیکن اسلام سے بغض وعناد رکھنے والے اپنی ہزارہا کوششوں کے باوجود اس کو کھوٹا ثابت نہ کرسکے، جس کی واحد وجہ صرف یہی ہے کہ یہ خدائی دین ''اسلام'' نا قابل انکار، نا قابل تبدیل اور نا قابل شکست حقائق پر قائم ہے۔

اس کا کوئی تعلق وقت سے بدل جانے والے افکار ونظریات، بے ثبات خیالات واوہام سے قطعا نہیں ہے۔'' (۱)

مذکورہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ اب دنیا میں صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسانی نفسیات کے خارجی وداخلی ہر تقاضہ کو پورا کرتا ہے، اس کے علاوہ دنیا کے تمام مذاہب افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ وہ عقل انسانی اور نفس انسانی کو مطمئن کرنے اور ان کے حقوق کی سپردگی سے قاصر ہیں۔ برخلاف مذہب اسلام کے کہ وہ تو ہر چیز کو معقول بنیاد پر پیش کرتا ہے، جس کو نظریات انسانی قبول کرتی ہے اور اس کا حق بھی دیتا ہے۔

(۱) مقدمہ دعوت دین کے اصول قرآن وحدیث کی روشنی میں ص ۱۸، ۱۹

بقول حضرت خطیب الاسلامؒ:

”اسلام میں عقلی اجازت بھی ہے اور نقلی اجازت بھی ہے۔ یہ خصوصیت صرف اسلام کی ہے۔“(۱)

الفضل ماشهدت به الاعداء

جارج برنارڈ شاہ کے اسلام کے بارے میں دو جملے

اعتراف کی حقیقت یہ ہے کہ دشمن بھی آپ کے فضل و کمال کے معترف ہو جائیں اور آپ کی عظمتوں کے گن گانے لگیں، اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے ہر زمانے میں اپنے دشمنوں کی گردنوں کو جھکا کر معترف بنا دیا کہ قابل قبول اور قابل عمل مذہب دنیا میں صرف اور صرف اسلام ہی ہے۔ یہاں پر مجالس خطیب الاسلامؒ کے حوالے سے انگلینڈ کے مشہور ادیب جارج برنارڈ شاہ کے اسلام کے متعلق دو جملے نقل کر دوں، حضرت خطیب الاسلامؒ فرماتے ہیں ”اسی لیے (یعنی اسلام کی ہر چیز عقلی اور نقلی دلائل سے مدلل ہے) وہاں کا جو سب سے بڑا ادیب تھا جارج برنارڈ شاہ انگلینڈ کا رہنے والا وہ بہت ذہین قسم کا آدمی تھا، اس لیے کہ اس نے مطالعہ کیا تھا اسلام کا، اسلام تو قبول نہیں کیا تھا اس نے، البتہ دو جملے کہے تھے، اس نے کہا کہ میں نے تمام مذاہب کا مطالعہ کیا اور اسلام کا بھی مطالعہ کیا تو میں سمجھتا ہوں کہ اپنے انتظام اور انصرام کے اعتبار سے جتنا مکمل ترین اور اعلیٰ ترین اور مضبوط ترین مذہب اسلام ہے، دنیا کا کوئی مذہب اتنا کامل اور مکمل مذہب نہیں ہے۔

اور دوسری بات اس نے یہ کہی کہ دنیا میں سب سے ناقص ترین قوم جو ہے وہ مسلمان ہے، اس لیے کہ جس اسلام کا میں نے مطالعہ کیا ہے وہ اسلام ان مسلمانوں کے یہاں نظر نہیں آتا ہے اور تیسری بات اس نے یہ کہی کہ آج سائنس، ٹیکنالوجی اور مادے کا کوئی حساب نہیں رہا، اس کا اگر کوئی ساتھ دے سکتا ہے تو وہ صرف اسلام ساتھ دے سکتا ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب ساتھ نہیں دے سکتا۔“(۲)

بہر حال، اسلام ہی ایک ایسا جامع و کامل نظام ہے جو انسان کی ہر ضرورت کو پورا کر کے اس کے قلب کو سکون و راحت پہنچا سکتا ہے، اس کے بغیر ہر ترقی، تنزلی کی طرف لے جانے والی ہے، اسی وجہ سے قرآن کریم نے دوٹوک اعلان فرمادیا 'ان الدين عند الله الاسلام' اور **وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ** (۳)

یہ ابدی پیغام امت محمدیہ کے ہر فرد کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے۔ اس طرح کا یہ دوٹوک

---

(۱) مجالس خطیب الاسلام ص ۱۸۱　(۲) ایضاً ص ۱۸۱، ۱۸۲

(۳) آل عمران: ۸۵

اعلان یا دعویٰ کسی اور مذہب نے نہیں کیا، کیوں کہ تمام مذاہب وادیان سوائے اسلام کے چند مخصوص تقالید، عبادت اور رسوم ورواج کے مجموعہ کا نام ہیں، جن کا واقعاتی زندگی اور حقائق زندگی سے کوئی علاقہ نہیں رہا، یہی وجہ ہے کہ وہ اوران کے ماننے والے مختلف انداز سے افراط وتفریط کا شکار ہیں۔

مزاج دعوت اور خطیب الاسلامؒ

حضرت خطیب الاسلامؒ کی شخصیت کا اگر منصفانہ تجزیہ کیا جائے تو تجزیہ نگار بلا تامل یہ فیصلہ کرے گا کہ آپ کی ذات ان تمام داعیانہ صفات سے متصف تھی جو ایک داعی کے لیے لازم ہیں، حضرت خطیب الاسلامؒ نے ایک مجلس میں راقم سے داعی کی صفات کے متعلق فرمایا تھا کہ ''ایک داعی میں فکری اعتبار سے آسمان جیسی بلندی ہو، بادشاہ جیسا دماغ ہو (جو بروقت فیصلہ کر سکے)، پہاڑ جیسی استقامت ہو، سمندر جیسی گہرائی و گیرائی ہو (جو اچھے اور برے کو اپنے میں سمو لیتا ہے) یعنی سمندر جیسا حلم ہو اور زمین جیسی تواضع ہو۔ ان صفات سے متصف انسان دعوت دین کے کام کو ہمیشہ وہی انجام دے سکتا ہے، ورنہ بصورت دیگر اس کی دعوت میں جھول رہے گا۔

اسلامی دعوتی مزاج کیسے بنائیں، اس سلسلے میں حضرت خطیب الاسلامؒ میرے بھائی جان جناب ڈاکٹر مولانا محمد اویس صدیقی نانوتوی کی کتاب ''آیئے اسلامی دعوتی مزاج بنائیں'' کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''اسلامی دعوتی مزاج بنانے کی کوشش عصر رواں میں ایک برمحل اور انتہائی ضروری کوشش ہے، اس لیے کہ اسلام کا اصل اور اولین موضوع دعوت ہی ہے، پھر اسلامی دعوتی مزاج بنانے کے لیے داعی کا دعوت پر عامل ہونا بھی ضروری ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار صحابہ کرام کو علماء کی تعلیم دعوت کا اور تربیۂ عمل دعوت کا نمونہ بنا کر دعوت کے کام پر مامور فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ من جانب اللہ چوں کہ تمام داعیانہ صفات علماً وعملاً موصوف تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہونے والی ہر حرکت وسکون بذات خود نمونہ دعوت ہوتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے من جانب اللہ متعین کردہ حقیقی اساس دین 'قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ، علی بصیرۃ أنا ومن اتبعنی کو قرار دیا، اور حجۃ الوداع کے الہامی جامع خطبہ میں بلا استثناء تمام قائلین لا الہ الا اللہ کے لیے اس فریضہ کو لازم فرما دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کو تمام اعمال میں اولیت دی اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ''دور دعوت'' ہے۔ صحابہ کرامؓ کا پورا دور بھی نبوی تربیت سے دور دعوت ہی رہا، پھر نہ صرف خلفاء راشدین کا پورا دور، دور دعوت رہا بلکہ تابعین تک بھی منہاج نبوت پر یہ سلسلۂ دعوت اسی طرح جاری اور برقرار رہا اور پورے دور

دعوت میں تعلیم و تعلم، طاعات و عبادات، ذکر و تلاوت کے تمام امور رہے، لیکن یہ سب کے سب دعوت کے ضمن میں بنی رہے۔ اس کے بعد دین، فطرت اسلام کی نا قابل انکار صداقت و حقانیت کی پُر تاثیری سے مختلف مذاہب واقوام متاثر ہو کر بگوش اسلام ہوتی رہیں۔

ان نو مسلم اقوام کی جانب سے اپنے سابق ادیان کے عقائد مسلمات سے پیدا شدہ سوالات کے آئینی طور پر جواب دہی اس لیے لازم بن گئی کہ جوابدہی نہ کرنے کی صورت میں ان کے اسلام پر ایمان و یقین میں ضعف کے پیدا ہونے کا خطرہ تھا، اس ضرورت نے فکری رخ میں تبدیلی پیدا کی اور نتیجتاً علم و اجتہاد مقدم ہو گیا اور دعوت مخصوص دائرے میں محدود ہو کر ثانوی درجہ میں آ گئی، اس علم واجتہاد کے غلبہ کے دور میں تدوین قانون فقہی کی تکمیل ہوئی، لیکن دعوت ذکر و طاعات عبادات اور علم واجتہاد، ضمنی طور پر باقی رہی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی اشاعت میں نہ پہلی سی کثرت باقی رہی اور نہ قوت، لیکن علم واجتہاد میں زبردست اور تاریخ ساز ترقیات ہوئیں۔

عہد عباسی میں علم واجتہاد نے بھی منزل اضمحلال کو چھولیا، تھوڑے بہت لوگ دعوت میں مصروف اور کچھ علم واجتہاد میں مشغول رہے، لیکن یہ دعوت اور علم واجتہاد چوں کہ دونوں اب ہمہ وقتی نہیں رہ گئے تھے، اس لیے اہل فکر نے عوامی سطح پر دینی بے اعتنائی کے خطرے کو ملحوظ رکھ کر ذکر و طاعات، اشغال و اوراد، بیعت و ارشاد کو شان اہتمام دیدی اور دین داری کے معنی اس دائرہ میں محدود ہو کر رہ گئے، جس کے لیے اگر یہ تعبیر اختیار کی جائے کہ اسوۂ نبوت میں دعوت اصل تھی اس کے ضمن میں علم بھی تھا، اور ذکر و طاعات بھی، لیکن آج ذکر و طاعات اصل قرار پا گئیں، اور دعوت و علم اس کے ضمن میں آ گئے۔

عہد اول میں دینی بقا و ارتقاء کے لیے سب سے زیادہ مہتم بالشان عمل و دعوت رہا، جب کہ آج وسائل ابلاغ کی کثرت و سہولت کی موجودگی میں دعوت کے وسائل عہد ماضیہ کے مقابلے بے حد وحساب زیادہ ہیں، لیکن طویل ترین مدت سے غیر معمولی اہتمالی حیثیت اذکار و طاعت اور بیعت و ارشاد کو حاصل ہے، اور دعوت ضمنی ہو گئی ہے۔

اس اعتراف کے ساتھ دعوت، علم واجتہاد اور ذکر و طاعات اور بیعت و ارشاد تینوں ہی دین کے شعبے ہیں لیکن عہد اول میں فرق مراتب ان میں رکھا گیا تھا آج وہ فرق بظاہر محسوس نہیں ہوتا، جو یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ آج کا طرز و طریق بقائے دین عہد اول کی بقاء اور ارتقاء دین کے دعوتی طرز و طریق کے مطابق یا مختلف یا اس طرز و طریق کے قریب یا اس سے بعید ہے۔

آج ملت اسلامیہ کے ارباب فضل و کمال کی اس پر خصوصی اجتماعی اور فیصلہ کن توجہ کی آرزومند ہے(۱)

(۱) مقدمہ، آیئے اسلامی دعوتی مزاج بنائیں از خطیب الاسلام غیر مطبوعہ

مذکورہ بالا اقتباس میں حضرت خطیب الاسلامؒ نے سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ذکر فرمائی کہ اسلام کا بنیادی اور اصل موضوع ہی دعوت الی اللہ ہے۔

دوسری بات فرمائی ہے کہ داعی کا اپنی دعوت پر عمل پیرا ہونا اس کی دعوت کے مؤثر ہونے کے لیے لازم ہے بغیر عمل کے دعوت اثر انداز نہیں ہوگی۔ کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس چوں کہ تمام داعیانہ صفات سے علماً وعملاً موصوف تھی اس لیے ہر داعی کے لیے ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اپنی دعوت پر عمل پیرا رہے۔

تیسری بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کار دعوت کو حجۃ الوداع کے الہامی خطبہ میں ہر مسلمان مرد وعورت کا فرض منصبی قرار دیا۔

چوتھی بات فرمائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کا پورا دور دور دعوت رہا، یعنی تمام صحابہ کرامؓ کے تحت الشعور میں یہ بات تھی کہ ہماری اصل، ہماری بنیاد، ہمارا نظام اور مزاج دراصل دعوت الی اللہ ہے اور اسی میں ہماری ترقی مضمر ہے۔

پانچویں بات حضرتؒ نے فرمائی کہ دعوت اصل بنیاد تھی اور اس کے ضمن میں تعلیم وتعلم، ذکر و اذکار، طاعات وعبادات کا نظام تھا۔ یعنی تمام صحابہ وصحابیات کا مزاج دعوت تھا وہ جہاں جاتے، جہاں رہتے، سفر ہو یا حضر اپنے فرض منصبی اور اپنی اصل سے یک لحظہ کے لیے غافل نہ ہوئے۔ بعد کے دور میں یہ تبدیلی آئی کہ اصل کو فرع بنالیا اور جو اعمال فرع کا درجہ رکھتے تھے ان ہی کو اصل قرار دے دیا گیا۔

چھٹی بات حضرت نے یہ فرمائی کہ آج پھر ملت اسلامیہ کو ایسے ارباب فضل وکمال کی ضرورت ہے جو حضرات خاص طور پر اپنی توجہ اس کی طرف مبذول کریں کہ اپنے فرض منصبی اور مقصد حیات کو سامنے رکھیں اور جو ذمہ داری خیر امت کو سونپی گئی اس کو قرنِ اول ہی کی طرح ادا کرنے کی کوشش کریں اور لوگوں کا مزاج بنائیں کہ دعوت الی اللہ ان کی زندگی کا مقصد حیات ہے۔ مسلمان جہاں کہیں بھی ہیں وہ داعی ہیں، ہر حال میں دعوت الی اللہ اس کا مشغلہ ہونا چاہیے۔

مسلمانوں یہ درس زندگی جب تک نہ بھولو گے
جہانِ کامرانی میں پھلو گے اور پھولو گے

یہ چند باتیں مزاج دعوت کے تعلق سے عرض کردی گئیں، حضرت خطیب الاسلامؒ کی تو پوری زندگی مزاج دعوت بنانے ہی سے عبارت رہی، گاؤں گاؤں قریہ قریہ اور بستی بستی جا کر لوگوں کو پیغام حق سنایا، لاکھوں کی اصلاح ہوئی، لاکھوں آپ کے دست مبارکہ پر بروقت تائب ہوئے، لاکھوں کے لیے ذریعہ ہدایت بنے، آپ کے ذریعے بے شمار اور لاتعداد لوگ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور مزاج دعوت سے ہم

آہنگ ہوئے۔ لاکھوں کو جہالت کے اندھیروں سے نکالا، بہت سے گھرانے بلکہ بے شمار خاندان آپ کی فکر سے مستنیر ہوکر دین دار بن گئے، اسی طرح نہ جانے سفر وحضر میں کتنے ٹوٹے ہوئے دلوں کے درد کا درماں بنے، اور کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن میں یتیم، مسکین، نادار اور بیواؤں کا سہارا بنے۔ حضرت خطیب الاسلامؒ نے ایک کاپی اس عاجز کو دکھائی۔ جس میں سال، ماہ اور تاریخ کے ساتھ ساتھ بیوواؤں کے ترتیب سے نام لکھے ہوئے تھے، جن کو حضرت ہر ماہ وظیفہ دیتے تھے۔ میں نے بارہا دیکھا کہ حضرت کے پاس غمزدہ لوگ اپنے اپنے درد کا دکھڑا آ، آ کر سناتے اور حضرت ان کی پریشانیوں کو بغور سماعت فرماتے اور پھر حسب حال مناسب علاج یا حل تجویز فرمادیتے، اگر کوئی مدد کا خواہاں ہوتا تو حضرتؒ آخری حد تک اس کی مدد فرماتے، حضرت کی زندگی کا چوں کہ بیشتر حصہ میدان دعوت میں گذرا اس لیے میدان دعوت کے تناظر میں آپ کی شخصیت کو درج ذیل سطور میں مختصراً بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ اور میدان دعوت

راقم الحروف نے حضرتؒ کی زندگی کو بہت قریب سے دیکھا، میں نے محسوس کیا کہ حضرت کو جس طرح دعوت الی اللہ کے موضوع پر فنی اعتبار سے دسترس حاصل تھی۔ میدان دعوت اور عملی اعتبار سے بھی حضرتؒ کے بے شمار تجربات تھے، یہ تجربات خود کتاب کا مستقل عنوان بن سکتے ہیں، خود میرے ساتھ حضرت کے بہت سے دعوتی تجربات ہیں، میرا معمول یہ تھا کہ اپنے دعوتی اسفار کی کارکردگی اور پیش آمدہ اہم واقعات کا تذکرہ حضرت سے کرتا تو حضرت بڑا اظہار مسرت فرماتے اور قابل اصلاح چیزوں کی اصلاح فرمادیتے۔

غالباً یہ واقعہ ۲۰۱۳ء کا ہے، میرا ایک سفر حیدرآباد کا تھا۔ راستے میں میرے جو ہمسفر تھے وہ ایک فیملی برادران وطن کی تھی، میں نے بہت چاہا کہ ان کو دعوت دوں کیوں کہ ان سے اس مختصر مدت میں بہت اچھے مراسم ہوگئے تھے، میں بار بار سوچتا رہا کہ ان سے اسلام کے متعلق گفتگو کرکے ان کو اسلام کی دعوت دوں، سفر بھی تقریباً ۲۵ گھنٹے کا تھا، مگر نہ جانے اس روز کیا ہوا کہ جب بھی سوچتا کہ ان کو دعوت دوں اس میں الجھ جاتا اپنی بات اور گفتگو کا آغاز کیسے کروں، مگر افسوس میں ان کو دعوت نہ دے سکا۔

مجھے اس پورے سفر میں شدت سے اس کا احساس ہوتا رہا کہ آخر معاملہ کیا ہوا؟ میں چاہ کر بھی ان کو پیغام حق سنا نہ سکا۔ بہر حال میں نے اس واقعہ کا حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے تذکرہ کیا اور اپنی پوری کیفیت کو بیان کیا، حضرت نے فرمایا کہ اس میں تعجب خیز بات کیا ہے؟ دعوت کا یا پیغام حق پہنچانا ہمارے بس کی بات نہیں، جب تک کہ توفیق من اللہ شامل حال نہ ہو، اس پر حضرتؒ نے مزید فرمایا ”یہی وجہ

ہے کہ داعی کے لیے جس کو وہ اپنی دعوت کا نشانہ بنائے اس کے حق میں سب سے پہلے تہجد میں اٹھ کر اللہ سے دعا کرے کہ اللہ اس کو ہدایت دیدے اور اپنی عاجزی کا اس طرح اظہار کرے کہ ذرہ برابر بھی اپنے نفس پر اعتماد نہ ہو پائے، **ولا تکلنی الی نفسی طرفة عین**، پر نظر رکھے۔

حضرت نے ان مختصر جملوں میں ایسی دعوتی رہنمائی فرمائی کہ سارا خلجان کافور ہو گیا۔

دعوت کی تین نوعیتیں ہیں:

جب آپ میدان دعوت میں جائیں گے تو آپ کو تین طرح کے لوگوں سے سابقہ پڑے گا۔

حضرت فرماتے ہیں؛ ''قرآن مجید نے دعوت کی تین نوعتیں بیان فرمائی ہیں مگر وہ بھی اصولی ہیں اس میں طریقہ متعین نہیں کیا (۱) **اُدع الی سبیل ربك بالحكمة** (۲) **والموعظة الحسنة** (۳) **وجادلهم بالتي هي أحسن**، تو حکمت، موعظت اور مجادلت یہ تین نوعتیں ہوئیں، اس لیے کہ دنیا میں انسانوں کی قسمیں بھی تین ہیں۔'' (۱)

یہ دعوت الی اللہ کے اصول ثلاثہ ہیں جن کی رعایت ہر داعی کو میدان دعوت میں رکھنی ضروری ہے۔ ورنہ اس کی دعوت غیر مؤثر ثابت ہوگی۔ حضرت خطیب الاسلامؒ ایک مجلس میں ان تینوں اصول ثلاثہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''درحقیقت دعوت کے لیے تین چیزوں کا ذکر کیا ہے (۱) حکمت (۲) موعظہ حسنہ (۳) مجادلہ، قرآن کریم نے یہ تین چیزیں مخاطبین کی تین قسموں کی بناء پر ذکر کی ہیں۔ دعوت بالحکمہ، اہل علم وفہم کے لیے، دعوت بالموعظہ، عوام کے لیے، مجادلہ ان لوگوں کے لیے جس کے دلوں میں شکوک وشبہات ہوں یا جو عناد اور ہٹ دھرمی کے سبب بات ماننے سے منکر ہوں۔'' (۲)

حضرتؒ نے کسی مجلس میں راقم سے یہ بھی فرمایا تھا کہ اصول دعوت اصل میں دو ہی چیزیں ہیں، حکمت اور موعظت، تیسری چیز مجادلہ، اصول دعوت میں داخل نہیں، ہاں طریق دعوت میں کبھی اس کی بھی ضرورت پیش آجاتی ہے۔

طریقہ دعوت متقضائے حال اور مدعو کے اعتبار سے

جب داعی میدان دعوت میں جاتا ہے تو اس کو اپنے مدعو کے حالات، اس کے وقت اس کے ماحول اور اس کے مزاج کی رعایت رکھنی ضروری ہوگئی ورنہ وہ اپنی دعوت کو بے اثر بنادے گا۔ حضرت خطیب الاسلامؒ ایک مجلس میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں جیسا کہ آدمی سامنے مخاطب ہوگا ویسے ہی

(۱) مجالس خطیب الاسلام ص ۲۰۷، دار الاشاعت حیدر آباد　　(۲) ایضاً، ص ۲۱۵

دعوت کے طریقے ہوں گے، ایک اپنی جو سادہ لوح ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ اور اس کے رسول کا نام لیا گیا تو وہ گردن جھکا دیتے ہیں۔ وہ ہیں۔ ان کے مطالبات نہیں ہوتے ہیں بس وہ حکم ماننا چاہتے ہیں کہ شریعت کا حکم، معلوم ہو جائے تو ان کے لیے موعظت ہے کہ وعظ و نصیحت کر دو ان کے لیے کافی ہو جائے گی اور بعضے حجت پسند ہوتے ہیں یعنی کٹ حجت کو جب تک ان کے مسلمان سے ان پر حجت قائم نہ ہو وہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، تو ان کے لیے مجادلہ رکھا اور مجادلہ کا ڈھنگ علمی انداز پر ہو۔ اکھڑ پن نہ ہو۔ پھر اس کا خیال رہے کہ اس میں سخت کلامی نہ ہو بلکہ معروف طرز پر ہو اور نرم کلامی ہو۔ محبت اور لین کا پہلو اختیار کیا جائے۔

ان کے مسلمات سے ان پر حجت قائم کرو، دین کے مسلمات ان کے یہاں زیادہ نہیں ہیں کیوں کہ دین سے مناسبت کم ہے، اور عقل سے زیادہ ہے، اسی ڈھنگ سے ان کو دین پر لایا جائے، جیسے احادیث میں مختلف طریقے (وارد ہوئے) ہیں۔ (جیسے بعض حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بعض شرائط کے ساتھ اسلام قبول کرنے آئے) بعض نے شرط لگائی کہ ہم تین وقتوں کی نمازیں نہیں پڑھیں گے، صرف دو وقت کی نماز پڑھیں گے۔ آپ نے (بمقتضائے حکمت) قبول فرمایا۔ بعض نے کہا کہ ہم چار گناہ کرتے ہیں تین تو چھوڑ دیں گے مگر ایک نہیں چھوڑیں گے، آپ نے (بمقضائے حکمت) مان لیا، یہ حکمت کا طریقہ تھا، تو جیسا مخاطب ہو اس کے مناسب حال دعوت دی جائے۔ اب یہ کہ اس حکمت کا انداز کیا ہوگا وہ مخاطب اور متکلم پر موقوف رہے، جیسے اس زمانے کے حالات اور نفسیات ہوں ان کے لحاظ سے دی جائے۔ (۱)

حضرت خطیب الاسلامؒ کے مذکورہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقتضائے حال اور مدعو کی نفسیات کا خیال رکھے اور یہ بات داعی کی بصیرت پر موقوف کرتی ہے کہ کس وقت میں کونسا نسخہ مدعو کے مرض کے لیے کارگر ہوگا۔ اور اس کے مرض کا کس طرح استیفال کیا جائے گا۔

ایک مرتبہ راقم نے حضرتؒ کو اپنی دعوتی روئیداد سنائی کہ: ایک سردار جی ہمارے یہاں تشریف لائے، وہ ایک مہمان کو لے کر اپنی گاڑی سے آئے تھے، کرائے پر گاڑی چلاتے تھے۔ میں نے مناسب سمجھ کر ان کو اسلام کی دعوت پیش کی، انہوں نے میری بات کاٹ کر اپنی شروع کر دی، میں نے ان کو مقصد پر لانے کی کوشش کی، مگر انہوں نے دوبارہ پھر میری بات کو کاٹ کر اپنی سنانی شروع کر دی، میں سمجھ گیا کہ سکوت اختیار کیا جائے یہ کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ وہ دراصل ایک اصول پسند ڈرائیور واقع ہوئے تھے اور وہ اپنی گاڑی چلانے اور ڈرائیونگ کے اصول بیان کرنا چاہتے تھے، میں ان کی گاڑی ہی میں بیٹھ گیا اور خاموشی اختیار کی، اب انہوں نے اپنے ڈرائیونگ کے اصول اپنی گاڑی کی نظافت، گاڑی میں جانے والوں کو

(۱) مجالس خطیب الاسلام ص ۲۰۸، ۲۰۹

گاڑی میں بیٹھنےسے قبل ہدایات۔ اسی طرح سواری میں کوئی پان کھانے والا نہ ہو، گٹکا کھانے والا نہ ہو، لوکل راستوں میں گاڑی اتنی اسپیڈ اور رفتار پر اتنی رکھتا ہوں، ہائی وے پر رفتار یہ رہتی ہے، میں جب بھی گاڑی روکتا ہوں تو سب سے قبل گاڑی پر کپڑا مارتا ہوں، اسی طرح روزانہ اپنی گاڑی کو دھوتا ہوں، پھر خود میں نہاتا ہوں، اسی طرح گاڑی اور ٹیک کپ کرتا ہوں، غرض یہ کہ میں نے پورے سوا گھنٹے تک ان سردار جی کے یہ اصول سنے، جب وہ اپنے اصول سنا چکے تو مجھ سے بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ بھائی صاحب! آپ پہلے شخص ہیں جس نے میری بات کو بڑے سکون واطمینان اور محبت سے سنا۔ میری بات کو کوئی نہیں سنتا، پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کچھ کہہ رہے تھے۔ میں نے ان کو نہایت اختصار کے ساتھ توحید، رسالت اور آخرت کے بارے میں بتایا اور ان کو اسلام قبول کرنے کے لیے کہا۔ وہ اس قدر خوش تھے کہ انہوں نے فوراً ہی کلمہ شہادت پڑھ لیا، میں نے ان کو پاکی کے بارے میں بتایا وہ فرمانے لگے اب تو اس طرح ہی ہوگا جس طرح آپ چاہیں گے۔ بہرحال یہاں پر خاموشی اور سکوت نے وہ کام کیا جو گفتگو کے ذریعہ نہ ہوسکا۔

اس واقعہ کا تذکرہ جب میں نے حضرتؒ کے سامنے کیا تو حضرت نے فرمایا کہ: ''میدان دعوت میں بعض جگہوں پر سکوت واجب ہوجاتا ہے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی مرتبہ کفار ومشرکین مکہ کو کوئی جواب نہ دیا بلکہ سکوت فرمایا۔'' (یہ واقعہ ۲۰۱۱ء کا ہے)

ایک مجلس میں عاجز نے اپنے اس ارادہ کا اظہار کیا کہ چند فلمی اسٹار ہیں، میں ان کو دعوت اسلام دینا چاہتا ہوں، اس سلسلے میں کچھ نصیحت فرمادیں۔ حضرت نے اس پر فرمایا کہ ''جب آپ میدان دعوت میں جائیں تو سب سے پہلے حکمت سے مخاطب کے حالات کا جائزہ لے کر اس کے مناسب کلام تجویز کرنا ہے، پھر اس کلام میں ہمدردی وخیرخواہی، محبت والفت کا جذبہ کارفرما ہو، اسی کے ساتھ ایسے شواہد اور دلائل ان کے سامنے پیش کرے جن سے مخاطب مطمئن ہوسکے۔ اور طرز کلام و بیان اتنا مشفقانہ اور نرم ہو کہ مخاطب کو اس کا یقین کامل ہوجائے کہ جو کچھ کہہ رہے ہیں میری ہی مصلحت اور خیرخواہی کے لیے کہہ رہے ہیں۔ مجھے شرمندہ کرنا یا میری حیثیت کو مجروح کرنا ان کا مقصد نہیں۔''(۱)

دعوت کی روح

حضرت خطیب الاسلامؒ نے فرمایا کہ ''دعوت کی روح دو چیزیں (۱) ذکر اللہ کی کثرت (۲) دعوت وتبلیغ میں ہر مخاطب اور ہر موقع کے مناسب کلام کرنے میں حکیمانہ اصول اور عنوان وتعبیر میں جو حکمت و مصلحت کی رعایتیں بھی جو انبیاء علیہم السلام نے اختیار فرمائی ہیں اور دعوت الی اللہ کو مقبول ومؤثر اور پائیدار

(۱) مجلس حضرت خطیب الاسلام غیر مطبوعہ ۲۰۱۲ء

بنانے کے لیے جو طرز عمل اختیار فرمایا ہے درحقیقت وہی دعوت کی روح ہے۔ جن کی تفصیلات تمام تعلیمات نبوی میں پھیلی ہوئی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت میں اس کا غیر معمولی لحاظ رہتا تھا کہ مخاطب پر بار نہ ہونے پائے۔ حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کے بعض ایام ہی میں وعظ فرماتے تھے تاکہ ہم اکتا نہ جائیں اور دوسروں کو بھی آپ کی طرف سے یہی ہدایت تھی۔(۱)

داعی کے لیے میدان دعوت میں ان دونوں باتوں کا خیال رکھنا از حد ضروری ہے، تاکہ دعوت میں تاثیر پیدا ہو، ذکر اللہ کی برکت سے شیطان کو مدعو کے سر پر ناچنے کا موقع میسر نہیں آئے گا، اور اپنی بات کو حکمت کے ساتھ پیش کرنے سے مدعو قبولیت حق کی طرف مائل ہوگا، اس لیے حضرت نے فرمایا کہ یہ دونوں باتیں میدان دعوت میں روح اور بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

تبلیغ اسلام میں صوفیائے کرام کا طریقہ کارگر ثابت ہوا

فرمایا: ہندوستان میں تبلیغ اسلامؒ کے سلسلے میں اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام کا طریقہ بڑا کارگر ثابت ہوا، انہوں نے پہلے اپنے آپ کو اپنی مدعو قوم کے لیے نافع بنایا، خدمت خلق کے جذبہ کے ساتھ ان کی راحت رسانی کا خیال فرمایا اور ان کو اپنے اتنا قریب اور مانوس کرلیا کہ ان کی زبان سے نکلا ہوا کلمہ ان کے لیے حرف آخر ہوتا، چناں چہ ان حضرات نے جذبہ خیر خواہی کے ساتھ ان کو اسلام کی دعوت دی، تو خاندان اور پوری پوری بستیاں حلقہ بگوش اسلام ہوگئیں، اس کے لیے ان صوفیاء عظام نے مختلف طریقے پر اپنی مدعو قوم کی تربیت کی ہے، مثلاً کبھی تبلیغ اسلام کے لیے طب کا راستہ اختیار کیا، کبھی تجارت کے ذریعے، کبھی ان کو اپنی روحانی طاقت سے فائدہ اٹھا کر ان کو دین کی دعوت دی وغیرہ، وغیرہ۔(۲)

تبلیغ اسلام طب کے راستے سے

حضرت خطیب الاسلامؒ سے ایک سوال کیا گیا کہ حضرت! کیا اصل تبلیغ صرف تبلیغ اسلام ہے؟

جواب میں ارشاد فرمایا کہ ''تبلیغ تو حقیقت میں اسے کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں تک دین پہنچانا جن کے پاس دین نہیں ہے، یعنی غیر مسلموں کو دعوت دینا، جیسے سلف میں دستور اور طریق کار تھا کہ بعضوں نے فن طب اختیار کیا اور طبیب کے اندر جذبہ یہ تھا کہ ہم دعوت دیں گے کیوں کہ مریض طبیب سے متاثر ہوتا ہے۔ جب طبیب مریض کے کانوں میں ایک چیز ڈالتا رہے تو مریض متاثر ہوگا۔ تو بعضوں نے طب کے راستے

(۱) مجالس خطیب الاسلام ص ۳۳۴ (۲) مجلس خطیب الاسلام غیر مطبوعہ از راقم ۲۰۱۲ء

سے اسلام کی دعوت دی اور ہزاروں کو مسلمان بنا دیا۔(۱)

خود حضرت خطیب الاسلامؒ کی نانیہال جس کو فن طب میں خاص ذوق عطا ہوا تھا، یہ رامپور منیہاران ضلع سہارنپور کا وہ مشہور خاندان ہے جس میں نہ صرف مرد بلکہ خواتین بھی حکیم اور فن حکمت میں ماہر تھیں، اس خاندان میں حکمت کا پیشہ بطور خدمت خلق تھا، لہٰذا مخلوق خدا کو فائدہ پہنچتا تھا اور لوگ ان سے متاثر ہوتے تھے، یہی وجہ ہے کہ بے شمار لوگوں نے ان کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔

تبلیغِ اسلام تجارت کے راستے سے

فرمایا اور بعض حضرات نے تجارت کی لائن اختیار کی اور موضوع ان کا دعوت تھا۔ تاجر اگر دین دار ہوں تو مسائل شرعیہ بیان کریں کہ یہ بیع باطل ہے، یہ بیع فاسد ہے، کیوں کہ بیع کی بہت سی قسمیں ہیں، تو جب دکانوں پر اہل علم ہوں گے تو یقیناً دین کے مسائل آئیں گے اور غیر مسلم اس سے متاثر ہوں گے کہ جس دین نے ان چیزوں کو اس طرح سمجھایا ہے وہ دین یقیناً حق ہے، چناں چہ اس لائن سے ہزاروں انسان دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ چین کے اندر آٹھ حضرات صحابہ کرام پہنچے اور تاجر بن کر پہنچے اور تجارت کی لائن سے انہوں نے تبلیغ اسلام کی، دیانت اور معاملے کی صفائی اور سچائی پر عمل کر کے انہوں نے دکھایا اور لوگوں کو آمادہ کیا تو ہزاروں آدمی ان کے ساتھ ہو گئے اور ان چیزوں پر چلنے لگے کہ واقعی یہ دیانت کا راستہ ہے(۲)

تصوف کے ذریعہ اسلام

فرمایا: ''حضرات صوفیاء ہندوستان میں آئے کیوں کہ ہندوستان میں سب سے بڑا مذہب رہبانیت اور ترک لذات و جوگ، عوام سے کنارہ کشی وغیرہ تھا۔ اس سے قدرتی طور پر نفس کشی ہوتی تھی، تو وہ سمجھتے تھے کہ کچھ نہ کچھ نفس میں جلا بھی پیدا ہوتی ہے۔ چناں چہ ان سے خوارق کا ظہور بھی ہوتا تھا، تو انہوں نے سوچا کہ یہاں کورے مولوی کافی نہیں ہو سکتے کہ صرف مسئلہ بیان کر دیں، یہی وجہ ہے کہ یہاں صوفیاء کو بھیجا گیا، انہوں نے کچھ خوارق دکھلائے، اگر جوگیوں نے پہاڑ کو اڑایا، تو خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے فرمایا کہ رک جاؤ، چناں چہ وہیں رک گیا، اس وقت ہندوستان میں صرف مسئلہ بتانا کافی نہیں ہوتا تھا۔ اس ہندوستان میں زیادہ تر صوفیاء آئے اور انہوں نے دین پھیلانے کی کوشش کی۔ اس وقت دعوت الی اللہ کا یہی طریق کار تھا۔''(۳)

(۱) مجالس خطیب الاسلام ص ۲۴۶　　(۲) ایضاً ص ۲۴۸، ۲۴۹

(۳) ایضاً ص ۲۵۰۔۲۵۱

حضرت کے اقتباس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں ہندوستان میں لوگوں کو طبعی طور پر صوفیت سے انس ہے، یہاں آج بھی اگر دین پھیلانا ہے تو صوفیاء کرام کے طرز پر ہی پھیلا سکیں گے۔ تو درحقیقت طریقہ تبلیغ مختلف ہیں، علماء کا طرز اور ہے، مشائخ کا الگ ہے، محدثین کا طرز اور ہے اور فقہاء عظام کا طرز اور ہے۔ صرف ڈھنگ اور انداز میں فرق ہے، مگر ٹکراؤ نہیں ہے۔ بہرحال ہمارے ملک ہندوستان میں اسلام بذریعہ تصوف پھیلا۔

میدان دعوت کے تعلق سے حضرت خطیب الاسلامؒ کے مفید مشورے

راقم الحروف کا معمول یہ رہا کہ گذشتہ ۲۰۰۹ء سے جب بھی دعوتی سفر ہوتا تو حضرتؒ کی خدمت اقدس میں آ کر روئیداد سفر اور کارگذاری بیان کرتا اور نومسلموں کے حالات کا ذکر کرتا، تو حضرت اس پر میرے لیے جو بات مفید سمجھتے اس کی تاکید فرما دیتے، میں نے ۲۰۱۰ء میں حضرت سے تذکرہ کیا کہ میں فلمی انڈسٹری کے بہت بڑے اسٹار (نام نہیں لوں گا) ان کو دعوت دینے کا ارادہ ہے، حضرت نے بڑی دعائیں دیں، بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور یہ فرمایا کہ ان کے حق میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر دعائیں مانگی جائیں، اس لیے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہم ترین سنت ہے کہ جو آج خواص امت میں بھی متروک ہے (دوسری بات یہ فرمائی کہ) ان میں سے کسی ایک کا قبول اسلام کسی ایک فرد کا قبول اسلام نہیں ہوگا بلکہ ہزاروں لوگوں کے قبول اسلام کا ذریعہ بنے گا۔'' (۱)

۲۰۱۰ء ہی کا واقعہ ہے کہ راقم حضرت کی خدمت میں حاضر تھا حضرت مولانا محمد شاہد صاحب (خادم خاص) بھی موجود تھے، میں نے حضرت سے مالیگاؤں کا ایک واقعہ جو میرے دعوتی سفر کے دوران پیش آیا تھا، عرض کیا کہ حضرت میں نے بہت پڑھے لکھے شخص کو دعوت دی جس نے اسلام اور تصوف اسلام کا بھی بڑا مطالعہ کر رکھا تھا، چناں چہ ان صاحب نے مجھے خاص پس منظر میں لے جا کر ''**لا موجود إلا الله، ولا معبود إلا الله**'' فلسفے میں الجھانا چاہا۔

مگر میں ان کی بات بہت خاموشی سے سنتا رہا، پھر وہ خود ہی مجھ سے اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں معلوم کرنے لگے ان کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ میں نے اپنی رائے کا اظہار مثبت انداز سے کیا، تو وہ میرے جواب سے کافی مانوس ہو گئے۔ پھر مجھے موقع ملا تو میں نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور یہ دعوت کافی اثر انداز بھی ہوئی، بہرحال میں نے اس واقعہ کا تذکرہ حضرت سے کیا، حضرت نے فرمایا کہ ''ایک داعی کے لیے نفسیات کا ماہر ہونا بہت ضروری ہے تاکہ حسب نفسیات مدعو وہ اپنی دعوت کو

(۱) مجلس خطیب الاسلام غیر مطبوعہ از راقم

مؤثر انداز سے پیش کر سکے، دوسری بات ارشاد فرمائی کہ 'دعوت ایک ایسا میدان ہے جس میں داعی بظاہر شکست کھا کر فاتح بن جاتا ہے، جیسا کہ صلح حدیبیہ جس کو قرآن کریم نے 'فتح مبین' کہا ہے، بظاہر شکست لگ رہی تھی، مگر وہی اسلامی فتوحات کا آغاز ہوئی۔ اور کبھی کبھی بظاہر فتح ہونے کے بعد بھی ناکامی ہاتھ لگتی ہے۔

تیسری بات یہ فرمائی کہ ''مدعو کو مانوس کرنا دعوت پیش کرنے سے قبل بہت ضروری ہے اور اس کے لیے داعی کا ہر وقت سیرت طیبہ کا مطالعہ ضروری ہے۔''

چوتھی بات یہ فرمائی کہ: ''دعوت کے وقت ذکر اللہ اور تعوذ ضرور کرتے رہا کرو، کیوں کہ میدان دعوت میں داعی کا سب سے بڑا دشمن شیطان رجیم ہے، گویا کہ دعوت کے وقت براہ راست آپ کا اس سے مقابلہ ہے، اس لیے وقت دعوت ذکر اللہ کرنا مامور بہ ہے۔''

پانچویں بات فرمائی کہ: ''میدان دعوت میں شیطان داعی کو مقصد سے ہٹا کر مختلف فلسفوں میں الجھانے کی کوشش کرے گا، آپ کو اپنے مقصد پر نظر رکھنی ہے۔''(۱)

اس طرح جب بھی حضرت کی خدمت اقدس میں حاضری ہوئی اور میں اپنی اصلاح کے غرض سے اپنے سفر کی تفصیلات بتاتا تو حضرت اس کی اصلاح بھی فرماتے اور مفید مشوروں سے بھی نوازتے۔

بغرض ملاقات نومسلموں کو حضرت کی خدمت میں لے جانا

میں بہت سے ایسے نومسلموں کو حضرت کی خدمت میں لے گیا جن کے مسائل تھے، حضرت سے ملاقات کے بعد اللہ نے ان کے مسائل کو حل فرما دیا، حضرت کی ان کے مسائل کے سلسلے میں بڑی گہری نظر تھی، کہ ان کے قانونی مسائل کو کیسے حل کرنا ہے، ان کے معاشرتی مسائل کا حل کیا ہوگا، معاشی مسائل میں ان کی کس طرح مدد کی جائے، تعلیمی مسائل ہیں بہرحال حضرت ایک جملہ اکثر فرماتے کہ: ''ان کے تمام مسائل کا حل سیرت مقدس سے مل جائے گا۔''

مجھے ۲۰۱۲ء کا ایک واقعہ یاد آ رہا ہے نقل کر دوں، راقم الحروف ایک نومسلم جن کا نام ہرشن چوہان تھا (موجودہ نام ارشد چوہان ہے) کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے ان کا تعارف کرایا، حضرت نے بڑی ہی خوشی کا اظہار فرما کر ان کو مبارک باد پیش فرمائی، پھر ان کو ایسے کلمات کے ذریعہ تسلی دی کہ وہ کلمات تسلی بھی تھے اور استقامت فی الدین کا ذریعہ بھی، پھر ان سے ان کے کاروبار کے متعلق دریافت فرمایا، کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنا کام بتایا اور کچھ کاروباری مسائل کا تذکرہ کر کے وہ صاحب دعا کے خواستگار ہوئے۔ حضرت نے ان کو قرآن کریم کی آیت ''لِلّٰهِ مَا فِیْ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ إن الله

(۱) مجلس خطیب الاسلام غیر مطبوعہ ۲۰۱۰ء

ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْد'' تلقین فرمائی، اس آیت کا ورد آج بھی ان کا معمول ہے۔ حضرتؒ نے ان کو چائے پلوائی اور کچھ ہدیہ بھی دیا، یہ ایک ملاقات ہوئی، اس ملاقات کے بعد وہ حضرتؒ سے ایسے مانوس ہوئے کہ جب کبھی بھی فون کرتا یا ان کا فون آتا کبھی ایسا یاد نہیں کہ انہوں نے حضرت کو نہ پوچھا ہو اور مستقل مجھ سے کہتے کہ بڑے حضرتؒ سے میرے حق میں دعاء کروا دینا، بہر حال اس طرح بہت سے حضرات کی میں نے ملاقاتیں کروائیں، جن کے تذکرہ کا یہاں موقع نہیں۔

''حضرت خطیب الاسلامؒ اور میدان دعوت کے تعلق سے چند باتیں فی الحال جو ذہن میں آئیں لکھ دیں، یہ مقالہ ذرا تفصیل طلب ہے، اس موضوع پر کچھ مزید تفصیل سے لکھنے کی سعادت حاصل کروں گا، ان شاء اللہ العزیز

اس مقالہ کا اختتام حضرت خطیب الاسلام کے ایک اقتباس پر کروں گا۔

حضرتؒ فرماتے ہیں:

''حقیقت میں تبلیغ اس کا نام ہے کہ غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ تبلیغ اسلام کا میدان اس وقت خالی سا ہو گیا ہے۔ گو کچھ جماعتیں کر بھی رہی ہیں، ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اپنے رنگ میں دوسروں تک اسلام پہنچائے، پڑھے لکھے ہوں یا بے پڑھے لکھے، بہت سے بے پڑھے لوگوں نے اپنے ذوق سے مل ملا کر سینکڑوں لوگوں کو اسلام کی دولت سے نواز دیا۔'' جن لوگوں میں تبلیغ کرنے کی صلاحیت ہے اگر وہ یہ کہہ کر ٹالتے رہیں کہ فلاں جماعت تبلیغ اسلام کا کام کر رہی ہے یہ غلط ہوگا، بلکہ ہر شخص کو کرنا چاہیے اور دھیان دینا چاہیے۔''

ہفت کشور جس سے ہوں تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

❖ ❖ ❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ
بحیثیت شارح علوم نانوتویؒ

مفتی امانت علی قاسمی ❖

مت ان کو سہل جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

خطیب الاسلام، یادگار اسلاف اور علماء دیو بند کے ترجمان حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ علم وعمل کے تاجدار اور فکر ونظر کے در آبدار تھے، فکر ولی اللہی اور فکر قاسمی کے صحیح وارث وامین اور حضرت نانوتویؒ کے علوم اور ان کے فکر وفلسفہ کے شارح تھے، آپ طویل عرصے تک علم وارشاد کی مسند کے شہ نشیں رہے، آپ کی خدمات کا ایک سلسلہ ہے، کارناموں کی طویل فہرست ہے، آپ کی زندگی ہم سب کے لیے مشعل راہ اور قابل تقلید ہے، آپ کی فکر عالمگیر اور شخصیت ہمہ گیر وہمہ جہت تھی۔

دارالعلوم دیو بند اور دارالعلوم وقف آپ کی خدمات اور آپ کے کردار عزیمت کا گواہ ہے، آپ اس آخری دور میں اپنے اساتذہ کے اعتبار سے بھی سب سے ممتاز تھے اور اپنے تلامذہ کے اعتبار سے بھی سب پر فائق تھے۔ سادگی، تواضع، بلند حوصلگی، اخلاق وکردار، سنجیدگی و وقار، خندہ پیشانی وملنساری اور تقوی وپرہیزگاری، خلوص وللّٰہیت، ایثار وقربانی اور علم وعمل ہر اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے۔ آپ گفتار کی جگہ کردار کے غازی تھے، بولتے تو علم کے موتی بکھیرتے، چلتے تو حلم و وقار کا مظاہرہ ہوتا، آپ کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا جیسے کسی خدا رسیدہ وخدا ترسیدہ انسان کے دیدار سے آنکھیں ٹھنڈک محسوس کر رہی ہیں، آپ کو سن کر محسوس ہوتا کہ بحر ناپید کنار سے شرف تلمذ حاصل ہو رہا ہے۔

نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

خطابت کی چاشنی، سلاست کی دلآویزی، استدلالات وتمہیدات اور فکر وفلسفہ کی پختگی نے آپ کو زندگی میں ہی خطیب الاسلام کے لقب سے متعارف کرا دیا تھا، ہندوستان میں ساحر اللسان، جادو جگانے والے اور قلب وجگر کو مسحور کرنے والے خطیبوں کی ایک بڑی تعداد گزری ہے، جن کی خطابت کی گرج نے

❖ استاذ دارالعلوم حیدر آباد

پوری دنیا میں اپنی خطابت کا لوہا منوالیا، لیکن ''خطیب الاسلام'' جیسا پیارا لقب آپ کا نصیبہ بنا، آپ کی تقریروں کو سن کر اور پڑھ کر دل صاف گواہی دیتا ہے کہ آپ واقعی ''خطیب الاسلام'' تھے۔

آپ کے دم سے فصاحت کی بلاغت کی ہے آن
کوئی ثانی ہی نہیں ایسے سخنور ہیں آپ

حضرت نانوتویؒ کی شخصیت

حضرت قاسم العلوم والخیرات الامام محمد قاسم النانوتویؒ ان عبقری شخصیات میں سے ہیں، جنہوں نے قوموں کی زندگی کے دھارے کو بدل کر رکھا دیا، جن کے اندر اسلام کی صیانت وحفاظت کا جذبہ جسم میں خون کی طرح رواں دواں تھا، آپ اسلام کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز اور اسلام کے خلاف کی جانے والی ہر سازش پر ماہئ بے آب کی طرح تڑپ جاتے تھے، آپ نے جس جانفشانی اور جانثاری کے ساتھ دفاع عن الدین کا فریضہ انجام دیا ہے، ماضی قریب میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی ہے، آپ ان جواں عزم بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے زندگی کی آخری سانس تک اپنے فریضے سے پہلوتہی نہیں کی، آپ علم وعمل کا بحر ناپیدا کنار تھے، آپ کی نظر صرف احکام ووسائل پر ہی نہیں؛ بلکہ ان کے اسباب وعلل تک پہونچتی تھی، آپ نہ صرف جزئیات کا علم رکھتے تھے بلکہ جزئیات کو کلیات سے مربوط دیکھتے تھے، آپ نہ صرف فروع سے واقف تھے؛ بلکہ ان کے اصل الاصول پر بھی آپ کی نگاہ تھی۔

حضرت خطیب الاسلامؒ جنہیں حضرت الامامؒ کے علوم وافکار سے کافی حصہ ملا تھا اور انہوں نے حجۃ الاسلامؒ کی تحریروں سے بہت زیادہ اکتساب کیا تھا، اس کے علاوہ انہیں حجۃ الاسلام کے علوم وافکار وراثت میں بھی ملے تھے۔ حضرت نانوتویؒ کی شخصیت کے متعلق فرماتے ہیں:

> حضرت الامام حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی شخصیت ایک عہد آفریں اور تاریخ ساز، عبقری شخصیت ہے، جن کے امتیازات کو قلمی تحدیدات میں محدود کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ اس لیے کہ جسے قدرت فیاض کی جانب سے دعاوی منقولہ پر ناقابل شکست براہین آفرینی سے منور وہ عقل عظیم عطا فرمائی گئی ہو کہ جس نے اسلام پر عقلی ہتھیاروں سے مسلح حملہ آوروں کو بار بار المناک شکست وپسپائی پر مجبور کر دیا ہو اور جسے ایمان کامل سے پرنور وہ سراپا خشوع وخضوع قلب سلیم بخشا گیا ہو کہ جس نے طالبان راہ ہدایت کو حسب صلاحیت نگاہ معنوی '**ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك**' کے مقامات تک رسائی عطا فرمادی ہو اور جسے حکمت قرآن کریم کی ترجمان، وہ فیاض زبان مرحمت فرمائی گئی ہو کہ جس نے دین کے بارے میں شکوک وشبہات اور اعتراض وتلبیسات

کی دلدلوں میں پھنسنے والے محروم یقین طبقات کو دولت ایمان و یقین سے مالا مال فرما دیا ہو- جس کی ذات گرامی علم کتاب وسنت میں بے مثال، عالمگیر فکر اسلامی میں بے تمثال، تربیت روحانی میں باکمال، زندگی کے ہر جز وکل میں متبع سنت، معلمیت میں منفرد، طاعت وعبادت میں شب زندہ دار، اصلاح باطن میں ماحی ذوقِ معصیت، علمِ وقیع میں مردحق شناس، تصنیف وتالیف میں اطمینان آفریں نکتہ سنج، انفرادیت میں متین اور اجتماعیت میں متدین رہنمائے عظیم جیسے بے شمار بنیادی امتیازات عظیمہ کے حامل ہو اور ان کا اعتراف اپنوں نے ہی نہیں بلکہ مخالفین واعدائے اسلام نے بھی زبردست خراج تحسین پیش کر کے کیا ہو۔(۱)

حضرت نانوتویؒ کے علوم وافکار کی معنویت

حضرت نانوتویؒ کو خدائے وحدہ لاشریک لہ نے علم ومعرفت اور حکمت وفلسفہ سے خصوصی طور پر نوازا تھا۔ آپ کے علوم بلاشبہ الہامی ہیں، جن میں کتابوں سے زیادہ اکتساب نہیں کیا گیا ہے۔ آپ کی تحریریں قلم برداشتہ ہیں جو کسی مطالعہ کی روشنی میں تحریر نہیں کی گئی ہیں۔ آپ کی تقریریں اور مناظرے عقلی ہیں، جن کے مطالعہ سے صاف واضح ہوتا ہے کہ مبداء فیاض نے آپ کو علم وفہم الہام فرما دیا تھا۔ حضرت خطیب الاسلامؒ کی مذکورہ بالا تحریروں سے بھی آپ کے علوم وافکار کی عظمت ومعنویت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

> حضرت الامام النانوتویؒ کے فکر وذہن کو حق تعالیٰ نے کمال علم وحلم کے ساتھ اپنے دعاوی پر مسکت دلائل قویہ قائم کرنے کی ایسی منفرد اور عظیم صلاحیت سے نوازا تھا کہ احباب واغیار ہی نہیں بلکہ اعداء بھی ان کی استدلالی قوت پر بصد اعتراف سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔(۲)

حضرت خطیب الاسلامؒ کو علوم نانوتویؒ کے ساتھ مناسبت

حضرت خطیب الاسلامؒ کو بہت سے علوم وفنون میں درک اور مہارت تامہ کے ساتھ حضرت نانوتویؒ کے علوم وافکار کے ساتھ خاص دلچسپی تھی۔ آپ نے حضرت نانوتویؒ کے متعلق حضرت حکیم الاسلامؒ اور دوسرے بزرگوں سے سن کر اور ان کی تحریروں کو پڑھ کر علوم نانوتویؒ میں بھی مہارت وملکہ حاصل کر لیا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ کے خطبات اور تحریروں میں حضرت نانوتویؒ کے علوم افکار پر باضابطہ تقریریں اور تحریریں موجود ہیں۔ حضرت نانوتویؒ کی کتابیں موجود ہیں جن سے استفادہ کیا جا سکتا ہے لیکن حضرت

(۱) خطبات خطیب الاسلام، ص:۳/۳۷　　(۲) ایضاً، ص:۳/۶۰

خطیب الاسلامؒ اس پر اپنی طرف سے تمہید قائم کرتے ہیں اور سیاق وسباق میں کچھ اس طرح جملوں کا اضافہ کرتے ہیں کہ فکر نانوتوی کے سارے پہلو اجاگر ہوجاتے ہیں بلکہ کہنا چاہیے کہ حضرت نانوتویؒ کی تحریر کو پڑھ کر آپ ان کے مزاج اور طبعی مذاق تک پہنچ گئے تھے، جس کی وجہ سے ان کے علوم وافکار کی تسہیل وتشریح آپ کے لیے آسان ہوگئی تھی ۔ایک جگہ حضرت خطیب الاسلامؒ تحریر فرماتے ہیں:

''درحقیقت جہاں تک حضرت والا کے مذاق طبعی کے اندازہ کرنے کا موقع مجھے دستیاب ہوا ہے میں خیال کرتا ہوں کہ ایسے مسائل جن سے ''تفرق کلمہ'' اور افتراق وانشقاق ہو حضرت والا ان سے طبعاً نفور تھے۔''(۱)

حضرت خطیب الاسلامؒ کو اللہ تعالی نے علم وحکمت کے گوہر بے بہا سے سرفراز فرمایا تھا، آپ یگانہ روزگار تھے، علم وفکر کے کوہ ہمالہ پر فائز تھے۔ اللہ تعالی نے آپ کو دینی وملی خدمات کا خوب موقع فراہم کیا۔ آپ نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ تشنہ کام امت کی سیرابی کا فریضہ انجام دیا۔ آپ کی جملہ خدمات میں ایک اہم خدمت اور کارناموں میں ایک عظیم کارنامہ حضرت نانوتویؒ کے علوم اور ان کے فکر وفلسفہ کی تشریح وتسہیل ہے۔ حضرت نانوتویؒ کی کتابیں آج بھی حل طلب ہیں اور بعض کتب کی دقت کا یہ عالم ہے کہ خود ان کے تلامذہ ان کتابوں کو سبقاً سبقاً پڑھا کرتے تھے۔ حضرت خطیب الاسلامؒ نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ یہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ یہ موضوع اگرچہ تفصیل طلب ہے لیکن اس موضوع کے چند گوشے اور زاویے آپ کے سامنے لانے کی کوشش کروں گا، جس سے علوم نانوتویؒ کی معنویت اور حضرت خطیب الاسلامؒ کی عبقریت کھل کر سامنے آسکے گی۔

ختم نبوت رتبی

حضرت نانوتویؒ کو اللہ تعالی نے دفاع عن الدین کے عظیم فریضے سے سرشار فرمایا تھا۔ حضرت نانوتویؒ کے عہد میں مرزا غلام احمد قادیانی کا ظہور نہیں ہوا تھا لیکن حضرت نانوتویؒ کی نباض طبیعت نے اس کو بھانپ لیا تھا کہ عن قریب اس فتنہ کا ظہور ہونے والا ہے۔ آپ نے پہلے ہی دفاع عن الدین کے جذبہ سے سرشار ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتمیت کبری پر ایک رسالہ ''تحذیر الناس'' تحریر فرمایا تھا جس میں مسئلہ ختم نبوت کو اس قدر مدلل تحریر فرمایا تھا کہ مرزا قادیانی کی تاویلات کے تمام راستے مسدود ہوگئے۔ یہ حضرت نانوتویؒ کا ایسا حیرت انگیز کارنامہ ہے جس کی نظیر نہیں پیش کی جاسکتی ہے۔ حضرت نانوتویؒ کی دیگر کتابوں کی طرح اس کتاب کے بعض مضامین میں بھی جدت اور انغلاق ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے اپنی اس

(۱) خطبات خطیب الاسلام، افادات: حضرت مولانا سالم صاحبؒ، مرتب: محمد یامین القاسمی، ادارہ دار الاشاعت حیدرآباد، ۴/۵۸

کتاب میں ختم نبوت زمانی کے ساتھ ختم نبوت رتبی کو بھی ثابت کیا ہے۔ حضرت خطیب الاسلامؒ نے اپنی مختلف تقریروں میں اس کی دلنشیں تشریح و توضیح فرمائی ہے۔ خطبات خطیب الاسلام میں ایک تقریر ''حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ-ایک عہد ساز شخصیت'' کے عنوان سے ہے۔ جس میں حضرت نانوتویؒ کے ختم نبوت کے مضمون کی بھرپور تشریح وترجمانی کی گئی ہے۔ بطور نمونہ چند باتیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

خاتم النبین کے ایک عام معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا، لیکن ملحدین نے نیا شوشہ یہ چھوڑا کہ حضور کے مرتبہ کا کوئی نبی نہیں ہوگا۔ گویا نبی تو ہوسکتا ہے لیکن حضور اکرم ﷺ کے مرتبہ کا نہ ہوگا جیسے کوئی کہے کہ غالب پر شاعری ختم ہے یعنی اس مرتبہ کا کوئی شاعر نہ ہوگا یہ نہیں کہ اب شاعر نہیں ہوگا۔'' ان دو معنی کو تقابلی مطالعہ میں اسطرح لیجیے (۱) لا نبیّ بعدی میں بعدیت زمانی مراد ہے کہ آپ کے بعد اب کوئی نبی پیدا نہ ہوگا (۲) لا نبیّ بعدی میں بعدیت مرتبی مراد ہے کہ اب آپ کے مرتبہ کا کوئی نبی نہیں ہوگا۔ پہلے معنی تو تیرہ سو سال سے اس امت میں متوارث چلے آرہے تھے اور امت پورے تواتر سے اس پر جمع تھی لیکن یہ نئے معنی عام جاہلوں کے لیے زیادہ جاذب اور حضور کے زیادہ شان کا عنوان ہوسکتے تھے اور جذباتی پیرائے میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ معنی زیادہ اچھے ہیں۔

اللہ تعالی نے حضرت نانوتویؒ کے دل میں یہ بات ڈالی کے یہ دوسرا معنی پہلے معنی سے کہیں متصادم نہیں، انہیں پہلے معنی کے ساتھ جمع کرلیا جائے اور عقیدہ حضور ﷺ کی ختم نبوت زمانی اور ختم نبوت مرتبی دونوں کا ہو تو اس سے اسلام کا کوئی اصول نہیں ٹوٹتا، نہ اس کا کسی نص سے تصادم لازم آتا ہے۔ چناں چہ حضرت نانوتویؒ نے ختم نبوت مرتبی کو ختم نبوت زمانی کے ساتھ ضم کر کے جو الہامی تقریر فرمائی ہے وہ ''تحذیر الناس'' میں اس طرح موجود ہے۔

> بالجملہ رسول ﷺ وصف نبوت میں موصوف بالذات ہیں اور سوا آپ ﷺ کے اور انبیاء موصوف بالعرض، اس صورت میں اگر رسول اللہ ﷺ کو اول یا اوسط میں رکھتے ہیں، تو انبیاء متاخرین کا دین اگر مخالف دین محمدی ﷺ ہوتا، تو اعلی کا ادنی سے منسوخ ہونا لازم آتا؛ حالاں کہ خود فرماتے ہیں:''مـا نـنسخ من آية أو ننسها نأت بخير منها أو مثلها....'' اور انبیائے متاخرین کا دین اگر مخالف نہ ہوتا تو یہ بات ضرور ہے کہ انبیاء متاخرین پر وحی آتی اور افاضۂ علوم کیا جاتا ورنہ نبوت کے پھر کیا معنی؟ سو اس صورت میں اگر وہی علوم محمدی ﷺ ہوتے تو بعد وعدۂ محکم انـا نـحن نزلنا الذكر و انـا لـه لحافظون'' کے جو بہ نسبت اس کتاب کے جس کو قرآن کہیے اور بہ شہادت آیت ''و نـزلنا عليك الكتاب تبيانًا لكل شيء'' جامع العلوم ہے، کیا ضرورت تھی؟ اور اگر علوم انبیائے متاخرین علوم محمدی ﷺ کے علاوہ ہوتے تو اس کتاب کا ''تبيانا لكل شئ'' ہونا غلط ہو جاتا...(۱)

(۱) تحذیر الناس، مطبع حجۃ الاسلام اکیڈمی، دار العلوم وقف دیوبند، ص: ۲۵، ۲۶

حضرت نانوتویؒ کی اس عبارت میں عرضی اور ذاتی کی تشریح کرتے ہوئے حضرت خطیب الاسلامؒ تحریر فرماتے ہیں:

موصوف بالعرض ہونا عارضی کے معنی میں نہیں ہے یہ عرضی کے معنی میں ہے۔ ذاتی سے مراد دائم الثبوت للموضوع ہوتا ہے اور دائما نبی نہ تھے بلکہ ایک وقت ایسا آیا جب وہ نبی ہوئے تو ان کی نبوت عرضی ہوگی اس سے اس کے عارضی ہونے کا گمان نہ کیا جائے اللہ تعالی کسی کو نبوت دے کر اس سے واپس نہیں لیتے یہ اس کریم شان کے خلاف ہے۔(۱)

آپ ﷺ کی نبوت ذاتی تھی اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت خطیب الاسلامؒ فرماتے ہیں:

حضور کے سوا باقی انبیاء کو نبوت حضور ﷺ کے فیضان سے ملی ہے آپ کی روح عالی اس وقت بھی نبوت پر فائز تھی جب آدم علیہ السلام میں بھی روح اور جسد نہ ملے تھے باقی انبیاءؑ اس کے بعد فائز نبوت ہوئے اور آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ دیگر انبیاء کی نبوت کے لیے ایک واسطہ ہیں اور آپ ﷺ کو نبوت اللہ سے بلا واسطہ ملی ہے۔(۲)

اس کے بعد حضرت خطیب الاسلامؒ نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ذاتی اور عرضی کی تحقیق پیش کرنے والے حضرت نانوتویؒ پہلے شخص نہیں ہیں بلکہ آپ سے مدتوں پہلے شیخ ابوعثمان فرغانیؒ بھی یہ بات کہہ چکے ہیں کہ اللہ کی طرف سے دعوت دینے کا اصل شرف آپ ہی کو حاصل تھا دوسرے انبیاء میں آپ کے واسطے سے یہ حقیقت احمد یہ اتری۔

حضرت نانوتویؒ نے اپنی کتاب میں بار بار ختم نبوت رتبی کو ثابت کیا ہے اور اس کو مختلف پیرائے میں سمجھایا ہے جس سے ایک غلط فہمی پیدا ہوسکتی تھی کہ حضرت نانوتویؒ صرف ختم نبوت رتبی کو مانتے ہیں اور ختم نبوت زمانی کو نہیں مانتے، اس وہم کو دور کرتے ہوئے اور ذہن میں پیدا ہونے والے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت خطیب الاسلامؒ تحریر فرماتے ہیں:

ہرگز نہیں آپ مع ایک زائد چیز کے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ ختم نبوت زمانی تو مسلم ہے اور غور سے دیکھا جائے تو یہ ختم نبوت مرتبی سے ہم آہنگ ہے۔ ختم نبوت مرتبی کا اصول تقاضا کرتا ہے کہ یہ زمانہ بھی سب سے آخر میں ہو اور یہ ختم نبوت زمانی کافی ہے جو ختم نبوت مرتبی کو تکمیل بخشتی ہے، ہاں ختم نبوت کو صرف زمانی میں محدود کرنا اور ختم نبوت مرتبی کو نہ دیکھنا یہ صرف عوام کی سمجھ ہے اہل فہم و دانش دونوں کو تسلیم کرتے ہیں صرف زمانی کا اقرار کرنا اس میں بالذات کوئی فضیلت نہیں۔ ہاں حضور ﷺ کا صف انبیاء میں آخری ہونا اس لیے تھا کہ آپ سب سے اونچے مرتبے کے نبی ہیں اور کئی

(۱) خطبات خطیب الاسلام ۱/۱۵۷ (۲) ایضا

وجوہ ہیں جن کی وجہ سے آپ کو زماناً آخری نبی رکھنا ضروری ٹھہرا ان وجوہات کو حضرت نانوتویؒ نے اپنے الہامی استدلال میں خوب واضح کیا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے زماناً آخری ہونے کو بالذات فضیلت نہ تھی لیکن بواسطہ دیگر کئی وجوہ کے آپ کا زمانہ آخر میں آنا یقیناً آپ کے کئی کمالات کا ترجمان ہے حضرت والا نے صرف بالذات فضیلت کی نفی کی تھی بالواسطہ فضیلت کی نہیں مگر افسوس کہ بعض معترضین نے آپ کی عبارت سے لفظ بالذات کو سرے سے اڑا دیا (۱)

حضرت خطیب الاسلامؒ نے اس موضوع کو بہت مدلل اور شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے چناں چہ حضرت نانوتویؒ کی دوسری کتابوں سے بھی اس کو ثابت کیا ہے کہ آپ ختم نبوت زمانی کا انکار نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے منکر کو کافر سمجھتے تھے ''جوابات محذورات'' کے حوالے سے بیان کرتے ہیں:

خاتمیت زمانی کا مجھ کو انکار نہیں بلکہ کہئے کہ منکروں کے لیے گنجائش انکار نہ چھوڑی افضلیت کا اقرار ہے بلکہ اقرار کرنے والوں کے پاؤں جما دئے۔(۲)

مکتوبات کے حوالے سے تحریر ہے:

اپنا دین وایمان ہے کہ بعد رسول اللہ ﷺ کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اسے کافر سمجھتا ہوں (۳)

حضرت نانوتویؒ کے اس قول: خاتمیت زمانی سے مجھے انکار نہیں بلکہ کہئے کہ منکروں کے لیے گنجائش نہ چھوڑی اس کے ضمن میں حضرت خطیب الاسلامؒ کی بصیرت افروز عبارت ملاحظہ فرمائیں:

یہ الفاظ کہ منکروں کے لیے گنجائش نہ چھوڑی بتلاتے ہیں کہ اس وقت انکار ختم نبوت کا فتنہ کہیں اٹھنے والا تھا گو ابھی نہ اٹھا تھا اور حضرت نانوتویؒ بالہام الٰہی ایک بنیاد قائم فرما رہے تھے کہ حضور ﷺ پر نبوت ہر اعتبار سے ختم ہے اور نبوت کی کوئی نئی تاویل مسلمانوں کو عقیدہ ختم نبوت زمانی سے نہ ہٹا سکے۔(۴)

علم الٰہی میں تھا کہ قادیانیوں کو آئندہ دور میں ختم نبوت کو ختم نبوت مرتبی کے معنی میں محدود کر کے ختم نبوت زمانی کا انکار کرنا ہے (اور ایسا ہی ہوا بھی) اللہ تعالی نے پیشتر اس کے کہ مرض پیدا ہو اس کا علاج پہلے ہی ایک مرد مومن کے دل میں اتار دیا اور وہ حضرت نانوتویؒ کی یہ الہامی تقریر ہے، جس نے ختم نبوت مرتبی کو ختم نبوت زمانی کے ساتھ جمع کرنے کی وجوہ کھول دیں اور واضح کر دیا کہ ختم نبوت مرتبی کو جس طرح بھی سامنے لائیں اس سے ختم نبوت زمانی لازم آئے گی اور ختم نبوت مرتبی ہرگز یہ جائز نہیں کرتی کہ اب اس دور میں کہیں کوئی اور نبی پیدا ہو (۵)

(۱) ایضا ۴/۱۸۱　(۲) جوابات محذورات ص: ۵۰　(۳) مکتوبات حضرت نانوتوی ص: ۱۰۳ بحوالہ خطبات خطیب الاسلام ۴/۱۸۴
(۴) ایضا ۴/۱۸۴　(۵) خطبات خطیب الاسلام ۴/۱۸۵

حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت

جن حضرات نے حضرت نانوتویؒ اور ختم نبوت پر کام کیا ہے ان کا تاثر یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ نے جن عقلی اور نقلی دلائل سے ختم نبوت کو ثابت کیا ہے تاریخ اسلام میں ایسی دوسری شخصیت نہیں گزری، مولانا سیف الرحمٰن قاسم جنہوں نے حضرت نانوتویؒ اور ختم نبوت پر کام کیا ہے ان کا بیان ہے کہ:

> آپ ﷺ کی عظمت اور ختم نبوت کو ثابت کرنے کے لیے جتنا کام حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کیا ہے اور جس انداز سے عقلی، نقلی دلائل سے اس عقیدے کو ثابت کیا ہے اور غیر مسلموں کے ساتھ تقریری وتحریری مباحثوں کے دوران اس کو منوایا ہے، راقم الحروف کے ناقص مطالعہ میں تاریخ اسلام میں کوئی عالم اس طرح نہیں گزرا۔(۱)

ماضی قریب کے مشہور محقق عالم دین مولانا سرفراز خاں صفدر صاحبؒ حضرت نانوتویؒ کی خدمات ختم نبوت کے تعلق سے لکھتے ہیں:

> ہم نے عربی، فارسی اور اردو میں بہت سی کتابیں مسئلہ ختم نبوت پر پڑھی ہیں، لیکن بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ جس نرالے، انوکھے اور ٹھوس عقلی انداز میں جو خامہ فرسائی حضرت نانوتویؒ نے اس مسئلہ پر کی ہے ہم نے اور کہیں نہیں پڑھی، لیکن چوں کہ حضرت کا اندازِ تحریر وبیان خالص محققانہ اور عالمانہ ہے، اس لیے بعض کوتاہ فہم یا خودغرض لوگوں نے حضرت کی بعض عبارات کا مطلب کچھ سے کچھ بناڈالا ہے۔(۲)

راقم الحروف نے بھی ایک مقالہ حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت کے عنوان سے تحریر کیا ہے جس وقت وہ مقالہ تحریر کررہا تھا حضرت خطیب الاسلامؒ کی یہ تحریر نظر سے نہیں گزری تھی، اب جب کہ حضرت خطیب الاسلامؒ کی توجیہات نظر نواز ہوئی تو راقم کا اپنا تاثر یہ ہے جس بہترین اور سہل انداز میں حضرت خطیب الاسلامؒ نے حضرت نانوتویؒ کے مسئلہ ختم نبوت کی وضاحت کی ہے اور جس شرح وبسط کے ساتھ اس موضوع کو سمجھایا مجھے اس قدر وضاحت اور تفصیل کہیں اور نہیں ملی۔

بانیٔ دارالعلوم کے علمی افکار

خطبات خطیب الاسلام میں ایک تفصیلی خطبہ ''بانی دارالعلوم کے علمی افکار'' کے عنوان سے ہے

(۱) سیف الرحمٰن قاسم، حضرت نانوتوی اور خدمات ختم نبوت ص:۱۵، جامعۃ الطیبات گوجرانوالہ، پاکستان، طبع اول ۲۰۰۸ء
(۲) بانی دارالعلوم، ص:۶۲

اس میں حضرت نانوتویؒ کے علوم اور فکر وفلسفہ پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور آپ کے فکر وفلسفہ کی دلنشیں تشریح حضرت کے مکتوب کے چھوٹے چھوٹے جملوں کی البیلی تفسیر کی گئی ہے، فارسی عبارتوں کو اردو کا قالب دیا گیا ہے، مکتوب کے مختصر جملوں میں پنہاں حضرت نانوتویؒ کے علوم وافکار کے بحر بیکراں کو سہل نگاری کا جامہ پہنا کر عام لوگوں کے استفادہ کے قابل بنایا گیا ہے، چناں چہ حضرت نانوتویؒ کے ایک مکتوب میں یہ جملہ ہے ''ساری تمنائیں بر آئیں تو ہم میں اور خدا میں کیا فرق رہ جائے'' حضرت خطیب الاسلامؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کاش بے فیصلہ کئے زندگی گزارنے والوں کے دل میں بھی خیال آجاتا ہے کہ جس ''کــــــن فیکونی'' مقام کی تلاش میں وہ اس زندگی ناتمام میں سرگرداں ہیں، دراصل یہ اپنی خدائی کی تلاش میں ہیں۔ بندوں کو اگر معلوم ہو جائے کہ ان کی ساری جدوجہد جس کے لیے وہ ہانپے ہانپے پھرتے ہیں اور آسمان کے قلابے زمین سے اور زمین کے قلابے آسمان سے ملانے میں سراسیمہ ہو رہے ہیں، اسی لیے روپیہ پیسہ جمع کرتے ہیں تاکہ جس وقت جو ارادہ ہو حکم کے ساتھ پورا ہو جائے، اسی لیے جائیدادیں خریدتے ہیں، اسی لیے سرمایہ فراہم کرتے ہیں، الغرض جو کچھ کر رہے ہیں اسی لیے کہ ساری تمنائیں بر آئیں، حالاں کہ بقول حضرت الامام حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم ''تو ہم میں اور خدا میں کیا فرق رہ جائے'' اگر ابتدا ہی میں سوچنے والے یہ سوچ لیا کریں جس راہ پر وہ جا رہے ہیں یہ خدا بننے کے ارادہ کی راہ میں ہے تو میں نہیں خیال کرتا ہوں کہ جو بندہ ہے وہ شاید ایک لمحہ کے لیے بھی خدا بننے کے ارادہ کو برداشت کر سکتا ہے لیکن کیا کیجیے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ خدا ہی بننے کے لیے کر رہے ہیں لیکن ان کو اس کا کبھی اطمینان سے یہ طے کرنے کا موقعہ نہ ملا کہ آخر وہ جو کچھ کر رہے ہیں کس لیے کر رہے ہیں اسی ابہام عدم قطعیت کا یہ نتیجہ ہے کہ ساری زندگی گزر جاتی ہے لیکن خدا بننا تو انہیں نصیب نہیں ہوتا اور جو بندہ ہے وہ خدا کیسے بن سکتا ہے، مگر افسوس کہ بندہ بننے میں جو سرور و امن و عافیت و سکون ہے اس سے بھی یہ بیچارے محروم ہو جاتے ہیں۔(۱)

حضرت نانوتویؒ اور تینوں مکاتبِ فکر کا احیاء

ملک کی آزادی اور دارالعلوم کے قیام سے پہلے ہندوستان میں تین مکتب فکر کی علیحدہ علیحدہ تعلیم ہو رہی تھی، قرآن وحدیث کی تعلیم کا مرکز دہلی تھا، فقہ کی تعلیم کا منبع لکھنؤ اور منطق وفلسفہ کا مدرسہ رام پور اور خیرآباد میں قائم تھا، لیکن انگریز کے ناپاک عزائم کی وجہ سے یہ تینوں ادارے زوال کے راستے پر تھے،

(۱) خطبات خطیب الاسلام ۴/۴۵

حضرت نانوتویؒ کی فکر نارسا نے اس سرمایہ ملت کی حفاظت کے لیے دارالعلوم قائم کرنے کا منصوبہ بنایا، جس میں تینوں مکتب فکر کی تعلیم کو جمع کر کے ان علوم کو نہ صرف ضائع ہونے سے بچالیا، بلکہ پوری دنیا میں اس کی حفاظت و اشاعت کا بہترین نظم قائم ہوگیا، حضرت خطیب الاسلامؒ اپنی مختلف تقریروں اور تحریروں میں حضرت نانوتویؒ کے اس فکری کارنامے کی توضیح وتشریح کرتے ہوئے دکھتے ہیں،۲۰۰۴ء میں جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڈھ میں حضرت شیخ الحدیثؒ پر ایک سیمینار ہوا تھا جس میں حضرت خطیب الاسلامؒ تشریف لے گئے تھے وہاں آپ نے جو تقریر فرمائی اس میں اس مضمون کی بھی وضاحت فرمائی چناں چہ فرماتے ہیں:

> ''طلبۂ مدارس اسلامیہ کا مرجع جس طرح دہلی ولی اللہی مکتب فکر بنا اسی طرح انسانی زندگی کے جز وکل پر محیط مکمل ترین اسلامی قانون کے تصنیفی اور تعلیمی لحاظ سے فقہی مکتب فکر کی حیثیت لکھنؤ کے حصہ میں آئی اور خیر آباد اور رام پور سے منطق وفلسفہ کے معقول مکتب فکر کی شہرت پائی ۔لیکن سوئے قسمت کہ اسی دور میں غاصب انگریز نے ارض وطن پر قبضہ کیا اور اوقاف مسلمین کو ظالمانہ طور پر بحق سرکار ضبط کرلیا نتیجتاً نہایت تیز رفتاری کے ساتھ مدارس اسلامیہ میں تالے پڑ گئے ۔لیکن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے قلب مجلی کو دشمن اسلام انگریز کی قوت واقتدار کے بل بوتے پر مدارس اسلامیہ کو مٹا ڈالنے کی خطرناک پالیسی کے مدمقابل اپنی فراست ایمانی سے ایک ایسے مدرسہ کی تاسیس کے عزم مصمم سے اللہ تعالی نے نوازا کہ جس میں نہ صرف تعلیمات اسلامیہ ہی کا اعلی پیمانہ پر نظم ہو بلکہ مذکورۃ الصدر ہر سہ مکاتب فکر کا احیاء بھی اس نئے مدرسے میں کیا جائے ۔(۱)

حضرت نانوتویؒ اور علم وعشق کی باہم آمیزی

علم کے ساتھ سوزِ عشق نہ ہو تو علم انسانیت کی کامیابی کا ضامن نہیں بن سکتا ہے اور اگر سوزِ عشق ہو لیکن علم کی دولت بے بہا نہ ہو تو یہ عشق بدعت وخرافات کے عمیق دلدل تک لے جا سکتا ہے، اس لیے حضرت نانوتویؒ نے اپنے نظام اصلاح وتربیت میں علم وعشق کی آمیزی کر کے ایک ایسا نظام تربیت مرتب فرمایا کہ جو اصلاح نفس کے ساتھ ساتھ انسانیت کی فلاح وکامرانی میں مضبوط کردار ادا کر سکے ۔حضرت خطیب الاسلامؒ نے حضرت نانوتویؒ کے علم وعشق کے اس آمیزی کو بڑے لطیف اور معنی خیز انداز میں سمجھایا ہے، جس سے علم وعشق کے مجموعے کی اہمیت وافادیت اور نرے علم اور خالی عشق کی قباحت ومضمرات بھی سامنے آجاتی ہیں اور طلبہ مدارس کی اصلاح وتربیت کا اصول بھی واضح ہو جاتا ہے ۔فرماتے ہیں:

> نہ تنہا ''علم'' مسائل انسانیت کا حل ہے اور نہ تنہا ''عشق'' کیوں کہ یہ امر مشاہد اہل علم کے لیے

(۱) خطبات خطیب الاسلام ۲/۴۰

مسلم حقیقت ہے کہ شرک و کبر نے جب بھی جنم لیا تو وہ ''علم بے عشق'' ہی کے بطن سے جنم لیا اور بدعت جب بھی معرض وجود میں آئی تو ہمیشہ اس کا ذریعہ تخلیق ''عشق بے علم'' ہی بنا ہے۔

لہٰذا علم و عشق کی باہم آمیزی کے معنی یہ ہیں کہ عشق، علم کو تواضع آمیز کر کے صحت و پرتاثیری عطا کرتا ہے اور علم اتباع سنت کی راہ نمائی کے ذریعہ عشق کو وسیلۂ قرب و معرفت بناتا ہے اور ماضی کی طرح آج بھی ملت اسلامیہ میں علم بے عشق جو فتنے جگا رہا ہے اور ایسے ہی عشق بے علم کو کوکھ سے جن نو ایجاد بدعات کی روز بروز تولید ہو رہی ہے وہ اظہر من الشّمس ہے۔

پس بانئ دار العلوم نے اپنے رفیع القدر اتباع سنت پر مبنی ذوق کے تحت اس کے مرکز کے نظام میں علم و عشق کو اس طرح باہم آمیز فرمایا کہ درس گاہوں میں طلبہ کو دوران درس اساتذہ سے علمی تحقیق پر مبنی ہر قسم کے سوالات کو اصولاً آزادی عطا فرکر اور اساتذۂ کرام کو اطمنان بخش جواب دہی کا مکلّف بنا کر طلبہ کے دماغوں کو زیادہ سے زیادہ غذائے علم سے آسودگی کا موقعہ مہیا فرمایا اور طلبہ پر درس گاہوں سے باہر ماحول مدرسہ میں احترام کامل کے ساتھ اساتذہ کی بلا چوں چرا ایسی اطاعت وفرماں برداری پر مامور کیا جیسی خانقاہوں میں مرید اپنے شیخ کی اطاعت کرتا ہے اور اس ذریعہ سے سوز عشق سے حصہ یابی کی طرح ڈال کر حضرت الامامؒ نے خانقاہی مقصد سے بھی طلبہ کو مانوس کرنے کی معقول و مؤثر تدبیر فرمادی۔(۱)

علماء میں وسعت قلبی کی ضرورت

عوام میں انتشار و خلفشار کی ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ علماء وسعت قلبی و فراخ دلی سے کام نہیں لیتے اور ایک دوسرے کی تکفیر میں جلد بازی مچاتے ہیں اس وقت اگر چہ اس طرح کا ماحول نہیں ہے لیکن حضرت الامامؒ کے عہد میں اس کی بہت کثرت تھی حضرت نانوتویؒ اس سے بہت رنجیدہ تھے حضرت خطیب الاسلامؒ آپ کے ملی درد، ذہنی کرب و بے چینی کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

کاش! علماء کا طبقہ اپنے اندر اس وسعت قلبی کو پیدا کر لیتا تو آج امت مرحومہ پر کفر و الحاد کی جو خندہ زنیاں ہیں ان کی نوعیت یہ نہ ہوتی۔

درحقیقت جہاں تک حضرت والا کے مذاق طبعی کے اندازہ کرنے کا مجھے موقع دستیاب ہوا ہے، میں خیال کرتا ہوں کہ ایسے مسائل جن میں تفرق کلمہ اور مسلمانوں میں افتراق و انشقاق ہو حضرت ان سے طبعاً نفور تھے، ایک جگہ فرماتے ہیں: ایسا نہ ہو کہ اس زمانہ کے لوگ بندے پر تہمت جوڑیں اور اہل سنت کے اکابر اور بڑوں کی مخالفت کا مجرم ٹھہرا کر ہنگامہ مچائیں اور میرے سر پر قیامت توڑیں۔

(۱) خطبات خطیب الاسلام ۳/۵۴　　(۲) ایضاً ص: ۴/۵۸

فروعی اختلاف میں علماء کے لیے رہنماء اصول

فروعی مسائل جن میں اختلاف کی بنیاد نصوص میں اختلاف ہے اور ہر دو جانب دلائل ہیں اس میں اختلاف کر کے آپس میں دوریاں پیدا کرنا اور اسلامی اخوت کی بنیادوں کو ختم کرنا اسلام کے اصول وحدت کے بالکل منافی ہے حضرت نانوتوی اس کے سخت مخالف تھے حضرت خطیب الاسلام تحریر فرماتے ہیں:

> فروعی اختلافات میں الجھ کر اور عام مسلمان کو الجھا کر علماء کے ایک طبقہ نے دین جو حیات طیبہ کا دستور العمل اور اللہ تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہے اس کو صرف لفظی جنگ وجدال قیل وقال کا ذریعہ محض لیقال انك عالم کے لیے بنا رکھا ہے، حضرت کو اس سے طبیعت میں سخت گرانی تھی۔ مولوی عبد اللطیف کے خط میں فرماتے ہیں: عنایت نامہ پہنچا لیکن اس سے ملال ہوا کہ یہ کیسا پرشور زمانہ ہے کہ بجائے اسلامی اخوت کی محبت کی جگہ لینے کے اور دشمنیاں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں، ایسے مسئلوں میں جن پر ہمیشہ سے اتفاق تھا ان میں بھی اختلاف پیدا ہو رہا ہے اور مناظرے کے میدان میں جاہلوں کو بھی قدم رکھنے کا موقع مل گیا ہے۔(۱)

حضرت خطیب الاسلامؒ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کاش علماء! اب بھی ان زریں تجربات اور نصائح کو حرز جان بناتے، کم از کم دیوبند کے منتسبین اور خریجوں کے لیے تو اس سے زیادہ روشن، تابناک، مشورہ دوسرا نہیں ہوسکتا، جن کے قلوب میں حضرت والاؒ کے فضل وکمال کا وزن ہے، انشاء اللہ ان کے لیے یہ چند فقرے دستور العمل کا کام دے سکتے ہیں۔(۲)

حضرت الامامؒ کی تصنیفی خدمات

حضرت خطیب الاسلامؒ نے اپنی ایک تفصیلی تحریر میں حضرت الامامؒ کی تصنیفی خدمات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور حضرت الامامؒ کے طرز تحریر، تصنیفی ذوق، مصنفات کے اسباب اور پس منظر سے متعلق دلچسپ معلومات فراہم کی ہے خاص طور پر ہدیۃ الشیعۃ اور آب حیات کے بارے میں تفصیلی کلام فرمایا ہے۔ حضرت الامامؒ کے تصنیفی ذوق کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

> بانی دار العلوم کا سارا تصنیفی سرمایہ جبری سرمایہ ہے، جسے درحقیقت قوت سے فعل کے دائرے میں قدرت لانا ہی چاہتی تھی، اسی لیے میرے نزدیک مولانا کا شمار ان مصنفین میں ہے جنھوں نے صرف لکھنے کے لیے نہیں بلکہ لکھنے کے سوا کسی اور بلند مقصد کے لیے قدرت نے ان سے لکھوایا۔(۳)

---

(۱) خطبات خطیب الاسلام، ص: ایضا ۵۹/۴　(۲) ایضا ص: ۵۹/۴　(۳) ایضا ص: ۶۲/۴

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت پر حضرت الامامؒ کا انوکھا استدلال

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت اہل سنت والجماعت کے نزدیک مسلم ہے، اس سلسلے میں مختلف عقلی ونقلی دلائل ذکر کئے جاتے ہیں، لیکن حضرت الامامؒ نے ایک انوکھے استدلال سے اس کو ثابت کیا ہے حضرت خطیب الاسلامؒ حضرت نانوتویؒ کے اس استدلال کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مختلف لوگوں کی نسبت احادیث میں لفظ ''احب'' وارد ہوا ہے۔ کہیں حضرت عائشہؓ کو ''احب'' فرمایا ہے، کہیں حضرت فاطمہؓ کو کہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو لیکن حضرت ابوبکر صدیق کی نسبت حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر صدیق کو بناتا اور یہ بات (جس میں مادہ خلت ہو) کسی اور کے لیے نہیں فرمائی۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب یہ سمجھو کہ خاص خاص مادوں کی خاص خاص خصوصیات ہوتی ہیں۔ مثلاً جس مادہ میں ''فاء'' کلمہ کی جگہ ''ش'' ہوگا، اس کے معنی میں علو کے معنی پائے جائیں گے، جیسے شرف، شر، شیطان وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح جس مادہ میں فاء کلمہ اور ع کلمہ کی جگہ خ ل ہوں اس میں علیحدگی اور یکسوئی کے معنی پائے جائیں گے، جیسے خلوت، خلو، بیت الخلاء، خلیفہ، خلال وغیرہ، جب یہ معلوم ہو گیا تو اب یہ سمجھو کہ محبت کا تعلق قلب سے ہے اور قلب میں بہت سے پردے ہوتے ہیں اور اس کے بیچ میں ایک خلا ہوتا ہے پس عام محبوبوں کی محبت تو قلب کے پردوں میں ہوتی ہے اور خلیل کی محبت اس خلا میں قلب کے اندر ہوتی ہے، جب یہ بھی معلوم ہو گیا تو اب حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ میرے جوف قلب میں خدا کی محبت کے سوا کسی اور کی محبت کی جگہ نہیں ہے اور اگر بالفرض اس جگہ کسی اور کی محبت کی جگہ ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ کی محبت کی جگہ ہوتی اور جب حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کو اس درجہ محبوب تھے تو ضروری ہے کہ آپ کی محبت سب سے زائد ہوگی اور دوسروں کی محبت کا تعلق جوف قلب کے دور پردوں سے ہوگا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی محبت کا تعلق اس پردہ سے دور جوف قلب سے قریب تر ہے۔(۱)

حضرت نانوتویؒ کے مربیانہ بنیادی اصول اربعہ

حضرت نانوتویؒ نے انسانیت کی اصلاح وتربیت کے چار بنیادی اصول وضع فرمائے تھے جو نظام امن وتربیت کی اساس کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ اصول جن واضح اور یقین قطعی پر مبنی عقیدوں پر قائم ہیں ان کا کوئی صحیح العقل اور صحیح الفکر انسان انکار نہیں کرسکتا، بظاہر یہ بات لوگوں میں متعارف تھی کہ حضرت کے

(۱) مجالس خطیب الاسلام ۲/۳۱۲

چار مربیانہ اصول ہیں، لیکن اس کی توضیح وتشریح میں کچھ اغلاق واجمال تھا اس لیے ایک مجمع میں حضرت خطیب الاسلامؒ سے ان مربیانہ اصول کی تشریح کی درخواست کی گئی تھی، حضرت خطیب الاسلامؒ نے جو وضاحت فرمائی ہے اختصار کے ساتھ ان اصول کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) انسانیت کی نجات توحید اسلامی کے علاوہ کہیں ہو ہی نہیں سکتی ہے، عقیدہ توحید انسانیت کی نجات وفلاح کے لیے عظیم بنیاد ہے اور توحید کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں، وہی ذات بے مثال کائنات کے جز وکل کی خالق ہے، وہی مالک ہے اور وہی بلا شرکت غیرے کسی بھی مخلوق کو پیدا کرنے اور ختم کردینے والا ہے، اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں، اس کی شان عظیم یہ ہے کہ وہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے، جو نہیں چاہتا ہے نہیں ہوتا۔ وہی تمام مخلوق کو پالنے والا وہی ذرہ ذرہ کا علم رکھنے والا وہی ہر چیز پر قدرت کاملہ رکھنے والا ہے۔

(۲) بعض مرتبہ بے خوفی اور مایوسی کی وجہ سے انسان میں جرائم کی جرأت پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی جرائم کے حرص کی وجہ سے جرأت مزید بڑھ جاتی ہے اور کبھی انسان مایوسی کی بنا پر خودکشی تک کر لیتا ہے، لیکن اگر یہ خدائی اعلان انسان کو مستحضر ہو کہ اے بندو! اگر تم جرم کر کے صدق دل سے معافی کے طلب گار ہو گئے تو وہ رب کریم رب رحیم تمہارے شرک کے علاوہ ہر گناہ کو معاف کرنے والا ہے۔ تو انسان جرائم کی کثرت اور خودکشی کے عظیم گناہ سے بچ سکتا ہے۔

(۳) انسان چھپ کر گناہ کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس کے اس گناہ کا علم کسی کو نہیں ہے، لیکن اگر انسان کے دل میں یہ یقین پوشیدہ ہو جائے کہ وہ اس کا یہ گناہ اللہ تعالی کے علم میں ہے، کوئی چیز اللہ کے علم سے نہ چھپی ہوتی ہے اور نہ چھپی رہ سکتی ہے، اس کے علم پر انسان کوئی پابندی عائد نہیں کر سکتا ہے وہ انسان کی ہر حرکت وعمل خواہ وہ زمین سے ہو یا خلاء بسیط میں ہو یا بحر محیط میں ہو اس کے علم سے باہر نہیں ہے، یہ یقین خطا کرنے والے کے جرات کو ختم کردینے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

(۴) انسان کا یہ احساس کہ میرے عمل واقدام کے بارے میں باز پرس کی جرات کسی میں نہیں ہے، یہ احساس فاسد بھی جرائم کی جرات کا باعث بنا ہے۔ اس لیے احساس فاسد کو قیامت کے وقوع کا عقیدہ ختم کر دیتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالی کی قدرت قاہرہ کی جانب سے باز پرس کا یہ وہ عقیدہ ہے جو ہر ظالم وجابر کی جرأت کو مٹا دیتا ہے، کیوں کہ حدود سے تجاوز کی صورت میں خدا تعالی باز پرس کر کے اسے عذاب علیم میں مبتلا کرے گا، جس کا اس مجرم کے پاس نہ کوئی دفاع ہوگا اور نہ دفاعی قوت۔(۱)

---

(۱) ماخوذ مجالس خطیب الاسلام ۲/۶۸

فلسفۂ وجود وعدم

حضرت نانوتویؒ عام طور پر بنیادی حقائق سے کلام کرتے ہیں اور زیادہ تر کلیات سے بحث کرتے ہیں، ان کے یہاں جزئیات بھی کلیات بن جاتی ہیں اور کلیات کے لیے تمثیلات کا سہارا لیتے ہیں آپ کے کلام میں خاص طور پر دو چیزیں زیادہ ملحوظ رہتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات کو سامنے رکھتے ہیں اور مثال میں آفتاب کو پیش نظر رکھتے ہیں، چناں چہ فلسفۂ وجود وعدم پر گفتگو کرتے ہوئے بندہ اور رب کے ربط کی دلچسپ وضاحت کرتے ہیں، حضرت خطیب الاسلامؒ اپنی ایک مجلس میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرت نانوتویؒ کی حکمت میں ایک اصول ہے اور وہ یہ کہ جس قدر کمالات ہیں وہ سب وجود کے تابع اور اس کے حصے ہیں اور جس قدر شرور ونقائص اور عیوب ہیں وہ سب عدم کے حصے ہیں، مثلاً علم یہ مثبت اور وجودی چیز ہے اور جہالت عدم العلم کا نام ہے، چوں کہ یہاں پر عدم کی نسبت آ گئی اس لیے جہالت عیب دار بن گئی اور علم کے اندر چوں کہ وجود کی نسبت آ گئی، اس لیے علم کے اندر کمال ہے، اسی طرح قدرت کو کمال کہتے ہیں اور عدم القدرت جس کا لقب عجز ہے وہ عیب ہے، کیوں کہ اس کے اندر عدم کی نسبت آ گئی، اس طرح تمام صفات کو دیکھ لیجیے۔ جہاں پر بھی عدم کی نسبت آتی ہے وہ فوراً عیب دار بن جاتی ہے اور جہاں پر وجود کی نسبت آتی ہے وہ صفت کمال بن جاتی ہے۔

وجود وعدم کے اسی اصول پر متفرع کرتے ہوئے حضرت نانوتویؒ خدا اور بندے کی معرفت کے اصول بیان کرتے ہیں کہ جہاں پر عدم کا شائبہ بھی ناممکن ہو اور صرف وجود ہی وجود ہو وہاں پر کمال محض ہوگا اور وہ ذات حق ہے، کیوں کہ یہاں پر وجود عین ذات ہے اور عدم ہے ہی نہیں اور باہر کا عدم بھی یہاں پر نہیں پہنچ سکتا، اس لیے حق تعالیٰ ہر صورت میں عدم سے بری ہے اور جہاں پر عدم محض ہے وہاں پر نقائص اور عیوب ہی عیوب ہوں گے اور وہ بندے ہیں انسان اصل میں معدوم تھا اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا تو وہ موجود ہوا یہاں سے ربط حادث بالقدیم کا مسئلہ پیدا ہے، انسان اصل میں تو عدمی ہے اللہ کے وجود بخشنے سے وجودی ہو گیا اس طرح انسان عدم اور وجود سے مخلوط ہو گیا، یہی وجہ ہے کہ اگر انسان کے ساتھ علم ہے تو اس کے ساتھ عدم بھی ہوگا، کیوں کہ اگر انسان کے عدم العلم نہ تو عالم الکل بن جائے گا۔

ربط حادث بالقدیم کا مسئلہ

حضرت نانوتویؒ مثالوں میں آفتاب کی تمثیل زیادہ استعمال کرتے ہیں جیسے کہ حضرت مجدد الف

ثانی کے یہاں آئینے کی تمثیل زیادہ ملتی ہے چناں چہ ربط حادث بالقدیم کی وضاحت حضرت نانوتویؒ نے آفتاب کی تمثیل سے کی ہے، حضرت خطیب الاسلامؒ اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

دیکھو جب آفتاب نکلتا ہے تو جس جگہ سے گزرتا ہے، دھوپ کی ویسی ہی شکل بن جاتی ہے اگر روشن دان گول ہے تو دھوپ بھی گول ہوگی اور اگر روشن دان چوکور ہے تو دھوپ بھی چوکور ہوگی ---یعنی جب آفتاب نکلتا ہے تو ہزاروں شکلیں بنتی چلی جاتی ہیں۔ جہاں کسی محدود مقام پر دھوپ کا گزر ہوگا وہیں پر شکل بن جائے گی، اب اس پر غور کرو کہ شکل کی حقیقت کیا ہے تو مسئلہ کھل کر سامنے آجائے گا ،شکل نام ہے نور وظلمت کے مجموعہ کا، اس لیے کہ چاروں طرف ظلمت ہی ظلمت ہے، جب درمیان میں نور آیا تو شکل بن گئی، اس سے معلوم ہوا کہ نور اور ظلمت کے مجموعے سے شکل بنتی ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس شکل میں نور کہاں سے آیا اور ظلمت کہاں سے آئی۔ظاہر ہے کہ آفتاب نے شکل بنائی ہے مگر وہاں سے نور ہی نور آیا ظلمت تو آئی نہیں، تو پھر شکل کیسے بن گئی اس کا جواب یہ ہے کہ ظلمت آفتاب کی ذات کے اندر ہے اور نور آفتاب کے اوپر سے آیا ہے تو آفتاب کا نور جو باہر سے آیا ہے اور اس کی ذاتی ظلمت نے مل کر اسے شکل بنادی پھر اس شکل میں جو نورانی حصہ ہے وہ آفتاب کا فیض ہے اور جو ظلمانی حصہ ہے وہ اس کا ذاتی ہے۔اسی طرح جتنی ممکنات ہیں وہ متشکل ہیں اور شکل مجموعہ ہے وجود اور عدم کا لہذا جتنا وجود ہے وہ اللہ تعالی سے آیا ہے اور جتنا عدم ہے وہ انسان کی ذات میں موجود ہے، ان دونوں نے مل کر انسان کو ممکن بنادیا اور یہ متشکل ہوگیا اس طرح آفتاب نے ربط حادث بالقدیم کو واضح کردیا اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب حادث قدیم کے ساتھ ملتا ہے تو متشکل بن جاتا ہے، اس شکل میں وجود کا حصہ قدیم سے آتا ہے اور عدم کا حصہ خود اس حادث کے اندر موجود ہے لہذا حوادث نہ مختار کل بن سکتے ہیں اور نہ مجموعہ مطلق رہ سکتے ہیں، اس میں کچھ جبر بھی ہوگا اور کچھ اختیار بھی، کچھ علم بھی ہوگا تو کچھ جہل بھی۔ان دونوں سے ایک مرکب ہے یہ مسئلہ استدلالی طور پر سمجھنا مشکل تھا اس لیے حضرت نانوتویؒ نے آفتاب کی تمثیل سے سمجھادیا۔(۱)

خلاصہ

حضرت خطیب الاسلامؒ کی زندگی ہمہ گیر و ہمہ جہت ہے جن میں فکر کی بلندی، شعور کی تابانی، کردار کی روانی، الفاظ وتعبیرات کی ارزانی اور خدمات کی جولانی سب کچھ ہے، آپ کی شخصیت مختلف الجہات ہے، آپ درس گاہ میں شیخ الحدیث ہیں، مدرسہ میں مہتمم ہیں، تنظیموں میں امیر اور ملی پلیٹ فارم پر قائد ہیں،

(۱) مجالس خطیب الاسلام ۲/ ۲۲۵

رات میں شب زندہ دار اور دن میں قافلۂ علم وعمل کے سالار رہیں، حضر میں کاتب الاسلام ہیں تو سفر میں خطیب الاسلام۔ آپ کے کارناموں کی طویل کی فہرست ہے، جس میں ایک اہم کارنامہ حجۃ الاسلامؒ کے علوم وافکار کی تشریح وتسہیل ہے، آپ کے خطبات اور تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت نانوتویؒ کو بہت گہرائی وگیرائی سے پڑھا ہے اور بہت سی خوبی واوصاف اور علم وفکر کے بہت سے سوتے حکمت وفلسفہ کے مختلف گوشے آپ کے اندر وراثتاً بھی منتقل ہو گئے تھے۔

تقریر وتحریر میں آپ کا اسلوب بالکل منفرد اور جداگانہ اور سب سے ممتاز ہے، جس میں جملے ٹوٹتے نہیں، بلکہ ایک جملے دوسرے جملے سے ملتے چلے جاتے ہیں البتہ حضرت الامامؒ کے مکتوبات اور ان کے قول کی تشریح کے دوران آپ کا اسلوب مولانا گیلانی کے اسلوب سے ہم آہنگ دکھائی دیتا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت خطیب الاسلامؒ مولانا گیلانیؒ کے طرز تحریر سے متأثر تھے، اس کی ایک شہادت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک مجلس میں کسی نے سوال کیا کہ حضرت نانوتویؒ کی سب سے اچھی سوانح کون سی ہے اس پر حضرت خطیب الاسلامؒ نے جواب دیا کہ سوانح قاسمی ہے اور فرمایا کہ مولانا گیلانیؒ سے لکھوانے کی تجویز میں نے ہی والد صاحبؒ کے سامنے رکھی تھی تو حضرت حکیم الاسلامؒ نے اس کو پسند فرمایا اور فرمایا کہ تم ہی ان سے بات کرلو۔

حضرت خطیب الاسلامؒ نے حضرت نانوتویؒ کا طبعی وفکری ذوق پالیا تھا، اسی لیے آپ نے حضرت الامامؒ کی زندگی پر کئی تحریریں لکھیں اور بہت سی تقریریں کی ہیں ان تحریروں اور تقریروں میں حضرت نانوتویؒ کے علوم وافکار کا عکس دکھائی دیتا ہے، عقلی استدلال اور تمہید واصول کی روشنی میں باتوں کو مدلل سمجھانے کا طریقہ درحقیقت حضرت نانوتویؒ کا ہی پرتو ہے۔

آپؒ نے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ حضرت نانوتویؒ کے علوم وافکار سے اور ان کے اصول وکلیات سے پوری زندگی لوگوں کو متعارف کرایا ہے خاص طور پر جن فکر وفلسفہ کی تشریح ہمیں ان کی تحریر وتقریر کے ذریعہ ملی ہے، ان میں چند کا اختصار کے ساتھ یہاں تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت نانوتویؒ کا عظیم کارنامہ ختم نبوت کی حیرت انگیز تشریح ہے جس میں اگرچہ آپ منفرد نہیں ہیں بلکہ آپ سے پہلے بعض بزرگوں سے اس کی حقیقت ملتی ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اپنے عہد میں آپ ہی ذریعہ یہ غیر معمولی تشریح لوگوں کے سامنے آئی حضرت خطیب الاسلام نے حضرت نانوتویؒ کے مسئلہ ختم نبوت کی دلنشیں تشریح وتفسیر اور ان کی عبارتوں کی توضیح کی ہے جس سے یہ مسئلہ دو دو چار کی طرح واضح ہو جاتا ہے۔

(۲) حضرت نانوتویؒ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ علم وعشق کے اجتماع میں انسانیت کے مسائل کا حل ہے

اور بے علم عشق اور بے عشق علم کی کوکھ سے کبر وتکبر کے ساتھ بدعات وخرافات کا تولد ہوتا ہے حضرت خطیب الاسلام نے اس کی دلچسپ توضیح کی ہے۔

(۳) عوام میں انتشار وخلفشار کی ایک بنیاد یہ بھی ہے کہ علماء وسعت قلبی وفراخ دلی سے کام نہیں لیتے اور ایک دوسرے کی تکفیر میں جلد بازی مچاتے ہیں، اس وقت اگر چہ اس طرح کا ماحول نہیں ہے، لیکن حضرت الامامؒ کے عہد میں اس کی بہت کثرت تھی، حضرت نانوتویؒ اس سے بہت رنجیدہ تھے، اسی طرح فروعی مسائل جن میں اختلاف کی بنیاد نصوص میں اختلاف ہے اور ہر دو جانب دلائل ہیں اس میں اختلاف کر کے آپس میں دوریاں پیدا کرنا اور اسلامی اخوت کی بنیادوں کو ختم کرنا اسلام کے اصول وحدت کے بالکل منافی ہے حضرت نانوتویؒ اس کے سخت مخالف تھے حضرت خطیب الاسلامؒ نے مختلف جگہوں پر حضرت نانوتویؒ کے اس فکر کی وضاحت فرمائی ہے۔

(۴) حضرت خطیب الاسلامؒ نے حضرت نانوتویؒ پر ہوئے ایک سیمینار میں ''حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی شخصیت کے امتیازی پہلو'' کے عنوان پر ایک تفصیلی مقالہ تحریر فرمایا ہے جس میں حضرت نانوتویؒ کے علوم اور ان کے فکر وفلسفہ اور ان کی شخصیت کے امتیازی پہلو کو بہت ہی البیلے اور نرالے انداز میں ذکر کیا ہے جس سے حضرت نانوتویؒ کے علوم ومعارف سے ان کی دلچسپی معلوم ہوتی ہے اور خطیب الاسلامؒ کے قلم زرف نگار اور اسلوب وتعبیرات کی انفرادیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔

(۵) حضرت نانوتویؒ نے انسانیت کی اصلاح وتربیت کے چار بنیادی اصول وضع فرمائے تھے، جو نظام امن وتربیت کی اساس کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ اصول جن واضح اور یقین قطعی پر مبنی عقیدوں پر قائم ہیں ان کا کوئی صحیح العقل اور صحیح الفکر انسان انکار نہیں کرسکتا، بظاہر یہ بات لوگوں میں متعارف تھی کہ حضرت کے چار مربیانہ اصول ہیں لیکن اس کی توضیح وتشریح میں کچھ اغلاق واجمال تھا اس لیے ایک مجمع میں حضرت خطیب الاسلام سے ان مربیانہ اصول کی تشریح کی درخواست کی گئی تھی حضرت خطیب الاسلامؒ نے اس کی وضاحت فرمائی۔

(۶) حضرت نانوتویؒ عام طور پر بنیادی حقائق سے کلام کرتے ہیں اور زیادہ تر کلیات سے بحث کرتے ہیں، ان کے یہاں جزئیات بھی کلیات بن جاتی ہیں اور کلیات کے لیے تمثیلات کا سہارا لیتے ہیں، آپ کے کلام میں خاص طور پر دو چیزیں زیادہ ملحوظ رہتی ہیں، اللہ تعالی کی ذات کو سامنے رکھتے ہیں اور مثالوں میں آفتاب کی تمثیل زیادہ استعمال کرتے ہیں جیسے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے یہاں آئینے کی تمثیل زیادہ ملتی ہے، چناں چہ ربط حادث بالقدیم کی وضاحت حضرت نانوتویؒ نے آفتاب کی تمثیل سے کی ہے، حضرت خطیب الاسلامؒ نے اس مسئلہ کی بڑی مدلل اور فلسفیانہ انداز میں وضاحت کی ہے، اسی طرح

فلسفہ وجود وعدم پر گفتگو کرتے ہوئے بندہ اور رب کے ربط کی دلچسپ وضاحت کی ہے۔

(۷) ملک کی آزادی اور دارالعلوم کے قیام سے پہلے ہندوستان میں تین مکتب فکر کی علیحدہ علیحدہ تعلیم ہورہی تھی قرآن وحدیث کی تعلیم کا مرکز دہلی تھا تو فقہ کی تعلیم کا منبع لکھنؤ اور منطق وفلسفہ کا مدرسہ رام پور اور خیرآباد میں قائم تھا لیکن انگریز کے ناپاک عزائم کی وجہ سے یہ تینوں ادارے زوال کے راستے پر تھے لیکن حضرت نانوتویؒ کی عالمگیر فکر نے اس سرمایہ ملت کی حفاظت کے لیے دارالعلوم قائم کرنے کا منصوبہ بنایا جس میں تینوں مکتب فکر کی تعلیم کو جمع کر کے ان علوم کو نہ صرف ضائع ہونے سے بچالیا بلکہ پوری دنیا میں اس کی حفاظت و اشاعت کا بہترین نظم قائم ہوگیا حضرت خطیب الاسلامؒ اپنی مختلف تقریروں اور تحریروں میں حضرت نانوتوی کے اس فکری کارنامے کی توضیح وتشریح کی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت نانوتویؒ کا سب سے عظیم علمی وفکری کارنامہ دارالعلوم دیوبند اور اس کا قیام و استحکام ہے اور حضرت خطیب الاسلامؒ نے پوری زندگی اس علمی وفکری کارنامے کی تشریح وتفسیر اور تعمیر و تزئین میں صرف کی، میں سمجھتا ہوں کہ یہی حضرت خطیب الاسلامؒ کا سب سے عظیم کارنامہ ہے اور اس کی حفاظت واشاعت اور اس کی تعمیر وترقی کی جد وجہد حضرت خطیب الاسلامؒ کو سب سے عظیم خراج تحسین ہے، اللہ تعالی آپ کی ان خدمات کو قبول فرمائے اور ہمیں ان کے نقش پا پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

❖ ❖ ❖

حضرت خطیب الاسلامؒ کا اعتدال فکر ونظر

مفتی محمد ارشد فاروقی ❖

باغ وچمن کی تازگی وشادابی، موزونیت واعتدال اورخوبصورتی وشگفتگی باغبان کےحسن ذوق اور فکری موزونیت کی رہین منت ہوتی ہے۔ چمن عالم کے صناع وخالق رب العالمین کی فکرتک رسائی متصور نہیں،لیکن ان کی ہدایات وفرامین سےاستفادہ اوران پرکاربند ہونا انسانی فلاح وکامرانی کا ضامن ہے۔

قرآن کریم کے جامع مقدمہ سورہ فاتحہ میں ہادی ورہبر، رحمٰن ورحیم نے سوغات کی التجاء کی تلقین فرمائی، وہ روح نظام صراط مستقیم ہے،جس کی ہدایت نبی رحمت ﷺ نے **قل لا الٰہ ثم استقم** کے زریں قول سے فرمائی اوراستقامت نقطۂ اعتدال وکرشمۂ حسن ہے۔ راہ اعتدال راہ مستقیم ہے،جس پرامت وسط کی گامزنی مطلوب ہے۔

حق مجدہ نے امت محمدیہ کوامت وسط کےلقب سےنوازا۔ **وکذلك جعلنا كم امة وسطاً لتكونوا شهداء على الناس و يكون الرسول عليكم شهيدا.** (۱)

ڈاکٹر محمد راتب نابلسی وسط کی تشریح کے ذیل میں لکھتے ہیں: ”لفظ وسط بڑی معنوی جامعیت کا حامل ہے۔غضب کی محرک مادیت اورتحمل وبرداشت کی داعی روحانیت کی کشمکش دورکرنے والی اور موزونیت کی حدفاصل ہے، حد سے بڑھتی احتیاج اوراعلیٰ اقدار کے رشتہ کومتوازن، سرکش فرداورشہ زور گروہ،فکری جموداورجذباتیت کی طغیانی کی دونوں انتہا کے گرد ایک مضبوط بندھن ہے۔

علماء نے وسطیت کی تعریف اعتدال سے کی ہے، دونوں کناروں کے درمیان کونقطۂ اعتدال سے تعبیر کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے سورہ قلم میں فرمایا :

قال اوسطهم الم اقل لكم لولا تسبحون (۲)

بھائیوں میں اللہ کے یہاں جومقام بلند رکھتا تھا وہ منصف مزاج معتدل فکر تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت کوامت وسط،امت خیر،امت عدل قرار دیا۔

ہار کے موتی آبدار کورابطہ اورموزونیت کا مرکز قرار دیا جاتا ہے، جسے واسطہ کہا جاتا ہے۔

❖ دیوبند (۱)البقرہ: ۱۴۳ (۲)قلم: ۲۸

یہاں بہت ہی لطیف نقطہ یہ ہے کہ درمیانی شئے کے گرد ایک چوطرفہ ہالہ ہوتا ہے، جس کے باعث وہ محفوظ و مامون ہوتی ہے، جس طرح آپ لوگوں کے درمیان ہوں تو محفوظ، جدا ہوں تو خطرات سے گھرے ہوتے ہیں، اسی طرح وسطیت قوت سے تعبیر ہے، سورج کا شباب وسط سماء میں رنگ لاتا ہے اور انسان کی جولانی کا وقت اس کی جوانی ہے، جو عمر کا درمیانی حصہ وسط ہے۔

اس طرح وسطیت طاقت وقوت، امن وامان، خیر و بھلائی کے معانی اپنے جلو میں لے ہوئے ہیں اور وسطیت واعتدال کے وصف امتیازی سے جو انسان متصف ہوتا ہے، وہ سرچشمہ خیر ہوتا ہے اور بزدلی، فرط غضب کی درمیانی نمایاں کڑی شجاعت کہلاتی ہے۔

یہ امت امت وسط کی حیثیت سے اقوام عالم کی نگراں وشاہد ہے، اس لے مشیت خداوندی کا تقاضہ ہے کہ ہر دور میں تا قیامت اس وصف نمایاں کی حامل غیر معمولی شخصیات اور ادارے وجماعتیں موجود رہیں تا کہ سامان حیات امت وعالم کوفراہم ہوتا رہے۔

برصغیر اور اطراف عالم میں خدائے بزرگ و برتر نے اس خیر کا مصداق خانوادۂ قاسمی کو بنایا اور دیوبند سے وسطیت واعتدال فکر کے پیام حق کی کارگاہ انسانیت کی بنیاد کے لیے جس طائفہ حق کا انتخاب کیا۔ اس کے سرخیل گل سرسبد، قاسم خیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہیں۔

چمنستان قاسمی ڈیڑھ صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد بھی لالہ زار سرسبز وشاداب ہے اور چہار دانگ عالم میں اس کی خوشبو برابر پھیل رہی ہے، جو سدابہار ہے۔

اس چمن کے باغبان اول نانوتویؒ، ثانی فخر الاسلام مولانا حافظ احمدؒ، ثالث حکیم الاسلامؒ، رابع متکلم الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ اور خامس مولانا محمد سفیان قاسمی ہیں۔ اللہ وسطیت کے مالے میں انہیں پروئے رکھے ان کے نقش قدم پر عزیز گرامی مولانا شکیب سلمہ گامزن ہیں۔

حضرت الاستاذؒ مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی شخصیت ہشت پہلو جامع اور آفاقی ہے ان کے اوصاف بہت نمایاں ہیں، جہاں تک اعتدال فکر ونظر کی بات ہے تو یہ ان کا یہ ایسا وصف امتیازی ہے، جس میں ان کے سہیم نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں اور نظر راقم نے تو ابھی تک ان جیسا ان کے ہم عمروں میں دیکھا نہیں۔

حضرت الاستاذؒ کے اعتدال فکر ونظر (جسے وسطیت وموزونیت سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں) کومختلف واقعات وفیصلوں کی روشنی میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ہندوستان میں کسی ضرورت کے پیش نظر علماء کے ایک طائفہ نے اپنی صواب دید پر اہل تشیّع کی تکفیر کی دستخطی مہم چلائی، ایک وفد حضرت الاستاذ کی خدمت میں آیا اور دستخط ثبت کرنے کی گزارش کی۔

حضرت الاستاذؒ نے بڑی متانت وسنجیدگی سے فرمایا: آپ منصب افتاء پر فائز ہیں، قلم ومہر آپ

کے ہاتھ میں ہے، اس کے استعمال کا اختیار ہے، بسم اللہ۔ لیکن عاجز کا خیال ہے کہ اس تکفیری فتوی سے بڑی مشکلات اور مسائل کھڑے ہوں گے، جن کا حل مشکل ہے، ان مسائل میں سے ایک جغرافیائی مسئلہ انتہائی پیچیدہ ہے، وہ یہ کہ سعودی عرب میں اہل تشیّع بھی آبادی کا حصہ ہیں۔ اس فتوے کے بعد ان کا اس خطہ سے اخراج لازمی ہوگا جو ارباب افتاء کے اختیار سے باہر ہے اس لیے جمہور علماء کی رائے ہی اس بارے میں بہتر ہے۔ ہمیں یاد ہے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے بھی دستخط سے معذرت کی تھی۔

اس واقعہ سے حضرت الاستاذؒ کے اعتدال فکر ونظر کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مسئلہ کے ہر گوشہ حتی کہ جغرافیائی پہلو تک پر نظر رہی جس کے نتیجے میں معتدل رائے قائم ہوسکتی۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس شوریٰ میں مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے ایک مقالہ پیش کیا، جس میں عالم اسلام کی موجودہ صورت حال کا تذکرہ دردمندانہ انداز میں تھا۔ تعلیق کے لیے حضرت الاستاذ خطیب الاسلامؒ کو دعوت دی گئی۔

گراں قدر مقالہ پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت الاستاذؒ نے فرمایا: غیر معمولی طور پر مقالہ عالمانہ فاضلانہ، مفکرانہ زبان وادب کا پیکر، خلوص وحسن نیت کا مظہر ہے، جس میں عالم اسلام کی تشویش ناک صورت حال، دردمندانہ انداز میں پیش کی گئی اور چوں کہ مجلس اہل علم ودانش، ارباب فکر وفہم کی ہے اس لیے فاضل مقالہ نگار نے عالم اسلام کی صورت حال پیش کرنے پر اکتفا کی اور حل مجلس کے فاضل شرکاء کے غور وفکر کے لیے چھوڑ دیا۔

یہ ہے حسن تعبیر اور فکری اعتدال کی شاندار مثال:

حضرت خطیب الاسلامؒ کی زبانی ایک حیرت انگیز کہانی مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے مضامین و مقالات اور کتابیں منظر عام پر آئیں تو بعض علما کو کھٹکیں اور اس سلسلے میں دارالعلوم دیوبند میں بڑے اساتذہ وذمہ داران کی میٹنگ بلائی گئی، جس میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے مولانا مودودی صاحبؒ کے کچھ کتابچے اساتذہ کو دیئے کہ ان کے جواب دیئے جائیں۔

حضرت الاستاذؒ فرماتے ہیں، ہمت جٹا کر میں نے عرض کیا : حضرت میری سمجھ میں تو یہ آرہا ہے کہ یہ قلم بہت اچھا ہے، اس لیے ایسی کوئی صورت اختیار کی جائے کہ اس کا استعمال اسلام کی اشاعت کے لیے، جس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ یا تو مودودی صاحب کو دعوت دی جائے یا ایک وفد ان کے پاس جائے اور قابل اعتراض باتوں پر تبادلہ خیال کیا جائے، اگر وہ مطمئن کرسکیں اور دلائل کی روشنی میں اٹھنے والے سوالات حل ہوجائیں تو زیادہ بہتر ہو اور متحدہ طور پر خدمت ہوسکے۔ اس پر مولانا مدنی کا ارشاد ہوا، نہیں! ان کے رسائل کا تجزیہ کیا جائے اور جواب لکھا جائے۔

حضرت الاستاذؒ فرماتے ہیں کہ ناچیز کے ذمہ ''حقیقت معراج'' نامی رسالہ ہوا اور ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا اور اس مجلس کی طرف سے اس کے سوا کوئی تحریر نہیں آئی۔

اس کہانی میں حضرت الاستاذؒ کا فکری اعتدال بہت نمایاں ہوکر سامنے آتا ہے۔

حضرت الاستاذ خطیب الاسلامؒ نے سرائے میر اعظم گڑھ کے ایک سفر کی روداد سنائی کہ مجھے ایک پوسٹ کارڈ موصول ہوا، جس کا مضمون تھا مدرسہ بیت العلوم سرائے میر کے سالانہ دینی جلسہ میں خطاب کے لیے تشریف لائیے اور دستخط عبدالغنی ثبت تھے۔ میں داعی سے واقف نہ تھا، والد ماجد سے استفسار کیا تو انہوں نے بڑے وقیع الفاظ میں تعارف کرایا اور مجھے پابند کیا کہ سفر کروں۔

خیر میں نے تقریر کی اور تبلیغ دین کی ضرورت واہمیت کے ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ مسلک، مذہب، مشرب، مذاق کی تبلیغ سے گریز کیا جائے، صرف دین کی تبلیغ کی جائے۔ بہرحال تمام مکاتب فکر نے خطاب کو بنظر استحسان دیکھا اور مدرسۃ الاصلاح کے کچھ اساتذہ وطلبہ ملنے آئے، انہوں نے درخواست کی کہ تھوڑی دیر کے لیے مدرسۃ الاصلاح حاضری دوں۔ میں نے عرض کیا دعوت منظور ہے، البتہ مشروط ہے کہ مولانا عبدالغنی صاحب سے اجازت لے لی جائے۔ یہ واقعہ جہاں تبلیغ دین وتبلیغ مسلک کے فرق کو نمایاں کرتا ہے، اعتدال فکر کا غماز ہے۔ وہیں الاصلاح کی دعوت کی مشروط قبولیت بھی موزونیت فکر وطبع کی عکاس ہے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ کی زندگی کا ایک اہم ترین واقعہ جس کا تذکرہ وہ دردمندانہ لب ولہجے میں فرماتے ہیں کہ: دارالعلوم کے صدسالہ اجلاس کی تیاری کے سلسلے میں عرب ممالک کے دوران سفر مشہور تاجر صاحب خیر حسن شربتلی سے ملاقات ہوئی، جب ان کے سامنے دارالعلوم کی خدمات اور نظام تعلیم، پھر فضلاء کی بڑی تعداد کا برصغیر اور اطراف عالم میں اشاعت وتبلیغ، تعلیم وتربیت کے مختلف میدان میں مصروف ہونا اور بانیوں کے اخلاص وحسن نیت، زہد وتقویٰ کا تذکرہ ہوا تو وہ بہت متاثر ہوئے اور ان کے اعلیٰ دماغ اور پرواز فکر نے ایک جامع منصوبہ دارالعلوم کے لیے تیار کیا، وہ یہ ہے:

دارالعلوم عالمی نقشے کو سامنے رکھ کر ہر ملک وعلاقے کے لیے افراد تیار کرے، جو اس علاقے کی زبان کے بھی ماہر ہوں اور جس طرح ممالک سفراء کا تقرر کرتے ہیں اسی معیار اور پیمانہ کو ملحوظ رکھ کر دارالعلوم ممتاز جید علماء اور داعیوں کی تیاری کے بعد خدمت دین کے لیے مقرر کرے۔ اور اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جو بجٹ ہوگا وہ بندہ حسن برداشت کرے گا۔

حضرت الاستاذؒ فرمانے لگے: جب ہم نے ان کی اس قدر معیاری تجویز کو سنا تو حیرت کی انتہا نہ رہی اور قلبی مسرت بھی بہت ہوئی، لیکن اتنے بڑے منصوبے کی منظوری مجلس شوریٰ دارالعلوم ہی دے سکتی تھی، اس لیے ہم نے تشکر وقدردانی کے کلمات کے ساتھ ان کو بتایا کہ ہم آپ کے منصوبہ وتجویز اور پیام کو دارالعلوم کے

ارباب حل وعقد اور مجلس شوریٰ تک پہنچا دیں گے اور اس کے بعد تفصیلات سے باخبر کریں گے۔

حضرت الاستاذؒ فرماتے ہیں کہ اس عظیم منصوبے کو دارالعلوم کے ذمہ داران اور مجلس شوریٰ کو غور کرنے کا موقع نہ مل سکا، جس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔

حسن شربتلی سعودی عرب کے ان تاجروں میں تھے جن کے پاس دولت کی انتہا نہ تھی، وہ انسان پر احسان کے لقب سے مشہور تھے، جب انہوں نے دارالعلوم کے لیے منصوبہ پیش کیا تو حضرت الاستاذؒ کے اعتدال فکر ونظر نے اس کا تہہ دل سے استقبال کیا اور تفصیلات کے لیے مقدور بھر کوشاں رہے اور زندگی بھر ان کو ملال رہا کہ عملی جامہ نہ پہنایا جا سکا۔

تعلیم نسواں اور اعتدال فکر

وہ فرماتے ہیں کہ تعلیم نسواں کو اس قدر محدود کر دیا گیا تھا کہ بڑے اہل علم کے زناں خانے تک اس کی رسائی اس حد تک رہ گئی تھی کہ بڑی بوڑھیوں کو چند سورتیں حفظ ہوتیں، وہ نئی نسل، بچیوں تک منتقل کرتیں۔ اس طرح نصف انسانیت کو علم کی روشنی سے محروم رکھا گیا، جب کہ تعلیم مرد وزن دونوں کے لیے خیر القرون سے نہ صرف ثابت ہے بلکہ نصوص نے واجب کا درجہ دیا ہے۔

حجاب اور اعتدال فکر

اسی طرح پردے وحجاب کا یہ مفہوم کہ زناں خانے کے کمرے کے روشن دان اور کھڑکی کی جالی سے آنے والی کرن سے بھی بچنے کی تلقین یہ درحقیقت پردہ نہیں قید ہے۔

نصاب تعلیم واعتدال فکر

وہ تعلیم کے باب میں ہر مفید تبدیلی اور نافع ذریعہ کو اختیار کرنے کے قائل تھے۔

تزکیہ اور اعتدال فکر

تعلیم کے ساتھ تربیت اور تزکیہ کے باب میں وہ تھانوی طرز کے قائل اور عامل تھے اور زمانہ کی تبدیلی کے مطابق اس میں ایسی تبدیلی بھی فرماتے جو سہولت وآسانی کا ذریعہ بنتی اور ان کے ذوق اعتدال کو نمایاں کرتی۔ بسا اوقات وہ صوفیاء کی اصطلاحات سے گریز کرتے اور حقائق کو زمانے کی تعبیر دیتے، جس سے جدید طبقہ کو خاص فائدہ پہنچتا۔

دوسروں کی رائے اور اعتدال فکر

حضرت الاستاذؒ کی بڑی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ وہ دوسروں کی رائے کا احترام کرتے، غور سے سنتے اور بسا اوقات چھوٹوں کی رائے کو بھی قبول کرتے اور حوصلہ افزائی و تربیت کا زریں باب کھولتے۔

راقم ایک دن حاضر خدمت ہوا، فرمانے لگے : فتوے کے شرائط پر ایک مضمون لکھا ہے سنئے!

وہ ایک پر مغز شاندار علمی تحقیقی مقالہ تھا، جس میں یہ بھی رقم تھا کہ جدید مسائل میں فتویٰ دینے کے لیے کم از کم تیس سالہ تجربہ ضروری ہے۔ جب سماعت مکمل ہوئی تو حضرت نے رائے جاننی چاہیے۔ ظاہر ہے مقالہ غیر معمولی علمی و تحقیقی تھا، نقطہ رکھنے کی گنجائش کہاں؟

پھر بھی راقم نے عرض کیا: حضور! ایک بات کھٹک رہی ہے، وہ یہ ہے کہ ایسا ممکن ہے کہ ایک مفتی تیس سالہ تجربہ رکھنے کے باوجود دوسرے جواں سال مفتی جس کی نظر وسیع، علم گہرا، صلاحیت پختہ ہو کے مقابلے میں فروتر ہو۔ حضرت نے برجستہ فرمایا مقالے کے شرائط منصوص تو نہیں، یقیناً اس میں تبدیلی ہو سکتی ہے، پھر عمر کی قید ہی حذف فرمادی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت کے اعتدال فکر و نظر کے بیان کے لیے ان کی زندگی پر نگاہ ڈالنی اور حقائق و مسائل کو جمع کرنے کے لیے بحر بے کراں نہیں تو داستاں طویل ضرور چاہیے۔ یہ چند واقعات اور تجزیاتی مطالعہ بطور حسب ذوق پیش ہے پھر فرصت رہی تو باتیں اور بھی ہیں۔

❖ ❖ ❖

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ اور اتحاد امت

ڈاکٹر عرفات ظفر ❖

ہندوستان کے جن چند خانوادوں نے مسلمانان ہند کی مذہبی، تعلیمی اور تہذیبی زندگی پر اپنے گہرے نقوش مرتسم کئے ہیں ان میں حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ (۱۸۳۳ء۔۱۸۸۰ء) کا خاندان بھی ہے۔ اس خاندان میں علم وفضل کا سلسلہ تقریباً ڈیڑھ سو سال سے زائد عرصہ سے جاری وساری ہے۔ اس خانوادے سے بہت سے علماء، صلحاء اور داعیان اسلام پیدا ہوئے۔ حجۃ الاسلام امام نانوتویؒ کا اصل وطن ضلع سہارنپور اتر پردیش کا معروف قصبہ نانوتہ ہے۔ آپ نے دیوبند کو اپنا وطن ثانی اور اپنی تعلیمی تحریک کا مرکز بنایا۔ یہیں پر عالم اسلام کی معروف دینی درس گاہ ''دارالعلوم دیوبند'' کی بناء ڈالی، جس نے نہ صرف ہندوستان میں اسلام کی بقاء اور مسلم تہذیب وثقافت کی حفاظت میں کلیدی رول ادا کیا بلکہ اس کے فیوض وبرکات سے سارا عالم اسلام مستفید ہوا۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی علیہ الرحمۃ (۱۹۲۶ء۔۲۰۱۸ء) کا تعلق اسی عظیم خانوادے سے ہے۔ مولانا محمد سالم صاحبؒ ۸/جنوری ۱۹۲۶ء کو اسی خانوادۂ قاسمی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمۃ، حجۃ الاسلام امام محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے تھے۔ قاری محمد طیب صاحبؒ فکرولی اللہی کے امین، مسلک اعتدال کے علمبردار اور علوم نانوتویؒ کے شارح وترجمان تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم ہونے کی حیثیت سے انھوں نے اس ادارہ کی ترقی اور اسکو دنیائے اسلام میں متعارف کرانے میں اپنا غیر معمولی کردار ادا کیا۔ مولانا سالم قاسمی صاحبؒ کی تعلیم وتربیت اسی دینی وعلمی گھرانہ میں ہوئی۔ تعلیم کی تکمیل دارالعلوم دیوبند سے کی۔ ۱۹۴۸ء میں سند فضیلت کے ساتھ فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد دارالعلوم ہی میں تدریس سے وابستہ ہوگئے اور اختلاف دارالعلوم تک یہیں پر استاذ رہے۔ وقت کے حد درجہ پابند تھے۔ جس مضمون کو پڑھاتے اسکا حق ادا کردیتے۔ ان کے دروس میں نفسِ مسئلہ کی تشریح کے ساتھ ساتھ تفہیم عبارت پر خصوصی توجہ ہوتی۔ خطابت کا ملکہ موروثی تھا، اپنے زور بیان اور طرز استدلال کی بدولت وہ "خطیب الاسلام" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

جلسوں اور سیمیناروں میں شرکت کی غرض سے مولانا نے ملک وبیرونِ ملک کا سفر کیا نیز علمی

❖ استاذ شعبہ عربی، لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ

ودعوتی مقاصد کے لیے ملک کے طول وعرض کا دورہ کیا۔مولانا اپنی صحت کی پرواہ کئے بغیر اصلاحِ معاشرہ اور تبلیغ اسلام کے سلسلے میں منعقد ہونے والے پروگراموں میں شریک ہوتے۔وہ علمائے دیوبند کی اعلی اقدار وروایات کے پاسدار اور اپنے اسلاف کے اوصاف وامتیازات کے حامل تھے،علاوہ ازیں وہ اسلامی فقہ وفلسفہ امیں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

۱۹۸۲ء میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمۃ کی زیر سرپرستی دیوبند میں دارالعلوم وقف کا آغاز ہوا،لیکن ۱۹۸۳ء ہی میں قاری صاحب کا سانحہ ارتحال پیش آیا،جس کے بعد مولانا محمد سالم صاحبؒ کو دارالعلوم وقف کا متولی ومہتمم بنایا گیا۔دارالعلوم وقف کوایک تناور درخت بنانے اور اسکی تعمیر وترقی کومولانا نے اپنا مقصد حیات بنالیا۔اخیر عمر میں ضعف وپیرانہ سالی کے باعث مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب دامت برکاتہم اس ادارہ کے مہتمم مقرر ہوئے اور مولانا تادم واپسیں اسکے سرپرست بنے رہے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ اپنی بے شمار خوبیوں اور گوناگوں اوصاف وکمالات کے باعث ہر طبقے میں مقبول اور ہر جماعت میں محترم تھے۔مولانا تحریر وتقریر ہر جگہ اپنا وقار اور اپنی متانت ملحوظ رکھتے تھے۔غیبت وعیب جوئی سے پاک اور اختلافی مسائل سے کوسوں دور رہتے تھے۔مثبت انداز میں دین کی تبلیغ کرتے اور اپنے ادارے کا تعارف کرواتے،نہ کسی کے خلاف بولتے اور نہ ہی اس طرح کی گفتگو کوسننا پسند فرماتے تھے۔مولانا نے وقتاً فوقتاً مختلف موضوعات پر اردو اور عربی میں نہایت قیمتی مقالات قلم بند فرمائے ہیں،جو چند کتابیں ان کے خامۂ گہر بار سے معرض وجود میں آئی ہیں،ان میں **مبــادئ التربية الإســلامية**، جائزۂ تراجم قرآن،تاجدارارض حرم کا پیغام،مردانِ غازی،عظیم تاریخی خدمات اور سفر نامۂ برما وغیرہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔اس کے علاوہ مولانا کے خطبات کے متعدد مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔مولانا نہ صرف حدیث وسیرت اور فقہ وعقائد میں یدطولی رکھتے تھے بلکہ علم تفسیر اور علوم قرآن کے باب میں بھی ان کا علم بہت گہرا تھا۔ان کا مقالہ ''جائزہ تراجم قرآن''اس کا بین ثبوت ہے۔

دارالعلوم میں تدریس واہتمام کے علاوہ مولانا ملک کی مختلف تنظیموں اور اداروں سے بھی وابستہ رہے۔وہ جامعہ دینیات کے سرپرست،مظاہر علوم سہارنپور کی مجلسِ شوریٰ کے صدر،علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر،دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس شوری کے ممبر،اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے سرپرست ،آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے صدر،آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سینئر نائب صدر اور علماء کونسل مصر کے فعال رکن تھے،مولانا کوان کی زندگی میں مختلف اعزازات وانعامات سے نوازا گیا۔ترکی کے ایک باوقار اجلاس میں انھیں ''امام محمد قاسم نانوتوی ایوارڈ'' سے نوازا گیا،مصری حکومت کی طرف سے ''نشانِ

امتیاز'' عطا ہوا اور ہندوستان میں وہ ''شاہ ولی اللہ ایوارڈ'' سے سرفراز ہوئے۔

افسوس کہ راقم الحروف کو مولاناؒ سے ملنے، انھیں سننے اور ان سے استفادہ کا شرف حاصل نہ ہوسکا لیکن مدرستہ الاصلاح سرائے میر کی طالب علمی کے زمانہ میں اپنے بعض اساتذہ کرام بالخصوص مفتی محمد شعیب اصلاحی وقاسمی مرحوم اور مولانا محمد عامر اصلاحی وقاسمی حفظہ اللہ ورعاہ کی زبانی حضرت مولانا کے اوصاف حمیدہ، ان کے علم وتقوی، عفو وتحمل، سادگی وانکساری، اعتدال وتوازن اور وسعت فکر ونظر کے چرچے بکثرت سنے ہیں۔حضرت مولاناؒ کی شخصیت ہشت پہلو تھی۔آج کے اس عہد قحط الرجال میں مولانا کا وجود ملت اسلامیہ ہند کے لیے منارۂ نور کے مانند تھا۔افسوس کہ ۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء کو حضرت مولانا بھی ہمیں داغ مفارقت دیکر بزم رفتگان کا حصہ بن گئے۔آپ کی وفات بے شک "موت العالم موت العالم" کے مصداق ہے۔مولانا کی وفات سے مسلمانان ہند نہ صرف ایک بلند پایہ عالم دین سے محروم ہوگئے، بلکہ انھوں نے ایک مخلص قائد ورہنما کی سرپرستی بھی کھودی ہے۔ایسے لوگ صدیوں میں خاک کے پردے سے نمودار ہوتے ہیں۔مولانا کی وفات بلاشبہ ایک عہد کا خاتمہ ہے۔انھیں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بھی شرف تلمذ حاصل رہا ہے، اس وقت وہ حضرت تھانویؒ کے براہ راست آخری شاگرد تھے، آپ کی وفات پر اس سلسلۂ زریں کا خاتمہ ہوگیا۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولیں جہاں سے دین کی حفاظت، اسلامی تہذیب وتشخص کی بازیابی اور مسلمانان ہند کی شیرازہ بندی کے منصوبے تیار ہوئے۔اس خانوادے کی آواز پر ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے مسلمانوں نے لبیک کہا، نیز مذہبی، سیاسی اور اجتماعی معاملات میں انھیں اپنا مرجع ومأ وی تسلیم کیا، خطیب الاسلامؒ کی ذات اپنے اسلاف کے محاسن اور اکابر علماء دیوبند کی خوبیوں کا مجموعہ تھی، ان کی شخصیت ہر طرح کی تنگ نظری اور عصبیت سے پاک تھی، وہ اخلاص ووفا کا پیکر اور اتحاد واتفاق کے داعی وپیامبر تھے، اعتدال فکر ونظر ان کی اصل پہچان تھی، اسی نہج پر انھوں نے مسلمانان ہند کی کئی نسلوں کی تعلیم وتربیت اور ان کی فکری آبیاری کی ''**إن الدين عند الله الإسلام**'' پر عمل کرتے ہوئے انھوں نے مذہب اسلام کی دعوت وتبلیغ کی اور ''**إن هذه أمتكم أمة واحدة**'' کو پیش نظر رکھ کر ملی وحدت کی بازیافت میں اپنی متاع حیات لٹادی۔خطیب الاسلامؒ اپنی اسی وسعت قلب ونظر کے باعث تمام مکاتبِ فکر میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔جس کے نقوش ان کے فکر وعمل میں نمایاں ہیں۔

اس وقت ملت اسلامیہ برصغیر سے لے کر مشرق وسطی تک جس شدید مسلکی بغض ومنافرت سے دوچار ہے وہ ناقابل بیان ہے۔مسلم ممالک اور تنظیموں میں مواخات وموالات کا رشتہ تقریبا ناپید ہوچکا

ہے، نفاق اور عدم رواداری کا مرض بڑھتا جا رہا ہے، فرقہ واریت نے فساد فی الارض کی شکل اختیار کر لی ہے، مسلک وفرقہ کے نام پر قتل وغارت گری کا بازار گرم ہے۔ اُمت مسلمہ نے آیت "**واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولاتفرقوا**" کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ مسلکی تنوع اور اختلاف فکر ونظر جو مذہب اسلام کا حسن ہوسکتا تھا، ہماری صفوں میں انتشار وافتراق پیدا کر رہا ہے، مسلک کے نام پر ہم ایک دوسرے کی تکفیر کر رہے ہیں، کیا ہم توحید ورسالت اور قرآن وکعبہ کے نام پر متحد نہیں ہوسکتے، جن پر تمام مسالک سے تعلق رکھنے والے مسلمان متفق ہیں۔ ان حالات میں ہر وہ شخص جو مسلکی گروہ بندی اور فقہی اختلافات کو مٹانے اور امت کے اتحاد کی ازسرنو بحالی کی بات کرتا ہے وہ قابل تقلید اور لائق تحسین ہے۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مرحوم ومغفور اپنے والد ماجد کی طرح اتحاد بین المسلمین کے نہ صرف قائل ومؤید تھے بلکہ اس کے سرگرم داعی ومبلغ بھی تھے، مولانا کی تحریروں اور ان کی تقریروں میں ملی اتحاد اور امت کی فلاح وبہبود کی خاطر ان کی فکرمندی اور جدوجہد صاف طور پر محسوس کی جاسکتی ہے، آج کا مسلم معاشرہ جس مسلکی گروہ بندی اور جماعتی عصبیت سے دوچار ہے اس نے ملت کے شیرازہ کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ خطیب الاسلامؒ نے اپنے بعض خطابات میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ خطیب الاسلامؒ کی نظر میں اس کا ایک بڑا سبب مسلک کو عین دین سمجھ لینا ہے اور دین سمجھ کر پھر اسی فقہی مسلک کی تبلیغ شروع کر دی جاتی ہے، اسی چیز نے ملی وحدت کو تار تار کر رکھا ہے، مولانا فرماتے ہیں:

"جب کسی مذہبِ فقہی یا مسلک فکری کو دیگر مذاہبِ فقہیہ یا مسالکِ فکریہ کے بالمقابل ترجیحاً کے بجائے اہل علم نے تبلیغًا پیش کرنا شروع کر دیا تو بظاہر اسباب اسی غلطی نے امت میں بے نہایت طرق اختلاف کے بیج بو دیئے"(۱)

مولانا نے طبقہ علماء کے اندر پنپنے والی اس بیماری کو شدت سے محسوس کیا اور بڑے دوٹوک انداز میں اس کی طرف نشاندہی کی، آگے اس امر کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "فقہاء کا فقہی مذہب قابلِ تبلیغ نہیں ہوتا، صرف قابل ترجیح ہوتا ہے، تو ضرورت جب پیش آئے تو دلائل کی قوت پر آپ کسی بھی مذہبِ فقہی کو اختیار کر سکتے ہیں، لیکن ان فقہی مذاہب کی دعوت دینے کا آپ کو حق نہیں دیا جائے گا، کیوں کہ دعوت دیئے جانے کا حقدار صرف دین ہے۔ انبیائے کرامؑ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، علمائے کرام یہ سب دین ہی کی دعوت دیتے رہے ہیں۔"

مسلکی تعصب اور جماعتی محاذ آرائی کی آگ میں جھلسے موجودہ مسلم معاشرہ کے لیے خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی علیہ الرحمہ کے یہ کلمات آب زر سے کم نہیں۔

(۱) خطبات خطیب الاسلام، ج ۱، ص: ۱۳۵

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی حضرت مولاناؒ کے اوصاف وکمالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ کی ایک اہم خوبی تھی کشادہ دلی و بے تعصبی اور جزئیات وفروعی مسائل میں توسع۔اس وصف کمیاب بلکہ نایاب میں آپ ایک شریف اور تہذیب یافتہ صاحب علم وفکر کی طرح سلف صالح کے اسوہ پر قائم تھے۔آپ نے ایک بار آکسفورڈ میں دین اور مسلک کے درمیان فرق کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ عام طور سے لوگ مسلک کو دین کا درجہ دے دیتے ہیں اور دین ومسلک میں کوئی فرق نہیں کرتے''۔

ڈاکٹر ندوی آگے لکھتے ہیں:

''جس طرح موسیقی سُر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا نام نہیں بلکہ سُروں کو ہم آہنگ کر دینے کا نام ہے، اسی طرح دین جزئیات ،فروع وآراء کے نام پر امت کو منقسم کرنے کا نہیں بلکہ امت کے سارے افراد و جماعت کو ہم آہنگی کے ساتھ ایک وحدت میں پرونے کا نام ہے''(۱)

بلا شبہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ اعتدالِ فکر ونظر اور وسعت قلب وذہن کے تعلق سے موجودہ ہندوستانی علماء میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور تھے،خاندانی پس منظر اور گھریلو تعلیم وتربیت نے ان کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل کچھ اس طرح سے کی کہ وہ انتہائی کشادہ ظرف اور بلند نگاہ انسان بن گئے۔

حضرت مولانا کی وفات حسرت آیات کے بعد لوگوں نے متعدد ایسے واقعات نقل کئے ہیں جس سے مولانا کی دور اندیشی ،اعلی ظرفی اور ملی وحدت کی بازیافت کے لیے ان کی مساعیٔ جمیلہ کا اندازہ ہوتا ہے۔یہاں اس بات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اختلاف دار العلوم کے بعد صرف اختلاف وانتشار سے بچنے کے لیے نیا دار العلوم قائم کرنے پر راضی نہ ہوئے ، بعد میں اکثریت کے اصرار پر اس کے لیے آمادہ ہوگئے۔اسی طرح مئی ۲۰۰۱ء جمعیۃ علماء ہند نے "تحفظ سنت" کے موضوع پر دہلی میں ایک کانفرس منعقد کی ،اس موقع پر جمعیۃ کے ذمہ داروں نے دار العلوم وقف بالخصوص حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ کو بھی دعوت نامہ ارسال کیا۔مولانا نے جمعیۃ کے دعوت نامے کو نہ صرف قبول کیا بلکہ وقف کے ذمہ داروں پر مشتمل ایک وفد بھی کانفرس میں شرکت کے لیے روانہ فرمایا اور اس وفد کے بدست اپنا مفصل مکتوب بھی بھیجا،جس میں حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ کو مخاطب کر کے لکھا کہ :

''آپ کا دعوت نامہ حیرت آمیز مسرت کا باعث بنا۔حیرت اس پر کہ سابق میں مادر علمی دار العلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے مختلف عنوانات پر سیمینار بھی ہوئے اور کانفرنسیں بھی ،لیکن دار العلوم وقف کو کبھی یاد نہیں کیا گیا۔مسرت اس پر کہ موجودہ دعوت اس اتحاد کے احساس پر مبنی معلوم ہوتی ہے جس کا وقف دار العلوم ہمیشہ ساعی رہا ہے۔''(۲)

(۱) ملاحظہ ہو ڈاکٹر محمد اکرم ندوی کا مضمون استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی علیہ الرحمۃ

(۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مولانا ندیم الواجدی کا مضمون ،حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ۔دل آویز شخصیت کے کچھ اچھوتے پہلو،قسط ۲

اسی طرح جنوری ۲۰۰۵ء میں مدینہ منورہ میں قیام کے دوران حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ بیمار پڑ گئے۔اطلاع ملنے پر مولانا سالم قاسمی صاحبؒ نے فون پر مزاج پرسی کی،واپسی پر مولانا مدنی نے شکریہ کا خط لکھا اور ماضی کے اختلاف کو بدنصیبی اور ناخوشگوار حادثہ سے تعبیر فرمایا۔

مولانا قاسمی اس کے جواب میں ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''جماعت کی ایک اہم ترین ضرورت کو محسوس فرماتے ہوئے آپ نے اختلاف کو ختم کرنے کے بارے میں تائیدی کلمات تحریر فرمائے اور احقر کی قدیم آرزو کی تکمیل کو متوقع بنا کر مسرت کو والمضاعف فرمادیا ہے۔جماعتی وقار اور مسلک،روایات اکابر کی مجروحیت کا سدباب اختلاف کو یکسر ختم کردینے میں ہی مضمر ہے۔احقر کے خیال میں عمر کے مراحل نہائی میں پہنچ جانے پر ہماری مشترک خواہش وکوشش یہی ہے اور یہی ہونی چاہیے کہ ہم اپنے آنے والی نسل کے علماء کو اختلاف کی یہ نامبارک وراثت دے کر نہ جائیں بلکہ حسبِ روایات اسلاف کرام ہم اتحاد واتفاق،فکری اور عملی وحدت اور مخلصانہ مشترک جذباتِ خدمت علمِ دین دے کر بہ توفیق الٰہی ایک اہم ترین جماعتی فریضے سے سبک دوش ہوکر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوں۔''(۱)

خطیب الاسلام مولانا سالم قاسمیؒ کا یہ مکتوب جماعتی ومسلکی اختلاف اور ان کے حل میں کسی نسخۂ کیمیا سے کم نہیں،اپنی محض چند سطروں کے ذریعہ مولانا نے بیس سال پرانے جھگڑے اور کرب واذیت کی اس طویل فضا کو ختم کردیا۔

اوپر اس بات کا تذکرہ گزر چکا ہے کہ مولانا آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے صدر رہ چکے ہیں۔مشاورت کے پلیٹ فارم سے وہ تمام ملی جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے اور ملی مسائل میں ہم آواز ہونے کی طرف بلاتے رہے،۲۰۰۰ء میں مشاورت بدقسمتی سے دو دھڑوں میں منقسم ہوگئی،ایک کے صدر مولانا اور دوسرے کے مرحوم سید شہاب الدین صاحب تھے۔لیکن مولانا ہمیشہ اسکے لیے کوشاں رہے کہ دونوں دھڑے پھر سے متحد ہوجائیں۔مولانا علیہ الرحمۃ کی کوششیں رنگ لائیں اور اکتوبر ۲۰۱۳ء میں بالآخر دونوں دھڑوں میں انضمام ہوگیا۔مشاورت کی تاریخ میں مولانا کی یہ کوششیں جلی حروف میں لکھی جائیں گی۔

اسی طرح مولانا طویل مدت تک آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سینئر نائب صدر رہے۔عہدۂ صدارت کے لیے متعدد بار دوسرے ناموں کے ساتھ حضرت مولانا کا نام نامی بھی تجویز ہوا۔لیکن مولانا نے انتخاب کے بجائے اتفاق کو ترجیح دیتے ہوئے ہمیشہ اپنے نام کو واپس لیا بلکہ بعض دفعہ اپنے خردوں

(۱) ملاحظہ ہو مولانا ندیم الواجدی کا مضمون۔دل آویز شخصیت کے کچھ اچھوتے پہلو،قسط۳

کے نام کو آگے بڑھایا اور اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ اتحاد و اتفاق اور اجتماعیت کے سامنے عہدے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

ملت کے اندر اتحاد و اتفاق اور رواداری کی فضا کو قائم کرنے اور وحدت امت کو جماعتی و مسلکی عصبیت پر مقدم رکھتے ہوئے مولانا نے بغیر کسی ادنی خوف و تردد کے بعض ایسے اقدامات کیے ہیں جو ان کو اپنے معاصر علماء سے ممتاز کرتے ہیں ۔۲۰۰۳ء میں مولانا جماعتِ اسلامی ہند کے زیر انتظام جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ میں منعقد ایک عالمی سیمینار میں شرکت کے لیے وہاں کے ذمہ داروں کی دعوت پر تشریف لے گئے، جہاں انھوں نے اجلاس کی صدارت فرمائی اور خطاب کیا جس کا پورے علاقہ پر ایک خوش گوار اثر پڑا۔

اسی طرح ملی اتحاد کو فروغ دینے کے لیے حضرت مولانا نے مسلکی مناظروں اور گروہ بندی کو ہوا دینے والے جلسوں کی حوصلہ شکنی کی اور عوام الناس کو اتحاد امت کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا، جس کی آج کے حالات میں اشد ضرورت ہے۔

مذکورہ بالا واقعات و بیانات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کو فقہی و مسلکی اختلاف سے دور رہنے، مسلک کے بجائے مذہب کی تبلیغ کرنے اور جماعتی عصبیت و تنگ نظری سے بچ کر ملت واحدہ کی طرح جینے کا سلیقہ سکھایا۔ خدا کرے مولانا کی یہ کوششیں بار آور ہوں اور مولانا کے حق میں صدقۂ جاریہ بنیں، نیز اسلام کے نام پر امت کی شیرازہ بندی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو جائے۔

❖ ❖ ❖

حضرت خطیب الاسلامؒ
علوم نانوتوی کے شارح

ڈاکٹر ندیم اشرف قاسمی ❖

دارالعلوم دیوبند ہندوستان کے ان عظیم تعلیمی اداروں میں شمار کیا جاتا ہے جو ملت کی علمی فکری، سیاسی اور اقتصادی ضروریات کی تکمیل میں رواں دواں ہیں۔ ہندوستان ایک ایسی سرزمین ہے جہاں اولیاء سے لے کر علماء وفضلا کی سرپرستی رہی ہے، قربِ قیامت کی منجملہ علامتوں میں ایک علامت علم دین کا اٹھالیا جانا بھی ہے، جس کا تذکرہ احادیث شریفہ میں بکثرت آیا ہے؛ لیکن علم کیسے اٹھالیا جائے گا؟ کیا اچانک سینوں سے مٹادیا جائے گا کہ صبح ہوتے ہوتے علماء کے سینے علم سے خالی ہوجائیں؟ نہیں! علم کے اٹھالیے جانے کے معنی اہل علم کا اٹھالیا جانا ہے، اس طور پر کہ علمی رُسوخ کے حامل علماء ایک ایک کرکے اٹھالیے جائیں گے، دنیا اس وقت اسی صورتِ حال سے دوچار ہے، علماء ربانیین ایک ایک کرکے رخصت ہوتے جارہے ہیں، صرف برصغیر ہندوپاک ہی کا جائزہ لیں تو گذشتہ ایک سال کے عرصہ میں علم کے کئی آفتاب غروب ہوگئے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب علیہ الرحمہ کی وفات ہی کیا کچھ کم المناک سانحہ تھا کہ گذشتہ دنوں خانوادۂ قاسمی کے گل سرسبد اور نانوتویؒ علوم کے وارث حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبعلیہ الرحمہ بھی داغ مفارقت دے گئے، مولانا سالم قاسمیؒ یادگارِ سلف ہونے کے ساتھ بانی دارالعلوم دیوبند، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پڑپوتے اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے خلف اکبر وجانشین تھے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ سے کون ناواقف ہے؟ ان ہی کے دور اہتمام میں دارالعلوم دیوبند کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی، علم کا ایسا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا کہ ماضی قریب میں ان کی مثال ملنی مشکل ہے، قاری صاحب کی بارہا حیدرآباد تشریف آوری ہوئی اور شہر کی مرکزی مساجد میں ان کے خطابات بھی ہوئے، حیدرآباد کے جن بزرگ شہریوں کو قاری صاحب کی محفل خطاب میں شرکت کا موقع ملا ہے انھیں اندازہ ہے کہ قاری صاحب کا خطاب کس قدر علمی ہوا کرتا تھا، روانی کا یہ عالم کہ دریا بہہ رہا ہو، قاری صاحب کے والد بزرگوار حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کے سرزمین حیدرآباد سے گہرے روابط تھے، وہ

❖ اسسٹینٹ پروفیسر شعبہ سنّی دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

اسی سرزمین کے خطہ صالحین میں مدفون ہیں، حضرت قاری صاحبؒ اپنے دور کے باکمال اور صاحبِ بصیرت عالم دین تھے، علمی بصیرت اور فکر وآگہی کی وسعت میں ان کا کوئی ہمسر نہیں تھا، وقت کے نامور علماء نے ان کے علمی کمال کا اعتراف کیا ہے؛ چناں چہ جانشین مفکر اسلام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم حضرت حکیم الاسلامؒ کے کمالات وامتیازات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حکیم الاسلام کی شخصیت اپنے عہد کی بڑی مایہ ناز علمی وادبی شخصیت تھی، علم دین اور حکمت ودانش کے بلند پایہ حامل تھے، انھوں نے اپنے عظیم مورث اور علوم دینیہ میں بلند مقام رکھنے والے حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ سے علمی گیرائی اور وسعت کی وراثت پائی تھی، اس کو ان کی تقریروں، تحریروں اور دروس میں محسوس کیا جاسکتا ہے، انھوں نے اس بلند علمی مقام کے ساتھ ساتھ دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم درس گاہ کو جوان کے اسلاف کی کوشش کا مرکز رہی تھی، اپنے آغاز جوانی میں سنبھالا اور اس کی خدمت میں اپنی پوری عمر لگادی، ان کی کوششوں کا مظہر صرف درالعلوم دیوبند کی ترقی اور مضبوطی ہی میں نمایاں اور محدود نہیں تھا؛ بلکہ اس کے نمائندہ خاص ہونے کے تعلق سے ہندوستانی مسلمانوں کی دینی رہنمائی کا فریضہ بھی اثر پذیری کے ساتھ انجام دیا، مسلمانوں میں جو دینی انحراف یا عقائد کی خرابی پائی جاتی تھی اس کے ازالہ میں بھی خصوصی حصہ لیا، وہ ایک دل نواز اسلوب کے حامل خطیب تھے، ان کی شخصیت بھی دل نواز تھی، وہ اپنی باطنی خوبیوں کے ساتھ دل نواز طرز وانداز کے بھی مالک تھے، طبیعت میں نرم مزاجی اور خوش اخلاقی تھی، ان سے مل کر مسرت حاصل ہوتی تھی، گفتگو اور اندازِ کلام دل کو متأثر کرنے والا اور ذہنوں کو مطمئن کرنے والا تھا، اپنی بات کو علمی وتاریخی حوالوں اور مثالوں سے واضح کرتے تھے، بعض اہم ترین موقعوں پر علماء کی طرف سے ان کی نمائندگی بڑی مؤثر ثابت ہوئی، اسی طرح سے دارالعلوم دیوبند جو دراصل علومِ دینیہ کا مؤثر ترین ادارہ رہا ہے اور ہے، اس کی صحیح نمائندگی کا مولانا نے حق ادا کیا اور اس کے مہتمم کے منصب پر فائز رہے اور جو ذمہ داری ان پر عائد ہوتی تھی اس کو بھی ادا کیا۔''(۱)

مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ ایسے عظیم اور باکمال باپ کے باکمال فرزند تھے، حضرت قاری صاحبؒ کی بہت سی خصوصیات مولانا سالم صاحبؒ کو وراثت میں ملی تھیں، قاری صاحب کی طرح ان کی شخصیت بھی بڑی دل نواز تھی، وہ علمی کمال اور ذاتی خوبیوں میں اپنے والد محترم کا عکس جمیل تھے، باکمال معاصرین کی معاصرت اگر کسی کے شخصی کمال کی دلیل ہوسکتی ہے تو مولانا سالم صاحبؒ کے معاصرین اور رفقاء تعلیم میں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ ابن شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلیؒ ابن مولانا منظور نعمانیؒ اور مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی جیسی بلند پایہ شخصیات شامل ہیں، حضرت مولانا محمد سالم

(۱) حیاتِ طیب، ۲۲/۱

قاسمی صاحبؒ خانوادۂ قاسمی کے چشم و چراغ تھے، یہ وہ خانوادہ ہے جس کا سلسلہ صدیق اکبرؓ تک پہونچتا ہے، صدیق اکبرؓ کی طرح اس خانوادہ کے بزرگوں نے بھی نازک حالات میں حفاظتِ دین کا عظیم فریضہ انجام دیا، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی سوانح الامام الاکبر کے مؤلف کے مطابق:

''سب سے پہلے نویں صدی ہجری کے اواخر میں سکندر لودھی کے زمانہ میں اس خاندان کے پہلے فرد قاضی مظہر الدین نے ہندوستان کا رخ کیا، اور سکندر لودھی کی دعوت پر وہ ہندوستان تشریف لائے، اسی زمانہ میں نانوتہ واطراف میں جاٹوں نے سر اٹھایا جن کی سرکوبی کے لیے سکندر لودھی نے قاضی مظہر الدین کے فرزند قاضی میراں کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا، لشکر کی کامیابی پر خوش ہو کر سکندر لودھی نے یہ علاقہ اس خاندان کے نام کر دیا، اس کے بعد سے اس خاندان نے نانوتہ میں بود و باش اختیار کی، پھر دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد مولانا قاسمی نانوتویؒ دیوبند کے ہو کے رہ گئے۔''(۱)

یہ وہ عظیم خانوادہ ہے جس کا پورے برصغیر پر احسان ہے، آج دنیا بھر میں فضلائے دارالعلوم جو دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، وہ دراصل اسی خانوادہ کا فیض ہے، غیر منقسم ہندوستان میں احیائے دین، بدعات وخرافات کے خاتمے اور سنتوں کی ترویج کے جو دینی اثرات نظر آ رہے ہیں وہ سب اسی خانوادہ کی مرہون منت ہیں، دارالعلوم دیوبند محض ایک ادارہ نہیں بلکہ احیائے اسلام کی عالمگیر تحریک کا نام ہے، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا کام لیا اور جس کے فضلاء نے سارے ملک میں دینی مدارس کا جال پھیلا دیا اور غیر اسلامی خرافات کا خاتمہ کیا، ایسے عظیم خانوادہ اور نامور والدین کی گود میں ۸؍جنوری ۱۹۲۶ء کو مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم مختلف اساتذہ سے انفرادی طور پر حاصل کیں، ثانوی تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور وہیں سے ۱۳۶۷ھ میں فضیلت کی تکمیل فرمائی، آپ کے فارسی کے اساتذہ میں خلیفہ عاقل صاحبؒ، مولانا ظہیر صاحبؒ اور مولانا سید حسن صاحبؒ تھے، مولانا سالم صاحبؒ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انھوں نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے میزان الصرف پڑھی، گویا وہ حضرت تھانویؒ کے آخری شاگرد تھے، آپ نے دارالعلوم دیوبند میں اس دور کے چوٹی کے اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا، حضرت مولانا اختر حسین میاں صاحبؒ سے کنز الدقائق، قاری اصغر صاحبؒ سے میبذی، حضرت مولانا عبدالسمیع صاحبؒ سے مختصر المعانی اور حضرت مولانا عبدالاحد صاحبؒ سے ہدایہ پڑھی، آپ کے اساتذۂ دورۂ حدیث میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، علامہ ابراہیم بلیاوی صاحبؒ اور حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ نمایاں ہیں، دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد مادر علمی ہی میں تدریسی

(۱) الامام الاکبر، ص: ۷۴، ۷۵

خدمات کا آغاز فرمایا، نورالایضاح اور ترجمہ قرآن سے ابتدا کر کے ترقی کرتے کرتے مشکوٰۃ شریف، ابوداؤد شریف اور بخاری شریف تک کی کتابیں پڑھائیں، حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ ایک کامیاب مدرس تھے، طلبہ میں ان کا درس بے حد مقبول تھا، تفہیم کی بے پناہ صلاحیت رکھتے تھے اور ایک کامیاب مدرس کے لیے مطلوب ساری صفات آپ کے اندر بدرجہ اتم پائی جاتی تھی، مولانا سالم صاحب کو علوم نقلیہ کے ساتھ علوم عقلیہ میں بھی کافی درک حاصل تھا، والد بزرگوار حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے بعد حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ واحد شخصیت تھے جو مولانا قاسم نانوتویؒ کے علوم ومعارف کی تفہیم وتشریح کا غیر معمولی سلیقہ رکھتے تھے، حضرت نانوتویؒ کے وہ دقیق مضامین جو عام علماء کی فہم سے بھی بالاتر ہوتے تھے، مولانا سالم صاحبؒ انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ ان کی تفہیم فرماتے تھے، مولانا سالم قاسمی صاحبؒ کا ایک کارنامہ دارالعلوم دیوبند میں مرکز المعارف کی نگرانی ہے، دارالعلوم کے ذمہ داروں نے مولانا سالم صاحب کو اس مرکز کی ذمہ داری سونپی تھی، یہ دراصل دارالعلوم کا ایک تحقیقی شعبہ تھا، اسی طرح جامعہ دینیات دیوبند کا قیام بھی مولانا کی تعلیمی سرگرمیوں کا ایک روشن باب ہے، عصری یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم طلبہ کو مراسلاتی طریقہ تعلیم کے ذریعہ اسلامی علوم سے آراستہ کرنے کی خاطر مولانا نے دیوبند میں جامعہ دینیات کا قیام عمل میں لایا تھا۔

مولانا کی صلاحیتوں کے حقیقی جوہر اس وقت کھلے جب دارالعلوم کے قضیہ نامرضیہ کے بعد دارالعلوم وقف کا قیام عمل میں آیا، ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم وقف کی بنیاد پڑی اور ۱۷؍جولائی ۱۹۸۳ء میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے انتقال کے بعد حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ اس کے مہتمم ہوئے، لوگوں نے دیکھا کہ کس طرح حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے اپنی بے پناہ انتظامی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے مختصر سی مدت میں دارالعلوم وقف دیوبند کو ایک عالمی ادارے کی حیثیت سے متعارف کرایا، حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ برسوں تک دارالعلوم وقف میں بخاری شریف کا درس دیتے رہے، جہاں تک تصنیف وتالیف کی بات ہے تو اگرچہ مولانا نے تصنیف وتالیف کو مستقل مشغلہ نہیں بنایا اور آپ کی بے پناہ انتظامی مصروفیات اس کی اجازت بھی نہیں دیتی تھیں؛ لیکن وقتاً فوقتاً آپ کی علمی سرگرمیاں جاری رہیں، مختلف سیمیناروں کے لیے آپ نے بیش قیمت علمی مقالات تحریر فرمائے، بہت سی علمی کتابوں پر وقیع مقدمات لکھے، ویسے آپ کے خطبات بذات خود عظیم علمی سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کی مختلف جلدیں خطبات خطیب الاسلام کے نام سے شائع ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں، علماء نے آپ کی مستقل تصنیفات میں درج ذیل کتابوں کا تذکرہ کیا ہے: (۱) مبادئ التربیۃ الاسلامیہ (عربی) (۲) تاجدار ارض حرم کا پیغام (۳) مرد غازی (۴) ایک عظیم تاریخی خدمت۔ دارالعلوم وقف دیوبند میں قائم حجۃ الاسلام اکیڈمی بھی حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے علمی وتحقیقی ذوق کی مظہر ہے۔

❖ ❖ ❖

علوم نانوتوی کی شرح وترجمانی

میں حضرت خطیب الاسلامؒ کا حصہ

ڈاکٹر فخر الاسلام مظاہری ❖

موضوع کو چھ(٦) عنوانات پر تقسیم کیا گیا ہے (۱) علوم نانوتویؒ کا اِجمالی تعارف (۲) بعض محققین کا اِجمالی تعارف جن کی تحریروں میں علوم نانوتویؒ کی شرح وترجمانی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ (۳) علوم نانوتویؒ کی شرح وترجمانی میں خطیب الاسلامؒ کا حصہ۔ (۴) بحث وتمحیص۔ (۵) نتیجۂ بحث۔ (۸) عندیہ (Opinion) مبنی بر نتیجۂ بحث۔

(۱) علوم قاسم نانوتویؒ

اِس عنوان کے تحت حضرت نانوتویؒ کے علوم کی ایک جھلک دکھا دینا مناسب ہے۔ حضرت نانوتویؒ (۱۸۳۲-۱۸۸۰ء) کے علوم کو جہاں ایک طرف مشکل سمجھا جاتا رہا ہے، وہیں دوسری طرف اُن کی قدر و قیمت جاننے والے اور شرح وترجمانی، نیز اشاعت کی فکر رکھنے والے باتوفیق حضرات بھی ابتدا ہی سے موجود رہے ہیں۔ ۱۵۰ر سال پہلے کی بات ہے کہ ایک ناشرِ کُتب منشی ممتاز علی صاحب میرٹھی نے حضرت نانوتویؒ کے بعض مکتوبات ''قاسم العلوم'' کے نام سے شائع کرنے کا ارادہ کیا، تو حضرتؒ کے علوم کا تعارف کراتے ہوئے لکھا کہ ''فخر الاماثل مرجع الافاضل حضرت مولانا مولوی محمد قاسم کی...تصانیف...دیکھنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔ تحقیقِ بیان وتدقیقِ مضامین سے سلف صالحین وعلمائے محققین کے علم کا سا مزہ ملتا ہے، بندہ اُن کی وضعِ آزادانہ کا عاشق اور اُن کے کلام محققانہ کا شائق ہے، مدت سے اِس فکر میں تھا کہ کسی طرح آپ کا کلام حاصل کیجیے اور چھاپ کر عالی طبعانِ روزگار کو تماشہ قدرت کا دکھا دیجئے۔''(۱)

عالی طبعانِ روزگار کو تماشہ قدرت کا دکھانے کے لیے منشی ممتاز علی صاحب میرٹھی نے ''قاسم العلوم'' کے نام سے حضرت نانوتویؒ کے مکتوبات کی اشاعت فرمائی۔ پھر تقریباً ۹۰ر سال کے بعد جب مولانا انوار الحسن شیرکوٹی (تلمیذ علامہ انور شاہ کشمیری) نے ''قاسم العلوم'' (فارسی) کے اردو ترجمے اور اُن پر

❖ لیکچرر جامعہ طبیہ، دیوبند

(۱) شیرکوٹی، مولانا انوار الحسن: قاسم العلوم مع اردو ترجمہ انوار النجوم، ص ۱۵-۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴

حواشی تحریر کرنے کا ارادہ کیا، تو اُنہیں مکتوباتِ قاسم کی قدر و قیمت کے ساتھ کام کی دشواری کا بھی احساس ہوا، اپنے اِس احساس واعتراف کو موصوف نے اِن الفاظ میں ظاہر کیا:

''علمائے دیدہ ور جانتے ہیں کہ حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم وفنون کو علمی دنیا سے روشناس کرانا معمولی بات نہیں ہے، یہ کام تو اُن کے جلیل القدر تلامذہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب، مولانا احمد حسن صاحب رحمہم اللہ (وغیرہم) کا تھا۔ یا پھر اُن کے علمی جانشیں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا، جو علمائے دیوبند کے حلقوں میں حکمتِ قاسمیہ کے سب سے بڑے امین اور شارح سمجھے جاتے تھے۔ اور مسلّمہ طور پر جانشینِ قاسم اور ترجمانِ قاسم مانے جاتے تھے۔ یا یہ کام اور دوسرے فضلاء کا تھا۔''

پھر وہ لکھتے ہیں کہ:

''جن حضرات نے حضرت نانوتویؒ کی تصنیفات یا خطوط پڑھے ہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ اُن کے علوم ایک طرف بلندیوں میں آسمانوں سے باتیں کرتے ہیں اور دوسری طرف گہرائی اور عمق میں اُن کی جڑیں تحت الثریٰ تک چلی گئی ہیں۔ اصلُها ثابتٌ و فرْعُها فی السماء''.

اِس مقام پر قاری کا ذہن اِس سوال سے ضرور مضطرب ہوگا کہ سلف سے خلف تک عارفین و محققین نے بڑے بڑے علوم بیان کئے ہیں، پھر فاتحِ مباحثۂ شاہ جہاں پور قاسم نانوتویؒ کے یہاں آخر وہ کیا چیزیں ہوتی تھیں کہ جن کو پڑھنے کے بعد بڑے بڑے عبقری بھی انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ آیئے اِسی مکتوباتِ قاسم کے بعض مضامین کے صرف نام کی ایک اُڑتی (flying) سیر کریں ممکن ہے اِسی طریقے سے سوال کا جواب پانے میں سمتِ صحیح کا تعین ہوسکے:

مکتوبات قاسم بنام فخر الحسن میں جو تحقیقات زیرِ بحث آئی ہیں، اُن میں سے بعض یہ ہیں: مَنْ لَمْ یَعْرِفْ اِمامَ زمانہٖ فَقَدْماتَ مِیْتَۃً جاھلیۃً (جس شخص نے اپنے زمانے کے امام کو نہیں پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔)، زمانۂ جاہلیت کی تحقیق اور اُس کا مصداق، ''فطرت'' کی وضاحت (۱)

امام کے معصوم ہونے کے باب میں محقق طوسی پر تنقید، مجدد کی اہمیت اور ضرورت اور بعض آیات و احادیث پر عقلی اور نحوی ترکیب وغیرہ کے حوالے سے ایک مبسوط کلام۔ (۲)

مکتوب بنام مولوی فدا حسین میں کلی طبعی، کلی منطقی، اِنتزاعیات اور ہیاکل، (۳) مکتوبات قاسم بنام مولانا محمد حسین بٹالوی (فرقۂ غیر مقلدین کے نامور عالم مولوی نذیر حسین کے شاگرد) میں تواتر، عادت، فطرت، خوارق، معجزات (۴)، محال، اقسامِ ممتنع، ذات و صفاتِ باری، صفاتِ فاعلی اور صفاتِ

(۱) اِس موضوع کو تصفیۃ العقائد ص ۲۶ شیخ الہند اکیڈمی کے اصول نمبر ۹ فی قلوبھم مرض اور اِلّا من اتی اللہ بقلبِ سلیم سے مربوط کرکے دیکھئے۔ (۲) شیر کوٹی: ۱۰۵-۱۰۷، ۱۱۱، ۱۵۵، ۱۹۳-۲۳۰ (۳) شیر کوٹی: ۱۴۵-۱۴۷، ۲۴۰-۳۱۲

(۴) علامہ شبیر احمد عثمانی نے ''العقل والنقل'' میں قوانین فطرت اور خوارقِ عادات کے مضمون کی اصولی گفتگو یہیں سے لی ہے۔

مفعولی کی تحقیق کے بعد (فَتَبارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الخالقين) کی تحقیق ذکر کی ہے، جو نہایت حیرت انگیز ہے۔(۱) پھر اِن سب کے عقلی نوعیت کے جواب، ملحدین اور تجدد پسندوں کے اکثر شبہات کے اصولی جواب مذکور ہیں۔(۲)

اِس کے بعد بھی شاید قارئین، علوم قاسم کی اہمیت کے باب میں کسی قدر تشنگی محسوس کریں؛ کیوں کہ اِن عنوانات میں سے ''کلی طبعی''، ''کلی منطقی''، ''اِنتزاعیات'' اور ''ہیاکل''، ''تکثرِ اِنطباعی''، ''تکثر انقسامی'' وغیرہ چند ایک عنوانات کو چھوڑ کر عموماً، سب وہی ہیں جنہیں دوسرے محققین نے بھی بیان کیا ہے۔تو اِس حوالے سے ایک بات تو یہی ہے کہ سب میں حضرت کا اُسلوب دوسرے محققین سے الگ ہے اور موجودہ دور کی عقلیت پسند دنیا کو اپیل کرنے والا ہے۔دوسری بات یہ کہ یہ ''چند ایک عنوانات'' ہی تفصیلات اور مسائل کی حساسیت کے پیشِ نظر اپنے اندر ایک بحرِ بےکراں رکھتے ہیں۔دورِ حاضر کے گرما گرم مسائل کا حل ان ہی ''چند ایک عنوانات'' کی تفصیلات میں موجود ہے؛ لیکن پھر بھی ہم اپنے قارئین کے اطمینان کے لیے حضرت نانوتویؒ کی امتیازی خصوصیات کو دس امور میں منحصر کر کے پیش کرتے ہیں کہ اِن دس باتوں کے لحاظ سے حضرت کی چیزیں دوسروں سے ممتاز ہیں:

۱: استدلال میں تمام مقدمات برہانی ہوتے ہیں۔اور یہ بات خاص اہمیت کی حامل ہے؛ کیوں کہ

(۱) اور اُن مضمونوں سے کہیں بلند و بالا ہے، جس میں آیت کی تفسیر کو لے کر خلجان پیدا کیا گیا ہے، جس کی حقیقت بعد میں کھلی کہ خلجان کا باعث کتابت کی غلطی تھی جو ایک فقرے کے ایک لفظ کے مثبت کے بجائے منفی ہو جانے سے پیدا ہوا۔حالاں کہ جو شخص اِستعمال کی گئی اصطلاحات کا ذوق اور حجۃ الاسلام اور اُن کے عالی مقام شاگردوں کے بیانات سے مناسبت رکھتا ہوگا، وہ اول مطالعہ میں ہی محسوس کر لے گا کہ یہ کتابت کی غلطی ہے۔مگر اُس غلطی کو یعنی لفظ کو منفی ہی سمجھ کر مولانا اخلاق حسین قاسمی مرحوم نے رسالہ ترجمان دار العلوم میں ''تفسیر قرآن کا ایک مسئلہ'' کے نام سے مضمون لکھ کر اپنا خلجان ظاہر کیا۔وہ فقرہ یہ تھا: ''مخلوق کے اندر جو صفت ہوگی وہ بالعرض نہیں ہوسکتی۔'' صحیح اِس طرح تھا: ''مخلوق کے اندر جو صفت ہوگی وہ بالعرض ہوگی۔'': یہ بات یہاں قابلِ ذکر ہے کہ کتابت کی اِس تسامح کا اِستدراک اُسی مضمون کے حاشیے میں مضمون نگار سے مذاکرے کے بعد مدیر کی جانب سے کر دیا گیا ہے۔پھر وہی مضمون ''نگارشاتِ اکابر'' (ص ۲۲۳-۲۳۱۔۱۴۳۹ھ/۲۰۱۸ حجۃ الاسلام اکیڈمی) میں شائع ہوا۔اُس تفسیری مضمون کی حقیقت یہ تھی کہ وہ مضمون دراصل حضرت نانوتویؒ کے اصول وکلیات کی روشنی میں مولانا احمد حسن امروہیؒ کا بیان کردہ تھا اور اُس کی صحت میں کوئی کلام نہیں تھا: لیکن یہ مضمون کہیں تحریری شکل میں مکتوب و محفوظ نہیں تھا۔ایک مدت کے بعد یعنی مولانا سید احمد حسن امروہی کی وفات کے بھی ۱۲/سال بعد مولانا عبدالغنی صاحب پھلاودی تلمیذ حجۃ الاسلام نے ۱۷/ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ/ ۲۰ جون ۱۹۲۴ء کو اپنی مجلس میں اسی مضمون کو بیان کیا۔اُن کا یہ زبانی اِفادہ اُسی وقت قلم بند کر لیا گیا۔اور یہ اِفادہ بھی یعنی مذکورہ مضمون کا اصل متن ''نگارشاتِ اکابر'' (ص ۶۹۳-۶۹۶۔۱۴۳۹ھ/۲۰۱۸ حجۃ الاسلام اکیڈمی) میں شائع ہوا ہے۔یہاں عرض یہ کرنا ہے کہ ''قاسم العلوم'' میں آیتِ مذکور کے متعلق بیان کردہ تحقیقات اِن دونوں مضمونوں سے الگ نوعیت کی ہے اور نہایت ارفع و اعلی ہے۔

(۲) شیرکوٹی: قاسم العلوم مع اردو ترجمہ انوار النجوم، ص ۳۸۷-۳۹۴۔۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴

بڑے بڑے محققین کے یہاں اِس کا التزام مشکل ہوگیا ہے۔ خیر وشر کے مسئلے کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت نانوتویؒ کا یہ وصف بہت نمایاں ہے۔ دوسروں کا ذکر ہی کیا، علامہ غزالیؒ جیسے امام عالی مقام بھی اِستدلال کے اِس سقم سے محفوظ نہیں۔ امام موصوف کے یہاں بھی اِس باب میں شاذ و نادر سہی؛ لیکن عدول پایا جاتا ہے، جہاں استدلال میں بعض مقدمات اِقناعی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے مسئلۂ مذکور میں اِمام غزالی کے استدلال کی تفصیل ذکر کر کے اُسی مسئلے میں حضرت نانوتویؒ کا استدلال دکھلایا ہے اور پھر دونوں کا موازنہ کیا ہے۔

۲: شریعتِ صادقہ کے پیچ در پیچ اور نظری در نظری اسرار کو بھی بداہت کی حدود کے قریب لا رکھا ہے۔

۳: عقل کے وہ رموز ہائے سر بستہ واشگاف کر دئے گئے ہیں جو دوسروں کے یہاں ابھی رموز ہی ہیں۔

۴: مسئلہ کا تجزیہ اور نتائج سب طبیعیاتی منہج پر ہیں۔ گویا حضرتؒ کے طرزِ بیان سے عقل اور سائنس، فلسفہ اور طبعیات کی دوئی استدلالی امور میں ختم ہوگئی۔ اور دونوں ایک دوسرے سے متحارب ہونے کے بجائے معاون محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن یہ تعاون وہ نہیں ہے جسے اہلِ مغرب نے باور کرایا ہے کہ عقل کے صحیح اصولوں کو ترک کر کے فلسفے کو مادہ پرست سائنس کا خادم بنا دیا۔ سائنس جو اصول اور قانون اپنے خاص نظریے کے تحت وضع کرتی ہے، فلاسفۂ جدید کی نظر میں فلسفہ کا کام یہ ہے کہ وہ اُس سائنسی نظریے کی رجسٹری کر دے اور بس۔ بلکہ حضرت نانوتویؒ کا کہنا یہ ہے کہ: ''عقل مصفی بھی اپنے اِدراک میں غلطی نہیں کرتی؛ مگر اُس کا اِدراک یہی ہے کہ معقولات کو بے واسطۂ دلائل سمجھے۔ نوبتِ استدلال نہ آئے۔'' (۱)

۵: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے روایت ہے کہ والد ماجد فخر الاسلام حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ:

> ''جب مباحثۂ شاہ جہاں پور ہو چکا اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مظفر و منصور ہو کر واپس تشریف لائے، تو مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ اب مجھے مولانا کی وفات قریب معلوم ہوتی ہے، کیوں کہ حق تعالی کو اُن سے جو کام لینا تھا وہ پورا ہو چکا۔'' اور کام ''وہ یہ تھا کہ تمام مذاہب کے جھتے میں ایک منادی ہو جائے اور خدا کی حجت بندوں پر پوری ہو جائے۔ سو وہ اِس میلۂ خدا شناسی میں ہو چکی۔'' روایت کے اخیر میں یہ بھی ہے: ''چناں چہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ وفات ہوگئی۔'' (۲)

''خدا کی حجت بندوں پر پوری ہو جائے۔ سو وہ اِس میلۂ خدا شناسی میں ہو چکی۔'' لیکن یہ نہیں بتایا جاتا کہ وہ امور کیا تھے کہ جن کے ذریعے اِتمامِ حجت ہوا؟ تو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ امور ہشت گانہ تھے۔ اِن کا ذکر نتیجۂ بحث اور لائحۂ عمل کے ضمن میں ''نظریاتِ فائقہ'' کے تحت کیا جائے گا۔

(۱) قاسم نانوتوی: ''حجۃ الاسلام'' ص ۵۷۔ مکتبہ دار العلوم ۱۴۲۷ھ (۲) سوانح قاسمی جلد ۲ ص، ص ۴۰۷، ۴۶۶

۶: نادر خصوصیت: کیا احکام شرع عقل کے موافق ہیں؟ لسانِ قاسم میں اِس کا جواب یہ ہے:
''تمام احکامِ الٰہی ورسالت پناہی عقلی ہیں؛ مگر ہر عقل کو وہاں تک رسائی نہیں۔''(۱)

اپنے اِسی متن کی شرح کرتے ہوئے عقائد اسلامی اور احکام الٰہی کے متعلق جو تحقیقات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے پیش فرمائی ہیں، اُن کے متعلق حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اِن تحقیقات میں:

''حقائق سب کے سب منقول ہیں؛ لیکن پیرایۂ بیان بلا حوالۂ نقل، خالص معقول اور اُس کے ساتھ فلسفیانہ اور سائنٹفک۔ گویا عقل وطبع دونوں کو صحیح معنی میں حضرتؒ نے دین کا ایک خدمت گار بنا کر دکھلایا ہے کہ فلسفہ اور سائنس کا کان پکڑا اور دین کے جون سے گوشے کی چاہی خدمت لے لی، جس سے دین کی نسبت سے عقل وطبع دونوں کا موقف بھی خود بخود کھل کر سامنے آجاتا ہے۔''(۲)

۷: حضرت مولانا نے سوامی دیانند کے سوالات کے جوابات پر قلم اُٹھایا۔(۳) کل گیارہ سوالات یا اِعتراضات تھے۔ اِس کے جواب کا مجموعہ دو کتابوں پر مشتمل ہے۔ دس اعتراضات کے جوابات ''انتصار الاسلام'' میں ہیں۔ اور ایک اعتراض (جو سوامی جی کے خیال میں بہت بھاری بھرکم اعتراض تھا کہ مسلمان کعبہ کی پوجا کرتے ہیں جو پتھر کی ایک عمارت ہے) کے جواب میں ''قبلہ نما'' رقم فرمائی۔''(۴) خود یہ جواب بہت قیمتی ہے جس کی کہیں نظیر نہیں۔

۸: کتاب ''قبلہ نما'' کے صفحات ۸۰- تا- ۲۴۸ر میں نہایت عالی مضامین ہیں، جب کہ ص: ۲۴۹ر تا ۲۷۰ر پر ''مکان''، ''بعد مجرد''، ''خلا'' کی بحث ہے کہ فلسفی اور سائنسی اصول اور نتائج اِس سے وابستہ ہیں۔ مذکورہ مسئلہ سے متعلق ایک نہایت مفید تذکرہ اور بالکل الگ پیرایہ میں ''تقریر دل پذیر'' میں بھی موجود ہے اور یہ سب مباحث آج کی عین ضرورت ہیں۔

۹: کتاب ''تقریر دل پذیر'' کا تقریباً نصف آخر گویا فلسفۂ سائنس اور فلسفۂ افکار ہے اور جیسے جیسے بحث آگے بڑھتی گئی ہے، دلائل ونتائج مشکل تر ضرور ہوتے گئے ہیں؛ لیکن یہ دیکھنا چاہیے کہ اِن بحثوں میں طرز استدلال، خصم کے مُسلّمات سے تعرض اور پیش کردہ نتائج کیا بتلاتے ہیں؟ یہ کھلے مباحث یہ بتلاتے ہیں کہ وہ جدید فلاسفرز اِن کے مخاطب ہیں، جنہوں نے فلسفہ کو سائنس کے تابع بنا کر فلسفہ کی

---

(۱) محمد نعمان ارشدی: مولانا قاسم نانوتویؒ نگارشاتِ اکابر ص ۶۹۸ مذہب منصور سے ماخوذ، حجۃ الاسلام اکیڈمی، ۲۰۱۸ء

(۲) حکیم الاسلام: حکمتِ قاسمیہ ص ۲۰

(۳) سوامی دیانند سرسوتی نے آریہ سماج نام کی تحریک کا اقدامی حصہ اسلام پر عقلی اعتراضات کے لیے وقف کیا تھا، جس کے برگ وبار رواں صدی میں ظاہر ہو رہے ہیں۔

(۴) قاسم العلوم ص ۳۶۴

پیچیدگیوں کو حل کرنے کے نام پر سوفسطائی فلسفہ کی تمام گمراہیوں کا پھر سے اِحیا کیا اور عقلِ جزبرہ کو سائنس کی مقبولِ عام تعبیرات میں ذہن ودماغ کے لیے قابلِ ہضم بنا کر پیش کیا ہے۔ اِن ہی سے رواں صدی میں معارضہ درپیش ہے۔

۱۰: کتاب (تقریر دل پذیر) کے آخری دس صفحات ''ناظرانِ معقولات داں کی خاطر لکھے گئے ہیں۔''(۱)

''ناظرانِ معقولات داں'' کے الفاظ کا ذرا تحمل کر لیجیے! اعتراض مناسب نہیں۔ کیوں کہ اِن صفحات میں دیکھنا چاہیے، کہ درج کیا چیزیں ہیں؟ اِن صفحات میں ''کلی طبعی'' (کلی انقسامی) اور ''کلی منطقی'' (کلی انعکاسی) کی بحث مذکور ہے۔ اِس بحث کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ ضروری ہے کہ حضرتؒ کی اصطلاح میں حقیقتِ اشیاء سے تعلق رکھنے والی بحث کے ساتھ لزومِ ماہیت، لزوم عام، ''تلازمِ اتفاقی''، ''اِنقلابِ عظیم''، ''انقلابِ اعظم''، ''حرکت''، ''حرکتِ وجودی''، حرکت پر مبنی ''تجددِ امثالِ وجوذ''، مسافت، متحرک فیہ، یعنی ''مکان''، ''بُعد مجرذ'' اور ''زمانہ'' کے متعلق مضامین ومسائل سمجھ لیے جائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ افکار زمانہ نے جتنی پیچیدگیاں پیدا کی ہیں، درحقیقت اُن کا حل علمی طور پر اِن ہی مسائل کی فہم وتفہیم میں ہے، جسے امام المعقولات والطبیعیات نے حل شدہ کیفیت میں پیش کیا ہے۔

متکلم زمانہ کے علم واستدلال کے یہ امتیازی اوصاف ہیں جن کا نظارہ فلک روزگار کر چکا ہے، مذاہب غیر، اہلِ باطل، اہلِ اِلحاد اِن کے سامنے سپر ڈال چکے ہیں۔ اِن کے چرچے آج تک جاری ہیں۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ میلۂ خدا شناسی میں آب زر سے لکھے جانے والے کارنامے کے علی الرغم دلائل قاسمؒ سے غیر مسلموں کے تاثر کی کیفیت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ تو اغیار کا قصہ ہے، جو عرض کیا گیا؛ لیکن خود مسلمان کہلانے والے ایسے فضلاء بھی جن کی آنکھوں کو فلسفۂ جدیدہ اور سائنس نے خیرہ کر دیا تھا، وہ بھی جب یہ بیانات سنتے تھے یا آج علمائے دیوبند سے اُن کی ترجمانی کو سنتے ہیں، تو وہ نہ صرف مرعوب ہی ہوتے ہیں؛ بلکہ اُن کے خیالات کی دنیا میں اِنقلاب برپا ہو جاتا ہے اور وہ سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ اِن دلائلِ قاہرہ کے عقائد وافکارِ دین کے بارے میں آخر وہ کس طرح اپنے اِس طبعیاتی یا سائنسی موقف کو قائم رکھیں اور کیوں کر نہ اعترافِ حق کریں۔ اِس حقیر ناکارہ کو خود بھی بارہا اِس کا تجربہ ہوا کہ اِس قسم کی جس مجلس میں بھی قابل گریجویٹوں سے خطاب ہوا اور مناسبِ موقع حضرت والا کے علوم کی ترجمانی کی نوبت آئی، تو بارہا یہی اِعتراف و اِقرار کا منظر دیکھنے میں آیا۔

(۱) امام نانوتوی: تقریر دل پذیر، ص: ۳۹۵

اِس سے ہم اِس نتیجے پر پہنچے کہ آج کے دور کے اِنکار و اِلحاد اور دہریت و زندقہ کا قرارِ واقعی اِستیصال یا دفاع اگر ممکن ہے، تو اِسی حکمتِ قاسمیہ کی علمی روشنی سے ممکن ہے، جو کہ آج کے فلسفہ اور سائنس کے مسلمات اور نئے نئے اِنکشافات ہی کے اصول سامنے لاکر اِسلام کی صداقت کا لوہا منوا سکتی ہے۔ اور جس میں حقیقی طور پر حجت کی شان موجود ہے۔"(۱)

یہ گفتگو تو علوم قاسمؒ سے متعلق تھی۔ اب اِن علوم کی شرح و ترجمانی کی گفتگو ہوگی۔ اور اِس کے لیے ہم نے حضرت نانوتویؒ کے تلامذہ سے لے کر عصرِ حاضر کے مفکرین تک چار طبقات قائم کئے ہیں۔

(۲) ترجمانانِ علوم نانوتویؒ

پہلا طبقہ

(۱) حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (۱۲۶۸ھ۱۳۳۹ھ۱۸۵۱ء۱۹۲۰ء)

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ لکھتے ہیں:

"جماعتِ دارالعلوم اور علماء میں ہزاراں ہزار نکلیں گے جنہوں نے اِس حکمت سے سبق لیا؛ لیکن خصوصیت سے جن حضرات کو اِس حکمت سے خاص مناسبت اور گرویدگی تھی، اُن میں پہلے طبقے میں حضرت اقدس مرشدی و مرشدِ عالم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کے درسِ حدیث کا طغرائے امتیاز ہی یہ علوم قاسمیہ تھے، آپ نے حضرتِ والا کی بعض ادق کتابیں جیسے آبِ حیات وغیرہ حضرت والا سے درساً درساً پڑھی تھیں۔"(۲)

حضرتؒ نے کتاب "حجۃ الاسلام" کی فہرست ترتیب دی، مقدمہ لکھا جو شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس مقدمہ کی اہمیت یہ ہے کہ اِس میں حضرتؒ نے دفاعِ اسلام کی خدمت کرنے والوں کو تصنیفاتِ قاسم کے مطالعہ کے لیے اُبھارا ہے:

"طالبانِ حقائق اور حامیانِ اسلام کی خدمت میں ہماری یہ درخواست ہے کہ: تائیدِ احکامِ اسلام اور مدافعتِ فلسفۂ قدیمہ وجدیدہ کے لیے جو تدبیریں کی جاتی ہیں، ان کو بجائے خود رکھ کر حضرت خاتم العلماء کے رسائل کے مطالعہ میں بھی کچھ وقت ضرور صرف فرماویں، اور پورے غور سے کام لیں، اور انصاف سے دیکھیں، کہ ضروریاتِ موجودہ زمانۂ حال کے لیے وہ سب تدابیر سے فائق اور مختصر اور بہتر اور مفید تر ہیں، یا نہیں......؟"

اِس کے ساتھ خود اپنا یہ عزم ظاہر فرمایا کہ:

(۱) حکیم الاسلام، محمد طیب: حکمتِ قاسمیہ ص ۲۸-۳۰ (۲) ایضاً ص ۲۸-۳۰

باقی خدامِ عالیہ مدرسہ دیوبند نے تو یہ تہیہ بنامِ خدا کرلیا ہے، کہ تالیفاتِ موصوفہ کسی قدر توضیح و تسہیل کے ساتھ عمدہ چھاپ کر اور نصابِ تعلیم میں داخل کر کے، اِن کی ترویج میں اگر حق تعالی توفیق دے، تو جان توڑ کر ہر طرح کی سعی کی جائے اور اللہ کا فضل حامی ہو، تو وہ نفع جو اُن (حامیانِ اسلام) کے ذہن میں ہے، (یعنی حمایتِ اسلام، تائیدِ احکامِ اسلام، نیز مدافعتِ فلسفۂ قدیمہ وجدیدہ اور افکارِ زائغہ کی اصلاح کا نفع ہے، جس کے لیے ایک عمدہ تدبیر، اِن موضوعات پر مولانا نانوتویؒ کی تصانیف ہیں، اِن تصانیف سے نفع نہ صرف اُن کو حاصل ہو؛ بلکہ) اوروں کو بھی اس کے جمال سے کامیاب کیا جائے۔'' (۱)

(۲) حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۹ء)

''حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے جاں نثار، اعلی درجے کے اور منتخب شاگردوں میں سے تھے، آپ کی فضیلت کی دستار بندی ۱۹/ ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ/ مطابق ۹/ جنوری ۱۸۷۴ء کو دیوبند کی جامع مسجد میں جلسۂ تقسیم اِنعام میں ہوئی۔ مولانا فخر الحسن دار العلوم کے اُس پہلے گروپ میں تھے جو دار العلوم سے فارغ ہوئے۔ آپ کے ساتھ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا عبد الحق صاحب ساکن پور قاضی، مولانا فتح محمد صاحب تھانوی اور مولانا عبد اللہ صاحب جلال آبادی رحمہم اللہ کے بھی دستارِ فضیلت باندھی گئی۔'' (۲)

حضرت مولانا فخر الحسنؒ کو لکھے گئے ایک مکتوب میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے لکھا ہے کہ:

''آں عزیز کی مفارقت ملال انگیز حادثہ ہے۔ بندہ کمترین آں عزیز اور عزیزم مولوی احمد حسن کو مثلِ چشم و چراغ دیکھتا تھا۔ اپنا دست و پا سمجھتا تھا۔ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ آں عزیز کو جدا کروں۔'' (۳)

اور حاجی صاحب کو لکھے گئے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''کم تر لوگوں میں سب سے بے حقیقت محمد قاسم وہ سلام عرض کرنے کے بعد جو غلاموں کو مناسب ہے، کہتا ہے کہ یہ خط لانے والے مولوی فخر الحسن نبیرہ شاہ حسن عسکری مرحوم فرزند میاں عبد الرحمن بن مولوی حبیب اللہ سہارنپوری ہیں۔ اِنہوں نے منقول و معقول کی اکثر کتابیں مجھ سے پڑھی ہیں، طبیعت کے فہیم اور قوی الحافظہ ہیں۔...''

رڑکی میں حضرت نانوتویؒ کے نائب کی حیثیت سے ''مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ نے سوامی جی کے

(۱) شیخ الہند محمود حسن مقدمہ حجۃ الاسلام

(۲) شیر کوٹی: قاسم العلوم ۱۴۲۱=۲۰۰۰ بہ حوالہ سوانح قاسمی جلد ۱، دیوبند ۱۳۷۳ھ، شیر کوٹی ص ۹۶ بہ حوالہ رپورٹ دار العلوم دیوبند ۱۲۹۰ھ

(۳) نگارشاتِ اکابر ص ۳۶۲

اعتراضات کے بازاروں، مجمعوں میں کھڑے ہو کر جوابات دیئے اور جو لوگ سوامی جی کے اعتراضات اور باتیں سن کر پریشان ہو گئے تھے، اُن کو یقین و اطمینان ہو گیا کہ سوامی جی کے اعتراضات کی کچھ بھی علمی عقلی بنیاد نہیں۔''

حضرت مولانا محمد قاسمؒ کی تالیفات وتحریرات کی ترتیب وتہذیب اوراشاعت میں مولانا فخر الحسنؒ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ مولانا فخر الحسنؒ نے حضرت مولانا نانوتویؒ کی مفصل سوانح بھی لکھی تھی، یہ سوانح عمری لائقِ دید ہے، شاید ایسی چیز بھی اِس زمانہ میں کوئی ہو، یہ سوانح عمری چوں کہ ایک کتاب ہو گئی ہے، اِس لیے بالفعل شائع ہونا اس کا ذرا دشوار ہے، اگر خدا کو منظور ہے، تو اُس کا بھی وارا آ جائے گا۔''(۱) جس کا بعد میں پتہ نہیں چلا۔ آخرِ عمر میں کان پور چلے گئے تھے، وہیں ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۹ء میں وفات ہوئی۔''(۲)

حضرت نانوتوی کے افادات پر مشتمل ''مباحثۂ شاہ جہاں پور''، ''حجۃ الاسلام''(سب سے پہلا ایڈیشن ۱۲۹۸ھ)، ''اِنتصارالاسلام''، جیسی کتابوں کے مرتب ہیں۔ اورناشر کی حیثیت سے مولانا نے جس قدر کاوش کی، اُس کی ایک جھلک اُس ''نوٹ'' سے دیکھنے کو مل جاتی ہے، جو مولانا نے ''آبِ حیات'' کے اختتام پر تحریر فرمایا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولاناؒ کو حضرت نانوتویؒ کے علوم کی تفہیم، نشر و اشاعت اور اِفادات کے عام اور تام کرنے کا اور اُنہیں محفوظ کر دینے کا کس قدر داعیہ اور ولولہ تھا۔

(۳) حضرت مولانا سید احمد حسن امروہیؒ (۱۲۶۷ھ-۱۳۳۰ھ)

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ لکھتے ہیں:

''دوسرے ترجمانِ حکمت اِس طبقے کے ایک فردِ کامل حضرت اقدس مولانا سید احمد حسن امروہی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جن کی درسی اور غیر درسی تقریریں اِسی حکمت سے مملو ہوتی تھیں۔''(۳)

حجۃ الاسلام کے عزیز ترین شاگرد تھے، شکل وصورت اور تقریر میں مثیل قاسم کہے جاتے تھے۔'' امروہہ سے آپ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جہاں جہاں نانوتہ، میرٹھ، دیوبند میں حضرت الاستاذ قیام کرتے، وہیں مولانا احمد حسنؒ بھی ساتھ ہوتے، فیضِ صحبتِ قاسمی اور تعلیمِ قاسمی نے شاگرد کو کندن بنا دیا، اِس شفقت ومحبت سے پڑھایا جو پہلے زمانے کے اساتذہ کا دستور تھا۔(۴)

(۱) حاشیہ: انتصارالاسلام۔ مجلس معارف القرآن ۱۳۸۷=۱۹۶۷ (۲) نورالحسن راشد بہ حوالہ نزہۃ الخواطر ص ۳۵۴ جلد ۸
(۳) حکیم الاسلام: حکمتِ قاسمیہ (۴) شیرکوٹی: قاسم العلوم، ص ۳۱۳

مولانا کی بعض تصنیفیں اور بعض تقریریں حجۃ الاسلامؒ کے علوم کی ترجمانی میں ہیں، جو میرے مطالعے سے نہیں گزریں۔

(۴) حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبدالعلی خلف شیخ نصیب علی فریدی حضرت مولانا احمد علی محدث علی سہارنپوریؒ، مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا قاسم (نانوتویؒ) وغیرہ سے تعلیم حاصل کی۔ حضرت مولانا کے ممتاز شاگردوں اور مستفیدین میں شمار ہے، مدرسہ عربی دیوبند (دارالعلوم) میں مدرس چہارم کی خدمت سے عملی تدریسی زندگی کا آغاز ہوا، دارالعلوم کے بعد مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس دوم کے عہدے پر تقرر ہوا۔ مولانا محمد مظہر (نانوتویؒ) کی وفات (۱۳۰۲ھ) کے بعد قائم مقام صدر مدرس ہو گئے تھے۔ ۱۳۰۶ھ میں مدرسہ شاہی میں مدرسِ اعلیٰ نامزد کیے گئے، ۱۳۱۴ھ میں دارالعلوم میں دوبارہ تقرر ہوا، ۱۳۱۷ھ میں دیوبند سے مدرسہ حسین بخش دہلی منتقل ہوئے اور غالباً ۱۳۲۰ھ میں مدرسہ عبدالرب دہلی میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور تاحیات اِسی منصب پر فائز اور خدمتِ حدیث میں مشغول رہے۔ ۱۳ جمادی الاول ۱۳۴۷ھ/۲۹ ،اکتوبر ۱۹۲۸ء کو وفات ہوئی۔ بے شمار علماء مولانا کے شاگردوں میں تھے۔ ''جواب ترکی بہ ترکی'' مولانا کی قلمی یادگار ہے۔ یہ کتاب ۸۷ صفحات پر مشتمل ہے، جو گیارہ دن میں لکھی گئی۔ اُسلوب، اصول اور دلائل بالکل حضرت نانوتویؒ کے ہیں یعنی منقول بلا حوالۂ نقل معقول کے پیرایہ میں۔ مزید معلومات کے لیے ماہ نامہ ندائے شاہی مرادآباد مدرسہ شاہی نمبر ص ۳۰۴ تا ۳۱۶ ملاحظہ فرمایئے۔(۱)

(۵) فخر الاسلام حضرت مولانا محمد احمدؒ (۱۲۷۹ھ-۱۳۴۷ھ = ۱۸۶۲ء-۱۹۲۸ء)

حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ لکھتے ہیں: ''تیسرے ترجمان میرے والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، جنہیں اِس حکمت کے مضامین پر اِس درجہ عبور حاصل تھا کہ وہ حضرت والا کی کتب کے صفحہ اور سطر تک کے حوالے سے یہ مضامین ارشاد فرمایا کرتے تھے، جلالین شریف، مشکوٰۃ شریف اور مسلم شریف میں جو آخر میں اُن کے درس کی خاص کتابیں تھیں، اکثر و بیشتر موقع بموقع ان علوم کی ترجمانی فرماتے رہتے تھے، حضرت مرحوم آیات واحادیث کے مضامین کے اثبات میں اِسی حکمت کے اجزاء سے کام لیتے تھے، جس کا اثر شرحِ صدر کی صورت سے سینوں پر پڑتا تھا۔''

قاسم العلوم کی عام فہم تشریح پر قاری محمد طیب صاحبؒ کے ذریعے کیا گیا، ابتدائی کام حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہی تحریک کا نتیجہ ہے۔

(۱) شیر کوٹی: قاسم العلوم ص ۲۱۹

(۶) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۲۸۰ھ-۱۳۶۲ھ=۱۸۶۳ء-۱۹۴۳ء)

حضرت نانوتویؒ کے علوم کو اطلاقی حیثیت دینے کے حوالے سے اپنی وسعتوں کے ساتھ گزشتہ ڈیڑھ سو سال کے تمام عرصے میں حضرت تھانویؒ کا شمار پہلے نمبر پر ہے۔ حضرت نانوتویؒ کی معرفتِ ذات، امت کے اِس حکیم کو کس درجے حاصل تھی، اِس کے لیے بعض شواہد پیش کیے جاتے ہیں، جو ایک ذمے دار، ثقہ اور مجددِ وقت کی روایتیں اور شہادتیں ہیں، فرماتے ہیں:

۱-''حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی تقریر بھی اور تحریر بھی کیسی جامع ہیں۔ سبحان اللہ! معلوم ہوتا ہے کہ علوم بھر دیئے گئے ہیں۔'' (۱)

۲-''مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور مولانا گنگوہیؒ حج کو چلے۔ جہاز میں کسی مسئلے میں گفتگو ہوگئی۔ مولانا گنگوہیؒ تو دریا کو کوزے میں بند کرتے تھے اور مولانا محمد قاسم صاحبؒ کوزے سے دریا کو نکالتے تھے۔ دونوں بہت ہی ذہین تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں جب کبھی مدرسے میں اِن دونوں کی گفتگو ہو تی، تو تمام لوگ جمع ہو جاتے تھے، ایک صاحب کی گفتگو سن کر معلوم ہوتا تھا کہ اب اِس کا کوئی جواب نہیں ہوسکتا، پھر دوسرے صاحب کی گفتگو سن کر حیرت ہوتی تھی کہ کس طرح اُسی میں سے بات نکال کر جواب دے دیا، اور یہ معلوم ہوتا کہ اب اِس کا جواب نہیں ہوسکتا، اسی طرح سلسلہ چلا کرتا تھا۔'' (۲)

۳-''ہے تو بے ادبی؛ مگر میں بے ادبی نہیں سمجھتا۔ اس لیے کہ یہ عرفاً بے ادبی سمجھی جاتی ہے، حقیقت میں بے ادبی نہیں۔ وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے امام غزالیؒ اور رازیؒ سے افضل اِس وقت موجود ہیں، دیکھ لیجئے امام غزالیؒ اور رازیؒ کے بھی مصنفات موجود ہیں اور اِس وقت بعض بزرگوں کے بھی موجود ہیں۔ موازنہ کرلیا جائے۔'' (۳)

امام رازیؒ سے موازنہ تو ہر شخص ''تصفیۃ العقائد'' کے اُس مضمون سے کرسکتا ہے، جس میں حضرت نانوتویؒ نے ''کِذ باتِ ثلاث'' کے متعلق اُس عقلی خیال کو عقل ہی کی راہ سے رد کر دیا ہے، جس کا مدار سرسید نے امام رازیؒ کے قول پر رکھا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے حدیث مذکور کے متعلق پیدا ہونے والے شبہ کے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا، اُس کا حاصل یہ ہے کہ دفعِ فساد کی غرض سے، تو کذب

(۱) حکیم الامت: الافاضات الیومیه من الافادات القومیه، جلد۱، ص۳۷۲، جلد۵ ص۲۵۶، جلد۲۵ ص۳۸، مکتبہ تالیفات اشرفیہ، ملتان ۱۴۲۴ھ

(۲) حکیم الامت: ملفوظات ج۲۵، ص۴۰، جلد۳ ص۱۵۸ مکتبہ تالیفات اشرفیہ، ملتان ۱۴۲۴ھ

(۳) ملفوظات جلد۱، ص۳۷۲، جلد ۵ ص ۲۵۶، جلد ۲ ص ۳۶۵، مکتبہ تالیفات اشرفیہ، ملتان ۱۴۲۳ھ ☆ ''بعض بزرگوں'' سے مراد حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی جیسے حضرات ہیں۔

کے بھی اختیار کی اجازت ہے۔ چناں چہ یہ مثال اِس کے لیے کافی ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کا بطور ترغیب یہ ارشاد: (لَیْسَ الْکَذَّابُ الَّذی یَصلِحُ بَیْنَ النَّاسِ او کما قال) (۱) خود اِس بات پر شاہد ہے کہ یہ کذب محمود ہے، دوسری مثال ''الحرب خدع'' ہے، پھر تعریضات جو واقع میں اقسامِ کذب میں سے نہیں ہوتیں؛ بلکہ مشابہِ کذب ہوتی ہیں، ہرگز مخالفِ شانِ نبوت نہیں ہوسکتیں۔

اصل واقعہ حضرت تھانویؒ کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق یہ ہے کہ ''امام رازیؒ نے لَمْ یَکْذِبْ اِبْرَاھِیْمُ اِلَّا ثَلاثَ کَذِبَاتٍ سے انکار کردیا، اِس وجہ سے کہ کذب انبیاء علیہم السلام سے محال ہے اور جمہور نے ایسا نہیں کیا؛ بلکہ اِس کذب میں تاویلیں کیں، امام رازیؒ نے تو اپنے نزدیک بڑا کام کیا کہ تاویل کی ضرورت ہی نہیں رکھی؛ لیکن کس قدر فاحشہ غلطی کی؛ کیوں کہ نتیجہ یہ ہے کہ اگر ایک ایسی حدیث کو جو سندِ صحیح سے ثابت ہے، ایسے اشکالوں کی وجہ سے رد کردیا جائے، تو اس کا باب مفتوح ہوتا ہے کہ ہر شخص کو مجاز ہوگا کہ جس حدیث میں اپنے نزدیک کوئی اِشکال پائے، اُس کو رد کردے۔ اِس سے تمام دین کی اساس ہی منہدم ہوتی ہے۔ ایسے اِمام سے یہ غلطی کس وجہ سے ہوئی، صرف اتباعِ رائے سے۔'' (۲)

امام رازی سے تو ایک غلطی ہوگئی؛ لیکن اِسے سرسید احمد خاں، خواجہ الطاف حسین حالی اور شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی رحمہم اللہ نے سند بنالیا۔ چناں چہ عقل ونقل کے مابین پیدا ہونے والے تعارض کو رفع کرنے کے لیے پہلا کام تو انہوں نے یہ کیا کہ قدیم سے چلے آرہے صحیح عقلی اصولوں کو ترک کردیا، اُس کے بعد دوسرا کام یہ کیا کہ دورِ حاضر کے فطری قوانین اور عمرانی عوامل کی اساس پر ایک اصول یہ مقرر کردیا کہ ''جو روایت، درایت کے معارض ہو، وہ قابلِ اعتبار نہیں۔'' (۳)

حالاں کہ عقل ونقل کے جس معارضہ کے حل کے لیے یہ اصول وضع کیا گیا ہے، اُس معارضے کی چار شکلیں ہیں، جن میں سے تین میں تو روایت ہی قابل اعتبار ہے، درایت کا اعتبار نہیں۔ اور جس چوتھی شکل میں درایت کا اعتبار ہے، اُس میں بھی روایت قابلِ تاویل ہوگی، نہ کہ لائقِ ترک۔ لیکن اِس سب تفصیلات کی طرف اِن حضرات نے اِلتفات ہی نہیں کیا، جس کے دوررس اثرات مرتب ہوئے۔ ایک واقعہ میرے سامنے یہ گزرا کہ ۱۹۸۶ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی جامع مسجد میں ایک روز عصر کے بعد درسِ قرآن دیتے ہوئے مولانا تقی امینی مرحوم (سابق ناظم سنی دینیات) نے مذکورہ حدیث کو تسلیم کرنے سے انکار فرما دیا۔ بیان ختم ہونے کے بعد میں نے آں موصوف مرحوم سے عرض کیا کہ یہ حدیث تو بخاری میں ہے، اِسے

(۱) مشکوٰۃ ۴۲۱ بہ حوالہ بخاری ومسلم

(۲) حکیم الامت: ملفوظات جلد ۲۰ ص ۲۶۷، تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۴۲۴ھ

(۳) حالی؛ خواجہ الطاف حسین، حیاتِ جاوید ص ۵۱۷، ترقی اردو بیورو، علم الکلام ص ۷۹، ۸۰ دارالمصنفین اعظم گڑھ

آپ نے کیوں کر رد کر دیا؟ انہوں نے اس کا وہی جواب دیا، جو اہلِ فطرت کی جانب سے حیاتِ جاوید اور علم الکلام میں امامِ رازیؒ کا سہارا لے کر دیا جا چکا تھا۔

۴-''حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے تفسیر کبیر امام رازیؒ کا کوئی مقام بضرورت دیکھنے کے لیے اپنے احباب میں کسی کو مامور فرمایا، اُنہوں نے وہ مقام حضرت کو سنایا، تو فرمایا کہ ہم سمجھتے تھے کہ امام رازی بہت ذہین ہیں، مگر اب معلوم ہوا کہ اُن کا ذہن طول وعرض میں تو چلتا ہے، عمق اور گہرائی میں نہیں چلتا۔''(۱)

یہ تو امام رازیؒ کی بات ہوئی اور امام غزالیؒ سے موازنے کی بات علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے تذکرے میں آئندہ ذکر کی جائے گی۔

۵-حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں: ''ایک غیر مقلد نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی تقریر سن کر کہا کہ آپ مجتہد ہو کر، تعجب ہے کہ تقلید کرتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ مجھ کو اِس سے زیادہ تعجب ہے کہ آپ غیر مجتہد ہو کر تقلید نہیں کرتے۔''

اِس واقعے پر حضرت تھانویؒ یہ تبصرہ فرماتے ہیں: (۲)

''اور میں کہتا ہوں کہ اُن بزرگ نے اس سے تقلید کی ضرورت سمجھ لی ہوتی! کہ جب اتنا بڑا شخص مقلد ہے، تو ہم کس شمار میں ہیں''

۶-ہر نئی بات بدعت نہیں ہے، ''حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی چیزوں کی ایک عجیب مثال دی تھی کہ ایک طبیب نے نسخے میں شربتِ بزوری لکھا، ایک موقع تو ایسا ہے کہ وہاں شربتِ بزوری بنا بنایا ملتا ہے، وہ لا کر استعمال کرے گا۔ اور ایک موقع تو ایسا ہے کہ وہاں بنا بنایا نہیں ملتا، تو وہ نسخہ (کے) اجزاء خرید کر لایا، چولہا بنایا، دیگچی لی، آگ جلائی۔ اب اگر کوئی اِس کو بدعت کہے کہ طبیب کی تجویز پر زیادتی کی تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا؟ اسی طرح دین کے متعلق کسی چیز کی ایجاد کی دو قسمیں ہیں، ایک **اِحداث فی الدین** اور ایک **اِحداث للدین**۔ اول بدعت ہے اور دوسری چیز چوں کہ کسی مامور بہ کی تحصیل وتکمیل کی تدبیر ہے، خود مقصود بالذات نہیں، لہٰذا بدعت نہیں۔(۳)(۴)

---

(۱) حکیم الامت: ملفوظات.... جلد۲۴ ص۲۳۹

(۲) یہ بزرگ غیر مقلدوں کے امام مولانا محمد حسین بٹالویؒ ہیں جن کا تذکرہ قاسم العلوم کے مکتوب میں آچکا ہے۔ (ملفوظات جلد ۳، ص۱۵۲، ۱۵۳، ۱۴۲۳ھ

(۳) حکیم الامت: **الافاضات الیومیه من الافادات القومیه**؛ جلد۷ ص۱۷۳، ۱۷۴، تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۴۲۴ھ

(۴) حضرت نانوتویؒ کے الفاظ میں: ''اگر کوئی طبیب کسی کو شربت بنفشہ، یا خمیرہ بنفشہ مرکبات دواؤں میں سے بتلائے اور وہ مرکبات اس کو میسر نہ آئیں، تو لازم ہے کہ اس کے مفردات کو بہم پہنچائے اور اس کے بنانے میں آگ، پانی، برتن وغیرہ جس جس چیز کی ضرورت پڑے، سب فراہم کر کے اس دوائے مرکب کو تیار کرے، اور اس سے نہ ڈرے کہ طبیب...... بقیہ حاشیہ اگلے ص پر...

۷- اِسی طرح ایک گفتگو مقصد شریعت سے متعلق ہے کہ حضور ﷺ کا حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کے باب میں ملامتِ خلق کی پروا نہ کرنا اور حطیم کو بیت اللہ میں شامل کرنے کے باب میں امر مذکور کو ملحوظ رکھنا اور داخل نہ کرنا، اِس مسئلے پر مقصد شریعت اور اصول شریعت کی وضاحت کے حوالے سے متنِ نانوتویؒ اور شرح تھانویؒ، دونوں نہایت دل چسپ ہیں اور ازالہ شبہات کے لیے اکسیر ہیں۔

۸- مختصر یہ کہ جہاں حضرت تھانویؒ کے ذریعہ پیش کیے گئے ہزاروں صفحات میں پچاسوں مسائل حضرت نانوتویؒ کے ذکر کیے ہوئے دقیق، غامض و نادر دلائل کی سریع الفہم تعبیرات ہیں، وہیں اِس موقع پر یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں، کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے حضرت نانوتویؒ کے ذکر کردہ بعض جزئیوں سے اصولوں کی نشاندہی اور بعض اصولوں سے جزئیات کی تفریع، نیز مسائل پر بحث و تمحیص اور بعض موضوع سے متعلق حضرتؒ کا پورا مضمون تک ذکر فرما دیا ہے۔ اور ساتھ ہی اصول نانوتویؒ کی جس کثرت سے نشر و اِشاعت حضرت تھانویؒ نے فرمائی ہے؛ وہ کسی اور مصنف و مفکر کے یہاں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ بطور مثال ''**المصالح العقلية للأحكام النقلية**'' (۱) میں مندرج مضمون ''حقیقتِ قیامت'' ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ اِس میں مضمون کی پہلے تسہیل کی گئی ہے، پھر مزید آسان بنانے کے لیے الفاظ و اصطلاحات کی توضیح طول طویل حواشی کے ذریعے کی گئی ہے۔ مقصود یہ پیشِ نظر ہے کہ اِس اہم مضمون کو کسی طرح عام فہم بنا دیا جائے اور اِس مقصد میں کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ اِس کا تجربہ مطالعہ کرکے کیا جاسکتا ہے۔

اِس کے علاوہ بعض موقعوں پر یہ ہوا، کہ حضرت نانوتویؒ کے کسی مفصل مضمون کا جامع ملخص حضرت تھانویؒ نے ذکر فرمایا ہے: مثال: مسئلہ دیدار خداوندی پر بیان کردہ حضرت نانوتویؒ کی تفصیلات جو ۴۰ سے زائد صفحات میں ہیں۔ (۲)

اور بیان القرآن میں **لا تُدرِكُه الابصار وهُوَ يُدْرِكُ الاَبصار** کی ایک صفحے میں بیان کردہ تفسیر اُسی مضمون کی دریا بکوزہ تعبیر ہے۔

پچھلے صفحہ کا بقیہ...... نے فقط خمیرہ بنفشہ ہی بتلایا تھا، اور اس بکھیڑے کے کرنے کو نہیں کہا تھا، کیوں کہ اس کا خمیرہ بنفشہ کو بتلانا اس سارے بکھیڑے ہی کا بتلانا ہے، اس کے کرنے میں کچھ اس کے کہے سے کمی بیشی نہیں، اسی طرح کوئی طبیب روحانی اگر ایسی بات بتلائے کہ اس کا ہونا بہت سے سامان پر موقوف ہو، تو اس سامان کا فراہم کرنا، کچھ کمی بیشی میں داخل نہیں؛ بل کہ اس سامان کا کرنا اسی کے حکم کا بجالانا ہے، علی ہذا القیاس جیسے طبیب کے کہے کو یاد رکھنا، یا لکھ لینا، کچھ کمی بیشی میں داخل نہیں؛ بل کہ کمال متابعت کی نشانی ہے، ایسے ہی طبیب روحانی کے کہنے کو یاد رکھنا، یا لکھ لینا کمی بیشی میں شمار نہ ہوگا۔'' یہ بہت قیمتی اصول ہے، فرماتے ہیں: ''اس بات کو یاد رکھنا چاہیے، کہ بہت کارآمد ہے۔'' (نانوتوی: مولانا محمد قاسم؛ تقریر دل پذیر ص ۱۴۵، ۱۴۶

(۱) ۳۴۸ تا ۳۵۴ مکتبہ نعیمیہ دیوبند

(۲) ملاحظہ ہو تقریر دل پذیر ص ۲۲۸-۲۷۱

۹- ''تلخیص ہدایۃ الحکمۃ'' کے مطالعہ کے ساتھ ''درایۃ العصمۃ'' میں ہیئت اور فلکیات کے متعلق قدیم وجدید فلاسفہ، جدید ماہرینِ فلکیات اور اہلِ سائنس کے مسلّمات پر حضرت تھانویؒ کی تنقیدات اگر نظر میں نہ رکھی جائیں، تو حضرت نانوتویؒ کے علوم سے مناسبت اور اُن کی فہم وتفہیم مشکل ہی رہے گی۔

دوسرا طبقہ

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۰۵-۱۳۶۹ھ = ۱۸۸۷-۱۹۴۹ء)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں: ''دوسرے طبقہ میں علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ چوتھے ترجمان تھے، جنہیں اِس حکمت (قاسمیہ) پر پورا عبور حاصل تھا اور اُنہوں نے یہ علم اول کے دو بزرگوں (شیخ الہندؒ اور مولانا احمد حسن امروہیؒ) کے درس سے حاصل کر کے اپنے دل کی گہرائیوں تک پہنچایا اور پھر تصانیفِ قاسمیہ کا گہرا مطالعہ فرمایا۔ اُن کا مقولہ تھا کہ جس کے سننے والوں میں یہ حقیر راقم الحروف بھی شامل ہے کہ اگر میری نظر اِن کتابوں پر نہ ہوتی، تو نہ معلوم میں اعتزال کے کس گڑھے میں پڑا ہوا ہوتا؟ حضرت ممدوح کے درسِ حدیث وتفسیر کا طغرائے امتیاز یہی علوم قاسمیہ تھے، جنہیں وہ احادیث کے سلسلے سے درسی تقریروں، نیز اپنے مواعظ وخطبات میں بیان فرمایا کرتے تھے اور یہی اُن کی تقریروں میں جاذبیت کا ایک بنیادی سبب تھا۔ آپ نے اپنی شرح مسلم ''فتح الملہم'' میں بالخصوص کتاب الایمان میں اپنی تقریراتِ استدلال کو اِن ہی علوم سے آراستہ کیا اور اِن علوم کو خاص طور پر اِس کتاب میں سمویا ہے اور جگہ جگہ حضرت والا کے حوالے دیے ہیں۔'' (۱)

کتاب ''العقل والنقل'' میں عقل اور نقل کے مابین پائی جانے والی بعض خلیج وخلجان کے تذکرے میں شیخ الرئیس بوعلی سینا، محقق علاء الدین طوسی، ابوالولید ابن رشد، ابن خلدون، ابن تیمیہ، محی الدین ابن العربی، شیخ شہاب الدین سہروردی، مجددِ الفِ ثانی، شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ کی تحقیقات علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اولاً ذکر فرمائی ہیں، پھر تقریباً دس صفحات میں امام غزالیؒ کی تحقیقات رقم فرمانے کے بعد لکھا ہے:

> ''یہاں تک ہم نے امام غزالیؒ کی تقریر کا ماحصل نقل کر دیا ہے۔ امام صاحب کی تقریر اگر چہ نہایت صاف، نہایت سلیس، نہایت عام فہم اور نہایت پُر اسرار ہے۔ لیکن اِس میں چند ایسے اِقناعی مقدمات بھی ہیں، جن کا اِنکار کر دینا ہمارے ایک بے باک حریف سے کچھ مستبعد نہیں۔ ہم امام صاحب کے اِس قابلِ قدر بیان کی بہت کچھ عزت کر سکتے ہیں؛ لیکن ہمارا ظاہر پرست اور آزاد منش

(۱) حکیم الاسلام: حکمتِ قاسمیہ ص ۳۱، شعبہ نشر واشاعت دارالعلوم دیوبند

مقابل اِس پر یہ نکتہ چینی کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ......(اس لیے) اُس زبردست فاضل کی تقریر کی طرف رجوع کرتے ہیں، جس کی تصنیفات میں جتنا غور کرو، وِتنا ہی اُس کی وہبی دانشمندی اور صادق البیانی کا اعتراف لازم ہے۔ یہ وہ فاضل ہے کہ جس کو اگر ہم اپنے عہد کا شیخ اکبر، امام غزالی اور شاہ ولی اللہ سب کچھ کہہ دیں، تو بے جا نہیں۔ اور یہی وہ فاضل ہے جس نے علم کلام کی ایک ایسے انوکھے طرز میں بناڈالی جو (ان شاء اللہ) قیامت تک کے واسطے پتھر کی لکیر ہے اور جس پر ہمارا ناز کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔ اس فاضل نے۔ جس کو عام طور پر مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اپنی مختلف کتابوں میں جو مفید بیانات درج کیے ہیں، وہ اِس مسئلۂ عقل نقل میں ہماری بہت زیادہ مشکل کشائی کرتے ہیں۔ اور اب ہم ذیل میں جو کچھ لکھیں گے، وہ تمام تر اِنہی تصانیف سے ماخوذ ہوگا۔

مُطرب ترانۂ دگر از پردہ سازُکن　　زیرا کہ حرفِ عشق نمی دارد انتہا''(۱)

اس کے بعد علامہ نے حضرت نانوتویؒ کے علوم کی مدد سے ''مسئلۂ خیر وشر'' کے متعلق عقلی معیار کے اُس اُلجھاوے کو دور کیا جسے دور کرنے کے لیے ظاہر پرست معاشرہ کا انسان اپنی غبارِ خواہش میں آلود (''ترقی یافتہ عقل'') کے استعمال پر مصر ہے؛ لیکن اُس کی صورتِ حال یہ ہے کہ ڈور کو جتنا سُلجھاتا ہے، اُتنی ہی وہ اُلجھتی جاتی ہے۔ حضرت نانوتویؒ کے علوم کی نہایت دلنشیں تعبیر پر حضرت علامہ کو قدرت حاصل تھی اور اگر وہ اِس موقع پر حضرت نانوتویؒ کا نام نہ لیتے، تو علوم علامہ ہی کی طرف منسوب سمجھے جاتے۔ مگر اُنہوں نے خود اعتراف کیا کہ یہ علوم وہیں سے ماخوذ ہیں۔ علامہ نے اگرچہ متعین تصنیف کا ذکر نہیں کیا ؛لیکن وہ تصنیف جس سے بیشتر مضامین ؛ بلکہ متعلقہ موضوع کے حوالے سے الا شاید باید، کل کا کل مواد اخذ کیا گیا ہے، وہ کتاب یقینی طور پر ''تقریر دل پذیر'' ہے۔ بلیغ پیرایہ میں بحث وتنقیح کے بعد حضرت نانوتویؒ سے اِستفادے کی ممنونیت کا احساس زبانِ قلم سے بھی چھلک پڑتا ہے:

''ہم پہلے بھی جن تیرہ وتاریک راہوں کو طے کر کے اِس مقام تک پہنچے ہیں، اُن میں کو گزرنا آسان نہ تھا، اگر قاسمی تصنیفات ہمارے لیے مشعلِ راہ نہ ہوتیں۔ اور اب بھی ان شاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ اُنہی کی روشنی میں منزل پیش آمدہ کے مہالک وخطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہم اپنے مقصدِ اعلی پر صاف جا پہنچیں گے۔ وہ ذاتِ بابرکات جس کی قوتِ قدسیہ نے شریعتِ صادقہ کے پیچ در پیچ اور نظری در نظری اسرار کو بھی بداہت کی حدود کے قریب لا رکھا ہے۔ اگرچہ وہ خود دنیا سے اُٹھ گئے، مگر اُن کی قیامت تک نہ مٹنے والی یادگاریں (خصوصیت کے ساتھ تصانیف) ہماری رہ نمائی کے واسطے زندۂ جاوید ہیں۔''(۲)

(۱): خالد القاسمی: مقالات عثمانی ص۱۱۲، ۱۱۳، دار المولفین ۲۰۱۵　　(۲) ایضاً ص۱۲۲ دار المولفین ۲۰۱۵

یہ وہ حضرات ہیں جو علوم قاسم کے شارح اور ترجمان ہونے کی حیثیت سے نہایت ممتاز مقام کے حامل ہیں۔لیکن اِن کے علاوہ بھی علم وحکمت کے شیدائیوں کو علوم قاسم سے شغف رہا ہے۔ چناں چہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کے ذریعے کی گئی درجہ بندی میں ترجمانانِ علوم قاسم کی ایک قطار اور ہے، وہ لکھتے ہیں:

''آخر میں حضرت الاستاذ الاکبر حضرت علامہ انور شاہ قدس سرہ سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند بھی اِس حکمت (قاسمیہ) کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن حقائق کی ترجمانی شروع فرمائی، حتی کہ آپ نے طلبہ کی ایک مخصوص جماعت کو خارج اوقات میں شفا(۱) شروع کرائی، جس میں یہ ناکارہ بھی شامل تھا۔ اُس میں جگہ جگہ کلامی مسائل کے ضمن میں حضرت والا کی تقریریں نقل فرماتے تھے اور اُنہی کے اصول سے فلاسفہ کا رد بھی کرتے جاتے تھے۔''

اِس کے بعد حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دار العلوم میں پہنچ کر اپنے اوائلِ ایام میں حضرت والا کی تصانیف میں ''تقریر دل پذیر کا درس شروع کرایا تھا؛ لیکن سیاسی مشاغل کے غلبے کے سبب وہ نبھ نہیں سکا۔ اور چند ہی اسباق کے بعد ختم ہو گیا۔''

پھر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اپنے رسالہ ''حکمتِ قاسمیہ'' کی تصنیف کے وقت کا حال ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آج دار العلوم کے قدیم اساتذہ میں استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ اس حکمت کے امین ہیں، جو حکمتِ قاسمیہ پر نظر رکھتے ہیں۔''(۲)

تیسرا طبقہ اور تیسرا دور (دورِ طیب)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (۱۳۱۵-۱۴۰۳ھ=۱۸۹۷-۱۹۸۳ء)

امام محمد قاسم نانوتویؒ سے براہِ راست بکثرت اِستفادہ کرنے والوں کے علاوہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے بعد سب سے اہم نام حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا ہے۔

اصولِ قاسم اور علوم قاسم کی تشریح وتسہیل اور اُن کے اِجرا و اِشاعت کا حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو سب سے زیادہ ولولہ اور جذبہ تھا۔ اِس کو نظم و اِنصرام کے ساتھ چلانے اور مستقل شعبے کا

(۱) فلسفہ وحکمت کے تمام شعبوں کے چھ فنون کے بڑے سائز کے کم وبیش ایک ہزار صفحات پر مشتمل کتاب جس کا چھٹا فن ''الفن السادس- علم النفس'' ہے۔
(۲) حکمتِ قاسمیہ ص ۳۲

درجہ دینے کے لیے حضرت موصوف نے ایک علمی مجلس قائم کی۔ لیکن کام کرنے میں ایک بڑی رکاوٹ جو دکھائی دیتی تھی، وہ اِن علوم کے متعلق یہ شہرتِ عام تھی کہ یہ علوم بہت دقیق ہیں، اِن میں ذکر کیے گئے دلائل نہایت غامض ہیں۔ اِس شہرتِ عام کے علی الرغم اہلِ علم کا اِس بات پر قناعت کر لینا- اِن علوم کی اشاعت و تعدیے میں سدِّ راہ تھا- کہ اِن کی متبادل دوسری تصنیفات اور دوسرے علوم نسبتاً آسان موجود ہیں، جو اِن سے بے نیاز کر دیتی ہیں۔ اور اُن کا اپنے تئیں ذہنی طور پر یہ تسلی دے لینا کہ حضرت نانوتویؒ کی کم وبیش یک صد سال پہلے کی دقیق کتابوں کے غامض دلائل کو حل کرنے کی مشقت میں پڑنا گویا زمانے کی رفتار سے لڑنا ہے، جو ظاہر ہے کہ کوئی دانش مندی کی بات نہیں۔ ایسی صورت میں اہلِ علم کی اِس عام ذہنیت کو بدلنے کی تدبیر کرنا اور اُنہیں یہ سمجھانا ضروری تھا کہ آج کے دورِ الحاد کے گہرے شبہات کا علمی جواب اور موثر تدارک بھی حکمتِ قاسمیہ کے سوا دوسرا نہیں، علوم قاسم کے باب میں اِس فضا کو سامنے رکھ کر حضرت قاری صاحبؒ کی یہ دل خیز دتحریر پڑھیے:

''یہ حکمتِ (قاسمیہ) گو اپنی معقولیت اور شیوہ بیانی کے لحاظ سے واضح، سلیس اور دلوں میں اتر جانے والی حقیقت ہے اور اِس کی تاثیرات وتصرفات گو آفتاب سے زیادہ روشن اور اغیار اور اغیار نما اپنوں تک پر اثر انداز ثابت ہوئی؛ لیکن پھر بھی مضامین کی دقت اور مستفیدین کی استعدادوں کی قلت بالخصوص جب کہ بے توجہی سے اِس کی اغلاط آمیز طباعت نے اُس کی دقت کو اور زیادہ بڑھا دیا ہو، کچھ علمی حلقے اُس سے دہشت زدہ نظر آتے ہیں؛ بلکہ اُن بلند پایہ اور گہرے حقائق کی نسبت سے بعض قلیل المناسبت علماء بھی اُس سے بھاگتے ہوئے محسوس ہوئے۔ لیکن حکت بہر حال حکمت ہے اور مسائل کی نسبت سے گو دلائل مشکل بھی ہوتے ہیں، بالخصوص جب کہ وہ فلسفیانہ گہرے حقائق پر مشتمل ہوں؛ لیکن سطح پسند لوگوں کی دہشت سے اہلِ فہم نہ کبھی متاثر ہوئے، نہ ہوں گے اور نہ ہی اُن کی طلبِ حکمت کی دوڑ کسی دور میں بھی ختم ہوگی۔ کلام کی دقت یا رفعتِ مقام کا تقاضہ اُسے حل کرنا ہے، نہ کہ اُس سے بھاگنا۔''(۱)

حکیم الاسلامؒ مزید لکھتے ہیں:

''حکمتِ قاسمیہ کتنی ہی دقیق سہی؛ مگر آج کے دورِ الحاد کے گہرے شبہات کا علمی حل بھی اس (حکمتِ قاسمیہ) کے سوا دوسرا نہیں۔ اِس لیے اس کے دقیق ہونے کا ثمرہ یہ نہیں ہوسکتا کہ اِن جواہر ریزوں سے روگردانی یا بے توجہی برتی جائے- ورنہ یہ ذکر کردہ طبقہ جو اِس حکمت کا حامل تھا، پیدا ہی نہ ہوتا- بلکہ یہ ہے کہ اِن خاص اور نادر علوم سے آج کے دور کی سطحیت اور سطح پسندی کا علاج کیا جائے، جس کی وجہ سے ذہن اِس غامض حکمت سے بعید ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

(۱) حکیم الاسلام: حکمتِ قاسمیہ ص ۲۸-۳۰

اِس حوالے سے دارالعلوم دیوبند کے اِس منصرم و مہتمم نے پانچ قسم کے کام کیے (۱) مولانا انوار الحسن شیرکوٹیؒ، مولانا اشتیاق احمد دیوبندیؒ، خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمیؒ اور مولانا سعید احمد پالنپوری جیسے تلامذہ میں ذوقِ حکمتِ قاسمیہ منتقل کیا۔ (۲) حضرت نانوتویؒ کے علمی فیوضات میں سے نادر ہوتے جا رہے مضامین (قاسم العلوم) کے ایک معتد بہ حصے کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔ اور پھر جب ایک بڑے پیمانے پر اِس کام کا مولانا انوار الحسن شیرکوٹیؒ نے بیڑا اُٹھایا، تو اُن کے کام میں ہر ممکن اِعانت فرمائی۔ (۳) حضرتؒ کے علوم کو خطبات و مجالس میں اپنے زبان و بیان میں پیش کرنا، جیسا کہ ''سائنس اور اسلام'' کے نام سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں پیش کیا گیا خطاب، مجالسِ حکیم الاسلام میں عقل کی حدود پر کی گئی بعض گفتگوئیں اِسی زمرے میں آتی ہیں۔ (۴) غیر مسلموں کے (الف) شبہات کے جوابات کے متعلق لکھی گئی تصنیف، مثلاً اسلام کا اخلاقی نظام (ب) بعض دقیق مضامین کی نہ صرف حفاظت؛ بلکہ اُن کی تشریح و تسہیل۔ اسرار الطہارۃ نام کا رسالہ اِسی زمرے میں آتا ہے۔ حضرت قاری صاحبؒ کے اِس آخر الذکر کارنامے میں سوالوں کی نوعیت سے ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ جوابات کس درجے لائقِ قدر ہوں گے۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم و اِفادات کا بڑا حصہ مکتوبات میں محفوظ ہے۔ ''قاسم العلوم'' کے علاوہ ''مکتوبات قاسمی'' کے نام سے موسوم یہ رسالہ یا اِفادہ ایک پادری کے اِعتراضات کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ حضرت قاری صاحب لکھتے ہیں ''حضرت کے جس مضمون کو پیش کر رہا ہوں، وہ چند مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات کا مجموعہ ہے:

(۱) خروجِ نجاست (بول و براز) ناقض وضو کیوں ہے؟ (۲) خروجِ ریاح ناقض وضو کیوں ہے؟ (۳) قہقہہ ناقضِ وضو کیوں ہے؟

(۴) نوم (نیند) ناقضِ وضو کیوں ہے؟ (۵) خروجِ منی ناقضِ طہارت اور موجبِ غسل کیوں ہے؟

ایک غیر مسلم یا غیر متدین کے لیے جس کا منتہائے نظر عقل اور قیاس آرائی ہی ہے، روایتی جواب باعثِ تسلی وقناعت نہیں۔ (۱)

لیکن حضرت نانوتویؒ نے اِن سب موقعوں پر عقلِ صحیح کا استعمالِ صحیح نہایت احسن طریقے پر فرمایا ہے، جس کی توضیح و ترجمانی حضرت قاری صاحبؒ نے فرمائی ہے۔

☆ ترجمہ وتشریح کے لحاظ سے فارسی مکتوبات ''قاسم العلوم'' کے بعض حصے کا ترجمہ کیا۔ مولانا طاہر قاسمیؒ (برادر حکیم الاسلام) نے اِس سلسلہ وار مضمون کا تعارف کرایا ہے، جو القاسم (دور جدید) ماہ صفر ۱۳۴۴ھ میں قسط وار شائع ہوا۔ اِس کی پانچ قسطیں ہی میری نظر سے گزر سکیں۔ مولانا سعید احمد پالن پوری

(۱) نور الحسن راشد: قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: احوال و آثار و باقیات و متعلقات ۵۰۴، مکتبہ نور ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء

کی صراحت کے مطابق یہ سلسلہ آگے جاری نہ رہ سکا تھا، اور موقوف ہوگیا۔

☆ ''کتاب ''قبلہ نما'' کی بھی ایک خاص نہج سے شرح فرمائی تھی؛ مگر وہ ضائع ہوگئی۔''(۱)

یہ چار کام تو حضرت قاری صاحبؒ نے ذاتی محنت، جہد وسعی سے خود انجام دیئے۔

(۵) پانچواں کام: تصنیفاتِ قاسمؒ سے اِستفادے میں دقیق ومشکل ہونے کی رکاوٹیں دور کرنا: دوسرے بعض مقاصد کے ساتھ بالخصوص اِس مقصد کے لیے مجلس معارف القرآن کا قیام عمل میں آیا۔ حکیم الاسلامؒ مجلس کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آج اِس کی ضرورت ہے کہ اِس حکمتِ (قاسمیہ) کو نہ صرف یہ کہ اچھے اُسلوب سے مرتب اور منضبط کر کے محفوظ ہی کر دیا جائے؛ بلکہ ضروری حد تک تشریح وتوضیح اور اِمکانی حد تک تسہیل وتیسیر سے اُسے دنیا کے ذہنوں سے قریب کرنے کی بھی سعی کی جائے، تاکہ یہ دقت وغموض وغیرہ کے عذراتِ باردہ لوگوں کے لیے اُس سے ترکِ اِستفادہ کا حیلہ نہ بن سکیں۔ پھر بھی اگر کوئی اِس فطری قرابادینِ دین (دینی عقائد میں پیدا ہونے والے شبہات - جو کہ درحقیقت روحانی امراض ہیں - کے اِزالۂ مرض کے لیے) اپنا یا دوسروں کا علاج نہ چاہے، تو یہ اُس کی قسمت کی بات ہوگی، قاسمی حکمت کی بات نہ ہوگی۔''

اِس حقیقت کے پیشِ نظر مجلس معارف القرآن دارالعلوم دیوبند نے ایک منصوبہ بنایا، جس کی رو سے یہ طے پایا کہ:

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی تصانیف کے اصل متن کو قائم رکھ کر تشریحی نوٹ کے ذریعہ اِجمالات کی تفصیل اور اِصطلاحی الفاظ کی توضیح کی جائے، دقیق مضامین سہل تعبیر میں سمجھا دیا جائے، جس میں اصطلاحی الفاظ نہ ہوں۔'' اور پھر حضرتِ والا کے کتابی متن کی اصل عبارت لکھی جائے، تاکہ ایک ناظرِ کتاب نفسِ مسئلہ اور مدعا کو پہلے سے سمجھ کر جب حضرت والا کے بیان اور اُس کے دلائل و براہین پڑھے گا، تو نہ صرف یہ کہ پہلے سے حل شدہ مضمون حضرت والا کی عبارت سے بھی اُس کے ذہن میں آ جائے گا؛ بلکہ حضرت کی بلیغ اور جامع تعبیرات سے اُس کی حقائق فہمی کا لطف بھی دوبالا ہو جائے گا اور وہ اُن حقائق ومعارف تک پہنچ سکے گا، جہاں حضرت والا اُسے پہنچانا چاہتے ہیں۔''(۲)

---

(۱) مولانا سعید احمد پالن پوری: کیا فاتحہ واجب ہے؟ ص ۳۰

(۲) تجربے کی روشنی میں اِس حوالے سے دو کام ہونے چاہئیں۔ ایک تو یہی جسے حکیم الاسلام نے ذکر کیا۔ دوسرے وہ جسے علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ''شفا'' کے درس کے ساتھ جاری کیا تھا۔ یعنی فلسفے کے مبادیات پر عبور حاصل کر کے اِن کتابوں کی تشریحات کی جائے، تاکہ تشریحی نوٹ کے ذریعہ اِجمالات کی تفصیل اور اِصطلاحی الفاظ کی توضیح، دقیق مضامین سہل تعبیر میں سمجھا پانے کے اہل افراد پیدا ہو سکیں۔

چوتھا طبقہ یا چوتھا دور

اِن امورِ خمسہ کو انجام دینے کے بعد حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی حیات مستعار تو انجام کو پہنچی۔ مابعد طیب، فکر قاسم، اصول قاسم اور علوم قاسم کے حاملین میں پہلا نام تو خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کا ہے، جو بے شبہہ مذکورہ حیثیت سے ایک نشان (Icon) اور ترجمان ہیں۔ علوم قاسم کے حامل اور اصولِ قاسم پر نظر رکھنے والے فرزندانِ دارالعلوم اور حکیم الاسلام کے خوش چینوں میں سے دوسرا نمایاں نام مولانا سعید احمد پالن پوری کا ہے۔

اِن دونوں شارحین قاسم کا تذکرہ ابھی ذرا دیر میں کریں گے۔ یہاں پہلے ہم یہ بتادیں کہ بعد کے ایام میں متعدد اہلِ علم نے حضرت نانوتویؒ اور علوم نانوتویؒ پر کچھ کام کئے ہیں۔ مثلاً مولانا عبدالحمید سواتی نے ''اجوبۂ اربعین'' کے مقدمے میں حضرت نانوتویؒ کی تصنیفات کا ایک تعارف ذکر کیا ہے، جس میں اُن کے بعض تبصرے قلتِ التفات کی نظر ہو گئے ہیں، مثلاً آبِ حیات کے تعارف میں، مباحثۂ شاہ جہاں پور کے دوران حضرت نانوتویؒ کے بیان کی نوعیت واضح کرنے میں اور ''جمال قاسمی'' پر بعض سوالات قائم کرنے میں اُن سے بے احتیاطی ہوئی ہے، اصل تحریروں پر نظر رکھنے والا حقیقت پر مطلع شخص اِن تبصروں سے مطمئن نہیں ہوسکتا۔ پھر اُن کا یہ کام بھی محض وقتی اور سرسری نوعیت کا ہی شمار ہوسکتا ہے۔ موصوف کے حوالے سے یہ بات بطور مثال یہاں ذکر کی گئی، ورنہ اِس قسم کے کام بہت سارے لوگوں نے کئے ہیں کہ اُن کی حیثیتیں جز وقتی، تعارفی اور سوانحی سے زیادہ نہیں، مثلاً پروفیسر ایوب قادری کا مضمون ''مولانا محمد قاسمؒ''، مفتی ظفیر الدین کا ''سبق آموز تاریخی حقائق''، مولانا نسیم احمد فریدی کا ''حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: دینی وملی، تاریخی وروحانی خدمات کی ایک جھلک'' (۱) مولانا ابوبکر غازی پوری کا مضمون ''مناظر اسلام حضرت مولانا محمد قاسم النانوتویؒ''، مفتی عبد القدوس رومیؒ کا مضمون ''مولانا نانوتویؒ کا سلوک و احسان''، مولانا نور الحسن کاندھلوی کا مضمون ''حضرت نانوتویؒ کے مکتوبات گرامی''، مفتی ابوالقاسم صاحب کا مضمون ''بانی دارالعلوم دیوبند'' اور مولانا اسیر ادروی کا کام بھی اِسی زمرے میں آتا ہے۔ اِن میں سے بعض مضامین کی صورت میں ہیں اور بعض کتابوں کی شکل میں۔ اِن جز وقتی وسوانحی مضامین کے علاوہ بعض ایسے مفکروں کی تحریریں بھی سامنے آئیں، جنھوں نے حضرت نانوتویؒ کی کتابوں کی تشریح وترجمانی میں فکری التباس کو راہ دے دی، خواہ اُن کی نیت تلبیس کی نہ ہو؛ لیکن اُن کی تحریروں میں ایسا ہی واقع ہوا ہے۔ ایسے مضامین کی مثالوں کے ذریعے توضیح یا ایسے مصنفوں کی تفصیل بے فائدہ ہے۔ البتہ اِس التباس کی حوصلہ

(۱) ملاحظہ فرمایئے: نگارشاتِ اکابر، حجۃ الاسلام اکیڈمی ۲۰۱۸

شکن ظلمت کے بیچ اِحقاقِ حق و اِبطالِ باطل کی مشعل بھی روشن رہی اور ایک تحریر مولانا اسعد اسرائیلی فاضل دیوبند کی ''ہندوستانی غیر مسلموں کے اِشکالات اور حضرت نانوتویؒ کے جوابات'' ملک کی فکری فضاء میں عام ہوئی، جو حضرت نانوتویؒ کی تصنیفات سے استفادہ کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔(۱)

اسی طرح مولانا نور الحسن راشد کا کام ''قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: احوال و آثار و باقیات و متعلقات'' بھی اہمیت کا حامل ہے۔ ۷۷۵/صفحات پر مشتمل یہ تحریر گویا ایک دستاویز کی شکل اختیار کرگئی ہے۔ اِس میں حتی المقدور حضرت نانوتویؒ کی تمام تصنیفات، مخطوطات، مطبوعات جملہ ایڈیشنوں کے مطبعوں، شارح، محشی، ناشر اور سنین کی تفصیل کے ساتھ تعارف کرایا گیا ہے۔ اور بعض مختصر رسالے، مکتوبات، بعض کتابت شدہ اور بعض عکسی تحریریوں، بعض مناظروں (مثلاً پنڈت دیانند سرسوتی کے ساتھ پیش آنے والا لے مناظرۂ رڑکی کے سلسلے میں ہونے والی جانبین سے مراسلات کے ریکارڈز) جمع کردیے گئے ہیں۔ البتہ ''جزء لایتجزی'' کے عنوان میں اور ''احسن الخالقین'' کی تشریح کے باب میں شدید تسامح واقع ہوا ہے؛ جس کا ذکر ہم قاسم العلوم کے تعارف میں کرچکے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تحریروں کی تسہیل و تلخیص کے حوالے سے مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کی سرپرستی میں مولانا خالد القاسمی کے ذریعے کیا گیا کام جو ایک عمدہ کام ہے؛ لیکن اِس میں مستفید کے لیے ملحوظ رکھنے کے قابل یہ امر ہے کہ اِس کے مضامین تو حضرت نانوتویؒ کے سمجھے جائیں گے؛ مگر الفاظ کی استنادی حیثیت حضرت نانوتویؒ کی طرف مشکل ہوجائے گی؛ ہاں روایت بالمعنی سمجھئے تو بجا ہے۔ ایسی کتابیں تین ہیں۔ ۱: عظمتِ اسلام، ۲: صداقتِ اسلام۔ ۳: افاداتِ قاسمی۔ علی الترتیب ۱۹۹۱ء، ۱۹۸۸ء اور ۱۹۹۴ء میں، پہلی اور تیسری کتاب دار المولفین دیوبند سے اور دوسری دار العلوم حیدرآباد سے شائع ہوئیں۔ ایک مستقل کام مکتوبات قاسم العلوم سے متعلق ہے جس کا ذکر شروع مقالے میں آچکا ہے کہ مولانا انوار الحسن شیرکوٹیؒ نے قاسم العلوم کے تمام مکاتیب کے ترجمہ و تسہیل کی خدمت انجام دی تھی۔ لیکن اِس ترجمے کے متعلق مفتی سعید احمد پالن پوری نے لکھا ہے کہ ''کتاب پوری طرح حل نہیں ہوئی ہے۔''

اِسی طرح حضرت نانوتویؒ کی آخری اور مفصل تصنیف ''تقریر دل پذیر'' ہے۔ اِس تصنیف کا سلسلہ تقریباً ۱۳/سال تک (۱۸۶۷ء-۱۸۸۰ء) لمبے وقفات اور طویل فترات کے ساتھ جاری رہا تھا۔ اِس کتاب پر کام کی حیثیت و نوعیت کا تعارف کراتے ہوئے مولانا عبد الرشید بستویؒ نے لکھا ہے کہ ''۱۳۴۶ھ میں حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی رحمہ اللہ کی جانب سے بعض عنوانات کے اِضافے اور نئے پیرا گراف قائم کئے جانے کے بعد مطبع قاسمی دیوبند نے شائع کیا۔'' لیکن اِس باب میں حقیقت یہ ہے کہ

---

(۱) ملاحظہ ہو: الامام محمد قاسم النانوتوی: حیات، افکار، خدمات، کتب خانہ حسینیہ، دیوبند ۲۰۰۵ء

اصل میں 'تقریر دل پذیر' پر کام حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اِس حیثیت سے کر دیا تھا کہ ذیلی عنوانات اور مختصر حواشی، تشریحات، مسائل کی توضیحات اور واقعات کے پس منظر و مراجع ذکر کر دیئے تھے۔ مولانا سید محمد میاں صاحب دیو بندی رحمہ اللہ کے کام کی نوعیت یہ ہے کہ اُنہوں نے نسخۂ فخر الحسنؒ کی تہذیب فرمادی، پیراگراف قائم کیے اور ذیلی عناوین کو اصل کتاب میں شامل کر لیا۔ حواشی حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے درج فرمائے، بعض جگہ نام کی صراحت کے ساتھ اور بعض جگہ حوالے کے بغیر۔ ملاحظہ ہو''آبِ حیات''، مطبع مجتبائی دہلی ۱۲۹۸ھ کا آخری صفحہ جس پر حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ صراحت فرمادی ہے کہ اُنہوں نے ''تقریر دل پذیر'' پر فوائد و حواشی کا اضافہ فرمایا ہے۔ اِس کے بعد مطبع قاسمی دیو بند کے نسخے کا نسخۂ فخر الحسن سے مقابلہ کیجیے، تو اوپر ذکر کی گئی تفصیل ایک بدیہی حقیقت نظر آئے گی۔

تصانیف قاسمیہ کی تصحیح و تسہیل پر مولانا اشتیاق احمد صاحبؒ نے متعدد کام نہایت اہتمام سے کیے۔ تعداد اور مقدار کے اعتبار سے مولانا فخر الحسن صاحبؒ کے بعد شاید سب سے بڑا کام موصوف ہی کے ہاتھوں انجام پایا۔ لیکن بعض تصانیفِ قاسم کے لیے اُن کے ذریعے لکھی گئی تشریحات کے متعلق بعض اہلِ نظر کی رائے ہے کہ ''کما حقہ کتاب حل نہیں ہوئی۔'' یہ حل نہ ہونے والا مسئلہ کئی کتابوں میں پیدا ہو گیا ہے۔ بلکہ شارح کی تشریحات کے بعد بعض بعض جگہوں پر مراداتِ مصنف متاثر ہو گئی ہیں۔ زیرِ نظر مقالے میں اِس قدر گنجائش ہی نہیں ہے کہ اِس کی مثالیں دی جائیں، یا تفصیلی کلام کیا جائے۔

اب ہم اپنی گفتگو علوم نانوتویؒ کے اُن شارحین پر مرتکز کریں گے، جو ترجمانِ قاسم کے چوتھے دور میں کلیدی حیثیت کے حامل ہیں۔ ایسے شارحین دو ہیں: ۱- خطیب و متکلمِ اسلام مولانا محمد سالم القاسمیؒ۔ ۲- مفتی سعید احمد پالن پوری۔ شرحِ علوم نانوتوی کے حوالے سے مفتی سعید احمد پالن پوری نے بعض ایسے کارہائے مفیدہ انجام دیئے ہیں کہ جن سے اِس وقت طلبۂ علومِ دینیہ اور درسیات کے فارغ علماء فیض یاب ہو رہے ہیں۔ (۱) اُن میں سے ایک ''کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟'' نام کا رسالہ ہے جو تقلید کے موضوع پر لکھا گیا حضرت نانوتویؒ کے رسالے ''توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام'' کی شرح ہے۔ اِس شرح کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ بالکل اُسی منہج اور اُنہی ہدایتوں پر یہ شرح لکھی گئی ہے جو ادارہ معارف القرآن کے لیے حکیم الاسلامؒ نے مقرر فرمائے تھے۔ (۱)

(۲) ''معین الفلسفہ'': اِس کتاب میں حضرت نانوتویؒ کے علوم سے استفادہ کیا گیا ہے

(۱) یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ ہدایتیں مفتی صاحب کے سامنے رہی ہوں؛ بلکہ ممکن ہے کہ ذہنی توارد ہو۔

خصوصاً ص ۶۳، ۶۴ میں جزء لایتجزی کے متعلق تحقیق ''تقریر دل پذیر'' ص ۳۶۳-۳۶۶ سے ماخوذ ہے۔ فلسفے کے اِس مسئلہ کو حضرت نانوتویؒ کی سریع الفہم اور دلنشیں تفہیم سے رونق بخشا گیا ہے۔ (۳) ''تحفۃ الالمعی'' شرح ترمذی میں ''عماء'' کی تشریح میں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی ''وجود منبسط'' کی تحقیق سے مدد لی گئی ہے۔ (۴) ''آسان منطق'' میں مفہوم عام کے لیے کلی اور جنس کی بحث ہے۔ اس میں سب سے زیادہ وسیع اور عام مفہوم کے لیے 'وجود' کا ذکر حضرت نانوتویؒ کے حوالے سے کر کے طلبہ کے ذہن کو مانوس کر دیا گیا ہے۔ (۵) ایک کام یہ کیا ہے کہ اسی کتاب ''توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام'' کی شرح کی ابتدا میں حضرت نانوتویؒ کی کتابوں کا تعارف کرا دیا ہے اور ساتھ ہی آسان، دقیق اور مشکل تر ہونے کے لحاظ سے تصنیفات کی درجہ بندی بھی کر دی ہے جو اِس طرح ہے:

پہلی درجہ بندی: ''آسان کتابیں'' اِس میں پندرہ کتابیں شمار کرائی ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ: ''یہ تمام کتابیں آسان ہیں؛ مگر مضامین نہایت بلند ہیں۔ طرزِ بیان شگفتہ اور سہل ہی نہیں؛ بلکہ سہلِ ممتنع ہے۔ معمولی اِستعداد والے بھی اِن کتابوں کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔''

بہر حال! آسان کتابوں میں ۱۵ کتابیں شمار کرائی گئی ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) قبلہ نما:....ربع اول آسان ہے۔ (۱) ہدیۃ الشیعہ:...تمام تصنیفات میں یہ سب سے زیادہ آسان ہے۔ (۳) تحفۂ لحمیہ (۴) اجوبۂ اربعین (۵) فیوضِ قاسمیہ (اردو-فارسی): مختلف موضوعات پر ۱۵؍مکاتیب کا مجموعہ (۶) واقعہ میلۂ خدا شناسی (۷) مباحثۂ شاہ جہاں پور (۸) لطائفِ قاسمیہ (فارسی) (۹) تصفیۃ العقائد (۱۰) انتصار الاسلام (۱۱) حجۃ الاسلام (۱۲) قصائدِ قاسمی (۱۳) مکاتیب قاسمی (۱۴) الاجوبۃ الکاملۃ فی الاسولۃ الخاملۃ (اردو) (۱۵) حاشیہ بخاری۔

دوسری درجہ بندی؛ دقیق کتابیں: ان میں ذیل کی کتابیں شامل کی گئی ہیں:

(۱) مصابیح التراویح (فارسی) (۲) تقریر دل پذیر (۳) جواب ترکی بہ ترکی (۴) تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس (اردو) (۵) جوابات محذورات عشر (۶) اسرار قرآنی (فارسی) (۷) انتباہ المومنین (۸) جمال قاسمی (۹) توثیق الکلام (۱۰) الحظ المقسوم من قاسم العلوم کی شرح (عربی)۔ مکاتیبِ قاسم العلوم (۱۱) قریہ فدک کی بحث (۱۲) حدیث عماء کی شرح (۱۳) ما اھل بہ لغیر اللہ کی تحقیق (۱۴) عصمتِ انبیاء اور تحقیق کلی طبعی (۱۵) مکاتب کے سلسلے میں دو حدیثوں میں تعارض کا حل (۱۶) انکار نبوت اور انکار معجزہ کا جواب۔ (۱۷) ہندوستان میں سود کا حکم اور مرہونہ زمینوں کی آمدنی کا حکم (۱۸) شہادت حضرت حسینؓ کا اِثبات (۱۹) مبحث امامت کی تحقیق اور طوسی کے استدلالات کا جواب اور دو حدیثوں کی شرح (۲۰) حدیث ''من لم یعرف امام زمانہ'' کی شرح۔

تیسری درجہ بندی؛ مشکل تر کتابیں: اِس میں کتبِ ذیل شامل کی گئی ہیں:

(۱) قبلہ نما (آخر کے تین ربع) ۔ (۲) آب حیات۔ پھر پہلی کتاب پر دارالعلوم دیوبند کے فاضل کے ذریعے لکھی گئی شرح کے متعلق بعض قدردانی کے الفاظ تحریر کرنے کے ساتھ ہی اُس کے حل مُفہم کے وصف میں کمی کی شکایت بھی کی۔ اور دوسری کے متعلق فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے کہ مجھے اِس کتاب کی شرح لکھنے کی توفیق مرحمت فرمادے: ''اِس کی شرح کی بھی خاص ضرورت ہے۔ **و لعل الله سبحانه و تعالی یوفقنی لذالك و ما ذالك علیه بعزیز.**''(۱)

(۳) علوم قاسم کی شرح وترجمانی میں حضرت خطیب الاسلامؒ کا حصہ

(۲۲/ جمادی الاخری ۱۳۴۴ھ = ۸/ جنوری ۱۹۲۶ء - ۲۶/ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ = ۱۴/ اپریل ۲۰۱۸ء)

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کو جن ترجمانانِ علوم نانوتوی کی زیارت کا اور اُن سے اِستفادہ کا شرف حاصل ہوا، اُن میں سرفہرست نام ''محقق جلیل حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سابق سرپرست دارالعلوم دیوبند'' کا ہے۔ پھر دوسرے نمبر پر اور محسن ہونے کی حیثیت سے پہلے نمبر پر حضرت والد محترم حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی شخصیت کا ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ کے ہی فیض اور فکری تربیت کے نتیجے میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ جیسے فرزند عظیم کے برکات وثمرات سے امت فیض یاب ہوئی۔ لیکن چوں کہ آفتابِ طیب کے سامنے سب ستارے ماند تھے، جس کی وجہ سے فرزندِ عالی مرتبت کے کچھ کام حضرت قاری صاحب کی سرپرستی میں ثانوی حیثیت سے ظاہر ہوے، جب کہ کچھ دیگر کام اصل، رہنما اور سرپرست کی حیثیت سے اُس وقت سے ظاہر ہونا شروع ہوئے، جب کہ عام فضا میں ساٹھ سالہ دورِ طیبؒ دیکھنے کے بعد اِس سے زیادہ کی توقع نہیں کی جارہی تھی کہ ؎

چوں کہ شد خورشید و مارا کرد داغ		چارانہ باشد در مقامش جز چراغ

لیکن یہ فرزند بھی درحقیقت خورشید ہی تھا، جس کے طلوع کے لیے وقت درکار تھا، کیوں کہ فرزند طیب کی دمکتی فجر نصف النہار کا پتہ خود دے رہی تھی، چناں چہ یہ نظارہ چشم فلک نے کیا کہ بہ فیضِ پرتوِ طیب یہ فرزند، اپنی فہم خداداد اور جہدِ مسلسل سے عقل ونقل کے جملہ فنون میں کامل ہوتا چلا گیا اور ایک وہ وقت آیا کہ علم وفکر کی دنیا میں آفتابِ نیم روز بن کر چمکا۔ اِن دیگر کاموں میں حجۃ الاسلامؒ سے متعلق مضامین، خطابات اور المجمع الامام النانوتویؒ کی تاسیس شامل ہیں۔ کیوں کہ یہ واقعہ ہے کہ خطیب الاسلامؒ کی سرپرستی میں توقع

(۱) کیا فاتحہ واجب ہے؟ ص ۳۰،۳۱

سے کہیں زیادہ امور انجام پائے اور اہم رہنما اصول منصہ شہود پر آئے جو، اب بعد والوں کے لیے دلیلِ راہ ہیں۔

دورِ طیب میں زیرِ سرپرستی رونما ہونے والے کام کی تفصیل یہ ہے کہ تالیفات قاسمیہ کی کماحقہٗ خدمت کی ضرورت کا احساس بطور وراثت اکابر سے اصاغر تک پہنچتا رہا اور وقت بھی گزرتا رہا؛ لیکن تقاضائے وقت کے تئیں، اِن کی ڈمانڈ یا کہیے کہ ضرورت کو دیکھتے ہوے خاطر خواہ پیش رفت نہ ہوسکنے کا ایک احساس بھی ساتھ ساتھ لگا ہوا تھا، اِن تصنیفات کی نشر واشاعت میں سستی کا یہ احساس حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے قلب میں زیادہ قوت سے پیدا ہوا، یہ اِسی احساس کا نتیجہ تھا جو حجۃ الاسلامؒ کی شخصیت پر بالتفصیل سوانحِ حیات کی شکل میں، سستی کے تدارک کے لیے بطور ایک شاہ کار کے ظاہر ہوا۔(۱)۔ اِس شاہ کار کی ہیئتِ ظہور مولانا حسین احمد مدنیؒ کی زبانی سنئے!

بانیٔ دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی وفات کے پورے پچھتر برس بعد تیاریٔ سوانح کی یہ سعادت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم کی قسمت میں لکھی ہوئی تھی۔ ممدوح نے اپنی دل کی لگی سے یہ اہم کام حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی دام فیضہ کے سپرد کیا۔ مولانائے ممدوح نے بہ طیبِ خاطر قبول فرما کر دو تین سال کی مدت میں کافی محنت وعرق ریزی سے اِسے اِختتام تک پہنچایا۔ اور آج ہم اِس قابل ہیں کہ حضرت قاسم العلوم والخیرات کے کمالات وسوانحِ زندگی کا یہ مقدس ذخیرہ انتہائی مسرت وابتہاج کے ساتھ ملک اور قوم کے سامنے پیش کردیں۔''(۲)

حکیم الاسلامؒ کے بیدار مگر بے چین دل کو اِس سے یک گونہ خوشی تو ہوئی؛ لیکن اِس سوانح کے ایک ہزار صفحات حضرت قاری صاحب کے مضطرب دل کی تسلی کے لیے کافی نہ تھے۔ کیوں کہ حجۃ الاسلامؒ کے حوالے سے اصل کام اور قرارِ واقعی اسکیم قاسم کے خلف الرشید کی نظر میں کچھ اور ہی تھی، جس پر عمل درآمد ہونا تو کجا، اُس فائق اسکیم کا علم ہونا بھی ابھی باقی تھا۔ دوسروں کو اِس کا علم اُس وقت ہوا، جب سوانح کی تینوں مجلدات موصول ہونے کے بعد ممنونیت اور احسان مندی کے ساتھ مصنف مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کی خدمت میں قلب مضطر کی جانب سے مضمونِ ذیل ارسال کیا گیا:

''اس کا شکریہ میں کیا ادا کروں؟ پورے علمی حلقے اور قوم کے سارے سنجیدہ طبقے ادا کریں گے،

---

(۱) خیال رہے کہ سوانحی نقطۂ نظر سے اوپر ذکر کردہ تینوں ادوار میں سوانح قاسمی سے پہلے اعلی وارفع کام علی الترتیب ظہور میں آچکے تھے۔: ''الہدیۃ السنیۃ'' از حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندی (والد ماجد شیخ الہند)، ''سوانح عمری'' از مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ (دارالعلوم دیوبند کے اول صدر مدرس اور سب سے پہلے مفتی)، مختصر صورت میں منظر عام پر آچکی تھیں۔

(۱) حضرت مولانا حسین احمد مدنی: تقریب؛ سوانح قاسمی ۲۵/ رجب ۱۳۷۳ھ

البتہ شکریے کو کچھ موثر بناتے ہوئے اتنا عرض کروں گا کہ ابھی حضرت سیدنا الامام الکبیرؒ کی حقیقی سوانح آپ نے لکھی ہی نہیں۔ کیوں کہ حضرت والا کی حقیقی سوانح یہ نہیں ہے کہ آپ کب پیدا ہوئے؟ کب وفات پائی؟ اور اِس درمیان کہاں کہاں اُن کی کیا کیا نقل وحرکت ہوئی؟ حقیقی سوانح یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے لدنی اور وہبی علوم سے جس حکمت کی بنیاد ڈالی وہ کیا ہے؟ کن اصولوں پر مبنی ہے؟ اور ذہنی اور علمی دنیا میں اُس نے کیا انقلاب پیدا کیا؟..(۱)

اِن باتوں کا مولانا گیلانیؒ نے اثر لیا؛ لیکن یہ اُس وقت کی بات ہے جب ’’حکمتِ قاسمیہ‘‘ کے اِس متوقع شارح وترجمان کا وقتِ آخر آ لگا، چناں چہ کچھ عرصہ بھی نہ گزرنے پایا یعنی سوانح قاسمی کی تیسری جلد ابھی طبع بھی نہ ہوسکی کہ مصنفِ سوانحِ قاسمی کی رحلت ہوگئی۔ اور مولانا گیلانی کے ساتھ وابستہ توقع پوری نہ ہوسکی۔

ادارۂ معارف القرآن

یہی وہ وقت ہے جب ’’ادارۂ معارف القرآن‘‘ قائم ہوا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ حضرت قاری صاحبؒ کے منشورات میں پانچواں نمبر یہی تھا کہ تصنیفاتِ قاسمؒ سے اِستفادے میں دقیق ومشکل ہونے کی رکاوٹیں دور کی جائیں۔ اِسی مقصد کے تحت ادارہ معارف القرآن کا قیام حکیم الاسلامؒ کی سرپرستی میں عمل میں آیا تھا۔ پھر اِسی ادارے سے فلسفۂ قاسم کے تعارف کے لیے لکھا گیا حکیم الاسلامؒ کا رسالہ ’’حکمتِ قاسمیہ‘‘ شائع ہوا۔ لیکن اگر آپ نے اِس راز کو نہ سمجھا، تو گویا ابھی بہت کچھ سمجھنا باقی ہے کہ اِس ادارے سے جتنے کام ہوئے وہ خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی توجہ، نگرانی اور مساعی جمیلہ کے تحت ہی انجام پائے۔ خطیب الاسلامؒ ہی اِس مجلس ’’ادارۂ معارف القرآن‘‘ کے معتمد تھے۔

مولانا محمد سالم قاسمیؒ کا تعارف بحیثیت ترجمانِ قاسم

مولانا محمد سالم قاسمیؒ، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علمی، عملی، نسبی، ذہنی، فکری، باطنی اور روحانی وارث تھے۔ ہر چیز میں طیب واحمد کے سلسلۃ الذہب سے صعود کرتے ہوئے جد امجد قاسم نانوتویؒ سے مناسبت رکھتے تھے۔ مناسبت کی جانب مشیر اِس ترجمانِ قاسم کی زبان سے نکلا ہوا کسی موقع کا یہ ایک فقرہ ہے۔ جو اپنی ساخت، برجستگی اور سادگی کے لحاظ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بالکل مافی القلب کا عکاس ہے۔ خود اپنے متعلق فرمایا کہ:

’’کمال یہ ہے کہ مجھ میں کمال کچھ بھی نہیں۔‘‘

(۱) مولانا مناظر احسن گیلانی: سوانح قاسمی جلد۳ ص ۱۷۳

تواضع کا غماز یہ فقرہ تواضع کے جس مرتبے کو بتلاتا ہے حقیقی علم وحکمت کے حامل رجالِ زمانہ کو ہمیشہ حاصل رہا ہے۔ ''بقراط کا قول ہے:'' **لیس من فضیلۃ العلم سوی اِدراکی باننی لست بعالم** ''میری فضیلت میرا یہ اِدراک ہے کہ میں بے علم ہوں۔لیکن اِس ترجمانِ قاسمؒ کو یہ وصف دین کے جلو میں اپنے جدِّ امجد قاسم العلوم سے ایک خلفِ صالح کی حیثیت سے حاصل ہوا تھا۔مماثلت ومناسبت کی زنجیر کو سوسال پہلے کے واقعے کے ساتھ ملایئے اور دیکھئے کہ قاسم العلوم کی زبان مبارک پر جہاں ائمۂ علم وفکر کے سامنے اِس قسم کے فقرے جاری ہو چکے تھے کہ:

''تم نے منطق جاننے والے دیکھے ہی نہیں۔خدا کے فضل سے اب بھی منطق جاننے والے ایسے موجود ہیں جو از سرِ نو منطق ایجاد کر ڈالیں۔''(۱)

اور **ھل من مبارز** کی صدا اِن الفاظ میں بلند ہو چکی تھی کہ:

''ہرگز یہ توقع لے کر نہ آئیں کہ وہ قاسم سے عہدہ برآ ہو سکیں گے۔''

وہیں سننے والوں کے کان اِس حقیقتِ تواضع سے بھی آشنا ہو چکے تھے کہ:

''میں کچھ نہیں ہوں،مگر میں نے جن کی جوتیاں سیدھی کی ہیں وہ سب کچھ تھے۔''

خلف صالح امت کے خطیب کے یہاں بھی اِس کا پرتو دیکھنے کو ملا کہ، مذکورہ بالا فقرے کے ساتھ یہ لاحقہ بھی ساتھ میں لگا ہوا ہے:

''فرق اگر ہو سکتا ہے،تو وہ صرف اِتنا کہ اہل کمال کا دامن ہاتھ میں ہے۔''(۲)

خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمیؒ کے کارنامے

خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمیؒ کے حجۃ الاسلام کے حوالے سے جو کارنامے ہیں، اُنہیں دو باب میں منقسم کیا جاسکتا ہے:

(۱) حجۃ الاسلام کی معرفتِ ذات (۲) علوم قاسم کی تشریح وترجمانی۔

پہلے باب کے لیے حضرت خطیب الاسلامؒ کے بیانات وخطبات دیکھنے چاہئیں، جہاں جا بجا ایسے موتی بکھرے ہوئے ملیں گے،جن کی دمک اور چمک، کیف واثر اِس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ خطیب کو اپنے جد امجد کی معرفتِ ذات حاصل تھی، جو درحقیقت قلب کا ایک وصفِ پنہانی تھا،علم وعرفان کے ساتھ فکر راسخ اور فہم ثاقب جن قاسم نانوتویؒ سے حاصل ہوا تھا،اُن کے اعلیٰ وارفع مرتبے سے متعلق ایک سند متصل بھی موجود ہے،جس کے راوی خطیب الاسلامؒ ہی ہیں،فرماتے ہیں:

(۱) میلہ خدا شناسی بہ حوالہ شیرکوٹی　　(۲) خطباتِ خطیب الاسلام ص ۱۸۱ مرتب محمد یامین، دارالاشاعت حیدرآباد ۲۰۰۶

''احقر راقم الحروف نے حضرت والد محترم مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ (رحمہ اللہ) مہتمم دارالعلوم دیوبند کی زبان سے حضرت قاسم العلومؒ کی تصانیف کے بارے میں شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کا مقولہ سنا کہ: حضرت استاذ رحمہ اللہ (مولانا قاسم نانوتویؒ) فرمایا کرتے تھے کہ امت میں چار علماء ایسے گزرے ہیں کہ جن کی تصانیف کے ساتھ مزاولت رکھنے سے آدمی اگر غبی بھی ہو، تو ذہین ہو جاتا ہے۔ ایک امام غزالیؒ، دوسرے شیخ محی الدین ابن عربیؒ، تیسرے حضرت مجدد الف ثانیؒ، چوتھے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ''۔

یہ مقولہ نقل فرما کر شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ پانچویں کا اِضافہ میں کرتا ہوں اور وہ ہیں ''استاذ (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی) رحمۃ اللہ علیہ۔''

آگے مولانا سالم قاسمی فرماتے ہیں:

''یہ مقولہ ایک آئینہ ہے، جس سے حضرت نانوتویؒ کے علوم و تصانیف کی آب و تاب کا ایک سرسری اندازہ ہر سلیم العقل اور غیر معاند کر سکتا ہے۔''(۱)

خیال کیا جا سکتا ہے کہ اِس یک سطری ملفوظ (آخری سطر) کو قرطاس پر نقش کرنے والے کو علوم و تصانیف کی آب و تاب کا کیا کچھ اندازہ نہ رہا ہوگا؟ اور کیوں کر نہ رہا ہوگا؟ آں موصوف کے خطابات بتاتے ہیں اور تحریریں شاہد ہیں کہ نہ صرف اندازہ ہی تھا؛ بلکہ اِس ماء الذہب کو اُنہوں نے جُرعہ جُرعہ نوش کر کے ذہن وفکر میں وہ قوت پیدا کر لی تھی کہ جس سے ترجمانِ قاسم ہونے کی شبیہ اور صلاحیت کو جلا مل سکے۔

خیر یہ پہلا باب (معرفتِ ذات) سے تعلق رکھتا تھا، اِس کے متعلق مزید تشفی کے لیے ۵۰ رصفحات پر مشتمل مضمون ''بانیٔ دار العلوم کے علمی افکار'' اور ''الامام محمد قاسم النانوتویؒ کے امتیازات'' کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

رہا دوسرا باب یعنی ''علوم قاسم کی تشریح و ترجمانی''۔ تو یہ باب دو حصوں میں منقسم ہے: (الف) تحریری وخطابی (ب) تاسیسی۔

(الف) تحریری وخطابی

مولانا اشتیاق احمد صاحبؒ نے جب ''انتصار الاسلام'' کی تسہیل وتشریح کا کام مکمل کیا، تو اُس کی اشاعت کے وقت خطیب الاسلامؒ نے اپنے پیش لفظ میں تحریر فرمایا:

''تصانیفِ قاسمیہ عقل ونقل کے مختلف علمی معیاروں اور روایت و درایت کی مختلف فکری

(۱) مولانا محمد سالم قاسمی: دیباچہ مصابیح التراویح؛ ص ہ، ادارہ نشر و اشاعت دارالعلوم دیوبند، طبع دوم

کسوٹیوں پر پرکھا ہوا حضرت امام النانوتویؒ کے نقدِ قلم کا وہ اہم ترین حصہ ہیں کہ جنھوں نے ''اہلِ سنت والجماعت'' کے مسلکِ مستقیم کے عین مطابق سرزمینِ ہند پر ''دیوبند'' کو ایک محققانہ قرآنی، حدیثی، کلامی، فقہی اور اصلاحی مکتبِ فکر میں تبدیل کر دیا ہے اور آج یا مستقبل میں ہندوستان کی اسلامی علوم و معارف کی تاریخ کا کوئی بھی انصاف پسند محقق و مصنف ''دیوبند سے صرفِ نظر کر کے اپنی کاوش پر علمی دنیا سے ناقص، ناتمام اور ناقابلِ اعتبار ہونے کا الزام لینے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔''(۱)

ہندوستان میں مسلمانوں سے سطوت و اقتدار چھن جانے کے بعد ایک نازک ترین تاریخی موڑ پر حضرت مصنف (قاسم نانوتویؒ) کے الہامی علوم و معارف اگرچہ دفاعی رخ سے سامنے آئے۔ اِس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اِس دفاعی محاذ پر حضرت رحمہ اللہ کے اِقدامی ذوقِ دعوت اور اِلہامی طرزِ تحقیق کے تحت اُن کے قلم سے نکلے ہوئے لفظ لفظ نے وقت کے تقاضوں کی بھرپور رعایت کے ساتھ ایک نئے علم کلام سے علمی دنیا کو آشنا بنایا ہے۔''

اِس اِذعان کے ساتھ اپنے ایک خطاب میں علوم کی ترقی کے اصل راز اور حضور ﷺ کے ''خاتم العلوم'' ہونے پر استدلالی حیثیت سے گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تحملِ انسانی کی آخری حد علل الاحکام کے آخری علم عظیم کے ذریعے آخر الانبیاء نے انسانیت پر ہدایتِ ربانی کا اتمامِ کامل فرمادیا۔ ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً﴾ قرآن کریم ہی وہ باعظمت کلام اللہ ہے کہ جس نے علم ''علل الاحکام'' کے ذریعے انسانیت کی ہدایتِ کاملہ کی دائمی، فکری اور عملی بنیادیں عطا فرمادیں کہ جن کے ذریعے اقوام و ملل وقت کی بدلتی رہنے والی تہذیبی، تمدنی، معاشرتی، معیشتی، انفرادی اور اجتماعی قدروں میں اس کی رہنمائی انسانیت کو کہیں اور کبھی مایوسی سے دوچار ہونے نہیں دیتی۔ پس ہر ہر مرحلہ جات کے لیے ہادئ کامل اور رہنمائے کامل اِس علم علل کی حامل کتاب ''قرآن کریم'' کے بعد مقصدِ بعثتِ انبیاء علیہم السلام کامل و مکمل ہو گیا۔ لہٰذا اِس علم بے نہایت کے لانے والے کی ذات مقدسہ ہی قطعی، حتمی اور یقینی طور پر ختم نبوت یعنی تکمیلِ نبوت کی مستحق تھی۔ اور خاتم نبوت کے معنی اگر تکمیل نبوت کے علاوہ دوسرے نہیں ہیں اور یقیناً نہیں ہیں، تو ''علم علل الاحکام'' کے معنی بھی ''خاتم العلوم''، یعنی ''مکمّل العلوم

(۱) یہ وہی بات ہے جو قاری طیب صاحب نے مولانا مناظر احسن گیلانی کو لکھی تھی کہ ''دار العلوم کی معنویت کی تاسیس کن لطیف اینٹوں سے کی گئی ہے، اُس کی سوانح باقی ہے۔ اور وہی حضرت قاسم العلوم کی اصلی سوانح حیات ہے۔ کیوں کہ صورتِ دار العلوم کی تاسیس میں کتنے ہی مقدسین اُن کے شریک اور معاون تھے۔ لیکن دار العلوم کی اِس معنوی اور علمی تاسیس میں جو کام ہوا، وہ یقیناً بلا شرکتِ غیرے تھا جس کا نام دیوبندیت ہے۔'' (مولانا مناظر احسن گیلانی: سوانح قاسمی: جلد سوم ۱۷۷)

ہونے کے علاوہ دوسرے نہیں ہو سکتے۔‘‘(۱)

ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمایئے جس کا ایک ایک فقرہ چونکانے والا ہے اور نتیجہ انتہائی حیران کن؛ لیکن حق اور صداقت پر مبنی۔ اور وہ وہی ہے جو ’’مکمِّل العلوم‘‘ اور ’’خاتم العلوم‘‘ کی صورت میں پہلے ذکر کیا گیا جس کا اضطراری نتیجہ حضور ﷺ کی خاتمیت ہے:

’’امت مسلمہ کو ’’صراط مستقیم جو دی گئی، اُس کے اندر احکام کی علتوں کو واضح کیا گیا۔ احکام کی علت سب سے اونچا علم ہے۔ سب سے بڑا علم ہے، سب سے برتر علم ہے۔ یہ علم پچھلوں کو نہیں دیا گیا۔ توریت، انجیل، زبور کتب اللہ تو ضرور ہیں، کلام اللہ نہیں۔ کلام وہ ہے کہ جس کا متکلم نے تکلم کیا ہو، بولنا معلوم ہو۔ انسانیت اُس مقام پر آ چکی تھی کہ وہ توریت، انجیل، زبور اور صحیفۂ موسیٰ اور صحیفۂ آدم بھی پڑھ چکی۔ اُن کو پڑھنے کے بعد اب انسانی فطرت میں جذبہ پیدا ہوا کہ اب اُس سے اونچا علم دیا جائے۔ وہ قرآن کریم کی صورت میں آپ کو عطا فرما دیا گیا۔‘‘(۲)

مزید نمونوں کے لیے یہ مضامین ملاحظہ ہوں: (۱) ’’دماغ کی غذا علم اور قلب کی غذا ذکر‘‘ (۴۰صفحات) (۲) ’’مذاکرۂ علمی بہ عنوان شیخ الحدیث‘‘ (۱۵صفحات) (۳) ’’آلۂ علم اور آلۂ عشق‘‘ (۱۴صفحات) (۴) ’’حقائقِ عالم اور معجزاتِ انبیاء‘‘ (۱۱۰صفحات) (۵) ’’عہد الست‘‘ (۲۱صفحات)

(ب) تاسیسی

’’علوم قاسم کی تشریح و ترجمانی‘‘ کے حوالے سے تیسرا کام حجۃ الاسلام اکیڈمی کا قیام ہے، جو مئی ۲۰۱۳ء میں عمل میں آیا۔ اِس کے اہداف میں بطور خاص یہ امور شامل ہیں: (۱) ’’اکابر کی صحیح خدمات کو صحیح نہج پر عالمِ اسلام میں متعارف کرانا‘‘ (۲) ’’باذوق فضلاء کی تصنیفی و تحقیقی ٹریننگ‘‘ (۳) ’’حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے علوم و افکار سے مناسبت پیدا کرنا‘‘ (۴) ’’طلبہ کو فکر قاسمی سے قریب کرنا‘‘ (۵) ’’علوم قاسمیہ کی روشنی میں جدید علم کلام کی تدوین‘‘۔

ڈائریکٹر اکیڈمی کی نظر میں

’’حجۃ الاسلام اکیڈمی دار العلوم وقف دیوبند بحث و تحقیق کا ایک شعبہ ہے جس کے بنیادی، اساسی اور تاسیسی مقاصد میں سے حجۃ الاسلام الامام النانوتویؒ (جن کے نام سے یہ اکیڈمی موسوم ہے) کی خدمات

(۱) خطباتِ خطیب الاسلام ۲۴۵، ۲۴۶ مرتب محمد یامین، دار الاشاعت حیدرآباد ۲۰۰۶

(۲) ایضاً: ۳۲۷، ۳۲۹

و کارناموں سے دنیا کو روشناس کرانا ترجیحات میں سے ہے۔ اِس کے لیے ادارے کے داخلی باشثین اور منسلک حضرات کی خدمات ہی نشر واشاعت کے لیے مختص نہیں ہے؛ بلکہ اُن تمام حضرات کی کاوشوں اور محنتوں کی قدر کرتی اور اُن کی خدمات کو سراہتی ہے اور اُن کی اِفادیت کو عام کرنے کے لیے اُن کی اشاعت میں پیش قدمی بھی کرتی ہے، جو بحث وتحقیق کے میدان میں موجودہ دور کے ذوق ومزاج کے مطابق اصول وضوابط کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی شبانہ روز کی زندگی صرف کئے ہوئے اور گراں مایہ، قابلِ ستائش اور لائقِ التفات خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حجۃ الاسلام اکیڈمی نے علوم قاسم کی نشر واشاعت کے باب میں کتابوں کو ترقیمات، ذیلی عنوانات سے مزین کر کے صحت کے ساتھ شائع کرنے کا ارادہ کیا اور پہلی پیش رفت کے طور پر ۱۴۳۸ھ/۲۰۱۷ء میں تشنگانِ علوم قاسمی کی سیرابی کا سامان فراہم کرنے کی غرض سے ''تحذیر الناس'' منظر عام پر آئی۔ اُس کے بعد ہی ''مباحثہ شاہ جہاں پور'' شائع ہوئی۔ یہ دوسری کتاب ڈائریکٹر اکیڈمی کے بیان کے بموجب: ''تقابلِ ادیان سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے سامانِ اُنس وتپاک'' اور ''صراطِ مستقیم کے جویاؤں کو اُن کی طمانینت خاطر اور تسکینِ قلب وجگر کا سامان'' مہیا کرنے والی ہے۔ اِشاعت کا تو یہ سلسلہ جاری ہے ہی، ساتھ ہی تسہیل، تشریح اور تحقیق کا کام بھی رواں دواں ہے۔

لیکن اب تک کے یہ سب کام سرپرست حجۃ الاسلام اکیڈمی وصدر مہتمم دارالعلوم وقف کی مذکورہ تصنیفی خدمات سے خصوصی دلچسپی اور گراں مرتبت علمی اور فکری رہنمائی کے بغیر دشوار تھی۔ یہ رہنمائی ہی درحقیقت المجمع الامام النانوتوی کا ''وہ بیش بہا اثاثہ تھا کہ جس نے مکتبِ فکر دیوبند کے راسِ رئیس حضرت الامام النانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم المرتبت علوم کی خدمت پر اکیڈمی کو آمادہ کیا۔''(۱)

(۴) بحث وتمحیص (Discussion)

علل الاحکام پر مولانا سالم قاسمیؒ کے خطاب کی گزشتہ بیان میں ایک ہلکی سی جھلک پیش کی گئی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے بیسویں صدی عیسوی میں تین محققین ایسے ہیں، جنہوں نے اِس شعبے میں حضرت نانوتویؒ کے ساتھ متابعت بھی کی ہے۔ اور بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ اُنہوں نے از خود ایک مضمون بیان کیا؛ لیکن موضوع کی ندرت اور استدلال کی قوت میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ سے مناسبت حاصل

(۱) معمولی تصرف کے ساتھ یہاں وہ کلمات درج کیے گئے ہیں جنہیں خود خطیب الاسلام رحمہ اللہ نے مجلس معارف القرآن کے کے تئیں زائد از نصف صدی پہلے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کے حق میں استعمال کیا ہے۔ یہی کلمات پچپن سال بعد حجۃ الاسلام اکیڈمی کے تئیں خطیب الاسلام کے حق میں منطبق ہیں۔

رہی۔ وہ تین نام یہ ہیں: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور اِن کے ساتھ اگر چوتھا نام شامل ہوسکتا ہے، تو وہ لاریب خطیب الاسلام حضرت مولانا سالم قاسمیؒ کا ہے، جس کے لیے حضرت موصوف رحمہ اللہ کا مجموعۂ مقالات گواہ ہے۔ خصوصاً یہ مضامین: (۱) عہدِ الست (۲) حکم وعلل پر کی گئی تقریر۔ اِن مضامین میں جس براعتِ ذہن کی جلوہ گری ظاہر ہوئی ہے، وہ فہم وفکر، استدلال، استنباط، اصولوں کا اِجرا اور اخذِ نتائج کے حوالے سے ذاتِ قاسم اور علومِ قاسم سے مناسبت اور ہم آہنگی کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ لیکن ہماری یہ بات نتیجہ خیز نہیں ہوسکتی ہے، جب تک اسلام کے اِس خطیب کے مذکورہ بالا اقتباس کو عصر سالم کے دیگر شارحینِ قاسم کی تحریروں سے ملا کر متعلقہ مبحث پر کی گئی حضرت نانوتویؒ کی تحقیق کے تناظر میں نہ دیکھیں۔ اِس کے لیے ہم پہلے حضرت نانوتویؒ کی تحقیق کا ایک نمونہ ذکر کریں گے، اُس کے بعد عصر سالم کے دو ایسے شارحین کی بعض تحریروں پر کلام کریں گے، جو حجۃ الاسلام کے علوم کی شرح وترجمانی کے حوالے سے متعارف رہے ہیں: ایک مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری جو کسی قدر متاخر ہیں، دوسرے مولانا اشتیاق احمد صاحبؒ جو خطیب الاسلامؒ سے کسی قدر متقدم ہیں۔ اِن دونوں حضرات کا تذکرہ اِن کی تحریر کے حوالے سے اِسی ترتیب سے کریں گے، جس ترتیب سے یہاں ذکر کیا ہے، یعنی پہلے مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ، پھر مولانا اشتیاق احمد صاحب دیوبندی رحمہ اللہ۔

تحقیق امام محمد قاسم نانوتویؒ

حضرت نانوتویؒ دیگر کتبِ سماوی کے متعلق اہلِ اسلام کا عقیدہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''اپنا یہ اعتقاد ہے کہ الفاظِ کتبِ سابقہ بھی اُسی طرف سے ہیں، پر وہ مرتبۂ فصاحت وبلاغت جو مناسبِ شانِ خداوندی ہے اور (دیگر) کتابوں میں اس لیے نہیں کہ اُن کا مہبط خود صفتِ کلامِ خداوندی نہیں یا یوں کہو (الفاظِ کتبِ سابقہ) عبارتِ ملائکہ ہے، گو مضامین، خداوندی ہے۔

تورات وانجیل کتاب الٰہی ہیں، نہ کہ کلامِ الٰہی

اور شاید یہی وجہ ہے کہ تورات وانجیل کی نسبت قرآن وحدیث میں کتاب اللہ کا لفظ آتا ہے، کلام اللہ کا لفظ نہیں آتا۔ اگر ہے تو ایک جا ہے۔ (جیسے يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللهِ (البقرۃ: ۷۵)۔؛ مگر وہاں (کلام اللہ کے مصداق میں) دو احتمال ہیں: (۱) ایک تو یہی توریت۔ (۲) دوسرے وہ کلام جو بعض بنی اسرائیل نے بمعیتِ حضرت موسیٰ علیہ السلام سنے تھے۔ اگر وہ کلام تھے، تو اُس سے توریت کا عبارتِ خداوندی ہونا

ثابت نہیں ہوسکتا۔ اور اگر خود تورات مراد ہے، تو وہ کلام ایسے سمجھو جیسے بعض شاعر، گنواروں سے اُنہیں کے محاوروں میں گفتگو کرنے لگتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ اُس وقت کلامِ شاعرِ مذکور اگر چہ بظاہر کلامِ شاعر ہی سمجھے جائیں گے؛ مگر منشأ اُس کلام کا اُس کا وہ کمال نہ ہوگا، جس کو کمالِ شاعرانہ اور قوتِ فصاحت و بلاغت کہتے ہیں۔ ایسے ہی تورات کو بھی بہ نسبتِ خدا خیال فرمالیجیے۔ اور شاید یہی وجہ ہو کہ دعویٰ اعجازِ توریت وانجیل نہ کیا گیا، ورنہ ظاہر ہے کہ (اگر توریت کلام اللہ ہوتا، تو یہ وصف توریت کے لیے ایک معجزہ ہوتا، کیوں کہ علمی ہونے کی وجہ سے) اِس معجزے سے بڑھ کر اور کوئی معجزہ نہ تھا۔...''

(۲) اعجازِ علمی کا اعلیٰ درجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مختص ہونا

اور بایں وجہ کہ علم تمام اُن صفات سے جو مربی عالم ہیں، یعنی اُن صفات کو عالم سے تعلق ہے، جیسے علم وقدرت، ارادہ، مشیت، کلام، (۱) جس نبی پر مراتبِ کمال ختم ہوجائیں، وہ خاتم النبیین ہوگا:

علیٰ ہذا القیاس، جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ علم سے اوپر کوئی ایسی صفت نہیں جس کو عالم سے تعلق ہو ،تو خواہ مخواہ اِس بات کا یقین پیدا ہوجاتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام مراتبِ کمال ایسی طرح ختم ہوگئے، جیسے بادشاہ پر مراتبِ حکومت ختم ہوجاتے ہیں۔ اس لیے جیسے بادشاہ کو خاتم الحکام کہہ سکتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الکاملین اور خاتم النبیین کہہ سکتے ہیں۔''

تحقیق حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری

مسئلے کی جو تحقیق حضرت نانوتویؒ نے یہاں ذکر فرمائی ہے، اُسی تحقیق سے تائید حاصل کرتے ہوے اسی مسئلے کے متعلق آیت ''یَسْمَعُوْنَ کَلامَ اللہ'' الآیۃ کی تفسیر کرتے ہوئے مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زید مجدہ نے فائدہ کے تحت لکھا ہے:

''تورات وانجیل اللہ کی کتابیں ہیں، اللہ کا کلام نہیں۔ اللہ کا کلام صرف قرآن کریم ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم میں جہاں تورات وانجیل کا ذکر ہے، وہاں اُن کو کتاب اللہ کہا ہے، کلام اللہ نہیں کہا۔ ہاں خدا

(۱) حضرت ہی کے بیان کے بموجب ایسی صفات کل سات ہیں، پانچ یہاں ذکر کی گئیں، جن سے گفتگو متعلق ہے۔ پہلی اور ساتویں صفات: حیات (جو کہ علم سے پہلے ہے) اور تکوین ہیں۔ کیوں کہ علم کو معلوم اور قدرت کو مقدور اور ارادہ کو مراد اور مشیت کو مرغوب اور کلام کو مخاطب کی ضرورت ہے (چوں کہ تعلق وتربیت میں سب سے ضروری، اعلیٰ اور اہم شی علم ہے) اس لیے وہ نبی جس کے پاس معجزہ علمی ہو، تمام اُن نبیوں سے اعلیٰ درجہ میں ہوگا جو معجزۂ عملی رکھتے ہوں گے۔ کیوں کہ جس درجہ کا معجزہ ہوگا، وہ معجزہ اس بات پر دلالت کرے گا کہ صاحب معجزہ اُس درجہ میں یکتائے روزگار ہے اور اُس فن میں بڑا سردار ہے۔ اس لیے ہمارے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا اقرار بشرطِ فہم وانصاف ضرور ہے۔

کی کتاب مثل تورات وانجیل اور زبانوں میں بھی نازل ہوئیں؛ مگر ظاہر ہے کہ کسی کی کوئی کتاب ہو، تو یہ لازم نہیں کہ اُس کا کلام بھی ہو۔ کیوں کہ عربی زبان میں کتاب خط کو کہتے ہیں اور خط اوروں سے بھی لکھوا سکتے ہیں۔ سو اگر مضمون اِلہامی ہو اور عبارت ملائکہ کی ہو، یا فرض کرو کہ عبارت انبیاء کی ہو، جیسے اہلِ کتاب کا بہ نسبت تورات وانجیل خیال ہے، تو تورات وانجیل کتاب اللہ تو ہوں گی، پر کلام اللہ نہ ہوں گی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں تورات وانجیل کا ذکر ہے، وہاں اُن کو کتاب اللہ کہا ہے، کلام اللہ نہیں۔'' (۱)

اپنی اِس بات کی تائید میں حضرت مفتی صاحب نے لکھا: ''اور یہ بات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے براہین قاسمیہ ص ۱۱۵ر میں اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے قرآن کریم کے حواشی میں بیان فرمائی ہے۔'' (۲)

لیکن حضرت مفتی صاحب کے اقتباس کی اِس آخری سطر سے دو قسم کے خلجان پیدا ہو گئے ہیں، ایک تو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے حاشیے کے متعلق۔ کیوں کہ اُس میں وہ بات موجود نہیں ہے، جس کے لیے اِن حواشی کا حوالہ دیا گیا ہے، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے تو اس موقع پر جو کچھ لکھا ہے، اُس میں یہ بات بھی فرمائی ہے:

''بعض نے فرمایا کہ کلام الٰہی سے مراد توریت ہے۔'' جب کہ ''ہدایت القرآن میں (براہینِ قاسمیہ کے تتبع میں) اِس قول کو کسی حیثیت سے بھی تسلیم سے گریز کیا گیا ہے۔''

دوسرا خلجان اِسی پر متفرع ہے، وہ یہ کہ توریت سے مراد کلام الٰہی ہونے کی بالکلیہ نفی حضرت نانوتویؒ کے یہاں بھی نہیں ہے بلکہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے قرآن کے کلام اللہ ہونے سے حضور ﷺ کی خاتمیت پر اور توریت سے مراد کلام الٰہی تسلیم کرنے کے بعد بھی اُس کے معجزہ نہ ہونے پر جو استدلال فرمایا ہے، وہ نہایت عجیب ہے۔ اُس کی رو سے زیادہ بلیغ پیرایہ میں حضور ﷺ کی خاتمیت اور دوسری کتابوں کا قرآن جیسا معجزہ نہ ہونا اور دوامی ہدایت نامہ نہ بن سکنا ثابت فرمایا ہے، اسی بنا پر حضرت شیخ الہندؒ نے ''کلام الٰہی سے مراد توریت'' تسلیم کرنے اور اُسے نقل کر دینے میں مضائقہ نہیں سمجھا اور حضرت تھانویؒ نے بھی احتمالاً ''کلام الٰہی سے مراد توریت'' کے قول کو تسلیم کیا۔ (۳) لیکن اِس احتمال کی طرف صراحت یا اشارہ ''ہدایت القرآن'' میں - اسم قاسم اور حوالۂ کتابِ قاسم مذکور ہونے کے باوجود - نہیں پایا جاتا، جس کی وجہ سے اُس اعلی استدلال واِستنباط کی گنجائش بھی نہیں رہی، حالاں کہ حضرت نانوتویؒ کے حوالے کی روشنی میں اِس کی طمع بجا طور پر کی جا سکتی تھی۔ نہایت ادب کے ساتھ معروض ہے کہ اِس کی وجہ شاید بوقتِ رجوع ''براہین قاسمیہ'' پر قناعت ہو، جس سے اقتباس ''تحفۃ القاری جلد ۹'' میں بھی درج فرمایا گیا ہے:

---

(۱) مفتی سعید احمد: ہدایت القرآن، جلد ۱ ص ۱۰۸، ۱۴۳۸ھ/۲۰۱۷ء۔ مکتبہ حجاز دیوبند

(۲) حواشی شیخ الہند ص ۱۵: شاہ فہد ایڈیشن　　(۳) ملاحظہ ہو بیان القرآن جلد ۱ ص ۴۲

''ہاں خدا کی کتاب مثل تورات وانجیل اور زبانوں میں بھی نازل ہوئیں۔ مگر ظاہر ہے کہ کسی کی کوئی کتاب ہو، تو یہ لازم نہیں کہ اُس کا کلام بھی ہو۔ کیوں کہ عربی زبان میں کتاب خط کو کہتے ہیں اور خط اوروں سے بھی لکھوا سکتے ہیں۔ سو اگر مضمون الہامی ہو اور عبارت ملائکہ کی ہو، یا فرض کرو کہ عبارت انبیاء کی ہو۔ جیسے اہلِ کتاب کا بنسبت تورات وانجیل خیال ہے، تو تورات وانجیل کتاب اللہ تو ہوں گی، پر کلام اللہ نہ ہوں گی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں تورات وانجیل کا ذکر ہے، وہاں اُن کو کتاب اللہ کہا ہے، کلام اللہ نہیں کہا۔ اور ایک آدھ جگہ (سورۃ البقرۃ آیت ۷۵) سوائے قرآن اور کلام کو (اگر۔ف) ' کلام اللہ' کہا ہے، تو وہاں نہ تورات کا ذکر ہے، نہ انجیل کا؛ بلکہ بدلالتِ قرآن اُس کلام کا ذکر معلوم ہوتا ہے جو ہم راہیانِ موسیٰ علیہ السلام نے سنا تھا اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اور کتابوں کے اعجازِ بلاغت وفصاحت کا دعویٰ نہیں کیا گیا۔ یعنی خدا کا کلام ہوتیں، تو وہ بھی معجزہ ہوتیں۔ کیوں کہ ایک آدمی کے کلام کا ایک انداز ہوتا ہے۔''(۱)

دوسری طرف خطیب عصر مولانا سالم قاسمی رحمہ اللہ کے خطاب سے جو اِقتباس گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا، اُسے پھر سے ملاحظہ فرمایئے۔ آں موصوف نے بھی اگرچہ توریت وانجیل کے کلام اللہ ہونے کے اعتراف سے گریز کیا ہے؛ لیکن جس مقصود کو حضرت نانوتویؒ نے تسلیم اور تاویل کے بعد ثابت کیا، وہ معلول بہ علت مقصود مولانا سالم قاسمی رحمہ اللہ کے ہاتھ سے جانے نہیں پایا۔ اور حکمتِ قاسم کے اُس لطیف استدلال واِستنباط کا نہ صرف اشارہ؛ بلکہ مناسب ومماثل نتیجہ اُن کے بیان میں موجود رہا۔ اگرچہ وہ گفتگو بالکل الگ قسم کی ہے؛ لیکن عللِ الاحکام کے باب میں حکمتِ قاسم کے ساتھ مناسبت کے نمونے کے لیے کافی ہے۔ بات ختم ہوگئی۔

پھر جب کہ تصنیفات قاسم زیرِ گفتگو ہیں، تو اب یہاں خدا داد ایک لطیفہ بھی ذکر کر دینا چاہیے کہ تالیفاتِ قاسمیہ کی حضرت نانوتویؒ کی طرف نسبت کرتے وقت ''کلام قاسم'' اور ''مضامین قاسم'' کا فرق اور باہمی نسبت کا اِستحضار بھی ضروری ہے۔ اسی اصل پر ''حجۃ الاسلام'' اور ''براہین قاسمیہ'' میں فرق وہ سمجھنا چاہیے، جو بلا تمثیل قرآن اور تورات میں ہے۔ ''حجۃ الاسلام'' میں جو اعجازِ قاسم رہ رہ کے اُبلا پڑتا ہے، وہ ''براہین قاسمیہ'' یا ''جواب ترکی بہ ترکی'' میں کہاں؟ ''براہین قاسمیہ'' کے مضامین حضرت نانوتویؒ کے سہی؛ لیکن الفاظ وتعبیرات شاگرد رشید حضرت مولانا عبدالعلی رحمہ اللہ کے ہیں۔ رسالے کے اخیر میں اُنہوں نے اپنا نام اور تاریخ بھی درج کی ہے اور کتاب میں جگہ جگہ اِس قسم کے فقرے لکھے ہیں، مثلاً ''چاند پور سے پہلے مولوی محمد قاسم صاحب سے اُن (پنڈت جی) کو پالا نہ پڑا تھا۔''(۳) ''فساد کریں گے تو کون؟ مولوی محمد قاسم صاحب! جو مطبعوں کی مزدوریاں کر کرا اپنا پیٹ پالیں۔''(۴) مولوی محمد قاسم صاحب نے پنڈت جی

(۱) تحفۃ القاری جلد ۹ ص ۴۶، مکتبہ حجاز ۱۴۳۵ھ/ ۲۰۱۴ء	(۳) براہین قاسمیہ، ص ۹۶	(۴) ایضاً، ص: ۹۷

کو میرٹھ سے بھگا کر کہیں سے کہیں پہنچایا۔"(۱) "رسالہ حجۃ الاسلام میں مولوی محمد قاسم صاحب سلمہ نے بیان بھی کر دیا ہے۔"(۲) یہ بیانات، تعبیرات، الفاظ اور کلام خود بتلا رہے ہیں کہ یہ غیرِ قاسم کے ہیں۔اس لیے رسالہ "حجۃ الاسلام" جو حضرت نانوتویؒ کا لکھا ہوا ہے، اُس میں اگر بیان زیادہ مکمل ہے، تو اُسے "براہین قاسمیہ" یا "جواب ترکی بہ ترکی" میں پائے جانے والے اِجمال کی تفصیل وتوضیح ہی سمجھنا چاہیے۔ کیوں کہ اِن دونوں میں "کتاب" اور "کلام" کا فرق تقریباً متعین ہے۔ اور اِس حیثیت سے خطابِ سالم، مولانا عبدالعلی میرٹھی رحمہ اللہ کی کتاب "براہین قاسمیہ" کے مقابلے میں "حجۃ الاسلام" کے لمیاتی کلام سے زیادہ مناسبت اور قرب رکھنے والا محسوس ہوتا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

مولانا اشتیاق احمد صاحبؒ کی تشریح وترجمانی

اب دوسرے ترجمان قاسم مولانا اشتیاق احمد صاحبؒ کی ترجمانی کے متعلق بھی کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ مفتی سعید احمد صاحب نے کتاب "حجۃ الاسلام" کو حضرت نانوتویؒ کی آسان کتابوں کی فہرست میں شمار کیا ہے؛ لیکن اول تو کتاب "حجۃ الاسلام" کی بھی بعض اور بحثیں نیز مشکل ہیں۔(۳) دوسرے اِس آسان کتاب پر بھی جو کچھ کام ہو چکا ہے، اُس میں شارح (مولانا اشتیاق احمد صاحب رحمہ اللہ) کی طرف سے چند در چند بے احتیاطیاں راہ پا گئی ہیں۔ جن میں سے صرف ایک پر مقالہ نگار اپنا تبصرہ پیش کرتا ہے، جس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ عللِ الاحکام کے باب میں مولانا اشتیاق احمد صاحبؒ کو حضرت نانوتویؒ کے علوم سے وہ مناسبت حاصل نہیں ہو سکی، جس کا نمونہ مولانا سالم القاسمی رحمہ اللہ کے خطابات میں نظر آتے ہیں:

کتاب "حجۃ الاسلام" کا متن: "رمضان کے روزے۔ جو حقیقت میں عبادت نہیں؛ ورنہ خدا کو معبود ہو کر عابد ہونا پڑے گا۔"(۴)

تشریح اشتیاق ا: "یعنی روزے کی حقیقت اِس سے زیادہ اور کیا ہے کہ کھانے، پینے اور مباشرت سے رک جائیں۔ اگر صرف اِتنی ہی بات کا نام عبادت ہے، تو خدا کو معبود کے بجائے عابد ماننا پڑے گا۔"(۵)

متن: "کیوں کہ وہ بھی نہ کھائے، نہ پیئے، نہ عورت کے پاس جائے بلکہ بوجہِ فرماں برداری عبادت ہے۔"(۶)

---

(۱) براہین قاسمیہ، ص:۱۰۱　(۲) براہین قاسمیہ، ص:۱۲۸

(۳) مثال کے طور پر دیکھئے: ص۱۴۴-۱۴۹ حرکت کی بحث، اور ۱۶۰-۱۶۸، استحالہ کی بحث۔

(۴) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: "حجۃ الاسلام"، مکتبہ دارالعلوم دیوبند ۱۴۲۷ھ، ص۱۰۲۔

(۵) ایضاً، ص۱۰۲۔

(۶) ایضاً، ص۱۰۲۔

تشریح اشتیاق ؛۲: ''یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی تمام دن نہ کھائے، نہ پیئے، نہ مباشرت کرے، اُس کا روزہ نہیں ہوگا، اگر اُس نے روزے کی نیت نہ کی ہوگی۔''

متن اور تشریح، دونوں غور سے پڑھیے! دوسرے نمبر کی تشریح تو سمجھ میں آتی ہے کہ اِس میں اِس متن ''بوجہِ فرماں برداری عبادت ہے۔'' کی وضاحت ہوگئی ہے۔ لیکن تشریح نمبرا میں شارح نے یہ جو فرمایا کہ:

''اگر صرف اِتنی ہی بات کا نام عبادت ہے، تو خدا کو معبود کے بجائے عابد ماننا پڑے گا۔''

یہ سمجھ سے پرے ہے، کیوں کہ اِس تشریح پر یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) ''خدا کو معبود کے بجائے عابد ماننا پڑے گا۔'' وہ کس طرح؟ اور (۲) ''صرف اِتنی ہی بات'' کا کیا مطلب؟

حقیقت یہ ہے کہ یہاں پر شارح سے سخت تسامح واقع ہوا ہے۔ ''نہ کھائے، نہ پیئے، نہ عورت کے پاس جائے۔'' کے متعلق اصل بات کہ مقالہ نگار کی فہم ناقص میں وہی مرادِ مصنف ہے، یہ ہے کہ: کھانے پینے اور مباشرت سے پرہیز، یہ عدمی اوصاف ہیں اور عدمی ہونے کی وجہ سے خدا اِن سے پاک ہے، مطلب یہ ہوا کہ خدا میں بھی چوں کہ کھانے پینے اور مباشرت کی نفی پائی جاتی ہے، اِس لیے اگر یہ عدمی افعال فی نفسہ عبادت ہیں اور اِن کی وجہ سے بندہ عابد ہوا، تو خدا کو بھی عابد کہنا پڑے گا اِس سے معلوم ہوا کہ ''عدمی اوصاف'' میں عبادت ہونے کی شان نہیں ہوتی اور اِسی لیے روزوں کے فی الحقیقت عبادت نہ ہونے کی اصل وجہ اُن کا ''عدمی'' ہونا ہے، روزہ کے عدمی شی ہونے کی وجہ سے ہی۔ حسبِ تصریح حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ اُس کا یہ خاص ثمرہ ظاہر ہوتا ہے کہ مثلاً:

''نماز میں کوئی مُفسِدِ صلاۃ نسیان سے طاری ہو جائے، تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور روزہ میں کوئی فعلِ نسیان ہو جائے، تو روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اور اِس کی وجہ یہی ہے کہ نماز کی ہیئت مُذَکِّر ہے، اس لیے نسیان عذر نہیں۔ روزہ کی ہیئت مُذَکِّر نہیں، اس لیے نسیان عذر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نماز کا مُذَکِّر ہونا، اُس کے ''وجودی'' ہونے اور صوم کا مُذَکِّر نہ ہونا، اُس کے عدمی ہونے کی دلیل ہے۔''(۱)

اور نماز اور روزہ میں یہی ''وجودی'' اور ''عدمی'' کا فرق ہے، جس کی وجہ سے ایک، حقیقت میں عبادت ہے۔ اور دوسری، حقیقت میں عبادت نہیں؛ بلکہ حکمِ حاکم کی فرماں برداری کی وجہ سے عبادت ہے۔

کتاب ''قبلہ نما'' پر تبصرہ کرتے ہوئے مفتی سعید احمد صاحب نے لکھا ہے کہ: ''اس کتاب کی مولانا اشتیاق صاحبؒ نے قابلِ قدر شرح لکھی ہے؛ لیکن اِس سے کتاب کا حق ادا نہیں ہوا ہے۔''(۲)

اِس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خطیب الاسلامؒ کو حضرت نانوتوی کے علوم سے جو مناسبت حاصل تھی، وہ اُن کے عصر میں دوسرے اہلِ تحقیق سے ممتاز تھی۔

(۱) اشرف التفاسیر جلد ا ص ۱۷۱　　(۲) کیا... فاتحہ واجب ہے؟ ص ۳۰

(۵) نتیجہ بحث

بحث وتمحیص کے بعد حسب ذیل نتائج اخذ کیے گئے:

☆ جن محققین کے خطبات وتصنیفات تک مقالہ نگار کی رسائی ہوسکی، اُن میں حجۃ الاسلامؒ سے براہ راست بکثرت استفادہ کرنے والے، اُن کے عالی مقام شاگردوں کے علاوہ علی الترتیب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے بعد بلا شبہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمہ اللہ ہی وہ ذات گرامی ہیں، جنہیں علوم نانوتویؒ کے شارح وترجمان ہونے کی حیثیت کا حامل کہا جاسکتا ہے، لیکن پیش روشارحین میں اور آں موصوف مرحوم میں فرق یہ ہے کہ مولانا محمد سالم قاسمیؒ- گو ذوقاً وطبعاً مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم خطیب بھی تھے، دوسری طرف اُنہیں مخاطب بھی وہ ملے جو علم وفہم کے لحاظ سے بیسویں، اکیسویں صدی کے دورِ التباسات اور دورِ مغالطات سے تعلق رکھتے تھے، جو مطالبہ تو عقلی دلائل کا کرتے تھے اور عقلیت کا دم بھرتے رہے؛ لیکن لمی تنقیحات اور عقلی تدقیقات کے سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے یا اہلیت رکھتے تھے؛ لیکن اُسلوب زمانہ کے اثر کی وجہ سے اسے مقبولیت کا درجہ نہ دیتے تھے، اس لیے خطیب الاسلامؒ نے جب اور جہاں جو مسئلہ بیان کیا، اُس میں اُنہوں نے اِس کا لحاظ رکھا کہ پہلے یہ دیکھ لیا کہ اُس مسئلے پر اصولاً حضرت نانوتویؒ نے کیا کہا ہے؟ پھر یہ دیکھا کہ کس کس شارح، ترجمان یا متکلم نے مسئلے کے کس کس پہلو پر روشنی ڈال رکھی ہے، اُس کے بعد آپ نے **کلموا لناس علی قدر عقولھم** کے تحت خطاب فرمایا یا تحریر لکھی، حضرت کے اِس اُسلوب سے نتیجۃً دو باتیں خاص طور پر منظر نامے کا حصہ بنیں۔ (۱) حضرت نانوتویؒ کے بعض اصولوں کے اجرا میں بعض وہ گوشے سامنے آئے، جو اِس سے پہلے کسی شارح اور ترجمان کی زبان وقلم پر اِس حیثیت سے نہ آئے تھے؛ بلکہ ایک خصوصیت کے طور پر آئے تھے؛ لیکن خطیب الاسلامؒ نے اُسے زیادہ بڑی حکمت کے طور پر پیش کیا۔ (۲) بعض مواقع ایسے ہیں کہ خود حضرت نانوتویؒ نے اپنے کسی اصول کو عقلی اور کلامی حیثیت سے استعمال کیا؛ لیکن خطیب الاسلام نے مخاطبین کی رعایت سے اُسی اصول کو نقلی اور سلوکی (تصوف کا) رخ دے دیا اور وہ رخ حضرت نانوتویؒ کے یہاں موجود ہے؛ لیکن متبادر نہیں ہے، یہ نادر تفہیم حضرت خطیب الاسلامؒ کا حصہ تھی، پہلے کی مثال علل الاحکام پر دیا گیا خطاب ہے۔ اِس کی نظیر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی تصنیف ''اسلام کا اخلاقی نظام'' میں موجود ہے۔ اور دوسرے کی مثال وہ بیان ہے، جو عہد الست پر کیا گیا ہے اور مقبولِ خاص وعام ہے اور اس پہلو سے حضرت نانوتویؒ کے ساتھ مناسبت میں خطیب

الاسلامؒ منفرد نہیں ہیں بلکہ اِس کی نظیر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ملفوظات ومواعظ میں ہے۔

☆ حجۃ الاسلام اکیڈمی تو قائم ہوگئی تھی اب سے کوئی پانچ سال پہلے؛ لیکن خطیب الاسلامؒ کی وفات سے کوئی ایک سال قبل یہ حیرت انگیز پیش رفت ہوئی کہ نئے ولولے کے ساتھ اکیڈمی مذکور سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تصنیفات کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔اور اِس سلسلۂ اشاعت میں کتاب ''مباحثہ شاہ جہاں پور'' کا نمبر دوسرا ہے، جو کہ گویا علوم قاسم کی شرح وترجمانی میں رہنما، سرپرست اور ہدایت کار کی حیثیت سے خطیب الاسلامؒ کا یہ آخری نظارہ تھا- اِس کتاب کی اِشاعت کو راقم الحروف کا قیاس اِنقلابی اِقدام کہتا ہے، کیوں کہ انقلاب برپا کرنے والی کتاب اصل میں یہی ہے۔

اِس اِجمال کی شرح یہ ہے کہ خطیب الاسلامؒ نے جس نسلِ نو کی تربیت فرمائی اور اکیڈمی کے جواں سال دائریکٹر کو اُن کے والدِ محترم مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مہتمم دارالعلوم وقف کے توسط سے ظاہری وباطنی علوم سے مجلی کیا اور اُنہیں اُس شعور کا حامل ومتحمل بنایا جسے شعورِ قاسم کہا جاتا ہے اور جو نسلاً بعد نسل، قاسم العلوم سے منتقل ہوکر یہاں تک پہنچا ہے۔اُس شعور کے میل کا پتھر یہی ''مباحثہ شاہ جہاں پور'' ہے، اِس لیے جب نئے حوصلے اور ولولے سے حضرت نانوتویؒ کے اصولوں کے اِحیاء کی طرح ڈالی جارہی ہے، تو اصل کام اسی کتاب سے شروع ہونا چاہیے۔وجہ اِس کی یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم اور اصول سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے اِس کتاب کا مطالعہ ازبس ضروری ہے، جس کی طرف اشارہ اکیڈمی کے ڈائریکٹر نے اِن الفاظ میں کیا ہے کہ یہ کتاب: ''تقابلِ ادیان سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے سامانِ اُنس وتپاک'' اور ''صراطِ مستقیم کے جویاؤں کو اُن کی طمانینتِ خاطر اور تسکینِ قلب وجگر کا سامان'' مہیا کرنے والی ہے۔

ڈائریکٹر موصوف کی یہ بات نہ صرف یہ کہ درست ہے؛ بلکہ کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ اِس میں مرکزی اور کلیدی جو آٹھ مباحث آئے ہیں: (۱) خدا تعالی کا ثبوت (۲) اُس کی وحدانیت (۳) اُس کا واجب الاطاعت ہونا (۴) نبوت کی ضرورت (۵) نبوت کی علامات وصفات (۶) رسول اللہ ﷺ کی نبوت (۷) اُن کی خاتمیت (۸) اُن کے ظہور کے بعد اُنہیں کے اِتباع میں نجات کا منحصر ہوجانا۔''(۱)

اِن عنوانات کے دیکھنے سے ہی اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہ کتاب دورِ حاضر میں وقت کی کس قدر اہم ضرورت ہے۔اِسی ضرورت پر مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے توجہ دلائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مباحثۂ شاہ جہاں پور میں:

''سیدنا الامام الکبیرؒ کی طرف سے مرتبہ سوالات کی ایک فہرست مجلسِ مباحثہ میں اس تجویز کے

(۱) دیکھیے ''مباحثۂ شاہ جہاں پور'' ۵۷ ومابعد حجۃ الاسلام اکیڈمی.۱۴۳۸/۲۰۱۷

ساتھ پیش ہوئی تھی کہ علمی طور پر مذہبی موضوع پر بحث و تحقیق کا یہی طبعی طریقہ ہوسکتا ہے۔ چناں چہ اُن ہی سوالات کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنی تقریر میں موضوع بنا کر ایک کھلی بحث کو راہ دیا۔''

پھر یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ وقت کی اِس اہم ضرورت کا اِدراک خطیب الاسلامؒ کو ہوا اور جیسے ہی حالات ساز گار ہوئے اور توفیق خداوندی رفیق ہوئی، اُنہوں نے اِس کی اشاعت کا بند و بست کیا۔ یہ حیرت کی بات اس لیے نہیں ہے کہ ''مباحثہ شاہ جہاں پور'' کو فی الواقع جو کلیدی اہمیت حاصل ہے، اُس کا ادراک خطیبِ اسلام اور متکلمِ وقت کو ابتدا ہی سے تھا۔ کیوں کہ اُن کو معلوم تھا کہ علوم کی ترقی کے اصل راز کی اطلاع اور آخری حد کی تعیین شاہ جہاں پور کے خطاب سے ہوتی ہے، نہ کہ ہیگل کے نظریۂ جدل (Hegalian dialectic method) سے۔

اُن کی ذکر کردہ یہ صراحت کہ:

''مولانا محمد قاسم صاحب کی تقریر'' مباحثۂ شاہ جہاں پور'' اور مولانا رحمت اللہ صاحب کی تحریر ''اظہار الحق''، ''یہ دو کتابیں ایسی ہیں کہ اِنہوں نے انگریز کا قصہ ہی ختم کر دیا۔''

یہ بات کسی خاص موقع پر خاص تناظر میں کہی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انگریز جو علم و عقل کے نام سے اسلام سے برگشتہ کرنے کی اسکیم لے کر آیا تھا، اُس کا قصہ ختم ہوگیا۔ یہ فقرہ ایک اِجمال ہے جس کی تفصیلات کتاب میں ملے گی اور اب یہ پڑھنے والے طے کریں گے کہ - اِس تقریر کے ۷۰ سال بعد تک ہندوستان انگریزوں کے ماتحت رہا اور انگریزوں سے ملک کو آزاد ہوئے بھی ۷۰ سال گزر گئے- آج بھی اِس تقریر کی آب و تاب، تازگی، حلاوت وطلاوت اور اسلام پر نئے سے نئے حملے کے دفعیے کے لیے اِس تقریر کی ضرورت، نیز دفاع اسلام کے لیے اختیار کی جانے والی نئ سے نئ تدبیر کے علی الرغم اِس تدبیر کا اعلی وارفع ہونا آج بھی ایک تسلیم شدہ امر ہے یا نہیں؟

''مباحثۂ شاہ جہاں پور'' میں مندرج دین کے اصولی عنوانوں- جنہیں مولانا گیلانیؒ ''نظریاتِ فائقہ'' سے تعبیر کرتے ہیں- میں سے ہر ایک کے متعلق حضرت نانوتویؒ کے خصوصی افکار اور اُن کی اچھوتی تعبیروں کی تفصیل کا بیان کرنا ایک مستقل اور مہتم بالشان کام ہے جس کا مولانا گیلانی نے- حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کے توجہ دلانے سے- خود ارادہ فرمایا تھا لیکن سوانح قاسمی کی مصروفیت نے اُنہیں دوسری طرف اِلتفات کا موقع نہ دیا، پھر آخرت خیر وابقی کی طرف فرشتۂ اجل کی پکار نے اُن کے ارادہ اور عمل کے مابین ناقابلِ عبور خلیج پیدا کر دی اور جب اُنہیں یہ یقین ہو چلا کہ حیاتِ مستعار اُنہیں یہ مہلت نہ دے گی کہ وہ خود اِس کام کو کر سکیں، تو حسرت اور امید کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ وہ یہ کام اخلاف کے سپرد کر گئے:

''نہیں کہا جا سکتا کہ اِس جلیل علمی و دینی خدمت کی سعادت کسے حاصل ہوتی ہے؟ اور توفیقِ

ربانی کس کا اِنتخاب اِس مہم کے لیے کرتی ہے۔ بجائے خود یہ ایک مستقل کام ہے۔'' (۱)

(۶) عندیہ (Opinion)

۱- حضرت نانوتویؒ کے علوم سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے جس رسالہ کو کلیدی حیثیت حاصل ہے، وہ ''حجۃ الاسلام'' ہے۔ لہٰذا:

☆ کتاب ''حجۃ الاسلام'' کا متن قدیم نسخوں سے مقابلہ کر کے صحت کے ساتھ مرتب کرنا اور اُس پر ذیلی عنوانات لگانا کسی اعلیٰ درجے کے تحقیقی کام سے کم نہیں ہے کیوں کہ رسالے میں مندرج آٹھوں عنوانات (''نظریاتِ فائقہ'') پر گفتگو موجود ہے، اِس اہمیت کو پیشِ نظر رکھ کر معنونات کو تلاش کر کے حسبِ موقع سرخیاں قائم کرنا اور ضمنی مباحث اور اضافی بیانات سے ممتاز کرنا، ہر ہر مبحث کو باہم مربوط رکھنا یا کرنا تاکہ اُن کی باہمی ترتیب طبعی قائم رہے، یہ کام غیر معمولی ہے، اس لیے غیر معمولی توجہ کا متقاضی ہے۔

☆ یہ رسالہ - جسے حضرت شیخ الہند ''عجالۂ نافعہ'' اور ''عجالۂ مقدسہ'' کے لقب سے ذکر کرتے ہیں- اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ علامہ عبید اللہ سندھی نے اُس سے متعلق اپنی آپ بیتی اِن الفاظ میں ذکر فرمائی کہ: ''میں نے مولانا محمد قاسمؒ کا رسالہ ''حجۃ الاسلام'' مولانا شیخ الہندؒ سے سبقاً سبقاً پڑھا ہے۔''

اِس سے یہ احساس یقیناً ترقی کر جاتا ہے کہ کتاب کے مضامین پر دقتِ نظر کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت؛ بلکہ شدید ضرورت ہنوز باقی ہے۔ کیوں کہ اِس رسالے پر پچھتر سال پہلے جو کچھ کام ہوا ہے، اُس کے بعد بھی نہ صرف یہ کہ ابھی تشنگی موجود ہے؛ بلکہ بعض اِشتباہات دور کرنا اور بعض اِجمال کی تفصیل ہونا ابھی باقی ہے۔ اور مسائلِ حاضرہ میں اُن کا انطباق، اُس سے آگے کا کام ہے۔

۲- مفتی سعید احمد صاحب نے حضرت نانوتویؒ کی کتابوں کی آسان اور مشکل ہونے کے اعتبار سے درجہ بندی کی ہے۔ پہلی درجہ بندی: ''آسان کتابوں'' کے شمار کے آخر میں جو یہ لکھا ہے کہ: ''معمولی اِستعداد والے بھی اِن کتابوں کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔'' تو قابلِ لحاظ بات یہاں پر یہ ہے کہ ۱۹۷۰ء وماقبل عشروں کے درس نظامی کے مروجہ نصاب تعلیم کو عبور کر کے معقولات میں کافی استعداد پیدا کر لینے والوں کے لیے یہ حسن ظن تو رہا ہوگا۔ کیوں کہ یہ کتاب مفتی سعید احمد صاحب نے ۱۳۹۷ھ سے پہلے لکھی ہے۔ اس لیے اگر آج کے ''معمولی اِستعداد والے'' اِس سے خوش فہمی میں مبتلا ہوں گے، تو در حقیقت خود فریبی کا شکار ہو جائیں گے۔ اب چوں کہ فنونِ میزانیہ اور علوم عقلیہ سے مناسبت کم ہے اس لیے باوجود اِس کے کہ اِن میں سے اکثر کتابوں کے بعض حصے تو آسان ہیں؛ لیکن بعض متوسط استعداد والوں کے لیے بھی اُن کے

(۱) دیکھیے: سوانح قاسمی جلد سوم ص ۴۳۴، ۱۷۶-۱۷۸ مکتبہ دار العلوم دیوبند

بکثرت مقامات مشکل بلکہ سخت مشکل ہیں، مثال کے طور پر صرف ایک کتاب ''مباحثہ شاہ جہاں پور'' کو دیکھئے! اُس کے یہ مضامین کافی مشکل ہیں: وجود کو مادۂ عالم مانیں، تو خدا کا برا ہونا لازم آتا ہے، کا جواب (۱) مخلوق کا حادث ہونا حرکت کے قانون کی رو سے... انقلاب وجودی وعدمی کو حرکتِ وجودی وعدمی لازم ہے۔ (۲) تجددِ امثال وجود کی بحث۔ زمانہ اور عالم کے لیے ابتدا ہونا ضروری ہے اور انتہاء کا ہونا عقلاً ضروری نہیں۔ زمانہ حرکتِ وجودی کا نام ہے۔ (۳) پادری اِسکاٹ کے دلیل انی کے اِنطباق پر تنقیدِ قاسم کا یہ فقرہ ''اِستدلالِ اِنی ناتمام ہوتا ہے، وضع تالی منتج وضعِ مقدم نہیں ہوتی۔'' اور پھر پادری کے اِس قول کا کہ ''جب سے عیسائی عمل داری آئی، جب سے یہ امن وامان ہے کہ سونا اُچھالتے چلے جاؤ، کوئی شخص یہ نہیں پوچھتا کہ تم کون ہو؟'' (۴) اِس کا دلیل انی ہونا خود نظری پھر دلیل انی پر تنقید قاسم میں استعمال ہونے والی مذکورہ اصطلاح پر بار پانا، فن منطق پر عبور کے بغیر اور خارجی مثالوں میں اُن کی مشق واستحضار کے بغیر آسان نہیں، اِسی طرح بدن میں عناصر کی انفعالی کیفیات، فاعلی کیفیات، معدن عناصر کی تحقیق اور معدنِ راحت وکلفت کا عقلاً ضروری ہونا، (۵) ایک گروہ کی خاصیتِ اصلی بھلائی، دوسرے کی خاصیتِ اصلی برائی، اور بھلائی، برائی کے دونوں گروہ کے لیے ایک ایک معدن کا ہونا۔ (۶)

اِن سب امور میں حضرت نانوتویؒ نے جو کچھ تفہیم فرمائی ہے وہ فی الواقع بہت دل چسپ ہے۔ مگر بات ۱۴۳۹ھ کے اختتامی ایام میں دلچسپی کی ہورہی ہے جہاں دلچسپی کے میدان نئے پیدا ہوگئے ہیں۔ علوم عقلیہ سے قلت مناسبت کی شکایت ۱۵ویں صدی ہجری کی ابتدا سے روز بروز بڑھتی چلی گئی ہے۔ ایسی حالت میں متوسط استعداد والوں کے لیے بھی مبادیاتِ فن پر اطلاع کے بغیر اِن آسان کتابوں کے بعض مباحث کا سمجھنا بھی آسان نہیں دکھائی دیتا۔

اندریں حالات ''مستقل کام'' کو درست نہج پر جاری رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ سلسلے وار علی الترتیب تین کام اولین ترجیحات میں شامل کئے جائیں:

(۱) علمی، فکری اور کلامی مباحث کو کتاب ''مباحثہ شاہ جہاں پور'' سے علیحدہ کرلیا جائے، یعنی حضرت نانوتویؒ کے تقریری اجزاء، مع متعلقات کے حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ کی تشریحات کے ساتھ علیحدہ کرلیا جائے، پھر ذیلی عنوانات مذکورہ آٹھ موضوعات کو ذہن میں رکھتے ہوئے، اُن کی مناسبت سے حسبِ موقع لگائے جائیں۔

(۲) میلۂ خداشناسی اور (۳) ''حجۃ الاسلام'' پر تحقیقی کام کرایا جائے۔ اِس طرز پر اِن تینوں

(۱) ص۸۲، حجۃ الاسلام اکیڈمی ۱۴۳۸ھ	(۲) ایضاً ص۹۲، ۹۴	(۳) ایضاً ص۹۵
(۴) ایضاً ص۱۱۲	(۵) ایضاً ص۱۲۶	(۶) ایضاً ص۱۲۷

کتابوں کے شائع ہو جانے سے ایک موضوع کی ایک سیریز تیار ہو جائے گی۔ ہر کتاب کے مضمون کو دوسری کتاب سے سمجھنے میں مدد ملے گی اور مخصوص موضوعات - جن کا گزشتہ بیان میں ذکر ہوا - پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے یہ کتابیں مراجع کا کام دیں گی۔ پھر اِس کے ساتھ اگر حضرت نانوتویؒ کی اصطلاحات اور اصولوں سے مناسبت پیدا کرانے کی کاوش بھی کی جائے، تو حضرتؒ کے علوم - جو اسلام کے دفاعی محاذ پر لاثانی ہیں - کے اِحیاء کے ساتھ حکیم الاسلام اور خطیب الاسلام رحمہما اللہ کی روح کی طمانیت کا اور تمام امت مسلمہ کے تشکر و امتنان کا باعث بھی بنیں گی۔

❖ ❖ ❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ
عصر حاضر میں تحریک مدارس کا ایک عظیم نمائندہ

مولانا سیف الرحمٰن ندوی ❖

حرف آغاز

ام المدارس دارالعلوم دیوبند کی تحریک کے بانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خاندان میں دینی، علمی، اصلاحی اور تجدیدی کارناموں کے وارثین وجانشین ہمیشہ سے موجود رہے ہیں، اور اب بھی ہیں، بیسویں صدی عیسوی کے اواخر اور اکیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں جن ہندوستانی شخصیتوں نے اپنی علمی، تحقیقی، اصلاحی اور انتظامی خدمات سے ایک عالم کو متاثر کیا ہے، اور جن کی ہمہ جہت شخصیت کو یکتائے روزگار کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے، ان میں ایک نام ایسا بھی ہے، جن کے تذکرے کے بغیر پچھلی تقریباً ایک صدی کی دینی، علمی اور اصلاحی تاریخ نامکمل سمجھی جائے گی، وہ نام خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کا ہے۔

میر کارواں حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ ایک عہد آفریں شخصیت کے مالک تھے، تعمق فی العلم اور رسوخ فی الدین کے ساتھ ساتھ اعتدال نے آپؒ کو مقبول خاص وعام کر دیا تھا، آپؒ ہمدرد وغمگسار، خادم قوم وملت، عظیم مصلح، بیدار مغز قائد، دور اندیش رہنما، مدبر ومفکر، نرم مزاج اور صلح پسند انسان تھے، عفو ودرگزر اور تواضع وانکساری کے آپؒ اعلیٰ نمونہ تھے، مفسر قرآن، محدث بے مثال، فقیہ، متکلم اور انشاء پرداز ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باکمال ادیب اور کامیاب خطیب بھی تھے۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ اپنی اوصاف حمیدہ اور عادات وخصائل کے لحاظ سے گلشن قاسمیت کے ایسے پھول تھے جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام اکابرین دارالعلوم کی بوئے جاں فزاں کو شامل کر دیا تھا، وہ اکابرین جو تاریخ دارالعلوم کے نہایت ہی قیمتی سرمایہ ہیں، آپ کی ذات بابرکات ان سب کی خصوصیات کا مظہر تھی، اسی لیے آپ اپنی ذات میں ایک فرد نہیں؛ بلکہ ایک جماعت تھے اور ایسے نمونہ تھے، جس نے پچھلوں کی یادوں کو زندہ ہی نہیں رکھا؛ بلکہ مزید تقویت بخشی ہے۔

❖ مدیر مؤسسۃ النور، لکھنؤ

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ اپنے فضل وکمال، امتیازی اوصاف وخصائل، فیضان صلاح واصلاح اور شارح علوم نانوتویؒ کے طور پر اسلامیان ہند کے ان محبوب قائدین میں سے تھے؛ جن کے اقوال وافعال کو مشعل راہ کا درجہ حاصل تھا، بانیٔ تحریک دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے نسلاً بعد نسلٍ علوم و معارف کا جو ذہبی سلسلہ چلا، یقیناً آپ اس کی حسین کڑی تھے اور عصر حاضر میں تحریک مدارس کے ایک عظیم نمائندے کے طور پر نمایاں کردار ادا کر رہے تھے، اللہ تبارک وتعالی نے حضرتؒ کو گونا گوں خصوصیات اور بے شمار امتیازات سے نوازا تھا، آپؒ کی جامع شخصیت یقیناً تحریک دیوبند کی ترجمان بھی تھی اور تابندہ عنوان بھی۔

یوں تو حضرت نے اپنی حیات میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے؛ لیکن تحریک مدارس کی نمائندگی ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی افادیت کا دائرہ کافی وسیع ہے۔

ولادت باسعادت

سالار کارواں حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے اس عالم آب وگل میں بروز جمعہ ۲۲/ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ بمطابق ۸/ جنوری ۱۹۲۶ء میں ایک ایسے گھرانے میں آنکھیں کھولیں کہ ایک صدی سے زائد عرصہ گزر جانے کے بعد آج بھی اس خاندان کی خدمات جلیلہ کا عنوان روشن ہے اور آئندہ بھی روشن رہے گا۔ (ان شاء اللہ)

اپنے ناموں کے ساتھ لفظ ''قاسمی'' کا لاحقہ لگانے والے دارالعلوم کے تمام فضلاء اسی خاندان کے ممنون کرم ہیں، آپ کا سلسلۂ نسب خلیفۂ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہونچتا ہے۔

تعلیم وتربیت

والد محترم حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمیؒ کے زیر سایہ آپ کی تربیت ہوئی، اور سات سال کی عمر میں گھر کے اندر ہی ابتدائی تعلیم کا آغاز ہو چکا تھا، ناظرہ اور حفظ قرآن کی تکمیل پیر جی شریف صاحب گنگوہیؒ سے ہوئی اور اس کے بعد ثانوی تعلیم سے تکمیل تک دارالعلوم دیوبند میں، اسی دوران ۱۳۶۲ھ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے میزان الصرف پڑھی، اب اس وقت باقاعدہ طور پر آپؒ کے بعد حضرت تھانویؒ کے شاگردوں میں سے کوئی نہیں ہے، اور ۱۳۶۷ھ میں دارالعلوم سے فراغت ہوئی۔

درس وتدریس

آپؒ نہایت ہی ذہین وفطین تھے، آپؒ کی صلاحیت وقابلیت کو دیکھتے ہوئے دارالعلوم میں

تدریسی خدمات کے لیے فراغت کے سال ہی آپ کا انتخاب ہوگیا اور ۱۹۸۲ء تک آپ کی تدریسی خدمات کا سلسلہ مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں جاری رہا، وقت کے بہت زیادہ پابند تھے، گھنٹہ لگتے ہی درس گاہ میں پہونچ جاتے، طلبہ کی یہ خواہش رہتی کہ حضرتؒ کو بلانے آستانۂ قاسمی پہونچیں؛ لیکن طلبہ کے پہونچنے سے پہلے ہی آپؒ درس گاہ میں حاضر ہوجاتے، وقت کی پابندی ضرب المثل تھی۔

مولانا محمد اسلام صاحب قاسمی (استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند) نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ:

> ''حضرت مولانا دارالعلوم کے وہ استاذ ہیں جو تدریس کے ساتھ وقت کے اتنے پابند کہ بلا شبہ طلبہ درس گاہ میں ان کی آمد پر اپنی گھڑیوں کے ٹائم سیٹ کرتے، طلبہ دیکھا کرتے تھے کہ وہ متعینہ درس گاہ (دارالتفسیر) میں ایک قدم اندر رکھتے اسی وقت گھنٹہ بجتا تھا، وقت کے منٹوں اور سیکنڈوں کے لحاظ سے اتنے پابند دارالعلوم کے اساتذہ وکارکنان میں سے کوئی نہ تھا، یہ بھی ان کی خوبی تھی کہ تدریس کے لیے وہ اپنے گھر سے نکلتے اور براہ راست درس گاہ پہنچتے، اختتامی گھنٹہ بجتا اور وہ واپس صدر گیٹ کے راستہ اپنے گھر کو، نہ کسی سے ملاقات، نہ کسی دفتر میں جانا''۔(۱)

آپ کے بارے میں طلبہ کو اتنا اعتماد ہوتا کہ اگر کبھی پانچ منٹ لیٹ ہوجاتے، تو طلبہ یہی سمجھتے کہ یا تو اچانک کوئی سفر پیش آگیا ہے، یا پھر طبیعت دفعۃً ناساز ہوگئی ہے، اور ان کو اس بات کا یقین ہوجاتا کہ اب حضرت نہیں آئیں گے اور وہ اپنی چھٹی کرلیتے، دارالعلوم کے اس دورانیہ میں اندرون ملک اور بیرون ملک کے اسفار بھی پیش آئے؛ لیکن دیوبند میں ہوتے ہوئے کبھی بھی آپ نے اسباق پڑھانے سے عذر نہیں کیا۔

تقریر وخطابت

تقریر وخطابت میں اللہ نے ایسا ملکہ دیا تھا جو بے نظیر تھا، ایک الگ انداز، الگ لب ولہجہ، برق رفتاری؛ لیکن اس میں بھی نہایت مرتب گفتگو اور علمی وفکری باتیں، نہایت مؤثر انداز، انوکھا اسلوب، گہرائی و گیرائی سبھی کچھ، اور سب پر والد محترم حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کا رنگ غالب۔

تقریر وخطابت حضرتؒ کا نمایاں وصف تھا، اسی لیے وہ ''خطیب الاسلام'' کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں؛ بلکہ آپ آبروئے خطابت تھے، ایک موضوع پر گھنٹوں بولتے چلے جاتے، ایسا لگتا کہ معلومات کا ایک دریا ہے جو موجزن ہے، ایک روانی ہے جس میں ٹھہراؤ نہیں ہے، نہایت ہی علمی اور فکری گفتگو فرماتے،

(۱) ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

عوام وخواص یکساں طور پر مستفید ہوتے اور جو باتیں بھی رکھتے بڑی بے باکی اور جرأت کے ساتھ رکھتے۔

تصنیف وتالیف

تقریر کی طرح تحریر میں بھی اپنا الگ ہی رنگ تھا، تدریسی ذمہ داریوں اور اسفار وغیرہ کی مشغولیات کے باوجود تصنیف وتالیف کے لیے وقت نکال لینا، اس سے یقیناً ذوق کا اندازہ ہوتا ہے، مختلف عناوین پر تمہیدات، مقدمات، تقریظات اور بیش قیمت مقالات تحریر فرمائے ہیں، چند کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، اور بہت ہیں جن کا آنا باقی ہے۔

عہدے ومناصب

آپؒ نے اپنی زندگی میں بہت ساری ذمہ داریاں قبول کیں، اوران کو خیر وخوبی کے ساتھ نبھایا بھی، دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم وسرپرست ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف اداروں کی رکنیت بھی رہی، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اداروں کی صدارت وسرپرستی بھی فرمائی اور کامیاب رہے، آپؒ سے متعلقہ عہدے ومناصب کچھ اس طرح تھے:

(۱) دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم، پھر صدر مہتمم وسرپرست

(۲) مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر

(۳) رکن مجلس انتظامیہ وشوری ندوۃ العلماء لکھنؤ

(۴) رکن مجلس شوری مظاہر علوم وقف سہارنپور

(۵) سرپرست اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

(۶) رکن کورٹ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۷) صدر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت

تحریک دیوبند کی کامیاب نمائندگی

اصلاح وتجدید، احیائے سنت، تزکیۂ نفوس، علم وعمل اور اصلاح باطن کی وہ تحریک جو امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کوششوں سے اٹھی تھی، افکار ونظریات کا وہ قافلہ جو دہلی سے چلا تھا، وہ چلتا رہا، مختلف دور میں اسے مختلف قائدین کی قیادت ملتی رہی؛ لیکن جب وہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پاس پہنچا تو اپنے رہنماؤں سے محروم ہو چکا تھا، لہٰذا مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اسے

ٹھکانہ دیا اور قصبہ دیوبند میں اس کا ایک مرکزی سینٹر قائم فرمایا اور اپنے بعد کے لیے رجال کار کی فراہمی کے لیے دارالعلوم دیوبند کی شکل میں شاندار انتظام فرمایا، جسے تحریک دیوبند کہتے ہیں۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کا نام بہت ہی نمایاں اور ممتاز ہے ان بزرگوں میں جنہوں نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بعد تحریک دیوبند کی نمائندگی کی، حضرتؒ کی زندگی اپنے اکابرین اور پیش رو مخلصین امت کی نمائندگی سے عبارت تھی، آپ کی زبان وقلم سے نکلے مضامین اور مدارس اسلامیہ کے تئیں آپ کی فکرمندی یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ عصر حاضر میں آپ تحریک مدارس کے ایک عظیم نمائندہ تھے، جنہوں نے اپنی حیات مستعار کے اخیر تک تحریک دیوبند کی کامیاب نمائندگی کی اور اپنے اکابرین سے ملی ذمہ داریوں کو بخوبی نبھایا۔ (اس موضوع پر تفصیلی گفتگو ہم آئندہ صفحات میں کریں گے)

وفات

حضرت خطیب الاسلام مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ اپنی عمر عزیز کی تقریباً ۹۴/ بہاریں دیکھ چکے تھے، اور ۲۷/ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴/ اپریل ۲۰۱۸ء، کو ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے گئے، (انا للہ وانا الیہ راجعون)

اللہ تعالی انہیں فردوس بریں میں اعلی مقام عطا کریں، اور ان کے تمام متعلقین اور اہل خانہ کو صبر و حوصلہ مرحمت فرمائیں!

فصل ثانی: مدارس اسلامیہ: تاریخ، مقاصد اور اثرات

مدارس اسلامیہ وہ جگہ ہے جہاں مردم سازی اور آدم گری کا کام ہوتا ہے، وہاں دین کے داعی اور سپاہی پیدا ہوتے ہیں، وہ ایک مصدر حیات ہے، جہاں سے زندگی تقسیم ہوتی ہے، وہ ایک کارخانہ ہے، جہاں ذہن ودماغ ڈھلتے ہیں اور افکار ونظریات پروان چڑھتے ہیں، جہاں سے خالق کائنات کی معرفت کا نور ملتا ہے اور مقاصد زندگی سے آگاہی ہوتی ہے، یہ وہ جگہ جہاں نظام عالم اور خلافت آدم کی ذمہ داریوں کا احساس پیدا کیا جاتا ہے، مدارس کا تعلق نہ سن ہجری سے ہے اور نہ کسی تہذیب، کسی تمدن، کسی عہد، کسی کلچر اور کسی زبان و ادب سے ہے کہ اس کے زوال کا خوف ہو، اس کا تعلق تو نبوت محمدی سے ہے جو عالمگیر بھی ہے اور ابدی بھی، اس کا تعلق اس انسانیت سے ہے جو ہر لحہ جواں ہے اور اس کی زندگی سے ہے جو ہر دم رواں دواں ہے۔

مدارس اسلامیہ کی اساس اور بنیاد تعلیمات نبوی پر ہے، اسی بنیاد پر مدرسۃ الرسول ﷺ کی تعمیر ہوئی، جس میں صحابہ کرامؓ کی تربیت کی جاتی تھی، اور تعلیم دی جاتی تھی، مکہ میں ''دار ارقم'' اور مدینہ میں ''صفۂ

نبوی'' یہ دو مدرسے تھے حضور ﷺ کے، جن میں صحابہؓ کی تعلیم و تربیت کا انتظام تھا، ان کی تعلیم کے لیے معلم مقرر تھے اور جہاں کہیں بھی اسلام کی تعلیم و تبلیغ کے لیے کسی کو بھیجنا ہوتا تو انہیں میں سے بھیجے جاتے، اس مدرسے سے جو افراد تیار ہوئے ان کی مثال نہ پہلے کہیں ملتی ہے، نہ بعد کے ادوار میں، علوم وفنون، تعلیم و ترقی اور سیاست مدن کے باب میں ان کے جو کارنامے سامنے آئے، دنیا ان کی نظیر پیش کرنے سے قاصر و عاجز ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ایک موقع پر مدرسہ کا بہت ہی شاندار تعارف کرایا ہے۔

لکھتے ہیں کہ:

''میں مدرسہ کو ہر ادارہ سے بڑھ کر مستحکم، طاقت ور، زندگی کی صلاحیت رکھنے والا اور حرکت و نمو سے لبریز سمجھتا ہوں، اس کا ایک سرا نبوت محمدی سے ملا ہوا ہے، دوسرا سرا اس زندگی سے، وہ نبوت محمدی کے چشمۂ حیواں سے پانی لیتا ہے، اور زندگی کی ان کشت زاروں میں ڈالتا ہے، وہ اپنا کام چھوڑ دے تو زندگی کے کھیت سوکھ جائیں، اور انسانیت مرجھانے لگے، نہ نبوت محمدی کا دریا پایاب ہونے والا ہے، نہ انسانیت کی پیاس بجھنے والی ہے، نہ نبوت محمدی کے چشمۂ فیض سے بخل اور انکار ہے، نہ انسانیت کے کاسۂ گدائی کی طرف سے استغناء کا اظہار، ادھر سے ''انما انا قاسم و الله یعطی'' کی صدائے مکرر ہے، تو ادھر سے '' هل من مزید '' کی فغان مسلسل، مدرسہ سے بڑھ کر دنیا میں کون سا زندہ، متحرک اور مصروف ادارہ ہوسکتا ہے؟''(۱)

مدارس اسلامیہ کی ابتداء

مدارس اسلامیہ کی ابتداء اور اس کا آغاز یوں تو صفۂ نبوی سے ہو چکا تھا؛ لیکن موجودہ نظام اور سسٹم کے ساتھ مدرسوں کا آغاز پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں ہوا، افغانستان کے مشہور و معروف فرماں روا سلطان محمود غزنوی نے جب ایک سفر سے واپسی کی اور اپنے دارالسلطنت غزنی پہنچے تو چوں کہ ان کا یہ سفر بہت زیادہ کامیاب رہا تھا اور بہت کثیر مقدار میں اموال غنیمت اور دیگر ساز و سامان ہاتھ آئے تھے، اس لیے انہوں نے شکرانہ کے طور پر ایک مسجد کی تعمیر کا حکم دیا، مسجد تعمیر ہوئی اور اتنی شاندار تعمیر ہوئی کہ لوگ خوبصورتی کی وجہ سے اس کو ''عروس فلک'' کہنے لگے۔

یہ ۴۱۰ھ مطابق ۱۰۱۹ء کا واقعہ ہے، جب سلطان محمود غزنوی نے اس مسجد کی تعمیر کروائی تھی،

(۱) پاجا سراغ زندگی: مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، (ہندوستان، کاکوری آفسٹ پریس لکھنؤ، ایڈیشن ۱۰، ۲۰۱۰ء) ص ۹۰، ۹۱

تو سلطان محمود غزنوی نے اس مسجد کے ساتھ ایک شاندار مدرسہ کی بنیاد بھی رکھی اور مسجد کے ساتھ ساتھ اس نے مدرسہ بھی تعمیر کرایا تھا، جو بہت ہی عالیشان تھا اور مدرسہ میں ایک کتب خانہ بھی تھا جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا، اس کے بعد سلطان محمود نے مسجد اور مدرسہ کے اخراجات کی فراہمی کے لیے بہت سے دیہات وغیرہ وقف کر دیا تھا۔

تاریخ فرشتہ کے مترجم مشفق خواجہ نے لکھا ہے کہ:

''جب یہ مسجد تیار ہوگئی تو سلطان محمود نے اس کو بڑے سلیقے سے آراستہ کیا، خوب صورت قندیلوں سے اسے بقعہ نور بنا دیا، روشنی کی کثرت اور آرائش کی خوبی کی وجہ سے لوگ اس مسجد کو ''عروس فلک'' کہنے لگے۔ اس مسجد کے ساتھ ہی سلطان محمود نے ایک عالیشان مدرسے کی بنیاد ڈالی، اور مدرسے کے کتب خانے میں نایاب اور اعلی کتب جمع کیں، مسجد اور مدرسے کے اخراجات کے لیے بہت سے دیہات وقف کر دیے گئے؛ تاکہ طلبہ، مدرسین اور دیگر عملے کی ضروریات پوری ہوسکیں، محمود کا مسجد اور مدرسے کو تعمیر کروانا امیروں اور ارکان سلطنت کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا، اور انہوں نے اپنے بادشاہ کی تقلید کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مختصر سے عرصے میں غزنی میں بے شمار مسجدیں، درس گاہیں، سرائیں اور خانقاہیں تعمیر ہوگئیں'' (۱)

دس یا گیارہ سال بعد سلطان محمود غزنوی کی وفات ہوگئی، اس کے بیٹے سلطان مسعود نے بھی اپنے باپ کی پیروی کی، اور باپ ہی کی طرح اس نے بھی اپنے دور حکومت میں بہت سے مدرسے تعمیر کروائے۔ (۲)

ہمارے ملک ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی آمد پہلی صدی ہجری میں ہی ہوگئی تھی اور ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں قطب الدین ایبک کے عہد سے مسلمانوں کی مستقل حکومت کا قیام عمل میں آیا، اس کے بعد مسلم حکمرانوں اور بادشاہوں نے اپنے اپنے عہد میں خوب مدرسے تعمیر کروائے اور آٹھویں صدی ہجری تک ہندوستان میں مدارس اسلامیہ کی تعمیر کا عام رواج ہو چکا تھا، مغلوں کے دور حکومت میں اورنگ زیب عالمگیر کی تعلیمی ترقیاں بہت مشہور تھیں، اس نے بڑے بڑے مدرسے تعمیر کروائے تھے، ان کی کوششوں سے ہر صوبہ، ہر شہر؛ یہاں تک کہ گاؤں دیہات میں بھی علم کی روشنی خوب اچھی طرح پہونچ چکی تھی؛ لیکن بارہویں صدی ہجری کے اوائل میں جہاں سے مغلوں کی حکومت کو زوال ہوا، وہیں سے ہندوستان میں علم کے چشمے خشک ہونے لگے تھے؛ لیکن امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث

(۱) تاریخ فرشتہ اردو: مصنف محمد قاسم فرشتہ، مترجم خواجہ مشفق (مطبوعہ پاکستان، المیز ان، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۸ء،) جلد اول، ص ۴۷

(۲) تفصیلات کے لیے دیکھیے: تاریخ دار العلوم دیوبند، سید محبوب رضوی، (مطبوعہ پاکستان، ۲۰۰۵ء المیز ان، اردو بازار لاہور) جلد ۱، ص ۶۹

دہلویؒ کی کوششوں سے ایک حد تک دینی ماحول زندہ رہا، لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ کے پاداش میں جو ہندوستانی مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کی انگریز کی جانب سے ہر ممکنہ کوشش کی گئی (جس کی تفصیلات آئندہ آرہی ہیں) اس کی وجہ سے تقریباً سارے مدرسے بند ہو گئے۔

۱۸۵۷ء کے بعد ملک کے عام حالات

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں میں بہت زیادہ مایوسی پھیل گئی تھی، ان کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا تھا، احساس کمتری کے شکار ہو گئے تھے اور پورے ملک میں جدید مغربی نظام تعلیم، فلسفۂ حیات اور مغربی تہذیب وتمدن کا اثر نہایت ہی تیزی کے ساتھ پھیلتا جا رہا تھا، جس سے اسلامی تہذیب و ثقافت اور اسلامی اخلاق و معاشرت پر کاری ضرب پڑ رہی تھی، روزمرہ کی عام زندگی میں بے چینی پھیل رہی تھی اور ساتھ ہی سیاسی غلامی کے علاوہ فکری غلامی بھی پنپنے لگی تھی، جس کے مضر اثرات اسلامی اقدار و روایات اور اخلاق و عادات پر نمایاں ہونے لگے تھے اور تمام ہندوستانیوں پر جبراً عیسائیت مسلط کرنے کی مہم چھیڑ دی گئی تھی، لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ یہ پادری آبادیوں میں جہاں بھی جاتے ہیں پولیس ان کے ساتھ موجود ہوتی ہے، اس لیے وہ بے خوف و خطر ہندو مسلمانوں کے اجتماعات وغیرہ میں بھی چلے جاتے ہیں اور ان کے مذاہب بالخصوص مسلمانوں کے مذہب کا مذاق اڑانے لگتے ہیں اور پھر عیسائیت کی تبلیغ و اشاعت پر زہریلی تقریریں کرنے لگتے ہیں، حد تو یہ تھی کہ سرکاری دفتروں میں جو لوگ کام کرتے تھے ان کے نام احکام جاری ہو گئے تھے کہ جتنی جلدی ہو سکے سارے ملازمین خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں عیسائیت قبول کر لیں؛ ورنہ ان کو ملازمت سے کنارہ کر دیا جائے گا، اور خاص طور سے وہ مسلمانوں کو ہراساں کرنے اور خوف دلانے کے لیے سزاؤں کے نئے نئے طریقے ایجاد کرتے تھے، علی الاعلان مسلمان پھانسیوں پر چڑھائے جا رہے تھے، گرفتاریوں کا ایک سلسلہ تھا، جس کی کوئی انتہا نہ تھی، سچ تو یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد کئی برسوں تک عام زندگیوں میں سناٹا چھایا ہوا تھا، عوام نئے حالات سے سمجھوتہ کرنے لگے تھے، اپنے تاریک مستقبل کے تصور اور برطانوی استبداد نے ان کے ہاتھ پاؤں کی طاقت سلب کر لی تھی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں پر نہ صرف یہ کہ ظلم وستم ڈھائے؛ بلکہ ان کے رہن سہن، تہذیب وثقافت اور علوم وفنون کو بھی نیست و نابود کر ڈالا تھا، اوقاف ضبط کر لیے گئے تھے، اس لیے تقریباً سارے قدیم مدرسے بند ہو چکے تھے اور ان کی طرف سے ایسے اسکول کھولے جا رہے تھے جن میں عیسائیت کی تعلیم دی جاتی تھی اور بلا تفریق تمام طلبہ کو انجیل پڑھائی جا رہی تھی۔(۱)

(۱) وہ جو بیچتے تھے دوائے دل: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ہندوستان، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند سہارنپور یوپی، طبع دوم، ۲۰۱۵ء، ص ۳۸

یہ تھے وہ حالات جس نے ہمارے اکابرین کو سوچنے پر مجبور کردیا تھا کہ اس ملک میں ہمارا مادی وجود جس طرح خطرے میں ہے اس سے کہیں زیادہ ہمارے دینی وجود کو خطرہ لاحق ہو چکا ہے۔

مدارس اسلامیہ کی ضرورت

ظاہر ہے کہ جب بھی کسی قوم یا جماعت کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے، خواہ مادی وجود ہو یا دینی، اگر اس کی بنیاد متزلزل ہو جاتی ہے، تو وہ قوم یا جماعت بے چین ہو جاتی ہے اور اپنی بقا کے لیے ہر ممکن کوشش کرتی ہے، بلکہ اکثر وہ اپنی جان کی بازی بھی لگا دیتی ہے اور اپنے وجود کو باقی رکھنے کے لیے ہر مشکل کام اس کے لیے آسان ہو جایا کرتا ہے۔

ابھی آپ نے پڑھا کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد اس ملک میں مسلمانوں کا مادی وجود کے ساتھ ساتھ دینی وجود بھی خطرے میں پڑ گیا تھا، بلکہ پورے ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کی حکومتی سرپرستی میں ایک طاقتور مہم چھیڑ دی گئی تھی، خاص طور سے مسلمانوں کو زیادہ نشانہ بنایا جا رہا تھا۔

یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ قوم مسلم ایک ایسی قوم ہے جو اپنے دین اور مذہب کے لیے سب کچھ کھو سکتی ہے؛ لیکن اپنا مذہب کھونا پسند نہیں کر سکتی، وہ سب کچھ کھو کر تو زندہ رہ سکتی ہے؛ لیکن بغیر مذہب کے وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔

یہ بات بھی مسلم ہے کہ اپنے دین و مذہب کی حفاظت کے لیے بھی وہی افراد سامنے آئیں گے، جن کے دل میں اپنے دین و مذہب سے محبت ہوگی؛ لیکن وہ افراد آپ کو کسی کارخانہ، فیکٹری، یا کسی کمپنی میں نہیں ملیں گے؛ بلکہ وہ افراد مدرسے میں تیار کیے جاتے ہیں؛ لہٰذا وہ وہیں ملیں گے، تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی مذہب اسلام پر کوئی ضرب لگائی گئی، نظام الٰہی کے خلاف کوئی اٹھ کھڑا ہوا، اور شریعت محمدی ﷺ کے خلاف کوئی سازش رچی گئی، تو ہمیشہ علماء ہی کا طبقہ تھا جو سامنے آیا، اور سر میں کفن باندھ کر وقت کے طاغوتوں کا مقابلہ کیا۔

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ جب جب باطل طاقتوں نے للکارا ہے اور نظام الٰہی کے خلاف قدم اٹھایا ہے، تو خاتم النبیین ﷺ کے وارثوں نے ان کو دھول چٹائی ہے؛ چوں کہ وہ جانتے تھے کہ اگر دین و مذہب ہے تو ہم ہیں؛ ورنہ ہمارا وجود نیست و نابود ہو جائے گا، قوم مسلم کا مزاج دنیا کے دیگر اقوام سے مختلف ہے، بغیر مذہب کے اس کا تصور نہیں، مذہب امت مسلمہ کے خمیر اور ترکیب میں داخل ہے، لہٰذا مذہب اس کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور جب مذہب کے محافظین اور شریعت کے ترجمان اور شارحین کی ضرورت ہے تو یقیناً ان مراکز اور اداروں کی ضرورت ہے جو ایسے افراد تیار کر سکتے ہیں۔

جب مغلیہ سلطنت کا چراغ گل ہو گیا اور مسلمانوں کی سیاسی بساط پلٹ دی گئی تو دور کی نگاہ رکھنے والے اصحاب بصیرت علمائے کرام نے جگہ جگہ شریعت محمدیؐ کی تحفظ گاہیں اور اسلام کے قلعے تعمیر کئے، انہیں قلعوں کے نام مدارس عربیہ اسلامیہ ہیں، آج شریعت محمدیؐ اور مذہب اسلام انہیں قلعوں میں پناہ گزیں ہے اور اس کی بقا انہیں قلعوں کی بقا پر موقوف ہے۔

تحریک مدارس کے بانی

لہٰذا ۱۸۵۷ء کے بعد پیدا ہونے والے حالات میں ضرورت تھی ایک ایسی شخصیت کی، جو اسلام اور ایمان پر وارد ہونے والے ہر اعتراض کا معقول جواب دے سکے، جو ذہین ہو فطین ہو، جس کے دل میں امت کا درد ہو، جو امت کے لیے تڑپتا ہو؛ چوں کہ یہی درد اور تڑپ انسان کو قربانی دینے پر آمادہ کرتی ہے اور انسان وہ کارنامہ انجام دے دیتا ہے جو تاریخ کا روشن باب بن جاتا ہے اور آنے والی نسلیں ان کارناموں پر فخر کرتی ہیں، جو قرآن وسنت کا ماہر ہو، جوش کے ساتھ ساتھ ہوش بھی رکھتا ہو، جن کے پاس علم وحکمت کے ساتھ ساتھ زمانہ شناسی کی صلاحیت ہو اور وقت کے تقاضوں کو پورا کر سکتا ہو۔

تاریخ دارالعلوم کے مصنف سید محبوب رضویؒ نے لکھا ہے کہ ”۱۸۵۷ء کے خونیں انقلاب میں جب دہلی اجڑی اور اس کی سیاسی بساط الٹ گئی، تو دہلی کی علمی مرکزیت بھی ختم ہوگئی اور علم ودانش کا کارواں وہاں سے رخت سفر باندھنے پر مجبور ہو گیا، اس وقت کے اہل اللہ اور خصوصیت سے ان بزرگوں میں جو اس خونیں انقلاب سے خود بھی گزر چکے تھے اور مسلمانوں کی نعشوں کو خاک وخون میں تڑپتا ہوا دیکھ چکے تھے، یہ فکر واضطراب لاحق ہوا کہ علم ومعرفت کے اس کارواں کو کہاں ٹھکانا دیا جائے؟ اور ہندوستان میں بے سہارا مسلمانوں کے دین وایمان کو سنبھالنے کے لیے کیا صورت اختیار کی جائے؟“(۱)

اس وقت کے حالات سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ اگر صورت حال ایسی ہی بنی رہی تو بہت ہی کم وقت میں یہاں کا پڑھا لکھا طبقہ بھی مغربی جال میں پھنس جائے گا اور اپنا تشخص کھو بیٹھے گا۔

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اپنے ایک مختصر رسالہ میں ۱۸۵۷ء کے بعد ملک کے باشندے جن مشکلات سے گزر رہے تھے، ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”اس صورت حال کے مقابلہ میں جری اور دوربیں علماء نے ایسے دینی مدارس کا قیام ضروری سمجھا جو سیاسی زوال کے بعد (کم سے کم) مسلمانوں کو دینی واخلاقی زوال سے محفوظ رکھیں اور ان میں داعیانہ روح اور رضا کارانہ خدمت اور اشاعت علم کا جذبہ ہو اور جو حکومت کی اعانت وسرپرستی کے بغیر اس ملک میں مسلمانوں کی دینی خدمت اور

(۱) سید محبوب رضویؒ: تاریخ دارالعلوم دیوبند، پاکستان، مطبوعہ المیز ان اردو بازار لاہور، ۲۰۰۵ء) جلد ا، ص ۱۴۸

رہنمائی اور علم کی اشاعت وحفاظت کا فرض انجام دے سکیں''۔(۱)

لہٰذا اسلامیان ہند کی اس ضرورت کی تکمیل کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حجۃ الاسلام الإمام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو پیدا فرمایا، جنہوں نے اپنی پوری زندگی دین محمدیؐ کی حفاظت کے لیے وقف کردی، حضرت الإمام نے دفاع عن الدین کے لیے جہاں بہت ساری تحریکیں چلائیں وہیں انہوں نے اس کے لیے تحریک مدارس کی بھی بنیاد ڈالی اور اتنا ہی نہیں؛ بلکہ دارالعلوم دیوبند کی شکل میں، دین اسلام اور اسلامی تہذیب کے تحفظ کا ایک مثالی نمونہ چھوڑا، جو بعد کے ادوار میں رجال کار کی تخلیق کا عظیم مرکز اور علم وعرفان کا قلزم ثابت ہوا، بلاشبہ تحریک مدارس گزشتہ دوصدیوں کی سب سے نفع بخش اور مؤثر تحریک ثابت ہوئی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام

۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں شمالی ہند کی قدیم تاریخی بستی دیوبند میں ایک قدیم مسجد جو''مسجد چھتہ'' کے نام سے مشہور ہے اس کے صحن میں ایک انار کے درخت کے نیچے نہایت ہی سادگی کے ساتھ بغیر کسی تقریب کے دارالعلوم دیوبند کا افتتاح عمل میں آیا، یہ افتتاح بظاہر بہت ہی معمولی اور سادہ تھا؛ لیکن بر صغیر کے مسلمانوں کی حیات نو کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے، محمود نامی ایک استاذ اوراسی نام کے ایک شاگرد سے یہ تاریخی اور محمود کارنامہ وجود میں آیا۔ حیرت کی بات ہے کہ آج جوادارہ اپنی دینی، علمی، اصلاحی، ملی اور تہذیبی خدمات کی وجہ سے پوری دنیا میں شہرت رکھتا ہے؛ بلکہ مرکزیت رکھتا ہے، آغاز کے وقت اس کے بانی اوران کے رفقاء کے پاس اخلاص وللّٰہیت، رجوع الی اللہ اور توکل علی اللہ کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا، نہ عمارت تھی نہ طلبہ کی جماعت، بس ایک طالب علم اور ایک استاذ۔

دارالعلوم کا افتتاح ایک ایسی دینی تعلیمی تحریک کا افتتاح تھا، جہاں سے برصغیر کے مسلمانوں کے بے جان جسم میں جان پڑگئی، اور علم وعمل کا وہ ولی اللّٰہی کارواں جو دہلی سے رخت سفر باندھنے پر مجبور ہوگیا تھا، وہ دیوبند میں آکر ٹھہرا، جوتا حال اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف عمل ہے، اوراپنے دونوں بازو کو پھیلائے تشنگان علوم نبوت پر سایہ فگن ہے۔

تحریک مدارس اور حضرت نانوتویؒ

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے تحریک مدارس کی بنیاد صرف اس لیے نہیں رکھی تھی کہ اس

(۱) دینی عربی مدارس کا تعلیمی، تربیتی اور وطنی کردار (ہندوستان، شعبۂ نشر واشاعت ندوۃ العلماء لکھنؤ، طبع اول ۱۹۹۵ء) ص ۹، ۱۰

کے تحت ایک دارالعلوم کا قیام عمل میں آجائے اور بس؛ بلکہ وہ تحریک ایسی تحریک تھی جو عظیم اور آفاقی مقاصد لے کر اٹھی تھی، اس کے مقاصد میں سے تھا کہ ملک کے گوشہ گوشہ میں مدارس ومکاتب کا جال بچھا دیا جائے، جن کے ذریعے سے ایمان واسلام کے تحفظ اور نشر واشاعت کا فریضہ انجام پائے، جہاں سے دین محمدیؐ کے داعی، شیدائی اور سپاہی تیار ہوں، لہذا وہی ہوا اور قیام دارالعلوم کے بعد نہایت ہی مختصر مدت کے اندر پورے برصغیر میں مدارس ومکاتب کا جال بچھ گیا۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (دامت برکاتہم) نے لکھا ہے کہ ''آپ نے دیوبند کے بعد مراد آباد میں ایک بڑا مدرسہ قائم کیا، جس کا نام لوگوں نے ''جامعہ قاسمیہ شاہی مسجد'' رکھا، اس کے علاوہ تھانہ بھون، گلاؤٹھی ضلع بلند شہر، کیرانہ ضلع مظفرنگر، دان پور ضلع بلند شہر، امبیٹھہ ضلع سہارنپور اور میرٹھ وغیرہ میں مدارس قائم کئے، اسی زمانہ میں دیوبند سے قریب ہی سہارنپور میں مدرسہ مظاہر علوم کا قیام عمل میں آیا، اسی عہد میں جنوبی ہند کے شہر ویلور میں ''مدرسہ باقیات الصالحات'' قائم ہوا، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ایک مجاز فضیلت جنگ مولانا انوار اللہ شاہ فاروقی نے حیدر آباد میں ''جامعہ نظامیہ''، حاجی صاحبؒ کے ایک اور مجاز مولانا منور علی صاحبؒ نے ہندوستان کے مشرقی علاقہ کے قدیم شہر دربھنگہ میں مدرسہ امدادیہ کی بنیاد رکھی، اسی طرح مولانا عبدالغفار صاحب سرحدیؒ نے ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۷ء میں بہار کے مشہور تاریخی شہر گیا میں ''مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ'' قائم کیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ اور اس طرح کے مدارس جو اس عہد میں قائم ہوئے، ان میں فکر قاسمی کی کرنیں ضوفشاں نظر آتی ہیں''۔(۱)

بیس پچیس سال کا عرصہ گزرا تھا کہ حضرت نانوتویؒ کی اس تحریک کے اثر سے ملک اور بیرون ملک میں بے شمار مدارس قائم ہوگئے تھے، پھر فضلائے دارالعلوم نے بھی اپنے اپنے علاقے میں مدارس کا نظام قائم کیا، جن مدرسوں نے اپنے اپنے علاقے کے مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ بخوبی انجام دیا۔

سید محبوب رضویؒ نے لکھا ہے کہ ''اگر چہ بظاہر یہ ایک مدرسہ کا بہت مختصر اور محدود پیمانے پر افتتاح تھا، مگر درحقیقت ہندوستان میں دینی تعلیم کی ایک عظیم تحریک کے نئے دور کا آغاز تھا، جس کو پورے غور وفکر کے ساتھ شروع کیا گیا تھا، جیسا کہ بعد میں دارالعلوم کی عظیم الشان ترقی سے واضح ہوتا ہے، دارالعلوم کے بزرگوں نے برصغیر میں ملت کی دینی اور اجتماعی زندگی کی بقا اور تحفظ کے لیے کتاب اللہ کی مشعل روشن کی، اور تفسیر وحدیث، فقہ اور اسلامی علم وادب اور عقائد واعمال کے ذریعہ سے اس تاریک دور کے چھا جانے والے خطرات سے بچانے کے لیے ایک ایسا مضبوط دفاعی حصار تیار کیا، جس نے مسلمانوں کو روحانی اور علمی شکست سے بچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔(۲)

(۱) وہ جو بیچتے تھے دوائے دل: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (ہندوستان، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند سہارنپور یوپی، طبع دوم، ۲۰۱۵ء) ص ۳۶

(۲) تاریخ دارالعلوم دیوبند: سید محبوب رضوی، جلد ۱، ص ۱۵۶

تحریک مدارس کے اثرات

تحریک مدارس سے برصغیر کے مسلمانوں کو جو فائدہ پہونچا ہے اور اس کی وجہ سے حالات میں جو نمایاں تبدیلی آئی ہے، اور اس کے جو اثرات ظاہر ہوئے ہیں، ان سب کو ضبط تحریر میں لانے کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔

مدارس اسلامیہ سے ایسے مخلص، باحمیت اور غیرت مند افراد تیار ہوئے جنہوں نے اسلام کی نشر و اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور کبھی بھی حکومت وقت کے دباؤ کو قبول نہیں کیا، اور نہ ہی حکومت کے مالی تعاون سے انہیں کوئی دلچسپی رہی، لہذا زمانہ کتنا ہی ترقی یافتہ ہوجائے اور زندگی کا معیار کتنا ہی اعلی ہوجائے، ان کے ایثار و قربانی کی قدر و قیمت میں کمی نہیں آسکتی۔

سترہویں صدی کے بعد استشراق کے نام سے ایک فن کو وجود میں لایا گیا، جس کا مقصد اسلام کو بدنام کرنا تھا، اور اسلام کے تئیں مسلمانوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنا تھا، مغربی استعماروں کے ذریعہ اس فکر کو مشرق میں بھی پھیلانے کی کوشش کی گئی، جس کے نتیجہ میں ہندوستان میں بھی اس فکر کی حامل ایک جماعت پیدا ہوگئی؛ تحریک مدارس نے اسے ناکام بنایا اور مسلمانوں کو فکری انحراف سے بچانے کی کامیاب کوشش کی، اسی جماعت مستشرقین کے پلیٹ فارم سے انکار حدیث کا بھی فتنہ بڑی قوت سے اٹھایا گیا؛ لیکن مدارس اسلامیہ کے تربیت یافتہ علماء نے اسے بھی ناکام کرنے میں پوری قوت صرف کردی اور اس فتنہ کا سد باب کیا، اسی طرح فتنۂ قادیان، جو کہ ختم نبوت پر ایک زوردار حملہ تھا، اور باطل طاقتوں کی حمایت کی وجہ سے ایک سنگین فتنہ کا روپ دھار لیا تھا، تحریک مدارس کے ہی پروردہ تھے جنہوں نے اس فتنۂ ارتداد کا مقابلہ کیا اور کررہے ہیں؛ ورنہ خدا معلوم کتنے لوگ اس کے شکار ہوتے۔

تحریک مدارس سے اور بھی کئی تحریکات نے جنم لیا اور اپنے اپنے میدان میں قابل ذکر کارنامے انجام دیے، مثلاً اس تحریک کے پروردہ افراد کا سیاسی میدان میں آنا اور اسلامی اقدار وروایات کے تحفظ کے لیے کردار ادا کرنا، اسی مقصد کے لیے جمعیۃ علمائے ہند کا قیام عمل میں آنا، معاون عدالت کے طور پر دارالافتاء اور دارالقضاء کا قیام، یہ اور اس طرح کے بے شمار کارنامے تحریک مدارس کے زیر سایہ انجام پائے اور جب بھی وقت کے طاغوتوں نے چیلنج کیا، ان کے چیلنج کو قبول کیا، ہندوستان میں فرنگی اقتدار کے خلاف پہلی صدا جس نے لگائی وہ بھی انہیں علماء کا طبقہ تھا۔

تحریک مدارس سے ایک اہم فائدہ یہ بھی ہوا کہ گزشتہ ڈیڑھ سو سالوں کے اندر جتنی تنظیمیں اور تحریکات اٹھیں، ان سب کو اپنے کاموں کے لائق افراد ملتے گئے، جس سے ان کو اپنے مقاصد کے حصول

میں دشواری پیش نہیں آئی۔

مختصر یہ کہ پوری دنیا میں جو اس وقت اسلامی بیداری محسوس کی جارہی ہے، اس میں تحریک دیوبند یعنی تحریک مدارس کا بڑا اہم کردار نظر آتا ہے، جس کی بنیاد آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے رکھی تھی، جو ان کی تمام تحریکات کا نچوڑ ہے، اور ابھی بھی اپنے کام میں مصروف ہے اور حضرت خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمیؒ کے بعد آپؒ کے علمی و صلبی وارثین بالخصوص حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی (دامت برکاتہم) اس کی نمائندگی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔(۱)

تحریک مدارس کے چند قابل ذکر نمائندے

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے لے کر خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ تک تقریباً ڈیڑھ سو سالہ جو دور گزرا ہے، اس کے دوران تحریک مدارس کے بہت سے نمائندے سامنے آئے اور سب نے اپنے اپنے دور میں تحریک مدارس کے پلیٹ فارم سے اپنی کارکردگی پیش کی ہے، خود ادارے قائم کر کے یا سرپرست، مہتمم، شیخ الحدیث، ناظم اعلی صدر مدرس، اور اس طرح کے دیگر عہدوں پر فائز رہ کر مدارس اسلامیہ کی نمائندگی کا فریضہ انجام دیا ہے اور بعض وہ اکابرین بھی ہیں جو قیام دارالعلوم کے زمانہ میں حضرت نانوتویؒ کے قدم سے قدم ملا کر چلتے رہے اور حضرت نانوتویؒ کو کہیں بھی تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیا اور اپنی بھرپور کارکردگی پیش کی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے ان محسنین کا بھی ذکر خیر ہو، تفصیل کا موقع تو نہیں ہے، مختصر تذکرے پیش خدمت ہیں۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تادم حیات دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی فرماتے رہے اور اس کی ترقی کے لیے اور اس کی افادیت کو عام کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے رہے، حضرت نانوتویؒ کے ہوتے ہوئے ارباب دارالعلوم کو بھی ہر طرح کا اطمینان اور سکون حاصل رہا؛ لیکن امام نانوتویؒ کی وفات سے ان کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا، اور بہت پریشان ہو گئے؛ کیوں کہ حاجی عابد حسینؒ جو کہ ابتداء سے ہی اس کے منتظم اور نگراں تھے، وہ امام نانوتویؒ والی اہم ذمہ داریوں کو ادا نہیں کر سکتے تھے، چوں کہ وہ

(۱) تفصیلات کے لیے دیکھیے: مدارس اسلامیہ اہمیت و ضرورت اور مقاصد: (مطبوعہ ہندوستان، سید احمد شہیدؒ اکیڈمی، دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی، یوپی، طبع ۱،۲۰۱۲ء) ص ۵۷ تا ۹۷) و (وہ جو بیچتے تھے دوائے دل: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (ہندوستان، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند سہارنپور یوپی، طبع دوم، ۲۰۱۵ء) ص ۴۰ تا ۴۵)

سادہ دل بزرگ تھے، دارالعلوم کے مستقبل کے بارے میں وسعت نظری کے ساتھ غور وفکر کرنا اور مالی ذمہ داریوں کو اٹھانا آسان نہیں تھا، اس لیے کسی ایسے قائدورہنماء کی ضرورت تھی، جو امام نانوتویؒ کی طرح فکری وسعت اور علمی بصیرت رکھتا ہو اور امام نانوتویؒ کی جگہ کو پر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، وہ لوگ جو دارالعلوم دیوبند سے شروع سے ہی وابستہ تھے، وہ سب جانتے تھے کہ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ آپس میں بہت زیادہ قربت رکھتے تھے، اور یک جاں دو قالب تھے، دارالعلوم کی بنیاد اور اس کی تعمیر وترقی میں حضرت گنگوہیؒ ہر موڑ پر امام نانوتویؒ کے ساتھ رہے، صلاح ومشورہ میں شریک رہے اور ہر اہم موقعوں پر موجود بھی رہے۔

لہذا اتفاق رائے سے آپؒ کو امام نانوتویؒ کی جگہ ۱۲۸۹ھ میں دارالعلوم دیوبند کا سرپرست مقرر کردیا گیا، اور اس کے چند سالوں کے بعد ہی ۹ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ میں آپ مظاہر علوم سہارنپور کے بھی سرپرست مقرر کیے گئے؛ چوں کہ اس زمانے میں امام نانوتویؒ کے بعد جو شخصیت مرکز نگاہ تھی، وہ حضرت گنگوہیؒ کی ذات بابرکات تھی۔(۱)

سید العلماء حضرت مولانا سید احمد حسن امروہویؒ

آپؒ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خاص تلامذہ میں سے تھے، آپؒ کی ولادت امروہہ کے ایک سید خاندان میں ہوئی، ابتدائی تعلیم کے بعد امام نانوتویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صحاح سمیت تمام معقولات ومنقولات امام نانوتویؒ سے ہی پڑھیں، فراغت کے بعد مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں، جب ۱۲۹۶ھ میں مرادآباد کا مدرسہ شاہی امام نانوتویؒ کے حکم سے قائم ہوا تو اس کے صدر مدرس بنائے گئے، آپؒ ایک جلیل القدر محدث تھے اور علوم قاسمیہ کے امین تھے، پوری زندگی آپ امام نانوتویؒ کے افکار ونظریات کی ترویج واشاعت کرتے رہے، اور امام نانوتویؒ کو بھی آپ سے بڑی محبت تھی اور بہت شفقت فرماتے تھے، اور ہمیشہ احتراماً ''میر صاحب'' کہہ کر پکارتے تھے۔

۱۳۰۳ھ میں مدرسہ شاہی مرادآباد سے استعفاء دے کر امروہہ تشریف لے آئے اور وہاں ایک قدیم مدرسہ، مدرسہ اسلامیہ عربیہ کی تشکیل جدید کی، اصلاً یہ مدرسہ امام نانوتویؒ کا قائم کیا ہوا تھا اور مکتب کی شکل میں تھا، جس کو آپ نے مسجد کے اندر بڑے پیمانہ پر شروع کیا، جو اب تک قائم ہے، مدرسہ امروہہ کے قیام کے بعد دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری نے آپ کو دارالعلوم بلا لیا، چند ماہ آپ نے دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد امروہہ کے ذمہ دار حضرات نے واپس بلوالیا، آپؒ نے بہت سے

(۱) تفصیلات کے لیے دیکھیے: مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حیات اور کارنامے، مولانا اسیر ادروی، سن طباعت ۱۹۹۷ء، شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند

مناظرے میں بھی شرکت کی، پوری زندگی آپ نے درس و تدریس اور اصلاح و تبلیغ میں گزاری، اور ۲۸/ربیع الاول ۱۳۳۰ھ کو وفات پائی اور جامع مسجد امروہہ کے صحن کے جنوبی حصہ میں دفن کیے گئے۔(۱)

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ

حضرت شیخ الہندؒ کو یہ شان امتیاز حاصل تھی کہ آپ دار العلوم کی بنیاد میں شامل ہیں، یعنی آپ ہی وہ پہلے طالب علم ہیں، جن کے ذریعہ سے ساقیٔ کوثر ﷺ کے اس عالمی میخانے کی بنیاد پڑی، لہذا حضرت نانوتویؒ اور آپ کے رفقائے کار کے بعد تحریک دار العلوم کے مقاصد کو آپ سے زیادہ اور کون سمجھ سکتا ہے؟ لہذا آپ نے تحریک مدارس کے دائرے کو پوری دنیا میں پھیلایا، مختلف مواقع پر، مختلف نام سے تحریک دار العلوم کے مقاصد کو کامیابی کے ساتھ اس کے انجام تک پہونچانے کے لیے آپ نے نمایاں کردار ادا کیا؛ چوں کہ آپؒ امام نانوتویؒ کے صحیح جانشین اور شاگرد تھے، امام نانوتویؒ کے دل میں تحریک دار العلوم کے تئیں جو اغراض و مقاصد پل رہے تھے، ان کو اپنی منزل تک پہونچانے کی ذمہ داری ان کے خلف پر عائد ہوتی ہے اور حضرت شیخ الہند دار العلوم دیوبند کے پہلے فرزند اور امام نانوتویؒ کے اخص شاگرد تھے، اس لیے ان کو ہمہ دم اپنی ذمہ داریوں کا استحضار رہتا تھا۔

فراغت سے پہلے ہی آپ کو ۱۲۸۸ھ میں دار العلوم کا معین مدرس طے کر دیا گیا، ابتدائی کتابوں سے تدریسی خدمات کا آغاز ہوا، پھر گزرتے وقت کے ساتھ آپ کا درس مقبول ہوتا گیا اور ترقی ہوتی گئی، ترمذی شریف، مشکوۃ شریف، ہدایہ، مسلم شریف اور بخاری شریف وغیرہ کا درس دیا اور دار العلوم میں چالیس سال تک اور کل ۴۴/سال تک آپ نے حدیث شریف کا کامیابی کے ساتھ درس دیا۔

آپؒ نے جب ترک موالات کا فتوی جاری کیا تو ہزاروں اہل علم کی حمایت حاصل ہوئی، پھر جمعیۃ علمائے ہند کے اجلاس دوم میں آپ نے اپنے صدارتی خطبہ میں اپنے اس موقف کا وضاحت کے ساتھ اظہار فرمایا، (یہ خطبہ آپ کے ضعف کی وجہ سے صدر جمعیۃ مولانا مفتی کفایت اللہؒ صاحب نے پڑھ کر سنایا تھا) جس سے متأثر ہوکر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ نے مولانا محمد علی جوہر کی کوششوں سے تحریک خلافت کی پر زور حمایت کی اور ''جامعہ ملیہ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کرنے کا عزم کرلیا، جس کے افتتاحی اجلاس میں شیخ الہندؒ نے باوجود طبیعت ناساز ہونے کے شرکت کی، صدارت فرمائی اور خطبہ دیا، اور جامعہ ملیہ کی بنیاد رکھی۔

۱۸۵۷ء میں اپنے استاذ امام نانوتویؒ کا شاملی تحصیل پر قبضہ جمانے کے باوجود نامساعد حالات

(۱) دیکھیے: اکابر علمائے دیوبند، حافظ محمد اکبر شاہ بخاری، (پاکستان، ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور، ۱۹۹۹ء) ص ۷۷ تا ۸۰) و (عکس احمد: ڈاکٹر شکیب قاسمی و مفتی محمد نوشاد نوری قاسمی، (ہندوستان، حجۃ الاسلام اکیڈمی دار العلوم وقف دیوبند، مئی ۲۰۱۴ء) ص ۶۱ و ۶۲)

کی وجہ سے آگے نہ بڑھ پانا، پھر کامیابی کی تلاش میں افراد سازی کے لیے دارالعلوم کا قائم کرنا، اور زہے قسمت خود شیخ الہند کے ذریعہ ہی اس تحریک یعنی تحریک مدارس کا آغاز ہونا، یہ ساری چیزیں حضرت شیخ الہند کے دل و دماغ میں گھر کر چکی تھیں، اس لیے اپنے استاذ کی آغاز کردہ اس تحریک کو کامیابی تک پہونچانے کے لیے ملکوں ملکوں خاک چھانتے پھرے اور واپسی پر بھی چین سے نہیں بیٹھے اور تحریک خلافت کی پوری قوت کے ساتھ حمایت کی، جامعہ ملیہ کا پلیٹ فارم تیار کیا، یہ ساری چیزیں اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ حضرت شیخ الہندؒ تحریک دارالعلوم کو کامیاب دیکھنا چاہتے تھے، اسی لیے اخیر تک جان جی لگا کر نمائندگی فرماتے رہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

آپؒ دارالعلوم دیوبند کے اولین صدر المدرسین حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نانوتوی کے بھانجے تھے، صفر ۱۲۶۹ھ میں اپنے ننہالی قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد دارالعلوم دیوبند کے بارے میں معلوم ہوا کہ قصبہ دیوبند میں ایک مدرسہ قائم ہوا ہے، جس کے صدر مدرس میرے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ہیں، تو والدین سے اجازت لی اور دیوبند تشریف لے آئے، مولانا محمد یعقوب صاحب نے ان کو کافیہ کی جماعت میں شامل کر دیا، قیام دارالعلوم کے چھ مہینے بعد سہارنپور شہر میں مدرسہ مظاہر علوم کا افتتاح ہوا اور مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ وہاں کے صدر مدرس مقرر ہوئے، تو آپ نے دارالعلوم دیوبند چھوڑ کر مظاہر علوم سہارنپور جانے کا فیصلہ کر لیا، اور سہارنپور آ کر حدیث و تفسیر اور فقہ کی اکثر کتابیں مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ سے پڑھیں اور دیگر مضامین مظاہر علوم کے دیگر اساتذۂ کرام سے، اور ۱۲۸۸ھ میں انیس سال کی عمر میں درس نظامی سے آپ کی فراغت ہوئی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کو اللہ تعالیٰ نے تمام علوم عقلیہ و نقلیہ میں مہارت تامہ عطا کیا تھا؛ لیکن طبیعت میں حدیث اور فقہ سے جو مناسبت تھی اور جو انس تھا، وہ بے نظیر تھا، اسی لیے فراغت کے متصلاً بعد ہی آپ کو مظاہر علوم میں معین مدرس مقرر کر دیا گیا تھا، لیکن آپ کے ماموں مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے آپ کو دس روپئے ماہانہ پر قاموس کا ترجمہ کرنے کے لیے مقرر کر دیا، پھر چند ہی ماہ بعد آپ وہاں سے بحیثیت صدر مدرس منگلور کے عربی مدرسہ میں تشریف لے گئے، اس کے بعد بھوپال، بہاولپور، بریلی اور دارالعلوم دیوبند میں بھی آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں، اخیر میں جب آپ کی عمر ۴۵؍سال کی تھی تو ۱۳۴۴ھ میں ۴۰؍روپئے ماہانہ پر بحیثیت صدر مدرس مظاہر علوم سہارنپور تشریف لائے، یہاں پر آپ نے استاذ محترم مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ کے لگائے ہوئے باغ کو تمام تر رکاوٹوں کے باوجود سینچا، جس کی گواہی کے لیے مظاہر علوم کی روز افزوں ترقیات کافی ہیں۔

مختصر یہ کہ آپ نے اپنی زندگی میں مختلف مدارس میں رہ کر خدمات انجام دیں اور ہمیشہ کسی نہ کسی مدرسہ سے ضرور وابستہ رہے، اور تشنگان علوم نبوت کی پیاس بجھاتے رہے، آپ کے تلامذہ اور خلفاء میں علم و فضل کی بڑی بڑی ہستیاں ہیں، جن سے اللہ نے بعد میں بہت سے کام لیے، اس طرح افراد تیار کر کے زندگی بھر حضرت نانوتویؒ کی تحریک کو تقویت پہونچاتے رہے، آپ وقت کے جلیل القدر محدث، فقیہ اور شیخ کامل تھے، ۱۵؍ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو بعد نماز عصر آپ کا وصال ہوا اور قبہ اہل بیت کے متصل دفن کیے گئے۔(۱)

خاتم المحدثین حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

آپؒ ۲۷؍شوال المکرم ۱۲۹۲ء میں بروز شنبہ بوقت صبح اپنی ننہال دودھواں علاقہ لولاب کشمیر میں پیدا ہوئے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے جاملتا ہے، آپ کے والد حضرت مولانا محمد معظم شاہؒ بڑے جید عالم دین، متقی، پرہیزگار، اور کشمیر کے نہایت مشہور خاندانی پیرومرشد تھے، تقریباً چار پانچ سال کی عمر میں آپ نے اپنے والد ماجد سے قرآن پاک شروع کیا اور چھ برس کی عمر تک قرآن پاک مکمل کر کے فارسی کے متعدد رسائل بھی مکمل کر لیے، اس کے بعد مولانا غلام محمد صاحبؒ سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی اور ۱۳، ۱۴؍سال کی عمر میں ہزارہ و سرحدی علاقہ کا رخ کیا؛ لیکن جب وہاں بھی علمی تشنگی بجھتی ہوئی نظر نہ آئی، تو ہندوستان کے مرکز علوم دینیہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کی شہرت سن کر ۱۳۰۷ھ میں ہزارہ سے دیوبند آ گئے، چار سال دیوبند میں رہ کر مشاہیر علماء شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ وغیرہم سے آپ نے استفادہ کیا اور ۱۳۱۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل ہوئی، دیوبند سے فراغت کے بعد آپؒ حضرت گنگوہیؒ کے پاس گنگوہ حاضر ہوئے اور وہاں سے سند حدیث کے علاوہ فیوض باطنی بھی حاصل کی اور دہلی تشریف لے گئے، اور تین چار سالوں تک دہلی میں مدرسہ امینیہ کے مدرس اول رہے، اس کے بعد بعض مجبوریوں کی وجہ سے کشمیر واپس تشریف لے گئے، ۱۳۲۳ھ میں زیارت حرمین کا شرف حاصل ہوا، وہاں سے واپسی کے بعد کشمیر کے ایک مشہور مقام پر مدرسہ فیض عام کی بنیاد ڈالی اور تقریبا تین سال تک مدرسہ فیض عام میں تشنگان علوم دینیہ کی پیاس بجھاتے رہے، اسی دوران دارالعلوم دیوبند کے ایک جلسۂ دستار میں آپ کو مدعو کیا گیا، آپ تشریف لائے اور آپ کو مدرس طے کر دیا گیا، اس کے بعد آپ بغیر تنخواہ ہی کے ایک لمبے عرصے تک دارالعلوم دیوبند میں حدیث کا درس دیتے رہے، اسی دوران حضرت شیخ الہندؒ نے سفر حجاز کا قصد کیا، تو ان کے جانے کے بعد علامہ کشمیریؒ نے صدر مدرس کی حیثیت سے مدت دراز تک دارالعلوم دیوبند میں اپنا فیض جاری رکھا اور ۱۳۵۲ھ میں تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں دیوبند ہی میں انتقال ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۱) دیکھیے: اکابر علمائے دیوبند، حافظ محمد اکبر شاہ بخاری، ص ۴۵ تا ۵۲

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

آپؒ کی ولادت باسعادت ۱۹ر شوال ۱۲۹۶ھ میں ہوئی، اس زمانہ میں آپ کے والد سید حبیب اللہ صاحبؒ بانگرمؤ میں مدرس تھے، آپ حسینی سید ہیں، آپ کی تعلیم کا آغاز والد ماجد کی زیرِنگرانی ہوا، آپ نے اپنی والدہ ماجدہ سے قرآن پاک کے پانچ پارے پڑھے اور بقیہ والد ماجد سے، جب آپ کی عمر تیرہ سال کی ہوئی تو ۱۳۰۹ھ میں آپ دیوبند تشریف لائے اور اپنے مشفق استاذ حضرت شیخ الہندؒ اور اپنے بڑے بھائی مولانا صدیق احمد صاحبؒ کی نگرانی میں دارالعلوم میں تعلیم شروع کی، باوجودیکہ حضرت شیخ الہندؒ دورۂ حدیث میں بڑی کتابیں پڑھاتے تھے، آپ کو ابتدائی کتابیں خود ہی پڑھاتے تھے اور خاص توجہ فرماتے تھے، لہذا آپ نے ۱۷ ارفنون پر مشتمل درس نظامی کی ۶۷ ر کتابیں ساڑھے چھ سال میں مکمل کرلیں اور علوم نبوت کے نیر تاباں بن کر دارالعلوم کے بام و در کو منور کرنے لگے۔

۱۳۱۶ھ میں آپ کے والد ماجد نے ہجرت کا ارادہ کیا اور آپ بھی اپنے والدین کے ساتھ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوگئے، جب آپ مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہورہے تھے، تب آپ کے استاذ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا تھا کہ ''پڑھانا ہرگز نہ چھوڑنا، چاہے ایک دو ہی طالب علم ہوں''، چناں چہ آپ اپنے استاد کی بات پر تادم حیات کاربند رہے، اور اخیر تک پڑھاتے رہے۔

وہاں مسلسل حرم نبوی ﷺ میں درس حدیث دیتے رہے اور عرصۂ دراز کے بعد ہندوستان جب واپس ہوئے تو حضرت شیخ الہندؒ کے حلقۂ درس میں حاضر ہوئے اور دارالعلوم کی شوریٰ اور ارباب اہتمام نے آپ کو معقول تنخواہ پر دارالعلوم دیوبند میں استاد متعین کرلیا، اس کے بعد ۱۳۲۹ھ میں آپ پھر مدینہ تشریف لے گئے اور مالٹا کے زمانۂ اسیری تک درس دیتے رہے، مالٹا سے واپسی کے بعد آپ نے کچھ دنوں تک جامع مسجد امروہہ میں بھی درس دیا، پھر حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو اپنی خدمت میں بلالیا، اس کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد نے مدرسہ عالیہ میں صدر مدرسی کے لیے حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں درخواست ارسال کی تو پھر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت شیخ الہندؒ کے حکم سے کلکتہ مدرسہ عالیہ تشریف لے گئے۔

اس دوران اور بھی کئی جگہوں سے وابستہ رہے؛ لیکن آخر میں سلہٹ کے جامعہ اسلامیہ میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز رہتے ہوئے آخری دم تک حدیث شریف کا درس دیتے رہے، ۱۳۷۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے، وفات سے پہلے ۳۱ سالہ زمانۂ تدریس میں ہزاروں افراد مستفید ہوتے رہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی پیدائش محرم الحرام ۱۳۱۵ھ میں قصبہ دیوبند میں ہوئی، آپ علم وکمال، فہم وفراست، حکمت وبصیرت اور اعمال واخلاق کے پیکر تھے، آپؒ مسلک دیوبند کے ترجمان، علوم نانوتوی کے شارح اور تحریک دیوبند کے کامیاب نمائندہ تھے۔

آپ نے تقریباً ساٹھ سالوں تک اپنے جد محترم حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے چمن کی آبیاری کی، اور دارالعلوم دیوبند کو عالمی ادارہ بنانے میں اور عالمی شہرت دلانے میں جو کردار ادا کیا ہے تاریخ دوبارہ اس کی مثال نہیں لاسکتی، اسی لیے آپ کو دارالعلوم کا معمار ثانی بھی کہا جاتا ہے، آپ نے دارالعلوم کو بلندی کے جس مقام پر پہونچایا، بعد والے اگر اس کی حفاظت ہی کرلیں تو کافی ہے، آپ نے اپنی پوری زندگی فکر دیوبند کی ترویج و اشاعت میں گزار دی اور اپنے جد امجد سے ملی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

حقیقت ہے کہ آج دارالعلوم دیوبند کو جو مرکزیت حاصل ہے، وہ امام نانوتویؒ کے گھر اور افراد خانہ کی رہین منت ہے، اور اس میں سب سے زیادہ اہم کردار حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ کا ہے۔

’’آپ نے اپنی تمام تر خداداد صلاحیتوں کو دین مبین کی اشاعت، اساطین امت کے تعارف، مسلک دیوبند کی ترجمانی اور علمائے دیوبند کی تشریح وتفہیم میں صرف کیا اور جس وقت جس صلاحیت کو جس میدان میں آزمانے کی ضرورت پیش آئی، اخلاص وللّٰہیت اور حسن نیت کے ساتھ میدان میں اترے اور سرفرازی کے ساتھ لوٹے۔ (**ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم**)

مسلک دیوبند کے تعارف اور علمائے دیوبند کے دینی موقف ومزاج کی وضاحت سے حکیم الاسلامؒ کی کوئی تقریب، کوئی تحریک اور کوئی گفتگو خالی نہیں رہی، مواعظ اور تصانیف میں ہر جگہ کہیں راستوں پر اور کہیں ضمناً مسلک دیوبند اور علماء دیوبند کا بھر پور تعارف کرایا‘‘۔(۱)

۱۷؍جولائی ۱۹۸۳ء کو خاندان قاسمی کا یہ آفتاب جو تادم حیات علوم نبوت کی ضیاء بار کرنوں سے اس خاکدان گیتی کو نچھاور کرتا رہا ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اپنی بے پایاں خدمات سے اصلاح وتجدید کی تاریخ میں ممتاز مقام حاصل کرلیا تھا، اپنی منفرد خصوصیات اور امتیازی کمالات کی وجہ سے پورے عالم اسلام میں

(۱) حیات طیب، غلام نبی قاسمی ومولانا ڈاکٹر شکیب قاسمی، (دیوبند، حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند، طبع ۲۰۱۴ء) جلد ا، ص ۳۱۷

جو محبوبیت ملی تھی، وہ اللہ کا خاص کرم تھا، حضرت کی اصلاحی و دعوتی سرگرمیوں اور تجدیدی کارناموں کا سلسلہ زمانی اعتبار سے بیسویں صدی کے بڑے حصے پر پھیلا ہوا ہے، تو دوسری جانب اس کا مکانی رقبہ عالم اسلام کے اکثر حصوں پر محیط ہے۔

آپ ایک عظیم علمی و دینی شخصیت تھے، آپ کی تعلیم و تربیت اور شخصیت کی تشکیل کے لیے اللہ تعالی نے ایسے حالات اور اسباب میسر فرمائے، جن سے آپ کی یہ شخصیت بنی، پھر شخصیت کی تشکیل خاص اور بھرپور صلاحیت ملنے کے بعد حضرت نے اپنی پوری زندگی دینی تعلیم کو زیادہ سے زیادہ مؤثر اور سودمند بنانے اور فکر اسلامی کو تقویت دینے اور اس کی نشر و اشاعت میں صرف کی، آپ نے ہمیشہ اپنے آپ کو مسلمانوں کے آپسی اختلاف اور گروہ بندی سے بلند رکھا، صحیح العقیدہ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں سے یکساں طور پر ایسا خیر خواہانہ تعلق رکھا، جس میں ایک طرف تواضع اور انکساری تھی، تو دوسری طرف حوصلہ مندی اور جرأت و حکمت کے ساتھ حق بات کہنے کا سلیقہ، چناں چہ آپ نے مختلف موقعوں پر امت کے اہم مسئلوں کے سلسلہ میں جاہ و سلطنت کے ذمہ داروں سے بڑی جرأت و بے باکی اور حوصلہ مندی سے بات کی۔

حضرتؒ کا سب سے بڑا تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ کا نہایت سنجیدہ مطالعہ کیا اور سادہ دل مشرق اور شاطر و ہوشیار مغرب کی کشاکش کو دیکھا، پرکھا، اور زمانے کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا، مغرب کی فکری، تہذیبی، اور تمدنی یلغار کا پورا عالم اسلام شکار تھا، اور جزیرۃ العرب بھی اس کے حملوں سے چور تھا، اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ کوئی ہوتا جو کھل کر اس کی خامیوں کی نشاندہی کرتا۔

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی صاحب نے لکھا ہے کہ ''حضرت نے عالم اسلام کے مختلف ملکوں کے حالات کا جائزہ لیا، اور عالمی سطح پر اپنی پرزور تحریروں سے ایک ایک ملک کے مسلمانوں کو مخاطب فرمایا، ان ممالک کی خصوصیات کا اعتراف بھی فرمایا، اس کے ساتھ مغربی تہذیب کے جو مضر اور دین دشمن اثرات وہاں پڑ رہے تھے، پوری قوت و جرأت کے ساتھ ان کی نشاندہی فرمائی، اور ان کو ان ہی کی زبان میں ان کی نفسیات کو سامنے رکھ کر خطاب کیا، ان کے دھڑکتے ہوئے دلوں پر دستک دی، اور ان کی خودی کو للکارا، اور ان خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی سعی کی جو اس تہذیب کے ظاہری شکوہ و سطوت میں دب کر رہ گئی تھیں، حضرت کی آواز ان حالات میں اگرچہ نامانوس تھی؛ لیکن یہ ان کے دل کی آواز اور ضمیر کی للکار تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی ملکوں میں خاص طور سے عرب ممالک میں جو مغرب کے دست نگر بنے ہوئے تھے، اس کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا، اور ہر طبقہ نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا، یہ ان میں اسلامی بیداری کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، لوگوں کا طرز فکر بدلنے لگا، مغربی تہذیب کے بادل چھٹنے لگے، اور اہل مغرب کو محسوس

ہونے لگا کہ اگر اس فکر کو آزاد چھوڑ دیا گیا، تو یہ مغربی تہذیب کے لیے خطرہ بن سکتی ہے، اسی لیے برطانیہ کے بعض ماہرین فکر اور ماہرین تعلیم نے وہاں حضرتؒ کی بعض کتابوں پر پابندی کا مطالبہ بھی کیا۔"(۱)

مختصر یہ کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی کوششوں اور آپ کے کارناموں کی وجہ سے عالم اسلام میں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑ پڑی، مادیت سے اٹے ہوئے اسلام کے چہرے سے پردہ ہٹا اور اسلامی انقلابی طاقتوں سے لوگوں کے دل گرمانے لگے، اور پوری دنیا پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ مسلمان بھی ایک مؤثر عامل کی حیثیت رکھتے ہیں اور دنیا کی ترقی مسلمانوں کی ترقی سے وابستہ ہے، اگر اسلامی اخلاق و عادات اور تعلیمات فراموش کردی گئیں تو یہ دنیا اخلاقی انارکی اور انسانی قدروں کی پامالی میں اس حد تک پہونچ جائے گی کہ واپسی ناممکن ہوجائے گی۔

بہر! حال پوری زندگی حضرتؒ اقبال رفتہ کی بازیابی، اصلاح وتجدید اور مسلمانوں کی خودی کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے رہے، قوم وملت کے لیے تڑپتے رہے اور اللہ کو جا ملے۔

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا شمار ان کبار علماء میں ہوتا ہے، جنہوں نے اپنی پوری زندگی علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت، امت کی ہدایت ورہنمائی اور ان کے عقائد واعمال کی درستگی میں صرف کی، وہ ایک بے مثال مفسر قرآن، مدبر باکمال، فقیہ بےنظیر اور ایک محقق ہونے کے ساتھ ساتھ تصوف وسلوک کے امام اور شیخ کامل تھے، آپ پیش رو اسلاف کی یادگار تھے، اور پوری زندگی آپ کی مشعل راہ تھی۔

آپ کی ولادت قصبہ دیوبند میں ۲۱ رشعبان المعظم ۱۳۱۴ھ میں ہوئی، آپ کا نسب حضرت عثمان غنیؓ سے ملتا ہے، آپ کے والد ماجد مولانا محمد یٰسین صاحب دیوبندیؒ ایک جید عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے، آپ نے ایک دینی ماحول میں آنکھیں کھولیں، اور ابتداء ہی سے بزرگوں کی صحبت ملی، پانچ سال کی عمر میں حافظ محمد عظیم صاحب کے پاس دارالعلوم دیوبند میں قرآن کی تعلیم شروع کی، فارسی کی تمام مروجہ کتابیں دارالعلوم ہی میں والد ماجد سے پڑھیں، اور سولہ سال کی عمر میں درجہ عربی میں دارالعلوم کے اندر داخل ہوئے، اور ۱۳۳۵ھ میں فراغت ہوگئی۔

فراغت کے بعد حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے آپ کو ابتدائی کتابوں کی تدریس کے لیے استاد مقرر کرلیا، اس کے بعد جلد ہی عربی کتابوں کی تدریس شروع ہوئی اور ترقی کرتے ہوئے دورۂ حدیث

(۱) سوانح مفکر اسلام: مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی، (ہندوستان، سید احمد شہید اکیڈمی، دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی، یوپی، طبع سوم ۱۴۳۵ھ) ص ۳۹

تک پہونچ گئے، دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا یہ سلسلہ ۱۳۶۲ھ تک جاری رہا۔

دارالعلوم میں تدریس کے دوران مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانیؒ نے فتاوی نویسی کے سلسلہ میں آپ سے کام لینا شروع کیا، وہ جوابات لکھتے اور آپ سے لکھاتے اور تصدیق کر کے روانہ کر دیتے، لیکن ۱۳۴۴ھ میں مولانا عزیز الرحمٰن عثمانیؒ نے استعفاء دے دیا، تین چار سالوں تک ارباب دارالعلوم نے کسی طرح کام چلایا، پھر اس کے بعد ۱۳۴۹ھ میں فتاوی کی مکمل ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی، اور قیام پاکستان تک اس نازک ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔

ہند و پاک دونوں ملکوں میں قیام کے دوران مفتی صاحب نے بے شمار کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں؛ لیکن ان کارناموں میں ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ ۱۳۷۰ھ میں کراچی میں نہایت بے سروسامانی کے عالم میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی، جو چند ہی ماہ کے بعد ایک دارالعلوم کی شکل اختیار کر گیا، جس میں تقریباً دو ہزار سے زائد طلبہ علم حاصل کرتے تھے، پورے ملک میں جس کی شاخیں موجود تھیں، آپ کا قائم کیا ہوا یہ دارالعلوم، پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کا پرتو اور اس کے افکار ونظریات کا سب سے بڑا داعی ہے۔

بہر حال! مفتی صاحب پوری زندگی خدمت اسلام و مسلمین میں مصروف رہے، صلاح واصلاح، فقہ وفتاوی، درس وتدریس میں تادم حیات منہمک رہے، اتنے بڑے عالم دین اور مفتیٔ اعظم ہونے کے باوجود بڑے منکسر المزاج اور خوش اخلاق تھے، ہر کسی سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے، نہایت عمدہ اور صاف ستھرا لباس زیب تن فرماتے، تحریر وتقریر میں مہارت تامہ حاصل تھی، اور حافظہ بڑا غضب کا تھا، ۹/۱۰ شوال المکرّم کی درمیانی شب میں ۱۳۹۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (۱)

امیر شریعت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانیؒ

امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانیؒ ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے، آپ کی پوری زندگی تحفظ شریعت سے عبارت تھی، آپ کے اعمال وافعال اور سیرت وکردار کے تمام پہلوؤں پر تحفظ شریعت کا رنگ غالب نظر آتا ہے، انہوں نے اپنی تحریر سے، تقریر سے، اور اپنے ہر عمل سے یہی دعوت دی ہے۔

امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ کی ہمہ گیر شخصیت کو پروان چڑھانے میں والد ماجد حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء کا اہم کردار رہا ہے، والد ماجد کی تربیت اور توجہات نے گویا مستحکم بنیاد کا کام کیا ہے، اسی کی کرشمہ سازی تھی کہ حضرت امیر شریعت رابع نے اسلامیان ہند کی ملک گیر سطح پر

(۱) دیکھئے: اکابر علمائے دیوبند، حافظ محمد اکبر شاہ بخاری، ص ۲۰۸ تا ۲۱۴

ہر میدان میں رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے، اور مختلف پلیٹ فارم سے وابستہ رہ کر امت کی دست گیری کی ہے، امارت شرعیہ، مسلم پرسنل لاء بورڈ، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ اور اس کے علاوہ متعدد اداروں سے آپ کی وابستگی رہی اور سب کو آپ نے مؤثر بنانے میں اپنا بھرپور کردار نبھایا، اور سب کچھ دے کر بھی کبھی کچھ نہ مانگا؛ یہاں تک کہ امارت شرعیہ کے بیت المال سے آپ نے کبھی کوئی رقم نہیں لی؛ حتی کہ اخراجات سفر وغیرہ بھی آپ نے نہیں لیے، اور جب دفتر تشریف لاتے تو سب سے پہلے بیت المال کے محاسب سے اپنا حساب طلب فرماتے۔

حضرتؒ تادم حیات امت کی رہنمائی فرماتے رہے، اور تحفظ شریعت کے لیے مسلسل آپ کی قربانیوں کا سلسلہ جاری رہا، ۱۹۳۲ء میں حضرت مدنیؒ کی سرپرستی میں ان کی تحریک کے پلیٹ فارم سے حضرت امیر شریعت سرگرم عمل تھے، جس کے نتیجہ میں جیل جانا پڑا، جب حضرت مدنیؒ دیگر رفقاء کے ساتھ ملاقات کے لیے سہارنپور جیل گئے تو آپ نے ساری سہولیات کو مسترد کر دیا اور صرف ایک مطالبہ کیا کہ میرے اور میرے ساتھیوں کے پینٹ میں اتنے کپڑے جوڑ دیے جائیں، جن سے گھٹنے ڈھک جائیں، کیوں کہ نمازیں کھلے گھٹنوں کے ساتھ ادا ہو رہی ہیں، یہ تھا تحفظ شریعت کے باب میں بنیادی کارنامہ اور جذبۂ خالص، جس کی برکت کا آج ہم کھلے آنکھوں مشاہدہ کر رہے ہیں۔

صوبہ بہار میں ۱۹۳۶ء میں آپ مسلم انڈیپنڈنٹ پارٹی کی جانب سے الیکشن میں کھڑے ہوئے اور آپ کو جیت حاصل ہوئی، اس کے بعد ۱۹۳۸ء میں جب زرعی انکم ٹیکس، اوقاف ٹیکس نافذ کرنے کا مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے ہمت وجرأت اور حوصلہ مندی وبے باکی کے ساتھ اس کی مخالفت کی اور اس بات پر زور دیا کہ اوقاف کو ٹیکس کے تحت نہ لایا جائے، اور ایسا ہی ہوا۔

۱۹۴۳ء میں آپ نے جامعہ رحمانی مونگیر کا احیاء فرمایا؛ چوں کہ جامعہ رحمانی ابتدائی چند سالوں کے بعد بند ہو گیا تھا، اس طرح سے آپ نے رجال کار کی تخلیق اور اس کی فراہمی کا شاندار انتظام فرمایا، اس طرح سے مختلف عنوان سے حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے تحفظ شریعت کا فریضہ انجام دیا ہے، اور ۱۹؍مارچ ۱۹۹۱ء میں آپ وفات پا گئے اور امت اسلامیہ ہندیہ آپ کی رہنمائی سے محروم ہو گئی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ

حضرت شیخ الحدیثؒ کی ولادت باسعادت رمضان ۱۳۱۵ھ میں کاندھلہ میں ہوئی، اس زمانے میں شریف خاندانوں میں یہ رواج تھا کہ چار پانچ سال کی عمر میں بچہ پڑھنے کے لیے بیٹھا دیا جاتا تھا؛ لیکن سات سال کی عمر تک شیخ کی تسمیہ خوانی بھی نہیں ہوئی تھی، پھر جلد ہی وہ دن آیا اور گنگوہ کے زمانہ قیام میں ایک ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب جو مظفرنگر کے تھے، گنگوہ میں حضرت گنگوہیؒ کی خدمت کے غرض سے مقیم تھے، مولانا یحییٰ

صاحب نے بچہ کو انہیں کے پاس پڑھنے کے لیے بیٹھایا اور شیخؒ نے قاعدہ انہیں سے پڑھا، ۱۳۲۸ھ تک گنگوہ میں قیام رہا، اس عرصہ میں اردو دینی رسائل، بہشتی زیور وغیرہ اور فارسی کی ابتدائی کتابیں وہیں رہ کر پڑھیں اور زیادہ تر کتابیں مشفق چچا مولانا محمد الیاسؒ صاحب سے ہی پڑھیں، عربی تعلیم کا باقاعدہ آغاز ۱۳۲۸ھ میں سہارنپور آنے کے بعد ہوا، اور ۱۳۳۳ھ میں دورۂ حدیث کی ابتداء ہوئی، اور اسی سال حضرت سہارنپوریؒ طویل قیام کی غرض حجاز کا قصد کیا، تو شیخ نے بقیہ صحاح اپنے والد ماجد سے پڑھنا شروع کیا؛ لیکن حضرت سہارنپوریؒ نے حجاز سے واپسی کے بعد حکم دیا کہ بخاری وترمذی مجھ سے دوبارہ پڑھنی ہے، الغرض یکم محرم ۱۳۳۵ھ کو مظاہرعلوم میں پندرہ روپئے تنخواہ پر تدریس کے لیے حضرت شیخ الحدیث کی تقرری ہوئی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کو مدارس دینیہ سے کافی گہرا لگاؤ تھا، شیخؒ کی تربیت ان بزرگوں کے زیرسایہ ہوئی تھی، جو مدارس دینیہ کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتے تھے، پھر انہوں نے مظاہرعلوم کا وہ قیمتی دور دیکھا تھا، جس میں منتظمین مدرسہ واساتذہ اخلاص وللّٰہیت، ایثار وقربانی اور زہد وتقوی کے اعلی معیار پر فائز تھے اور طلبہ میں بھی طلب صادق، تعلیم میں انہماک، یکسوئی اور جانفشانی کے ساتھ ساتھ اپنے اساتذہ سے محبت وعقیدت کے بے نظیر نمونے تھے، اس لیے مدارس دینیہ شیخؒ کی فکر وتوجہ کا مرکز، آپ کے تخیلات وتوقعات کا مسکن اور روح کا نشیمن بن گئے تھے، اس لیے وہ مدارس کو علوم دینیہ کے تحفظ، مسلمانوں کی صحیح رہنمائی اور فساد عقیدہ وعمل سے ان کو بچانے کا واحد ذریعہ سمجھتے تھے، اسی لیے وہ تمام مدارس جو صحیح مسلک پر قائم رہتے ہوئے اپنے فرائض کی انجام دہی میں مشغول رہتے، ان سے آپ کو گہرا قلبی تعلق تھا، بالخصوص دیوبند اور مظاہرعلوم سے بہت ہی زیادہ محبت تھی۔

اخیر عمر میں جب دارالعلوم دیوبند کا اختلاف رونما ہوا، تو حضرت کے دل پر اس کا کافی گہرا اثر تھا اور اسی بوجھ کو دل میں لیے اس دنیا سے رخصت ہوگئے، اسی اختلاف سے گراں بار ہوکر ایک موقع پر حضرت شیخ الحدیثؒ خود تحریر فرماتے ہیں کہ:

"دیوبند وسہارنپور کا ہر وقت فکر ہے کہ میرے بڑوں کے دو باغ ہیں، کتنے صلاح وفلاح سے اکابر نے لگایا تھا، اور ہم ناخلفوں نے کس طرح اس کو برباد کرنا شروع کردیا"۔(۱)

اللہ تبارک وتعالی نے ۲؍شعبان ۱۴۰۲ھ کا وقت متعین فرما رکھا تھا، مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی اور جنت البقیع میں تدفین ہوئی۔

---

(۱) سوانح شیخ مؤلفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (ہندوستان، مکتبۂ اسلام، ۳۷، گوئن روڈ لکھنؤ، طبع سوم جون ۲۰۰۳ء) ص ۲۲۸) بحوالہ مکتوب مؤرخہ ۱۶؍رمضان ۱۴۰۰ھ)

فصل ثالث

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ عصر حاضر میں تحریک مدارس کا ایک عظیم نمائندہ

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ اپنے جد امجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم ومعارف کے امین، فخر الاسلام حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے وارث حقیقی اور اپنے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحبؒ کے صحیح جانشین تھے، آپ کی ولادت باسعادت ۲۲؍ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ میں قصبہ دیوبند میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مختلف اساتذۂ کرام سے حاصل کی اور اس کے بعد مکمل تعلیم کی تحصیل دارالعلوم دیوبند میں کی، ۱۳۶۷ھ میں دارالعلوم سے آپ کی فراغت ہوئی اور متصلاً دارالعلوم میں بحیثیت مدرس آپ کی تقرری ہوگئی، مختلف میدانوں میں آپ نے امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا ہے؛ لیکن آپ کا عظیم ترین کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے عمر بھر تحریک دیوبند یعنی تحریک مدارس کی کامیاب نمائندگی کی، جامعہ دینیات کا قیام، تاج المعارف کی سرپرستی، دارالعلوم وقف دیوبند کی تاسیس، اور اس کے علاوہ مختلف مدارس اور سرگرم اداروں سے آپ کی وابستگی، یہ ساری چیزیں اس بات کا واضح اور بین ثبوت ہیں کہ امام نانوتویؒ سے چلی ہوئی تحریک مدارس سالہا سال جب سفر کرکے آپ کے پاس پہونچی تو آپ نے اس کی نمائندگی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

تحریک مدارس کی کامیاب نمائندگی

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اپنے پیش رو تمام مصلحین امت کے حقیقی نمونہ تھے، بالخصوص خاندان ولی اللہی کے بزرگوں سے آپ کو کچھ زیادہ ہی ذہنی وفکری مناسبت تھی اور والہانہ عقیدت بھی رکھتے تھے، نیز حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی زندگی، آپ کے سیرت وکردار، طریقہ کار، اتباع سنت اور تحریکات میں حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کا بھی کافی گہرا اثر نظر آتا ہے۔(۱)

حضرت نانوتویؒ سے پہلے امت کی اصلاح کے لیے جتنی تحریکیں چلائیں گئیں، ان تحریکوں میں بعض کامیاب بھی ہوئیں اور بعض کامیابی کی منزل تک پہونچنے سے پہلے ہی اپنے رہنما سے محروم ہوگئیں، حضرت نانوتویؒ نے ان تمام تحریکوں کو زندہ اور تازہ دم رکھنے کا بیڑا اپنے سر لیا، اور پیش رو مصلحین امت کی تحریکات کا احیاء فرمایا، اور خود آپ نے بھی امت کے عقائد واعمال کی اصلاح اور بدعات وخرافات کے خاتمہ کے لیے کئی کامیاب تحریکیں چلائیں، ’’تحریک اصلاح معاشرہ، تحریک عقد بیوگان، تحریک وراثت

(۱) تفصیلات کے لیے دیکھیے: قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ احوال وآثار وباقیات ومتعلقات، مرتبہ نورالحسن راشد کاندھلوی

بنات، تحریک احیائے سنت، اور تحریک مدارس'' سمیت مختلف تحریکات کی شکل میں آپ نے مسلم معاشرہ کی داخلی و خارجی اصلاحات کے باب میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، جو تاریخ کے صفحات میں آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔

خلاصہ یہ کہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی کوششوں کے نتیجہ میں جو ایک تحریک اٹھی تھی اور ایک قافلہ برپا ہوا تھا، جس کے مقاصد میں تنوع تھا، اصلاح وتجدید، احیائے سنت، تزکیۂ نفوس اور اصلاح باطن جیسے اہم عنوانات شامل تھے، وہ رواں دواں رہا اور ہر دور میں اسے عظیم رہنماؤں کی رہنائی ملتی رہی، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بعد، کبھی شاہ عبدالعزیزؒ، اور کبھی حضرات سیدین شہیدینؒ، اور کبھی مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ اور مولانا مملوک علی نانوتویؒ؛ لیکن اس طرح سے عہد درعہد سفر کرتا ہوا اصلاح وتجدید کا وہ قافلہ، افکار و نظریات کا وہ مجموعہ، اور علم وعمل کا وہ کہکشاں جب حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ تک پہنچا تو وہ اپنے رہنماؤں سے محروم ہو چکا تھا؛ بلکہ یوں کہیے کہ اصلاح وتجدید کی وہ کشتی بدعات وخرافات کے شور انگیز تموج کا تاب نہ لا کر شکست کا شکار ہو رہی تھی، تو امام نانوتویؒ نے اسے سنبھالا دیا، اور ایک حوصلہ مند ملاح کی طرح اسے ساحل سے ہمکنار کیا، اتنا ہی نہیں؛ بلکہ اپنے بعد کے لیے قصبہ دیوبند میں اس کشتی کے ملاحوں کی تخلیق کا ایک مرکزی سینٹر قائم فرمایا، جسے دنیا مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے نام سے جانتی ہے، جو تا حال رجال کار کی تخلیق میں مصروف عمل ہے، اور یہی آپ کی تمام تحریکات کا نچوڑ بھی ہے، جس کے تربیت یافتگان دنیا کے مختلف خطوں میں پھیل کر حضرت نانوتویؒ کے افکار وخیالات کی ترویج واشاعت میں کما حقہ لگے ہوئے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ مخلصین علمی وصلبی ورثاء کی اتنی بڑی بے لوث جماعت سے شاید ہی اللہ تبارک وتعالی نے کسی کو نوازا ہو؛ لیکن امام نانوتویؒ کو اللہ تبارک وتعالی نے اس عظیم نعمت سے سرفراز فرمایا تھا، اور یہی وہ عظیم نعمت ہے، جس کی وجہ سے امام نانوتویؒ آج بھی ہمارے درمیان اپنے افکار ونظریات اور اپنی تحریکات کی شکل میں زندہ ہیں، اس لیے ہم بڑی قوت کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ جو تحریکات حضرت نانوتویؒ لے کر اٹھے تھے، وہ اب تک زندہ ہیں، مردہ نہیں ہوئی ہیں، حضرت نانوتویؒ آج بھی زندہ ہیں، ان کے افکار ونظریات زندہ ہیں، وہ اپنی خدمات کی شکل میں زندہ ہیں، دارالعلوم دیوبند کی شکل میں زندہ ہیں، دارالعلوم وقف دیوبند کی شکل میں زندہ ہیں اور دنیا کے ان ہزاروں مدارس کی شکل میں زندہ ہیں، جنھوں نے فکر قاسمی کی نشر واشاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا رکھا ہے۔

آج پوری دنیا کھلے آنکھوں یہ مشاہدہ کر رہی ہے کہ علم وعمل کا وہ پودا جسے امام نانوتویؒ نے لگایا تھا ان کے علمی وصلبی وارثین نے اسے اب تک باقی رکھا ہے جو ایسا تناور درخت بن چکا ہے، جس کے سایے سے پوری دنیا فیضیاب ہو رہی ہے، جسے عالمی ادارہ بنانے میں آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا محمد احمد

نانوتویؒ نے اہم کردار ادا کیا اور ۴۰ رسال تک اہتمام کی ذمہ داریوں کو بخوبی نبھایا اور ابتدائی عمارتوں کی تکمیل فرمائی، حضرت مولانا محمد احمد نانوتویؒ کے بعد ان کے فرزند، یعنی حجۃ الاسلام کے پوتے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ نے ذمہ داریوں کو اٹھایا، جو سب سے لمبی مدت ۵۳ رسال تک منصب اہتمام پر فائز رہے، اور دنیا کے مختلف خطوں میں جا کر دارالعلوم کی دینی، علمی اور اصلاحی خدمات کا تعارف کرایا، جنہیں دارالعلوم کا معمار ثانی بھی کہا جاتا ہے، اس کے بعد ہی حکیم الاسلامؒ کے زمانۂ اہتمام کے اخیر میں دارالعلوم کا وہ قضیۂ نامرضیہ پیش آیا، جس کا تذکرہ بھی راقم الحروف کے لیے انتہائی تکلیف کا باعث ہے۔

خیر! دارالعلوم میں بپا ہونے والے اس انتشار میں حضرت خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمیؒ کے والد محترم حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کو برطرف کیا گیا، جس کے نتیجے میں بہت سے چوٹی کے اساتذۂ کرام کو مجبوراً مادر علمی سے تعلق منقطع کرنے پڑے، جن میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کا نام پیش پیش تھا۔

ڈاکٹر عبید اقبال عاصم نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ ”مولانا موصوف نے ایسے موقع پر جس صبر و ہمت اور عزم و استقامت کا مظاہرہ کیا، وہ تو اپنی جگہ، سب سے بڑی بات یہ کہ آپ نے تخریب کا جواب دینے کے لیے تعمیری منصوبہ بنایا، قدم قدم پر مخالفتوں، مخاصمتوں، منافرتوں اور عداوتوں کے درمیان دارالعلوم دیوبند سے روحانی تعلق اور تحریک دیوبند سے حقیقی محبت کے اظہار کے لیے ایک دوسرے دارالعلوم کے قیام کا منصوبہ ہنسی کھیل نہیں تھا، جن لوگوں نے اس وقت کے حالات کا قریب سے مشاہدہ کیا ہے، ان میں بیشتر لوگ دنیا سے رخصت ہو گئے؛ لیکن ہم جیسے صف آخر کے اس وقت کے جوان عمر افراد جو عمر کے آخری مرحلے میں اب داخل ہو رہے ہیں، ان ناپسندیدہ واقعات کے عینی شہادتیں فراہم کرنے کے لیے موجود ہیں، جب معرکۂ حق و باطل سمجھے جانے والے اس مجاہدۂ کارزار میں حق پسندوں کو مغلوب، مظلوم اور معصوم حالت میں دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ ۸۵ رافراد کے اس قافلۂ امن میں کیسے کیسے متقی، ولی صفت، استقامت و عزیمت کے پہاڑ، صبر و وفا کے پیکر انسان تھے کہ جنہوں نے قاری محمد طیب صاحبؒ کو حق پر مانتے ہوئے اپنے روزگار کے مقابلے میں بے روزگاری کو ترجیح دی، ایسے حالات میں مرد آہن مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے جس حوصلہ اور پامردی کے ساتھ سالار قافلہ کا فریضہ ادا کیا، اس کی نظیر شاید و باید ہی ملے گی اور پھر اسی پر بس نہیں کیا؛ بلکہ باد مخالف کی تندہی اور حالات کا پوری طرح شعوری جائزہ لے کر حالات کا رخ موڑنے کی کوشش کی اور چند سالوں میں ہی دارالعلوم کے مماثل دوسرا دارالعلوم اس قصبہ دیوبند میں پختہ و ٹھوس بنیادوں پر کھڑا کر دیا جو دارالعلوم کا جز و ثانی کہلاتا ہے“۔(۱)

(۱) ماہنامہ ندائے دارالعلوم وقف دیوبند: شعبان، رمضان ۱۴۳۹ھ، مطابق مئی، جون ۲۰۱۸ء، جلد ۹، شمارہ ۹۸، ۹۹، ص ۴۳

مولانا ندیم الواجدی صاحب (مدیر ماہنامہ ترجمان دیوبند) اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ:

''۱۹۸۰ء کے بعد حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی ذات گرامی کو یہ کہہ کر بھی نشانہ بنایا گیا تھا کہ وہ اپنے فرزند مولانا سالم قاسمیؒ کو نائب مہتمم یا مہتمم بنانا چاہتے ہیں؛ میرے خیال میں اس وقت کے دارالعلوم میں اس خیال کی کوئی بازگشت نہیں سنی گئی، میں یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ مجلس شوریٰ نے کبھی بھی اس موضوع پر غور نہیں کیا، اور نہ ہی اس وقت کے مہتمم نے اس طرح کی کوئی تجویز رکھی، اس وقت دارالعلوم دیوبند میں دو نائب مہتمم تھے، دونوں لمبے عرصے سے اس عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے، حضرت مولانا سالم قاسمیؒ کو ہم نے کبھی اہتمام کے امور میں دخل دیتے ہوئے نہیں دیکھا، ان کا کام پڑھنا پڑھانا، اور دعوتی وتبلیغی دورے کرنا تھا، وہ اسی کام میں لگے رہتے، دیوبند میں رہتے ہوئے تو تدریسی مشغولیات کے بعد ان کی توجہات کا مرکز جامعہ دینیات اور تاج المعارف جیسے ادارے تھے، دارالعلوم کے عہدۂ اہتمام سے ان کی دوری کا حال تو یہ تھا کہ انقلاب کے بعد بہت دنوں تک تو وہ نیا دارالعلوم کھولنے پر راضی ہی نہیں ہوئے، اور جب دارالعلوم وقف قائم ہوگیا، تو پھر لمبے عرصے تک وہ صرف نام کے مہتمم رہے، عملاً ان کے دوسرے رفقائے کار اس ادارے کو فروغ دینے میں لگے رہے، اس کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ یہ ادارہ اب ناگزیر ضرورت بن گیا ہے اور اب اس کی بقاء بے حد ضروری ہے، تو پھر اس کے اہتمام کا حق ادا کرنے میں بھی وہ پیچھے نہیں رہے اور آج یہ ادارہ اپنے نہایت ہی مضبوط وجود کے ساتھ موجود ہے، اس میں حضرت کے فکر وتدبر اور جہد وعمل کی حیثیت کلیدی ہے''۔(۱)

اس بات سے کون انکار کرسکتا ہے کہ وہ جماعت دیوبند کے میر کارواں تھے، مسلک دیوبند کے ترجمان تھے، قافلۂ ولی اللّٰہی کے سالار تھے، علوم نانوتوی اور معارف تھانوی کے شارح تھے، ان کی تربیت خالص دینی ماحول میں ہوئی، اور انقلابی ماحول میں پروان چڑھے، انہوں نے ایک ایسے گھر میں آنکھیں کھولی تھیں، جہاں سے اسلامی تہذیب وثقافت کی بازیابی اور حفاظت دین کا دوررس منصوبہ تیار کیا گیا تھا، جس گھر کے بام ودر سے لگاتار صدائے حریت بلند کی جاچکی تھی، وہ اس بام ودر اور اس عظیم ورثہ کے سب سے بڑے امین تھے، وہ فکر دیوبند کی معنویت، اس کے امتیازات وخصوصیات کے سب سے بڑے شارح اور ترجمان تھے؛ لیکن اس نمائندگی نے انہیں نہ تنگ نظر بنایا اور نہ تعصب پسند؛ بلکہ وہ اپنے اکابرین کی طرح وسیع الظرف اور بلند نگاہ انسان تھے۔

تصور کیجئے کہ آپ کے آباء واجداد نے ایک ادارہ قائم کیا ہو اور روز اول سے ہی اس کے سیاہ و سفید کے مالک رہے ہوں، اور دفعتاً کوئی آپ کو چیلنج کردے اور آپ کو باہر کرکے ادارے سے بے دخل

(۱) حوالۂ سابق: ص ۲۳، ۲۴

کردے تو کیا آپ ان کو معاف کردیں گے؟ یقیناً آپ کا جواب نفی میں ہوگا؛ لیکن حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کا دل کتنا بڑا تھا اور ان کے مزاج میں صلح کل کا عنصر کس قدر غالب تھا کہ سب کو یک لخت معاف کردیا، اور بدلے میں کچھ مانگا بھی نہیں۔

مختصر یہ کہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کا نام ان بزرگوں میں بہت ہی نمایاں اور ممتاز ہے، جنہوں نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بعد تحریک دیوبند کی نمائندگی کی، حضرتؒ کی زندگی اپنے اکابرین اور پیش رو مخلصین امت کی نمائندگی سے عبارت تھی، آپ کی زبان وقلم سے نکلے مضامین، مدارس اسلامیہ کے تئیں آپ کی فکرمندی، بے شمار مدارس وتعلیمی اداروں سے آپ کی وابستگی وسرپرستی اور کئی ایک جامعات کا قیام واستحکام بالخصوص دارالعلوم وقف دیوبند کا قیام واستحکام یہ بتانے کے لیے کافی ہیں کہ عصر حاضر میں آپؒ تحریک مدارس کے ایک عظیم نمائندہ تھے، جنہوں نے اپنی حیات مستعار کے اخیر تک تحریک دیوبند کی کامیاب نمائندگی کی، اور اپنے اجداد اور اکابرین سے ملی ذمہ داریوں کو بخوبی نبھایا۔

جامعہ دینیات کا قیام اور کارنامے

حضرتؒ کے تمام کارناموں میں ایک کارنامہ یہ بھی بڑا اہم اور بے مثال ہے کہ حضرت نے جب محسوس کیا کہ قوم وملت کے وہ بچے جو دینی تعلیم کے حصول کے لیے مدارس اسلامیہ کا رخ کرتے ہیں، ان کے لیے تو تعلیمی اداروں کی کمی نہیں ہے؛ بلکہ اس کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہی ہورہا ہے؛ لیکن بڑی عمر کے لوگوں کے لیے اور ان طلبہ وطالبات کے لیے جو عصری اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، دینی تعلیم کے حصول کا کوئی نظم نہیں ہے۔

لہٰذا عالمی سطح پر ملت کے نوجوانوں کو ان کی مادی ترقی میں کسی رکاوٹ کے بغیر دینی واخلاقی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے یکم جنوری ۱۹۶۶ء میں جامعہ دینیات کے نام سے دیوبند ہی میں ایک ادارہ قائم کیا؛ تاکہ ملت کے نوجوانان ماہر ڈاکٹر، پروفیسر، انجینئر اور قابل وکیل بننے کے ساتھ ساتھ صحیح العقیدہ، اچھے اور سچے مسلمان بن سکیں۔

اسلام کی پندرہ سو سالہ تعلیمی تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا ادارہ ہے جو عالمی سطح پر مراسلاتی طریقۂ تعلیم کو انتہائی کامیابی کے ساتھ استعمال کررہا ہے اور بلا قید عمر ملت کے اس پود کو جو دیگر معاشی وتجارتی مصروفیات یا عصری تعلیمی مشغولیات کی وجہ سے کسی مدرسہ میں دینی تعلیم کے حصول کے لیے نہیں جاسکتے، گھر بیٹھے دینی واخلاقی تعلیم حاصل کرنے کا موقع فراہم کررہا ہے، یہ ادارہ حضرتؒ کی فکری بلندی اور بالغ نظری کا آئینہ دار ہے۔

۱۹۶۶ء میں جس وقت حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی سرپرستی میں یہ ادارہ قائم کیا گیا تھا، اس وقت تمام مکتب فکر کے لوگوں نے حضرت خطیب الاسلامؒ کی اس کوشش کو سراہا تھا اور جامعہ کا خیر مقدم کیا تھا، اور جامعہ نے بھی گزرتے وقت کے ساتھ ان حضرات کی امیدوں سے زیادہ اچھی کارکردگی پیش کر کے اپنی افادیت کا لوہا منوایا ہے، اور اب تک کئی لاکھ طلبہ و طالبات جامعہ سے مکمل دینی تعلیم حاصل کر چکے ہیں اور الحمد للہ اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے، اور ہر سال ملک کے مختلف سینٹروں میں جامعہ دینیات کے نصاب کے مطابق ابتدائی دینیات، عالم دینیات اور فاضل دینیات کے لیے امتحانات منعقد ہوتے ہیں اور کامیاب ہونے والے طلبہ و طالبات ملک کی متعدد یونیورسٹیوں میں داخلے کے اہل قرار دیئے جاتے ہیں۔

دارالعلوم وقف دیوبند کا قیام اور استحکام

دارالعلوم دیوبند کا جب قضیۂ نامرضیہ پیش آیا تو اس وقت بڑوں بڑوں کے قدم ڈگمگا گئے؛ لیکن حضرت خطیب الاسلام مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ نے عزم و ہمت، صبر و استقامت، عفو و درگزر اور ہمالیائی حوصلہ کا مظاہرہ کیا، اس سے بھی بڑھ کر یہ کیا کہ تخریبی سازشوں کا جواب دینے کے لیے تعمیری منصوبہ بنایا، شدید مخالفت کے اس دور میں دارالعلوم سے علاحدہ ہوکر کسی دوسرے دارالعلوم کا منصوبہ تیار کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا، پورے دیوبند؛ بلکہ جہاں جہاں فضلائے دارالعلوم تھے اس اختلاف کا اثر وہاں تک محسوس کیا جارہا تھا، ایک طرح کا ہنگامہ بپا تھا، حالات میں بہت زیادہ اتھل پتھل تھی، ایسے نازک موڑ پر، حالات کی سنگینی میں پورے حوصلہ اور ہمت کے ساتھ خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے سید الطائفہ اور سالار کارواں کا رول ادا کیا، اور پوری بیدار مغزی کے ساتھ حالات کا جائزہ لیا اور چند ہی سالوں کے بعد کہیں دور نہیں؛ بلکہ اسی قصبہ دیوبند میں ایک دوسرا دارالعلوم کھڑا کر دیا، اور بہت ہی مختصر مدت میں تعلیمی و تربیتی خدمات کی وجہ سے اس دوسرے دارالعلوم کا وجود بھی امت کے لیے لازم قرار پایا۔

دارالعلوم وقف دیوبند نے جس طرح اپنے وجود کو ثابت کیا ہے اور اتنی کم مدت میں اسے جو ترقیات حاصل ہوئی ہیں، اس کی مثال لانا مشکل ہے، رات و دن امام نانوتویؒ کے علوم و معارف کی اشاعت و ترویج، علمائے دیوبند کے افکار و نظریات کی تشریح و تفہیم اور امت کے عقائد و اعمال کی تجدید و تصحیح کے لیے رجال کار کی تخلیق میں مصروف عمل ہے۔

تحریک مدارس اور بانیٔ تحریکؒ کے سلسلہ میں حضرت خطیب الاسلامؒ کے نظریات

تحریک مدارس کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے جن حالات میں تحریک مدارس کی بنیاد رکھی،

وہ بالکل ہی سازگار نہیں تھے؛ چوں کہ وہ دور ملت اسلامیہ ہندیہ کے لیے اقتدار سے محرومی کے بعد ظالم و جابر انگریز کی جانب سے بے تحاشا مظالم کے نتیجہ میں نہایت مایوسی کا دور تھا، جس میں عام سیاسی قائدین بس یہی سوچ سکتے تھے کہ امت کو اس پستی و ناکامی سے نکالا جائے اور اس کے لیے وہ کوشش کرتے اور بس؛ لیکن خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ فرماتے ہیں کہ امام نانوتویؒ نے حالات کا جائزہ لیا اور فوراً ہی علاج تشخیص فرمالیا، جنگ کو دوسرا رخ دے کر قوم کو جنگی تیاریوں کے بجائے دین و ایمان کی حفاظت اور جذبۂ آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے دینی تعلیم کی طرف موڑ دیا۔

انگریزوں نے چوں کہ مسلمانوں ہی سے اقتدار چھینا تھا؛ اس لیے اس کو سب سے زیادہ خوف مسلمانوں ہی سے تھا، اسی لیے اس نے ۱۸۵۷ء میں مکمل تسلط کے بعد مسلمانوں کے خلاف قتل و غارت، لوٹ مار اور جاگیروں اور جائیدادوں کی ضبطی کے ذریعے انہیں بے سروسامان کر دیا تھا؛ لیکن دین وایمان پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے والے آزادی متوالوں کو آگے بڑھنے سے انگریز نہیں روک سکا اور اس نتیجہ پر پہونچا کہ مسلمانوں کے جذبۂ آزادی کو ناقابل شکست حوصلہ عطا کرنے والے یہ مدارس اسلامیہ ہی ہیں، جو بے شمار تعداد میں ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔

اس کے بعد انگریز نے قتل و غارت گری کی پالیسی کو ناکام ہوتے دیکھ کر اپنی عیارانہ چال سے امن عام کا اعلان کر دیا؛ لیکن اس سے زیادہ اسلام کش نئی پالیسی سے مدارس اسلامیہ کو محور انتقام بنالیا اور سارے اوقاف کو بحق سرکار ضبط کرلیا، یہی اوقاف اس دور میں مدارس دینیہ کی بقا کا واحد ذریعہ تھے۔

ادھر مسلمان اقتصادی طور پر اتنے کمزور ہو گئے تھے کہ ان مدارس کے سنبھالنے کے قابل نہ تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ بے شمار مدرسوں میں تالے پڑ گئے؛ لیکن امام نانوتویؒ نے یہ طے کرلیا تھا کہ اس کی تلافی کے لیے ایک نئے مرکز علم و دین کا وجود لازمی ہے، لیکن جس وقت مخالف طاقتیں پوری آب و تاب کے ساتھ اپنی عیارانہ اور شاطرانہ چال سے مدارس کو نیست و نابود کرنے پر تلی ہوا ایسے وقت میں کسی نئے مرکز علم دین کا تصور بھی کس قدر سنگین ہوسکتا تھا بیان سے باہر ہے؛ لیکن امام نانوتویؒ نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے دیوبند جیسی چھوٹی سی بستی میں، ایک چھوٹی سی مسجد کے ایک چھوٹے سے صحن میں ایک معمولی انار کے درخت کے نیچے اس عالمگیر مرکز کا آغاز فرمایا۔

علم و دانش کی مرکزیت یوں تو اس زمانہ میں دہلی کو حاصل تھی؛ لیکن حالات کی ستم ظریفی نے اسے وہاں سے رخت سفر باندھنے پر مجبور کر دیا تھا، جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں، اب اگر دوبارہ بھی وہیں کوئی ادارہ قائم کیا جاتا، ایک تو ان حالات میں ممکن ہی نہ تھا دوسرے یہ کہ اگر قائم کر بھی دیا جاتا تو اس کے ختم ہونے میں دیر نہیں لگتی، اس لیے دہلی سے دور ہی اس کو قائم کرنا تھا، اور وہ دیوبند میں قائم ہوا۔

اس سلسلہ میں حضرت خطیب الاسلامؒ نے لکھا ہے کہ ''حضرت الامام کا یہ تاسیسی عمل ایک طرف آپ کی سیاست اسلامی اور فراست ایمانی کا بایں معنی مظہر تھا کہ اس مدرسہ کو ظاہری طور پر ایک معمولی مکتب کی متواضعانہ صورت دے کر دشمن مدارس حکومت وقت کی نظر میں ناقابل التفات بنائے رکھا اور دوسری جانب من جانب اللہ بلا تشہیر برصغیر کے بیشتر علمی اور دینی حلقوں نے حضرت الامام کی کتاب وسنت پر مبنی عالمگیر علمی عظمت، فکری وسعت اور کلامی ندرت کی معروف صفات کی بدولت اس دارالعلوم کو ضبطیٔ اوقاف سے پیدا شدہ نقصان عظیم کی تلافی کا ذریعہ تسلیم کیا، چناں چہ پہلے ہی سال میں اس مرکز علم ودین میں ملک کے دور دراز مقامات سے علماء اور طلبہ کی آمد ورفت کا سلسلہ شروع ہو گیا''۔(۱)

مدارس کی عظمت حضرتؒ کی تحریر وتقریر کی روشنی میں

مدارس اسلامیہ کی اہمیت وضرورت اور اس کی عظمت حضرت خطیب الاسلامؒ کے زبان وقلم سے نکلے ہوئے مضامین میں بہت ہی نمایاں ہے، اس لیے کہ تحریک مدارس کی عظمت اور اس کی نمائندگی کی ذمہ داریوں کا احساس ہمہ دم آپؒ کے دل میں تازہ رہتا تھا، آپؒ کے خطبات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کس قدر ان مدارس سے آپ کو محبت تھی، یہاں تک کہ آپ نے مدارس کی بقاء اور اس کے وجود کو امت کے وجود کے لیے لازم قرار دیا ہے؛ چوں کہ یہ تعلیمی مراکز نہیں رہے، تو تعلیم کا حصول ناممکن ہو جائے گا، اور یہ بات مسلم ہے کہ ملت کی بقا تعلیم ہی پر موقوف ہے۔

فرماتے ہیں کہ ''آج ہمارے یہ مدارس جو اپنی متواضعانہ صورت میں موجود ہیں، جن کے پاس نہ بے تحاشہ پیسہ، نہ بلڈنگیں اور نہ کوئی ساز وسامان ہیں، نہ کر وفر؛ لیکن ان سب چیزوں کے باوجود ملت کی بقاء اور ملت کا امتیازی وجود انہیں سے قائم ہے، اس لیے دور حاضر میں ان مدارس کا قیام اور ان کی بقاء اہم دینی ضرورت ہے؛ بلکہ آج وقت اور حالات نے ان کو ایک سیاسی ضرورت بھی بنا دیا ہے، اور قومی وملکی ضرورت بھی بنا دیا ہے''۔(۲)

دین اسلام کی حفاظت اور بقاء کی ذمہ داری تو اللہ نے لی ہے؛ لیکن کہیں بھی مسلمانوں کی بقاء اور اس کے تحفظ کی ذمہ داری کا تذکرہ نہیں کیا ہے، اب اگر مسلمانوں کو اپنا تحفظ کرنا ہے اور اپنی بقاء کی انہیں فکر ہے تو ان کے لیے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو دین سے جوڑیں، دین کی حفاظت اور اس کی بقاء کے لیے

(۱) تفصیلات کے لیے دیکھیے: خطبات خطیب الاسلام: مولانا محمد سالم قاسمیؒ، (مطبوعہ ہندوستان، ادارہ دارالاشاعت حیدر آباد، آندھرا پردیس ۲۰۰۶ء) جلد۲، ص ۲۸، ۳۴

(۲) خطبات خطیب الاسلام: مولانا محمد سالم قاسمیؒ، جلد۱، ص ۸۵

کوششیں کریں اور دین کے سپاہی تیار کرنے کے لیے مدارس کا قیام اور اس کی بقاء از حد ضروری ہے؛ چوں کہ آج مسلمانوں کے دینی و علمی وجود کو ختم کرنے کے لیے نظریں مدارس کے خلاف لگی ہوئی ہیں۔

انگریز کو ہندوستان میں صرف مسلمانوں ہی سے خطرہ تھا، اس لیے انہوں نے پہلے تو قتل و غارت کا بازار خوب گرم کیا؛ لیکن جب دیکھا کہ اس قدر مظالم کے بعد بھی ختم نہیں ہو رہے ہیں تو ان لوگوں نے غور کیا کہ ایسا کیا ہے جو اس قوم پہ کچھ بھی اثر انداز نہیں ہو رہا ہے، اگر دوسری کوئی بھی قوم ہوتی تو کب کا مٹ جاتی ،غور و فکر کے بعد انہوں نے اس حقیقت کو پالیا کہ جہاں سے ان کو نا قابل شکست حوصلہ اور دینی حمیت و غیرت ملتی ہے، وہ جگہ یہ مدارس ہیں۔

لہٰذا ان لوگوں نے مدارس کو ختم کرنے کی ٹھان لی اور اوقاف ضبط کیے، مسلمانوں کو اقتصادی اعتبار سے اتنا کمزور کر دیا کہ یہ خود بھی مدارس کو سنبھال نہ پائیں اور بھی جو کچھ ہو سکتا تھا کیا؛ لیکن ایسے پرخطر ماحول میں امام نانوتویؒ نے توکل علی اللہ پر بھروسہ کر کے ایک ایسا ادارہ قائم کر دیا جو گزشتہ تمام مدرسوں کا مجموعہ تھا اور سارے نقصان کی تلافی کے لیے کافی بھی۔

لہٰذا دار العلوم دیوبند کی وجہ سے آج ملک کے گوشے گوشے میں؛ بلکہ ایشیا کے چپے چپے میں اور آگے بڑھ کر کہا جائے تو پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی کوئی مدرسہ قائم ہوتا ہے یا کوئی کلمہ گو نظر آتا ہے، اس کا رشتہ دار العلوم دیوبند سے بلا واسطہ یا بالواسطہ ضرور نکلتا ہے، یہ احسان عظیم ہے بانیٔ دار العلوم کا۔

مختصر یہ کہ یہ مدارس غیر معمولی طور پر ہماری بقاء کا ذریعہ ہیں، ان کے وجود سے امت مسلمہ کا وجود ہے اس لیے مدارس کا تحفظ اور اس کی بقاء ہماری سب سے اہم ذمہ داری ہے۔

مدارس کی جدید کاری اور حضرتؒ کا موقف

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ خشک ذہن کے عالم نہیں تھے؛ بلکہ ان کے ذہن و دماغ میں بہت زیادہ کشادگی اور وسعت تھی، وہ ایک وسیع النظر عالم دین تھے، وہ لکیر کے فقیر نہیں تھے؛ بلکہ وہ خود خط کھینچتے تھے؛ بالخصوص مدارس و جامعات اور دیگر تعلیمی اداروں کے لیے انہوں نے اپنی تحریر و تقریر سے ایسے خطوط کھینچے ہیں کہ جن پر چلتے رہنے سے کامیابی یقینی ہے، ان کی کشادہ ذہنی اور وسیع النظری کا اندازہ ان کے ان خطبات سے ہوتا ہے، جو انہوں نے آج سے کافی سال پہلے ملک کے مختلف ادارے، جامعات، یونیورسٹیز اور مدارس میں مختلف موقعوں پر ارشاد فرمائے ہیں۔

ایک وقت تھا جب دینی مدارس میں عصری علوم و فنون کا داخلہ تقریباً کفر سمجھا جاتا تھا، اور اس طرح کی رائے رکھنے والے کو پاگل سے کم نہیں گردانا جاتا تھا؛ لیکن وقت اور حالات کی تبدیلی نے آج یہ سوچنے پر

مجبور کر دیا ہے کہ دینی جامعات و مدارس میں عصری علوم وفنون کا بھی پڑھایا جانا نہایت ضروری ہے، اسی لیے آج دینی مدارس و جامعات والے سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ عصری علوم وفنون کو بھی جزوی طور پر داخل نصاب ضرور کیا جانا چاہیے؛ چوں کہ یہ وقت کا تقاضہ ہے، لہذا آج برصغیر کے تقریباً تمام اداروں میں یا تو الگ ایک شعبہ قائم کیا گیا ہے یا پھر اسی میں جزوی طور پر کم از کم انگریزی، ہندی، حساب اور جغرفی و فلکیات جیسے مضامین ضرور پڑھائے جارہے ہیں۔

حضرت مولانا سالم صاحب قاسمیؒ کے ذہن و دماغ اور دردمند دل نے کافی عرصہ پہلے ہی اس ضرورت کو محسوس کرلیا تھا، اور ان کی دوربین نگاہوں نے بہت پہلے ہی ایسے وقت اور حالات کو دیکھ لیا تھا، یہ بات ان لوگوں کے لیے بہت زیادہ حیران کن ہوگی (جن لوگوں نے دارالعلوم دیوبند اور ان کے فضلاء پر جمود وتعطل اور تنگ نظری کا بے بنیاد الزام لگایا تھا اور یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے تھے کہ وہاں کے لوگ عصری علوم وفنون اور انگریزی زبان و ادب کو پڑھنا پڑھانا فضول تصور کرتے ہیں) کہ دارالعلوم دیوبند کا ایک فاضل جو اپنے وقت میں تحریک دیوبند کا سب سے عظیم نمائندہ تھا، ان کے ذہن و دماغ نے اس وقت اس ضرورت کو محسوس کرلیا تھا جس وقت کسی کے ذہن و دماغ میں اس بات کا خیال تک نہیں گزرا ہوگا، اپنی وسعت نظری کا دم بھرنے والے کیا جواب دیں گے اس کا؟؟۔

سچ تو یہ کہ خود امام نانوتویؒ بھی عصری علوم وفنون کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے؛ البتہ اس نصاب کو اختیار کرنا اس وقت کی اشد ضرورت تھی، چناں چہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے لکھا ہے کہ:

> ''اس کے برخلاف دینی تعلیم کا نہ نظم تھا اور نہ حسب ضرورت علماء موجود تھے، اس لیے آپ نے دارالعلوم کے بارے میں چاہا کہ اس کا نظام دینی تعلیم پر مرتکز ہو؛ تاکہ اس وقت اس ضرورت کو ترجیحی طور پر پورا کیا جاسکے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ علماء کے لیے جدید تعلیم کے مخالف تھے؛ ۹؍جنوری ۱۸۷۴ء کو دارالعلوم دیوبند کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے حضرت نانوتویؒ نے فرمایا: دارالعلوم دیوبند کے تعلیمی نصاب سے فارغ ہونے کے بعد اگر طلبہ دارالعلوم مدارس سرکاری میں جاکر علوم جدیدہ حاصل کریں، تو ان کے کمال میں اس سے بہت اضافہ ہوگا''۔(۱)

میں پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ ۱۹۶۶ء میں جامعہ دینیات کا قیام بھی حضرتؒ نے اسی ضرورت کی تکمیل کے لیے کیا تھا، کہ اس وقت مدارس اسلامیہ میں مروج نصاب تعلیم میں اس جزوی تبدیلی کے لیے بھی ماحول سازگار نہیں تھے، اس خیال سے کہ جب ادھر کا ماحول سازگار نہیں ہے، تو عصری اداروں کے طلبہ وطالبات کے لیے ہی دینی تعلیم کا نظم کیا جائے، لہذا عالمی سطح پر ملت کے نوجوانوں کو ان کی

(۱) وہ جو بیچتے تھے دوائے دل: مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی، ص۳۸

مادی ترقی میں کسی رکاوٹ کے بغیر دینی واخلاقی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے یکم جنوری ۱۹۶۶ء میں جامعہ دینیات کے نام سے دیوبند ہی میں ایک ادارہ قائم کیا؛ تاکہ ملت کے نوجوانان ماہر ڈاکٹر، پروفیسر، انجینئر اور قابل وکیل بننے کے ساتھ ساتھ صحیح العقیدہ، اچھے اور سچے مسلمان بن سکیں۔

مدارس کی جدید کاری کے حوالہ سے حضرتؒ کا موقف ان کے ایک خطبہ سے کچھ اس طرح واضح ہوتا ہے، کہ قدیم مدارس کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور جدید طرز کے ایسے ادارے قائم کیے جائیں، جن میں علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ بھی پوری اہمیت کے ساتھ پڑھائے جائیں، اور یہ کام بڑی آسانی سے ہوسکتا ہے؛ چوں کہ پورے سال کے تعلیمی اوقات کا اور پورے سال میں جتنی چھٹیاں ہوتی ہیں، ان کا تناسب اگر دیکھا جائے، تو پورے سال میں دینی اداروں میں جہاں ساڑھے آٹھ ماہ تعلیم ہوتی ہے، وہیں عصری اداروں میں صرف پانچ ماہ۔

حضرت فرماتے ہیں کہ جدید مدارس دینیہ کے لیے بابصیرت و تجربہ کار علمائے کرام ایسا دینی نصاب تیار فرمائیں، جس میں اضافی فنون کو چھوڑ کر لازمی دینی کتب حسب ضرورت بعض پوری اور بعض کے منتخبات اس طرح شامل کیے جائیں کہ مدارس کے طلبہ سے لیے جانے والے اوقات میں سے نصف وقت میں وہ پورے ہوجائیں، اور نصف وقت میں علوم عصریہ کا سرکاری طور پر منظور کردہ مروج نصاب انگلش میڈیم کے ساتھ متدین پروفیسر حضرات کے ذریعے پڑھایا جائے۔

لہٰذا جدید اداروں کے لیے ایک ایسا نصاب تیار کیا جانا چاہیے جو قدیم صالح اور جدید نافع کا جامع ہو، اس کے بعد جدید طرز کے نئے اداروں کا تجربہ ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔

مدارس میں آلات جدیدہ کے استعمال کی ضرورت واہمیت اور اس کا طریقۂ کار حضرتؒ کے خطبات کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر بڑی تخلیقی صلاحیتیں رکھی ہیں، جس کی وجہ سے آج گزرتے وقت کے ساتھ نئے نئے آلات سامنے آرہے ہیں، ان آلات جدیدہ کا استعمال اچھے کاموں میں بھی ہورہا ہے اور برے کاموں میں بھی، اگر اچھے کاموں میں ہو تو اللہ کی دی ہوئی صلاحیت کا صحیح استعمال ہے، ورنہ اس کی ناقدری۔

دور جدید کے ان آلات جدیدہ نے بڑی حد تک معاشرے کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے، فحاشی، عریانیت، بداخلاقی، باطل خیالات اور غلط افکار ونظریات کے پھیلانے میں اور غیر اسلامی معاشرے کی تشکیل میں اس سے کافی مدد مل رہی ہے؛ لیکن یہ تصویر کا پہلا رخ ہے، دوسرا رخ یہ ہے کہ یہ آلات جدیدہ ذریعۂ علم بھی ہیں، اسلامی تعلیمات اور صحیح افکار ونظریات کی نشر واشاعت اور اس کی ترویج وتبلیغ میں ان کا

استعمال کافی حد تک مفید ثابت ہوسکتا ہے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی دور بین نگاہوں نے بہت پہلے اس ضرورت کا اور آج کے اس تقاضے کا ادراک کرلیا تھا، اور اپنے ایک خطبہ میں فرمایا تھا کہ دینی جامعات اور اور مدارس اسلامیہ کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ انٹرنیشنل وسائل علم وخبر ''کمپیوٹر'' اور ''انٹرنیٹ'' کو تعلیم وتربیت اور دعوت وتبلیغ کے لیے استعمال کریں؛ کیوں کہ ان کے ذریعہ سے اپنی تعلیمی وتربیتی جدجہد کی افادیت کو عام کرنے میں اور صحیح فکر وعقیدہ کی اشاعت میں ان کو بڑی حد تک مدد مل سکتی ہے اور اس سے ملت وامت کو کافی مستفید کرسکتے ہیں۔

اسلاف نے اپنے زمانے میں پیدا شدہ فتنوں کا بھرپور تعاقب کیا ہے اور ہر چیلنج کو قبول کرکے ان کا دندان شکن جواب دیا ہے، تقریریں کیں، تحریریں لکھیں، مناظرے کیے، تحریکیں چلائیں، لٹریچر شائع کیے اور ضرورت پڑی تو میدان میں بھی آئے؛ لیکن آج کے تقاضے کچھ اور ہیں، آج تقاضہ اس بات کا ہے کہ ہم نئے چیلنج کو قبول کریں اور جن راستوں اور واسطوں سے باطل طاقتیں اسلام اور اہل اسلام پر حملہ آور ہیں ہم انہی راستوں سے ان پر پلٹ وار کریں۔

اللہ کا شکر ہے کہ ادھر کچھ سالوں سے ہمارے علماء نے اس طرف تھوڑی توجہ دی ہے اور سوشل میڈیا کا استعمال شروع کیا ہے؛ لیکن جتنا فائدہ ان جدید وسائل سے اٹھانا چاہیے اتنا نہیں اٹھایا جارہا ہے، اور بالخصوص ہمارے تعلیمی ادارے اس معاملہ میں ابھی بہت پیچھے ہیں، اگر ہمارے تعلیمی ادارے ان وسائل کا استعمال اصلاح وتجدید، دعوت وتبلیغ اور درس وتدریس کے لیے حضرت مولانا سالم صاحب قاسمیؒ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق شروع کردیں، تو غیر معمولی فائدے ہوسکتے ہیں۔ (ان طریقوں سے واقفیت کے لیے خطبات خطیب الاسلام کا مطالعہ کیا جائے)

موجودہ وقت میں انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کا استعمال نہایت ہی مجرمانہ کارناموں کی انجام دہی کے لیے ہورہا ہے، مثلاً جھوٹی خبریں پھیلانا، غیبت کرنا، بہتان لگانا، الزام تراشی کرنا، نفرت کی آگ بھڑکانا، تفرقہ پھیلانا، دہشت ڈالنا، تشدد کرنا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ فحاشی اور بے حیائی کو عام کرنا، یہ اور اس طرح کے بے شمار مجرمانہ کام ہیں جو انٹرنیٹ اور دیگر آلات جدیدہ کے ذریعے انجام دیئے جارہے ہیں، ان غیر اسلامی اور غیر اخلاقی کام کے سدباب کے لیے موجودہ صورت حال کے پیش نظر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے ادارے جدید وسائل کے پلیٹ فارم تیار کریں، اور اپنے فضلاء کو اس کے صحیح استعمال کی تربیت دیں؛ تاکہ وہ سوشل میڈیا پر اسلام کے خلاف ہورہے پروپیگنڈوں کو روک سکیں اور اسلام کی بگڑتی شبیہ کو سنوارنے میں اپنا کردار ادا کرسکیں، مدارس ومساجد اور دینی اداروں سے باہر جو ایک طبقہ ہے، جن کو دین کی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی بتانے والا کوئی نہیں ہے، ان کی علمی تشنگی کو بجھاسکیں؛ تاکہ وہ لوگ سوشل

میڈیا کے پلیٹ فارم پہ موجود گمراہ اور خود ساختہ علماء کی گرفت سے آزاد ہوں اور اپنے ایمان وعقائد کو بچا سکیں؛ ورنہ تو وہی ہوگا جو ہو رہا ہے۔

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں اب تو مغربی ممالک سمیت مسلم ممالک میں بھی اسلامی تعلیمات کی اشاعت کے لیے اس طرح کے نظم وانتظام کی بہت زیادہ افادیت محسوس کی جا رہی ہے؛ بلکہ اس کے مطالبے ہو رہے ہیں، معاشرے میں ایسے لوگوں کی بھی کافی تعداد ہے، جو غلط مقاصد کے بجائے صرف جائز اور درست مقاصد کے لیے ہی آلات جدیدہ کا استعمال کرتے ہیں، ایسے لوگوں پر ان آلات جدیدہ کے ذریعہ نشر کی جانے والی اسلامی تعلیمات سے اسلام کی حقانیت منکشف ہوسکتی ہے اور ہو رہی ہے۔

حقیقت ہے کہ دور جدید کی ان ایجادات کا استعمال درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کے لیے بڑے پیمانے پر ہونا چاہیے، اور اب تو یہ کہا جانے لگا ہے کہ اسٹوڈینس کو اب اسکول وکالجز اور اپنے تعلیمی ادارے میں جانے کی ضرورت نہیں ہے ان ذرائع ابلاغ کے ذریعے پوری دنیا میں بیک وقت تعلیم دی جاسکتی ہے۔

مختصر یہ کہ ان آلات جدیدہ، یعنی ذرائع ابلاغ کا جائز مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے اور ان کی مضرتوں سے بالخصوص نئی نسل کو بچایا جائے، جب ہر مکتب فکر کے لوگ اپنے جائز ناجائز مقاصد کے لیے اس کا استعمال کر رہے ہیں، تو آفاقی دین اور مکتبہ فکر کے حاملین کو بدرجۂ اولی اپنے دینی مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہیے، ہمیں اس کی مضرتوں سے انکار نہیں ہے؛ لیکن جب پانی پوری قوت سے بہہ رہا ہو تو اسے روکنے کے بجائے صحیح رخ دینا چاہیے۔

آخری بات

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی دینی، علمی، اصلاحی اور تحریکی سرگرمیوں میں کافی تنوع ہے اور اس کے دائرے میں کافی وسعت بھی ہے، آپ کی خدمات اور کارناموں کا مکانی رقبہ پورے عالم اسلام کے اکثر حصوں تک اور برصغیر کے پورے حصوں تک پھیلا ہوا ہے اور زمانی دائرہ بیسویں صدی عیسوی کے تین چوتھائی حصوں پر اور اکیسویں صدی عیسوی کی ایک تہائی پر محیط ہے، جس میں کافی رنگا رنگ ہے۔

گزشتہ صفحات پر ہم نے حضرت والا کی صرف ان خدمات کا اور ان کارناموں کا جائزہ لیا ہے، جو انہوں نے تحریک مدارس کے نمائندہ کے طور پر انجام دیے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے اختلاف سے پیدا ہونے والی دوری کے پاٹنے کا مسئلہ ہو، یا اس میں شریک افراد کے ساتھ عفو ودرگزر کا معاملہ، جامعہ دینیات کا قیام ہو یا دارالعلوم وقف دیوبند کا استحکام، مدارس اسلامیہ کی اہمیت وضرورت کا مسئلہ ہو یا ان کے ذریعے مسلمانوں کے دینی تشخص کا، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی قیادت ہو یا آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کی

صدارت، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ وشوریٰ کی رکنیت ہو یا اسلامک فقہ اکیڈمی کی سرپرستی، یا پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کی رکنیت، ہر محاذ پر آپ نے اپنی ذمہ داریوں کو بخوبی نبھایا، لہٰذا بلاکسی تامل کے پوری قوت کے ساتھ ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ آپ عصرِ حاضر میں تحریک مدارس کے ایک عظیم نمائندہ تھے، جن کی نمائندگی سے اب یہ امت محروم ہوگئی۔

ایک طرف جہاں آپ نے قدیم طرز کے دینی مدارس کو اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اسی نہج پر اپنی سرگرمیوں میں مستقل لگے رہنے کو لازم بتایا ہے، وہیں دوسری طرف آپؒ نے جدید طرز کے ایسے مدارس کے قیام کو بھی ضروری بتایا، جن میں دینی تعلیم کی لازمی پڑھائی کے ساتھ ساتھ عصری علوم وفنون بھی اہمیت کے ساتھ پڑھائے جائیں۔

حضرت فرماتے ہیں کہ جدید مدارس دینیہ کے لیے بابصیرت وتجربہ کار علمائے کرام ایسا دینی نصاب تیار فرمائیں، جس میں اضافی فنون کو چھوڑ کر لازمی دینی کتب حسب ضرورت بعض پوری اور بعض کے منتخبات اس طرح شامل کئے جائیں کہ مدارس کے طلبہ سے لئے جانے والے اوقات میں سے نصف وقت میں وہ پورے ہوجائیں اور نصف وقت میں علوم عصریہ کا سرکاری طور پر منظور کردہ مروج نصاب انگلش میڈیم کے ساتھ متدین پروفیسر حضرات کے ذریعے پڑھایا جائے۔

مزید براں ایں کہ مدارس اسلامیہ میں آلات جدیدہ کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے مفسدِ اخلاق پہلو سے بچتے ہوئے اس کے صحیح استعمال کے طریقۂ کار اور اس کی افادیت کی طرف بھی حضرت نے توجہ دہانی کرائی تھی؛ چوں کہ دورِ جدید کی ان آلات جدیدہ نے بڑی حد تک معاشرے کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے اور حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی دوربین نگاہوں نے بہت پہلے اس ضرورت کا اور آج کے اس تقاضے کا ادراک کرلیا تھا، اور اپنے ایک خطبہ میں فرمایا تھا کہ دینی جامعات اور اور مدارس اسلامیہ کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ انٹرنیشنل وسائل علم وخبر ''کمپیوٹر'' اور ''انٹرنیٹ'' کو تعلیم وتربیت اور دعوت وتبلیغ کے لیے استعمال کریں؛ کیوں کہ ان کے ذریعہ سے اپنی تعلیمی وتربیتی جدوجہد کی افادیت کو عام کرنے میں اور صحیح فکر وعقیدہ کی اشاعت میں ان کو بڑی حد تک مدد مل سکتی ہے اور اس سے ملت وامت کو کافی مستفید کرسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت والا کو غریق رحمت کرے، اور آپؒ کے علمی، روحانی اور صلبی وارثین کو بالخصوص حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب دامت برکاتہم اور مولانا ڈاکٹر شکیب قاسمی حفظہ اللہ کو اس بات کی توفیق دے کہ جس طرح آپؒ زندگی کے مختلف میدان میں قوم وملت کی رہنمائی فرمارہے تھے، اس کو جاری وساری رکھیں؛ چوں کہ امت اسلامیہ ہندیہ کو آپ حضرات سے ایسی ہی امیدیں ہیں۔

❖ ❖ ❖

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ اور حسنی کردار

مولانا نظام الدین فخر الدین❖

قومی اور ملّی تاریخ میں ملک وملت کی ترقی، تحفظ اور بقا کے لیے تحریکیں، تنظیمیں، جماعتیں جنم لیتی ہیں، جن کا کوئی میر کارواں ہوتا ہے، ظاہر ہے کارواں، میرِ کارواں کے بغیر ایک ایسا قافلہ ہوتا ہے جو قدم قدم پر بہکتا ہے، بھٹکتا ہے، اس میں انتشار رہتا ہے، منزل سامنے ہوتی ہے مگر نظروں سے اوجھل ہوتی ہے، قدم صحیح سمت سے بہک جاتے ہیں۔ عبدالحمید عدمؔ نے کیا خوب کہا ہے:

صرف ایک قدم اٹھا تھا غلط راہِ شوق میں
منزل تمام عمر مجھے ڈھونڈتی رہی

پھر یہی صورت اور المیہ سے ملت اس وقت دوچار ہوتی ہے جب کہ میرِ کارواں تو ہوتا ہے مگر اُس کی نگہ بلند نہیں ہوتی، سخن، دل نوازی سے عاری ہوتی ہے:

کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیرِ کارواں میں نہیں خوئے دل نواز

میرِ کارواں کی کم نگاہی، ضد، انا، ترشی اُس آشیانہ کو بکھیر دیتا ہے جس کو ملت کے دردمندوں نے تنکہ تنکہ جمع کر کے بنایا تھا، اس دلخراش حقیقت پر ہماری تاریخ گواہ ہے، ایسی بھی تحریکیں رہی ہیں جو اٹھی تو تھیں بڑے زور شور سے، مگر وہ کالعدم ہوگئیں، ساتھ ہی ایسی بھی تحریکیں، جماعتیں، تنظیمیں رہیں بلکہ جو پھل پھول رہی ہیں اور اپنے اغراض ومقاصد میں کامیاب ہیں، اس کامیابی کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ تحریک وتنظیم کے چراغ میں میرِ کارواں کا خونِ جگر شامل ہے، جس کی بدولت چراغ روشن ہے، نیز یہ بھی ہے کہ اصحاب کار، ساتھی، رفقاء، ارکان وممبران کی جدوجہد، سمع وطاعت، تحریک میں روح پھونکتی ہے۔

ملتِ اسلامیہ ہند کی تاریخ میں یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہے کہ ہمارے اسلاف نے ملک وملت کی فلاح وبہبودی نیز دین وایمان کی حفاظت کے لیے تحریکوں، جماعتوں کی بناء رکھیں، جو آج بھی سرسبز وشاداب ہیں، نہ ان کی جڑیں کمزور ہوئیں اور نہ اُن کی شاخوں پر دورِ خزاں آیا، اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ صدارت وامارت کے مسئلہ پر نہ کوئی اختلاف رہا، نہ اقتدار کی خواہش، بلکہ اگر کبھی ایسا موقعہ آیا کہ صدارت کا

❖ بانی ومہتمم دارالعلوم نظامیہ، پونے

انتخاب ہونے جارہا ہے اور کئی ایک اصحابِ علم وفضل موجود ہیں، ایسے موقع پر ہمارے اکابر واسلاف نے صدارت سے اپنا نام واپس لے لیا، یہ معمولی قربانی نہیں ہے، یہ وہ قربانی ہے جس کی برکت سے امت کا اتحاد پارہ پارہ ہونے سے بچ گیا۔

اس طول وطویل تمہید کے بعد عرض یہ ہے کہ اس طرح کی قربانی دینے والوں میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کا اسم گرامی ناقابل فراموش ہے کہ آپ نے امت کے شیرازہ کو بکھرنے سے بچانے کے لیے عظیم قربانی پیش کرکے ''حسنی کردار کا مظاہرہ کرکے واضح کردیا کہ اسلاف کا کردار صرف لکھنے، پڑھنے، وعظ و بیان کے لیے نہیں بلکہ برتنے کے لیے ہوتا ہے۔اسی ضمن میں مولانا ندیم الواجدی کے ایک طویل مضمون سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ ہندوستانی مسلمانوں کا قابل فخر ادارہ ہے۔اس ادارہ کا ابتدائی تخیل حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے دل ودماغ میں پیدا ہوا، یہ تخیل دارالعلوم دیوبند میں پروان چڑھا اور بمبئی میں اس کو بال و پر ملے جہاں مسلمانوں کے ہر طبقۂ فکر، زعماء اور قائدین جمع ہوئے اور سب مسلم پرسنل لاء کی حفاظت کے لیے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تشکیل میں حصہ لیا، اس کے اولین صدر اور بانی بھی حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ تھے، ایک سچے اور حقیقی جانشین کی طرح حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پلیٹ فارم سے مستقل سرگرم عمل رہے، یہاں تک کہ اُن کو سینئر نائب صدر بھی بنادیا گیا۔''

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اس کے دوسرے صدر تھے، ان کے انتقال کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں انتخابی اجلاس ہوا، اس میں تین نام اگلے صدر کے لیے زیرغور آئے، سب سے نمایاں حضرت قاسمیؒ کا تھا، بہ قول حضرت مولانا رابع ندوی ''وہ بورڈ کے پہلے صدر ہونے کی وجہ سے اہمیت رکھتے تھے'' حق بات تو یہ ہے کہ وہ سینئر نائب صدر ہونے کی حیثیت سے اس بات کے زیادہ مستحق تھے کہ اُن کو صدر بنایا جاتا لیکن حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلامؒ کا نام بھی سامنے آگیا، کچھ لوگوں نے حضرت مولانا محمد رابع ندوی کا نام بھی پیش کردیا، فیصلہ ہوا کہ ان تینوں حضرات کی بند کمرے میں میٹنگ ہوجائے، میٹنگ ہوئی اور حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے نام پر اتفاق ہوگیا، مولانا رابع ندوی تو خود پس وپیش میں تھے، وہ بورڈ کے کوئی عہدہ دار بھی نہیں تھے، ان کا نام صرف توازن پیدا کرنے کے لیے سامنے لایا گیا تھا، اصل نام حضرت مولانا قاسمیؒ تھا، جوانہوں نے اپنا حق ہونے کے باوجود واپس لے لیا، واپس ہی نہیں لیا بلکہ قاضی صاحبؒ کے نام پر اتفاق بھی کرلیا جوان سے چھوٹے بلکہ ان کے شاگرد تھے، ملی مفاد کے لیے اس طرح قربانیوں کی مثالیں کم ہی دیکھنے کو ملتی ہیں۔دوسال

بعد پھر یہی صورتِ حال تھی، قاضی مجاہد الاسلامؒ رحلت فرما چکے تھے، حیدرآباد کے انتخابی اجلاس میں نئے صدر کا نام تجویز ہونا تھا، اس بات سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ مولانا قاسمیؒ ہر طرح اس منصب کے اہل اور مستحق تھے، مگر کچھ لوگ مولانا رابع ندوی کو سامنے لے آئے، قریب تھا کہ عہدۂ صدارت کے لیے دو جلیل القدر ہستیوں کے درمیان مقابلہ ہو، دونوں کے طرف سے لوگ اپنے ووٹوں کا استعمال کریں اور اکثریت کی بنیاد پر نئے صدر کا اعلان ہو، بورڈ کا دستور تو اس بات کی اجازت دیتا ہے لیکن روایت یہ رہی کہ انتخاب اتفاقِ رائے سے ہو، یہاں بھی حضرت مولانا قاسمیؒ کا بڑا پن اور خاندانی عجز و انکسار سامنے آیا، انہوں نے بالکل عین وقت پر اپنا نام واپس لے کر بورڈ کو روایت کے حصار سے باہر نکلنے سے بچا لیا، مولانا رابع صاحب ندوی نے عہدۂ صدارت کے لیے اپنے انتخاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ ''اس میں مولانا محمد سالم صاحبؒ کی تائید بھی شامل تھی، ان کو نائب صدر کا منصب پہلے ہی سے حاصل تھا، وہ برقرار رہا لیکن راقم السطور کو صدارت کے منصب کی حیثیت سے ہی محسوس کرتا رہا۔''

بلا شبہ یہ دوسری قربانی تھی جو مولاناؒ نے اس خاموشی سے دی کہ دوسروں کو احساس تک نہ ہونے دیا، پہلی مرتبہ انہوں نے یہ منصب اپنے شاگرد کے لیے چھوڑا اور دوسری مرتبہ اپنے ایک درسی ساتھی کے لیے جماعتی گروہ بندیوں کے دائرے سے نکل کر قربانیوں کا وسیع کینوس تیار کرنے کے لیے ایسی ہی شخصیات کے عمل اور اسوہ کو اپنانا ضروری ہے۔ بعض اوقات عہدوں کی تڑپ جماعتوں کی تقسیم پر منتج ہوتی ہے، جس کے نقصانات جماعتوں کو لے ڈوبتے ہیں۔''

آج حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نہ رہے مگر الحمد للہ بورڈ اپنی آن بان شان کے ساتھ موجود ہے، بورڈ کی اس آن بان شان میں حضرت مولانا قاسمیؒ کے ''حسنی کردار'' کا بڑا حصہ اور دخل ہے۔ یہ کردار موجودہ اور آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ اور منارۂ نور ہے، آپؒ کے اس عظیم کردار نے ہم سب کو یہ سبق سکھایا کہ عہدہ بڑا نہیں ہوتا، جماعت بڑی ہوتی ہے، جماعت کو باقی رکھنے کے لیے قربانی دی جاسکتی ہے، عہدہ کے لیے جماعت کی قربانی نہیں دی جاسکتی۔

❖ ❖ ❖

خطیب الاسلامؒ کی فکر کا ایک اہم گوشہ

فریضۂ دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں رہنمائی

ابوالاعلیٰ سید سبحانی ❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہندوستانی علماء کے درمیان اپنی ایک انفرادی شان رکھتی ہے۔ حضرت کے ہاں علمی شان بھی پائی جاتی ہے اور عملی اپروچ بھی۔ ''خطبات خطیب الاسلام'' کے مطالعہ کے دوران جگہ جگہ ایسے علمی نکات اور قیمتی افادات ملتے ہیں جن سے نہ صرف ذہن کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، بلکہ سوچنے اور غور وفکر کرنے کا ایک رُخ (Direction) بھی ملتا ہے۔

''خطبات خطیب الاسلام'' کا ایک اہم موضوع فریضہ دعوت وتبلیغ بھی ہے، حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے خطبات اور بیانات میں فریضہ دعوت وتبلیغ پر کافی زور دیتے ہیں اور بار بار اس فریضہ کی جانب متوجہ کرتے ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فریضہ دعوت کی ادائیگی کو اسلام کی قوت کا راز اور اہل اسلام کی سربلندی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ خطبات کی پہلی جلد میں ''اسلام کا سرچشمہ قوت صرف ''دعوت'' ہے'' کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں: ''تاریخ کی انمٹ شہادتوں کے مطابق اسلام ہی واحد زندہ و پائندہ دین ہے کہ ہر دور میں اس کے مٹا دینے کے بدنہاد خواہش مندوں کو صرف اس کی قوتِ دعوت ہی نے ذلت ناک شکستوں سے دوچار کیا ہے، جس کی اولین بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلام دیگر مذاہب عالم کی طرح صحت وسقم اور صدق وکذب کے احتمالات رکھنے والے محض عقلی فلسفوں پر مبنی نہیں بلکہ اس کی اساس، وحی ربانی کی ان فطری اور نفسیاتی اصولی ہدایتوں پر قائم ہے کہ جو براہ راست سلیم الفطرت انسان پر مؤثر ہونے کے لیے کسی بیرونی مؤید قوت کی ضرورت مند نہیں۔'' (۱)

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ موجودہ دنیا کے مسائل کا حل صرف اور صرف اسلام کو قرار دیتے ہیں، ''اسلام اور اکیسویں صدی: مسائل اور حل'' کے عنوان سے لکھتے ہیں: ''سب سے پہلے ہمارا مسلمانہ فریضہ ہے کہ ہم اسلام کو اصل قرار دے کر مسائل وقت کے حل کی تلاش کے بارے میں وہی راہ

❖ مدیر ماہنامہ حیات نو، نئی دہلی

(۱) خطبات خطیب الاسلام: ۱/۶۳

اختیار کریں کہ جو کائنات انسانی کے لیے رحمت کبری کی صورت میں اللہ کا آخری پیغام لانے والی ذات مقدسہ نے بتلائی یا اختیار فرمائی، جس کو آج نا قابل التفات اور غیر مؤثر سمجھ لیا گیا ہے۔''(۱)

غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچانا بھی ضروری ہے اور مسلمانوں کے اخلاق و کردار کی درستگی اور انہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرانا بھی ضروری ہے۔ حضرت مولانا دعوت وتبلیغ کے دونوں ہی پہلوؤں پر توجہ دلاتے ہیں اور اس سلسلے میں علمی وعملی رہنمائی بھی فرماتے ہیں۔ حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اس حقیقت کو بہت واضح طور سے بیان فرماتے ہیں کہ تبلیغ کا اصل کام غیر مسلموں کے درمیان اسلام کی اشاعت اور اسلام کے پیغام کا تعارف ہے، مسلمانوں کے درمیان تبلیغ احکام کا کام حقیقتاً تبلیغ نہیں ہے بلکہ اسے مجازاً تبلیغ کہا جاتا ہے، فرماتے ہیں: ''تبلیغ احکام حقیقتاً تبلیغ نہیں ہے۔ اسے مجازا تبلیغ کہا جاتا ہے۔ حقیقت میں تبلیغ اس کا نام ہے کہ غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ تبلیغ اسلام کا میدان اس وقت خالی سا ہو گیا ہے، گو کچھ جماعتیں کر بھی رہی ہیں، ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اپنے رنگ میں دوسروں تک اسلام پہنچائے، پڑھے لکھے ہوں یا بے پڑھے لکھے۔ بہت سے بے پڑھے لکھے لوگوں نے اپنے ذوق سے مل ملا کر سینکڑوں لوگوں کو اسلام کی دولت سے نواز دیا۔ جن لوگوں میں تبلیغ کرنے کی صلاحیت ہے اگر وہ یہ کہہ کر ٹالتے ہیں کہ فلاں جماعت تبلیغ اسلام کا کام کر رہی ہے، یہ غلط ہوگا، بلکہ ہر شخص کو کرنا چاہیے اور دھیان دینا چاہیے''۔(۲)

فریضہ دعوت کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ ایسی تمام ممکنہ عملی راہیں تلاش کی جائیں جن کے ذریعہ غیر مسلموں میں نفوذ آسان ہو سکے اور اسلام کا پیغام مؤثر انداز میں ان تک پہنچایا جا سکے، حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اس نکتے کو ایک عملی مثال کے ذریعہ بیان فرماتے ہیں: ''تبلیغ تو حقیقت میں اسے کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں تک دین پہنچانا جن کے پاس دین نہیں ہے یعنی غیر مسلموں کو دعوت دینا، جیسے سلف کا دستور تھا کہ بعضوں نے فن طب اختیار کیا اور طب کے اندر جذبہ یہ تھا کہ ہم دعوت دیں گے کیوں کہ مریض طبیب سے متأثر ہوتا ہے۔ جب طبیب مریض کے کانوں میں ایک چیز ڈالتا رہے گا تو مریض متأثر ہوگا۔ تو بعضوں نے طب کے راستے سے اسلام کی دعوت دی اور ہزاروں کو مسلمان بنا دیا اور بعض حضرات نے تجارت کی لائن اختیار کی اور موضوع ان کا دعوت تھا۔ اس لیے کہ جب دکان لے کر آپ بیٹھیں گے تو حکومت کے قوانین معلوم کر کے رہیں گے جیسے اس زمانے کا دستور ہے کہ جو قانونی چیزیں ہیں ان کو ہر تاجر جانتا ہے کہ یہ چیز قانون کے خلاف ہے اور یہ قانون کے موافق۔ اس میں اپنا بچاؤ بھی کرتا ہے اور دوسروں کا بھی۔ سامان اس قدر لے جا رہے ہو مگر میں اتنا ہی لکھوں گا ورنہ قانونی گرفت ہوگی۔ تاجر اگر

(۱) خطبات خطیب الاسلام: ۱/۲۹۱　　(۲) ایضاً ۲/۵۱۲-۵۱۳

دیندار ہوں تو مسائل شرعیہ بیان کریں گے کہ یہ بیع باطل ہے، یہ بیع فاسد ہے اور یہ بیع بالوفا ہے، کیوں کہ بیع کی بہت سی قسمیں ہیں۔ تو جب دکانوں پر اہل علم ہوں گے تو یقیناً دین کے مسائل آئیں گے اور غیر مسلم اس سے متأثر ہوں گے کہ جس دین نے ان چیزوں کو اس طرح سمجھایا ہے وہ دین یقیناً حق ہے چناں چہ اس لائن سے ہزاروں انسان دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔''

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ان افادات سے یہ بھی واضح ہے کہ فریضہ دعوت وتبلیغ اہل اسلام کی زندگیوں کا حصہ بن جانا چاہیے، وہ جہاں بھی رہیں اور جس پیشے سے بھی وابستہ ہوں، اس فریضہ کی ادائیگی بھی ساتھ ساتھ جاری رکھیں۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے تمام دنیاوی مشاغل اور تمام عائلی ضروریات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی زندگی مکمل طور سے اس کے حوالے کر دی جائے، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ اہل اسلام مکمل طور سے ایک فطری اور ایمانی زندگی اختیار کریں، ساتھ ہی داعیانہ کردار اور داعیانہ زندگی اختیار کریں اور جہاں اور جیسے موقع ملے دعوت وتبلیغ کے اس فریضے کو انجام دینے کی پوری پوری سعی وجہد کریں۔

فریضہ دعوت وتبلیغ کی ادائیگی میں مخاطب کی ذہنی سطح اور عوام کے عمومی مزاج کا لحاظ بھی از حد ضروری ہوتا ہے، اس فریضہ کی ادائیگی کے دوران کہیں اسلام کی روحانی تعلیمات پر زیادہ زور دینا ہوتا ہے اور کہیں اسلام کی معاشی، سیاسی اور سماجی تعلیمات پر زیادہ زور دینا ہوتا ہے اور کہیں اسلام کے دوسرے پہلوؤں کو زیادہ اجاگر کر کے پیش کرنا ہوتا ہے، یہ چیز مخاطب کی ذہنی سطح اور عوام کے عمومی مزاج کے اعتبار سے طے ہوتی ہے۔ دعوت دین کے فریضہ کی ادائیگی کے سلسلے میں اس کی رعایت بہت ضروری ہو جاتی ہے، اس ضمن میں حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں صوفیاء کے ذریعہ اسلام کی اشاعت پر شاندار گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں: ''حضرات صوفیاء ہندوستان میں آئے کیوں کہ ہندوستان میں سب سے بڑا مذہب رہبانیت اور ترک لذات، جوگ اور عوام سے کنارہ کشی وغیرہ تھا۔ اس سے قدرتی طور پر جب نفس کشی ہوتی تھی تو وہ سمجھتے تھے کہ کچھ نہ کچھ نفس میں جلا بھی پیدا ہوتی ہے، چناں چہ ان سے خوارق کا بھی ظہور ہوتا تھا۔ تو انہوں نے سوچا کہ یہاں کورے مولوی کافی نہیں ہو سکتے کہ صرف مسئلہ بیان کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں صوفیاء کو بھیجا گیا۔''(۲)

مزید فرماتے ہیں: ''اس لیے ہندوستان میں زیادہ تر صوفیاء آئے اور انہوں نے دین پھیلانے کی کوشش کی۔ دیکھا جاتا ہے کہ یہاں کے لوگوں کو طبعی طور پر صوفیت سے اُنس ہے، مولویت سے اُنس نہیں ہے۔ یہاں آج بھی اگر دین پھیلانا چاہیں تو صوفیاء کے طرز پر تو پھیلا سکیں گے لیکن مولویانہ طرز پر پھیلانا

(۱) خطبات خطیب الاسلام: ۵۰۹/۲　　(۲) ایضاً: ۵۱۱/۲

بہت مشکل ہے۔ جیسے خواجہ اجمیریؒ کا طرز تھا کہ ایک جھونپڑی میں بیٹھ گئے جس میں اجمیر کے ہندو اور مسلمان سب جمع ہوتے اور شیخ کی امانت اور دیانت، تقوی اور قلبی اثرات کو دیکھ کر ہزاروں انسان دائرہ اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے۔ مسٹر کارنل یہ علی گڑھ یونیورسٹی کا پروفیسر تھا اور یورپین تھا۔ اس نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ہے ''پریچنگ آف اسلام''۔ اس میں اس نے تبلیغ اسلام کے دور اور طریق کو دکھلایا ہے اور اس میں اس نے دعوی کیا ہے کہ حضرت خواجہ اجمیریؒ کے ہاتھ پر ننانوے لاکھ آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں اور ان کے خلفاء کے ہاتھ پر جتنے لوگوں نے اسلام قبول کیا ہے، وہ تعداد الگ ہے، تو ایک ایک درویش اور صوفی و عارف باللہ نے خطوں کو رنگ دیا۔''(۱)

آگے دعوت وتبلیغ کے کام کے سلسلے میں ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''بہرحال تبلیغ کے مختلف طریقے رہے۔ مشائخ کا طریقہ اور تھا، علماء کا طرز اور تھا، اور محدثین کا طرز اور تھا، اور فقہاء کا انداز اور تھا۔ صرف ڈھنگ اور انداز کا فرق تھا۔ ان میں ٹکراؤ نہیں ہے اپنے حال کے مطابق ڈھنگ متعین کر لیے''۔(۲)

دعوت دین کا فریضہ انجام دینے والوں کے درمیان دعوت وتبلیغ کے اسلوب اور انداز کو لے کر بسا اوقات کچھ اختلاف رونما ہو جاتے ہیں، عموماً یہ اختلاف مدعوئین کی ذہنی سطح اور ان کے عمومی حالات و مسائل کے تناظر میں ہی ہوتے ہیں۔ یہ اختلاف جب غلط رخ پر چلے جاتے ہیں اور شدت اختیار کر لیتے ہیں تو ان کے اثرات بلاواسطہ طور پر دعوت دین کے مشن پر پڑتے ہیں۔ خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ دعوت وتبلیغ کے اسلوب اور انداز کو لے کر ہونے والے اس فرق اور اختلاف سے متعلق علماء کرام اور داعیانِ دین کو ایک بہت ہی قیمتی نصیحت فرماتے ہیں: ''یہ ہیں اصول دعوت وتبلیغ اور علماء وقت عام حالات کو دیکھ کر موقع ومحل کے اعتبار سے ان اصولوں کو سامنے رکھ کر کچھ اور باتیں تجویز کر سکتے ہیں لیکن ان میں سر پھٹول کی ضرورت نہیں۔ اصولاً ایک شخص دعوت دے رہا ہے۔ ایک طریقہ اس نے اختیار کیا ہے۔ اگر وہ طریقہ آپ کے خلاف ہو تو بہت سی چیزیں آپ کے خلاف ہوتی ہیں۔ یہ کیا ضروری ہے کہ جو طریقہ آپ کے خلاف ہو اس میں آپ لڑائی مول لیں۔ الا یہ کہ کوئی چیز کھلی ہوئی خلاف شرع ہو اس میں آپ کہہ سکتے ہیں، مگر محض طرز، انداز کا فرق، اس میں دوسرے کو معذور سمجھنا چاہیے کہ اس نے ایک ڈھنگ اختیار کیا ہے، کرنے دیجئے''۔(۳)

(۱) خطبات خطیب الاسلام: ۲/۵۱۱
(۲) ایضاً: ۲/۵۱۱۔۵۱۲
(۳) ایضاً: ۲/۵۰۱

سورہ النحل کی آیات (ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ. وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ. (۱۲۔۱۲۶) کے حوالہ سے خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک الگ انداز کی گفتگو ملتی ہے، فرماتے ہیں: ''قرآن مجید نے دعوت کی تین نوعیتیں بیان فرمائی ہیں۔ مگر وہ بھی اصولی ہیں۔ اس میں طریقے متعین نہیں کیے۔ ۱- ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ. ۲- وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ. ۳- وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ. تو حکمت اور موعظت اور مجادلت یہ تین نوعیتیں ہوئیں۔ اس لیے کہ دنیا میں انسانوں کی قسمیں بھی تین ہیں۔ بعض ہیں دانشور، عقلی رنگ میں ان کے سامنے کوئی حکمت رکھی جائے، موقع پہچان کر موقع کے مناسب دعوت دی جائے، جیسا آدمی ویسا خطاب۔ جیسا آدمی سامنے مخاطب ہوگا ویسے ہی دعوت کے طریقے ہوں گے۔ ایک وہ ہیں جو سادہ لوح ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ و رسول کا نام لیا گیا تو وہ گردن جھکا دیتے ہیں۔ ان کے مطالبات نہیں ہوتے ہیں بس وہ حکم جاننا چاہتے ہیں کہ شریعت کا حکم معلوم ہو جائے تو ان کے لیے موعظت ہے کہ وعظ و نصیحت کر دو ان کے لیے کافی ہو جائے گی۔ اور بعضے حجت پسند ہوتے ہیں یعنی کٹ حجت کہ جب تک ان کے مسلّمات سے ان پر حجت قائم نہ ہو وہ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، تو ان کے لیے مجادلہ رکھا اور مجادلہ کا بھی ڈھنگ علمی انداز پر ہو۔ اکھڑ پن سے نہ ہو۔ پھر اس کا خیال رہے کہ اس میں سخت کلامی نہ ہو بلکہ معروف طرز پر ہو۔'' (۱)

دعوت کی ان نوعیّتوں کے سلسلے میں احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے فرماتے ہیں: ''بعض نے شرط لگائی کہ ہم تین وقتوں کی نمازیں پڑھیں گے، آپؐ نے قبول فرمایا۔ بعض نے کہا کہ ہم چار گناہ کرتے ہیں، تین تو چھوڑ دیں گے مگر ایک نہیں چھوڑیں گے، آپؐ نے مان لیا۔ حکمت کا طریقہ تھا، جیسا مخاطب ہو اس کے مناسب حال دعوت دی جائے۔ اس لیے شریعت نے ان ڈھنگوں کو متعین نہیں کیا۔ بلکہ صرف اصول بتا دیا۔ اب اس میں علماء دین ہیں، وہ دیکھتے ہیں کہ زمانے کی نفسیات کے اعتبار سے کون سا طریقہ مناسب ہے، اگر فلاں مرض قلب میں غالب ہے تو اس کا اس طرح استیصال کیا جائے گا، بقیہ کو بعد میں رکھا جائے گا۔'' (۲)

مدعوئین کے غلط رویوں یا ان کی مخالفت پر داعی کا ردعمل کیا ہونا چاہیے، اس پر گفتگو کرتے ہوئے سورہ نحل کی آیت ۱۲۶/ کے حوالے سے فرماتے ہیں: ''وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ. (اگر بدلہ لو تو بدلہ لو اسی قدر جس قدر تم کو تکلیف پہنچائی جائے اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کو۔) اس راستے میں اگر کوئی تم کو برا بھلا کہے تو حق تو تمہیں بھی ہے کہ تم بھی

(۱) خطبات خطیب الاسلام: ۴۹۸/۲   (۲) ایضاً: ۴۹۹/۲

اسی طرح ڈانٹ دو۔ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ . اگرتم صبر وتحمل سے کام کرو تو یہ اولوالعزمی کی بات ہے، تو اعلیٰ طریق، نصیحت میں یہی ہے''۔(۱)

فریضہ دعوت وتبلیغ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ داعیانِ دین کے اندر داعیانہ اوصاف اور داعیانہ کردار موجود ہو۔ قرآن مجید میں انبیائی دعوتوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائی مشن کی ادائیگی کے لیے یہ بنیادی اوصاف ضروری ہیں۔ خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وسنت کی روشنی میں داعی کے دو بنیادی اوصاف بیان کیے ہیں، فرماتے ہیں: ''کتاب وسنت میں داعی کی کچھ صفات بیان کی گئی ہیں۔ پہلی صفت یہ ہے کہ وہ صابر ہو۔ دوسری صفت یہ ہے کہ اس میں ''لین''، یعنی نرمی ہو''۔(۲)

آگے ان اوصاف کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر، مجنون اور کذاب کہا گیا۔ پھر یہ کہ ایذا رسانی کے تمام طریقے جمع کیے گئے۔ اوجھ آپ کے سرِ مبارک پر ڈالا گیا۔ پتھر آپ کو مارے گئے۔ کانٹے آپ کے راستے میں بچھائے گئے۔ وطن سے بے وطن کیا گیا۔ گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا، لیکن آپ نے صبر وتحمل فرمایا۔ اشد بلاءً الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل. مصیبت میں سب سے زیادہ انبیاء علیہم السلام مبتلا کیے گئے۔ یہ وہی ہیں جو رواجوں کو چھڑا کر دین نافذ کرتے ہیں اور اس میں بڑی بڑی مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ اس لیے پہلی چیز ہے صبر اور دوسری چیز ہے لین یعنی نرمی۔ لوگوں کو پیار ومحبت سے سمجھایا جائے ڈانٹ ڈپٹ کا طریقہ نہ ہو، کیوں کہ اس سے چڑھ پیدا ہو جاتی ہے تو نصیحت کی زینت ہے لینت۔ خوب یاد رکھا جائے کہ سخت گیری اور سخت کلامی نہ ہو، تاکہ نصیحت مؤثر بن سکے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں ارشاد ربانی ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظّاً غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّواْ مِنْ حَوْلِكَ... (۳)

ترجمہ: (سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا ان کو۔ اور اگر تو ہوتا تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے۔)''(۴)

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے فریضہ دعوت وتبلیغ کے تناظر میں مدارس اسلامیہ ہند کے تعلق سے ایک بہت ہی اہم اور فکر انگیز بات کہی ہے، ضرورت ہے کہ وابستگان مدارس اس پر بہت ہی سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کریں: ''یہ مدارس درحقیقت وہی ہیں کہ اس دین کی اشاعت کر رہے ہیں، اس دین کی اشاعت کے معنی درحقیقت یہ ہیں کہ انسانیت کو وہ نظام کامل دے رہے ہیں کہ انسانیت اگر اس راستے پر آ جائے تو اس کے لیے کہیں کوئی گھاٹا پھر موجود نہیں رہتا''(۵)

(۱) خطبات خطیب الاسلام: ۵۰۰/۲　(۲) ایضاً: ۵۰۰/۲
(۳) آل عمران، آیت: ۱۵۹　(۴) خطبات خطیب الاسلام ۵۰۰/۲-۵۰۱　(۵) ایضاً: ۷۸/۱

فطرت کا قانون ہے کہ حق بھی قیامت تک باقی رہے گا اور باطل بھی قیامت تک باقی رہے گا، اور دونوں کو اپنا اپنا کام کرنے کا پورا پورا موقع حاصل رہے گا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو خیر امت اور امت وسط کا منصب رکھنے والی، انبیائی مشن کی حامل امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر دور میں وقت کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق فریضہ دعوت وتبلیغ کی ادائیگی کے لیے کمربستہ رہے، اور حق کو تقویت پہنچانے کے لیے اپنی ساری علمی وعملی توانائیاں لگادے۔ خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''نہ حق ختم ہوگا نہ باطل ختم ہوگا، حق اپنے ثبوت کے لیے نئے نئے دلائل پیش کرے گا اور باطل پسند اپنے باطل کو ثابت کرنے کے لیے نئے نئے دلائل پیدا کریں گے، ہر زمانہ کے اندر پیدا کریں گے، یہ مقابلہ قیامت تک جاری رہے گا اور بنیاد اس کے اندر یہ کہ اس کائنات کا نظام حق تعالیٰ نے یہ رکھا کہ ہر چیز یہاں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ دن کا امتیاز رات کی وجہ سے قائم ہوتا ہے۔ خیر کا امتیاز شر کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ ہر چیز میں تقابل رکھا، اس لیے باطل نہ ہو تو حق کی حقانیت ظاہر نہیں ہوتی۔''(۱)

❖ ❖ ❖

(۱) خطبات خطیب الاسلام: ۳۴۰/۲

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ
وحدت فکر و عمل کے عظیم مفکر

ڈاکٹر کمال اختر قاسمی ❖

اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ایسی نابغۂ روزگار ہستیاں پیدا ہوتی رہی ہیں، جو اسلام کی سربلندی اور ملت اسلامیہ کو زبوں حالی سے نکالنے کے لیے مسلسل جدوجہد اور جاں فشانی کرتی رہی ہیں، اپنی علمی وفکری اور اللہ کی دی ہوئی مختلف طرح کی صلاحیتوں کو غلبۂ اسلام کے لیے کام میں لاتی رہی ہیں۔

اسی طویل کڑی میں اہم ترین نام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا ہے جنھوں نے اسلام کو دین انسانیت اور فطری دین ثابت کرنے کے لیے قابل تقلید علمی وفکری جدوجہد کی، بے شمار تقاریر وخطبات، مضامین ومقالات اور قیمتی تصانیف کے ذریعہ عظیم اور بے مثال کارنامہ انجام دیا۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب قدس سرہ طیب منزل دیوبند میں ۸/جنوری ۱۹۲۶ء کو پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم عالم اسلام کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا قاری طیب صاحب نوراللہ مرقدہ ہیں۔ ابتدائی تعلیم وتربیت گھر میں والد محترم کی سرپرستی میں ہوئی، اور دارالعلوم دیوبند سے عربی درجات کی تکمیل کی، ۱۳۶۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، فراغت کے فوراً بعد استاذ کی حیثیت سے دارالعلوم میں منتخب کر لیے گئے، اور تقریباً ۳۶ سال تک دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

دارالعلوم دیوبند بعض غلط خواہوں اور عہدہ ومناصب کے طلب گاروں کی نظر بد کا شکار ہو گیا، پھر وہاں وہ تمام ناپسندیدہ اور غیر اخلاقی حرکتیں وقوع پذیر ہوئیں جو عہدہ ومناصب کے حصول اور قبض وبسط کے لیے ارباب سیاست انجام دیا کرتے ہیں۔ بالآخر دارالعلوم دیوبند کے مؤسس ثانی اور علوم قاسمیہ کے پاسباں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ کو اس عظیم مادر علمی سے بزور قوت نکال دیا گیا، جس کو انھوں نے خون جگر سے سینچا اور پروان چڑھایا تھا، حضرت قاری طیب صاحب رحمہ اللہ کا دارالعلوم سے نکال دیا جانا جہاں ایک عظیم سانحہ ہے، وہیں امت اسلامیہ کے لیے اس سے بھی زیادہ بھیانک نقصان یہ ہوا کہ حضرت کے ساتھ دارالعلوم کا فکری اعتدال بھی رخصت ہو گیا، مسلمانوں کے دوسرے مکاتب فکر کا ربط و

❖ ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

ابطال عظیم فکر قرار پایا، ۱۴۰۳ھ میں قاری طیب صاحبؒ نے دیوبند کی جامع مسجد میں بے سروسامانی کے ساتھ نئے ادارہ کو وجود بخشا جو دیکھتے ہی دیکھتے عالم اسلام کی عظیم درس گاہ میں تبدیل ہو گیا۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب قدس سرہ نے اس ادارہ کے قیام میں اہم ترین کردار انجام دیا۔ چند سالوں بعد ہی والد صاحب کا انتقال ہو گیا، اور اس زندہ اور متحرک ادارہ کی ساری ذمہ داریاں آپ کے کندھوں پر ڈال دی گئیں، آپ نے اپنے ہم فکر معاونین کے ساتھ بے پناہ محنت ومشقت اور عزم وثبات کے ذریعہ اس ادارہ کو پروان چڑھایا، جو آج وقف دارالعلوم کے نام سے عظیم خدمات انجام دے رہا ہے۔

دارالعلوم کی تنظیمی وتدریسی ذمہ داریوں اور اصلاحی وتبلیغی اسفار کی کثرت کے باوجود علم وتحقیق کے میدان میں آپ بہت ہی بلند مقام پر نظر آتے ہیں، گو آپ کی تالیفات کم ہیں لیکن جو ہیں ان میں اسلام کی سربلندی اور امت مسلمہ کی عظمت رفتہ کی واپسی کے سارے قیمتی راز جمع ہیں۔

آپ کی تحریروں میں دینی حقائق کے دقیق اور انوکھے پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے، امت مسلمہ کے احوال وکوائف اور ان کا مطلوبہ کردار کیا ہونا چاہیے، یہ آپ کی علمی وفکری کاوشوں کا اہم موضوع ہے۔

آپ کی تحریریں عربی و اردو زبانوں میں موجود ہیں، عربی زبان میں "**الانسانية في الاسلام**" نہایت قیمتی مختصر مقالہ ہے، جو جمہوریہ مصر کے عام کانفرنس کے لیے تیار کیا گیا تھا، جس میں مضبوط دلائل کے ذریعہ یہ ثابت کیا گیا کہ اسلام دین انسانیت ہے، انسانیت کی اصل کامیابی اسلام میں ہی ہے، اس میں جگہ جگہ اس طبقہ کے لیے بے قراری ظاہر کی گئی ہے جو دعوت دین کے محدود دائرے مقرر کر رہے ہیں، جس میں اس نہج دعوت کو زندہ کرنے کے لیے فکرمندی ظاہر کی گئی ہے جس میں تمام انسانوں تک دین کے پیغام کو پہنچانے کی تلقین کی گئی ہے۔

حضرت مولاناؒ کا منہج فکر وعمل

مولانا مرحوم کا منہج فکر عالمی تھا، عالمی حالات وکوائف پر گہری نظر تھی، دشمنوں کی طرف سے مسلمانوں اور اسلام پر عائد کئے جانے والے اتہامات والزامات کے تعلق سے فکرمند رہتے تھے، اس کے لیے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے اور ان کی اصل ذمہ داری کیا ہے اس پر آپ کی تحریروں میں خصوصی توجہ دلائی گئی ہے (۱) انسانی رواداری اسلام کا خصوصی امتیاز ہے، دنیا کے تمام مذاہب وافکار اس امتیاز سے خالی ہیں، اپنے دائرہ سے باہر افکار کے حاملین کے لیے ان کے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے، لیکن اسلام جو تمام انسانوں کیلئے راہ نجات ہے، وہ تمام انسانوں کے ساتھ رواداری کی تعلیم دیتا ہے، مولانا مرحوم نے جدید حالات

(۱) الانسانیۃ فی الاسلام، ص:۳۰،

وتقاضے اور عصر جدید کے اعتراضات کو سامنے رکھ کر اسلام کا وسیع تر مطالعہ کیا، اور مستشرقین اور اسلامی تعلیمات میں تشکیک پیدا کرنے والوں کا نہات علمی اور منطقی جواب دیا، ''**التسامح فی الاسلام**'' مولانا مرحوم کا مختصر عربی مقالہ ہے، اس میں اسلام کی رواداری اور اسلام کے خصوصی امتیازات کو مضبوط ترین دلائل وشواہد کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

اتحاد ملت کے عظیم داعی

حضرت مولاناؒ عصر حاضر کی وہ نایاب شخصیت ہیں جنہوں نے بلا تفریق مسالک ومکاتب فکر، مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی بے پناہ کوشش کیں، مولانا مرحوم کی وفات اس پہلو سے امت مسلمہ کے لیے سب سے بڑا خسارہ ہے کہ مولانا کی وسیع تر ذہن وفکر کی حامل شخصیت پر امت مسلمہ کا اتحاد ہوسکتا تھا، میرا اندازہ ہے کہ تمام مسالک ومکاتب فکر کے ذمہ داروں نے عظیم موقع اتحاد کو گنوادیا ہے، اب شاید امت کو ایسی شخصیت آسانی سے میسر نہ آسکے جس کی قیادت پر پوری ملت اسلامیہ کا اتفاق ہوسکے۔

مسلک ومشرب اور حضرت مولانا کا نہج فکر

مولانا مرحوم مسلکی وسعت رکھتے تھے، مسلکی غلو اور تشدد کے پرزور مخالف تھے، مسلک ومشرب کو ذوقی چیز مانتے تھے جس کا تمام ائمہ مجتہدین اور مفکرین کے احترام کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ غیر منصوص مسائل میں کسی بھی مجتہد کی رائے کو اختیار کرنے اور سابق امام کی رائے کو ترک کردینے میں کسی قسم کی قباحت کے قائل نہ تھے، مولانا فرماتے ہیں:

> ''ائمہ اجتہاد کا متبع ہمہ وقت اس کا مستحق ہے کہ جس مجتہد کے اتباع پر اس کا یقین بلحاظ دوسرے امام مجتہد کی جانب بدلائل ہوجائے تو اس کے لیے سابق امام فقہ سے ہٹ کر دوسرے امام کی اتباع کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہوگا، کیوں کہ ہر امام کے مختار مسائل استنباطی ہیں، اور استنباط کا تعلق عقل سے ہے۔''(۱)

یہی حقیقت بھی ہے کہ امت کا مجتہد اور مفکر سب کے لیے برابر ہے، افسوس کی بات ہے کہ یہ باطل تصور اور شیطانی وسوسہ مسلمانوں میں جڑ پکڑ گیا ہے کہ کوئی انسان کتنا بڑا مجتہد ومفکر ہے، خواہ اس میں کتنی بھی قابلیت ہو اور اس کے کتنے بڑے کارنامے ہوں لیکن اگر وہ مخصوص مسلک اور مکتب فکر کے جھنڈے تلے نہیں ہے تو اس کو نیچا دکھانے بلکہ اس کی تضلیل وتکفیر کے لیے اکاذیب واباطیل کا سہارا لیا جاتا ہے اور اس کی تقریروں اور

(۱) خطبات خطیب الاسلام، جلد ا ص: ۳۴

تحریروں کے جملے کو کانٹ چھانٹ کرنے اور اپنی طرف سے حشو واضافہ کرنے میں بھی ذرا سا تامل نہیں کرتے۔

مولانا مرحوم نے اس طرح کے باطل تصورات کی سختی سے تردید کی اور امت کے تمام مفکرین ومجتہدین کو پوری امت کے لیے مجتہد مانتے ہوئے ان کے احترام کو لازمی قرار دیا۔ مولانا ایک موقع سے فرماتے ہیں:

''تمام حضرات ائمہ مجتہدین محسنین امت ہیں۔ وہ تمام کے تمام سب کے لیے واجب الاحترام ہیں''۔(۱)

مسلک ومشرب کے تعلق سے حضرت مولانا مرحوم کا منہج جہاں دیدگی اور عصر حاضر کے تقاضوں کو مکمل طور پر سمجھنے اور حقیقت شناسی اور دور اندیشی پر مبنی ہے۔ آج ملت اسلامیہ کے لیے نہایت خوفناک امر یہ ہے کہ انہیں مسلک ومشرب کا اس قدر پابند بنادیا گیا اور پابند کردینے کی کوششیں کی جارہی ہیں کہ مسلمانوں کا اصل دین اور اصل اسلام سے ربط وتعلق انحطاط کا شکار ہورہا ہے، وہ منزل من اللہ دین سے کم اور مسلک ومشرب سے زیادہ مربوط ہورہے ہیں۔ منزل من اللہ دین کے کم اور مسلک ومشرب کے اثرات زیادہ ہیں، اس پر غضب بالائے غضب یہ کہ دین کی تبلیغ کے بجائے مسلک ومشرب اور مکتب فکر کی تبلیغ واشاعت کی جارہی ہے، اور ان سب پر ظلم عظیم یہ کہ اسی کو دین اور تبلیغ دین کا کام بھی سمجھا جارہا ہے۔

حضرت مولانا مرحوم نے بڑی بے باکی سے اس فتنہ کی تردید کی اور مسلک ومشرب کو ذوقی چیز بتاتے ہوئے مسلک ومشرب کی تبلیغ واشاعت کو انحطاط کے نتیجہ میں پیدا ہوجانے والا مرض قرار دیا۔ مولانا فرماتے ہیں:

''انحطاط کے نتیجہ میں ایک ذہنیت یہ پیدا ہوئی کہ لوگ دین سے اتر کر مذہب پر آئے، مذہب سے اتر کر مسلک پر آئے اور آج انتہائی علمی انحطاط یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ مشرب جو محض ذوقی چیز ہے انہوں نے مسلک کا قائم مقام مشرب تک کو بنا رکھا ہے اور اس کی تبلیغ بھی شروع کردی ہے، بالفاظ دیگر مسلک سے بھی نیچے اتر کر انہوں نے اپنی ذوقی چیز کو دنیا کے سامنے بطور دین پیش کرنا شروع کردیا ہے۔''(۲)

مسلمانوں کی تباہی اور مسلمانوں کے درمیان بھیانک قسم کے انتشار پھیلانے میں ہمارے اس رویہ کا بہت بڑا دخل ہے کہ ہم جس مسلک کی پیروی کرتے ہیں اسی کو اصل دین مان کر اسی کی تبلیغ بھی کرنے لگتے ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ اپنے مسلک کو غالب کرنے کے لیے مناظرے، مجادلے، لڑائیاں، جھگڑے اور تمام تر بد اخلاقیوں کو انجام دینے کو جہاد کے برابر ثواب کا کام سمجھتے ہیں، ہماری تمام جدوجہد مسلکی چہار دیواریوں میں مقید ہوکر رہتی ہے، تعلیم وتعلم، درس وتدریس، بحث وتحقیق، مناظرے ومباحثے، تعلیمی وتربیتی اداروں اور تنظیموں کا قیام اور اصلاح ناس کی سرگرمیاں سب کے سب مسلک ومشرب کی تنگ وتاریک کوٹھریوں میں بند ہوکر انجام پاتی ہیں۔

(۱) خطبات خطیب الاسلام، جلد اص:۳۴		(۲) ایضاً، جلد اص:۳۱۳

مولانا مرحوم نے مسلکی شدت پسندی پر سخت گرفت کی اور نہایت واضح لفظوں میں بتایا کہ مسلک مختار ترجیحی تو ہوسکتا ہے لیکن مستحق تبلیغ نہیں، اس کی تبلیغ واشاعت کی کوشش کرنا باعث انحطاط کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے، مولانا مرحوم ایک جگہ فرماتے ہیں:

”مدار نجات اور مستحق تبلیغ فقط دین ہے، مذہب فقہی اور مسلک مختار نہ تو مدار نجات ہے اور نہ مستحق تبلیغ“(۱)

میرے خیال سے مسلمانوں کے دورِ زوال کے پہلے اور واحد مفکر آپ ہیں جنھوں نے اس حقیقت کو بیان کرنے کی جرأت کی کہ فقہا کا استنباط کردہ قانون اسلامی دین کے درجہ میں نہیں ہے، دین صرف اور صرف وہ ہے جو منزل من اللہ ہے جس میں عقل انسانی کا قطعاً دخل نہیں ہے۔

مسلمانوں کے انحطاط کا نقطہ آغاز یہی ہے کہ ان کو فقہاء کے استنباط کردہ قانون کو اصل دین سمجھا یا گیا، بلکہ فقہی مسالک تو دور مکتب ومشرب کی پابندیوں کو بھی اصل دین ہی بتایا جارہا ہے۔ منزل من اللہ دین کی تبلیغ کو چھوڑ کر مسلک ومشرب کی تبلیغ اور اسے غالب کرنے کے لیے ہر طرح کے الٹ پھیر اور تحریف وتنقیص کا رویہ اختیار کیا جارہا ہے بلکہ اب تو مسلک ومشرب کے نام پر سربکف سربلند علمائے حق کے نعرے بھی وضع کر لیے گئے ہیں اور اپنے مکتب ومشرب سے باہر کے لوگوں اور ان کی دینی سرگرمیوں پر فتاویٰ کفر چسپاں کرنے کا رویہ بھی عام ہوتا جارہا ہے۔

مولانا مرحوم نے دین اور مسلک ومشرب کے فرق کو واضح کرتے ہوئے بتایا کہ دین اصل ہے جس کی نشر واشاعت تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، اور مسلک ومشرب ذوقی چیز ہے جس کی تبلیغ واشاعت کی کوشش کرنا اللہ کی طرف سے نازل کردہ دین کے ساتھ کھلی ناانصافی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

”فقہاء کا مستنبط کردہ قانون اسلامی دین کے درجہ میں نہیں ہے، دین وہ ہے جو منزل من اللہ ہے، جس میں عقل انسانی قطعاً دخیل نہیں ہے، ظاہر ہے کہ جس کے اندر عقل انسانی دخیل ہو تو وہ قطعاً قابل تبلیغ نہیں ہوسکتا، قابل تبلیغ صرف منزل من اللہ دین ہی ہوگا، بخلاف مذاہب فقہا کے کہ وہ عقلا اجتہادی اور استنباطی ہیں، اس لیے ان کا درجہ ترجیحی تو ہوسکتا ہے، تبلیغی نہیں۔“(۲)

مسلمانوں کے انحطاط کے ساتھ ہی مسلمانوں میں جو فتنہ در آیا وہ یہ تھا کہ لوگ منزل من اللہ دین کی تبلیغ کے بجائے اپنے مسلک ومشرب اور فقہی مذاہب کی تبلیغ کرنے لگے، ایک دوسرے کی تردید ابطال اور مناظرے ومجادلے کے لیے تنظیمیں اور شعبہ جات قائم کرنے لگے، جس سے دین کے اثرات مخفی ہوگئے اور مسلک ومشرب کو دین پر غلبہ ہوگیا، جو واقعی دین کے ساتھ ناانصافی ہے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ آگے فرماتے ہیں:

(۱) خطبات، خطیب الاسلام، جلد اص:۳۱۳　　(۲) ایضاً، جلد اص:۳۱۳

''اگر ان کو درجہ تبلیغ دے دیا جائے تو یہ دین منزل کے ساتھ ناانصافی ہوگی، اس لیے کہ دین میں کسی اختلاف اور کسی تضاد کا امکان نہیں ہوتا۔ بخلاف مذہب کے کہ اس میں استنباط اور استدلال عقلی کی وجہ سے اختلاف کا پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ فقہاء کا فقہی مذہب قابل تبلیغ نہیں ہوتا، صرف قابل ترجیح ہوتا ہے، تو ضرورت جب پیش آئے تو دلائل کی قوت پر آپ کسی بھی فقہی مذہب کو اختیار کر سکتے ہیں، لیکن ان فقہی مذاہب کی دعوت دینے کا آپ کو حق نہیں دیا جائے گا، کیوں کہ دعوت دیئے جانے کا حق دار صرف دین ہے۔''(۱)

امت مسلمہ کے درمیان تفریق وانتشار کا بنیادی سبب دین مذہب اور مسلک ومشرب کے فرق مراتب کو نہ سمجھنا ہے، اگر ان کے درمیان فرق مراتب کو سمجھ لیا جائے تو امت مسلمہ بآسانی ملت واحدہ بن کر عروج وبلندی حاصل کر سکتی ہے۔ مولانا مرحوم فرماتے ہیں:

''تفریق ملت کا بنیادی سبب دین، مذہب اور مسلک میں فرق مراتب کو باقی نہ رکھنے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، اس لیے ان تینوں کو اپنے اپنے دائرے میں رکھنا مختلف طبقات ملت میں فکری قرب پیدا کرنے کا واحد ذریعہ بن کر اجتماعی اور ملی ترقی کی راہیں ہموار کرنے کا وسیلہ ثابت ہوسکتا ہے۔''(۲)

علماء اور ارباب فکر ودانش کو مولانا کی نصیحت

علماء اور ارباب فکر ودانش کی ذمہ داریاں کیا ہیں انہیں کن امور میں اپنی توانائیاں صرف کرنی چاہیے، مولانا مرحوم نے اس پر خاص توجہ فرمائی اور علماء اور دانشوران قوم کے لیے لائحہ عمل اور ان کی ذمہ داریاں مقرر فرمائیں، میرے خیال سے آج اگر علماء اور ارباب فکر مولانا مرحوم کے اس مطالبہ کو اخلاص کے ساتھ تسلیم کر لیتے ہیں اور اس کے مطابق اپنی جدوجہد اور فکری سرگرمیاں انجام دینے کے لیے مستعد ہو جاتے ہیں تو مکمل یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ چند سالوں میں ملت اسلامیہ زبوں حالی کے کانٹوں اور انحطاط وزوال کے جراثیم سے اپنے آپ کو بآسانی نکال سکتی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے سامنے جس طرح اندرونی چیلنجز ہیں اور اندرونی طور پر مسلمان انتشار وافتراق کے شکار ہیں اس سے بھی بڑا مسئلہ عصری تقاضے اور عصری چیلنجز ہیں، اسلام کو بدنام کرنے کی منظّم کوششیں ہو رہی ہیں، اسلامی نظام سے لوگوں کو دور کرنے کے لیے اسلام اور مسلمانوں کی بھیانک تصویر بنا کر دنیا کے سامنے پیش کی جا رہی ہے، مسلمانوں کو معاشی، سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی الغرض مختلف قسم کے مسائل درپیش ہیں، ایسے وقت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے، مولانا مرحوم نے ان تقاضوں کا مکمل تجزیہ کرتے ہوئے علماء

(۱) خطبات، خطیب الاسلام، جلد۱، ص:۳۱۳ (۲) ایضاً، جلد۱، ص:۵۱۳

اور ارباب فکر کا لائحۂ عمل اور ان کی ذمہ داریاں اس طرح مقرر فرمائیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

''ہر نازک اور خطرناک ترین مرحلے پر پہنچنے کے بعد ارباب علم وفکر پر یہ اہم ترین فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ملت کو ہر ذلت سے نکالنے اور عمومی اور عوامی پیمانہ پر عزت وعظمت کی بلند مقامی پر اس کو فائز کرنے کے لیے نظام کی تشکیل نو پر عصری تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر اپنی پوری علمی وفکری اور تجرباتی توانائیاں صرف کریں۔''(۱)

وحدت فکر

مسلمانوں کے عروج اور اسلام کی بلندی کے لیے سب سے اہم ترین ذریعہ وحدت فکر ہے، مولانا مرحوم نے وحدت فکر کو مسلمانوں کی عظمت وبلندی کیلئے خشت اول قرار دیا اور وحدت فکر کی حصولیابی اور وحدت فکر کی بقا کے لیے فقہ معین اور مسلک معین کو محض خاموشی سے اختیار کرنے اور صرف دین منزل کے اعلان وتبلیغ کی تاکید کی، مسلک ومذہب کسی کو بتانے یا اعلان کرنے کی چیز نہیں ہے، اسے کہیں زیر تذکرہ لائے بغیر خاموشی سے اختیار کرنا ہے، لیکن افسوس اور صد افسوس آج ہمارے درمیان اسلام تو خاموش ہے لیکن مسلک ومشرب خوب بولتا ہے بلکہ چیخ چیخ کر مسلک ومشرب کے زندہ باد ہونے کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

''تشکیل نظام کے اس مرحلہ پر یہ حقیقت ہر اختلاف سے بالاتر ہوجاتی ہے کہ قوموں کے لیے ہر دائرۂ حیات میں ترقی کی خشت اول صرف وحدت فکر ہی ہونی چاہیے، ورنہ اختلاف افکار ونظریات کے سامنے ارتقاء کا تصور ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتا، ملت اسلام میں وحدت فکر بیدار کرنے کا واحد طریق اس کے سوا دوسرا نہیں ہوسکتا کہ ہر طبقہ ملت میں اپنے فقہ معین اور مسلک مختار کو ادنیٰ درجہ میں بھی زیر تذکرہ لائے بغیر تبلیغ دین صرف دین منزل من اللہ کے لیے مخصوص ہو۔''(۲)

حضرت مولانا سالم قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ جہاں اتحاد امت کے فکر مند داعی ہیں وہیں وحدت امت کی ضرورت واہمیت اور اس کے اسباب وذرائع پر گہری نظر رکھتے ہیں، ان کی جہاں دیدہ سوچ وفکر اور اصل اسلام کو گہرائی سے سمجھنے اور ملت اسلامیہ کے تئیں غیر معمولی فکرمندی، یہ ساری چیزیں مولانا کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں اور ان امور میں مولانا مرحوم واحد اور لاثانی نظر آتے ہیں، ملت کی عظمت رفتہ کی واپسی اور ان کی سربلندی کے اسباب وذرائع سے مکمل واقفیت رکھتے ہیں، کاش مولانا کی قیادت میں اتحاد امت کی عملی اور مخلصانہ کوشش کی جاتی تو آج ملت کی تقدیر یہ کچھ اور ہوتی، اب ان کے افکار ونظریات ہمارے درمیان موجود ہیں ان کا سہارا لے کر ہم اس میدان میں خاطر خواہ کوشش کرسکتے ہیں۔

❖ ❖ ❖

(۱) خطبات، خطیب الاسلام، جلد ا ص: ۳۔۹　　(۲) ایضاً، جلد ا ص: ۱۳۔۱۴

صالحین کی صحبت میں نفع ہی نفع

اللہ والوں سے، نیک لوگوں سے رابطہ قائم رکھنا اور باقی رکھنا اور ان کے پاس جانا اور ان کے پاس بیٹھنا نفع سے خالی نہیں، یہ ضروری نہیں کہ وہ آپ سے باتیں ہی کرے، ان کے پاس بیٹھنا ہی آدمی کے لئے بڑی سعادت ہے اور یہ نیکی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ توفیق خداوندی میسر آتی ہے، فوائد بھی اس کے اندر ہوتے ہیں اور آخرت کا فائدہ تو یقینی ہے لیکن بعض مرتبہ دنیوی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔

(زریں فرمودات از حضرت خطیب الاسلامؒ

ماہنامہ ندائے دارالعلوم وقف، ماہِ محرم الحرام ۱۴۳۹ھ، ص:۱۱)

بابِ سوم

خدمات و آثار

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی

عربی نگارشات

مولانا ڈاکٹر کفیل احمد قاسمی ❖

سرزمین نانوتہ کا درّے بے مثال، خاندانِ قاسمی کا چشم و چراغ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم و معارف کا امین، ہندوستان میں مسلک اہل سنت والجماعت کا ترجمان، جماعت دیوبند اور معارف علوم قاسمی کا پاسبان جسے ہم آج صیغۂ ماضی سے یاد کرتے ہیں اور رحمۃ اللہ علیہ کے دعائیہ کلمات ادا کرتے وقت دل بھر آتا ہے ۲۲ / جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۸ / جنوری ۱۹۲۶ء کو ایک خالص دینی و علمی، شریف النسب، قریب الحسب گھرانے میں پیدا ہوئے اور اپنی زندگی کی ۹۴ بہاریں دیکھ کر اس فانی دنیائے آب وگل سے ۲۷ / رجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴ / اپریل کو ہم سے رخصت ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہ نے آپ کو گوناگوں صفات اور بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا، دارالعلوم دیوبند سے درسیات کی تکمیل کے بعد آپ مادر درس گاہ میں استاذ مقرر ہوئے، ۳۵ سال تک تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد قضیہ دارالعلوم کی وجہ سے انتہائی ناسازگار حالات میں ۱۴۰۳ھ میں دارالعلوم وقف قائم کیا اور تادم واپسیں اسی کے ہوگئے، یہاں انتظامی امور کی نگرانی کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کو اپنا مقصد حیات بنا کر رکھا، آپ کی تدریسی خدمات کا دورانیہ تقریباً ستر سال پر محیط ہے، اس دوران ہزاروں طالبانِ علم آپ کے سرچشمۂ علم سے فیضیاب ہوئے، آپ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم اور حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے معارف کا ایک حسین امتزاج تھے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی تربیت نے آپ کو پارس پتھر بنا دیا تھا، جادو بیانی و شیریں گفتاری میں حکیم الاسلام کا جیتا جاگتا پرتو تھے۔

حکیم الاسلامؒ کے بعد آپ واحد شخص تھے جو حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے علوم و معارف کی تشریح و توضیح کا غیر معمولی سلیقہ رکھتے تھے، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ آپ نے حضرت نانوتویؒ کے علوم و معارف کو پوری امانت و دیانت کے ساتھ آنے والی نسلوں تک انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ پہنچایا۔ حضرت نانوتویؒ کے وہ دقیق مضامین جو عام علماء کے فہم سے بالاتر تھے، آپ دل نشیں انداز میں ان

❖ پروفیسر شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

کی تفہیم وتشریح فرماتے تھے۔ آپ ستودہ صفات کے مالک تھے، طبیعت میں ہمیشہ نیکی کا غلبہ تھا، خودغرضی و خودنمائی جیسی صفات رذیلہ کا سایہ بھی آپ سے کوسوں دور تھا، عاجزی وانکساری، تواضع وحلم اور خشیت الٰہی کا قابل تقلید نمونہ تھے، تیز وتند طوفانِ بلاخیز کی موجوں کے سامنے آپ صبر واستقامت اور سکوت واستغناء کے ہمالیہ کی مانند تھے، آپ کا عزم اور پختہ ارادہ آپ کو معاصرین میں ممتاز کرتا ہے۔ دارالعلوم وقف کو ایک پودے سے عظیم تناور درخت بنانے میں آپ کے عزم واستقلال، شبینہ روز محنت اور دعائے سحرگاہی کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔

ابتداء ہی سے آپ تعلیم وتعلم کی طرف متوجہ رہے اور انتظامی امور سے خود کو الگ رکھنے کی کوشش کی، صاحبزادہ محترم پروفیسر محمد اعظم قاسمی صاحب نے راقم الحروف کو بتایا کہ والد صاحب قبلہ (حکیم الاسلام) ان سے یہ فرمایا کرتے تھے کہ ''انتظامی معاملات اور اہتمام کی جھنجھٹوں سے دور رہنا، خود میرا مزاج لکھنے پڑھنے کی طرف زیادہ تھا لیکن جب بزرگوں نے یہ ذمہ داری سونپ دی ہے تو کرنا پڑ رہا ہے۔''

دارالعلوم سے وابستہ حضرات کو یہ یاد ہوگا کہ حضرت قاری صاحب نے اپنی زندگی میں مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کو چھوڑ کر مولانا معراج الحق صاحب مرحوم کو نائب مہتمم اور مولانا نصیر احمد خاں صاحب مرحوم کو معاون نائب مہتمم بنایا تھا لیکن کسے معلوم تھا کہ جس طرح بزرگوں کے ایماء پر حضرت حکیم الاسلام نے اہتمام کی ذمہ داری سنبھالی تھی اسی طرح قدرت کے فیصلے کے مطابق حضرت خطیب الاسلام کو وقف دارالعلوم کے اہتمام کی ذمہ داری سنبھالنی پڑی جس کو آپ نے مثالی طور پر انجام دیا۔

درس وتدریس کی مصروفیات دارالعلوم وقف کی انتظامی ذمہ داریوں، تبلیغ دین کے لیے ہونے والے اسفار، اہم وموقر علمی ودینی مراکز سے وابستگی اور بے شمار مدارس اسلامیہ کی سرپرستی اور ان کے مسائل کو حل کرنے کی فکر نے آپؒ کو اپنے قلمی جوہر دکھانے کا پورا پورا موقع نہیں دیا، پھر بھی وقتاً فوقتاً آپ کی تصنیفی سرگرمیاں جاری رہیں، آپ نے ہند اور بیرون ہند میں متعدد علمی ودینی مقالات تحریر فرما کر اور علمی کتابوں پر وقیع مقدمات لکھ کر گراں قدر علمی سرمایہ فراہم کیا۔ مستقل تصانیف میں ''**مبادی تربية الاطفال الاساسية**'' (عربی)، تاج دارارض حرم کا پیغام، ایک عظیم تاریخی کارنامہ، قرآن کریم کے اردو تراجم کا جائزہ اور سفرنامہ برما وغیرہ ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے غیر مطبوعہ مقالات بھی ہیں، آپ کے خطبات جن کی متعدد جلدیں شائع ہوچکیں، بذات خود علمی وفکری سرمایہ ہیں جو ''خطبات خطیب الاسلام'' کے نام سے شائع ہوکر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کرچکی ہیں۔ امید کی جانی چاہیے کہ حجۃ الاسلام اکیڈمی آپ کے غیر مطبوعہ مقالات اور خطبات کو شائع کرنے کا جلد اہتمام کرے گی۔

خطیب الاسلامؒ کے عربی نگارشات میں راقم الحروف کی رسائی صرف تین چیزوں تک ہوسکی، جن

میں سے دو عربی مقالے ہیں جو مصر میں منعقدہ سیمیناروں میں پڑھے گئے تھے اور ایک عربی کتاب ہے، ان کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

(۱) "التسامح فی الاسلام" یہ مقالہ مصر میں وزارت اوقاف کی جانب سے منعقد ہونے والے عالمی سیمینار میں پیش کیا گیا، جس کا موضوع "التسامح فی الحضارة الاسلامية" تھا، یہ سیمینار ۸تا۱۱/ربیع الاول ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۸/اپریل تا یکم مئی ۲۰۰۴ء قاہرہ میں وزارت اوقاف کی طرف سے منعقد کیا گیا تھا، اس سیمینار میں خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے جو مقالہ پیش کیا اس کا عنوان تھا "التسامح فی الاسلام" یہ مقالہ متوسط سائز کے حجم میں دس صفحات پر مشتمل ہے، جس میں آپ نے دین اسلام کی جامعیت اور آفاقیت کو قرآن وسنت کی روشنی میں اس انداز سے بیان فرمایا ہے کہ اس سے اسلام میں رواداری کی اہمیت نمایاں ہوکر سامنے آجاتی ہے۔

چناں چہ آپ رقم طراز ہیں:

"......**وفی تلك الاحوال القائمة التی واجهها الرسول الكريم ﷺ كان لزاما عليه ان يختار الاسلوب والسلوك الذی يقضی به علی هذه الحال والمجتمع المظلم الفاسد، و يمحو به تلك الصورة القبيحة لينشأ المجتمع الاسلامي الجديد الصالح لكل زمان و مكان ولكل امة و فرقة و قبيلة...... فقد قام النبی ﷺ بدعوته و تأسيس المجتمع الاسلامی اولاً علی الايمان بالله الواحد و ترسيخ العقيدة فی الاذهان، ثم اقام الاساس الثانی علی ركيزة من الالفة والمحبة والصفاء والود، ولقد كان له اثر فی المجتمع و مظهر فی الاخاء الكامل الذی كان له السمات البارزة.** (۱)

عالمی ذرائع ابلاغ نے اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب وثقافت کی شکل جس طرح بگاڑ کر پیش کی ہے اس کے تئیں آپ نے دلی رنج وقلق کا اظہار کرتے ہوئے امت مسلمہ کے ہر فرد سے مطالبہ کیا کہ وہ اسلام کے متعلق پھیلائے گئے اس مسخ شدہ شکل کو غیر مسلموں کے ذہن سے مٹا کر اسلام کی صحیح تصویر پیش کرے تاکہ پوری انسانیت اسلامی رواداری اور اسلامی عدل وانصاف سے مستفیض ہوکر امن وسکون کی زندگی گذار سکے۔ چناں چہ اس سلسلے میں آپ فرماتے ہیں:

"**ولكن مع الاسف ان الاعلام الدولی لا يزال ينشر صوراً سلبية عن الاسلام و تعاليمه و حضارته، فيلزم علينا ان نقوم بالرد علی هذا الدعاوي الباطلة والافتراءات الكاذبة والرعايات الزائفة، و ان نقوم بابراز قيم الاسلام و تعاليمه التی تمثل العدل**

(۱) التسامح فی الاسلام، ص:۳-۴

والتسامح و تقديم الحضارة الاسلامية حضارة راقية نموذجية لفلاح الانسانية و سعادتها و السلام العالمى و البشرية.'' (۱)

۲۰۰۵ء میں سترہواں عالمی سیمینار مندرجہ بالا وزارت کے ہی زیر اہتمام ۸-۱۱ ربیع الاول ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۷-۲۰/ اپریل ۲۰۰۵ء منعقد ہوا، جس کا موضوع ''إنسانية الحضارة الإسلامية'' تھا۔ اس سیمینار میں خطیب الاسلام نے جو مقالہ پیش کیا اس کا عنوان ''الانسانية فى الاسلام'' تھا، یہ مقالہ متوسط سائز کے حجم میں چھ صفحات پر مشتمل تھا، اس جامع علمی مقالہ میں قرآن وسنت سے استدلال کرتے ہوئے آپ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اسلام فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے وہ واحد مذہب ہے جو بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کو سب سے مقدم رکھتا ہے، جس نے مظلوموں، غلاموں اور دبے کچلے عوام کو ظالم و جابر حکمرانوں سے نجات دلا کر خود ساختہ سماجی بندھنوں سے آزاد کرایا۔ آپ فرماتے ہیں:

''و واقع الوجود الانسانى يثبت ان الاسلام دين الإنسانية، فمنذ ظهوره حتى اليوم الى قيام الساعة هو خير دين و اكمله، و لهذا جعله الله خاتم الاديان كما جعل الرسول الذى بعثه به خير الرسل و افضلهم و خاتمهم، فلا دين غير الاسلام و لا نبى بعد محمد على الصلاة و السلام و كان من اعظم اهداف الاسلام انقاذ الشعوب المظلومة الكادحة من ظلم الطغاة الظالمين الذين استبدوا الجماهير حقوقهم و قضوا على إنسانيتهم و أموالهم على ادميتهم...... و كان العالم قبل الاسلام ينتظر من يقوده الى الخير و الايمان و الرشد و العدالة و الرحمة و المحبة و السلام و صيانة الحقوق الانسانية.'' (۲)

نہ صرف مغربی ممالک بلکہ پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ جس طرح اسلام کو بدنما کر رہے ہیں اور الزامات عائد کر رہے ہیں کہ اسلام ظلم و بربریت کو فروغ دیتا ہے اور انسان کی آزادی کو سلب کر کے اسے زندگی کے بنیادی حقوق سے محروم کرتا ہے، ان الزامات کی تردید کے لیے آپ امت مسلمہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

''اما حان الوقت لان نبرز مرة اخرى و خاصة فى القرن الجديد و أما الاعداء اعداء الاسلام و المسلمين و تعليما لاسلام و قيمه و تاريخه المجيد الحافل برفع حقوق الانسان فى كل عهد. ان الاسلام هو الدين الوحيد اصلح الاديان كلها. و مبادئة القيمة ضامنة و متكلفة للانسانية و حقوقها و متماسكة بحرية الفرد و الاجتماع، و الحكومة و الشعب، و انه قد اخذ سبيل خير الانسانية و سعادته فى

(۱) التسامح فى الاسلام، ص: ۱۰　　(۲) الانسانیہ فی الاسلام ص: ۲

الدنیا والآخرة فی ضوء القرآن الکریم والسنة النبویة ولا شك ان معنی الانسان فی تعالیم الاسلام هو ابرز شیء فی هذا الدین الذی جاء رحمة للعالمین...... ولا شك ان القیم الاسلامیة و اصولها التی ینص علیها القرآن الکریم والحدیث النبوی صالحة للعصر الحاضر ولکل عصر ولکل المجتمعات المتقدمة و غیر المتقدمة لصلاح البشریة و نجاح الانسان و سلامة الشعب والحکومة والمجتمع وهی مقتبسة من الکتاب والسنة کان حاکما أو محکوما او رجلا أو امراة.''(۱)

اس مقالہ میں آپ نے اسلام کے خلاف الزام تراشیاں کرنے والوں کو مدلل انداز میں کتاب و سنت سے جواب دینے کے ساتھ امت مسلمہ کے علماء وارباب دانش کو اس بات کی تلقین کی ہے کہ عصر حاضر میں اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ دنیا کے سامنے ہم اسلام کی خوبیوں کو قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کریں اور یہ ثابت کریں کہ اسلام ہی وہ دین فطرت ہے جو فلاح بشریت کے لیے آیا ہے۔

(۳) صالح معاشرہ کے قیام کے لیے صالح افراد کا وجود سب سے اہم بنیادی ضرورت ہے، جب افراد اخلاقِ حسنہ سے متصف نہیں ہوں گے تو معاشرہ میں اصلاح کی امید ایک موہوم سی بات ہوگی، اسی لیے اسلام نے صحیح اور دینی نہج پر تربیت کو سب سے اہم قرار دیا ہے بلکہ اولاد کی صحیح اسلامی تربیت پر والدین کو اجرعظیم کا مژدہ بھی سنایا ہے۔ اسی نظریہ کو سامنے رکھتے ہوئے خطیب الاسلامؒ نے اولاد کی صحیح تربیت کے کچھ بنیادی اور رہنما اصول پر عربی میں ایک جامع اور مفید کتاب ''**مبادی تربیة الاطفال الاساسیة**'' کے نام قلمبند کی ہے۔ یہ تصنیف ۲۳ رصفحات پر مشتمل ہے اور کتب خانہ دارالعلوم دیوبند مندرجہ فہرست کے مطابق ۲۰۸۱۵۱ کے تحت موجود ہے۔ طابع وناشر کے طور پر یہ عبارت ہے ''**ملتزمة الطبع والنشر دارالاهتمام بدارالعلوم دیوبند (الهند)**''

اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں آپ نے صحیح اسلامی ودینی تربیت کی اہمیت کو قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ چناں چہ کتاب کا آغاز اس عبارت کے ساتھ ہوتا ہے:

''ان تربیة الطفل من واجبات الانسانیة المقدسة و مقتضیات العقل البشری الاولیة،و ان الشرف الانسانی مهمة یجب فی کل عصر و بیئة الحفاظ علی تلك الامانة و رعایتها و نقلها الی الاجیال القادمة علی توالی العصور. ورد فی الحدیث النبوی الشریف عن جابر بن سمرة مرفوعا: لأن یؤدب الرجل ولده خیر له من ان یتصدق بصاع. (رواه الترمذی فی السنن) و إن قضیة تربیة الطفل لکونها من مقتضیات الطبیعة والعقل، و علی جانب عظیم من الاهمیة والخطورة کانت جدیرة

(۱) الانسانیہ فی الاسلام، ص: ۴و ۶

بأن يعيرها الاسلام باعتباره نظاما كاملا للحياة البشرية. اكبر اهتمام فصرف اليها عناية بالغة، ولم يمهل هذه الناحية المهمة من الحياة. (۱)

پھر تربیت کے بنیادی عوامل سے بحث کرتے ہوئے آپ نے انسانی فطرت سے متعلق چار ایسے اخلاقی عیوب سے پردہ اٹھایا ہے جو واقعتاً تمام اخلاقی برائیوں کی جڑ ہو سکتی ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) کبر (۲) حرص (۳) خود پسندی (۴) بخل

ان عیوب کی تشریح کرنے کے بعد آپ نے اسلامی تربیتی نظام کے چار اہم اصولوں کا تذکرہ کیا ہے، وہ ہیں: (۱) تواضع (۲) قناعت (۳) مساوات اور سخاوت

جہاں تک تواضع کا معاملہ ہے آپ نے نماز کو اس کا سب سے بہترین مظہر قرار دیا ہے کیوں کہ انسان اس عبادت میں خود کو اپنے خالق و مالک حقیقی کے سامنے ہر اعتبار سے جھکا دیتا ہے اور یہ صفت انسان کے لیے روح کی مانند ہے، جب کہ شریعت مقدسہ کی تعلیمات میں اس کی جانب اشارہ ہے: ''من تواضع لله رفعه الله'' دوسری صفت قناعت ہے اور قناعت کی بہترین مثال روزہ ہے، یہ صفت انسان کے اندر سے حرص و طمع کے جڑ کو ختم کر دیتی ہے۔ تیسری صفت مساوات کا بہترین نمونہ حج ہے، جہاں تمام مسلمان حاکم و محکوم، مالدار و مسکین، کالے اور گورے، عرب اور عجم سب کے سب ایک ہی لباس میں، ایک کلمہ کا ورد کرتے ہوئے تمام شعائر ایک ساتھ ادا کرتے ہیں، نہ حاکم کو محکوم پر فوقیت ہے کہ غنی کو فقیر پر۔ دیگر مذاہب عالم مساوات کی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

چوتھی صفت سخاوت ہے اور اس کا مظہر زکوٰۃ اور صدقات ہیں، انسان اپنی محنت سے کمائے ہوئے مال کو صرف اللہ کے حکم سے اور اس کی رضا کے لیے بلا معاوضہ تقسیم کرتا ہے، اس صفت سے انسان کے اندر بخل کی جگہ ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ چار صفات انسان کی صحیح تربیت کے لیے بنیادی تربیتی عناصر ہیں، جس شخص کے اندر یہ صفات پائی جائیں گی اس میں دوسری کوئی اخلاقی برائی مشکل ہی سے پنپ سکتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے بچوں کی تربیت کے سلسلے میں تیرہ رہنما اصول کا ذکر کیا ہے، اگر ان اصولوں کے مطابق بچے کی پرورش کی جائے تو ان شاء اللہ وہ صحیح اسلامی نہج پر پروان چڑھے گا اور امت کے لیے مفید ثابت ہوگا۔ ان اصولوں کی قدرے تفصیل یہ ہے:

(۱) بچوں کی تربیت میں ہمیشہ میانہ روی اور اعتدال سے کام لیا جائے تاکہ بچہ آسانی کے ساتھ اپنے مربی کی ہدایات پر عمل کر سکے، اس کے برعکس اگر اس پر ہدایتوں کا بوجھ لاد دیا جائے تو وہ دل برداشتہ ہو کر ان پر عمل کرنے میں کوتاہی کرے گا، اس میں قولی اور عملی دونوں تربیت شامل ہیں۔

(۱) مبادی التربیۃ الاطفال الاساسیہ، ص:۳-۵

(۲) اخلاقِ حسنہ کو اگر بچے کے دل میں راسخ کرنا ہو تو عملی تربیت سے زیادہ کارگر کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے، اس لیے اس کے مربی اس کے سامنے خود عملی نمونہ پیش کریں تا کہ وہ ان کی نقل کرتے ہوئے ان اخلاق حسنہ پر عمل پیرا ہو سکے۔

(۳) مربی کی دی گئی ہدایات پر عمل کروانے کے لیے سازگار ماحول بھی پیدا کرنا بہت ضروری ہے ورنہ بچہ ان پر عمل کرنے کے بجائے بیزاری کا شکار بھی ہوسکتا ہے۔

(۴) مناسب تربیت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مربی نرم دل اور شفقت کرنے والا ہو اور بچے کے لیے اس کے دل میں نرم گوشہ ہو۔ حدیث میں بھی اس طرح اشارہ ہے "**لیس منّا من لم یرحم صغیرنا**"

(۵) تربیت کرنے والوں پر یہ ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو بچے کو غصہ اور ناراضگی سے دور رکھنے کی کوشش کرے کیوں کہ اس سے تربیت میں منفی اثر پیدا ہونے لگتا ہے اور صحیح تربیت کے اثرات زائل ہونے لگتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ سے ایک صحابی نے جب کچھ نصیحت کرنے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا "**لا تغضب**" ان صحابی کا کہنا ہے کہ میں نے آپ ﷺ کے اس فرمان پر سوچا تو یہ بات سمجھ میں آئی کہ غصہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔(۱)

(۶) مربی کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ بچے کو تضییع اوقات سے باز رکھے اور وقتاً فوقتاً وقت کی اہمیت اور اس کی افادیت کے بارے میں مناسب انداز سے مثالوں کے ساتھ اس کو بتاتا رہے تا کہ وہ بچپن ہی سے اپنے وقت کو صحیح مقاصد کے حصول میں صرف کرنے والا بن جائے۔

(۷) اسی طرح بچے کی پرورش صحیح اسلامی عقیدہ پر ہونی چاہیے تا کہ باطل افکار سے متاثر ہو کر وہ اپنی اسلامی شناخت سے دل برداشتہ نہ ہو اور اسلام بیزار نہ بن جائے۔

(۸) یہ بھی مربی کی ذمہ داری ہے کہ وہ عاداتِ قبیحہ اور اخلاقِ فاسدہ کی برائیوں کو اس کے دل میں اس طرح بٹھا دے وہ کبھی اس پر عمل پیرا ہونے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے بلکہ اس کو باعث ننگ وعار جانے۔

(۹) بچے کی تربیت کے تقاضوں میں سے ایک تقاضہ یہ ہے کہ مربی بچے کو سختی کے ساتھ بیہودہ باتوں اور بلاضرورت لوگوں سے تعلقات بنانے سے باز رکھے۔

(۱۰) مربی کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ بچے کو نشہ آور اشیاء سے متنفر کرے، بغیر محنت کمائی اور حرام کمائی کے تمام ذرائع سے دور رکھے۔

(۱۱) بچوں کو زرق برق اور ریشمی کپڑے بھی نہ پہنائے جائیں کیوں کہ اس سے ان میں عیش پسندی اور راحت طلبی کا مادہ پیدا ہو جائے گا۔ اس کے بجائے سادہ لباس پہنایا جائے تا کہ ان میں عزم و

(۱) موطا امام مالک

استقلال، خود اعتمادی اور قوت ارادی جیسی صفات پیدا ہوں۔

(۱۲) بچے کو اس بات کا بھی عادی بنایا جائے کہ وہ اپنے تمام کام خود کرے۔ اس میں خود اعتمادی پیدا کرنے کے لیے یہ ایک مفید ذریعہ ہے بلکہ یہ خود اعتمادی کا پہلا زینہ ہے۔

(۱۳) بچپن ہی سے بچوں کو نماز کی ادائیگی کا پابند بنایا جائے۔ شریعت اسلامیہ نے نماز کو محض عبادات نہیں بنایا ہے بلکہ ظاہری اور باطنی زندگی میں ان چیزوں کو اختیار کرنے کا ملکہ بنایا ہے جو مفید ہوں۔ اس کا اندازہ طویل تجربہ اور تاریخ کے مشاہدہ سے ہوجاتا ہے۔

ان اصولوں پر طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوکر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام وہ واحد مذہب ہے جو زندگی کے ہر مرحلہ میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے اور فلاح و بہبود کی راہ اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ کتاب کا اختتام اس عبارت کے ساتھ ہوتا ہے:

”و بعد فانا نقدم هذه التعليمات الاسلامية الملائمة لطبيعة البشر الى الاطفال الساذجين الابرياء بكل اخلاص و محبة و تشعر قلوبنا بعواطف الفرح والسرور، ندعوا اللّٰه سبحانه و تعالىٰ بان يوفق الجيل الانسانى المتصاعد لأن يستفيد بهذه التعليمات الاساسية الحية. اللهم آمين.“(۱)

اس پورے رسالہ کو پڑھنے کے بعد یہ انداز ہوتا ہے کہ خطیب الاسلامؒ کا عربی اسلوب نگارش سادہ، سلیس اور عام فہم ہے۔ اپنی تقریروں اور تحریروں میں وہ خوش نما الفاظ، واضح انداز بیان، چھوٹے چھوٹے دل نشیں جملے استعمال کرتے ہیں، ان کے انداز نگارش میں بھی خطیبانہ، واعظانہ اور ناصحانہ انداز ہے۔ خطیب میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں وہ آپ میں بدرجہ اتم موجود تھیں یعنی اُس خطیب کو مقبولیت ملتی ہے جو خوش وضع، خوش شکل ہونے کے ساتھ بلند آواز، خوش بیان اور اولوالعزم ہو۔ اس تصنیف میں مولانا محمد سالم قاسمی ایک دردمند معلم، ایک مربی، ایک رجال ساز، ایک شفیق خطیب اور ناصح کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔ اپنی بات کو مدلل انداز میں پیش کرنے کے لیے آپ عبارتوں میں جابجا قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبویؐ سے استشہاد کرتے ہیں جس سے مضمون کے تمام گوشے اجاگر ہوکر سامنے آجاتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے اندر بے شمار خوبیاں جمع کردی تھیں جو بڑائی اور عظمت کی دلیل ہوتی ہیں جیسے اخلاق کی عظمت، حسب ونسب کی عظمت، طور وطریقے کی عظمت اور علمی تبحر و اخلاص کی عظمت آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں، آپ کے بارے میں صرف یہ کہا جاسکتا ہے:

ليس على الله بمستنكره ☆ ان يجمع العالم فى واحد

❖ ❖ ❖

(۱) مبادی تربیۃ الاطفال الاساسیہ ص ۲۳

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ

دارالعلوم وقف دیوبند کے قیام واستحکام کے پس منظر میں

مولانا حسن الہاشمی ❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے بارے میں گفتگو کرنے اور کچھ لکھنے سے پہلے ضروری ہے کہ آپ کی ان نسبتوں پر بھی کلام کیا جائے جو ہندوستان کی چند نسبتوں میں سے ایک ہے۔ تاریخ عالم ہمیں یہ بتاتی ہے کہ لگاتار کئی نسلوں تک علمی نسبتیں کچھ ہی خاندانوں میں اپنا وجود برقرار رکھ سکیں، ورنہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتے پہنچتے سب نقوش مٹ جاتے ہیں اور پھر سناٹا چھانے لگتا ہے، بعض جگہوں پر یہ بھی ہوا کہ دوسری نسل کے بعد تیسری نسل میں بھی علم کا سلسلہ جاری رہا لیکن چوتھی نسل تک پہنچتے پہنچتے گذشتہ روایتیں ختم ہوگئیں اور پھر یاس اور قنوطیت کے بادل منڈلانے لگے۔ اللہ کے فضل وکرم سے خانوادۂ قاسمی میں نہ صرف علم ومعرفت کا سلسلہ چوتھی اور پانچویں نسل تک جاری ہے بلکہ آثار یہ بتارہے ہیں کہ اس خاندان میں علم ومعرفت کا سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

ہندوستان کے علمی خانوادوں میں اس امتیاز کی مثال خال خال ہے اور یہ وہ امتیاز ہے کہ اس خاندان کے افراد اس پر جس قدر بھی ناز کریں، کم ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے جس علمی سفر کا آغاز کیا وہ سفر حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ سے ہوتا ہوا نئے دور کے وارثین تک پہنچ چکا ہے۔ بے شک یہ ایک عظیم الشان سلسلہ ہے اور اس کو رب العالمین کے فضلِ خاص کے سوا کسی دوسرے نام سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی خلوص وللّٰہیت کی سب سے بڑی دلیل خود دارالعلوم دیوبند ہے جو ڈیڑھ سو سال سے علمِ قرآن وحدیث کی خدمات انجام دے رہا ہے اور اس کے فاضلین اور تربیت یافتہ دنیا کے گوشے گوشے اور چپّے چپّے میں پہنچ چکے ہیں اور اپنی اپنی بساط کے مطابق دنیا بھر میں علم و معرفت کے اُجالے پھیلانے میں مصروف ہیں۔ دنیا کا کون سا ایسا ملک اور کون سی بستی ایسی ہے کہ جہاں

❖ ایڈیٹر ماہنامہ طلسماتی دنیا، دیوبند

فاضلین دارالعلوم دیوبند نے اپنے قدم نہ رکھے ہوں اور جہاں حسنِ نیت اور حسنِ عمل کے ساتھ علم ومعرفت کی درس گاہیں نہ قائم کی ہوں۔

قلب میں اخلاص، نیتوں میں تڑپ، عمل میں ولولہ، سوچ وفکر میں نظافت، جنبشوں میں طہارت، ارادہ میں پختگی، حوصلوں میں چٹانوں کی سی مضبوطی، عزائم میں پہاڑوں کی سی بلندی، طبیعتوں میں استحکام، یہ بانیٔ دارالعلوم کا وہ توشہ ہے جو نسل درنسل منتقل ہوتا چلا آرہا ہے اور صرف خاندانِ قاسمی ہی کے افراد نہیں بلکہ تمام فضلائے دارالعلوم دیوبند بھی ان عظیم الشان نعمتوں سے بہرہ ور ہیں۔

ڈیڑھ صدی پہلے حضرت حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ نے حالات کا باریک بینی سے جائزہ لیا، اپنے گردوپیش میں نظر ڈالی، مسائل اور ضرورتوں کو سمجھا، وقت کی سنگینی کا احساس کیا، آنے والی نسلوں کی دینی آبیاری اور علمی تشنگی بجھانے کی تڑپ سے ایک ایسی تاریخ کی طرف آپ کی زندگی کا رخ ہوا اور ایک ایسی تاریخ آپ کے ذریعہ وجود میں آئی کہ اس تحریک کی ہزاروں اور لاکھوں شاخیں اور برانچیں ہندوستان جیسے لمبے چوڑے ملک میں اور دنیا کے دیگر ممالک میں قائم ہو چکی ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں سے لے کر پوری دنیا کے مسلمان اس مرکزِ علم سے دلی تعلق اور روحانی عقیدت رکھتے ہیں۔ لاریب دارالعلوم دیوبند تنِ تنہا وہ علمی ادارہ ہے کہ جو ۱۸۶۶ء سے لے کر ۲۰۱۸ء تک سرفرازی اور سربلندی کی ایک عظیم الشان تاریخ مرتب کر چکا ہے، سینکڑوں کام کی جماعتیں ہیں جو اس دنیا میں انسانوں کی قابل قدر خدمات انجام دے رہی ہیں وہ سب اسی دارالعلوم دیوبند کی اولاد ہیں، اس راہ میں کوئی ادارہ اور کوئی بھی تنظیم دارالعلوم دیوبند کی برابری کی دعویدار نہیں ہو سکتی اور ممکن نہیں ہے کہ کسی ادارے کا قد دارالعلوم دیوبند کے قد سے اونچا ہو سکے۔

۱۸۶۶ء میں دارالعلوم قائم ہوا، اللہ نے علمی پیاس بجھانے والوں کے لیے ایک ایسا دریا جاری فرمایا کہ آج تک ہزاروں فضلا علم کے اس چشمے سے اپنا کاسۂ علم بھر کر لے جا رہے ہیں اور اپنے اپنے علاقوں میں اس دولت کو تقسیم کر رہے ہیں اور اُس روشنی کو پھیلا رہے ہیں جو گمراہی اور ضلالت کے اندھیروں سے نمٹنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ حالات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ دارالعلوم دیوبند علم و معرفت کا ایک آفتاب ہے اور اس آفتاب کی کرنیں آج دنیا میں تاحدِ نظر پھیلی ہوئی ہیں اور اُن اندھیروں کا ملیامیٹ کر رہی ہیں کہ جو اندھیرے شیطنت کی جڑوں کو مضبوط کرنے کا کام کرتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کی ابتداء انار کے ایک درخت کے تلے ایک استاد اور ایک شاگرد ملّا محمود اور مولانا محمود حسن کے ذریعہ ہوئی تھی، اس وقت کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ ایک استاد اور ایک شاگرد کے ذریعہ شروع ہونے والا یہ مدرسہ ماہ وسال کی گردشوں کے بعد ایک ایسے جامعہ کی صورت اختیار کر جائے گا کہ ہندوستانی مسلمان خاص طور سے اس کو اپنا سب سے بڑا علمی مرکز قرار دیں گے اور یہ

ادارہ ان کے دلوں کی دھڑکن بن جائے گا۔ کون یہ سوچ سکتا تھا کہ اکابر کا اخلاص اور اسلاف کی شب و روز کی جد و جہد اس ادارے کو ایسی صورت میں ڈھال دے گی اور یہ ادارہ اور یہ مدرسہ ایسی صورت اختیار کرلے گا کہ جس ادارے سے اپنی نسبت قائم کرنے میں ہر صاحب ایمان کو فخر ہوگا اور اس ادارہ کے فاضلین خود کو ''قاسمی'' بتا کر ایک طرح کی طمانیت اور سرخ روئی محسوس کریں گے۔

اس جامعہ کی تاریخ کا ایک رخ یہ بھی دیکھئے کہ رب کائنات نے وہ اصحاب علم اس سرزمین کو عطاء کیے کہ ہندوستان کا دوسرا ادارہ ایسے با کمال افراد اور اساطین امت اس دنیا کو نہ دے سکا۔ ہزاروں جبال علم ہیں جن کی عظمتوں کے سامنے اس دنیا کے سر جھکتے ہیں، ایسے باکمال اصحاب ہیں کہ جن کے علمی کمالات پر وہ لوگ بھی رشک کرتے ہیں کہ جو خود بھی صاحب کمال ہوتے ہیں اور لاتعداد ایسے ولی صفات اس ادارے نے دیئے ہیں کہ جن کی سادگی اور پاکیزگی کی قسم کھائی جاسکتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے تیار کردہ افراد میں محققین ہیں، مقررین ہیں، خطباء ہیں، مناظر ہیں، صاحب قلم ہیں، صاحب تصانیف ہیں اور ان حضرات میں ہر ایک کی پیشانی پر لفظِ صداقت لکھا ہوا ہے، ہر ایک کے وجود میں اس قافلہ کی جھلک موجود ہے جو قافلہ علم و کمال کا قافلہ تھا اور تاریکیوں میں اُجالے بکھیرنا ہی ان کا مشغلہ تھا۔ اس قافلہ میں جدھر بھی نظر ڈالیے وہاں خیر کے انبار نظر آئیں گے، خشیت و انابت، خشوع و خضوع، تسلیم و رضا، صبر و استغناء، بلندیٔ اخلاق اور آدمیت و انسانیت سے بھر پور اصحابِ علم کا ایسا رفیع المرتبت قافلہ کہ جن کی ایک ایک ادا پر فرشتے بھی رشک کریں اور ان کے قدموں میں اپنے پر بچھانے کے لیے بے قرار رہیں۔ اس قافلہ میں شامل چند لوگ یہ بھی ہیں جو اس وقت دنیا میں نہیں ہیں لیکن اس دنیا کی کوئی مجلس ان کے ذکر سے خالی نہیں ہے۔ یہ آج بھی زندہ ہیں اور اپنے ذکر و فکر کی وجہ سے یہ لوگ قیامت تک زندہ رہیں گے اور علمی مجلسیں ان کے تذکروں سے ہمیشہ آباد رہیں گی۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، حضرت مولانا رفیع الدین دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا کفایت اللہ دہلویؒ، حضرت مولانا علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، حضرت مولانا یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ، حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ، حضرت مولانا منظور نعمانیؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام

قاسمیؒ وغیرہ لاتعداد ایسی شخصیتیں ہیں کہ اگر تاریخ ان کے کارناموں کا احاطہ کرنے بیٹھے گی تو اس کو ایک صدی درکار ہوگی۔ ان میں سے ہر شخص علم وعمل کا آفتاب و ماہتاب تھا اور ان کے علم وفکر کی شعاعوں سے ایک عالم آج تک جگمگا رہا ہے۔ ان حضرات نے انسانیت کو زندگی بخشی، علم کو توانائی عطا کی، یہ تمام حضرات اپنے وقت کے سکندر ثابت ہوئے اور انہوں نے مدرسوں اور کتب خانوں کو ایسے ایسے خزانے اور اُجالے عطا کئے کہ ان پر آفتاب و ماہتاب بھی عش عش کرنے لگے۔ ان حضرات کو یہ رتبہ بلندیوں سے ہی نہیں ملا بلکہ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اور ایک ایک پل علم کی گتھیاں سلجھانے میں کھپا دیا۔ دارالعلوم دیوبند ان ولی صفات انسانوں کی یادگار ہے کہ جنہوں نے رات کی تنہائیوں میں آنسو بہا کر یادِ الٰہی میں گڑگڑا کر اور اپنے دامنِ مراد کو پھیلا کر یہ ادارہ قائم کیا تھا۔ ان حضراتِ اکابر کے بیکراں اخلاص، ان کی لیل ونہار کی جدوجہد اور فضلِ خداوندی سے دارالعلوم دیوبند نے ہندوستان میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا کارنامہ انجام دیا۔ وہ سازش جو انگریزوں نے رچی تھی اور علم دین پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیئے تھے اور انگریزوں نے علم قرآن اور علم حدیث کو مٹانے کے لیے ہر طرف سیاسی جال پھیلا دیئے تھے، آزادی کے وقت کیا کچھ نہیں ہوا، مدارس میں تالے ڈالے گئے، علماء کو پھانسیاں دی گئیں، ان کی لاشوں کو درختوں پر لٹکایا گیا، اہل علم کا قتل عام کیا گیا، عام لوگوں کے دلوں میں اہل علم کے لیے نفرتوں کے بیج بوئے گئے تاکہ عوام علماء سے بدظن ہو جائیں اور دینی مدرسوں سے وہ روشنی حاصل نہ کر سکیں جس کو حاصل کرنا ان کا پیدائشی حق ہے۔ انگریزوں نے حقیقت جان لی تھی، علم دین ہی انسانوں کو انسان بناتا ہے، علم ہی حق و باطل میں فرق پیدا کرنے کی تمیز سکھاتا ہے۔ علم ہی سے یہ شعور پیدا ہوتا ہے کہ کون ظالم ہے اور کون بے وقوف بنا رہا ہے۔ انگریزوں کی حقیقت سمجھنے کا جو سبق ان دینی مدرسوں سے مسلمانوں کو مل رہا تھا اس کی حقیقت سے انگریز بخوبی واقف تھے، اس لیے خاص طور پر ان کی نظر ان مدرسوں پر تھی، خاص طور پر وہ علماء کو اپنے جبر واستبداد کا نشانہ بنائے ہوئے تھے۔ ہمارے ملک ہندوستان کی آزادی ان دینی مدارس کی مرہونِ منت ہے اس لیے آج تک انگریز مدرسوں کی مخالفت کرتے ہیں اور ان پر نظر رکھتے ہیں، وہ ڈرتے ہیں کہ ان مدرسوں کے پھیلائے ہوئے اجالے اتنے نہ بڑھ جائیں کہ ہمارے بکھیرے ہوئے اندھیروں کو کہیں منہ کی نہ کھانی پڑے۔ چناں چہ وہ آج بھی ان مدرسوں کو ترچھی نظروں سے دیکھتے ہیں اور ان کی حرکات وسکنات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ اسی بلند مرتبہ عالم، پیکر اخلاص، وارثِ انبیاء حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خانوادے کے فردِ فرید تھے اور انہوں نے اپنی آنکھیں کھولتے ہی اپنے گھر میں علم وعمل کے وہ مناظر دیکھے تھے جو انسان کی تربیت اور نشوونما میں بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس درس گاہ میں ان کی تعلیم ہوئی اور جس ماحول میں وہ پلے بڑھے اور جن مبارک ہاتھوں نے ان کی پرورش کی

وہ وقت کے جلیل القدر افراد تھے اور ان کے انگ انگ سے عبودیت اور پرہیزگاری ٹپکتی تھی اور جن کے سامنے از راہِ عقیدت اپنا سر جھکانے کو اپنے دین کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ وہ حضراتِ اکابر تھے کہ جن کے ساتھ ایک لمحہ گذارنے کی تمنائیں لوگوں کے دلوں میں مچلتی تھیں ان ہی حضرات کے زیر سایہ مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ شروع ہوا۔

دارالعلوم دیوبند کے نورانی ماحول میں پہنچ کر انہوں نے ان ولی صفت حضرات سے تعلیم حاصل کی کہ جنہیں بلاتأمل دارالعلوم دیوبند کا حقیقی سرمایہ کہا جاسکتا ہے۔ ان حضرات اکابر کے زیر سایہ آپ میں وہ تمام نیک خصلتیں پیدا ہوئیں جو انسانیت کے لیے سرمایۂ افتخار ہوتی ہیں اور وہ تمام نیک افکار آپ میں منتقل ہوئے جو اہل علم کے لیے طرۂ امتیاز سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ دورِ بچپن ہو یا عہد جوانی وہ مکمل احتیاط میں گذرا اور مسلسل بزرگوں کی صحبت کی وجہ سے وہ عالی صفات آپ کے اندر پیدا ہوگئیں، جو اس جماعت کے علماء کا خاص ورثہ سمجھی جاتی ہیں اور جن پر ملائکہ بھی رشک کرتے ہیں۔ مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا علم، ان کی نظرِ عمیق، ان کی دور اندیشی، ان کا تدین، ان کا تقویٰ، ان کا صبر وضبط اور ان کی ادائے کف لسان وغیرہ ایسی خوبیاں ہیں جو کسی ایک فرد میں جمع نہیں ہو پاتیں لیکن بزرگوں کی صحبت اور علماء کی تربیت کی بنا پر ایسی بے شمار خوبیاں اور خصلتیں ان کی ذاتِ گرامی میں جمع ہوگئیں جو عبدیت اور بندگی کا قیمتی سرمایہ تصور کی جاتی ہیں۔

اپنے عنوان کے تحت یہ مضمون لکھتے وقت کئی بار یہ بات ہمارے ذہن میں آئی کہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی زندگی یوں تو ہر اعتبار سے شرافت ونجابت کا حسین مرقع ہے، وہ سرتاپا اپنے اسلاف کا نمونہ بن کر دنیا کے سامنے رہے مگر کوئی پہلو ایسا بھی ہونا چاہیے جس سے ان کا مزید امتیاز اور مزید انفرادیت واضح ہو۔ ہم نے بہت غور وفکر کیا تو رب العالمین نے ہماری مدد فرمائی، ہم نے دو دور مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے ایسے دیکھے ہیں جن میں مولانا اپنے ہم عصروں سے بالکل ہی ممتاز اور منفرد نظر آتے ہیں اور ان ادوار کے کچھ معاملات میں کوئی ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔ ایک دور تو اُن کی اُس وقت کی زندگی کا ہے، جس میں وہ اپنے نامور والد کے زیر سایہ زندگی گزار رہے تھے، یہ زندگی اطمینان اور آسودگی کی زندگی تھی، سہولت کی، عیش وآرام کی، اثر ورسوخ کی تہہ در تہہ وسائل اور عظمت ومقبولیت کی زندگی تھی اور ان کی حیثیت اپنے گھر میں جانشین کی سی تھی، وہ ایک طرح سے محبوب قسم کے شہزادے تھے اور دنیا ان کے رہن سہن پر رشک کرتی تھی اور ان سے اور ان کے والد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے ملنے والوں کا ایک تانتا بندھا رہتا تھا۔ اس زمانہ میں دنیا کے دوسرے شہزادوں کی طرح اپنی خو چھوڑ سکتے تھے اور ان کے مزاج میں ایسی تبدیلی آسکتی تھی کہ جس کی وجہ سے اگر ان سے فاصلہ بنائے رکھنے میں عافیت سمجھتے لیکن

عظمتوں، رفعتوں، شہرتوں اور مقبولیتوں کے تخت وتاج پر براجمان ہوکر بھی وہ غرور وتکبر اور احساسِ برتری سے کوسوں دور رہے اور اُسی عاجزی اور انکساری کو جو انہیں اپنے بڑوں سے ترکہ میں ملی تھی اسے انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے تھامے رکھا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں نہ کسی کو نقصان پہنچایا، نہ کسی کے ہاتھ کا لقمہ چھینا، نہ کسی کے درپئے آزار ہوئے، غیبت، تہمت تراشی، لاف وگزاف سے وہ ہر دور میں اور ہر حال میں پوری طرح محفوظ رہے۔ جن حالات میں زبانیں بے لگام ہوجاتی ہیں ہم نے ان حالات میں بھی ان کی زبان کو محتاط اور محفوظ پایا۔ وہ اپنے گھر میں اپنے والد کی زندگی میں برتری کی زندگی گذار رہے تھے، وہ کچھ بھی کرتے کوئی اُف کرنے والا نہیں تھا لیکن انہوں نے اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ وہ صحیح معنوں میں اپنے والد اور اپنے اکابر کے نقش قدم پر ہیں۔ انہوں نے ہر حق دار کو اس کا حق دیا، ہر مستحق کو فائدہ پہنچایا اور ضرورت مندوں کی التجاسنی اور ہر چاہنے والے کو اپنی توجہات سے نوازا۔ انہوں نے اپنے دورِ عیش وعشرت میں بعض کارنامے ایسے انجام دیئے کہ رہتی دنیا تک اُن کارناموں کی مہک محسوس کی جائے گی۔ ان بے شمار کارناموں میں سے ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ جب فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی دارالعلوم سے وابستگی کی بات چلی تو انہیں دارالعلوم دیوبند سے وابستہ کرنے میں مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا بڑا ہاتھ تھا۔ انہوں نے اپنے والد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو اس جانب متوجہ فرمایا اور ان ہی کی زبردست تحریک پر حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحبؒ دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے اور بہ شان وشوکت دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہوئے۔ اس طرح کے متعدد واقعات نے مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کی سوجھ بوجھ، ان کی دور اندیشی اور ان کی معاملہ فہمی کو ثابت کیا اور اس طرح کے واقعات نے یہ بھی ثابت کیا کہ دارالعلوم دیوبند کو مزید عظیم الشان بنانے کے لیے ان کی سوچ وفکر بہت گہری ہوتی تھی اور بے شک وہ اپنے اسلاف کا صحیح نمونہ تھے۔

ان کی زندگی کا دوسرا پہلو اس دور کا ہے جب وہ بے چارگی اور کس مپرسی کا شکار ہوگئے تھے، وہ سلطنت جو ان کے آباء واجداد کی قائم کی ہوئی تھی ان سے چھین لی گئی تھی۔ انہوں نے اس صبر آزما دور میں بھی اپنی شرافت، اپنی بڑائی، اپنی خاندانی وجاہت اور اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا اور اپنی زبان کو بے لگام ہونے سے اسی طرح محفوظ رکھا جس طرح وہ دورِ عیش وعشرت میں پوری طرح محفوظ تھی۔ قضیۂ دارالعلوم کا وقت بڑا نازک وقت تھا، اس وقت اپنی زبانوں کو سنبھالنا مشکل نہیں ناممکن تھا، گندے پوسٹروں کا دور تھا، بدتہذیبی اور بدکلامی کا مظاہرہ ہر طرف سے ہو رہا تھا، زبانیں پوری طرح بے لگام ہوچکی تھیں۔ اس دور میں بھی مولانا کی زبان قابلِ رشک انداز میں محفوظ رہی اور انہوں نے اس برے دور میں بھی اسے افراط وتفریط کا شکار نہیں ہونے دیا۔ وہ زمانہ جس میں وہ مطمئن انداز میں جی رہے تھے انہوں نے شکر کو نہ چھوڑا اور یہ

زمانہ جس میں وہ سرتاپا طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا ہوگئے تھے انہوں نے دامن صبر کو تھامے رکھا۔ ان کی زبان شکووں اور گلوں سے منزہ رہی، بلند کردار انسان کی عظمتوں اور رفعتوں کو جانچنے اور پرکھنے کا بہترین پیمانہ یہی ہے کہ ہم دیکھیں خوش حالی میں، عیش و آرام میں ان کا طرزِ زندگی کیا رہا؟ اور تب وہ مشکلات میں گھرے اور جب انہیں آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا تو ان کا اندازِ حیات کیا رہا؟ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ جس بڑے علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور جتنی محبت اور عقیدت اس خاندان سے ہندوستانی مسلمانوں کو تھی اور ہنوز ہے ایسے عالم میں کچھ ناگوار چیزیں ان کی ذات کا حصہ بن سکتی تھیں، جن کو بہت آسانی کے ساتھ مذموم قرار دیا جا سکتا تھا مگر اللہ نے انہیں گرنے اور بھٹکنے سے محفوظ رکھا اور وہ بد سے بدترین دور میں بھی صبر و ضبط کا ہمالیہ پہاڑ بنے رہے۔ اسی کو کہتے ہیں عبدیت اور اسی کو کہا جاتا ہے مؤمنانہ زندگی۔ بے شک خاندانِ قاسمی نے بہت بڑی جنگ ہاری لیکن اس خاندان نے حکیم الاسلامؒ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد اپنے وجود کی، اپنے وقار کی، اپنی خاندانی عظمتوں کی حفاظت کی۔ اگر اس موقع پر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دارالعلوم کا پورا تدریسی زمانہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی شرافت طبعی، شرافتِ نفسی کا حسین عنوان ہے اور حسین ترین امتزاج ہے۔ ان کا کردار و اخلاق، ان کی گفتگو، ان کے معاملات، ان کا وسیع ترین علم اور ان کا حسنِ عمل مثالی تھا۔ وہ درس دینے میں زبردست مہارت رکھتے تھے، درس و تدریس کے معاملہ میں ان کا شمار ان علماء میں ہوتا تھا جو پڑھنے پڑھانے میں یدِ طولیٰ سمجھے جاتے تھے اور جن کی درسی تقریروں سے طلبہ اور معاصرین نہ صرف مانوس تھے بلکہ ان کو خراج عقیدت بار بار پیش کرتے ہوئے ان کی زبانیں نہیں تھکتی تھیں اور قدر کرنے والے لوگ جانتے تھے کہ مولانا محمد سالم صاحب نے اس علمی ورثہ کی حفاظت اپنے مصروف ترین اور اپنے بدترین دور میں بھی کی جو انہیں اپنے بڑوں سے ملا تھا۔ حالات کچھ سے کچھ رہے اور کچھ سے کچھ بنے لیکن مولانا محمد سالم صاحبؒ نے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ کو ترک نہیں کیا اور آپ اپنی زندگی کے آخری سانس تک طالبانِ علوم کی پیاس بجھاتے رہے۔

ان کے والد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا دورِ اہتمام ساٹھ سالوں تک محیط رہا، ان ساٹھ سالوں میں ہزاروں طلبہ علم و کمال کی دولتیں لے کر دارالعلوم سے رخصت ہوئے اور دنیا میں روشنی پھیلانے کے قابل بنے۔ حکیم الاسلامؒ اپنی انتظامی صلاحیتوں اور عظیم کردار و معاملات کی بنا پر اُن اشخاص میں شامل رہے جو دارالعلوم دیوبند کے ممتاز منتظمین سمجھے گئے۔ دارالعلوم ان کے دورِ اہتمام

میں ترقی کرتا رہا اور اس کی گونج پورے عالم میں سنی جانے لگی۔ پھر لیل و نہار کی گردشوں نے اس عظیم الشان ادارے کو جس کو اہل علم اور اربابِ تدبر کی طرف سے ''مادرِ علمی'' کا خطاب مل چکا تھا اس کو ۱۹۸۰ء تک پہنچا دیا۔

۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس سے ہزاروں تلخ یادیں وابستہ ہیں، آج ہم مسلمانوں کی تاریخ جس المناک دور سے گذر رہی ہے ہیں اس وقت اُن زخموں کو کریدنا بہت ساری مصلحتوں کے خلاف ہے لیکن دارالعلوم دیوبند اور اس کے انتظام اور اس کے وجود کا ذکر کرتے ہوئے قضیۂ دارالعلوم کو بالکل ہی نظر انداز کر دینا دارالعلوم دیوبند کی تاریخ کے ساتھ ناانصافی ہے اور ان تمام لوگوں کے ساتھ ظلم وستم کے مترادف ہے جنہوں نے ہر زخم سہا اور ہر اذیت گوارہ کی، لیکن اپنے اسلاف کی تعلیمات کو اپنے سینہ سے لگائے رکھا اور یہ ثابت کر کے دکھایا کہ برے سے برے حالات میں بھی صبر و شکر کی صفتوں کو تھامے رکھنا مشکل بہت ہے لیکن ناممکن نہیں ہے۔

حادثہ ہوا اور سنگین حادثہ ہوا، ایسا حادثہ کہ اسلامی تاریخ کے کسی دور میں ایسے حادثہ کا وجود نہیں ملتا۔ اس حادثہ نے سبھی کچھ نگل لیا۔ علماء کا وقار، علماء کی شان، علماء کی پہچان اور علماء کی سنجیدگی اور انفرادیت متاثر ہوئی۔ یہ وہ دور تھا جب تقویٰ اور پرہیزگاریاں اپنا سینہ پیٹنے پر مجبور ہو گئے، جب علم: علم کے گھوارے میں ماتم کرتا نظر آیا اور جب مسلک دیوبند کی چہار دیواری میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ علماء پر جان دینے والے ہچکیوں اور سسکیوں کے ساتھ رونے لگے اور اسلام اور علم دین کے دشمنوں کو لڈو تقسیم کرنے کا موقع ہاتھ لگ گیا۔ بقول حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ''دونوں گھٹنے اپنے ہیں، کون سا کھولیں اور کون سا چھپائیں'' ہم بے شمار حالات اور واقعات کو نظر انداز کر کے قارئین کو اپنے مدعا کی طرف لے کر چلتے ہیں۔

انتہائی شورشوں کے زمانے میں جب ایک رات اس دل دوز کہانی کی انتہائی افسوسناک کلائی میکس ہوا تو ۸۵ رملازمین حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی محبت اور تعلق میں ان کے ساتھ جامع مسجد دیوبند میں دارالعلوم کی نشأۃِ ثانیہ کا عہد کر کے بیٹھ گئے۔ اس کے بعد کیا گذری؟ کتنی سختیاں جھیلیں، کتنی مشکلات سے گذرنا پڑا، کتنی دقتوں کا سامنا ہوا، کتنی الجھنیں درپیش ہوئیں، وقت نے حوصلوں اور ہمتوں کے کتنے امتحان لیے۔ اس وقت صبر و استقامت کی ایک نئی داستان لکھی گئی اور بالآخر سالارِ قافلہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی قیادت میں ''دارالعلوم وقف دیوبند'' قائم ہوا۔ کربناک اور اندوہناک طویل ترین شب گذرنے کے بعد علم کی ایک نئی صبح وجود میں آئی اور ایک بار پھر روحوں کو ایک خاص قسم کا اطمینان نصیب ہوا لیکن افسوس دارالعلوم وقف کے قائم ہونے کے بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ لاکھوں اور کروڑوں لوگوں کو روتا اور بلکتا چھوڑ کر دنیا سے

رخصت ہوگئے اور اس وقت دارالعلوم وقف دیوبند کی تمام ذمہ داریاں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے کاندھوں پر آپڑیں اور یہ وقت تھا جب دارالعلوم وقف تنگیوں اور سختیوں کے انتہائی کربناک دور سے گذر رہا تھا۔ پیسوں کی دقت تھی اور مسائل منہ پھاڑے ہر وقت سامنے کھڑے رہتے تھے۔ ضرورتوں نے کمر توڑ کر رکھ دی تھی مگر حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے ہمت نہیں ہاری، ان کا حوصلہ برقرار رہا، وہ اپنے رفقاء بالخصوص فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحبؒ، عالم بے بدل حضرت مولانا نعیم صاحب دیوبندیؒ، ممتاز عالم دین حضرت مولانا خورشید عالم صاحب دیوبندیؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی احمد علی صاحبؒ، دارالعلوم وقف کے نظماء اور ملازمین کے ساتھ کھڑے رہے اور دارالعلوم وقف دیوبند کی ترقی اور استحکام کے لیے ہر روز نت نئی مشکلوں کا سامنا کرتے رہے۔ اس وقت بدخواہوں اور حاسدوں کا خیال تھا کہ یہ بیل منڈھے نہیں چڑھے گی اور علماء کے اس قافلے کو جو حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی قیادت میں چل رہا تھا منزل نصیب نہیں ہوگی۔ دن رات کی محنت، پل پل کی جدوجہد میں خون پسینہ ایک ہوگیا۔ دن کا چین اور رات کی نیندیں قربان ہوگئیں۔ ایک ہی سوچ، ایک ہی دھن، ایک ہی لگن کہ کسی طرح یہ دارالعلوم وقف ایک مؤقر ادارہ بن جائے اور وہ نسبتیں مضبوط اور مستحکم ہوجائیں جو بانیانِ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ تھیں اور جن کا مقصد اولین صرف رضاءِ الٰہی تھا۔ الحمدللہ مقاصد حسنہ میں کامیابی ملی، اہل اللہ کی دعائیں قبول ہوئیں، علم ومعرفت کی دولتیں تقسیم ہونے لگیں اور **انما انا قاسم واللہ یعطی** کے مناظر اہل نظر کو نظر آنے لگے۔ آج دارالعلوم وقف دیوبند حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی قائدانہ صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

راقم الحروف کا تعلق زمانۂ طالب علمی سے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے بہت گہرا رہا۔ میں نے بہت لوگ دیکھے اور بہت سی شخصیتوں کی قربت حاصل ہوئی لیکن جس ذات گرامی سے سچ مچ کا عشق ہوا اور جو ذات ایک روحانی آئیڈیل بن کر میرے دل ودماغ میں سمائی رہی وہ صرف حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ہی تھے۔ جب سے شعور آیا تب سے تادم ایں اُن جیسا کوئی دوسرا نہیں آیا۔ کسی بھی انسان کو عظیم اور رفیع بنانے کے لیے جن خصوصیات اور اعلیٰ صفات کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب حضرت قاری طیب صاحبؒ کی ذات گرامی میں موجود تھیں۔ وہ فی الحقیقت ایک ولی تھے اور ان میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس نظر آتا تھا۔ وہ خود دارالعلوم تھے اور دارالعلوم دیوبند ان ہی کا دوسرا نام تھا۔ ان کے وصال کے بعد قاسمی بیت المال، شہر طیب اور دارالمبلغین جیسے اداروں کا جب افتتاح حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سے ہم نے کرایا اور ان کو قریب سے اور بہت قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو اس وقت یہ بات بحسن وخوبی سمجھ میں آئی کہ جو خصوصیات اور جو اوصافِ حمیدہ حضرت قاری طیب صاحبؒ میں

موجود تھے، وہ تمام عادتیں اور وہ تمام نیک خصلتیں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ میں موجود ہیں۔ وہی سنجیدگی، وہی فضول اور لایعنی باتوں سے پرہیز، وہی تقویٰ، وہی کردار، وہی محبتیں، وہی شفقتیں، وہی صبر وضبط اور وہی منجانب اللہ نتائج کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینے کا مزاج۔

ابتلاؤں کا وہ شدید دور جس میں بڑوں بڑوں کے حوصلے پست ہوگئے، سبھی پر رنج والم کی غشی طاری ہوگئی، عزائم میں کپکپاہٹ پیدا ہوگئی، اس وقت سبھی لوگ اپنے اپنے وجود کو باقی رکھنے کے لیے جنگ لڑ رہے تھے مگر حالات اور معاملات ان کی دسترس سے نکل رہے تھے۔ ایک عجیب نفسا نفسی کا عالم تھا، اس ناگفتہ بہ دور میں حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ صبر وضبط کا ہمالیہ پہاڑ بنے رہے اور محبین کو تسلی دیتے ہوئے ان کا سفرِ جدوجہد جاری رہا اور وہ اپنے بزرگوں کی روایتوں کی حفاظت کرتے ہوئے دارالعلوم وقف کے لیے اپنی ذاتِ گرامی کو وقف کر دینے کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ قضیۂ نامرضیہ کے ابتدائی چند سالوں میں حضرت خطیب الاسلامؒ کی خدمت میں حاضری کے بہت مواقع آئے، ان کے ساتھ چودہ دن جیل میں رہنے کا بھی اتفاق ہوا، میرا مشاہدہ ہے کہ مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے اس کرب، محرومی کے اور بے چینی کے بدترین دور میں بھی اپنی خاندانی روایتوں کو اور نسبتوں کو انتہائی خوبی کے ساتھ نبھایا اور اپنے کردار اور اپنے وقار پر کوئی داغ نہیں لگنے دیا۔ گھنٹوں ان سے گفتگو ہوتی، بہت سے لوگ ان کی مجلسوں میں ہوتے، طرح طرح کے مشورے اور رائے سامنے آتیں۔ حضرت مولانا سب کو بغور سنتے اور انتہائی تحمل کے ساتھ ان کا جائزہ لیتے اور پھر ان مشوروں پر اپنے خیالات کا اظہار فرماتے۔ کبھی انتہائی ناگوار صورت پیدا ہو جاتی، تب بھی ہم نے انہیں بکھرتے ہوئے اور منتشر ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ ان کی طبیعت میں صلاح اور اصلاح کا غلبہ تھا، اس زمانہ میں بھی کسی کی ہمت نہیں تھی کہ کوئی بے سود اور لچر بات ان کے سامنے کر سکے اور اگر کسی گستاخ اور بے ادب شخص نے ان کے کسی مخالف پر غلط انداز سے تبصرہ کر دیا تو مولانا محمد سالم صاحبؒ نے سنی اَن سنی کر دی لیکن اخلاق سے گری ہوئی باتوں کی کبھی کمر نہیں تھپتھپائی۔

وہ برا وقت ابھی تک ہمیں یاد ہے، سب کچھ ان کے ہاتھوں سے نکلا چلا جا رہا تھا، پیہم ان پر حملے ہو رہے تھے، ان کے خلاف یورشوں کا بازار گرم تھا، الزام تراشیاں، بداخلاقی اور بدزبانی اپنی خاص حدوں کو پار کر رہی تھیں، مگر مولانا محمد سالم صاحب اپنے والد کی طرح ہر حال میں پُرسکون نظر آتے تھے۔ ہم نے کبھی ان کے چہرے پر بوکھلاہٹ، تردد، تذبذب اور احساسِ شکست کے آثار نہیں دیکھے۔ رکیک حملے ہوتے رہے، تہمتوں کی بارشیں برستی رہیں، مخالفتوں کی سرخ آندھیاں زوروں پر رہیں، ان کو ''نااہل'' ثابت کرنے کے سارے پروگرام چلتے رہے لیکن انہوں نے ان سب حرکتوں کے جواب میں اُف تک نہیں کی۔ انہوں نے اس برے وقت میں بھی صبر وضبط کا مظاہرہ کیا۔ علماء کی جماعت میں اس کی مثال نہیں

ملتی۔ کئی بار لوگوں نے ان کے صبر وضبط پر حملہ کرتے ہوئے انہیں جذباتی بنانے کی کوشش کی لیکن انہیں کامیابی نہیں مل سکی۔ ایسے ہر موقع پر مولانا محمد سالم صاحبؒ کا تحمل اور زیادہ نکھر کر سامنے آتا اور مولانا ہر تلخ بات کو آبِ شیریں کی طرح ہضم کر جاتے اور ہر اُس موقع پر بھی اپنی مسکراہٹیں بکھیرنے لگتے جب مسکرانا کسی بھی انسان کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ وہ غلط اور تلخ باتوں کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے مگر اپنے وقار اور اپنی بردباری سے کبھی ایک سیڑھی بھی نیچے نہیں اترے، کبھی ان کی زبان سے ایسا کوئی جملہ بلکہ کوئی ایسا حرف نہیں نکلا جو عالمانہ وقار سے میل نہ کھاتا ہو۔ ہر حال میں وہی سنجیدگی، وہی وقار، وہی تحمل، وہی انداز، وہی شائستگی، وہی شگفتگی، وہی بشاشت اور وہی اللہ کے ہر فیصلے پر تسلیم ورضا کا انداز صاف محسوس ہوتا تھا کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی روایتوں کو سنبھالنے کا حق ادا کر رہے ہیں اور ہر تکلیف کو عطاءِ خداوندی سمجھ کر عبدیت اور بندگی کی وہی ذمہ داریاں نبھارہے تھے کہ جن کی رب العالمین نے ازل میں اپنے بندوں سے امیدیں کی تھیں اور فرشتوں کے اعتراض پر برملا رب العالمین نے فرمایا تھا: اِنِّیْ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ. یعنی اپنے بندوں کے بارے میں جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

دارالعلوم سے جدائی کے بعد تمام رونقیں اور تمام پاکیزہ روایتیں، ان کی ذات میں جمع ہوگئی تھیں اور ان تمام روایتوں کو سنبھالتے ہوئے دارالعلوم وقف کو مضبوط کرنے کی جدوجہد اپنی زندگی کے آخری سانس تک وہ کرتے رہے۔ دارالعلوم وقف اپنی جگہ پر قائم ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ قائم رہے گا اور تشنگانِ علم اس ادارہ سے تا قیامت اپنی پیاس بجھاتے رہیں گے مگر مولانا محمد سالم صاحبؒ جیسا انسان اب دیکھنے کو نہیں ملے گا۔ زمانہ اپنی زندگی میں جتنی بھی بہاریں دیکھے اور کامیابیوں اور کامرانیوں کا سلسلہ کتنا بھی وسیع سے وسیع تر ہو جائے مگر ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ دارالعلوم وقف کی کشتی کے کھیون ہار کی حیثیت سے اپنی زندگی میں ممتاز رہے اور ان کے دنیا سے جانے کے بعد بھی اس حیثیت سے کہ وہی دارالعلوم وقف کے روحِ رواں تھے ان کا امتیاز برقرار ہے اور جب تک دارالعلوم وقف قائم رہے گا ان کا یہ امتیاز برقرار رہے گا۔

لاریب خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ اُن بلند فکر انسانوں میں سے تھے کہ جن کی ذات میں رب العالمین نے بہت سی خوبیاں اور کمالات جمع کر دیئے تھے، وہ اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ عظیم انسان تھے، ان کی موجودگی میں ان جیسا کوئی نہیں تھا۔ انہوں نے ۹۳ر سال کی عمر پائی، ان کا معیارِ زندگی قابلِ رشک رہا۔ انہوں نے صبر وضبط اور تحمل و بردباری کی ایک مثال قائم کی، انہوں نے درمیانِ اختلافات اپنی زبان کی حفاظت کرکے یہ ثابت کیا کہ اللہ سے ڈرنے والے ہر طرح کے حالات

میں راہِ اعتدال پر قائم رہتے ہیں، ان کا طرزِ زندگی اوران کے طور طریقے قابلِ تقلید ہیں۔ تمام علماء کو اور بالخصوص ان افراد کو جو دارالعلوم وقف سے وابستہ ہیں ان کی اتباع کرنی چاہیے اوران کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

دارالعلوم وقف کو قائم کرنے کے بعد انہوں نے تمام اختلافات سے پہلو تہی کرتے ہوئے اپنی زندگی کو علم نبوت کے لیے وقف کر دیا، انہوں نے علم حدیث اور علم قرآن کو دور دور تک پھیلانے اور لوگوں کے دلوں میں نورِ نبوت راسخ کرنے کی عظیم ذمہ داری نبھائی اور وہ زندگی کے آخری سانس تک کتابوں سے، درس گاہوں سے اور بزرگوں کے مخطوطات سے وابستہ رہے۔ علمی کتابوں کے درمیان انہوں نے اپنی زندگی کی آخری سانس لی، ان کو ماننے والوں اوران کے چاہنے والوں کا فرض ہے کہ وہ ان کی ایک ایک ادا کو اور ایک ایک عادت کو اہمیت دیں اور دارالعلوم وقف دیوبند جو کہ ان کا چھوڑا ہوا ایک عظیم الشان ترکہ ہے اس کو ترقی اور مقبولیت کی آخری منزلوں تک پہنچائیں اوراس کے تحفظ کے لیے اپنی زندگیاں اسی طرح وقف کریں جس طرح مولانا محمد سالم صاحبؒ نے اپنا آرام، اپنا چین اور اپنی ذاتی خوشیاں اس ادارے کے لیے وقف کر دی تھیں۔

مضمون کی یہ آخری سطور لکھ کر ہم سوگوار لب ولہجہ میں یہ دعا کریں گے:

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

❖ ❖ ❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ

بحیثیت شاعر

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر ❖

اس میں کوئی شک نہیں کہ دیوبند کی گذشتہ ڈیڑھ سو سال سے زائد کی تاریخ ان عبقری اور محوری شخصیات سے مزین ہے جنھوں نے اپنے اپنے وقت میں زرّیں خدمات انجام دیں اور کارہائے نمایاں سے ایک نئی تاریخ رقم کی، کوئی زمانہ ایسا نہیں جب یہاں اصحابِ کمال اور اربابِ علم و دانش موجود نہ رہے ہوں، بلکہ مجھے کہنے دیجیے کہ دار العلوم کے قیام سے پہلے بھی یہ بستی اہل اللہ کا مرکز اور صالحین کی اقامت گاہ تھی، اس وقت بھی کچھ ایسے افراد موجود تھے جن کا وجود اس مختصر سی آبادی والی بستی کے لیے نعمتِ غیر مرقبہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ دار العلوم قائم ہوا تو یہ تاریخ اور اُجلی اور نکھری اور نہایت خوبی کے ساتھ اپنا سفر طے کرتی رہی، چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ قیامِ دار العلوم کے بعد اللہ رب العزت کی خصوصی عنایتیں اور مہربانیاں اس سرزمین کو حاصل رہیں، نامور شخصیتیں، بلند و بالا ہستیاں، برگزیدہ انسان، مشہورِ زمانہ اہل علم، معروف اہل قلم، غرض ہر میدان میں رب العالمین نے خوب نوازا، دورِ آخر کی شخصیتوں میں ایک ممتاز اور آخری نام خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہ کا ہے۔

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کے بارے میں بغیر کسی تردد کے کہا جاسکتا ہے:

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

مولانا ۱۴/ اپریل ۲۰۱۸ء میں رخصت ہوئے تو اپنے ساتھ بہت سے امتیازات اور اختصاصات بھی لے گئے یہ کہنے اور لکھنے میں کوئی تأمل نہیں کہ حضرت مولانا جیسی شخصیت ہمارے درمیان موجود تھی تو اطمینانِ قلب اور طمانیتِ روح کا سبب تھی کہ آپ کی ذات میں اللہ نے اکابر کی روایتوں اور اقدار کو اس طرح سمو دیا تھا کہ جس جانب سے دیکھیے وہ ایک نمونہ اور ایک مثال تھے، جو مجلسیں ہمارے اسلاف کی تھیں وہی مجلس حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کی تھی، علمی گفتگو، سنجیدگی و متانت کا عنوان، غیبت اور چغل

❖ استاذ دار العلوم وقف دیوبند

خوری سے پاک، جھوٹ اور تصنع سے دور، لایعنی باتوں سے نفور، غیر ضروری تبصروں سے بے زاری، نہ کسی کی ذات ہدف، نہ کسی کا کردار نشانہ، آیئے، بیٹھیے، علمی سوالات کیجیے، مدلل مکمل اور تشفی بخش جوابات حاصل کیجیے، پاکیزہ چہرہ، روشن آنکھیں، پرُنور پیشانی، ایک ایسی شخصیت کہ جس کی صحبت میں بیٹھنے کو دل چاہے بیٹھئے تو پھر اٹھنے پر طبیعت آمادہ نہ ہو، سراپا نیاز، پیکرِ اخلاق، مثالی کردار، صرف اپنے نامور والد کی شبیہ نہیں بلکہ خاندانی روایتوں کی بھی مکمل پاسداری، جدِامجد کی مومنانہ زندگی کی جھلک، آبائی اور نسلی شرافت ونجابت کا بھرپور خیال، حضرت مولاناؒ کی مجلسیں ہمارے اکثر اہلِ علم کی مجلسوں سے بالکل ہٹ کر تھیں یہاں کسی کے لیے کوئی گنجائش نہ تھی کہ کوئی نامناسب گفتگو اور ناروا تبصرہ کرے، عوام کا ذکر تو اس موقع پر بے معنی ہوگا خواص کی مجلسیں بھی ان اچھائیوں سے خالی ہیں جو اچھائیاں حضرت مولاناؒ کی مجلسوں کا حصہ تھیں یہ مجلسیں تاریخی تھیں ان مجلسوں کا اختتام حضرت مولانا کے دنیا سے رختِ سفر باندھ لینے کے ساتھ ہی ہوگیا، ان مجلسوں کو نورانی مجلسیں قرار دینا مبالغہ نہ ہوگا، بہت سی مجلسیں ہمارے مشاہدے میں رہیں اور کبھی ان میں شرکت کا بھی موقع ملا۔ مگر جو رنگ حکیم الاسلامؒ سے لے کر حضرت خطیب الاسلامؒ تک تھا، کہیں اور دکھائی نہیں دیا۔ بہرحال ان مجلسوں کی اپنی ایک تاریخ ہے اور یہ تاریخ دیو بند کی سرزمین پر دوبارہ نہیں لکھی جائے گی۔ بلاشبہ یہ مبارک اور پاکیزہ مجلسیں تھیں۔

وہ جب اسٹیج پر ہوتے تو یہاں رنگ دیگر ہوتا، انتہائی عالمانہ گفتگو، مکمل و مدلل اندازِ بیان، فلسفہ منطق وکلام کا غلبہ، فطری انداز، تیز رفتار ندی کا سا بہاؤ، موضوع کو واضح کرنے اور مکمل کھول دینے کا ملکہ، قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل بھی اس خوبصورتی کے ساتھ بیان ہوتے کہ اصحابِ علم خصوصی طور پر سر دھنتے، ان کا انداز اور آہنگ اپنا تھا، کسی دوسرے کا نہیں اور پھر کوئی اور اس آہنگ اور انداز میں شرکت کی دعویداری نہ کر سکا۔

یہی شخصیت جب درس گاہ میں ہوتی تو طالبانِ علوم نبوت کی نگاہوں کا مرکز بنی رہتی، طلبہ اپنے استاذ عالی مقام کی زبان سے ادا ہونے والے علمی نکات اور منطقی استدلال سے دامنِ علم بھرتے اور محسوس کرتے کہ نسلوں کے تفاوت کے باوجود علوم نانوتویؒ کا سمندر اسی طرح لعل وگہر لٹا رہا ہے اور سالوں کے فاصلہ سے اس اختصاص اور کمال میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ حضرت مولانا سید عبدالرؤف صاحب عالیؒ جو دیدہ ور عالم، صاحبِ قلم اور صاحبِ فکرونظر تھے ہمارے حلقے میں ان کی بڑی پذیرائی تھی ان کی صلاحیتوں کا ہر دور میں اعتراف کیا گیا۔ مولانا سید عبدالرؤف صاحب عالیؒ حضرت مولانا سید عبداللطیف صاحبؒ ناظم مظاہر علوم سہارنپور کے فرزند تھے۔ انھیں حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ سے بڑی اُنسیت اور بڑا قرب تھا، کبھی ایسا ہوتا کہ میں مولانا کے پاس کسی کام سے گیا اور بات چل نکلی تو میں حضرت مولاناؒ سے عرض

کرتا کہ حکمتِ قاسمی جو حضرت نانوتویؒ کے نام سے منسوب ہے وہ حکیم الاسلامؒ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے یہاں نہایت سہل اور آسان صورت میں نظر آتی ہے مگر حضرت مولانا سالم صاحب قاسمیؒ تک پہنچتے پہنچتے پھر اس کے تیور بدلنے لگتے ہیں اور وہ اپنی اصل کی طرف لوٹنے لگتی ہے۔ مولانا عبدالرؤف صاحبؒ مسکرا کر رہ جاتے کوئی تبصرہ نہ فرماتے، حقیقت یہی ہے اور یہ بات حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی تدریس، تقریر، تحریر سے بھی عیاں ہے۔

حضرت مولاناؒ کے مضامین، مقالات خالص علمی ہوتے اور تمام ہی عنوانات پر ان کا جاذب نظر قلم خوب نکتہ آفرینیاں کرتا اور یہاں بھی ان کا اپنا مخصوص انداز ان کی انفرادیت کا سبب بنتا۔ ان کی تحریر پر دورِ حاضر کے مشہور نقاد اور معتمد صاحبِ قلم حقانی القاسمی کا یہ تبصرہ بڑا چست اور درست ہے وہ لکھتے ہیں:

> ''مولانا محمد سالم قاسمی کے نثری آہنگ پر ''شعری آہنگ'' کا قطعی کوئی اثر نہیں ہے، ان کی نثر نہ مقفی ہے نہ مسجع اور مرجز بلکہ ان کی نثر خالص علمی اور منطقی ہے، تکلف، تصنع اور تخیل سے ماوراٹھوس اور منجمد حقائق کو پیش کرنے والی نثر، بالکل سائنسی انداز کی، ان کے ہاں زبان کا سائنسی استعمال ملتا ہے۔ صنائع، بدائع، تشبیہات واستعارات سے ان کی نثر کا رشتہ دور کا ہے، مقامات کی طرح مقفی نہیں بلکہ مقدمہ ابن خلدون اور ولی اللہی اسلوب اور اظہار کی طرح ان کے ہاں علمیت اور معروضیت ہے، نغمہ بار اسلوب سے احتراز نے ان کی نثر کے آہنگ کو منطق، فلسفہ، کلام سے زیادہ قریب کر دیا ہے۔ وہ تاثر اور کیف پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ دقیق سادہ نثر میں اپنے خیالات اور احساسات کی ترسیل کرتے ہیں اور عربی، فارسی تراکیب اور لفظیات کا استعمال کرتے ہیں۔ عام قاری کو ان کی نثر مغلق اور پے چیدہ اور قدرے مبہم معلوم ہوگی مگر باشعور اور بالغ قاری کے لیے ان کی نثری ساخت کی تفہیم زیادہ دشوار نہیں ہے''۔(۱)

علمائے دیوبند کے علمی، دینی کارناموں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالنے کا نہ تو وقت ہے اور نہ اپنے عنوان کے تحت اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ البتہ اکابرِ دیوبند کے شعری ذوق پر گفتگو کرنا زیادہ مناسب ہے کہ یہی میرے عنوان کا مقتضی ہے، سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے لے کر دارالعلوم دیوبند کے موجودہ شعری گوئی کی صلاحیت کے مالک نوجوان فاضل تک شعر گوئی سلسلہ طویل زمانہ سے قائم ہے۔ حضرات اکابر کے شاعری کے کافی نمونے ہمارے سامنے موجود ہیں ہم ان پر ایک نظر ڈالتے ہوئے اپنے عنوان کی جانب لوٹیں گے۔ حضرت حاجیؒ صاحب فرماتے ہیں ؎

مرا اک کھیل خلقت نے بنایا
تماشے کو بھی تو میرے نہ آیا

---

(۱) دارالعلوم دیوبند ادبی شناخت نامہ: ۱/۷۷

کہاں جاؤں کہوں کس سے حقیقت
کوئی ہمدم نہیں جز دردِ فرقت
جو میں ظاہر کروں سوزِ جگر کو
کروں شرمندہ دوزخ کے شرر کو
حقیقت دل کی گر اپنے دکھاؤں
ہنسوں میں اور عالم کو رُلاؤں
ہوا ہے ہاتھ سے عاجز گریباں
ہے گریاں سیلِ اشکِ غم سے داماں
خدا کے واسطے جلدی خبر لے
کہیں یہ آپ خون اپنا نہ کرلے
جو تھی منظور کرنی بے وفائی
تو کی تھی مجھ سے پھر کیوں آشنائی
جو یاد آئے گی وہ زلفیں پریشاں
تو پیچ وتاب کھائے گی مِری جاں

رسالہ ''غم نامہ دردناک'' میں حاجیؒ صاحب نے کیفیاتِ عشق، جدائی وفرقت کوخوبی کے ساتھ ذکر کیا ہے حاجی صاحبؒ کی شاعری کے بارے میں ''علمائے دیوبند اور اردو ادب'' کے مصنف مولانا محمد عبداللہ قاسمی حیدرآبادی رقم طراز ہیں:

''جذباتِ عشق ومحبت، سوز وگداز اور وہ سب کچھ جو غزل کے لیے درکار ہے وہ آپ کے کلام میں موجود ہے مگر یہ عشق ومحبت مجازی نہیں ہے حقیقی ہے لہٰذا تمام کلام معرفتِ ربانی میں ڈوبا ہوا ہے۔ اردو میں ''دردنامہ''، ''غمناک''، ''جہاد اکبر''، ''گلزارِ معرفت'' آپ کی یادگار ہیں جو آپ کے صحیح ذوق کی غمازی کررہی ہیں''۔(۱)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانیٔ دارالعلوم دیوبند ان عبقری شخصیات میں ہیں جنھوں نے صرف ۴۹ر سال کی عمر میں امت کی وہ خدمات انجام دیں کہ آج مسلمانانِ ہند کی تاریخ لکھنے والا انصاف پسند مؤرخ جب اس صدی میں قدم رکھے گا جس میں دارالعلوم قائم ہوا، یعنی ۱۸۶۶ء کے دور میں تو اس کے لیے ناممکن ہوگا کہ وہ حضرت حجۃ الاسلامؒ کے وقیع اور عظیم الشان کاموں کو نظرانداز کرکے

(۱) علمائے دیوبند اور اردو ادب: ص ۱۳ر

آگے بڑھ جائے۔ خصوصاً دارالعلوم دیوبند کے قیام کا واقعہ آج ایسی زندہ اور روشن حقیقت کی صورت میں دنیا کے سامنے ہے جس نے اپنے ڈیڑھ صدی کے سفر میں ہر روز طلوع ہونے والے سورج کے ساتھ پوری دنیا کو یہ باور کرایا ہے کہ علومِ دینیہ اور علومِ شرعیہ کا اتنا بڑا مرکز ہندوستان میں کبھی نہیں رہا اور نہ کوئی ادارہ اتنی عظیم المرتبت شخصیتیں دے سکا جو دارالعلوم دیوبند نے دنیا کو دی ہیں۔ یہاں کی شخصیتیں بفضلہٖ تعالیٰ اُفقِ علم پر اُبھریں اور آسمانِ علم وفضل پر چھا گئیں، حضرت حجۃ الاسلامؒ کی کتابیں جن لوگوں کے مطالعہ میں ہیں یا جنھوں نے ان کا مطالعہ کیا ہے وہ حضرت حجۃ الاسلامؒ کے عالمانہ رنگ کے قائل ہوں گے اسی کے ساتھ صفائی وسادگی کا بھی زور ہے، آپ نے مفتی صدرالدین آزردہ سے ادب کی کتابیں پڑھی تھیں، اس لیے حضرت نانوتویؒ کی طبیعت شعر گوئی کی طرف مائل ہوئی اور اس سمت میں بھی آپ کے قدم بڑھے، حضرت نانوتویؒ کی شاعری کے جو نمونے ہمارے سامنے ہیں ان میں شاعرانہ تخیل، بے پناہ آمد اور بیان کا تسلسل دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف اوصاف اور کمالات کو اجاگر کرنے کے ساتھ اپنے مدعا کو جدت وجودت کے ساتھ پیش کیا ہے اور یہ تبصرہ ہمارا نہیں مصنف ’’علمائے دیوبند اور اردو ادب‘‘ کا ہے۔ اس تبصرہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے ان اشعار پر نظر ڈالیے۔

تو بہترینِ خلائق میں بدترینِ جہاں
تو سرورِ دوجہاں میں کمینہ خدمت گار
بہت دنوں سے تمنا ہے کیجیے عرضِ حال
اگر ہو اپنا کسی طرح تیرے در تک بار
وہ آرزوئیں جو مدتوں سے دل میں بھری
کہوں میں کھول کے دل اور نکالوں دل کا بخار
مگر جہاں ہو فلک آستاں سے بھی نیچا
وہاں ہو قاسمؔ بے بال وپر کا کیوں کر گزار

حضرت نانوتویؒ کی شاعری کے دیگر اور نمونے بھی ہمارے سامنے ہیں مگر طوالت کے خوف سے ہم انھیں یہاں نقل نہیں کر رہے ہیں، کیوں کہ اکابر کی شاعری کے ذیل میں ہمیں چند اور افراد پر بھی گفتگو کرنی ہے اور پھر اپنے عنوان پر بھی کلام کرنا ہے اس لیے ہم آگے بڑھتے ہیں۔

حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور باکمال انسان تھے، حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ جو حضرت نانوتویؒ اور سرسیدؒ کے استاذ تھے آپ ان کے صاحبزادے تھے، آپ کو بھی شعر وشاعری سے شغف تھا آپ کی غزلیں، نعتیں وغیرہ عربی فارسی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی موجود

ہیں آپ فرماتے ہیں ۔

جس کو نہ سما سکا ہو یہ ارض وسما
اس جائے میں کس طور سے وہ جائے سما
گمنام یہ بھید اور کچھ ہے ورنہ
اک مضغۂ گوشت کی حقیقت ہی کیا

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کے مرثیہ کا یہ نمونہ دیکھیے جو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ کی وفات پر آپ نے نظم فرمایا تھا ۔

سنتے سنتے نغمہ ہائے محفلِ بدعات کو
کان بہرے ہوگئے دل بدمزہ ہونے کو ہے
آؤ سنوائیں تمھیں وہ نغمۂ مشروع بھی
پارہ جس کے لحن سے طورِ ہدیٰ ہونے کو ہے
حیف گر تاثیر اس کی تیرے دل پر کچھ نہ ہو
کوہ وہ جس سے خاشعاً ومتصدعاً ہونے کو ہے

حضرت شیخ الہندؒ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے طالب علم ہیں، حضرت نانوتویؒ کے شاگرد ہیں، اکابر علماء کے استاذ ہیں، جنگِ آزادی کے نامور مجاہد ہیں، قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں مگر حق سے منھ نہ موڑا، ترجمہ قرآن پاک آپ کا بڑا کارنامہ ہے اللہ نے آپ کو موزوں طبیعت اور شعر وشاعری کا ذوق بھی عطا فرمایا تھا تخیل کی بلند پروازی جذبوں کی صداقت آپ کے کلام میں جان ڈال دیتے ہیں نمونۂ کلام یہ ہے ۔

کل کی ہے بات کہ تھی جہل کی گھنگھور گھٹا
جس طرف آنکھ اٹھاتے ، تھی محیطِ عالم
آبِ حیواں کی طرح علم ہوا تھا مخفی
ظلمتِ جہل سے مخلوق تھی اعمیٰ وہ اصم
حافظِ علم تھا اک سینۂ صندوق فقط
نہ کوئی حامی وغمخوار نہ کوئی ہمدم
رحمتِ حق ہوئی حامی تو یکا یک اٹھے
چند مردانِ خدا باندھ کے صف ٹھونک کے خم

حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت نانوتویؒ کے شاندار کارنامے قیامِ دارالعلوم کو انتہائی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے اور باقی ماندہ اشعار جنھیں ہم نے نقل نہیں کیا اس تاریخی سچائی کو بڑی دلآویزی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ غرض اکابرِ دیوبند کا شاعرانہ ذوق ہر دور میں پروان چڑھا مگر اس فرق کے ساتھ کہ سب کے یہاں جذباتِ خیر کا غلبہ، صالح افکار کی آبیاری، وحدتِ خداوندی کا ذکر، اپنی عاجزی و درماندگی کا تذکرہ اور ان ازلی حقیقتوں کا اظہار ہے جن کا تعلق خالقِ کائنات سے ہے اور مخلوقِ خدا سے بھی اس کے رشتے جڑے ہوئے ہیں، اللہ خالقِ عالم ہے اور انسان اس کی بہترین تخلیق ہے، ربِ کائنات کی قدرتِ کاملہ اور حقیقی فرماں روائی کا اعتراف علمائے دیوبند کی شاعری کی بنیادہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علمائے دیوبند شاعری کے بنیادی تقاضوں سے باخبر، اس کی پیچیدگیوں سے آگاہ، اس کی نزاکتوں سے اچھی طرح واقف ہیں، اس لیے ان کی شاعری ان عناصر سے خالی نہیں ہے جنھیں شاعری کے بنیادی عناصر قرار دیا گیا ہے۔ البتہ علمائے دیوبند نے ان افکار سے ہمیشہ دامن بچایا ہے جو افکار دینی حدود کو پار کریں اور ان تخیلات کے قریب بھی نہیں گئے جہاں خالق اور مخلوق کے پاکیزہ رشتے متاثر ہوں۔ ہمارے وہ شعراء جنھوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ زبان و بیان کی عظیم خدمت انجام دی ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے جو ہزاروں سے نہیں بلکہ لاکھوں سے تجاوز کر گئی ہے ان میں میرؔ بھی ہیں، غالبؔ بھی ہیں، مومنؔ بھی ہیں، ذوقؔ بھی ہیں، داغؔ بھی ہیں، اقبالؔ بھی ہیں، جگرؔ اور جوشؔ بھی، فانیؔ بھی ہیں اور حسرتؔ بھی، بے شمار شعراء اس فہرست میں شریک ہیں مگر ان میں سے اکثر نے رندی و سرمستی، آزاد فکر اور آزاد خیالی کے ساتھ شاعری کی، اس لیے کبھی وہ ان حدود کو بھی پار کر گئے جنھیں کسی صورت میں نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہیے تھا۔ مثلاً: غالبؔ نے جو یہ کہا۔

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پہ ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

یا اس دور کے شاعر حسن نعیمؔ نے کہا۔

پیمبروں نے کہا تھا کہ جھوٹ ہارے گا
مگر یہ دیکھیے اپنا مشاہدہ کیا ہے

ایسی شاعری علمائے دیوبند کے یہاں جگہ نہ پاسکی اور ظاہر ہے علومِ شرعیہ کے ماہرین اور علومِ دینیہ کے مبلغین سے اس کی امید بھی نہیں کی جاسکتی تھی انھوں نے حدود سے تجاوز صرف شاعری ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے دیگر میدانوں میں بھی نہیں کیا، علماء کا یہ ایسا امتیاز ہے جس میں ان کو کوئی چیلنج نہیں کرسکتا اسے ہم فضلِ الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں۔

بڑوں میں ایک نام ایسا ہے جس کی شاعری جداگانہ ہے شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ امروہوی کی شاعری پچھلوں سے ذرا ہٹ کر ہے ان کے اشعار میں وہ آہنگ دیکھنے میں آتا ہے جو اردو شاعری کا اختصاص ہے ان کے اشعار دیکھئے اور پھر فیصلہ کیجیے ؎

مانا کہ تاکنا میرا فسق وفجور تھا
زلفوں کا دام تجھ کو بچھانا ضرور تھا
افسوس ہے کہ ''تو'' کے بھی قابل نہیں رہا
جو آپ کی زباں پہ کل تک حضور تھا
کچھ ہوش ہے اے ساقی فرزانہ کسی کا
لبریز ہوا جاتا ہے پیمانہ کسی کا
اعزاز تیرا حال سنا دے کوئی اس کو
ہم دیکھتے ہیں حوصلہ ایسا نہ کسی کا

حضرت مولانا کے یہاں کافی چیزیں وہ ہیں جو بڑوں کے یہاں بھی پائی جاتی ہیں مگر آپ نے اپنی الگ راہ بنائی اور تصورات وخیالات کی نئی دنیا بسائی ہے، اکابر میں کافی نام ہیں جن کی شعری صلاحیتوں، خوبیوں کو بیان کیا جاسکتا ہے مگر ایک مقالہ میں یہ ممکن نہیں امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اردو میں تو برائے نام شاعری کی، ان کے اصل جوہر فارسی اور عربی شاعری میں کھلتے ہیں ان دونوں زبانوں کے ماہرین کی متفقہ رائے ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی فارسی اور عربی شاعری قدیم شعری شہہ پاروں کا مقابلہ کرتی ہے۔

اکابر کی شاعری کا تفصیلی یا مختصر جائزہ لیتے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ ان کی طبیعت میں موزونیت تھی اور وہ اظہار خیال کے لیے شاعری کو بھی آسانی کے ساتھ وسیلہ بنا لیتے تھے، شاعری کو ہر عنوان سے اپنے فکر وخیال کی بنیاد بنانا ان کی سوچ نہیں تھا۔ سیدھے اور سلجھے ہوئے انداز میں وہ اپنی بات کہنے کے عادی تھے اس لیے اگر کوئی موضوعات کا تنوع تلاش کرنا چاہتا ہے تو وہ اکابر کے یہاں مفقود اگر نہیں تو زیادہ دائروں تک بھی پھیلا ہوا نہیں ہے۔ نئے تجربات یا حروف والفاظ کو مختلف انداز اور معنی میں استعمال کرنے کا بھی ان کا مزاج نہیں تھا، گو کہ ایک لفظ کو ایک ہی غزل میں دو الگ اور جداگانہ معنی کے لیے استعمال کرنا شعراء کے ایک بڑے طبقہ کے یہاں بھی تحسین کی نظروں سے نہیں دیکھا گیا، ہاں ایسی کوشش کو روا کے درجہ میں ہی رکھا گیا، قطعی مسترد نہیں کیا گیا۔ اس سلسلے میں دو مثالیں ہیں، ایک تو شہر سہارنپور کے معروف مرحوم شاعر ساحل فریدیؔ کے یہ دو شعر ؎

زندگی حشر خدا جانے تیرا کیا ہوگا
سیکڑوں غم تیرے دامن میں ہیں دوچار نہیں
مسئلے ہوتے ہیں ہر شخص کے اپنے اپنے
کون ایسا ہے جو حالات سے دوچار نہیں

شعر اوّل میں ''دوچار'' کچھ اور لطف دے رہا ہے اور شعر ثانی میں اس کے دوسرے معنی سامنے آرہے ہیں۔ ایسے ہی اردو کے ممتاز اور مشہور عالم شاعر جگرؔ مرادآبادی کے شعر ہیں۔

دنیا کے ستم یاد نہ اپنی ہی وفا یاد
اب مجھ کو نہیں کچھ بھی محبت کے سِوا یاد
جب کوئی حسیں ہوتا ہے سرگرمِ نوازش
اس وقت وہ کچھ اور بھی آتے ہیں سِوا یاد

جگرؔ جیسے عالمی شہرتوں کے حامل شاعر نے بھی لفظِ ''سِوا'' کا اپنے دونوں شعر میں خوبصورتی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔

بہر حال وہ سلسلۂ شاعری جو اکابر کی شاعری کا سلسلہ ہے وہ سرخیل طائفہ سے ہوتے ہوتے ہمارے دور تک آپہنچا ہے اور ہم نے خود ان میں سے کچھ لوگوں کو پڑھا اور دیکھا بھی ہے جن کی شاعرانہ عظمتوں کا معترف وہ طبقہ بھی ہے جو اپنے آپ کو اردو ادب کا طبقہ کہتا ہے اور جس کی رائے ادبی دنیا میں تسلیم کی جاتی ہے۔ انھوں نے بھی ہمارے اس دور کے شعرائے کرام کے یہاں اپنی تحریروں میں حسن وخوبصورتی، زورِ بیاں، اثر آفرینی، سلاست اور آمد کی بات دل سے تسلیم کی ہے۔ ان ناموں میں مولانا ابوالحسن ناطقؔ گلاؤٹھی، مولانا عامر عثمانی، مولانا صادق علی بستوی، مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاطؔ عثمانی، مولانا شاہین جمالیؔ، مولانا قمر عثمانی، مولانا عیسیٰ فرتاب، مولانا مفتی نسیم احمد فریدی، زبیر احمد راہی قاسمی، یوسف نسیم قاسمی سرونجی، احمد سعید خاں اخترؔ قاسمی، اشرف سعودی، عتیق انظر، ایم آر قاسمی، اعجاز عرفی، طارق بن ثاقبؔ وغیرہ وہ نام ہیں جن میں کچھ تو ہماری پیدائش اور کچھ ہمارے شعور سے پہلے دنیا سے گذر گئے بحمد اللہ کافی افراد ہیں جو حیات ہیں اور جن کی شاعری کا کامیاب سفر قاسمی برادری کے لیے وجہ امتیاز ہے یہ فہرست طویل ہے ہم نے چند ناموں پر ہی اکتفاء کیا ہے ورنہ مولانا حامد الانصاری غازی، ریاست علی ظفرؔ بجنوری، قاضی وجدی الحسینی، ولی اللہ قاسمی، منور حسن کمال، وفا اعظمی وغیرہ کے نام ایسے ہیں جنھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، ان تمام ناموں کے لکھنے کے بعد بھی مجھے یہ تسلیم ہے کہ یقینی طور پر کافی نام اب بھی چھوٹ گئے ہیں، اس لیے کہ فضلائے دارالعلوم دیگر ممالک میں اردو ادب کی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ ہندوستان جیسے

طویل وعریض ملک کی مختلف ریاستوں میں مصروفِ کار ہیں اور وہاں شعروادب کے چراغ جلائے ہوئے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے ایک نامور فاضل مولانا ابوالحسن ناطقؔ گلاؤٹھی کی شعری مہمات کے ذکر کے بغیر ہم اپنے عنوان سے انصاف نہ کرسکیں گے ان کے بارے میں حقانی القاسمی کی رائے یہ ہے:

''ناطقؔ نے بہت اچھی شاعری کی بنیادی طور پر کلاسیکی شعری روایت کے دلدادہ تھے انھوں نے مختلف شعری اسالیب سے استفادہ کے باوجود امتیازی تشخص کو برقرار رکھا، عروض سے مکمل آگہی کی وجہ سے شاعری کے اسرار ورموز اور محاسن اور معائب پر گہری دست رس رکھتے تھے، ذوقؔ، شاہ نصیرؔ، مومنؔ، وغالبؔ اور میرؔ اور بہادر شاہ ظفر کے رنگ میں شعر کہتے رہے اور عمر بھر ان کے عاشق اور شیدائی رہے، ناطقؔ کی شاعری میں خاص طور پر مجھے جو چیز نظر آتی ہے وہ غالبؔ کا سا اندازِ بیان ہے، ان کے بہت سے اشعار ان کی زمین میں ہیں اور فکر وخیال بھی ملتے جلتے ہیں''۔(۱)

نمونہ کے طور پر ناطقؔ کے یہ اشعار ان کے شاعرانہ کمال اور مہارت کا ثبوت ہیں۔

مشکلوں نے ہمیں اتنا تو سکھا رکھا ہے
ہم سکھا دیتے ہیں مشکل کو بھی آسان ہونا
گئے ہیں جب سے وہ اپنے بھی آئے غیر بھی آئے
سب آئے بھی گئے بھی گھر کی ویرانی نہیں جاتی
آہی جاتا ہے برے وقت میں اپنوں کا خیال
کوئی ہوتا ہمارا بھی تو پرساں ہوتا
رونے والوں کو تو تقدیر سے رو بیٹھے تھے
اے اجل کون ہمارے لیے گریاں ہوتا

ناطقؔ کی شاعری کا خوب اعتراف کیا گیا، یہ ایک سچائی ہے کہ ناطقؔ نے بہت اچھی شاعری کی، مشاعرے بھی پڑھے، کامیاب رہے، مگر ناقدری کا شکار بھی ہوئے، ان کی جو قدر ہونی چاہیے تھی وہ نہ ہوئی ناطقؔ کی ابتدائی نظموں کا مجموعہ ''نطقِ ناطق'' کے نام سے ۱۹۱۳ء میں منظر عام پر آیا اس کے علاوہ ان کے ایک شاگرد نے ''دیوانِ ناطقؔ'' اردو دنیا تک پہنچایا۔

مولانا عامر عثمانی مرحوم کی شاعری پر کلام سے پہلے ضروری ہے کہ ان کی قلمی فتوحات پر چند جملے ضرور قلم بند کیے جائیں، عامر صاحب سرزمین دیوبند کے ممتاز صاحبِ قلم تھے، جنھوں نے تنقید، تبصرہ، تحقیق سے لے کر علمی مہمات بھی آسانی کے ساتھ سر کیں، ان کے قلم میں بڑی جاذبیت، کشش، روانی اور

(۱) دارالعلوم دیوبند ادبی شناخت نامہ: ۱۴۹/۱

کاٹ تھی، مطالعہ وسیع تھا، سنجیدہ علمی مضامین، علمی بحثیں، مدلل گفتگو، طنزیہ ومزاحیہ تحریریں ان کے قلم کی جولانیاں ہر میدان میں یکساں نظر آتی ہیں، ان کی شاعری بھی موجودہ دور کے دوسرے کسی مقبول عام شاعر سے کم نہیں تھی۔ آمد، تغزل، نغمگی، تنوع، فکر کی بلندی، پروازِ خیال جیسے عناصر جو شاعری کے لیے جزوِ لازم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ سب عامر صاحب کے یہاں انتہائی خوبصورت انداز میں موجود ہیں ان کا مجموعۂ کلام ''یہ قدم قدم بلائیں'' منظر عام پر آیا اور ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ عامر صاحب کی شاعری کا جو ذخیرہ ہمارے سامنے ہے اس میں چند شعر بطورِ یادگار ؎

ان کی طلب میں خود بھی تڑپنا اور ہمیں تڑپانا بھی
کہنے کو یہ دل ہے اپنا، ہے لیکن بے گانا بھی
کفر نہ ایماں، دین نہ دنیا، یاس و تعطل خوف وہراس
ایسے بے غیرت جینے سے بہتر ہے مرجانا بھی

اے حسنِ بے کراں ترے ملنے کا ذکر کیا
آنکھیں لگا نہ سکے نہ تری خاکِ پا سے ہم
کیا ربط ہے کہ فرقِ مراتب کے باوجود
بے آسرا سے آپ ہیں بے آسرا سے ہم

مولانا شاہین جمالی دیوبند کے ان فرزندوں میں ہیں جنھیں اللہ نے مختلف اصنافِ ادب پر قدرت کی دولت سے سرفراز کیا ہے ان کی نثر سلجھی ہوئی، ادبی رنگ لیے ہوئے، ایک ایک جملہ خود بولتا ہوا، سیاسی مضامین میں بھی منفرد انداز، کسی صنف میں عاجز نہیں۔ انھوں نے شاعری بھی کی، نمونۂ کلام دیکھیے ؎

آنکھوں میں جو اشکوں کا یہ طوفاں ہے ابھی سے
وہ ترکِ تعلق پہ پشیماں ہے ابھی سے
دیوانے ابھی موسمِ گل تو نہیں آیا
وحشت میں ترا چاک گریباں ہے ابھی سے
مے خانہ سے اک پیرِ مغاں ہی تو اٹھا ہے
افسردہ سی کیوں محفلِ زنداں ہے ابھی سے
زنجیر کے حلقے بھی صدا دینے لگے ہیں
دیوانہ ترا قابلِ زنداں ہے ابھی سے

مولانا صادق علی بستوی نامور عالم ہیں، بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، درسی کتب کی انھوں نے شروحات بھی لکھی ہیں، شاعری میں بھی درک حاصل ہے، ان کی شعری کاوش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر منقوط منظوم سیرت ''داعیٔ اسلام'' کے نام سے منظر عام پر آئی بلا شبہ یہ ایک بڑی دلکش کاوش تھی جسے ادبی حلقوں نے بھی تحسین کی نظروں سے دیکھا مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، صاحبِ ''معارف القرآن'' کے صاحبزادے ولی رازیؔ نے اردو نثر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر منقوط سیرت ''ہادیٔ عالم'' کے نام سے تحریر کی اللہ نے اس کتاب کو بڑی مقبولیت سے نوازا اور اس کے کافی ایڈیشن منظر عام پر آئے، ہادیٔ عالم کا تذکرہ تو ضمناً آ گیا گفتگو تو ''داعیٔ اسلام'' پر کرنی تھی، اس کتاب کو اللہ نے سندِ قبولیت عطا فرمائی اور مقبولیت اس کا بھی حصہ بنی۔

محترم مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاطؔ عثمانیؒ کی شاعری بھی بڑی خوبصورت اور دل موہ لینے والی ہے، وہ قطعی طور پر اس میدان کے آدمی نہیں تھے مگر شعر گوئی ان کی فطرت کا حصہ تھی، میں نے شعری نشستوں میں ان کا کلام سنا مشاعروں سے انھوں نے پوری زندگی لاتعلقی کا معاملہ رکھا، انتقال سے ایک دو سال قبل میرے بے حد اصرار پر وہ اس پر آمادہ ہوئے کہ جلد ہی اپنا مجموعۂ کلام شائع کریں گے اللہ کے فضل سے ان کا مجموعۂ کلام ''شناسا'' کے نام سے منظر عام پر آیا جس پر مشہور افسانہ نگار اور مفتی صاحبؒ کے برادرِ خورد دلیل الرحمٰن انجم عثمانی اور راقم کو لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ مجموعۂ کلام کی لوح پر درج شعر:

سنگ و خشت درودیوار لپٹ کر روئے
اجنبی شہر بھی برسوں کا شناسا نکلا

مفتی صاحب مرحوم کی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار ہے ان کی ایک غزل دیکھئے۔

خاک ہوں خاک کی مانند اڑالو مجھ کو
نقش بر آب ہوں پانی میں ملالو مجھ کو
اشکِ کم مایہ سہی کام کبھی آؤں گا
دوشِ مژگاں پہ سلیقہ سے بٹھا لو مجھ کو
جتنا چاہو مجھے میزانِ عمل میں پرکھو
کورے برتن کی طرح خوب کھنگالو مجھ کو
دستِ قدرت نے سموئے ہیں اُجالے مجھ میں
جب ضرورت ہو چراغوں کی جلالو مجھ کو
دستِ نازک سے نہ اٹھے گا مرا بوجھ نشاطؔ
راہ کا سنگ ہوں تلووں سے لگالو مجھ کو

مولانا ریاست علی ظفؔر بجنوریؒ ترانۂ دارالعلوم کے خالق ہیں، ترانہ میں روانی، شعریت، چاشنی، زبان کی شیرینی، دروبست اور بیان کا حسن ہے، میں نے حضرت مولانا کے انتقال پر جو مضمون لکھا تھا اس میں یہ وضاحت کی تھی کہ اگر مولانا ترانۂ دارالعلوم لکھنے کے بعد شاعری کی دنیا سے تعلق ختم فرما لیتے تب بھی ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا اعتراف کیا جاتا۔ مولانا کے استاذِ گرامی مولانا محمد عثمان صاحب کاشف الہاشمیؒ بڑے باکمال انسان تھے، عربی، فارسی اور اردو میں انھیں ملکہ حاصل تھا۔ ان کا مجموعۂ کلام سال بھر پہلے ''کلیاتِ کاشف'' کے نام سے منظر عام پر آچکا ہے، شاعری میں مولانا ریاست علی صاحبؒ ان ہی کے شاگرد تھے، استاذ نے اپنے شاگرد پر خوب محنت کی تھی، شاگرد نے بھی اس محنت کو ضائع نہیں ہونے دیا اور منفرد شاعری کا سلسلہ جاری رکھا۔ مولانا ریاست علی صاحبؒ کا مجموعۂ کلام ''نغمۂ سحر'' کے نام سے منظر عام پر آیا، مجموعۂ کلام سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا ریاست علی صاحبؒ مستقل شعری دنیا سے تعلق رکھتے تو کہیں سے کہیں پہنچ جاتے۔ ان کے چند اشعار:

اب دل کو اہتمام مداوا نہیں رہا
یعنی جو اضطراب کبھی تھا نہیں رہا
آیا ہوں گردشِ مہ وپرویں لیے ہوئے
اب کافری میں شوق اکیلا نہیں رہا
اے منحرف شریعتِ اندازِ حسن سے
اب سجدہ صرف ریزشِ مینا نہیں رہا

محترم مولانا قمر عثمؔانی صاحب ہمارے دور کے پُر گو شاعروں میں ہیں دارالعلوم دیوبند کے قدیم فاضل ہیں، ان کی نثری اور شعری خدمات کا پلڑا بھاری ہے، نثر میں کئی کتابیں آئیں، ہزاروں مقالات ومضامین ان کے قلم سے نکلے اور ہندوستان کے شہرۂ آفاق جرائد ورسائل میں شائع ہوئے، مولانا محترم کا مجموعۂ کلام ۱۹۷۹ء میں ''نور ونگہت'' کے نام سے شائقین کے ہاتھوں میں پہنچا اب ڈھائی سال قبل مولانا محترم نے ''نور ونگہت'' کے ساتھ مزید کلام شائع کیا جو ''جاوداں'' کے نام سے اشاعت پذیر ہوا۔ مولانا کو اللہ نے جس طرح نثر میں درک عطا فرمایا ہے ایسی ہی مہارت انھیں شعر گوئی میں بھی حاصل ہے۔ ان کا انداز دیکھیے ؎

کوئی اندازِ مسیحائی دکھاتے جانا
جو ہیں مدہوش انھیں ہوش میں لاتے جانا

شوق کی راہ میں ہر طرح نبھاتے گزری
دل کے زخموں کو زمانے سے چھپاتے گزری
کچھ نہ کچھ جن کی بدولت ہے اجالوں کا بھرم
ان چراغوں کو ہواؤں سے بچاتے گزری

مقاماتِ حسیں ایسے بھی آئے راہِ الفت میں
کبھی ہم ہوگئے نادم، کبھی وہ ہم سے شرمائے

مولانا قمر عثمانی کی شعری کاوشوں کے بارے میں مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصرؒ رقم طراز ہیں:

''میرا خیال ہے کہ علم وکمال کی شائستگی نے ان کے شعر وادب کو مہذب وباوقار بنانے میں اور اس کی نوک وپلک درست کرنے میں پوری مدد دی ہے''۔(۱)

مولانا قمر عثمانی کی شاعری کیا ہے بہ قول جمیل مہدی:

''انھوں نے شاعری کو ذریعہ شہرت اور ذریعۂ عزت بنانے کے بجائے ایک فن، تسکین کے لیے ایک وسیلے اور باطنی جذباتی کشمکش کے اظہار کے خاطر برتا اور استعمال کیا ہے، اس لیے ان کی شاعری میں قافیہ پیمائی کی کوشش کے بجائے رنگا رنگ جذبات کی ایسی کارفرمائی دکھائی دیتی ہے جس میں تاثیر بھی ہے گہرائی بھی، خوبصورتی اور تنومندی بھی، اس کے علاوہ وہ ''شئے دگر'' بھی جو ہمیشہ ماورائے شاعری تسلیم کی جاتی ہے''۔(۲)

۳۵ر سال پہلے اس دنیا سے رخصت ہونے والی بلند مرتبہ علمی شخصیت، علمائے دیوبند کی پیشانی کا نور، اکابر کی علمی زندگی کا حسن، ان کے کارہائے نمایاں کا چلتا پھرتا نمونہ، تاریخِ اسلاف کا ایک روشن وتابناک دور، معاصرین میں سب سے ممتاز ہستی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کو اللہ رب العزت نے بیان واظہار کی ان تمام صلاحیتوں سے مالا مال فرمایا تھا جن کا تعلق قلم اور زبان سے ہے، وہ علم وعمل کا چلتا پھرتا شاہکار، حسنِ اخلاق اور حسنِ تدبر کا حسین امتزاج، انتظام وانصرام کی نمائندہ وخوبصورت روایت اور تاریخ دارالعلوم کی وہ آخری نشانی تھی کہ اس کے بعد اس سمت میں کسی اور کے قدم نہیں بڑھے۔ ۱۷/ جولائی ۱۹۸۳ء کو وہ اس دنیا سے پردہ کر گئے ۳۵ر سال کا عرصہ گزرتا ہے اس خلا کو پُر کرنے والا کوئی نہیں آیا اور مجھے یقین ہے اب کوئی آئے گا بھی نہیں، اللہ رب العزت ہر چیز پر قادر ہے مگر جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں وہاں یہ خیال پختہ سے پختہ ہوتا چلا جاتا ہے کہ اب کوئی نہیں آئے گا، حکیم

(۱) جاوداں: ص/۹ (۲) ایضاً: ص/۱۲

الاسلام کی نثری خدمات میں لاتعداد علمی، تحقیقی مقالات ہیں، ۱۰۰/ سے زائد کتابیں ہیں اور شعر وفکر کی دنیا میں ان کی انفرادیت کو باور کراتے دو مجموعۂ کلام ہیں اوّل ''عرفانِ عارف'' دوم ''آنکھ کی کہانی''۔ ''آنکھ کی کہانی'' کی ادیب شہیر مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے بڑے وقیع انداز میں تعریف کی اور لائق ذکر تبصرہ فرمایا، خاندانِ قاسمی کا امتیاز جہاں علم رہا، تدین رہا، اخلاق رہا، بلند کرداری رہی، جرأت وعزیمت رہی، صبر واستغناء رہا، وہیں شاعری بھی نسلوں سے اس کے خون میں شامل ہے، نومبر ۲۰۱۷ء کو گزرنے والی شخصیت حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحبؒ کی شاعری بھی اپنی جانب متوجہ کرتی ہے، چھوٹے بھائی پروفیسر محمد اعظم قاسمی صاحب جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ریٹائر ہوکر علی گڑھ ہی میں قیام پذیر ہیں، ان کا دامن بھی شاعری سے خالی نہیں ہے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی شاعری کا جتنا بھی ذخیرہ ہے وہ ذمہ دارانِ ادارہ کی انتظام وانصرام کی مسلسل مصروفیات کی وجہ سے میرے سامنے نہیں ہے لیکن جو چیزیں ہیں ان پر ہی کلام اس مقالہ کا عنوان ہے۔ حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ ندیمؔ تخلص فرماتے تھے یاد رہے کہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے لگ بھگ ۴۵/ سال پہلے پندرہ روزہ اخبار ''میقات'' کے نام سے شروع فرمایا تھا، وہ کتنا عرصہ شائع ہوا اور کتنی اس کی زندگی تھی یہ تو میرے ذہن میں نہیں لیکن کافی شمارے میں نے اس کے دیکھے، اس میں حضرت مولانا کی تحریروں کے ساتھ ساتھ نظمیں بھی شائع ہوتی تھیں، ایک نظم ''ترانۂ مظلومین'' کے نام سے پڑھنے میں آئی یہ ترانہ جس پر خود مولاناؒ نے نوٹ تحریر فرمایا یوں تھا:

> ''ترانۂ مظلومین'' خاص طور پر بچوں میں قوتِ ایمانی، اعتماد علی اللہ اور جذبۂ حب الوطنی کے ساتھ ہمتوں اور حوصلوں کو بلند رکھنے کے لیے مرتب کیا گیا ہے''۔

ترانہ یہ ہے:

بحمد للہ حق کا بول بالا ہونے والا ہے
سیاہی چھٹ رہی ہے اب اُجالا ہونے والا
خدا کے گھر کے دشمن سُن ! ندائے غیب آتی ہے
کہ تو برباد اب تو، لامحالہ ہونے والا ہے
''دیارِ دل'' کے شیطاں کو، کوئی جا کر یہ بتلا دے
تہہ وبالا ترا ایوانِ بالا ہونے والا ہے
تو کرلے ظلم، تجھ سے مومنوں پر ہوسکے جتنا
ترا اے روسیہ! منہ اور کالا ہونے والا ہے

شہیدوں کا لہو پیتے ہی، ذرّے بول اٹھتے ہیں
یہ خطہ آج کل میں کشتِ لالہ ہونے والا ہے
شہادت پانے والو، لو مبارک وقت آپہنچا
تمہارے زیبِ تن خلدی دوشالہ ہونے والا ہے
مجاہد نازکر، اپنے مقدر پر کہ تو کل کو!
شہیدانِ اُحد کا ہم پیالہ ہونے والا ہے
مبارک ہو، ندائے ہاتفِ غیبی، مبارک ہو
کہ تم سے کارنامہ اک نرالا ہونے والا ہے
دلائل سے جو خالی ہاتھ ہوں وہ کیوں نہ گھبرائیں
کہ منھ ان کا عدالت میں بھی کالا ہونے والا ہے
جوحق پرجم کے اس پر جان تک قربان کرتے ہوں
تو دنیا میں مقام ان کا ہی اعلیٰ ہونے والا ہے
مرا قرآن کہتا ہے مرا ایمان کہتا ہے
ظہورِ نصرتِ باری تعالیٰ ہونے والا ہے

ایمانی جذبات کا تموج، ہمت وحوصلہ کی فراوانی، حق بیانی، یقین کی روشنی، ذاتِ الٰہی پر اعتماد، محرومیوں سے دوری، شوقِ شہادت سب کچھ ترانہ میں موجود ہیں، ترانہ اپنے حسن اورخوبصورتی کی خودداد چاہتا ہے، مولانا نے ایک تیز رفتار ندی کی طرح بغیر رُکے اور رُکاوٹ کوخاطر میں لائے ترانہ کی یہ منزل سر کی ہے آمد، نغمگی، موسیقیت سب کچھ ہے۔ مولانا کواللہ نے شعر کی پرکھ کے ساتھ خوب صورت شعر کہنے کا بھی سلیقہ عطا فرمایا تھا۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، اہلیہ محترمہ، صاحبزادۂ گرامی قدر جناب محمد اعظم صاحب اور دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ برقیات کے ناظم پیر جی محمد عمر صاحب قدوسی کی زیارتِ بیت اللہ سے واپسی پر خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نوراللہ مرقدہ نے جو نظم ''مقدس زائرینِ حرم سے'' کے عنوان سے قلم بند کی وہ کچھ یوں تھی۔

حریمِ رحمۃ اللعالمین جانا مبارک تھا
ز سرتاپا سعادت بن کے آجانا مبارک ہو
سراپا شوق بنکر حاضری رحمت ہی رحمت تھی
تمنائے مکرر لے کے آجانا مبارک ہو

حضوری آزمائش واپسی انعام ہے گویا
خطا کاروں کو اس کی دید اک پیغام ہے گویا
زمانہ منتظر تھا بزم ایماں میں اجالے کا
تمنائیں تھیں دل میں شوق تھا کچھ فیض پانے کا
حصول فیض ان سے جو کہ سب کچھ لے کے آئے ہیں
قناعت سرِ وحدت زہد سب کچھ لے کے آئے ہیں
وہ مطلوبِ خداوندی نمازیں لے کے آئے ہیں
وہ راتوں کی مناجاتیں نیازیں لے کے آئے ہیں

یہ نظم کافی طویل ہے جس میں فخر الاماثل حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا ذکرِ خیر، مکرمہ والدہ صاحبہ کی بے کراں محبتوں، برادرِ خورد اعظم قاسمی کی سعادتوں، سفرحج کی برکتوں، خانۂ کعبہ کی زیارت وطواف، صفا ومروہ کی سعی، مزدلفہ وعرفات کا قیام، ارکانِ حج کی تکمیل، محبوب کے گلی کوچوں کی دیوانہ وار حاضری، اللہ کی رحمتوں اور لطف وعنایت کی طلب، یہ نظم ان جذبات کو بیان کرتی ہے جو ایک بندۂ مومن کے جذبات اور صالح طبیعت انسان کی فکر ہوسکتی ہے۔

متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحبؒ کی شادی کے پُر مسرت موقع پر حضرت مولانا سالم صاحب قاسمیؒ نے ''نغمۂ تہنیت'' کے عنوان سے جو سہرا لکھا وہ کچھ یوں تھا۔

حیاتِ نو کی یہ منزل مبارک
وفورِ شوق کا حاصل مبارک
عزیز اسلم بایں یمن و سعادت
بہ نقدِ دل بہ نقدِ دل مبارک
طلوعِ مہر تابانِ محبت
عروجِ فکر و سامانِ حجت
نگاہیں ترجمان ہیں آج جس کی
مبارک ہو یہ عرفانِ محبت
جہانِ دل میں آب و گِل محبت
یہاں رہبر ہے دل منزل محبت
طلب کرتی ہیں یاں معصومیت سے
نگاہیں دلنوازی دل محبت

وقار علم سے چہرا مُشَیَّن
حیا کی آب سے سہرا مزیَّن
دعائے والدین محترم سے
نگاہ ودل نے کی منزل معیّن
دعائیں دے رہے ہیں دل ہمارے
قریں اخلاص مندی ہو تمہارے
طلوعِ شمس عزت ہو یہ سہرا
رہیں جب تک فلک پر چاند تارے

ہمشیرہ حمیرہ کی شادی کی پُر مسرت تقریب کے موقع پر حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے رخصتی لکھی اور اپنے دلی جذباتِ محبت کا اظہار اس طرح کیا۔

اے شریک شیر مادر ،اے محبت کی شعاع
آج ان لرزاں ہونٹوں پر آ گیا لفظِ وداع
الوداع اے رونق بزم محبت الوداع
الوداع اے پیکرِ صدق ودیانت الوداع
الوداع اے مخزنِ اخلاصِ الفت الوداع
الوداع اے گلشنِ طیب کی نکہت الوداع
آ گئے ہیں آج وہ لمحے کہ تو جانے لگی
سینۂ ماہتاب سے سن کیا صدا آنے لگی
باپ کا گھر صرف ماضی کا امانت دار ہے
بہرِ متقبل تیری ذاتی سمجھ درکار ہے
یاں تیری گفتار ہوتی تھی سکون جان ودل
تو پیامِ سرخوشی تھی بہر روحِ مضمحل
یاں تیری روشن جبیں کا نور ہی تھا کل متاع
جگمگا دیتی ہر اک گوشے کو دل کے اک شعاع
یاں تیری ہر بات کو بچپن کیا جاتا شمار
تیری معصومانہ ہر حرکت پہ آتا تھا پیار

یاں تیری ناعاقبت اندیشیاں وجہ سرور
تھی تیری اُلھڑ نظر میں پختگی کی موجِ نور
یاں تیری ادنیٰ ہنرمندی پہ کھلتے تھے کنول
باعثِ صدکرب ہوتا تیری پیشانی کا بل
تھرتھرایا ایک آنسو بھی تیری پلکوں پہ گر
کائناتِ رنگ وبو تاریک تر آتی نظر

مولانا محمد اسلم قاسمی صاحبؒ کے سہرے اور ہمشیرہ حُمیرہ کی رُخصتی کے عنوان سے حضرت مولانا نے اپنی محبت، اپنی الفت، اپنے تعلق اور اپنی دلی کیفیات کو خوبصورتی کے ساتھ سہرے اور رخصتی میں سمو دیا ہے، ایک بڑے بھائی کے ان پُر مسرت موقعوں پر جو قلبی جذبات ہو سکتے ہیں ان کو نظم کی صورت میں صفحۂ قرطاس پر کامیابی کے ساتھ پھیلایا ہے۔ ہر شعر محبت کا عنوان اور ہر مصرعہ میں رشتوں کے تقدس و پاکیزگی کی چاشنی ہے مولانا مرحوم احوالِ دل بیان کرنے میں پوری طرح کامیاب ہیں، وقت اگر موقع دیتا درس وتدریس، تحریر وتقریر سے ذرا فرصت ملتی، ہجومِ اسفار سے چند سانس لینے کی مہلت بھی فراہم ہو جاتی تو یقیناً حضرت مولانا کی شاعری بہت سی منزلیں طے کرتی اور اس دورِ آخر میں تو اپنی انفرادیت اور آفاقیت کا اعلان کرتی۔

سادگی کے ساتھ ساتھ جتنی دلکش اور من موہنی شخصیت حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کی تھی اتنی ہی سادگی اور دلکشی ان کی شاعری میں بھی ہے۔ انسان کے کردار، عمل اور سوچ کا آئینہ اس کی گفتگو، کبھی اس کی تحریریں، کبھی تقریریں اور کبھی اس کی شاعری ہوتی ہے، معاف کیجیے! یہ کلیہ خالص شاعری کرنے والوں پر صادق نہیں آتا کہ ان کا اکثر طبقہ قال اور حال کے درمیان ہمیشہ خلیج اور فاصلہ بنائے رکھتا ہے یہ طبقہ جتنے بلند بانگ دعوے کرتا اور کردار واخلاق کی جتنی دُہائی دیتا ہے اس سے خود محروم ہوتا ہے۔ مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ اپنے معاصرین کے علاوہ پچھلی کئی دہائیوں سے لے کر موجودہ وقت تک ایک مثالی شخصیت کے مالک تھے، انھوں نے ایک کامیاب ترین انسان اور باکمال عالمِ دین کی زندگی گزاری، خاندانی اختصاصات اور ذاتی شرافت ان کا سرمایہ تھی اس سرمایہ کی حفاظت انھوں نے پوری تندہی، بیداری اور کمال خوبی کے ساتھ کی، ان کی شاعری ان کی زندگی کا عکس ہے، ان کی شاعری میں ان کے افکار وخیالات کی روشنی ہے، ان کی شاعری ان کی نسبی شرافتوں اقدار اور روایتوں کی امین ہے، ان کی شاعری میں ایک مردِ مومن کی جھلکیاں ہیں، صدق وصفاء، صالحیت اور فکر کی نظافت ہے، خدا کی بندگی اور غلامی کا احساس ہے، پاکیزہ اور پُر نور تصورات کا اظہار ہے، خدائے بزرگ وبرتر کی عظمتوں کے ساتھ یقین، امیدوں اور آرزوؤں کا بیان ہے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے فارسی میں بھی شاعری کی اور بڑی اچھی شاعری کی اس کا کوئی نمونہ اس وقت میرے سامنے نہیں ہے۔ بات یہاں آکر ختم ہوتی ہے کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کی خدماتِ عالیہ، دینی کارناموں اور کارہائے نمایاں کو اپنے علم وفضل اور بلند کردار وعمل سے زندہ اور تازہ رکھا، اس ذمہ داری کو حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے اپنے گرامی قدر اور نامور والد کی پاکیزہ زندگی کے اضافے کے ساتھ آگے بڑھایا، دونسلوں کے تفاوت کے باوجود وہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے جلیل کارناموں کو نئی نسل تک پہنچانے میں کامیاب رہے، یہ کارنامہ معمولی نہیں ہے، اس عالم میں اس کارنامے کی قیمت اور بڑھ جاتی ہے، جب اس راہ کے بہت سے راہی راستہ کھو بیٹھے اور بہت بار وقت کا عفریت سب کچھ نگل لینے پر آمادہ نظر آیا، خود کو سنبھالنا، طوفانِ بلاخیز سے قافلہ کو بچا کر لے آنا اور ساتھیوں کو بحفاظت ساحلِ مراد پر پہنچانا۔ یقیناً تاریخِ دیوبند کا ایک روشن باب ہے اور یہ باب حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے نام سے معنون ہے۔

❖ ❖ ❖

حضرت خطیب الاسلامؒ
بحیثیت مہتمم

مولانا مفتی محمد احسان قاسمی ندوی❖

جس عالم میں ہم زندگی بسر کرتے ہیں اور جتنے عالموں اور جہانوں کو ہم جانتے ہیں ان تمام سے متعلق ہمارا یہ یقین ہے کہ ایک وقت ایسا تھا جب یہ اور ان میں کچھ موجود نہیں تھا، صرف حق جل مجدہٗ کی ذات مقدس اور اس کی تجلیات آشکارا رہیں، مشیت ایزدی ہوئی اور ہر ہر عالم کو ارواح و اجسام عطیہ ہوئے، ہر ایک عالم کے لیے ایک وقت اور ہر مخلوق کے لیے ایک عمر متعین کی گئی، جس عالم میں ہماری نشو ونما ہے، اس میں زندگی گزارتے ہوئے اپنی عمر ہمیں اتنی طویل لگتی ہے کہ فناء کا تصور ہماری نظروں سے اکثر اوقات اوجھل رہتا ہے، سینکڑوں برس کی اس زندگی کو اگر گہرائی سے دیکھیں تو آنے والے جہانوں میں وہ روز و شب بھی ہیں جن کے بارے میں کامل یقین بالفاظ قرآنی: **کَـاَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْن** کا ہے، بایں حیثیت اگر سوچیں تو اس دنیا میں ہماری عمر غیر معمولی طور پر کم سے کم رہ جاتی ہے۔

اس مختصر وقت میں ہم تمام علمی میدانوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے جذبات سے سرشار اور اقدامی دنیا میں تنافس و تقابل بلکہ سبقت کے لیے تیز گام نظر آتے ہیں، کوئی شیطنت کو اپنے لیے منتخب کرتا ہے اور کسی کے لیے نشانِ منزل رضائے الٰہی کی جستجو ہے، دونوں طرح کے گروہ اسی عالم رنگ و بو میں اپنی اپنی منزلوں کو تلاشتے اور اپنی طاقتوں کو اس کے لیے صرف کرتے نظر آتے ہیں، راہ شیطنت کے لیے بے شمار راستے متعین ہوئے اور راہِ حق کے لیے ذیلی امور کے مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ اصولی طور پر ایک ہی راستہ مقدر رہا اور اس راہ کا ہر راہی کسی بھی راستے سے گزرا لیکن منزل اس کے لیے وہی متعین رہی، **عباراتنا شتى و حسنك واحد. و كل إلى ذلك الجمال يشير.**

رضائے الٰہی کے لیے جینے والوں میں کامل و جامع ترین، لائق عقیدت و عقیدہ، منبع انوار و ہدایت، منتہائے کمال و فضیلت، حامل بصارت و بصیرت شخصیت خاتم الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر دیگر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی ہے۔ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کے عشاق صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین،

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

تابعین وتبع تابعین **خلفا عن سلف** جس کو جتنا عشق میسر آیا اتنا بلند مقام حاصل کرتا گیا، یہی سلسلۃ الذہب مختلف ادوار سے گزرتا ہوا ہندوستان اور ہندوستان میں دیوبند تک پہنچتا ہے۔۱۸۶۶ء ہے اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نوراللہ مرقدہٗ کا الہامی اقدام وفیصلہ ہے، اسلامی شعائر وتشخص کے بقا کے لیے ایک مدرسہ، ایک تحریک کی بناء مدرسہ عربی دیوبند کی شکل میں وجود میں آیا، اس کی کامیابی کے لیے دفع مضرت اور جلب منفعت، اغیار کی یلغار سے اس کی حفاظت اور ارتقاء کے لیے جدوجہد، حضرت نانوتویؒ اور ان کے رفقاء کار کی مساعیٔ جلیلہ تھیں، ادھر بارگاہ ایزدی میں ان مساعی کی قبولیت کہ مسبب الاسباب نے ہر ہر سبب مہیا کردیا اور بڑی سے بڑی مخالفتوں کے باوجود یہ تحریک رواں دواں اور منزل کی طرف بڑھتی رہی، میر کارواں حضرت نانوتویؒ بہت کم عمری میں اپنی عمر کی پچاسویں منزل میں قدم رکھتے رکھتے اس دار فانی کو خیر باد کہتے ہوئے آغوش رحمت میں چلے گئے اور ۴۹ رسال کی عمر میں ان کی وفات ہوگئی۔**انا للّٰہ و انا الیہ راجعون**

حضرت بانی رحمہ اللہ کے صاحبزادۂ محترم وجید عالم دین اور سیاسی وسماجی احوال پر غیر معمولی بصیرت کی حامل شخصیت فخر الاسلام حضرت مولانا احمد صاحب رحمہ اللہ کو اس جماعت کی سربراہی کے لیے رب کائنات نے متعین فرمایا۔حضرت فخر الاسلام رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند کی تعمیر وترقی، اساتذۂ کرام کے انتخاب اور تعلیم وتعلم کے معیار کو بلند کرنے میں اہم خدمات کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ بحیثیت مجموعی ملت اسلامیہ کو درپیش مسائل کے حل کی بھرپور جدوجہد کی، بالخصوص عدل وانصاف اور امن وسلامتی کے قیام کی فکر پیہم دامن گیر رہی اور نظام قضاء کے ارتقاء کے لیے بھی اپنی خدمات پیش کیں۔

حضرت فخر الاسلام رحمہ اللہ کی شخصیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسا عجیب اثر رکھا تھا کہ جو بھی آپ سے ملتا آپ کی شخصیت سے مرعوب ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔آپ کا علم وتقویٰ اور آپ کی مجموعی طور پر خدمات اس کو ضرور متاثر کردیتی تھیں، عوام وخواص سے آپ کا رابطہ بہت مستحکم تھا اور اس رابطہ نے دارالعلوم کی خدمات اور اس کی نشریات پر لوگوں کے اعتماد میں اضافہ کردیا تھا، اس اعتماد کی وجہ سے دارالعلوم اور دیوبندی مکتبہ فکر کا میدان وسیع ہوتا چلا گیا۔۱۳۴۷ھ میں حضرت فخر الاسلام کے لیے بھی لوگوں کو **رحمہ اللّٰہ رحمۃ واسعۃ** کہنا پڑا اور وہ بھی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

حضرت فخر الاسلام رحمہ اللہ کی بھی دعاء ''**رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْن**'' مقبول رہی اور آپ کی جانشینی آپ کے فرزند ارجمند حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے حصہ میں آئی، جن کی شخصیت میں اللہ تعالیٰ نے سحر انگیزی ودیعت فرمائی تھی، نکتہ سنجی، سحر بیانی، اخلاق وکردار، حلم وبردباری، درس وتدریس کی مہارت اور افہام وتفہیم کا عمدہ سلیقہ جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اس وقت وہ آپ

ہی کا حصہ تھا، دیو بندی مکتب فکر، دارالعلوم دیو بند کے امتیازات کی نشر و اشاعت میں حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ کی تحریریں، تقریریں اور تدبیریں اتنا کام کر گئیں کہ بسا اوقات جماعتوں کی جماعتیں بھی اتنا کام نہیں کر پاتیں، دارالعلوم کے اندرونی انتظام پر مکمل پکڑ اور اس کے ایک ایک شعبہ پر گہری نظر کے طفیل دارالعلوم میں ترقیات ہوتی گئیں، آپ کے زمانے میں متعدد شعبوں کا قیام ہوا اور ہر ہر شعبہ نے تعمیر ملت کے لیے کام کیا، تعلیم و تعلم سے لے کر زمینی وسعت کے ساتھ دارالعلوم کی ضروریات پوری کئے جانے کے لیے بہت سی اہم عمارات تیار ہوئیں۔

دینی علوم کی اشاعت میں گراں قدر خدمات کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ وقت کے تقاضے بھی پیش نظر رہے جس کے لیے سب سے مقدم آپ کے پیش نظر تھا، **العلم علمان علم الأديان و علم الأبدان**، اس کے لیے باضابطہ طبیہ کالج کا قیام، اندرون دارالعلوم ہی عمل میں لایا گیا، اس کالج سے بہت سے فضلاء نے ڈاکٹری میں مہارت حاصل کی اور یہ بھی دارالعلوم کی ترقی میں ایک اہم اقدام ثابت ہوا، ہر چہار جانب اس اقدام کی تحسین کی گئی۔

دینی علوم کی تحصیل کی طرف عوام و خواص کی توجہ مرکوز کرنے، دارالعلوم کی خدمات کو متعارف کرانے اور فضلاء دارالعلوم کی حوصلہ افزائی کے لیے صد سالہ اجلاس کی تجویز طے پائی اور اسی کے مطابق ایک ایسا عظیم الشان اجلاس کیا گیا جس کی مثال کم از کم دینی حلقوں میں اس سے پہلے کسی نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی ہوگی؛ لیکن پھر دارالعلوم کی انتظامی سرگرمیوں کے تعلق سے اختلافات رونما ہوئے اور دارالعلوم دیو بند کا معروف قضیۂ نامرضیہ پیش آیا، جس کے بعد دارالعلوم کی روح کے بقاء اور اس کے مسلک و مشرب کے تحفظ کے طور پر دارالعلوم وقف دیو بند کا قیام عمل میں آیا، آغاز ہی تھا کہ ۱۹۸۳ء میں حضرت حکیم الاسلامؒ نے جان جان آفریں کے حوالے کر دی۔

قضیۂ دارالعلوم کے نتیجے میں دارالعلوم کے اہم ارباب حل و عقد، بڑے اساتذۂ کرام اور دیگر کارکنان پچاسی افراد کی ایک جماعت اس قدیم عمارت سے علاحدہ ہوئی اور ان تمام نے حضرت حکیم الاسلامؒ کی جانشینی کے طور پر خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمہ اللہ کو پسند فرمایا اور دارالعلوم وقف دیو بند کے منصب اہتمام کا سہرا آپ کے سر باندھا گیا۔ اس اہم اعتماد کے اظہار میں پیش پیش رہنے والوں میں چند اہم شخصیات کے اسمائے گرامی کچھ اس طرح ہیں:

فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیریؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی سید احمد علی سعید صاحبؒ، حضرت مولانا خورشید عالم صاحبؒ، حضرت مولانا محمد نعیم صاحبؒ، حضرت مولانا اظہر شاہ قیصر صاحبؒ، حضرت مولانا عبداللہ جاوید صاحب وغیرہم۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے: **عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ : من تولی من امر المسلمین شیئا فاستعمل علیه رجلاً وهو یعلم أن فیهم من هو أولی بذلك واعلم منه بکتاب اللّٰه و سنة رسول اللّٰه ﷺ فقد خان اللّٰه و رسوله و جماعة المسلمین. (۱)**

اگر مسلمانوں کا کوئی اہم معاملہ درپیش ہو اور اس امر و منصب پر عمداً کسی ایسے شخص کو فائز کر دیا جائے جو اس کا اہل نہ ہو، اس سے زیادہ لائق اور علم و درک والی شخصیت سے صرف نظر کر لیا جائے تو ایسا کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ و رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت کرنے والے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے والے کہلاتے ہیں۔ مسلمانوں کے اہم معاملات، تنظیموں، اداروں، جامعات اور مدارس کے ذمہ داران طے کرتے وقت یہ حدیث پیش نظر رکھی جانی چاہیے۔

اوپر جن اہم شخصیات کے اسماء ذکر کیے گئے ہیں وہ محدث، مفکر، فقیہ، کہنہ مشق مدرس اور سماج و معاشرت کے ماہر و تجربہ کار شخصیات تھیں، قرآن و حدیث اور مسلمانوں کے ملی احوال ان کے سامنے تھے۔ انہوں نے غور و فکر کیا اور اس وقت ان کی نگاہیں ملک وملت کی ایسی اہم شخصیت پر جا کر ٹکی جو جماعت میں اپنے تقویٰ وطہارت، اخلاق و کردار، فکر و تدبر اور طویل تجربات کی وجہ سے واقعۃً بے مثال تھی اور دار العلوم وقف دیوبند (جو ایک اہم ادارہ، مرکزیت کا حامل مدرسہ اور ایک ملی تحریک ہے) کے لیے خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا انتخاب عمل میں آیا۔

مدرسوں کی عمومی تاریخ یہ ہے کہ وہ الف، ب ایک دو مدرسین اور دو چار دس بیس طلبہ سے شروع ہوتے ہیں، اسباب مہیا ہوتے جاتے ہیں اور تعلیم و تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، یہاں حالات بالکل دوسرے تھے، بسم اللہ ہی پر طلبہ کی بڑی تعداد، اساتذۂ کرام اور ملازمین کی ایک بڑی جماعت اور ظاہری مادی اسباب و وسائل کا مکمل فقدان تھا، اگر کچھ تھا تو وہ حضرت حکیم الاسلامؒ کا بخاری شریف سے متوکلاً علی اللہ آغاز کرا دینا اور کچھ مخلصین کی نیک تمنائیں اور ادعیۂ صالحہ تھیں، ایسے احوال میں ادارے کے انتظام و انصرام کو سنبھالنا، ہر کس و ناکس کے بس کی بات تو کیا ہوتی بہت سے خواص بھی اس کی ہمت نہیں کرتے مگر جب یہ ذمہ داری خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کو دی گئی تو آپ نے اس وقت کے تقاضوں کے پیش نظر اسباب و وسائل پر نگاہ نہ رکھتے ہوئے مسبب الاسباب کی ذات اقدس پر کلی طور پر اعتماد کیا اور طویل ترین زمانہ اہتمام میں اکثر یہی فرمایا کرتے تھے کہ نگاہ ہمیشہ مسبب الاسباب ہی کی طرف رہنی چاہیے۔ اپنے خوردوں کو یہاں تک نصیحت فرماتے کہ اگر اسباب کی فراوانی بھی ہو تب بھی اسباب پر

(۱) طبرانی

اعتماد نہ کیا جائے بلکہ ذات باری تعالیٰ اور اس کی توفیق ہی کا احساس بیدار رکھا جائے، اسی کا نام توکل ہے۔

مسلمانوں کے کسی ادارے کی تولیت و اہتمام کے لیے شریعت اسلامیہ نے کچھ امور کو لازم و ضروری قرار دیا ہے جواز قبیلۂ لوازمات ہیں اور کچھ چیزیں وجوہ ترجیح کے طور پر ذکر کی گئی ہیں جواز قبیلۂ تحسینیات ہیں۔ قرآن و حدیث میں اس کے واضح اشارے موجود ہیں تاہم علم فقہ قرآن و حدیث کا عطر کہلاتا ہے اور فقہاء قرآن و حدیث کے اصولی اور اجماع و قیاس کی فروعی تمام دلائل کا احصاء کرتے ہوئے کوئی بات لکھتے ہیں، ہم طوالت سے بچتے ہوئے یہاں فقہ کی عبارات پر اکتفاء کرتے ہیں:

و ينزع وجوبا بزازية لوالواقف درر فغيره اولٰی غير مأمون أو عاجزا أو ظهر به فسق كشرب خمر و نحوه فتح أو كان يصرف ماله فی الكيمياء نهر بحثا و ان شرط عدم نزعه أو أن لا ينزعه قاض ولا سلطان لمخالفته لحكم الشرع فيبطل كالوصی فلو مأمونا لم تصح تولية غيره اشباه. و فی الهامش قال فی الاسعاف لا يولی إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لان الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لانه يخل بالمقصود و كذا تولية العاجز لان المقصود لا يحصل به (۱)

حاصل کلام یہ ہے کہ فقہائے کرام کے نزدیک مہتمم و متولی کے لیے تین شرائط ہیں:

(۱) وہ امانت دار ہو، اگر اس کے احوال سے اس کا خائن ہونا معلوم ہو تو اسے یہ منصب دینا درست نہیں ہے۔ (۲) جس منصب پر کسی شخص کو فائز کیا جائے وہ اس منصب کے تقاضوں کو پورا کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، اس کا علم و تجربہ بھی ساتھ دے اور اس کی وجاہت و قوت بھی اس انداز پر ہو کہ منصب کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ (۳) وہ عادل ہو، فسق و فجور اس کے اندر نہ پایا جائے۔ حضرت خطیب الاسلامؒ مذکورہ تینوں شرائط کے حامل رہے۔

ذیل میں ہم اس کی کچھ تفصیل بیان کرتے ہیں:

(۱) امین ہونا

حضرت خطیب الاسلامؒ کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ و طہارت کی صفت سے متصف فرمایا تھا اور امانت داری میں بھی اس کا اثر واضح طور پر دکھائی دیتا رہا۔ دارالعلوم وقف دیوبند کے لیے جو رقوم سفراء کے ذریعے آتی تھیں حضرتؒ ان رقوم کو اپنے پاس نہیں رکھتے تھے، اس کے لیے شعبۂ تنظیم و ترقی اور شعبۂ محاسبی کا روز اول سے قیام عمل میں لایا گیا تھا، سفراء جو رقم لاتے تنظیم میں اس کا حساب ہوتا اور وہ رقم تنظیم و ترقی میں جمع

(۱) الدر المختار

ہوجاتی تھی، پھر وہاں سے اس رقم کا اندراج ہوکر شعبۂ محاسبی منتقل ہوجاتی اور حضرت مہتمم صاحب کی اجازت سے محاسبی سے اخراجات کے لیے رقم دیدی جاتی تھی، تقریباً یہی طریقہ آج بھی جاری ہے۔ چندہ دہندگان میں سے کوئی شخص بعض مرتبہ مدرسہ کے اوقات کے علاوہ حضرتؒ کے گھر پر آجاتا اور کوئی رقم مدرسہ کے لیے دیدیتا تھا۔ حضرتؒ تنظیم وترقی یا محاسبی یا نیابت کے امور پر مفوض کسی ذمہ دار کو اسی وقت یا اگلے روز صبح کو بلاکر وصول یابی کے لیے ضابطہ کی تحریر لکھواتے اور وہ رقم اس کے سپرد کردیتے تھے۔ حضرتؒ کے تبلیغی اصلاحی اسفار کافی ہوتے تھے، دورانِ سفر بھی بعض لوگ حضرتؒ کو دارالعلوم وقف کے لیے کچھ رقم دیدیتے تھے، حضرت اس رقم کو الگ رکھتے اور دیوبند پہنچنے پر تنظیم یا محاسبی کے ذمہ دار کو بلاکر رسید کٹواتے، رقم سپرد کرتے اور اس رسید کو معطی تک دستی یا بذریعہ ڈاک بھجوانے کا اہتمام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرتؒ مدراس تشریف لے گئے، وہاں آپ کے ہمسفر اس حلقہ کے ایک سفیر اور دارالعلوم وقف کے ایک استاذ بھی تھے، جب آپ کو وہاں سے واپس ہونا تھا تو ایک روز پہلے ایک صاحب کے یہاں آپ کا قیام ہوا، وہ صاحب بڑے تاجر اور معروف مال دار تھے، ان تاجر صاحب نے حضرتؒ کو ایک لفافہ دیا اور اس لفافہ کے بارے میں کوئی تفصیل سامنے نہیں آئی، لوگ حضرتؒ کو ہدیہ بھی دیتے تھے اور حضرت قبول بھی کرلیتے تھے، اس لفافے کے بارے میں بھی حضرت کو ایسا ہی لگا کہ یہ لفافہ سیٹھ صاحب نے مجھے ہی دیا ہے۔ مدرسہ کے سفیر بھی ساتھ تھے، اگر رقم برائے مدرسہ ہوتی تو ظاہر ہے یا تو وہ سفیر کو دی جاتی یا حضرت کو دے کر اس کی وضاحت ہوجاتی اور ان کو بذریعۂ سفیر صاحب رسید دیدی جاتی لیکن یہ سب کچھ نہیں ہوا، حضرت دیوبند تشریف لے آئے اور جب وہ لفافہ کھولا تو اس میں جو رقم تھی وہ کچھ سوا تھی، جس سے حضرت کو تذبذب ہوا کہ یہ رقم میرے لیے دی ہے یا مدرسہ کے لیے؟ حضرت نے اپنے ہم سفر استاذ کو بلایا اور ان سے معلوم کیا کہ وہ جو لفافہ سیٹھ صاحب نے دیا تھا اس کے بارے میں سیٹھ صاحب نے آپ کو کچھ بتایا ہے؟ استاذ صاحب نے جواب دیا کہ وہ لفافہ تو سیٹھ صاحب نے ظاہر ہے کہ آپ ہی کے لیے دیا ہے، مدرسہ کے لیے نہیں دیا لیکن مجھے اس سلسلے میں کوئی تفصیل سیٹھ صاحب نے نہیں بتائی۔ انہوں نے رسید وغیرہ کا بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا، انہوں نے اطمینان دلایا کہ وہ لفافہ آپ کے لیے ہدیہ ہے۔ حضرتؒ خاموش ہوگئے لیکن اندر بے اطمینانی باقی رہی، حضرت کاموں میں مصروف ہوگئے، پھر ایک دو روز گزرنے پر دوسرے ہم سفر سے استصواب کیا لیکن اطمینان نہیں ہوا، بالآخر حضرت نے وہ رقم مدرسہ ہی میں جمع فرمادی۔

(۱) اہلیت ولیاقت

اہلیت ولیاقت سے مراد مہتمم ومتولی کا علم وتجربہ اور وجاہت وقوت ہوتی ہے۔ حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ

کے فضل سے اہتمام کی مکمل اہلیت حاصل تھی۔ آپ کا علم مضبوط و مستحضر تھا، دارالعلوم میں بہت اہم کتابیں آپ کے زیر درس رہیں اور آپ کی تدریس ہمیشہ مقبول رہی، اسی طرح آپ جب علماء، دانشوروں یا عوام کے درمیان ہوتے تو ان کے ذہن سے قریب ہو کر اسلامی اہم سے اہم مسائل پر تسلی بخش کلام فرماتے تھے، آپ کبھی طلبہ سے مخاطب ہوتے، کبھی عصری درس گاہوں کے ماہرین سے اور کبھی عوام سے، ہر طبقہ کا آدمی آپ کی گفتگو سے متاثر ہوتا تھا بالخصوص جب آپ کے مخاطب عصری علوم کے ماہرین ہوتے اور کسی مسئلہ میں آپ کا خطاب سنتے تو وہ بہت متاثر ہوتے تھے، اس لیے کہ قرآن وحدیث، اصولی اور فروعی دلائل پر آپ کی گہری نظر تھی، علم کلام اور علم حدیث میں آپ کو اختصاص حاصل تھا اور زمانہ وعلاقہ کے احوال پر آپ دور حاضر کی تعبیرات میں اس کا تجزیہ وانطباق بڑے عمدہ انداز سے فرماتے بعض مرتبہ عنوان کچھ اتنا جدید ہوتا تھا کہ مخاطبین یہ سوچتے کہ حضرت تو مولانا ہیں یہ اس عنوان پر کیا وضاحتیں کرسکیں گے، جب حضرت نے اس عنوان کا تجزیہ اور اس کے شرعی احکام و دلائل کو بیان فرمایا تو ماہرین انگشت بدنداں رہ گئے حتی کہ آلات جدیدہ کمپیوٹر وانٹرنیٹ وغیرہ پر مقالہ لکھنے کی ضرورت پیش آئی اور حضرت نے ان پر مقالہ لکھا، عنوان جدید تھا اور آپ کے جسمانی ضعف کا زمانہ تھا، اس کے باوجود ان پر آپ کی وضاحتیں بہت مدلل ہیں، آپ کے مقالات وخطبات اور دیگر تصنیفات کا مطالعہ کرنے والا یا آپ کا خطاب ودرس سننے والا اس حقیقت پر بخوبی مطلع ہوجاتا ہے کہ آپ کو علمی درک وبصیرت سے سرفراز فرمایا گیا تھا۔

اہم واقعہ

بات طویل نہ ہوجائے تاہم اس ذیل میں ایک اہم واقعہ تحریر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ حضرتؒ کا طالب علمی کا دور تھا، اس وقت خود حضرت نے ایک خواب دیکھا کہ میں سفر کر رہا ہوں اور سفر بذریعۂ ٹرین ہے، اچانک ایک صاحب کیبن میں تشریف لائے، عمدہ ترین سفید لباس زیب تن کیے ہوئے ہیں اور بہت باشرع آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے مجھے ایک طشتری میں ایک سیب اور ایک چھری رکھ کر دی اور فرمایا کہ کھاؤ، میں نے ان سے معلوم کیا کہ آپ کون ہیں؟ تو فرمایا کہ: بیہقی یعنی عظیم ترین محدث امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ۔ میں نے وہ سیب کاٹ کر کھایا، حضرتؒ (جو اس وقت دارالعلوم دیوبند کے طالب علم تھے) نے یہ خواب اپنے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے بیان کیا اور تعبیر چاہی۔ حضرت حکیم الاسلامؒ نے تعبیر دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو علم حدیث میں خصوصی مہارت عطا فرمائیں گے اور حضرت نے دعائیں دیں۔ حضرت حکیم الاسلامؒ کی تعبیر ظاہر ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے علم حدیث میں بھی آپ کو نمایاں مقام عطا فرمایا۔ تعبیر رؤیا سے واقف لوگ جانتے ہیں کہ یہ تعبیر ایک عظیم محدث امام بیہقیؒ اور ان کے دیے ہوئے

تحفہ کے پیش نظر تھی لیکن ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہے کہ سیب دل کو تقویت وفرحت دیتا ہے، جس سے بچپن ہی میں یہ بھی اشارہ مل گیا کہ آپ کو قلبی بصیرت، قوتِ فیصلہ اور حالات سے نبرد آزما ہونے کا ہنر بھی اللہ تعالیٰ عطا فرمارہے تھے اور اس کے آثار آپ کی زندگی میں نمایاں طور پر نظر آئے۔ ہم نے بار ہا دیکھا ہے کہ ملکی، ملی یا جماعتی طور پر کیسے بھی سخت حالات آئے لیکن آپ کبھی حالات سے نہ گھبرائے اور نہ مایوس ہوئے، آپ کا طریقۂ زندگی یہی رہا کہ: ''مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں'' آپ کی زندگی صبر وشکر کی مثال رہی۔

اہلیت کے لیے دوسری اہم چیز تجربہ ہے، حضرت خطیب الاسلامؒ نے بچپن سے اپنے والد ماجد حضرت حکیم الاسلامؒ اور ان کے انتظام وانصرام واہتمام کو بہت قریب سے دیکھا تھا اور حکیم الاسلامؒ کا اہتمام دارالعلوم ودیگر تمام مدارس کے لیے ایک اہم نظیر تھی، آپ کے طریقہ اہتمام سے بڑے بڑے ماہرین متاثر تھے اور اس وقت جب حضرت مہتمم صاحب مطلق بولا جاتا تھا تو حضرت حکیم الاسلامؒ ہی مراد ہوتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے اس طویل دور میں حضرت خطیب الاسلامؒ نے اپنے والد ماجد کے ساتھ کتنا ہاتھ بٹایا، کتنا کام کیا اور کس حد تک قریب سے دیکھا یہ سب ہی جانتے ہیں۔ حضرت حکیم الاسلامؒ کی وفات کے وقت خطیب الاسلامؒ دارالعلوم کے بڑے اور اہم اساتذہ میں تھے۔ خطیب الاسلامؒ نے اپنے والد ماجدؒ کے ساتھ ملکی وبیرونی بہت اسفار کیے تھے اور اپنے والد ماجد کو دارالعلوم دیوبند، دیوبندی مکتب فکر اور قاسمی مشرب کی ترجمانی کرتے ہوئے خوب دیکھا اور سمجھا تھا، جس سے خود خطیب الاسلامؒ کو اس میں خوب مہارت پیدا ہوگئی تھی۔

تیسری اہم چیز وجاہت وقوت ہے۔ خطیب الاسلامؒ میں علمی وجاہت کے ساتھ ساتھ خاندانی شرافت ونجابت بھی بدرجۂ اتم تھی، خانوادۂ قاسمی کی سینکڑوں سالوں پر مشتمل علمی وملی خدمات کو کون فراموش کرسکتا تھا، جب لوگوں کو معلوم ہوتا کہ خطیب الاسلامؒ خانوادۂ قاسمی کے چشم وچراغ، حضرت نانوتویؒ کے پڑپوتے اور روایاتِ قاسمیہ کے امین ہیں، تو لوگ آپ کی زیارت کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے۔ قرآن کریم کی تفسیر، احادیث مقدسہ کی تشریح اور علوم قاسمی کی توضیح میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے تبحر عطا فرمایا تھا۔ زمانے کے احوال اور ان کی نزاکتوں کو خوب سمجھتے تھے، اس تمام کے ساتھ ساتھ پاکیزہ کردار، کریمانہ اخلاق اور طبعی شرافت کے آپ پیکر تھے، جب آپ کسی بڑے مجمع، علمی مذاکرے یا روحانی مجلس میں ہوتے اور لوگ آپ کا قابل قدر نام سن کر امیدیں وابستہ کرتے تو آپ ان کی امیدوں پر یہی نہیں کہ کھرے اترتے تھے بلکہ وہ آپ کو اپنی امیدوں سے فائق پاتے تھے۔

عالمانہ وضع، مدبرانہ چہرہ اور شریفانہ وضع داری ایسے اوصاف تھے کہ آپ کو دیکھتے ہی لوگ متاثر ہوتے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اصابت رائے اور فیصلہ کرنے کی معیاری صلاحیت سے نوازا تھا، اہتمام

کے مختلف الانواع کاغذات آپ کے سامنے ہوتے، آپ ہر ہر کاغذ درخواست کو غور سے پڑھتے اور احکام تحریر فرماتے جاتے تھے۔ انتظامی امور سے جو لوگ وابستہ ہیں وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ بعض مرتبہ فیصلے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے، ایسا بارہا ہوتا رہا کہ کسی ایسے شخص کی کوئی درخواست سامنے ہے جس سے حضرت خطیب الاسلامؒ کا قریبی ربط ہے اور اس کی درخواست کو قبول کرنا سر دست دارالعلوم وقف کے حق میں مفید نہیں ہے تو حضرت بے تکلف ایسی تحریر لکھتے تھے کہ وہ آدمی بھی مطمئن ہو اور دارالعلوم وقف کو داخلی یا خارجی کسی خسارے کا سامنا نہ ہو، ہمیشہ ذاتی مفاد پر دارالعلوم وقف دیوبند کے مفاد کو مقدم رکھتے تھے، غور وفکر کے بعد جو فیصلہ کر لیتے اس پر قائم رہنا آپ کی اہم عادت تھی اور اس کا اظہار دارالعلوم وقف کے داخلی امور میں تو ہوتا ہی رہتا تھا لیکن ملی مسائل میں بھی آپ کا یہی امتیاز تھا، جس کے متعدد واقعات لوگوں نے دیکھے، مثلاً ایک دور آیا کہ بعض مدارس ومساجد کے ذمہ داران مختلف عنوانات سے یہ چاہتے تھے کہ مدرسہ کے مدرسین اور مساجد کے ائمہ کو حکومت سے تنخواہیں ملیں، حکومت سے تنخواہ ملے گی، اولاً تو وہ لوگوں کے چندے سے ملنے والی تنخواہ سے زیادہ ہوگی اور دوسرے یہ کہ ائمہ واساتذہ پر علاقہ کے لوگوں کا کوئی دباؤ کسی طرح کا نہیں رہے گا یا بہت کم ہو جائے گا۔ کچھ علماء ودانشوران قوم نے اس اقدام ومطالبے کی تحسین کی اور کچھ نے اس سے اختلاف کیا، خطیب الاسلامؒ اس نقطۂ نظر سے شدید اختلاف رکھتے اور اس کو ملت کے لیے خسارہ قرار دیتے تھے، ان کے سامنے وقتی فائدہ نہیں بلکہ آئندہ کے لیے جو اس کے منفی اثرات ہو سکتے تھے اور جہاں ایسا ہوا وہ منفی اثرات سامنے آئے۔ خطیب الاسلامؒ کی نگاہیں ان کو دیکھ رہی تھیں۔ شہر میرٹھ سے کچھ لوگوں نے خطیب الاسلامؒ سے ایک جلسہ کے لیے تاریخ لی اور حضرت نے منظور کر لی۔ حضرت کی عادت تھی کہ جس سے وعدہ فرما لیتے اسے من وعن پورا کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے تھے۔ حضرت مقررہ وقت پر تشریف لے گئے، احقر راقم السطور بھی وہاں شریک تھا، اجلاس کے آغاز پر حضرت کی صدارت کا اعلان کیا گیا اور تلاوت وغیرہ کے بعد ناظم اجلاس نے تمہیدی تقریر میں بڑی قوت کے ساتھ اس بات کی وضاحت کی کہ آج کے اس اجلاس کے ذریعے ہم حکومت سے ائمہ و موذنین حضرات کے لیے حکومت سے معقول تنخواہوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔ خطیب الاسلامؒ نے وہ پوری تفصیل غور سے سنی اور جب کارروائی آگے بڑھنے کو تھی تو حضرت نے اشارہ کر کے مائک لیا اور دلائل کے ساتھ اپنے موقف کا اظہار فرمایا کہ مدارس اور مساجد کے ممبر ومحراب دونوں خالص اسلامی واصلاحی پلیٹ فارم ہیں، غیر اسلامی حکومتوں کے سیاسی منظر نامے سے انہیں پہلے بھی آزاد رکھا گیا اور آئندہ بھی آزاد رکھا جانا ضروری ہے، جس مقصد سے یہ اجلاس کیا جا رہا ہے وہ مقصد مجھ سے مخفی رکھا گیا تھا، میں اس نقطۂ نگاہ سے سخت اختلاف رکھتا ہوں اور اپنی بات بیان کرتے ہی حضرت اجلاس سے چل پڑے، بہت سے اہم و

قدآور لوگ وہاں پر موجود تھے، آپ کو روکنے کی کوشش کی گئی لیکن آپ اپنے موقف پر قائم رہے اور واپس تشریف لے آئے، آپ اور آپ کی صدارت کے بعد بھلا کون تھا جو وہاں رکتا؟ جلسہ اختتام پذیر ہو گیا۔ کہنا یہ ہے کہ حضرت شش و پنج میں رہنے کے عادی نہیں تھے بلکہ فیصلہ کی اہم صلاحیت رکھتے اور فیصلے پر قائم رہنے سے بڑے سے بڑا مفاد بھی ان کو روک نہیں پاتا تھا۔ اس وجاہت وقوت کا دارالعلوم پر داخلی و خارجی ہر اعتبار سے مثبت اثر مرتب ہوتا تھا۔

(۳) عادل ہونا

دینی علوم کا ایک اپنا ذاتی اثر ہے، انسان اسے اسی لیے حاصل کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ خوف خدا پیدا ہو اور انسان فسق و فجور سے احتراز کرے۔ قرآن کریم میں ہے: **اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ** کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں جو اہل علم ہیں ان میں خشیت الٰہی پیدا ہو جاتی ہے، اگرچہ اس علم کی طبیعت اخلاص کو بھی بعض لوگ فراموش کرتے اور شیطانی راہوں کو اختیار کر لیتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: **مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا یَبْتَغِیْ بِهٖ وَجْه اللّٰهِ لَا یَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِیُصِیْبَ بِهٖ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْیَا لَمْ یَجِدْ عرف الجنة یَعْنِیْ رِیْحَهَا.** (۱)

یہاں **مما یبتغی به وجه اللّٰه** سے یہ مراد ہے کہ اس علم دین کی طبیعت ہی میں خشیت الٰہی کا پیدا ہونا ہے، جس کے پاس جتنا علم ہے عموماً اسی درجہ خوف الٰہی ہوتا ہے، بصورت دیگر وہ مذکورہ وعید کا مستحق قرار پاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ یہ بات پسندیدہ رہی کہ علم ان اساتذہ سے حاصل کرنے کی سعی کی جائے جن کے قلوب علم دین کے اثرات سے مزکیٰ و مجلّٰی ہوں۔ دین ایک اہم ضرورت ہے جسے حاصل کرنے کے لیے ترغیب دی گئی ہے کہ اہم شخصیات ہی سے دین سیکھا جائے:

عَنْ ابن سرین قال: إن هذا العلم دین فانظروا عن من تأخذون دینکم. (۲)

خطیب الاسلامؒ نے آنکھیں ہی علمی و روحانی گھرانے میں کھولیں، پھر خوب عرق ریزی سے علوم آلیہ و عالیہ کو حاصل کرتے ہوئے مقام تبحر حاصل کیا اور جو اساتذۂ کرام میسر آئے وہ اپنے علم و تقویٰ میں آج تک کے لیے ضرب المثل ہیں۔ عہد طفولیت ہی سے مزاج میں سلامتی رہی اور گناہوں و شیطانی امور لہو ولعب سے احتراز کرتے رہے۔ اخلاق و کردار میں ایسی پارسائی کہ اگر کوئی ناقدانہ نگاہ سے دیکھے تو بھی انگلی اٹھانے کی اس کو جگہ نہ مل پائے، اس پر مزید یہ کہ خطیب الاسلامؒ نے تزکیۂ نفس کے لیے ابتداءً اپنے آپ کو رائے پور کی مشہور خانقاہ سے وابستہ کیا اور پھر اپنے والد ماجد حکیم الاسلامؒ کے ساتھ حضرت تھانویؒ کے پاس

(۱) ابن ماجہ شریف (۲) مسلم شریف

گئے۔ حضرت تھانویؒ سے براہِ راست میزان پڑھنے کا بھی شرف حاصل ہوا، یہ واضح رہے کہ اس تمام کے ساتھ ساتھ والد ماجد حکیم الاسلامؒ کی تربیت اور پھر بیعت اور اس کے بعد اعتماد وخلافت کا ایک ایسا نمایاں اثر تھا کہ آپ گناہ سے بیزار ہو گئے تھے:

پاک دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

فقہائے کرام نے امانت، اہلیت اور عدل کی جو تین شرائط ذکر کی ہیں وہ خطیب الاسلامؒ میں معیاری انداز پر پائی جاتی رہیں یا یوں کہئے کہ ہم عصر لوگوں کے درمیان بھی نسبتاً خطیب الاسلامؒ کے اندر غالب درجہ میں وہ صفات پائی جاتی تھیں۔ شرائط بالا کے بعد جو امور کسی کے منصب اہتمام وتولیت کو تقویت دیتے ہیں اور جن کا مثبت اثر اس کے زیر تولیت ادارہ پر پڑتا ہے وہ بھی خطیب الاسلامؒ کی خصلتوں میں شامل تھے۔ لایعنی کاموں سے اجتناب، حلم وبردباری، ہر کام کے لیے اوقات کی پابندی، غیبت سے نفرت حتی کہ بعض احوال ایسے بھی ہوتے کہ شدید اختلافی معاملات میں اختلاف کرنے والوں کے تعلق سے بھی آپ سے کوئی بات کرنی مشکل اور کبھی ناممکن ہو جاتی تھی۔ آنے والا کسی کے بارے میں کچھ کہنا شروع کرتا اور آپ بے تکلف اس سے فرما دیتے کہ آپ لایعنی باتوں کو چھوڑ کر اپنا مقصد بیان کریں اور وہ خاموش ومحو حیرت ہوتا۔ دارالعلوم وقف دیوبند کا چھوٹے سے چھوٹا کام ہوتا تو اسے بھی خوب اہمیت دیتے اور بڑے سے بڑا کام ہوتا اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ فرماتے اور پورے طور پر مطمئن رہتے تھے۔

دارالعلوم وقف کے بے سروسامانی میں آغاز سے خطیب الاسلامؒ کی زندگی کے آخری سانس تک دارالعلوم وقف کی تعلیمی، تعمیری، انتظامی، اصلاحی اور ہمہ جہت ترقیات میں بعون الٰہی متعدد شخصیات کی محنتوں کا اثر ہے، وہیں سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ خطیب الاسلامؒ کی قدآور شخصیت اور کاوشیں کارفرما ہیں۔

❖ ❖ ❖

حضرت خطیب الاسلامؒ اور تصوف وسلوک

مولانا شاہ عالم گورکھپوری ❖

تصوف دین اسلام کا امتیازی وصف ہے جس سے حاملین اسلام کو اپنے ظاہر و باطن اور اعمال و افعال میں خلوص وللّٰہیت پیدا کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اہل سنت علماء دیوبند نے اس وصف کو قرآن وسنت اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے اُن واسطوں سے حاصل کیا جو دین اسلام کے کاملین ومخلصین کہلاتے ہیں اور جن کو دنیا تابعین امت اور مجددین ملت کے نام سے جانتی ہے۔

تصوف کی تاریخ سے آشنا اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ قرون ماضیہ میں برخود غلط لوگوں کی آمیزش و سازش نے تصوف کو نہ صرف یہ کہ افراط وتفریط کا شکار بنا دیا تھا بلکہ جس وصف کا وجود؛ اپنے حاملین میں اعتدال قائم کرنے کے لیے ہوا تھا اس کے ظاہر کو حد درجہ متأثر کرکے نہایت غیر معتدل بنا دیا تھا۔ لیکن چوں کہ تصوف کی روح قرآن وسنت سے قائم ہے جس کو کبھی متأثر نہیں کیا جاسکتا اور نہ کسی ڈھونگی بابا کی اُس روح تک رسائی ممکن ہے تو اللہ کے فضل وکرم اور اس کی توفیق سے علماء دیوبند کی خدا رسیدہ جماعت نے باطل کی آویزش وآمیزش سے تصوف کے ظاہر کو بھی صاف ستھرا کرکے، اس میں نکھار پیدا کرکے ایک بار اس کا سلسلہ قرن اوّل سے پھر جوڑ دیا۔ اس تجدیدی کارنامہ کے انجام دینے والوں میں ایک نمایاں نام حضرت امام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ آپ نے علم کلام اور عقائد کے تحفظ کے باب میں امت مسلمہ کو جس طرح قرن اوّل سے مربوط کیا؛ اسی طرح تصوف کے باب میں بھی آپ کے علمی اور عملی کارناموں پر تاریخ کے اوراق قیامت تک گواہ رہیں گے۔ آپ کا وجود جس طرح نیچریت، دہریت اور الحادی فلسفوں سے اسلام کو محفوظ کرنے میں حجۃ اللہ فی الارض تسلیم کیا گیا ہے؛ اسی طرح تصوف کے میدان میں بھی خالص قرآن وسنت اور آثار صحابہؓ کا ترجمان اور غیر اسلامی رسوم ورواج کے لیے سم قاتل اور ان کو مٹانے میں حجۃ اللہ فی الارض مانا جاتا ہے۔

جو لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے وہ تصوف سے ہمیشہ بدظن رہے ہیں بلکہ آئندہ بھی بدظن ہی رہیں گے، اس لیے کہ ان کے سامنے غیر اسلامی تصوف کی وہ تاریخ وعمل ہے جس کا اسلام کے حقیقت پسندانہ مزاج وفطرت سے کوئی ربط وتعلق نہیں ہے۔ الحمد للہ، اکابر علماء دیوبند کے واسطے سے تصوف وتزکیہ کا

❖ استاذ دارالعلوم دیوبند

جو مفید باب آج بھی خلق خدا کو خدا سے اور اُمت کو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مخلصانہ طور پر جوڑنے کا سبب بنا ہوا ہے اس پر حرف گیری کی نہ ماضی میں گنجائش تھی اور نہ اب ہے اور نہ ان شاء اللہ آئندہ ہو سکتی ہے۔

چوں کہ زیر نظر مضمون میں تصوف کی حقیقت اور اس کی تاریخ بیان کرنا پیش نظر نہیں بلکہ اس تناظر میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی نور اللہ مرقدہٗ کی شخصیت اور ذات گرامی کو خراج عقیدت پیش کرنا مقصود ہے، اس لیے مختصراً تمہید کے بعد اپنے موضوع پر آنا ہی مناسب حال ہے۔ تاہم موضوع پر آنے سے قبل قدرے اختصار کے ساتھ یہ بتا دینا مفید معلوم ہوتا ہے کہ قلبی امراض اور اخلاق رذیلہ سے خود کو پاک وصاف کرنے کے لیے عبادت و ریاضت اور اپنے اندر اخلاق حسنہ پیدا کرنے کی مخلصانہ رغبت و خواہش؛ جس کا نام آگے چل کر تصوف و تزکیہ رکھا گیا ہے، اُس کی ابتداء دین اسلام کے آغاز سے ہی ہو چکی تھی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و فرمودات کی روشنی میں دنیا و اسباب دنیا سے استفادہ کرنے کے تئیں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا جو طرز حیات سامنے آیا وہ پورے پورے طور پر انسانی فطرت کا عکاس و ترجمان اور اعتدال کا نمونہ تھا۔ حضرات صحابہؓ نے بڑی گہری نظروں سے نصرانیت، یہودیت، بت پرستی وغیرہ کی بے کیف زندگی کو دیکھا تھا؛ خدا تک رسائی کے نام پر ان مذاہب باطلہ میں پائی جانے والی بے کیفی و بے سکونی نے انھیں دنیا و مافیہا سے دل برداشتہ کر رکھا تھا، اِن حالات میں اُن تشنہ لبوں کو اسلام کا وہ معتدل راستہ ملا جس نے انھیں دنیا سے بھی بھرپور لطف اندوز ہونے کا موقع دیا لیکن اس کے ساتھ اپنے خالق و مالک سے انھیں، بے ربط بھی نہیں ہونے دیا کہ دنیا کی لذت کوشیوں میں پڑ کر وہ معبود حقیقی سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل ہو جائیں۔ چناں چہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ہر قول و عمل کو جو کہ اس طرز زندگی کا پہلا نمونہ تھے رضائے خداوندی کا سرٹیفکٹ ملا ہوا ہے اور آج تک ان کے طرز حیات پر کسی کو انگلی رکھنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ملتی۔ ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین سے لے کر آج تک صف اوّل کے جو بزرگ گذرے ہیں آپ دیکھیں گے کہ ان کی خصوصیات میں جن امور کا ذکر کیا جاتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ کتاب وسنت کی اتباع کے حد درجہ پابند ہوتے تھے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے طرز حیات سے سرمو بھی انحراف انھیں گوارا نہیں ہوتا ہے۔

تصوف سے وابستہ رہنے والوں کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے تصوف اور رموز تصوف کے امام حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ ''تذکرۃ الاولیاء'' نامی کتاب میں لکھتے ہیں:

''اصول ما شش است (۱) تمسک بہ کتاب خدا (۲) واقتدا بہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳) وحلال خوردن (۴) وباز داشتن دست از رنجانیدنِ خلق، اگرچہ ترا برنجانند (۵) وُدور بودن از مناہی (۶) وتعجیل کردن بگذاردن حقوق''۔

ترجمہ: ہم صوفیاء کے چھ اصول ہیں (۱) اللہ کی کتاب پر مضبوطی سے عمل (۲) سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا (۳) رزق حلال (۴) کسی کو اپنے ہاتھ سے تکلیف نہ دینا اگر چہ وہ تکلیف پہنچاتا ہو۔ (۵) شریعت نے جن چیزوں سے منع کر رکھا ہے اُن سے دور رہنا (۶) اور اپنے ذمہ جو حقوق کسی کے ہوں ان کو ادا کرنے میں جلدی کرنا۔

ان حقائق کی روشنی میں تصوف پر پھبتیاں کسنے والے ذرا انگلی رکھ کر بتائیں کہ ان صفات حسنہ میں سے کس پر اُن کو حرف گیری کی گنجائش ہے کہ وہ تصوف سے بدظن اور تصوف وتزکیہ کو طعن وتشنیع کا نشانہ بناتے بلکہ اپنے حق میں اس سے برأت کا فخریہ اظہار کرتے پھرتے ہیں؟۔ اگر کسی کی زندگی ان صفات عالیہ سے ہٹی ہوئی ہو تو اس کے ذاتی عمل کو لے کر اسلامی تصوف کو نشانہ بنانے کا حق کسی کو کہاں سے ملتا ہے؟۔ الحمد للہ علماء دیوبند اور منتسبین دیوبند کو یہ فخر حاصل ہے کہ ان کے بڑوں نے ان صفات حسنہ سے اپنے بعد والوں کو اس طرح معمور کیا کہ آج بھی نسبت قاسمیت کے حاملین اس صفت کو اپنے لیے عزت وشان کی صفت محمود سمجھتے ہیں۔

ہمارے ممدوح ومکرم عظیم المرتبت خطیب العصر حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دینی علوم میں مہارت وتبحر اور شرعی علوم میں گیرائی وگہرائی رکھنے کے ساتھ ساتھ اس وصف میں بھی ایک خاص مقام ومرتبہ حاصل ہے۔ آپ کے تعلیمی سلسلے میں مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحبؒ، حضرت مولانا عبد السمیع انصاری صاحبؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ جیسی نابغہ روزگار اور پاکیزہ ہستیاں شامل ہیں، ان میں سے ہر ایک تصوف کے باب میں اکسیری نظر رکھتا ہے اور یہ سب کے سب باب تصوف میں میخانۂ نانوتویؒ کے بادہ خوار ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن تسلیم کیا جائے کہ ان بزرگوں کی نگاہ مشفقانہ حضرت نانوتویؒ کے صلبی وارث پر نہ پڑی ہوگی؟۔ اور ہاں! درمیان کی ایک اہم کڑی خود والد محترم حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے جن کی فیض رسانی کا ایک زمانہ معترف ہے؛ آپ تصوف کے میدان میں بذات خود ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں؛ آپ کی نظر کیمیا اثر نے خدا معلوم کتنوں کے دل کی دنیا بدل ڈالی۔ چناں چہ شفقت پدری نے بلاشبہ اپنے لخت جگر کو درجۂ کمال تک پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح دیگر علوم وفنون نانوتویؒ میں آپ کو اپنے اجداد کا وارث سمجھا جاتا ہے اسی طرح اس باب میں بھی وراثت مسلم ہے۔

آپ کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ تصوف وتزکیہ کے میدان میں آپ نے شیخ المشائخ حضرت اقدس مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی نگرانی میں قدم رکھا۔ اوّلاً آپ کے دامن فیض

سے وابستہ ہوکر مقام سلوک طے کرنا چاہا لیکن قضا وقدر کا فیصلہ یہ تھا کہ کچھ ہی دنوں بعد حضرت رائے پوریؒ کا انتقال ہوگیا تو ان کے بعد اپنے والد محترم حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سے بیعت ہوکر راہ سلوک کے منازل طے کیے اور والد محترم ہی کی نگرانی میں درجۂ کمال کو پہنچ کر رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۳ء میں خلعت خلافت سے نوازے گئے۔ ماشاء اللہ آپ کے خلفاء کی مجموعی تعداد ۵۱ ہے جبکہ دامن فیض سے وابستہ منسلکین و مستفیدین کی مجموعی تعداد غیر محدود ہے اور بعض روایات کے مطابق ۸۰،۹۰ ہزار سے بھی متجاوز ہے۔ بعض لوگوں نے خلفاء کی تعداد ایک سو بتائی ہے اور لکھا ہے کہ اجازت یافتہ حضرات کی تعداد ۱۰۰ سے متجاوز ہے لیکن گلشن قاسمی کے مہکتے پھول و دمکتے چشم و چراغ جناب مولانا شکیب احمد قاسمی صاحب کی وضاحت کے مطابق یہ تعداد غلط ہے۔

حضرت ممدوح کے خادم خاص جناب مولانا محمد شاہد صاحب قاسمی نے راقم سطور سے بتایا کہ اخیر وقت میں حضرتؒ کی طرف رجوع کرنے والوں کی بڑی تعداد تھی لیکن اس کا انضباط نہیں کیا جاسکا۔ حضرت سے شرف ملاقات کرنے والوں میں عموماً تین طرح کے لوگ ہوتے تھے (۱) کچھ لوگ وہ ہوتے تھے جو باضابطہ حضرتؒ سے بیعت تھے اور سلوک وطریقت سے متعلق اپنے اپنے مسائل لے کر آتے اور حضرت سے رہنمائی حاصل کرتے تھے (۲) کچھ وہ لوگ بھی آنے والوں میں ہوتے تھے جو اجازت حدیث کے لیے تشریف لاتے اس طرح کے لوگوں کی بڑی تعداد غیر ملکی ہوتی تھی۔ (۳) آنے والوں میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو حضرت سے میزان ومنشعب کا سبق پڑھ کر حضرت تھانویؒ سے اپنا سلسلہ تعلیم جوڑنے کے لیے آتے تھے کیوں کہ اس وقت حضرت والا؛ حضرت تھانویؒ کے واحد شاگرد تھے جنھوں نے میزان پڑھی تھی۔

بعد عصر مجلس کا انداز

راقم سطور، حضرت والا کی زیارت سے سب سے پہلے اُس وقت مشرف ہوا جب داخلہ کے لیے ۱۹۸۵ء کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند حاضر ہوا۔ اس وقت اختلافات اور اکابر علماء کے متعلق افواہوں کے پھیلانے کا بازار گرم تھا۔ جب ہم نے دیوبند کا رخت سفر باندھا تو ہمارے ممدوح (حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ) کے ایک شاگرد رشید اور ہمارے ابتدائی عربی درجات کے استاذ مکرم حضرت مولانا محمد اقبال فائق قاسمی صاحب مہتمم جامعہ عربیہ تاج العلوم چھپی پور گنگرائی ضلع مہراج گنج (یوپی) اور حضرت مولانا ارشاد احمد مفتاحی صاحب مدظلہم نے سب سے پہلی نصیحت یہ کی کہ دیوبند میں بعض بڑے علماء کے درمیان کچھ اختلافات ہیں، یاد رکھنا؛ وہ دونوں ہمارے بزرگ ہیں تمھارے ذمہ دونوں کا احترام لازم ہے۔ موقع لگے تو

دونوں کی خدمت میں جانا اور کسی قسم کے اختلافات کا شکار نہ ہونا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے اساتذہ کی اس گرانقدر نصیحت پر عمل کرنے کی توفیق بخشی اور ہمیشہ کا معمول رہا کہ حضرت قاسمیؒ کے در فیض سے قلبی وابستگی رہی، جب بھی موقع ملتا حضرت کی مجلس میں حاضر ہونے کی کوشش کرتا۔ عید الفطر اور عید الاضحی کے موقع سے نماز سے قبل حضرت کے جو پر مغز اور علمی خطابات ہوتے اس نے اس بات کا عادی بنا دیا تھا کہ نماز خواہ عیدگاہ میں یا جامع مسجد دیوبند میں حضرت کے ہی پیچھے پڑھنے کی کوشش کرتا۔ مجلس کی گفتگو بھی نہایت شستہ شگفتہ اور پر اثر ہوتی تھی۔ اگر کبھی کسی اختلافی مسئلہ پر کسی سائل کا جواب دینا بھی پڑتا تو وہ بھی نہایت سنجیدہ اور پر وقار انداز میں ہوتا۔ کبھی کسی طرح کے بازاری الفاظ، نازیبا کلمات، یا طعن و تشنیع والے کلمات کا حضرت کی زبان سے تصور نہ ہوتا تھا۔

کسر نفسی و خورد نوازی

تصوف کی ایک بڑی خوبی انسان کے اندر کسر نفسی اور تواضع کا پیدا ہونا ہے۔ اس موقع سے آپ کی کسر نفسی اور تواضع وانکساری اور خورد نوازی کا ایک واقعہ راقم سطور ذکر کر دینا اس لیے مناسب سمجھتا ہے کہ اس واقعہ کا تعلق براہ راست راقم سے ہی ہے۔ ایک مرتبہ عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت نانوتویؒ رحمۃ اللہ علیہ کے بعض رسائل اور تصنیفات کا ذکر چل رہا تھا، اسی دوران بندۂ ناچیز نے ''مرکز التراث الاسلامی دیوبند'' کے تحت جمع شدہ بعض نادر کتابوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ حضرت نانوتویؒ علیہ الرحمۃ کے کچھ رسائل کا پہلا نسخہ محفوظ ہے۔ حضرت نے اسے ملاحظہ فرمانے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت یہ سب کچھ ڈجیٹل ہے یہاں لانا مشکل ہے؛ تو فرمانے لگے: کہاں ہے چلو وہیں چل کے دیکھیں گے۔ پھر کیا تھا؛ بندہ کی ایک دیرینہ مراد پوری ہوگئی کہ آج کچھ خدمت کا موقع نصیب آ ہی جائے گا۔ حضرت اس وقت بھی پاؤں پیدل چل سکنے کی پوزیشن میں نہیں تھے اس لیے تشریف آوری کی بہت زیادہ امید بھی نہیں کی جاسکتی تھی لیکن اگلے دن وقت مقررہ پر مخدوم ومکرم حضرت مولانا سفیان صاحب مدظلہ کا فون آیا کہ حضرت والا؛ مرکز التراث الاسلامی کے دفتر میں آنے کے لیے تیار ہیں۔ بندۂ ناچیز ایک بے مایہ طالب علم اور دوسری طرف حضرت والا کی ایک عظیم ومحترم شخصیت؛ طبیعت میں عجیب کشمکش کا منظر تھا اور کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ حضرت کے شایان شان استقبال کے لیے کس کو بلاؤں، کس سے کہوں۔ مسرت وشادمانی کے ان لمحات میں اپنے مشفق ومکرم حضرت مولانا عبدالخالق سنبھلی صاحب مدظلہ نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور اس وقت کے چیئرمین شہر دیوبند اور مسلم فنڈ ٹرسٹ کے بانی ومینیجر جناب مولانا حسیب صدیقی صاحب مدظلہ سے درخواست کی، ابھی یہ حضرات مرکز التراث الاسلامی کے دفتر تک پہونچنے نہ پائے تھے کہ ان سے

پہلے ہی وقت مقررہ پر، صاحبزادہ محترم اور جناب مولانا دلشاد احمد صاحب قاسمی کے ہمراہ حضرت کی تشریف آوری ہوگئی۔ مرکز کے خدام میں سے جناب محمد احمد ایم اے، نیوز انچارج، اور جناب مولانا مفتی ابوبکر صاحب قاسمی ایڈووکیٹ پہلے سے چشم براہ تھے۔ پھر کچھ ہی لمحات میں حضرت نائب مہتمم صاحب اور مینیجر صاحب بھی تشریف لائے۔ حضرتؒ نے بیٹھتے ہی قدیم کتب کے ذخائر کا مطالعہ شروع فرمادیا اور تقریباً پون گھنٹے تک قدیم ذخائر اور حضرت نانوتویؒ کے رسائل اور بعض اشتہارات وغیرہ ملاحظہ فرماتے رہے۔ اللہ اکبر! حضرت پر فرحت وانبساط کا چھایا ہوا کیا سماں تھا؛ الفاظ میں ان کو بیان کرنا ہم جیسے تہی دامن کے لیے ناممکن ہے۔ بندہ کمپیوٹر پر اوراق کھولتا رہتا اور حضرت ایک طرف دعائیں دیتے اور ان اوراق کی جمع و ترتیب کے بارے میں معلومات بھی فرماتے رہتے اور بار بار فرماتے: اور دکھایئے! اور دکھایئے!۔ یہ الفاظ اور بھاری بھرکم انداز، آج بھی کانوں میں اس طرح مٹھاس گھولتے ہیں کہ زندگی کے لمحات میں کسی وقت بھی بھلائے نہیں جاسکتے۔

محلّہ خانقاہ میں واقع مرکز التراث کے دفتر تک پہنچنے میں حضرت والا کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن پھر بھی اپنی تشریف آوری سے جو عزت بخشی، یہ حضرت والا کی بے نفسی اور خورد نوازی کی ایسی مثال ہے جس نے راقم سطور کے دل میں عظمت واحترام کو مزید بڑھادیا۔ اس وقت حضرت کے خادم مولانا شاہد صاحب ہمراہ نہیں تھے لیکن بعد میں جب اس واقعہ کا تذکرہ بندہ نے کیا تو انھوں نے بتایا کہ حضرت کے معمول ومزاج میں یہ بات داخل تھی کہ کسی چھوٹے بڑے کا لحاظ کیے بغیر علم اور اہل علم کی بیحد حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ بسا اوقات بہت چھوٹے چھوٹے مدرسے کے لوگ حتیٰ کہ کرایہ کے مکان میں اگر مدرسہ چل رہا ہوتا تو اس میں بھی دعوت پر حضرت کو جانے میں کوئی عار وتکلف نہیں ہوتا تھا۔

بے نفسی اور کسر نفسی کی نادر مثال

حضرت کے خادم خاص، سفر وحضر میں اپنی عمر کھپانے والے عالم دین جناب مولانا محمد شاہد القاسمی صاحب نے احباب کی ایک مجلس میں جس میں جناب مولانا عباد اللہ عمیس صاحب قاسمی استاذ حدیث جامعۃ الشیخ حسین احمد المدنی بھی شریک مجلس تھے ایک عجیب وغریب واقعہ سنایا ملاحظہ فرمایئے موصوف کی زبانی:

”ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ صاحب مجھ سے حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب کا فون نمبر طلب کررہے ہیں، ان کے حسب طلب میں نے فون نمبر 01336-22552 لکھ کر دے دیا اور اس کے نیچے نام لکھا ”مولانا محمد سالم قاسمی دیوبند“ اتنے میں آنکھ کھل گئی۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ میں اُس وقت ٹرین میں حضرت کے ہمراہ سفر میں تھا، صبح ہوتے ہی اس

خواب کا ذکر حضرت سے کیا تو حضرت نے مجھ سے پوچھا کہ میرے نام کے آگے کچھ اور بھی لکھا؟ مہتمم وغیرہ کے الفاظ بھی لکھے تھے؟ میں نے جواب میں بتایا کہ نہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا: شاید تمھارے ذریعہ سے اتحاد کی کوئی راہ نکلے۔ خواب اور اس کی تعبیر سن کر میں خاموش ہو گیا اور اس پر سترہ اٹھارہ سال کا عرصہ بھی گذر گیا۔ اس کے بعد ایک دن وہ آیا جو حقیقت میں اس خواب کی تعبیر بن کر ظاہر ہوا۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک دن اطلاع ملی کہ حضرت مولانا اسعد مدنی صاحبؒ مدینہ منورہ میں بیمار ہیں اور آئی سی یو میں داخل ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت نے اپنے صاحبزادے حضرت مولانا سفیان صاحب مدظلہ سے ذکر کیا اور حضرت مولانا سفیان صاحب نے مجھ کو حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب مدظلہ کے دولت کدے پر جناب مولانا اخلد رشیدی صاحب مدینہ منورہ کا نمبر لانے کا حکم دیا جب نمبر مل گیا تو براہ راست حضرت مولانا نے حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کی عیادت کی جس کے دوران صلح واتحاد سے متعلق بھی کافی گفتگو دونوں بزرگوں کے درمیان ہوئی۔ یہ تھی نمبر لینے اور دینے کی وہ تعبیر جو بالکل سچ ثابت ہوئی۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اختلافات ہزار ہوں؛ لیکن کسر نفسی اور بلکہ بے نفسی کی ایسی مثالیں بلاشبہ وہیں ملیں گی جہاں تصوف اور خالص اسلامی تصوف کی جلوہ گری ہوگی۔ ورنہ وہ کونسی چیز ہے کہ جو سب کچھ بھلا کر عیادت ومزاج پرسی کی سنت پر عمل کرنے میں پہل کرنے کا جذبۂ صادق بیدار کرے؟

بات بے موقع نہ ہوگی بلکہ بڑی قوی اور برمحل ہوگی، اگر اس موقع سے حضرتؒ کی اُس تاریخی دستاویزی تحریر کو نقل کر دیا جائے جو بوقت مصالحت طرفین سے جاری ہوئی۔ ہمارے قارئین؛ خدا معلوم کیا کیا نتائج اُس سے اخذ کریں گے لیکن جو خلوص وللّٰہیت، خوف وخشیت، آخرت کی جوابدہی کا ہمہ وقت احساس اور اپنوں یا غیروں کی تنقید وتبصرہ سے بے پروا ہو کر شریعت پر عمل کا جذبۂ صادق وغیرہ صفات حسنہ، ان تحریرات سے جھلک رہی ہیں، وہ راقم کو مجبور کر رہی ہیں کہ یہاں نقل کر کے فرزدق کا یہ شعر پڑھا جائے:

اولئك آبائي فجئني بمثلهم
اذ جمعتنا يا جرير المجامع

تصوف وتزکیہ اور احسان وسلوک کے باب میں ہمارے ان بڑوں کی مثالیں دنیا بڑی مشکل سے لا سکے گی۔ مدینہ منورہ میں علالت سے صحت یابی کے بعد جب حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہٗ ہندوستان واپس ہوئے تو حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے نام ایک خط ۲۰؍ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ مطابق ۳۱؍جنوری ۲۰۰۵ء میں تحریر فرمایا:

محترم المقام! زید مجدکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے خاکسار کی صحت و عافیت اور خیریت پوچھی۔ اللہ رب العزت کے فضل و کرم اور آپ حضرات کی دعاؤں سے طبیعت سنبھل گئی، الحمدللہ رفتہ رفتہ روبصحت ہوں، خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ جماعت کی بنیاد ہیں، ہم تو ان کی خاک پا، کے برابر بھی نہیں۔ ماضی میں جو اختلافات ہوئے وہ بدنصیبی تھے اور ہیں اس لیے جو کہا، کیا اور ہوا، اس کو معاف کرنا چاہیے اور آخرت کے لیے نہیں رکھنا چاہیے۔

اسعد مدنی

صدر جمعیۃ علماء ہند

آخرت کے خوف وخشیت سے لبریز اس والا نامہ کے جواب میں حضرت قاسمیؒ نے حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے نام جو کچھ تحریر فرمایا اس میں خلوص وخشیت اور دنیا سے بے رغبتی کا جو عنصر پوشیدہ ہے اب اسے بھی ملاحظہ فرمائیے۔ حضرتؒ نے ۲۹؍ذی الحجہ ۱۴۲۵ھ مطابق ۹؍فروری ۲۰۰۵ء میں لکھا:

”جواباً مکتوب گرامی نے ممنون بھی فرمایا اور مسرور بھی۔

جماعت کی ایک اہم ترین ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے، آپ نے اختلافات کو ختم کرنے کے بارے میں تائیدی کلمات تحریر فرمائے اور احقر کی قدیم آرزو کی تکمیل کو مُتوقّع بنا کر مسرت کو المضاعف فرما دیا ہے۔ جماعتی وقار اور مسلک روایات اکابر کی مجروحیت کا سد باب، اختلاف کو یکسر ختم کر دینے میں ہی مُضمر ہے۔ احقر کے خیال میں عمر کے مراحل نہائی میں پہنچ جانے پر، ہماری مشترک خواہش و کوشش یہی ہونی چاہیے کہ ہم اپنی آنے والی نسل کو اختلافات کی یہ نامبارک وراثت دے کر نہ جائیں؛ بلکہ حسب روایاتِ اسلاف کرام، ہم اتحاد و اتفاق، فکری و عملی وحدت اور مخلصانہ مشترک جذباتِ خدمتِ علم و دین دے کر بہ توفیق الٰہی ایک اہم ترین جماعتی فریضے سے سبک دوش ہو کر، بارگاہ ربُّ العزت میں حاضر ہوں۔ آپ کی صحت کے لیے دعا گو ہوں اور دعاء کا خواستگار۔ والسلام

محمد سالم قاسمی، مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند(۱)

آپ غور فرمائیں کہ ان تحریرات میں تصوف کے اصول ستہ پر عمل کی روح کس قدر جھلکتی ہے۔ اپنے اوپر واجب حقوق کی ادائیگی میں عجلت کی فکر اور دوسروں کے حقوق کا پاس ولحاظ، ہر قیمت پر اختلافات کو ختم کرنے پر مسرت و شادمانی، جماعتی فریضے سے سبکدوش ہو کر خدا کے حضور حاضری کی فکر، فرائض شرعیہ کی ادائیگی میں عجلت کی فکر وغیرہ صفات حسنہ کے پیدا ہونے کا سبب بلاشبہ وہ تصوف و تزکیہ ہے جو قرآن و سنت سے ماخوذ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے واسطے سے تاہنوز منقول و متوارث چلا آ رہا ہے۔

(۱) دارالعلوم ڈائری ۲۰۱۱ء مطبوعہ ادارہ پیغام محمود، دیوبند

آخری عمرہ اور عشق نبوی ﷺ

مولانا محمد شاہد صاحب القاسمی نے ہی اپنے ایک سفر عمرہ کی روئداد سناتے ہوئے بتایا کہ:

”آخری عمرہ میں حضرت کے ہمراہ خدمت کے لیے میرے علاوہ مولانا شکیب قاسمی صاحب اور حافظ محمد اقبال صاحب ممبئی والے بھی تھے۔ جب روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری ہوئی اور مواجہہ شریف کے مقام پر پہونچے تو حضرت بھی درود شریف پڑھنے میں مشغول تھے اور ہم خدام بھی حضرت کو اپنے گھیرے میں لیے درود شریف پڑھنے میں مشغول اور آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔ اتنے میں دیکھا کہ مواجہہ شریف کے مقابل ہوتے ہی حضرت پر کپکپی طاری ہوگئی اور جسم پورا گرم ہوگیا۔ اس کیفیت سے ہم تینوں بیحد پریشانی میں مبتلا ہوئے، کچھ سمجھ میں نہ آیا تو جلدی جلدی مولانا شکیب صاحب نے اپنے پاس موجود کوئی کپڑہ اوڑھانا چاہا تاکہ کپکپی بند ہو تو آگے بڑھیں، لیکن حضرت نے منع کردیا اور اپنی جگہ سے آگے ہلتے بھی نہیں، پوچھنے پر کچھ بولتے بھی نہیں۔ بمشکل تمام مولانا شکیب صاحب نے ہمت کرکے آگے بڑھنے کی گذارش کی اور کسی طرح مواجہہ شریف سے آگے لاکر قدرے تیزی سے باہر نکلے اور سیدھے قریب کے مستشفیٰ میں لے کر چلے گئے۔ برق رفتاری سے ڈاکٹروں سے رجوع کرکے چیکپ وغیرہ شروع کرادیا گیا مگر چیکپ میں کچھ بھی نہیں نکلا، مشینیں ہر چیز میں نارمل کی رپوٹ دے رہی ہیں، کسی نئی بیماری اور عارضہ کی بھی کوئی علامت نہیں۔ پھر ہلکی پھلکی تکان وغیرہ کی دوا لے کر سیدھے قیام گاہ پر پہنچے اور آرام کے لیے بستر پر لٹا دیا لیکن حضرت کی طبیعت بالکل فرحت و بشاشت میں تھی۔ بات دراصل یہ تھی کہ حضرت پر وجد و کیف اور عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں غرق ہونے کی یہ کیفیت ہم خدام میں سے کسی نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی، نیا معاملہ ہونے کے سبب ہم ناتجربہ کاروں نے مرض سمجھ کر عجلت میں معالجہ کی طرف لے کر بھاگے اور وہاں بھی جب کچھ تشخیص نہ ہوئی تو آرام گاہ پر لائے لیکن کافی دیر تک حضرت پر جو وجد کی کفیت تھی اس کی حقیقت بعد میں طبیعت کی فرحت و بشاشت دیکھ کر ہم پر واضح ہوئی۔ پھر ہم خدام کی جان میں جان آئی کہ حضرت بخیر ہیں۔“

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

تصوف کی تعریف اور حاملین تصوف

حضرت کے کئی ایک خلفاء ماشاء اللہ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کی زیر نگرانی تحفظ ختم نبوت کی خدمات سے مخلصانہ وابستگی رکھتے ہیں۔ انہیں میں سے ایک جناب مولانا محمد راشد صاحب قاسمی اغوانپوری میرٹھی بھی

ہیں۔ مجلس تحفظ ختم نبوت دہلی (حلقہ ذاکرنگر) کے ناظم جناب مولانا قاری محمد عارف جمال صاحب کے ہمراہ موصوف سے ادارہ جامعہ الابرار مدرپور کھادر میں ملاقات ہوئی، راقم سطور کے ایک سوال کے جواب میں مولانا محترم نے تصوف سے ہی متعلق اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے بیان کا ایک حصہ نقل کیا، جی چاہتا ہے اپنے قارئین کے استفادہ کے لیے اسے من وعن نقل کر دیا جائے، ملاحظہ فرمایئے؛ مجلس کے احوال نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''آپؒ کی مجلس میں طویل ترین عرصہ تک حاضری ہوتی رہی مگر کبھی کسی کے بارے میں حرف و شکایت زبان پر نہ آئی۔ تصوف کے سلسلے میں آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ:

''قرآن کریم میں عقلمند کی تعریف یہ ہے کہ عقلمند اور دانا وہ ہیں جن کے اندر دو باتیں ہوں۔ جو تصوف کا ماحصل ہے: (۱) اس کے اندر ذکر موجود ہو۔ (۲) اس کے اندر فکر موجود ہو۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: **اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآیۃ)**

''وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور فکر کرتے ہیں آسمان و زمین کی پیدائش میں۔ کہتے ہیں اے ہمارے رب تو نے یہ عبث نہیں بنایا، تو پاک ہے سب عیبوں سے، ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے۔''

عقل مند وہ ہے جس کا دل کسی حال میں اللہ کے ذکر سے غافل نہیں رہتا۔ ذکر کے معنی اسلام نے یہ نہیں متعین کیئے کہ ہر وقت آدمی تسبیحات ہی پڑھتا رہے بلکہ ذکر کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کا قلب کسی وقت اس سے غفلت میں نہ آئے کہ مجھے اپنے ہر قال کا، ہر حال کا، ہر فعل اور ہر کلام کا کل کو اللہ کے یہاں جواب دینا ہے۔ مؤمنین کے قلب میں ہر وقت یہ دھیان رہنا چاہیے کہ جو میں کام کر رہا ہوں، کل کو مجھے اللہ کے سامنے اس کا جواب دینا ہے۔ اگر صحیح کر رہا ہوں تو اللہ کے یہاں مقبولیت ہوگی اور اگر غلط کر رہا ہوں تو اس کی پکڑ بھی ہو سکتی ہے جب یہ احساس اور یہ شعور قلب کے اندر پیدا ہو جاتا ہے، اس کے معنی درحقیقت ذکر فرمایا۔ عقلمند وہ لوگ ہیں جس کے قلب کے اندر ذکر موجود ہو اور ذکر بھی کیسا؟ یہ نہیں کہ کسی خاص وقت کے اندر ہو بلکہ: **قیاما و قعودا و علیٰ جنوبھم.** اٹھتے، بیٹھتے ہر حال میں قلب میں ذکر موجود ہو۔

کائنات کی چیزوں کے اوپر اپنی عقل سے غور کریں اور اس میں جو عجیب و غریب حکمتیں اللہ نے پیدا کی ہیں ان میں اللہ کے موجود ہونے کا یقین ہو۔ ہر حکمت جب ہی نظر آئے گی جب اللہ کے فضل کا یقین قلب کے اندر موجود ہو پھر اللہ کی عظمت اور اس کی کبریائی کا احساس بڑھے گا اور اس چیز کو دیکھ کر ایمان میں اضافہ ہوگا۔

جنھیں آپ اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کہتے ہیں ان میں اور ہم جیسے لوگوں میں یہی فرق ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کا ہر عمل تدبر و تفکر پر مبنی ہوتا ہے، ہر آن وہ اپنے ایمان میں اضافہ کرتے ہیں۔'' (۱)

اس بیان میں حضرت جنید بغدادیؒ کے بیان کردہ اصولوں سے تصوف کی جو ترجمانی ہوتی ہے وہ عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے جو اپنے اجداد، نبیرۂ حجۃ الاسلام قاری محمد طیبؒ، ابن حجۃ الاسلام حافظ محمد احمدؒ اور حضرت اقدس حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اسرارہم کے ذریعہ اور واسطہ سے ہمارے ممدوح حضرت خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی نور اللہ مرقدہٗ میں جلوہ گر تھی۔

بہ وقت اختتام یہ عرض کرتا چلوں کہ حضرت مخدوم کی اخیر کی زندگی میں کتاب وسنت کے مطابق تصوف کی جھلک زیادہ نمایاں ہونے لگی تھی آپ کے کردار و گفتار میں اس کا گہرا اثر دیکھا جانے لگا تھا۔ چوں کہ علماء کا گروہ اس بات میں نہایت مستقیم الاحوال ہوتا ہے اس لیے عامیانہ، رواجی اور غیر اسلامی حرکات وسکنات والے تصوف کا صدور آپ سے نہیں ہوتا تھا۔ اپنے احباب واکابر میں بیشتر لوگوں کو اور بالخصوص عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے خادم نمائندہ حضرت قاری محمد رفیق صاحب (مقیم حال جدہ سعودیہ) اس طرح حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہم اور حضرت حافظ ابرار احمد صاحب حیدرآبادی مدظلہ (مقیم ابوظہبی) وغیرہ کو دیکھتا ہوں کہ یہ لوگ نہایت مخلصانہ تعلق حضرت سے رکھتے تھے اور ان میں سے ہر ایک کا دل بے ساختہ حضرت کی طرف کھینچا جاتا تھا۔

اخیر میں دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ناکارہ راقم سطور کو بھی اپنے ان مخلص اور نیک بندوں کے علمی اور روحانی فیوض و برکات سے مستفیض فرمائے۔ آمین۔ اور......ع

ایسی صبح نہ آئے ایسی نہ کوئی شام
جس دن نہ ہو زبان پہ یا رب تمھارا نام

❖ ❖ ❖

(۱) ماخوذ از دستی نوٹس، جناب مولانا راشد صاحب

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا

اسلوبِ تحریر

مولانا عبدالرشید بستویؒ ❖

ابتدائیہ

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی علیہ الرحمۃ والرضوان ایشاء بلکہ دنیا کے اس عظیم عوامی علمی و دینی ادارہ: دارالعلوم دیوبند کے باکمال فاضل تھے جس کے اکابر نے اس کے اساسی مقاصد میں عربی اردو سمیت کسی بھی ملکی وغیر ملکی زبان وادب کی تعلیم وترویج اور فروغ واستحکام دینا یا دورِ حاضر کی زبان میں، اسے روزگار سے جوڑنا شامل نہ رکھا۔ بایں ہمہ علمائے دارالعلوم نے اردو وعربی زبان وادب کی تعلیم وانشاء سے یکسر صرف نظر بھی نہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے علماء وفضلاء نے اردو، عربی، فارسی بلکہ فی زمانہ انگریزی، گجراتی، بنگلہ، آسامی، پنجابی اور کشمیری زبان وادب کی نہایت گراں قدر خدمات انجام دیں اور یہ زریں سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ اس میں ان زبانوں میں شعر گوئی بھی داخل ہے، انشاء پردازی ونثر نگاری بھی۔ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی ہے اور تحقیق وتعلیق کا گوشہ بھی۔ ترجمہ وتعریب کا حصہ بھی شامل ہے اور تنقید وتبصرہ کا عنصر بھی۔ رسائل واخبارات کی اشاعت واجراء بھی ہے اوران میں مضامین وکالم نویسی بھی۔ سیاسی، سماجی اور علمی ودینی مکتوبات کا پہلو بھی ہے اور مواعظ وخطبات کا وسیع میدان بھی۔

چناں چہ اہل نظر پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے علماء وفضلاء نے اگر ایک طرف عربی واردو زبان وادب کے وسیع ذخیرہ کو اپنی علمی وادبی تحریروں سے مالا مال کیا تو دوسری طرف ملک و بیرون ملک رائج الوقت دیگر زبانوں: فارسی، ہندی، انگریزی، چینی، بنگالی، آسامی، پنجابی، سندھی، پشتو، بلوچی، گجراتی، مراٹھی، تمل وتیلگو، کنڑ وکشمیری وغیرہ درجنوں زبانوں کے ادب وانشاء پر بھی گہرے اور تابندہ نقوش ثبت کیے ہیں۔ زیر مطالعہ تحریر میں اس حوالہ سے نہ احاطہ کرنا مقصود ہے اور نہ ان سب زبانوں میں چھوڑے گئے نقوش کے جلوہ ہائے صدرنگ دکھانا پیش نظر، بلکہ مقصد تحریر دارالعلوم دیوبند کے ایک ممتاز،

❖ سابق استاذ جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند

ہونہار فاضل و عالم اور خانوادۂ قاسمی کے گل سرسبد: خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمہ اللہ کے اسلوب تحریر اور اندازِ نگارش کو ان کی اپنی تحریروں کی روشنی میں منقح اور اجاگر کرنا ہے۔

مولانا کی نثری تحریر

یہاں یہ بات اختصار کے ساتھ عرض کردی جاتی ہے کہ حضرت مولانا قاسمی بلند قامت عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ اردو زبان کے سنجیدہ و متین مصنف اور باوقار نثر نگار تھے، آپ کی نثری تحریر نہ مقفّٰی ہوتی نہ مسجع کہ قاری کے لیے پڑھنا اور سمجھنا دشوار ہو جائے، بلکہ خالص علمی اور منطقی طرزِ بیان کی عکاس ہوتی ہے۔ وہ اپنی تحریروں کے ذریعہ کام و دہن کے لیے کیف و سرور پیش کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ ادبی ٹکسالی زبان میں اپنے پاکیزہ خیالات واحساسات کی ترجمانی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ چوں کہ پختہ مدرسی تعلیم کے فیض یافتہ اور فارسی وعربی کے پختہ کار اساتذہ کے ساختہ و پرداختہ تھے اور گھریلو ماحول پر بھی اسی کا رنگ غالب تھا؛ اس کے باعث ان کی تحریروں میں عربی و فارسی لفظیات و تراکیب کا بکثرت استعمال پایا جاتا ہے۔ تاہم موضوع کی موزونیت ان کی نثری تحریر کو تمکنت کے ساتھ ساتھ افادیت و تاثیر سے بھی بہرہ مند کردیتی ہے۔ حضرت مولانا قاسمی کے علم ریز قلم سے نہ صرف اردو زبان میں درجنوں کتب و رسائل، مکتوبات و مواعظ نکلے، بلکہ آپ کے گہربار قلم سے عربی زبان میں بھی مقالات و مضامین صادر ہوئے جو انقلاب دارالعلوم سے پہلے ماہ نامہ ''الداعی'' کی زینت بنے۔ پھر حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ اپنی عزت و آبرو کی حفاظت ہی مشکل بن گئی، قلم و قرطاس کی جولانیاں کہاں اور کیسے؟

عربی تحریر کے نمونے

اس وقت احقر کے سامنے حضرت مولانا قاسمیؒ کے تحریر کردہ کچھ عربی و اردو رسائل و مقالات کا عکس ہے، ان ہی کی مدد سے حضرت کے عربی اسلوب نگارش کو منقح کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس سے پہلے کہ اردو تحریروں کے شہ پارے درج کیے جائیں، احقر سمجھتا ہے کہ عربی تحریر کے اقتباسات قارئین کے سامنے پیش کرے کہ حضرت مولانا کے حوالے سے یہ علم بہت کم حضرات کو ہے کہ آپ عربی زبان میں بھی لکھنے اور بولنے پر کسی عربی داں کی طرح ہی قدرت رکھتے تھے۔ اردو کے برعکس آپ کی عربی تحریر علمی و فنی لفظیات و ترکیبات سے نہیں، بلکہ سہل و سادہ اور مضمون کی براہِ راست تعبیر و ترجمانی کی نمائندہ ہے۔ واضح رہے کہ عربی میں سادہ اور براہِ راست تعبیر کو ہی فصاحت و بلاغت کا نمونہ اور اچھی تحریر کا عکاس سمجھا جاتا ہے۔ آپ نے اسی انداز میں اپنی بات کہی اور لکھی ہے۔

۱-حضرت مولانا نے ''مبادئ تربية الأطفال الأساسية'' -تربیتِ اطفال کے بنیادی اصول- کے نام سے ۳۳ رصفحات پر مشتمل ایک وقیع رسالہ تالیف کیا جو دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند کی طرف سے ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ یہ رسالہ اختصار کے باوجود موضوع کے تمام لازمی گوشوں کا بڑے مؤثر اور دل کش انداز میں احاطہ کرتا ہے حضرت مولانا اس کی تمہیدی سطور میں تربیت اطفال کی عظمت واہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''و إن قضية تربية الطفل لكونها من مقتضيات الطبيعة والعقل و على جانب عظيم من الأهمية والخطورة كانت جديرةً بأن يُعيرها الإسلام – باعتبارها نظاما كاملا للحياة البشرية– أكبر اهتمام فصرف إليها عناية بالغة ولم يهمل هذه الناحية المهمة من الحياة. والروايات التالية أصدق دليل على ذلك.''(۱)

-تربیتِ اطفال کا موضوع چوں کہ طبیعت اور عقل کا مقتضا بھی ہے اور اس کی بڑی اہمیت وعظمت بھی ہے، اس لیے یہ اس لائق تھا کہ اسلام جو کہ انسانی زندگی کے لیے مکمل نظام سے عبارت ہے اس پر زیادہ توجہ دی جائے۔ چناں چہ اسلام نے اس پہلو پر خصوصی توجہ دی بھی اور زندگی کے اس اہم پہلو کو نظر انداز نہ کیا۔ مندرجہ ذیل روایات واحادیث اس دعوے کی واضح دلیل ہیں-

۲-اسی رسالہ میں ذرا آگے چل کر، موضوع پر قدرے تفصیل سے بحث کرتے ہوئے ان چار نقائص وعیوب کی عمدہ وضاحت پیش کی ہے جن میں گرفتار ہو کر انسان اشرف مخلوقات کی شانِ ارفع سے گر کر ارذلِ بہائم کی صف میں کھڑا ہو جاتا ہے، یہ عیوب ہیں: ۱-تکبر ۲-حرص ۳-خودرائی ۴-بخل۔ ان میں سے پہلے رذیلہ پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت مولانا نے کیا خوب تحریر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

''۱-الكبر هو الرذيلة الأولىٰ من الرذائل البشرية الأساسية. والكبر من أكبر أعداء الانسان أضفى على التاريخ الإنسانى بعض الفصول المظلمة من الفتن والحروب، و أحداث الدمار. والحديث الشريف يوضح حقيقة الكبر إيضاحاً تاماً حيث يقول: من تكبر وضعه اللّٰه، فهو فى أعين الناس صغير و فى نفسه كبير، حتى فهو أهون عليهم من كلبٍ أو خنزير (۲)

-تکبر بنیادی انسانی رذائل میں سے اولین وسنگین ترین رذیلہ ہے۔ یہ انسان کا دشمنِ اعظم ہے، اس کی وجہ سے تاریخ انسانی میں کئی ایک جنگیں، لڑائیاں اور تباہیاں برپا ہوئیں۔ اسی وجہ سے حدیث شریف نے اس کی سنگینی کی بھرپور وضاحت کی۔ ارشاد ہے جو تکبر کرتا ہے اللہ اسے گرادیتا ہے، تو وہ لوگوں کی نظر میں حقیر

(۱) مبادئ تربیۃ الاطفال الأساسیہ، ص:۴، ۵　　　(۲) حوالہ سابق، ص:۸

ہوتا ہے اور اپنی نگاہ میں کبیر، یہاں تک کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتے اور سور سے بھی زیادہ حقیر ہو جاتا ہے۔

۳-اس مضمون کی شرح وبسط کرتے ہوئے ان رذائلِ اربعہ کے بالمقابل ان چار بنیادی فضائل ومحامد پر کلام کرتے ہیں جن سے متصف ہونے کے سبب انسان قدسیوں میں شامل ہو جاتا، بلکہ ان سے بھی فوقیت لے جاتا ہے۔۱-تواضع ۲-قناعت ۳-مساوات ۴-سخاوت۔رذیلۂ تکبر کے برخلاف فضیلۂ تواضع کی اہمیت، قدر وقیمت اور عظمت وافادیت پر حضرت مولانا نے بڑے بلیغ پیرایہ میں کلام کیا ہے، لکھتے ہیں:

”۱-التواضع هو الصفة الأولٰى، والصلاة تدل على أن التواضع صفة أساسية، و مظهر كبير رائع للأعمال المتواضعة لكل ما لها من قول أو فعل او صورةٍ، ليست هنا صفةٌ أخرى ملائمة لطبيعة البشر تدفعُ عن الإنسان الكبر، و تقضى على هذه الرذيلة، و تساهم فى تكوين شخصيته على أساسٍ صحيحٍ مستقيمٍ، و تشجعه على التقدم إلى الرقى والمجد، والشرف والفضيلة، ومن ثم فإن التواضع كمثل روح لسائر الأوصاف الحسنة للإنسان“(۱)

-فضائل ومحامد میں سے پہلی بنیادی صفت تواضع ہے، خود نماز سے معلوم ہوتا ہے کہ تواضع تمام اعمال کے لیے خواہ قول ہو یا عمل، صورت، وقیع وعظیم مظہر اور بنیادی صفت ہے۔کوئی دوسری صفت ایسی نہیں ہے جو انسانی مزاج کے مطابق ہو، تکبر کو دور کرے، اس رذیلہ کو ختم کرے، درست بنیاد پر انسانی شخصیت سازی میں حصہ ڈالے اور ترقی وعظمت، نیز شرف وفضیلت کے لیے حوصلہ افزائی کرے۔الغرض! انسان کی تمام صفاتِ حسنہ میں تواضع کی مثال روح کی سی ہے۔

۴-وزارت اوقاف مصر کی سپریم اسلامی کونسل کے زیر اہتمام، اُس وقت کے مصری صدر حسنی مبارک کی صدارت میں منعقدہ چہار روزہ سولہویں انٹرنیشنل کانفرنس از ۲۸/۴ تا ۱/۵/۲۰۰۴ء کی پہلی نشست میں حضرت مولانا کا علمی مقالہ بہ عنوان ”التسامح فى الحضارة الإسلامية“ (اسلام میں رواداری) پڑھا گیا تو شرکائے کانفرنس کی طرف سے مرحبا وآفریں کی تعریفی صدائیں بار بار بلند ہوئیں۔دار العلوم کے رستاخیز حالات سے گزرنے، سب کچھ لٹ جانے اور بمشکل تمام اپنی آبرو بچا پانے کے برسوں بعد کی تحریر کی ترکیبی بندش، براہِ راست تعبیر، سہل نگاری اور تاثیر نہ صرف یہ کہ ماند نہ پڑی، بلکہ اس کی آب وتاب میں اضافہ ہی ہوا۔رواداری کا مفہوم ومعنی کیا ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا رقم طراز ہیں:

”فنحن نستطيع أن نقول: إن التسامح فى الإسلام معناه أن يكون لكل فرد فى الأمة حريةٌ فى عقيدته، و فى تأدية شعائر دينه كما يشاء. فإن الإسلام ينظر إلى

(۱) ایضاً، ص:۹

الأديان الأخرى و إلى الأمم غير المسلمة نظرة تسامح و هذا التسامح والصفح الجميل فى السياسية الإسلامية التى رسمتها النبوة فى العلاقة بين الناس بعضهم من بعض، خصوصاً بين المسلمين وغيرهم، فإن الإسلام دين يؤمن بالإنسانية العامة الشاملة، ولا يميلُ إلى استخدام القوة والعُنّف. و إنما يدعو إلى سبيل الله بالموعظة والحكمة و يجادلُ الناس بالتى هى أحسن.''(۱)

-الغرض! ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام میں تسامح اور رواداری کا مفہوم یہ ہے کہ امت کے ہر فرد کے لیے عقیدے اور مذہبی شعار کی ادائیگی کی آزادی ہو۔ اسلام دوسرے مذاہب اور غیر مسلم قوموں کو رواداری کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس حسین رواداری کے خدوخال خود نبوت و رسالت نے واضح کر دیے، انسانوں کے باہمی تعلقات اور خاص کر مسلمانوں کے غیروں کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے۔ کیوں کہ اسلام ایسا مذہب ہے جو عام انسانیت پر یقین رکھتا ہے اور طاقت وتشدد کے استعمال کی حوصلہ افزائی نہ کر کے پند ونصیحت اور بہتر انداز پر مباحثہ ومناقشہ کے ذریعہ راہِ خدا کی دعوت دیتا ہے-

مندرجہ بالا ان چند اقتباسات سے حضرت مولانا کی عربی انشاء پردازی پر قدرتِ کلام اور سہل و سادہ اور رواں عربی انشاء پردازی کا بھرپور اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ نے ان رسائل و مقالات کے موضوعات کا حق ادا کرنے کے لیے جس بلیغ پیرایہ میں قرآن وحدیث کے نصوص کو زینتِ کلام بنایا اور ان کی جس دل نشیں انداز پر تشریح کی، اس سے ایک عربی داں فرطِ مسرت اور بلاغت تعبیر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس حوالے سے دوسرے اقتباسات بھی شاہ کار اور شذرات کا درجہ رکھتے ہیں، مگر مقالہ کے دوسرے پہلو یعنی اردو میں حضرت مولانا کی نثر نگاری پر قدرے تفصیلی کلام کرنے کے سبب، عربی کے ذیل میں بات یہیں ختم کر دی جاتی ہے۔

مولانا کی اردو نثر نگاری

جیسا کہ ابتداء میں یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ حضرت مولانا کی نثری تحریر نہ مقفی ہوتی ہے نہ مسجع، بلکہ خالص علمی اور منطقی انداز کی ترجمان ہوتی ہے۔ وہ اپنی نثر میں فارسی وعربی تراکیب بہ کثرت استعمال کرتے ہیں، جس کے باعث ایک عام اردو قاری کو ان کی نثر مغلق اور پیچیدہ محسوس ہوتی ہے، جب کہ سنجیدہ اور بالغ نظر قاری کے لیے ان کی نثر کو سمجھنا کچھ دشوار نہیں ہوتا۔ مولانا کی منطقی، افادی اور علمی ومعلوماتی نیز ادبی وٹکسالی نثر کی شناخت مندرجہ ذیل اقتباسات اور تحریروں سے بہ آسانی کی جاسکتی ہے:

(۱) التسامح فی الحضارۃ الاسلامیہ، ص:۶

۱- رسالہ ''مردانِ غازی'' مطبوعہ انجمن شمع ادب شہر جالندھر مشتمل بر ۲۳ رصفحات کا ابتدائیہ ملاحظہ کیجیے جس میں وہ توحید کی عظمت واہمیت اور اصنام پرستی کی مذمت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''عرب کے بادیہ نشین وخانہ بدوش جن کے دل توحیدی نغموں سے سرشار ہیں اور وہ بے تاب ہیں کہ اہل دنیا ان سرمدی زمزموں سے بے بہرہ نہ رہیں، جو چاہتے ہیں کہ اپنی بنی نوع کو دانائے راز کردیں، مگر وہ اپنے ابنائے جنس کی کوتاہ فہمی کو کیسے ختم کردیں؟ وہ بے چین ہیں کہ یہ آشکار حقیقت کیسے باور کرادیں کہ تم جن مرمر کی سلوں کے آگے جبیں سائی کرتے ہو یہ تمہاری شرافت جنس کے لیے ہتک ہے۔تم جن سے مرادیں مانگا کرتے ہو یہ تمہارے مصنوع ہیں، ایسا کرنا تمہاری توہین ہے، ان کے سامنے تمہاری سجدہ ریزیاں، اہل بصیرت کے لیے تکلیف دہ ہیں، اہل عقل کے لیے مضحکہ خیز ہیں اور خود تمہاری انسانیت کے ناموس پر کلنک کا ٹیکہ ہیں۔''(۱)

اس اقتباس کو پڑھیے اور سر دھنیے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ کوئی علمی، منطقی وفلسفی نثر کا حصہ نہیں، بلکہ دلوں کو چھوجانے والی افسانہ نگاری کا شاہ کار ہے۔

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کی جاں نثاری اور معرکۂ کارزار میں بےخطر کود پڑنے کی منظر کشی کرتے ہوئے اسی رسالہ میں رقم طراز ہیں:

''رافعؓ تعمیل حکم کے لیے کمر بستہ ہوگئے، لیکن خولہ ان سے بھی پہلے ہی تن تنہا روانہ ہوگئیں، کیوں کہ ان کے میدان میں آنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ بھائی پر جان قربان کرے یا اسے بچالائے۔ دل کی بے تابی نے اذنِ امیر کے لیے بھی مہلت نہ دی اور فوراً روانہ ہوگئیں، دشوار گزار گھاٹیوں اور نادانستہ وادیوں میں گھوڑا دوڑاتی ہوئی یہ شیر دل بہن بھائی کی مدد کے لیے افتاں وخیزاں جارہی ہیں، دور سے غبارِ کارواں دکھلائی دیا تو گویا ان کو دنیا کی سب سے بڑی دولت ہاتھ آگئی، اس کے بعد تو گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ غبارِ راہ کا پردہ آنکھوں سے کچھ دور ہوا تو کانوں نے بےکس بھائی کی آواز سنی کہ مجھ دست وپابستہ کی مدد کو میری قوم اور میری بہن خدا کرے جلد پہنچ جائیں۔

''بہن نے سنا تو فوراً پھڑک کر جواب دیدیا''تم خوش قسمت ہو، تمہاری دعا تمہارے خدا نے سن لی، اب تمہاری بہن تمہارے پاس ہے۔''(۲)

اندازہ کیجیے کس قدر بلند آہنگ تحریر ہے، جیسے کوئی پرشور دریا اپنی موجوں کے ساتھ ساحل کے تمام خس وخاشاک کو بہالے جانے والا ہے۔کون سا دل ہے جو جوش میں نہ آئے اور کون سا دماغ ہے جو دل کا ساتھ نہ دے۔

۲- اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی علمی ومنطقی وفلسفی اندازِ تحریر کے بھی چند اقتباسات پیش

---

(۱) مردان غازی، ص:۳　　　(۲) ایضاً، ص:۱۷

کردیئے جائیں۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ''معراج کی رات'' کے نام سے ایک آٹھ ورقی کتاب چہ تحریر کیا جس میں انہوں نے اسراء ومعراج دونوں کو ایک ہی باور کرتے ہوئے ان کی بابت ایسی گفتگو کی جو بہ ظاہر سطح بینوں کے لیے کشش کا سامان تھی، مگر اسراء ومعراج کے تعلق سے کتاب وسنت کی تصریحات اور جمہور امت کی رائے سے انحراف سے عبارت تھی۔ حضرت مولانا نے ۴۸ رصفحات پر مشتمل ''حقیقت معراج'' کے عنوان سے ایک رسالہ تالیف کیا جس میں قرآن وحدیث نیز سلف صالحین کی تصریحات وعبارات سے اسراء ومعراج دونوں کی حقیقت اور ان کی عظمت واہمیت پر بڑی بصیرت افروز گفتگو فرمائی۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

''اسراء ومعراج دو جداگانہ حقیقتیں ہیں۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک کے سفر کا نام اسراء ہے اور وہاں سے آسمانوں وعرش وسدرۃ تک تشریف لے جانے کا عنوان معراج ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں صرف اسراء کا ذکر ہے معراج کا نہیں، معراج کا ذکر سورۂ نجم میں ہے۔ لیکن اسراء ومعراج کے الفاظ متبادل طور پر ایک دوسرے کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔''(۱)

سورہ بنی اسرائیل کے مشتملات ومضامین کا رکوع وار تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور چوتھے رکوع میں بعض اعمالِ ضروریہ کی تعلیم دی گئی۔ یہی وہ رکوع ہیں جن کو بزعم خود مودودی صاحب بہت ہی بلنگ بانگ دعوے کے ساتھ مقصدِ معراج قرار دے رہے ہیں کہ یہ اصول، معراج میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے، درآں حالے کہ نہ یہ معراج میں دیے گئے اور نہ ان کا معراج سے کوئی تعلق ہے۔''

آگے رقم طراز ہیں:

''ان عظیم تر مباحث پر یہ سورہ شریف مشتمل ہے جس کا اکثر حصہ مکہ میں اور بعض آیات کا ذخیرہ مدینہ میں نازل کیا گیا لیکن چوں کہ سورہ کی ابتداء واقعہ اسراء کے بیان سے ہو رہی ہے، اس لیے مودودی صاحب نے اسراء ومعراج کے فرق سے بے نیاز ہو کر وہ سب کچھ یہیں کہہ ڈالا جو وہ معراج کے بارے میں رائے قائم کر چکے تھے اور پھر ان سارے مزعومات کو بہت ہی دلیری کے ساتھ معراج کے ساتھ جوڑ دیا۔''(۲)

مولانا کی یہ رائے تردیدی مباحث پر مشتمل ہے، مگر مناظرانہ وفلسفیانہ رنگ وآہنگ رکھنے کے باوجود جدال وعناد سے پاک، عقلی ونقلی انداز کو محیط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ رسالہ بڑے پیمانے پر اشاعت پذیر ا اور علماء وعوام کے حلقوں میں خوب خوب مقبول ہوا۔

۳-ادارہ تاج المعارف کے نام سے دیوبند میں حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی زیر سرپرستی ایک نہایت اہم کوشش شروع کی گئی، جس کا مقصد اکابر دیوبند کی تمام چھوٹی بڑی کتب کا خواہ وہ

(۱) حقیقت معراج، ص:۵　　(۲) ایضاً، ص:۷

عربی زبان میں ہوں یا فارسی و اردو میں کا مختصر اور جامع تعارف کرانا اور ایک مرتب پروگرام کے تحت ان کی اشاعت تھی۔ اس ذیل میں حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ نے ''ایک عظیم تاریخی خدمت'' کے عنوان سے اس مشن پر مبسوط روشنی ڈالی اور اس کی ضرورت وافادیت اجاگر کی۔ تمہیدی سطور کے تحت لکھتے ہیں:

''(۱) تجدید دین کی اس خدمت کا آغاز حضرت شاہ صاحبؒ (شاہ ولی اللہ دہلویؒ) کے ہاتھوں ہوا اور پھر حق تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو اپنے فضل عمیم سے ایسی سعادت مندی ''نسبی'' اور ''روحانی'' اولاد عطا فرمائی جنھوں نے تجدید دین کے اس ''ولی اللہی مشن'' کو اپنی زندگیوں کا اصل مقصد بنالیا اور اس کے لیے تلوار سے بھی کام لیا اور قلم سے بھی اور اس طرح دین کے قلعہ کو اتنا مضبوط کر دیا کہ باطل کی ہر قوت اس سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگئی اور آج تک ہو رہی ہے۔'' (۱)

چند صفحات کے بعد لکھتے ہیں:

''اصولِ حدیث، فقہ و اصولِ فقہ، تصوف، اصلاح عقائد، کلام، منطق، فلسفہ، حکمت، بلاغت، ادب، سیاست، اجتماعیات اور اخلاقیات وغیرہ کے اہم موضوعات پر نہایت سلجھے ہوئے اور معقول انداز میں ہزاروں کتابیں اس جماعت کے مصنفین نے تصنیف فرمائی ہیں جنہیں ہر دور کے علماء نے بے حد قبول کیا ہے۔'' (۲)

اس اقتباس سے حضرت مولانا کی سہل نگاری، سادہ اسلوب، عام فہم طرزِ ادا اور منطقی و مؤثر انداز کے طول وعرض کو بخوبی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ روانی ایسی کہ جیسے دریا کا پانی اپنی قدرتی رفتار سے آگے بڑھ رہا اور آس پاس کی پیاسی زمینوں کو سیراب کر رہا ہو۔

۳- حضرت مولانا نے حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ کی شخصیت کے ۱۵/امتیازی گوشوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے بڑے مرتب اور دل کش پیرایہ میں اُس وقت کے تین بڑے علمی مراکز دہلی، لکھنؤ اور خیرآباد، سیتاپور کے بالترتیب علم حدیث، علم فقہ اور منطق وفلسفہ کی امتیازی شان پر کلام کرتے ہوئے حضرت حجۃ الاسلامؒ کی بصیرت پر کچھ اس طرح سے روشنی ڈالی ہے:

''ان تینوں مکاتب فکر کے ختم ہو جانے کے بعد اس نازک اور خوف ناک صورتِ حال نے دردمندانِ دین متین کو عمومی طور پر بے چین بنا کر رکھ دیا تھا، لیکن حضرت الامام النانوتویؒ کا قلب وذہن مبارک، پیش آمدہ صورتِ حال کی وحشت ناکی کے احساس کے ساتھ اس کی امکانی تلافی پر مرکوز تھا جو ایک نئے مرکز علم ودین کی تاسیس کے بغیر ممکن نہیں تھی۔'' (۳)

چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

''لیکن حضرت الامامؒ کا یہ عزم الہام خداوندی سے مؤید تھا، اس لیے آپ اس عزم صحیح کو اپنی

(۱) ایک عظیم تاریخی خدمت، ص:۱۳ (۲) رسالہ مذکور، ص:۱۶، ۱۷

(۳) حضرت الامام النانوتوی کی شخصیت کے امتیازی پہلو، ص:۶۵

فراست ایمانی سے اس طرح معرض وجود میں لائے کہ دیوبند جیسی چھوٹی سی بستی میں ایک چھوٹی سی مسجد جو ''مسجد چھتہ'' کے نام سے معروف ہے اس میں ایک انار کے درخت کے نیچے صرف ایک استاد محمود اور ایک شاگرد محمود کے ذریعہ اس عالم گیر مرکز علم و دین کی تاسیس فرمائی۔''(۱)

۴- معروف اردو ادیب و نقاد حقانی القاسمی حضرت مولانا کی نثری خصوصیات پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولانا سالم قاسمیؒ کی نثر کا ایک اور نمونہ جو ان کے نثری نظام کی نوعیت، ماہیت اور مزاج کی تفہیم میں معاون ہوسکتا ہے یہ ہے:

حضرت شاہ ولی اللہ کا حقیقی مطمح نظر جو ان کے علوم سے وجداناً معلوم ہوتا ہے، وہ بصورتِ عدم اقتدار ملتِ اسلامیہ میں اس اجتماعیت کبریٰ کی تولید ہے جس کے فقدان کے نتائج نے ہر دائرۂ حیات کو علمی اور عملی بدترین پستیوں سے دوچار کردیا ہے، اس کا دفاع اس کے اصل سرمنشا سے واقفیت کے بغیر ممکن نہیں۔(۲)

حقانی القاسمی مزید لکھتے ہیں کہ: مولانا نے اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے لکھا ہے:

''تخریب پسند طاقتوں نے اپنی خودغرضانہ خواہشات کے تحت کبھی اسلام کے اعتقادی مسائل کو ہدف بنایا، کبھی طاعات وعبادات کو، کبھی اسلام کے نظام عدل و مساوات پر اپنے فکری عناد کی پوری قوتیں صرف کیں تو کبھی نظام اموال پر ہاتھ کی صفائی دکھائی۔''

حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ کے ان دو اقتباسات کا تجزیہ کرتے ہوئے محترم القاسمی صاحب نے اپنی ناقدانہ رائے کا اظہار کچھ اس طرح سے کیا ہے:

''یہ نثر وہی لکھ سکتا ہے جسے موضوع کے مالہ و ماعلیہ پر مکمل درک ہو اور جس کے ذہن کی ساری کھڑکیاں کھلی ہوں، جس کا ذہن محشر خیال ہو اور جس کے پاس خیالات ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں۔ یہ نثر ایک ہمہ جہت ذہن رکھنے والا حاضر دماغ فرد ہی لکھ سکتا ہے جو متعلقہ موضوع کے ممکنہ جوانب و جہات سے بھی آگہی رکھتا ہو۔''(۳)

القصہ مختصر یہ کہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمہ اللہ کی تحریر اگر ایک طرف ادبی رنگ لیے ہوئے ہوتی ہے تو دوسری طرف سہل، رواں اور منطقی و معلوماتی آہنگ سے بھی بہرہ ور ہوتی ہے۔ آپ کی نثر اغلاق نگاری سے پاک، حسین ترکیبات و تعبیرات کا مرقع اور مافی الضمیر کی ادائیگی کا جلی واجلی عنوان ہوتی ہے۔ خالص علمی مباحث بھی اس طرح مربوط، مرتب اور منطقی انداز میں پیش کرتے ہیں کہ بعض دفعہ سہل ممتنع کا تصور ہوتا ہے اور قاری پڑھتے ہوئے آپ کے فکر و خیال سے ہم آہنگ اور متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا اور یہی ایک باکمال نثر نگار کی خصوصیت اور امتیازی شان ہوا کرتی ہے۔

❖ ❖ ❖

(۱) ایضاً، ص:۶۵　(۲) دارالعلوم دیوبند، ادبی شناخت نامہ، ص:۸۷　(۳) ایضاً، ص:۸۷

حضرت خطیب الاسلامؒ بحیثیت شاعر

سلمان منصور غازی❖

ماموں صاحب سے میرے دو رشتے تھے۔ وہ میرے بڑے ماموں تھے اور پھر ۱۹۷۷ء میں وہ میرے خسر بھی بن گئے۔ ہم نے بچپن سے ہی انہیں ایک باغ و بہار شخصیت پایا۔ ان کے آنے یا ان کے پاس جانے کی ایک خوشی تو ان سے ملاقات کی ہوتی تھی لیکن اس سے بڑھ کر ہمیں ان کی مجلسی شخصیت کی کشش کھینچتی تھی۔ وہ ایک عالم دین تھے بلکہ باعمل عالم اور خواہش رکھتے تھے کہ ہر شخص دینی معاملات میں قرآن اور سنت پر عمل پیرا ہو لیکن انہوں نے کبھی اپنے خیالات کو کسی پر تھوپا نہیں۔ اوروں پر تو کیا زبردستی کرتے انہوں نے کبھی اپنے خاندان کے افراد سے بھی کبھی کسی کو اپنی بات ماننے پر مجبور نہیں کیا لیکن جس بات کو وہ صحیح سمجھتے تھے اس کا اظہار برملا کرتے تھے اور اس پر عمل کی تاکید بھی کرتے تھے لیکن تاکید میں سختی سے زیادہ محبت کا اظہار ہوتا تھا۔

ماموں صاحب زاہد خشک نہیں تھے بلکہ ان کی ہمہ جہت شخصیت کے کئی پہلو تھے اور ہر پہلو کسی تابنا کی کا مظہر تھا۔ دینی علوم تو ان کا خاندانی ورثہ تھا اور اپنے والد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی طرح ان کا وعظ بھی بڑا دل نشین ہوتا تھا کہ جو ایک بار سن لے وہ انہیں بار بار سننے کا متمنی رہتا تھا۔ ساتھ ہی ان کا شعری ذوق بھی بہت بلند تھا۔

سیرت طیبہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے کسی صحابی کو شاعری سے منع نہیں فرمایا۔ وہ اشعار سننا پسند کرتے تھے بلکہ غزوات کے موقع پر جوش دلانے کے لیے رجزیہ اشعار پڑھنے پر خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔

اس سلسلے میں سیرت کی ایک بات یاد آتی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کبھی کسی شعر کو صحیح نہیں پڑھ پاتے تھے۔ ایک بار جناب رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آپ ﷺ نے ایک شعر پڑھا جو شاید وزن سے گرر ہا تھا۔ جناب صدیق اکبرؓ جنہیں ہزاروں اشعار اور نسب نامے ازبر تھے انہوں نے ادب سے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ صحیح شعر یوں ہے۔ آپ نے شعر دوبارہ پڑھا لیکن اس بار بھی اس میں شعری

❖ اقراء ایجوکیشنل فاؤنڈیشن، بمبئی

سقم موجود تھا اس لیے حضرت صدیق اکبرؓ نے پھر فرمایا کہ یا رسول اللہ صحیح شعر یوں ہے۔ آپ ﷺ نے تیسری بار وہی شعر پڑھا لیکن اس مرتبہ بھی شعر صحیح نہیں تھا۔ اس پر حضرت صدیق اکبرؓ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ اس میں ایسی کون سی بات تھی جس پر یہ گواہی دینے کی ضرورت پیش آئی۔ لوگوں کے استفسار پر حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ کلام اللہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ (٦٩:٣٦) یعنی ہم نے انہیں شاعری نہیں سکھائی۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب شاعری کی ممانعت نہیں اور رسول اللہ ﷺ نے اسے پسند بھی فرمایا تو پھر حق تعالیٰ نے کیوں فرمایا کہ ہم نے انہیں شاعری نہیں سکھائی۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے کہ شاعری کا حسن مبالغہ ہوتا ہے۔ جتنا زیادہ مبالغہ ہوگا اتنا ہی شعر کا حسن بڑھے گا، اسی لیے شعر میں مبالغے کی اجازت ہے حالاں کہ وہ جھوٹ پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کی مثال علامہ اقبالؔ کے بہت سے اشعار سے دی جا سکتی ہے جیسے کہ وہ جہان جس میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس موجود ہیں اسی جہان کے بارے میں کہتے ہیں

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

ظاہر ہے اس مصرع میں مبالغہ ہے جس میں اصل مفہوم کے بجائے وطن سے محبت کا اظہار مقصود ہے۔ یہ بات نثر میں کہی جائے تو اس پر اعتراض ہوگا۔ مبالغۂ شعری حسن میں اضافے کا سبب ہے اس لیے شاعری میں جائز ہے لیکن حق تعالیٰ جل شانہ نے اسے بھی گوارا نہیں فرمایا کہ ان کے رسول کے بارے میں کسی جھوٹ کا شائبہ بھی ہو اس لیے جہاں یہ فرمایا کہ ہم نے انہیں شاعری نہیں سکھائی وہیں اس کا سبب بھی بتا دیا کہ شاعری ان کے شایانِ شان نہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ شاعری اور علم کا ایک جگہ اجتماع ممکن نہیں۔

ماموں صاحب عالم دین تھے شاعر نہیں تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کا ادبی ذوق بہت اعلیٰ تھا۔ غضب کا حافظہ تھا اور بے شمار اشعار، غزلیں، ہزلیں اور لطائف انہیں یاد تھے۔ جب کسی مجلس میں بیٹھ کر پر لطف باتیں کرتے تھے تو جی چاہتا تھا کہ ع

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

ان کی یہ مجلسیں جہاں ان کے بے تکلف دوستوں کی محفل کو زعفران زار بناتی تھیں وہیں خاندان میں جب اعزہ کا اجتماع ہوتا تھا اس وقت وہ اپنی بیاض نکال لاتے تھے اور پھر اس میں محفوظ ادبی شہ پاروں سے ہم سب کو محظوظ کرتے تھے۔ یہ بات عام ہے کہ جب کسی میں ادبی ذوق اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے تو بعض مرتبہ اس کے خیالات خود بہ خود اشعار کا پیراہن پہن لیتے ہیں اور نادانستگی میں اشعار ہو جاتے ہیں۔ ماموں

صاحب کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ انہوں نے شعر بھی کہے ہیں اور ندیمؔ تخلص رکھتے تھے، لیکن ان کے اشعار عموماً کسی خاص موقع کی مناسبت سے ہوتے تھے۔ جیسے اپنے چھوٹے بھائی مولانا محمد اسلم قاسمیؒ کی شادی کے موقع پر انہوں نے سہرا لکھا:

حیاتِ نو کی یہ منزل مبارک
وفورِ شوق کا حاصل مبارک
عزیز اسلم بایں یمن و سعادت
''یہ نقدِ دل بہ نقد دل مبارک''

اسی طرح ۱۹۶۰ء میں ان کے والد حضرت قاری مولانا محمد طیبؒ اوران کی والدہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ ان کی واپسی کے موقع پر ماموں صاحب نے'' آمد'' لکھی:

پھر گھٹا رحمتوں کی چھائی ہے
پھر تمنائے دل بر آئی ہے
کعبۂ دل میں ربِ کعبہ کے
عشق کی شمعِ نو جلائی ہے
اپنا مقصود اب ندیمؔ فقط
درِ کعبہ کی جبہ سائی ہے

۱۹۵۶ میں ان کی چھوٹی بہن حمیرہؔ نے اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ پاکستان ہجرت کی۔ اس جدائی کے موقع پر ان کے دلی جذبات اشعار میں کس طرح ڈھل گئے اس کا اندازہ ان اشعار سے ہوتا ہے۔

اے شریکِ شیر مادر اے محبت کی شعاع
آج ان لرزاں لبوں پر آ گیا لفظِ وداع
الوداع اے مخزنِ اخلاص و الفت الوداع
الوداع اے گلشنِ طیبؔ کی نکہت الوداع

ان کی شاعری کوئی روایتی شاعری نہیں تھی بلکہ اس میں ایمان کی حرارت، اخلاقی قدروں کی عظمت تھی یہی نہیں ان میں ان کا دینی مزاج اور اسلامی کردار کا پرتو بھی جا بجا نظر آتا تھا۔ جیسے انہوں نے'' نذرِ حجاج'' کے عنوان سے ایک نظم ۱۹۹۷ء میں کہی تھی جس کا مصرع اولیٰ ارض مقدس سے متعلق تھا تو مصرع ثانی ارض وطن سے۔ درج ذیل چند اشعار میں دیکھئے کس خوبصورتی سے انہوں نے دونوں کا موازنہ کیا ہے۔

جہاں کل تھے وہاں ہر نقشِ پا نقشِ ہدایت تھا
جہاں اب ہو ضلالت کا سبو لبریز ہے ساقی
جہاں کل تھے وہاں بوبکرؓ وعثماںؓ کی وفائیں تھیں
جہاں اب ہو جفاؤں میں ہر اک چنگیز ہے ساقی
جہاں کل تھے وہاں سرمستیٔ توحید غالب تھی
جہاں اب ہو وہاں شرکِ تمسخر خیز ہے ساقی

وطن عزیز میں بے شمار فسادات ہوئے جن میں مسلمانوں کا خون بیدردی سے بہایا گیا۔ ایسے موقع پر عموماً دل محزوں سے قدرتی طور پر بد دعائیں نکلتی ہیں، لیکن ماموں صاحب ایک مثبت فکر رکھتے تھے اس لیے ان کے ''ترانۂ مظلومین'' میں بھی رجا کا پہلو بھی نظر آئے گا:

بحمد اللہ حق کا بول بالا ہونے والا ہے
سیاہی چھٹ رہی ہے اب اجالا ہونے والا ہے
شہیدوں کا لہو پیتے ہی ذرّے بول اٹھتے ہیں
یہ خطہ آج کل میں کشتِ لالہ ہونے والا ہے
جو حق پرچم کے اس پر جان تک قربان کرتے ہوں
تو دنیا میں مقام ان کا ہی اعلیٰ ہونے والا ہے
مرا قرآن کہتا ہے مرا ایمان کہتا ہے
ظہورِ نصرتِ باری تعالیٰ ہونے والا ہے

ان کے اشعار میں زبان و بیان پر قدرت کے ساتھ ساتھ قوتِ اظہار کی فراوانی بھی نظر آتی ہے۔ ماموں صاحب حافظ قرآن تھے اور قابل رشک حافظہ رکھتے تھے۔ جو چیز خواہ نظم ہو یا نثر اگر پسند آجاتی تھی تو یاد ہو جاتی تھی۔ حضرت خلیل ٹونکی مرحوم کی بحر طویل آٹھ مصرعوں پر مشتمل ہے جس کا ہر مصرع ایک صفحہ لے لیتا ہے گویا نظم آٹھ صفحات میں سماتی ہے۔ یہ بات خود ہمیں ماموں صاحب نے بتائی کہ کراچی میں کسی مجلس میں بحر طویل کے آٹھ مصرعے کسی نے انہیں سنائے۔ ماموں صاحب کو یہ چیز دلچسپ لگی اس لیے ان کی فرمائش پر دوبارہ سنائی گئی اور دو بار سننے میں ہی انہیں پوری یاد ہوگئی جسے اکثر گھریلو مجلسوں میں سب کی فرمائش پر سنایا کرتے تھے۔ چند سال پیشتر شکاگو میں مجھے ایک کتابچہ ملا جس میں کسی نے ان آٹھ مصرعوں کو مضطرؔ خیر آبادی کے نام سے شائع کر دیا تھا۔ غالباً یہ مغالطہ اس لیے ہوا ہوگا کہ ایک مصرع میں لفظ مضطر بھی استعمال ہوا ہے۔ میں نے اس کتابچہ سے ٹائپ کروا کے ماموں صاحب کو دکھایا تو خوش ہوئے لیکن پڑھ کر

بتایا کہ وہ اغلاط سے پر ہے۔ میری درخواست پر تمام اشعار کی اغلاط درست کیں اور مجھے واپس دی جس کے مطابق میں نے اس کی تصحیح کی۔

وہ بمبئی آتے تھے تو عموماً ان کے پروگرام رہتے تھے جن کے سبب وہ چند گھنٹوں ہی کے لیے والدہ سے ملنے آتے تھے اور ہماری ملاقات ہو جاتی تھی وہ ہمارے بزرگ تھے لیکن اپنے چھوٹوں سے بھی وہ مذاق کرلیا کرتے تھے۔ اگر ہم کوئی نیا لطیفہ یا شعر سنتے تھے اور انہیں سناتے تو بہت خوش ہوتے تھے۔ ہم ہر سال دیوبند جاتے تھے، لیکن اس زمانے میں بھی ان کے اتنے اسفار رہتے تھے کہ ہمیں ان کے پاس بیٹھنے کا کم ہی وقت مل پاتا تھا۔ آج جب ماموں صاحب ہم میں نہیں ہیں تو اس بات کا شدت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے جو علوم تھے اور جو باتیں ان کی یادداشت میں تھیں ان سے ہم پوری طرح استفادہ نہیں کر سکے۔

بقول اصغر گونڈوی:

میں کامیابِ دید بھی محرومِ دید بھی
جلووں کے ازدحام نے حیراں بنا دیا

❖ ❖ ❖

حضرت خطیب الاسلامؒ

علمی عظمتوں کے اچھوتے نقوش: ایک جامع شخصیت

مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی❖

علاماتِ قیامت میں ایک علامت ''قبض العلم'' اور ''رفع العلم'' (علم اٹھا لیے جانے) کا ذکر ملتا ہے اور اس کی کیفیت کا ذکر اس طرح آیا ہے: **إن اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعه من العباد و لکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی إذا لم یبق عالماً اتخذ الناس رؤسا جهالا فسئلوا فأفتوا بغیر علم فضلوا و أضلوا.** (۱)

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمہ اللہ کا سانحۂ وفات ''قبض العلماء'' اور اس کے نتیجے میں قبض العلم کا بہت نمایاں اور شدت سے محسوس کیا جانے والا نمونہ ہے، اللہ رب العزت نے حضرت مرحوم کو بے شمار علمی و عملی محاسن اور کمالات سے نوازا تھا، اور نسبی عظمتوں کے پہلو بہ پہلو قابل صد رشک و تقلید علمی اور عملی عظمتوں سے مالا مال فرمایا تھا۔

اور اسی کا فیضان تھا کہ ان کی شخصیت اپنے جد امجد حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے علوم و معارف، اپنے جد بزرگوار فخر الاسلام حضرت مولانا حافظ محمد احمد قاسمیؒ کے رسوخ و تبحر علمی، اپنے والد گرامی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ کی علمی، عملی، تعلیمی، تدریسی، دعوتی، تبلیغی، تقریری، تحریری و تالیفی اور انتظامی جامعیت کا حسین و جمیل عکس و پرتو ہونے کے ساتھ اپنے جلیل القدر اساتذہ و مشائخ بطور خاص شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علیؒ، امام المعقول حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے عالمانہ اور محدثانہ کمال اور گیرائی کا بہت روشن و تابناک مظہر تھی۔

شخصیت کی علمی تشکیل کے بنیادی عوامل

حضرت خطیب الاسلامؒ کو علمی اور عملی کمالات اور عظمتوں کا جو رتبۂ بلند حاصل ہوا، اس کے اسباب

❖ شیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

(۱) بخاری: العلم: باب کیف یقبض العلم

وعوامل کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بنیادیں سامنے آتی ہیں:

(۱) گھر کا صالح ماحول اور والدین کی خاص تربیت، ان کی از اول تا آخر، علمی، عملی، اخلاقی اور روحانی تربیت گھر کے اندر بھی، احاطۂ دارالعلوم میں بھی، سفر میں بھی اور حضر میں بھی ہر جگہ ان کے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کے زیرسایہ ہوئی، پھر صالح ومہربان اور لذتِ شب بیداری وآہِ سحرگاہی سے فیض یاب والدہ کی راست سرپرستی اور نگرانی انہیں میسر رہی۔

حضرت حکیم الاسلامؒ کی سب سے نمایاں اور امتیازی شان یہ تھی کہ وہ اپنے جد عالی قدر حضرت نانوتویؒ کے علوم ومعارف کے سب سے بڑے شارح اور ترجمان تھے، حکمتِ ولی اللّٰہی ان کی گھٹی میں تھی، علمی ذوق ان کے پورے وجود میں رچا بسا ہوا تھا، اور انصرامی اشغال کے باوجود ان کا رسوخ علمی بے نظیر اور قابل صدرشک تھا، ان کے خطبات، دروس اور مجالس ہر جگہ یہی علمی رنگ ہر دوسرے رنگ پر غالب رہا کرتا تھا اور یہی وصف انہیں ان کے اقران میں ممتاز رکھتا تھا۔

حضرت خطیب الاسلامؒ کو ایسے پدر بزرگوار کا سایۂ تربیت اور ظل عاطفت میسر تھا، اور اسی نے انہیں علمی وعملی لحاظ سے اوج کمال تک پہونچنے میں اصل بنیاد کا کردار ادا کیا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے بجا فرمایا ہے:

> میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے بارہا سنا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے علوم انتہائی دقیق تھے اور ان کی مؤلفات سے اچھے اچھے علماء بھی بآسانی استفادہ نہیں کر پاتے تھے، کیوں کہ اول تو علوم ہی نہایت دقیق تھے، دوسرے تعبیرات بھی انہی دقیق علوم کے مطابق دقیق ہوتی تھیں، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو دو زبانیں عطا فرمائیں، جنہوں نے ان کے علوم کو ہم جیسوں کے لیے قابلِ استفادہ بنا کر انہیں نشر فرمایا، ایک زبان حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اور دوسری حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہما، ان حضرات نے حضرت نانوتویؒ کے علوم کو پانی کر کے اپنے مواعظ اور تالیفات کے ذریعہ اہل علم اور عام مسلمانوں کو پہونچایا۔
>
> حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نانوتویؒ کی زبان حکیم الاسلام قدس سرہ کی طویل صحبت سفر وحضر میں عطا فرمائی، اور وہ حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کے علوم سے طویل عرصے تک براہ راست مستفید ہوئے، اور پھر ان علوم کا عکس ان کے مواعظ وخطبات میں واضح طور پر نظر آنے لگا، اور حضرت حکیم الاسلامؒ کی وفات کے بعد بھی انہوں نے ان علوم کو پھیلانے اور پھیلاتے رہنے کا مبارک سلسلہ جاری رکھا۔(۱)

---

(۱) ماہنامہ البلاغ: رمضان المبارک ۳۹ھ

(۲) پھر تعلیمی زندگی کی ابتداء سے انتہا تک ہر مرحلے میں انہیں ایسے اساتذہ سے کسب فیض کی سعادت حاصل ہوئی جو آسمان علم وفضل کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمک رہے تھے اور جن کا فیض دور دور تک جاری تھا۔

۱۹۴۰ء میں جب کہ حضرت عمر کی چودھویں منزل میں تھے، اور حفظ قرآن کے مرحلے کے بعد عربی درجات کا مرحلہ شروع ہو چکا تھا، اپنے والد ماجد کے ہمراہ حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دو ہفتے سے زائد قیام کے دورانیہ میں حضرت تھانویؒ سے براہ راست معروف درسی کتاب ''میزان الصرف'' کے ابتدائی حصے پڑھے اور بیعت کا شرف بھی حاصل کیا، اپنی وفات حسرت آیات کے وقت وہ روئے زمین پر حضرت تھانویؒ کے واحد شاگرد اور فیض یافتہ تھے، عمر کے اُس مرحلے میں حضرت کی صحبت، بیعت اور تلمذ کا جو شرف واعزاز انہیں حاصل ہوا، اس کے مبارک اثرات وثمرات ان کی علمی وعملی زندگی کے ہر مرحلے میں نمایاں رہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے انہوں نے بخاری اور ترمذی شریف کا درس لیا، حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ سے مسلم اور طحاوی پڑھی، شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ سے ابوداؤد اور شمائل ترمذی کے اسباق پڑھے، حضرت مولانا فخر الحسن مرادآبادیؒ سے نسائی اور مؤطا مالک اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ سے مؤطا امام محمد اور اپنے والد ماجد سے سنن ابن ماجہ کے دروس پڑھے۔

یہ ساری شخصیات اپنے علمی نبوغ اور تبحر میں اس قدر معروف ہیں کہ محتاج بیان نہیں، خطیب الاسلامؒ کی شخصیت انہیں ہیروں اور جواہر کی آغوش علمی میں پروان چڑھی اور ان اساتذہ کا علمی وعملی رنگ ان کی ذات وسیرت میں پختہ سے پختہ تر ہوتا گیا۔

(۳) ۱۹۴۸ء میں تعلیمی مراحل سے فراغت کے بعد سے تاحین وفات مسلسل کسی نہ کسی شکل میں تدریسی سلسلے سے وابستگی رہی، ۳۲ رسالوں تک مسلسل قدیم دارالعلوم کے احاطہ کے بام ودران کے دروس سے گونجتے رہے، اور ان کے علمی فیضان سے تشنگان علم سیراب ہوتے رہے، اس دورانیے میں ابتدائی کتابوں سے لیکر بخاری شریف تک اکثر کتابیں ان کے زیر درس رہیں، جن میں شرح عقائد، جلالین، الفوز الکبیر، مشکوۃ المصابیح، حجۃ اللہ البالغہ، نخبۃ الفکر، ابن ماجہ، ابوداؤد خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

پھر ۱۹۸۲ء میں قیام دارالعلوم وقف کے بعد مسلسل بخاری شریف کے کسی نہ کسی جزء کا درس آپ سے متعلق رہا، اور علالت کے دوران بھی کسی نہ کسی شکل میں درس کا سلسلہ باقی رہا، اور طالبان علوم نبوت کثیر تعداد میں آپ کے علمی فیوض سے مستفید ہوتے رہے۔

آپ کی تدریسی زندگی کی خصوصیات بے شمار ہیں، جن میں وقت کی بے مثال اور حیرت ناک

پابندی سب سے اول ہے، پھر دوران درس آپ کی مرتب گفتگو، علمی نکتوں اور لطائف کی کثرت، مؤثر اور دل نشین انداز واسلوب بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

عنفوان شباب سے ہی شروع ہو چکے اس تعلیمی وتدریسی شغل نے جو حیات مستعار کی دسویں دہائی تک اور وفات حسرت آیات سے پہلے تک جاری وساری رہا، حضرت کی عالمانہ اور فاضلانہ شخصیت کی تعمیر وتشکیل پھر مقبولیت، مرجعیت، مرکزیت اور شہرت کے بام عروج تک پہونچانے میں بہت بنیادی کردار ادا کیا۔

(۴) فکر ولی اللّٰہی اور علوم قاسمی سے خاص مزاجی مناسبت وہ مخصوص جوہر ہے جو حضرت کی عظیم شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں اولین بنیاد کا مقام رکھتا ہے، یہ مناسبت انہیں بطور خاص اپنے عظیم والد سے ورثے میں عطا ہوئی تھی، ان کی مجالس اور خطابات اس پر شاہد عدل ہوا کرتے تھے کہ انہوں نے علوم ولی اللّٰہی کو پورے طور پر جذب کرلیا ہے، اوراس چیز نے انہیں رسوخ علمی کے ساتھ انابت الی اللہ کی خاص کیفیت، دعوتی مزاج اور اخلاق عالیہ کی عظمتوں سے مالا مال کر دیا تھا۔

(۵) حدیث نبوی **"من رأني في المنام فقد رأني فإن الشيطان لايتمثل في صورتي"** کے بہ موجب خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مبشرات میں سے بھی ہے اور صلاح و سعادت مندی کی علامت اور دلیل بھی ہے، یہاں ذیل میں دو خواب ذکر کئے جاتے ہیں:

ایک خواب تو حضرت کے والد ماجد حکیم الاسلام رحمہ اللہ نے حضرت کے سلسلہ میں خطۂ بیت المقدس میں ۱۹۶۳ء میں دیکھا تھا، جس کی تفصیل خود حضرت حکیم الاسلام کے الفاظ میں یہ ہے:

"نحمده و نصلی

آج یکم جمادی الاول ۱۳۸۳ھ یوم جمعہ کی شب میں بہ مقام بیت المقدس احقر نے حسب ذیل خواب دیکھا، جو بلا شبہ از قسم مبشرات ہے اور جو یہ ہے کہ

"میں دیوبند میں ہوں اور معلوم ہوا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں، ذہن میں یہ ہے کہ تشریف آوری دار العلوم میں ہوئی ہے، لوگ اشتیاق زیارت میں ہیں اور میں ارادہ میں ہوں کہ زیارت سے مشرف ہوں، اس درمیان میں کچھ یوں ہی سا یاد ہے کہ دار العلوم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اجتماع میں شرکت فرمائی، مگر یہ پورا یاد نہیں، بلکہ وہم سا ہے، اسی دوران میں، میں ایک اونچی جگہ پر ہوں اور سامنے ایک لانبی سڑک ہے نیچے کی طرف اترتی ہوئی نامکمل، ایسی جیسا کہ شاہی قلعوں میں سلامی دار (ڈھلوان دار) راستے ہوتے ہیں، جو قلعے کے بالائی حصے کی طرف جاتے ہیں، جیسے آگرہ کے قلعے میں شاہی محلات کو جانے والا راستہ کافی چڑھتا ہوا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کچھ یاد پڑتا ہے کہ یہ سڑک سرسبز ہے۔

''میں دیکھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سڑک سے گزر رہے ہیں یعنی مدرسے آرہے ہیں اور قیام گاہ پر تشریف لے جارہے ہیں (قیام گاہ وہ مکان ہے جس میں نائب مہتمم صاحب- مولانا مبارک علی- اور مولانا مدنی کا مکان ہے) لیکن اُس وقت تک میں اُس مکان کو ان حضرات کا نہیں سمجھ رہا ہوں، بلکہ مدرسے کا کوئی استعمالی مکان جان رہا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ راستے سے اتر رہے ہیں ایک چادر میں ملبوس ہیں اور چادر پورے بدن پر اوڑھے ہوئے ہیں اور کچھ اس طرح خمیدہ چل رہے ہیں جیسے نیچے کی طرف اترنے والا کچھ جھک کر چلتا ہے، ساتھ ہی میں یہ بھی ذہن میں لیے ہوئے ہوں کہ یہ سڑک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص طور پر بنائی گئی ہے جو احاطۂ مدرسہ کی اندرونی اور پرائیوٹ سڑک ہے، عام گزرگاہ نہیں ہے اور اس لیے بنائی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجمع کے ساتھ چلنے میں تکلیف نہ ہو، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنہا ہی تشریف لے جارہے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں اور خیال یہ ہے کہ آپ کی قیام گاہ پر حاضر ہوکر زیارت سے مشرف ہوں گا، چناں چہ اس کے بعد میں قیام گاہ پر حاضر ہوا، مگر معلوم ہوا کہ آرام فرمارہے ہیں، اس لیے اس خیال سے لوٹا کہ بعد میں جاؤں گا، میں مکان پر پہونچا تو میاں سالم پہونچ گئے اور میں نے کہا کہ بھائی! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہوئے ہیں حاضری کا اور ملنے کا اہتمام کرو، اس پر سالم نے کہا کہ میں الحمد اللہ مل چکا ہوں اور خدمت اقدس میں حاضری بھی دے چکا ہوں اور مجلس پاک میں بیٹھ بھی چکا ہوں اور دست مبارک پر بیعت بھی کر کے آرہا ہوں، اس پر میری خوشی کی انتہا نہ رہی اور میں نے دعا بھی دی اور مبارک باد بھی دی۔ والحمد اللہ اُولاً وآخراً۔

محمد طیب

نزیل الیوم فی ''بیروت'' (لبنان)

یکم جمادی الاولی ۱۳۸۳ھ ۲۰/ستمبر ۱۹۶۳ء یوم جمعہ

دوسرا خواب خود حضرت خطیب الاسلامؒ نے دیکھا اور بزبان خود اس طرح بیان فرمایا:

میں ابتدائی زمانے میں جب پڑھتا تھا خواب دیکھا کہ میں ریل سے جانے والا ہوں کہیں، میں سوار ہوا ریل میں، وہاں ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے بہت مکلّف لباس صاف ستھرا بڑے مزین قسم کے آدمی ہیں ایک سیب پلیٹ میں ان کے سامنے رکھا ہوا ہے اور چاقو رکھا ہوا ہے سیب کاٹا، میں نے ان کو سلام کیا میں نے ان سے بڑھ کر ملاقات کی، پھر میں نے کہا کہ حضرت آپ سے مل کر خوشی ہورہی ہے۔

پھر میں نے کہا کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں انہوں نے چاقو بیگ میں رکھ دیا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگے پہچانا نہیں میں بیہقی ہوں ''محدث ہیں جلیل القدر'' میں نے عرض کیا حضرت مجھے اس کا موقع

دیجئے کہ معانقہ کرلوں ہنسے اور کھڑے ہوئے میں نے معانقہ کیا اور غالبًا میں نے پہل کی، چناں چہ وہ بیٹھے اور ان کے چہرے پر بہت بشاشت تھی پھر سیب مجھے دیا اور اس کو میں نے کھایا، میں نے اس خواب کا ذکر والد ماجد حضرت حکیم الاسلامؒ سے کیا۔

تو والد صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ حدیث پڑھانے کی نوبت آئے گی، اللہ کی مدد شامل حال ہوگی اور اس میں محدثین کی توجہات بھی شامل ہوں گی، برکت بھی رہے گی ابتدائی دور میں اس کا خیال بھی نہیں تھا کہ حدیث پڑھانے کی نوبت آئے گی اللہ کی مدد شامل حال ہوئی اور میرے پاس بخاری شریف آئی۔(۱)

ان دونوں خوابوں کی روشنی میں حضرت کے علمی وعملی کمالات، مآثر، محاسن اور خدمات پر نظر ڈالی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ آپ کی شخصیت کی عظمتوں کی تعمیر وتشکیل میں ان کا بھی بہت روشن کردار ہے۔

(۲) اللہ نے حضرت خطیب الاسلامؒ کو متعدد کمالات اور خوبیوں کے پہلو بہ پہلو حافظہ کی عجیب قوت ودولت سے بھی خوب خوب نوازا تھا، طویل عربی عبارتیں اور احادیث انہیں خوب ازبر تھیں، وہ قرآن مجید کے حافظ بھی تھے، عربی، فارسی، اردو کے سیکڑوں اشعار ان کی نوکِ زبان پر تھے، سلف اور اکابر کے واقعات کا تو گویا نہ ختم ہونے والا خزانہ ان کے دماغ میں محفوظ تھا، اور مجالس وخطابات میں خاص تسلسل کے ساتھ جب یہ واقعات بیان ہوتے تھے تو سامعین حیران بھی ہوتے تھے اور سیراب بھی۔

ذہانت اور حافظہ کی قوت خاندانی اور موروثی اثرات کے ساتھ ان کے خلوص قلب، صفائے باطن اور صلاح وتدین کا روشن مظہر تھی، حضرت امام شافعیؒ کے اشعار ہیں:

شکوت الی وکیع سوء حفظی
فأرشدنی إلی ترك المعاصی
فإن العلم نور من الٰہ
و نور اللّٰہ لا یہدی لعاص

حضرت خطیب الاسلامؒ کی پوری زندگی تقوی اور صلاح کا شاہکار نمونہ تھی، ان کی مجلسیں غیبت اور بدگوئی کے زہر سے یکسر پاک تھیں، ان کا دامن ان آلودگیوں سے بالکل صاف تھا، اللہ نے انہیں لسانِ صادق، قلب سلیم، قولِ سدید سب کچھ عطا فرمایا تھا، اور اسی صلاح وتدین کا راست نتیجہ ان کی بے مثال قوت حافظہ کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا تھا، واقعہ یہ ہے کہ حضرت کی علمی وعملی شخصیت کی تعمیر میں قوتِ حافظہ کے اس عنصر کا کردار بھی بہت تابناک نظر آتا ہے۔

(۱) دعوت وتبلیغ کے پیغمبرانہ اصول: ۹۵-۹۶

تالیف وتصنیف کا علمی ذوق

حضرت کو اللہ نے تالیف وتصنیف کا اعلیٰ علمی ذوق بھی بخشا تھا، چناں چہ آپ کی نوک قلم سے متعدد کاوشیں منظر عام پر آئیں، اوران میں بھی آپ کا محققانہ، نکتہ ورانہ انداز واسلوب اپنی پوری شوکت کے ساتھ موجود نظر آتا ہے، تراجم قرآن کے جائزے کے موضوع پر حضرت کا بہت بیش قیمت علمی رسالہ ہے، معراج کے تعلق سے بھی حضرت نے خوب لکھا ہے، ''مردانِ غازی'' کے عنوان سے انتہائی ادیبانہ کاوش بھی حضرت کی منظر عام پر آئی جو حضرت کے دور طالب علمی کی تخلیق ہے اور آپ کے جوہر قابل کی آئینہ دار ہے، بچوں کی دینی تربیت پر حضرت نے عربی میں جامع اور مدلل تحریر مرتب فرمائی تھی، اکابر دار العلوم دیو بند کی علمی وتالیفی کاوشوں کا تعارف بھی وہ موضوع ہے جس پر حضرت نے بہت خوب لکھا ہے۔
تدریسی، دعوتی، تبلیغی اور انصرامی مصروفیات اور ہجوم کار نے اگر چہ تصنیفی میدان میں حضرت کو بہت موقع فراہم نہ کیا، تاہم حضرت کا جو بھی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ، مجتمع اور متفرق تالیفی سرمایہ موجود ہے، اہل ذوق کے لیے انتہائی بیش قیمت خزانہ اور ''بقامت کمتر، بہ قیمت بہتر'' کا مصداق ہے جس پر عربی شاعر کا یہ شعر بالکل راست آتا ہے:

قلیل منك یکفینی ولکن
قلیلك لا یقال له قلیل

ایک عظیم علمی موسوعاتی کتاب کے مقدمے میں حضرت نے لکھا ہے، اس سے حضرت کے زور قلم، وفور علم اور قوت استدلال سب کا ترشح ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

> اسلام کی بے نہایت علمی وسعتوں کے اس عہد ابتدائی میں، سنت رسول اللہ سے، کتاب اللہ کی مرادات ربانی کے افہام وتفہیم میں انہماک نے اذہان وقلوبِ اہل علم پر علم تفسیر کو غالب رکھا، اور نتیجتاً اس علم عظیم نے بے شمار مراحلِ ارتقاء طے کیے، دشمنان اسلام نے سنت رسول اللہ کے ذریعہ اس تفسیری ارتقاء کو غیر معتبر بنا کر ختم کرنے کے لیے، اپنے خود ساختہ کلمات کاذبہ کو، حدیث رسول بنا کر پھیلانے میں اپنی تمام فریب کارانہ کوششوں کو بے دریغ استعمال کیا، اس فتنۂ عظیم کی سرکوبی کے لیے بہ توفیق الٰہی، باکمال ارباب اخلاص محدثین کرام رحمہم اللہ نے صحیح روایات حدیث کو ان خرافی موضوع روایات سے ممتاز کرنے کی جانب توجہ فرمائی، جس کے لیے کتاب وسنت کی روشنی میں جرح وتعدیل کے وہ حیرت ناک اصول منضبط فرمائے کہ اس میزان پر اب موضوع روایات کا صحیح روایات میں خلط ملط کا امکان تقریباً معدوم ہوگیا ہے، محدثین کرام کی ان مساعی جمیلہ نے اس دوسرے دور میں ''فن حدیث'' کو اہل علم کی

تمام تر توجہات کا مرکزی موضوع بنا دیا، جس کے نتیجے میں علم حدیث کی بے شمار فنی انواع کی تدوین سے، وہ ایک مستند فنِ عظیم بن کر انتہائی مقام رفعت پر پہونچ گیا۔

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مستند علمی، اور دینی، ترقی پذیر، مصدریت ہی تھی کہ جو عرب وعجم کے غیر مسلموں کو، دین فطرت اسلام کی جانب کھینچنے کا زبردست وسیلہ بن گئی، لیکن غیر مستند مذاہب وادیان کو چھوڑ کر مستند دین اسلام کے دائرے میں آنے والے افراد وطبقات، اپنے سابقہ ادیان کے غیر اسلامی عقائد ورسوم کے کچھ نہ کچھ افکار وخیالات لے کر اسلام میں داخل ہوئے، جن کی وجہ سے اسلامی عقائد توحید، رسالت، قیامت، اور بعث بعد الموت وغیرہ، اور اسلامی تعلیمات، عبادات ومعاملات، تجارات اور عقود وغیرہ کے بارے میں عقلی شکوک وشبہات کا ایک وسیع جال بچھنا شروع ہو گیا۔

اس فتنے کے سد باب کے لیے مشیت ربانی نے حضرات فقہاء کرام کو علم عظیم عطا فرما کر موفق فرمایا اور انھوں نے کتاب وسنت سے ماخوذ ٹھوس اور نا قابل شکست دلائل وبراہین کے ساتھ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط اسلامی نظام زندگی کو قانونی اور آئینی صورت میں تاریخ عالم پر پہلی بار مدون فرما کر ہمیشہ کے لیے اس فتنہ کو ختم فرما دیا۔

کتاب وسنت سے ان قانونی دفعات کے مدلل استنباط کے لیے جس عقل وقیع اور شعور وسیع کی ضرورت تھی، اس سے حق تعالیٰ نے فقہاء کرام کو حصۂ وافر عطا فرمایا، لیکن عقل وشعور کو نکات، احتمالات اور حکم آفرینی کی جو صلاحیت قدرت فیاض نے عطا فرمائی ہے، اس کی بنیاد پر اختلاف آراء ایک ایسی نا قابل انکار حقیقت ہے کہ جس سے فقہاء کرام بھی مستثنیٰ نہیں رہے، لیکن ان مخلصین کا یہ اختلاف بفحوائے روایت: "اختلاف أمتي رحمة واسعة" (میری امت کا اختلاف ایک وسیع علمی رحمت ہے)، اہل اسلام کے لیے علم کے وسیع ابواب رحمت کھلنے کا ذریعہ بن گیا۔(۱)

خطابت کی عالمانہ اور ساحرانہ شان

حضرت کے ذوق عملی اور رسوخ علمی کا سب سے زیادہ ظہور ان کے خطابات میں ہوتا تھا، پورا خطاب عالمانہ، متکلمانہ اور مفکرانہ شان لیے ہوئے ہوتا تھا۔

تفسیری نکات، احادیث کی دل نشین توضیحات اور علمی حقائق ولطائف، سلف کے واقعات اور ان سے متعلقہ موضوع پر اچھوتے استدلالات سے آپ کے خطابات پُر رہتے تھے، عالمانہ ذوق رکھنے والوں

(۱) قاموس الفقہ: ۳/۳۲-۳۳

کے لیے ان خطابات میں تشنگی کی سیرابی کا بڑا سامان ہوتا تھا، ایسا لگتا تھا کہ جیسے بادل برس رہا ہے اور معانی و حقائق کی ایک نہر سلسبیل ہے جو پوری لطافت اور تسلسل کے ساتھ رواں دواں ہے۔

اپنے مافی الضمیر کے اظہار و بیان کے لیے کبھی کسی توقف اور انتظار کی انہیں ضرورت نہیں ہوتی تھی، ان کی خطابت کی انفرادیت ان ہی کا حصہ تھی، اپنی ذہانت اور علمی نبوغ کے فیض سے نئے نئے موضوعات ایجاد کرنا اور ان پر الفاظ اور استدلال کی مضبوط عمارت کھڑی کر دینا ان کا امتیاز تھا۔

قرآن مجید کی ایک ہی آیت اور ذخیرۂ احادیث میں موجود کسی ایک ہی حدیث کو بنیاد بنا کر اصول وفروع، کلیات و جزئیات اور معلومات کا بیش قیمت خزانہ سامعین کے سامنے رکھ دینا ان کا طرۂ امتیاز تھا۔

آپ نے اپنے ایک خطاب میں حدیث نبوی: ”**من اعطى لله و منع لله و أحب لله و أبغض لله فقد استكمل الايمان**“ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

> پہلے جب آپ جاہل طبیعت کی نگرانی میں زندگی گزارتے تھے تو وہ تھی حیوانی زندگی، اور جب آپ نے فاضل عقل کی حکمرانی قبول کی تو وہ تھی انسانی زندگی، اور جب آپ اپنا رہنما خدا کے بھیجے ہوئے رسول اور پیغمبر کو بنالیں تو یہ ہوگی آپ کی ایمانی زندگی۔ جس طرح سے پہلی زندگی کا تقاضا تھا نفس پروری، لذت اندوزی، خودغرضی اور دوسری زندگی کا تقاضا تھا اجتماعیت، جمال پسندی، اسی طریقے سے اس تیسری یعنی ایمانی زندگی کے بھی کچھ مطالبے اور اس کے بھی کچھ تقاضے ہیں۔
>
> ایمانی زندگی کا مطالبہ اور تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے سچے اور آخری رسول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح زندگی گزارنے کا طریقہ بتایا ہے، اس کو پورے طور پر اپنالیا جائے، جو کام بھی کیا جائے اس میں اللہ کی رضا پیش نظر ہو۔
>
> پہلے کھانا آدمی صرف پیٹ بھرنے کے لیے کھاتا تھا، لیکن جب ایمانی زندگی آئے گی تو یہ بھی سوچے گا کہ کیا کھاؤں اور کسی طرح کھاؤں کہ صرف پیٹ ہی نہ بھرے، بلکہ میرا خدا بھی مجھ سے راضی ہو۔
>
> اس احساس کے ساتھ جب آدمی کھانے بیٹھے گا تو حرام کا لقمہ بھی اس کے پیٹ میں نہیں جائے گا، ایسے ہی آدمی جب کپڑا پہنے گا تو یہ سوچے گا کہ کپڑا ایسا ہو کہ جو خدا کی منشاء اور اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔
>
> اسی طرح عقل محض میں زنا بھی حلال ہے اور نکاح بھی، لیکن جب آدمی میں ایمانی زندگی ہوگی تو وہ نکاح کی طرف آئے گا اور زنا سے بچے گا، اس لیے کہ ایمانی زندگی میں قدم قدم پر وحی الٰہی رہنما ہوتی ہے۔(۱)

---

(۱) ایمانی زندگی: ۱۴-۱۶

حدیث نبوی "العلماء ورثة الانبياء" کے ذیل میں حضرتؒ نے ایک خطاب میں فرمایا:

ختم نبوت سے قبل دعوت کی تمام تر ذمہ داری انبیاء علیہم السلام سے متعلق تھی اور وہی یکے بعد دیگرے اس فریضے کی ادائیگی فرماتے رہے، لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد، آپ کے دائمی منصب نبوت سے یہ امت اس طرح مستفید ہے کہ دعوت دین جو انبیاء کرام کا وظیفہ حیات تھا۔ "العلماء ورثة الانبياء" فرما کر اس شرف عظیم سے علمائے امت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرف فرما دیا گیا، اور اس حدیث کے مطابق یہ خیر الامم اصحاب خیر سے نہ کبھی غیر معمولی علمی تبحر رکھنے والے علماء کرام سے خالی ہوئی اور نہ صاحب عرفان مربی اولیائے عظام سے کبھی محروم ہوئی، یعنی علم و عرفان کی دولت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وراثتوں کے تقسیم کنندگان سے ہر زمانے کے افراد ملت کو حق تعالیٰ ہمیشہ حصہ وافر عطاء فرماتا رہا ہے، جس پر آج بحمد اللہ پندرہ سو سال کی تاریخ کو بلا خوف تردید شاہد عدل بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے تکوینی ضابطے کے مطابق، علمی یا عرفانی مقتدائیت رکھنے والی شخصیتوں کے اٹھ جانے کے بعد ان کی قائم مقامی کرنے والے عالم نگاہوں سے اگر چہ اوجھل ہو جاتے ہیں، لیکن مشیت ربانی ایسے مخلص علماء اور مربی عرفا سے خالی جگہ کو پورا کر دیتی ہے کہ عوام تو کیا خواصِ امت کے بھی حاشیۂ خیال میں کوئی ادنیٰ التفات ان کی جانب نہیں ہوتا، اسلام کا سیاسی موضوع دعوت ہے، دعوت ہی وہ واحد موضوع ہے کہ انسان کی ذکر و فکر کی جوہری قوتوں کے فطری مطالبات کی تکمیل یعنی دعوتی و دینی پر مخاطب کی قوت فکر کے مطالبۂ دلیل و برہان کو پورا کرنا، اور قوت ذکر کے مطالبۂ عروج ہی کی مکمل رہنمائی کرنا، لیکن ذکر و فکر کے ان مطالبات کی تکمیل کرنے والے مکمل نظام کی تشکیل، انسانی استطاعت سے باہر ہے کیوں کہ شعور انسانی دینی دعووں پر اگر عقلی دلائل و ثبوت قائم کر بھی لے تب بھی اللہ کی ذات وصفات اور عالم غیب تک رسائی کے نظام کی تشکیل نبوت کی رہنمائی کے بغیر خالی ہو گی اور اس مرحلے پر آ کر نبوت کی جانب انسان کی احتیاج کسی دلیل کی محتاج نہیں رہی۔

چناں چہ ماضی کے مقابلہ پر آج علم و عرفان کی وراثت نبوت کا پہنچانا غیر معمولی اہمیت کا حامل اس لیے بن گیا ہے کہ دور حاضر کی حیرت ناک ترقیات سے مرعوبیت کے نتیجے میں انسانوں کی ذکر و فکر کی قوتیں مادی وسائل علم و خبر کی بے تحاشہ کثرت و سہولت کی عادی ہو چکی ہیں اس لیے انہیں اپنے اصل مطالبات ذکر و فکر کی تکمیل کی راہ پر لانا دشوار سے دشوار ضرور بن گیا ہے۔

لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی نبوت کے طفیل میں ہر دور میں وقت شناسی کی صفت خاصہ سے بہرہ مند فرما کر ابلاغ دین کی خدمت کی توفیق سے اللہ تعالیٰ ایسے مخلصین کو ہمیشہ سے نوازتا رہا

ہے کہ ماضی کی طرح آج بھی اسلام سے یکسر ناواقف یا غلط واقفیت رکھنے والے وسیع حلقے کو مؤثر طریقے پر اسلام کے دین فطرت ہونے کے دلائل سے ان کی قوت فکر یہ کو مطمئن اور تربیت روحانی کے ذریعہ ان کی قوت ذکر کو انابت الی اللہ کی دولت سے مالا مال فرمار ہے ہیں۔(۱)

راقم الحروف نے اپنی طالب علمی کے بالکل ابتدائی دور میں پہلی بار حضرتؒ کا خطاب سننے کی سعادت پائی، مخاطب علماء، طلبہ اور خواص تھے، اور موضوع تھا ''کیف علم اور سوزِ عشق کی جامعیت'' غور کیا جائے کہ ذکر ہو علم و عشق کا اور زبان ہو خطیب الاسلامؒ جیسے نکتہ ور کی ع

ذکر اس پری وش کا پھر بیاں اپنا

ایسا لگتا تھا کہ ایک سحرِ عجیب ہے، جس نے پورے مجمع کو اپنے حصار میں لے رکھا ہے، اور دلوں اور دماغوں کو تسخیر کرتا جارہا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ یہی رنگ ان کے ہر خطاب کا ہوا کرتا تھا، علم دوست اور باذوق سامعین ان کے عالمانہ خطاب کو سن کر بجا طور پر یہ محسوس کرتے تھے کہ خطیب الاسلامؒ کے پورے خطاب کے دوران ان کا سامعہ کوثر و تسنیم میں ہلکورے لیتا رہا ہے۔

حضرت حکیم الاسلامؒ کے بعد مسند خطابت کو آپ کی عالمانہ، محققانہ، مفکرانہ اور حکیمانہ خطابات سے جو رونق اور زینت ملی اس کا ایک مظہر یہ سامنے آیا کہ آپ ''خطیب الاسلام'' کے لقب سے یاد کیے جانے لگے، پورے ملک کے طول و عرض میں اور چپے چپے پر اور ملک سے باہر ۳۵/سے زائد ممالک میں بلا مبالغہ ہزاروں اجلاسات، اجتماعات، مجالس، سیمیناروں اور کانفرنسوں میں آپ نے اپنی منفرد خطابت سے امت کے عوام و خواص کو فیض پہونچایا، اور نہ جانے کتنے اور کیسے کیسے علمی حقائق اور معارف آپ کی زبان مبارک سے امت تک پہونچے، اور اب جب یہ بلبل خوش نوا سفرِ حیات کی تکمیل کے بعد محوِ آرام ہے تو ہر زبان گویا یہ کہہ رہی ہے ع

خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا

تغمده الله برحمة منه و فضل.

❖ ❖ ❖

(۱) دعوت و تبلیغ کے پیغمبرانہ اصول: ۸۶-۸۸

حضرت خطیب الاسلامؒ

بحیثیت مہتمم

مولانا غلام نبی قاسمی ❖

زندگی میں ہم جو کہانیاں پڑھتے اور سنتے ہیں ان میں سب سے بڑی کہانی خود ہماری زندگی ہے، ہماری سنی یا پڑھی ہوئی اکثر کہانیاں فرضی ہوتی ہیں جن کو لکھنے اور سنانے والے اپنے طرزِ ادا سے رنگین بنا دیتے ہیں، مگر زندگی کی کہانی اصل کہانی ہے، اس میں جتنے کردار اور جتنے مرحلے آتے ہیں وہ حقیقی ہوتے ہیں، اس میں عروج بھی ہے، زوال بھی۔ نشیب بھی ہے، فراز بھی۔ مسرتیں بھی ہیں، آلام بھی۔ راحتیں بھی ہیں، تکلیفیں بھی۔ نعمتیں بھی ہیں اور زحمتیں بھی۔ یہ متضاد احوال، زندگی کو پرکشش تو نہیں اس قابل ضرور بنا دیتے ہیں کہ انسان اس کو گلے سے لگائے رکھے۔ فرض کیجیے کہ زندگی کی کہانی میں اتنے موڑ نہ آتے، اس قدر تنوع اور تضاد نہ ہوتا تو کون تھا جو زندگی کے کوہِ گراں کو اٹھائے رکھنے کی ہمت کرسکتا۔ یکسانیت سے زندگی کا دم گھٹتا ہے، وہ خوشیوں اور آسائشوں کی یکسانیت اور تسلسل ہو یا تکلیفوں اور زحمتوں کا۔ صرف تکلیفیں اور زحمتیں ہی ہوں تو انسان خودکشی کرنے پر آمادہ ہوجائے اور صرف راحتیں اور آسانیاں ہی ہوں تو زندگی جو ایک حقیقت ہے اس کا یقین، موہوم اور مشکوک بن کر رہ جائے۔ ان بے اعتدالیوں کا بوجھ، زندگی یقیناً برداشت نہیں کرسکتی، زندگی کا یقین تب ہوتا ہے جب انسان مسائل سے، مصائب سے، ناخوشگواریوں اور ناموافق احوال سے دوچار ہوتا ہے ؎

جب کوئی ہنگامہ ایام نہیں ہوتا ہے
بڑی مشکل سے زندگی کا یقین ہوتا ہے

ایسے ہی ایک ہنگامہ ایام حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی زندگی میں بھی آیا۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نصف صدی سے زائد عرصہ پر محیط ایشیاء کی عظیم دینی دانش گاہ دارالعلوم دیوبند کے اس شان کے مہتمم رہے کہ اس وقت اگر ''مہتمم'' کا لفظ کسی کی زبان پر آتا تو کسی چھوٹے موٹے دینی ادارہ کے مہتمم کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا تھا بلکہ آپ کی طرف جاتا، گویا لفظ

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

''مہتمم'' کی دلالتِ اولیٰ آپ کی ذات گرامی پر ہوتی، دنیا بھر کے اسفار بھی کئے، بے شمار کتابیں بھی لکھیں اور دارالعلوم دیوبند جیسے ادارہ کا اہتمام بھی چلایا، قدرت نے ایک شخص میں اتنی صلاحیتیں، اتنے کمالات اور اتنی خوبیاں جمع کردی تھیں کہ آنے والی صدیاں ان کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ ان ہی حکیم الاسلامؒ کے فرزند اکبر تھے قدرت نے جس طرح انہیں اپنے والد مکرم کے علوم وکمالات کا وارث بنایا تھا، والد مکرم کی انتظامی صلاحیتوں اور باریکیوں کا بھی امین بنایا۔ اجلاس صد سالہ دنیائے اسلام کا اگر بے نظیر اور انقلابی اجتماع تھا تو اس کے بعد سقوطِ دارالعلوم دیوبند بھی ایسا ہائلہ عظیمہ تھا کہ جس کو ملت اسلامیہ نے شدت سے محسوس کیا، جو کچھ ہوا اس کو دہرانے کا نہ تو کوئی فائدہ ہے اور نہ موقع۔ قابل ذکر اگر ہے تو اس انقلاب کے نتیجہ میں دارالعلوم وقف دیوبند کا وجود ہے، جو خطیب الاسلامؒ کی سرپرستی اور اہتمام میں دیوبند کی جامع مسجد میں نہایت بے سروسامانی اور کس مپرسی کے عالم میں قائم ہوا اور پھر ایک عظیم الشان عالمی دانش گاہ کی شکل اختیار کر گیا۔

سقوطِ دارالعلوم دیوبند کے بعد لگ بھگ اسّی ملازمین جن میں دارالعلوم کے تجربہ کار اور مایہ ناز قدیم اساتذہ بھی تھے، جب حکیم الاسلامؒ کے ایماء پر جامع مسجد میں تعلیمی خدمت کے لیے جمع ہوئے تو یہ عالم تھا کہ لکھنے کے لیے کاغذ اور قلم، طلباء کے لیے کتابوں، چٹائیوں اور تپائیوں کا انتظام نہیں تھا۔ اس بے کسی اور بے سروسامانی کے عالم میں خطب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے ادارہ کا اہتمام سنبھالا۔ حقیقت میں یہ اہتمام نہیں کانٹوں کا فرش تھا، جس پر چلنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں تھی، جامع مسجد میں جو حالات آئے ان کے تصور سے بھی روح کانپ اٹھتی ہے مگر حضرتؒ کے پائے استقلال میں جنبش تک نہیں آئی، ہر طرح کے ناموافق حالات کا مقابلہ کیا اور ادارہ کو نہ صرف جمائے رکھا بلکہ اپنی شبانہ روز جدوجہد سے بالآخر اس مقام پر پہنچا کر دم لیا جو نئے اداروں کو بہت کم نصیب ہوتا ہے، خصوصاً دیوبند میں جہاں دارالعلوم جیسا ادارہ موجود ہو۔

کسی ادارہ کو چلانے کے لیے صرف مالیات ہی کی نہیں بلکہ حسن تدبیر، صبر وضبط اور تحمل وبرداشت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرتؒ نے بحیثیتِ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کی تاریخ میں جو طاقت ور کردار ادا کیا، اس میں حسنِ تدبیر اور صبر وتحمل کا عنصر شامل تھا۔ جامع مسجد کے زمانہ میں ملازمین پریشان نہیں، انتہائی پریشان رہتے، پریشان آدمی کا لب ولہجہ، گفتگو اور طرزِ تخاطب بھی پریشان کن ہوتا ہے۔ یہ پریشان ملازمین جب اپنی مشکلات اور مسائل لے کر آستانۂ قاسمی پر پہنچتے اور حضرتؒ سے ملتے تو بعض مرتبہ کوئی زیادہ پریشان ملازم بہت سخت بات کہہ دیتا۔ حضرتؒ نہایت تحمل اور شفقت سے سنتے اور ممکن ہوتا تو حل بھی فرماتے، کبھی ملازمین کی آپس میں نوک جھونک ہوجاتی اور نوبت حضرتؒ کی خدمت میں حاضری کی پیش

آتی۔ حضرتؒ نہایت خوش گوار انداز میں سمجھاتے اور آپس میں صلح صفائی کرادیتے۔

جامع مسجد کے آخری ایام میں دفاتر ''طیب منزل'' میں منتقل ہوئے، جن میں کتب خانہ بھی تھا، کتب خانہ کے ناظم سبحان خاں صاحب مرحوم تھے جو دارالعلوم میں کم وبیش چالیس سال کتب خانہ میں رہے۔ خاں صاحب تھے مزاجاً سخت اور کرخت، بعض مرتبہ اساتذہ کے ساتھ بھی جھڑپ ہوجاتی مگر دل کے صاف اور مومن آدمی تھے۔ لڑتے اور کچھ دیر کے بعد نہ صرف معافی مانگ لیتے بلکہ کتب خانہ میں موجود سب کی چائے وغیرہ سے ضیافت بھی کرتے۔ بہت عجیب شخص تھا، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ میرے ساتھ بھی ایک مرتبہ کسی بات پر لڑ بیٹھے، بات دور نکل گئی، جب مدرسہ کا وقت ختم ہوا تو کتب خانہ بند کر کے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میری شکایت کی۔ حضرتؒ نے مجھے بلالیا، جب میں حاضر ہوا تو ظریفانہ انداز میں فرمایا: بھائی اتفاق سے جب ایک جگہ رہتے ہیں تو نااتفاقی کے لیے دوسری جگہ جائیں گے؟ نااتفاقی بھی اسی جگہ ہوگی، پھر اس موضوع پر اتنے سنجیدہ اور عالمانہ مضامین بیان فرمائے کہ اس کے بعد جی چاہتا رہا کہ خاں صاحب سے روزانہ لڑیں تاکہ حضرتؒ کی حکیمانہ اور عالمانہ گفتگو سے محظوظ ہونے کا موقع ملے۔

بحیثیت مہتمم حضرتؒ کا سب سے عظیم الشان بلکہ تاریخی اور انقلابی کارنامہ دونوں اداروں کے اختلاف کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا ہے جو بظاہر بہت مشکل کام تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے والد محترم کا ساٹھ سالہ اہتمام دیکھا ہو اور اس کے بعد عالم ضعف میں وہ حادثہ بھی پیش آیا جس نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا، وہ اگر فریق مخالف سے صلح کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہے تو یہ معمولی بات نہیں۔ تکلیف اٹھانا، مصائب سے دوچار ہونا، اتنا مشکل نہیں جتنا کہ تمام تلخیوں کو نظر انداز کر کے صلاح کے لیے ہاتھ بڑھانا مشکل ہوتا ہے۔ حضرتؒ نے اس باب میں بھی خاندانی شرافت کا پورا پورا ثبوت پیش کیا اور ایک ایسے وقت میں ماضی کی تمام تلخیوں کو فراموش کر کے اختلاف کی اس دیوار کو گرادیا جو دارالعلوم اور دارالعلوم وقف ہی کے درمیان حائل نہیں تھی بلکہ اس نے ملت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ یہ حوصلہ، یہ اعلیٰ ظرفی واقعی ایک مثالی چیز ہے جس کو تاریخ فراموش نہیں کرسکتی۔

آج کے دور میں غیبت کا مرض عام ہے، بالخصوص علماء کے حلقہ میں یہ مرض زیادہ ہے، کسی کی اچھائی سے گفتگو کا آغاز ہوتا ہے اور برائی پر اختتام۔ حضرتؒ اپنے ماتحتوں اور ملنے والوں کی ہر بات سن لیتے مگر غیبت نہیں سنتے تھے، جب کوئی دوسرے کی گفتگو کرتا کہ فلاں صاحب ایسے ہیں یا ایسا کہہ رہے تھے تو آپ کو انتہائی ناگوار ہوتا اور فوراً ٹوک دیتے کہ آپ اپنی بات کیجیے۔ دوسرے سے کیا مطلب، میں اس کو بحیثیت مہتمم آپؒ کی خوبیوں میں اس لیے شمار کرتا ہوں کہ مہتمم صاحبان اکثر غیبت سننے کے عادی ہوتے ہیں، اگر کوئی غیبت نہیں کرتا تو خود شروع کردیتے ہیں جیسے کوئی بہت ہی مبارک عمل ہے جس کا ترک ثواب

سے محرومی کا باعث ہے۔

اہتمام میں طرح طرح کی درخواستیں آیا کرتی ہیں اور روزانہ درخواستوں کا انبار لگ جاتا ہے، پیش کار حضرات درخواستیں دیکھ کر ان پر ضابطہ کی عبارت لکھ دیتے ہیں اور پھر ذمہ دار کے دستخط ہوجاتے ہیں۔ حضرتؒ صرف دستخط ہی نہیں کرتے تھے بلکہ پہلے پوری درخواست پڑھتے اور پھر اس پر دستخط فرماتے۔

ایک مرتبہ ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ حضرتؒ سفر میں تھے، اپنی عدم موجودگی میں اہتمام کی ذمہ داری مولانا عبدالرؤف عالی صاحبؒ (پیشکار) کے سپرد فرما گئے۔ مولانا عبدالرؤف صاحبؒ ویسے تو بڑے فاضل اور سنجیدہ انسان تھے مگر کبھی کبھی دماغ الجھ بھی جاتا تھا، جب درخواستوں پر دستخط کرنے بیٹھے تو ان میں ایک درخواست جو رخصت کی تھی اس کے نیچے لکھ دیا ''پانچ کلو چینی اور دو لیٹر تیل منظور کیا جاتا ہے'' اور ایک درخواست جو برابر میں رکھی تھی وہ چینی اور تیل کے لیے تھی، اس پر لکھ دیا ''دو روز کی رخصت منظور کی جاتی ہے۔''

حضرتؒ تعلیم کے آغاز پر اساتذہ کے نام جو تحریر قلم بند فرماتے وہ بڑی جامع اور علمی انداز کی ہوتی، نہیں لگتا تھا کہ مہتمم صاحب کی تحریر ماتحتوں کے نام ہے، جس کا انداز تخاطب حاکمانہ ہوا کرتا ہے بلکہ اساتذہ کو بڑی اہمیت دیتے اور انتہاء یہ کہ مشفقانہ انداز میں اپنے فرائض کی طرف توجہ دلاتے۔

حضرتؒ اور حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ دونوں ایک دوسرے سے انتہائی درجہ محبت رکھتے تھے۔ جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو دونوں حضرات مل بیٹھتے اور مسئلہ کا حل نکالتے۔ آپس میں مذاق بھی خوب چلتا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے راقم الحروف اور مولانا عبدالرؤف عالی صاحبؒ حضرتؒ کی خدمت میں موجود تھے، اچانک شاہ صاحبؒ دروازے سے داخل ہوئے۔ حضرتؒ فوراً کھڑے ہوگئے، شاہ صاحبؒ نے ہنستے ہوئے فرمایا: یہ کیا بات ہے کہ مجھے دیکھ کر لوگ ایسے کھڑے ہوجاتے ہیں جیسے سانپ کو دیکھ کر۔ حضرتؒ نے برجستہ فرمایا: نہیں دونوں میں فرق ہے۔ جب سانپ کو دیکھ کر آدمی کھڑا ہوتا ہے تو اس کے ہاتھ میں لاٹھی بھی ہوتی ہے (اتفاقاً اس وقت حضرت کے پاس آپ کی چھڑی بھی رکھی ہوئی تھی) یہ دیکھئے میرے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے۔ پھر دونوں حضرات بہت کھل کر ہنسے۔

دارالعلوم وقف جب اپنی جدید عمارت میں منتقل ہوا تو اساتذہ و ملازمین کو شہر سے لانے لے جانے کے لیے ایک اوسط درجہ کی گاڑی خریدی گئی، جس کا نام حضرت شاہ صاحب نے ''رہوار'' رکھا تھا۔ ایک مرتبہ میں حضرتؒ کے پیچھے والی سیٹ پر بیٹھا تھا، حضرتؒ نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔ فرمایا: اوہو! آپ ہیں، پھر خیریت دریافت فرمائی اور یہ بھی پوچھا کہ رہائش کہاں ہے؟ عرض کیا خانقاہ میں۔ فرمایا: خانقاہ میں گندیلے بھی تو رہتے تھے؟ میں نے عرض کیا وہ تو چلے گئے مگر گندگی اور مکھیاں چھوڑ گئے۔ اس پر حضرتؒ نے لطیفہ سنایا کہ ایک شخص ریڑھی پر کھجور بیچا کرتا تھا، ایک دروازہ کے سامنے آواز لگاتے ہوئے پہنچا

تو اندر سے ایک خاتون آئی اور کہنے لگی ''کھجور دکھاؤ کیسی ہیں؟'' اس نے کہا: ''کھجور تو سامنے ہیں، دیکھ لیجیے۔'' خاتون بولی ''سامنے کہاں ہیں؟ ان پر تو کالا کمبل پڑا ہوا ہے۔'' کھجور بیچنے والا بولا ''بہن جی! یہ کمبل نہیں ہے۔'' خاتون بولی: ''پھر کیا ہے؟'' کہنے لگا ''یہ تو مکھیاں ہیں۔''

جامع مسجد کے زمانے سے لے کر دارالعلوم وقف دیوبند کے اپنی عمارت میں منتقل ہونے تک کیسے کیسے حالات اور کیسی کیسی مشکلات آئیں، حضرتؒ نے حسن تدبیر اور ہمت سے ان سب کا مقابلہ کیا اور ادارہ کو ایک ایسی سطح پر پہنچا دیا کہ اتنے قلیل عرصہ میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اخیر کے چند سال پیرانہ سالی اور عوارض میں گزرے مگر خدا تعالیٰ نے انہیں وہ ہمت اور حوصلہ عطا فرمایا تھا کہ ان حالات میں بھی دارالعلوم وقف دیوبند کی ترقی واستحکام کے لیے بدستور کوشاں رہے۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرتؒ کو قدرت نے علمی کمالات کے ساتھ نظم وانتظام کا بھی گہرا شعور عطا فرمایا تھا جس کی زندہ شہادت دارالعلوم وقف دیوبند کا وجود اور استحکام ہے۔ رب کریم حضرتؒ کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی علمی یادگار دارالعلوم وقف دیوبند کو مزید ترقیات اور استحکام نصیب فرمائے۔ آمین

❖ ❖ ❖

جانشین حکیم الاسلامؒ

جنہوں نے ستر سال علوم نبوت کی مسند سجائی

مولانا عبدالمتین منیری ❖

جس کا دھڑکا تھا، آخر وہ گھڑی آہی گئی، دو تین روز زندگی اور موت کی کشمکش میں گزار کے ۲۶/رجب المرجب کی دوپہر حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اور برصغیر میں علمی روایت کے ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا۔

آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء کو دیوبند میں ہوئی تھی۔ اس طرح آپ نے ۹۵ سال اس دار فانی میں گزارے۔ ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء میں علامہ محمد انور شاہ کشمیری (ف ۱۹۳۳ء) نے آپ کی بسم اللہ خوانی کرائی تھی، علاوہ ازیں آمد نامہ جیسی ابتدائی فارسی کتاب کے چند اسباق بھی آپ کو پڑھائے تھے۔ (اس کا تذکرہ مولانا اور آپ کے رفیق حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری مرحوم بھی کیا کرتے تھے) البتہ آپ کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز پیرجی شریف احمد گنگوہیؒ سے ہوا تھا۔ علامہ کشمیری علیہ الرحمۃ کو دیکھنے والا طبقہ آپ پر اختتام پذیر ہوا۔

آپ نے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ سے ۱۳۶۲ھ میں میزان الصرف کے اسباق پڑھے تھے، اب حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ سے باقاعدہ سبق لینے والا اس دنیا میں کوئی باقی نہیں رہا، اس طرح آپ حضرت حکیم الامتؒ کے آخری شاگرد ثابت ہوئے۔

دارالعلوم دیوبند سے آپ کی فراغت ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء کو ہوئی، یہاں آپ کو علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ، شیخ التفسیر مولانا فخر الحسن علیہ الرحمہ جیسے اساطین علم کی شاگردی حاصل ہوئی، اس دوران مختلف اوقات میں حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سلیم اللہ خان صاحبؒ، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہٗ اور حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن نعمانی صاحبؒ جیسے ملت اسلامیہ کے آسمان کے چاند اور تارے آپ کے شریک درس رہے۔

مولانا کی شہرت حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب علیہ الرحمہ کے فرزند ارجمند کی حیثیت

❖ نگراں بھٹکلیس ڈاٹ کام، مقیم حال دبئی

سے رہی، دنیا نے آپ ہی کو حضرت حکیم الاسلامؒ کا جانشین مانا۔ یہ بات دنیا جانتی ہے کہ حضرت حکیم الاسلامؒ بانئ دارالعلوم دیوبند کے پوتے اور آپ کے علم وحکمت کے امین تھے، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت حکیم الامت تھانوی علیہم الرحمۃ وغیرہ اساطین علم سے کسب فیض کیا تھا، حضرت حکیم الاسلامؒ نے مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی علیہ الرحمۃ کے دور میں نائب مہتمم کی حیثیت سے ۱۳۴۱ھ سے ۱۳۴۸ھ تک آٹھ سال خدمات انجام دی، اور آپ کی رحلت کے بعد (۵۳) سال تک مسلسل دارالعلوم دیوبند کے منصب اہتمام پر فائز رہے۔ آپ کے دور اہتمام میں آپ کے اساتذہ کرام کی ایک بڑی تعداد دارالعلوم میں منصب تدریس وتربیت پر پائی جاتی تھی، یہ دارالعلوم کا زرین دور شمار ہوتا ہے، اس دور میں دارالعلوم نے عالمی شہرت پائی، اور یہ ادارہ از ہر ہند کی حیثیت سے متعارف ہوا۔ اس شہرت میں جہاں اس ادارے سے وابستہ اور تدریسی خدمات پر فائز اکابرین کی قربانیاں شامل ہیں وہیں عامۃ الناس میں اسے مقبول بنانے اور اس کی دعوت وفکر کو عام کرنے میں آپ کے اسفار اور خطبات نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ لہٰذا بانئ دارالعلوم کے بعد آپ کو معمار ثانی کہا گیا۔

حضرت حکیم الاسلامؒ اپنے دور کے عظیم ترین خطیب شمار ہوتے تھے، ہما شما کا کیا ذکر حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی صاحبؒ جیسے علم وادب کے مینار نے آپ کو اپنے دور کا سب سے بڑا خطیب قرار دیا تھا، قاری صاحب کی خطابت دھیمی آنچ کی طرح تھی، اس میں اتار چڑھاؤ کم ہی ہوتے تھے، ایک بہتا دریا تھا جو بغیر روک ٹوک آگے ہی بڑھتا چلا جاتا تھا۔ اس میں نہ چیخ اور دھاڑ ہوتی تھی، نہ راگوں کا الاپ، لیکن زبان تھی کہ رکتی نہیں تھی، الفاظ ایسے نکلتے جیسے پھول جھڑ رہے ہوں۔ تین چار گھنٹے کے خطاب میں جملوں کا تکرار شاذ ونادر ہوتا۔ تشریح ایسی کرتے کہ عوام کے سامنے مشکل سے مشکل مسائل پانی ہوجاتے۔

ایک زمانہ تھا کہ عروس البلاد ممبئ میں بدایوں، مارہرہ اور بریلی کے واعظوں کا غلبہ ہوا کرتا تھا، کسی صحیح العقیدہ عالم کی مجال نہیں تھی کہ یہاں بیانات کرے۔ بڑوں سے سنا کہ جب یہاں پہلے پہل جب قاری صاحبؒ کے بیانات رکھے گئے تو سارے شہر میں مخالفین کے پوسٹر لگ گئے کہ شیطانوں کا سردار آرہا ہے، اس زمانے میں ممبئ میں پشاوری اور افغانی پٹھانوں کی بڑی تعداد آباد تھی، پھلوں اور میوؤں کی تجارت کے علاوہ ان میں خاصی بڑی تعداد جرائم پیشہ افراد کی بھی تھی، جو اکسانے پر مرنے مارنے کے لیے آمادہ ہوجاتی تھی، منفی پبلسٹی سے متاثر ہوکر شیطان کے سردار کا سر توڑنے کی غرض سے ایسا ہی ایک پٹھان قاری صاحبؒ کی مجلس میں لٹھ لے کر پہنچا، وہاں آپؒ کی ملکوتی شخصیت نے اسے ہکا بکا کردیا، آپکے منہ سے پھول جیسے بول جھڑتے دیکھ کر اس کی زبان گنگ ہوگئی، اس نے وہیں نہ صرف علی الاعلان توبہ کی بلکہ الٹے آپ کے لیے مرنے مارنے پر تیار ہوگیا۔ اس طرح شقی سے شقی لوگ آپ کی دعوت سے متاثر ہوتے رہے۔ پھر تو ممبئ

میں مسلک دیوبند کے خطیبوں اور عالموں کا ایک ریلا لگ گیا اور آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مولانا ابوالوفا شاہجہانپوریؒ، مولانا قاری ودود الحی نفیس لکھنویؒ، جناب پالن حقانی نے تو یہاں کا نقشہ ہی بدل دیا۔

حضرت حکیم الاسلام علیہ الرحمۃ ایک عرصہ تک رمضان المبارک میں بھنڈی بازار کی نواب ایاز مسجد میں درس قرآن دیا کرتے تھے، آپ کے ایک مرید خاص صوفی عبدالرحمٰن مرحوم صاحب نے انہیں ریکارڈ کرنے کا اہتمام کیا تھا اور آپ کے پانچ سو (۵۰۰) تفسیر قرآن کے دروس محفوظ کئے تھے، جنہیں آپ سے جنوبی افریقہ کے ایک بزرگ مولانا محمد اسماعیل کتھرادا صاحب بڑی ریل سے چھوٹے کیسٹوں میں منتقلی کے وعدے کے ساتھ ۱۹۸۵ء کے آس پاس لے گئے تھے، صوفی صاحب نے حضرت کی رحلت کے بعد حکیم الاسلام اکیڈمی کے نام سے ایک ادارہ بھی قائم کیا تھا، اور وہاں سے کئی ایک سورتوں کی تفسیر بھی شائع کی تھی، اگر یہ ذخیرہ دستیاب ہوجائے اور اس پر محنت کی جائے تو اردو لٹریچر میں علوم قرآن کے ایک عظیم ذخیرہ کا اضافہ ہوسکتا ہے۔ حضرتؒ کی زندگی ہی میں اس ناچیز نے آپ کی تقاریر کی ریکارڈنگ کی تلاش اور ان کی حفاظت کی درخواست کی تھی، اور ذرہ ذرہ کرکے آپکے ڈھائی سو کے قریب خطبات کے کیسٹ جمع کئے تھے۔ ان کیسٹوں کی فہرست سازی اور ایک دوسرے سے انہیں نمایاں کرنے اور پہچان کی غرض سے خطبہ کے شروع کی آیت یا حدیث کو بنیاد بنایا تھا، ہمارے جمع کردہ یہ خطبات ۱۹۶۰ء سے رحلت تک تقریبا بیس سال کے عرصہ پر محیط تھے، اور یہ انگلستان، افریقہ، بھارت، پاکستان اور ملکوں ملکوں کی مجالس پر پھیلے ہوئے تھے، اس کوشش کے دوران ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب یہ انکشاف ہوا کہ ان میں سے ہر خطبے کا آغاز الگ الگ آیت یا حدیث سے ہوا تھا، خطبہ کے آغاز میں ان کا تکرار شاید ایک یا دو خطبات ہی میں پایا گیا تھا۔ یہ تھے علم وحکمت کے بحر بے کراں جن کی جانشینی حضرت مولانا محمد سالم قاسمی علیہ الرحمۃ کے حصے میں آئی تھی۔

اپنے والد ماجد کے دور اہتمام میں ۱۹۴۸ء سے بتیس سال تک دارالعلوم میں آپ نے بحیثیت مدرس خدمات انجام دیں، اس دوران آپ اپنے والد ماجدؒ کا سایہ بن کر رہے، اور آپ سے فیض حاصل کرنے کا سلسلہ بھی جاری رہا، تصوف کی راہ میں آپ نے پہلے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری علیہ الرحمہ کی ہاتھوں پر بیعت کی، آپ کی رحلت کے بعد حضرت حکیم الاسلامؒ کے خلیفہ اور مجاز بیعت ہونے کا شرف حاصل ہوا، اس طرح آپ علوم نانوتویؒ کی جسمانی اور روحانی امین بن گئے۔

دارالعلوم کے جن طلبہ نے آپ کو دوران طالب علمی دیکھا ہے، ان کی گواہی ہے کہ مولانا کے دروس حشو وزوائد سے پاک ہوا کرتے تھے، پابندی وقت کا آپ بہت خیال رکھتے تھے، اور اسباق بڑے دلنشین انداز میں پڑھاتے تھے، آپ کی تدریس کے پینتیس (۳۵) سالہ دور میں آپ سے فیض پانے والے

علماء میں سے بہت سارے آسمان علم کے چاند تارے بن گئے، ان شخصیات میں دار العلوم کے موجودہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سعید احمد پالنپوری صاحب کی نسل کے اساتذہ بھی پائے جاتے ہیں۔ مولانا تعلیم و تعلم کے آدمی تھے، آپ کے دروس سیاست اور پارٹی بازی سے پاک ہوا کرتے تھے۔

آپ کی زندگی میں سب سے کٹھن وقت اس وقت آیا جب آپ کے والد ماجدؒ کے ساتھ آپ کو بھی اپنے آباء و اجداد کے قائم کردہ گہوارۂ علم سے الگ ہونا پڑا، یہاں آپ نے بولنا سیکھا تھا، اس سایہ دار درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں زندگی کے پچپن سال گزارے تھے، آستانۂ قاسمی اس کے سامنے ہی واقع تھا، اس وقت دل پر کیا گزرتی ہوگی جب آپ پر اس کے دروازے بند کر دئے گئے ہوں۔ اللہ کا شکر ہے آنکھ بند ہونے سے پہلے گلے شکوے دور کر کے اس دنیا سے اٹھے، جب جنازہ اٹھا تو دل کدورتوں سے پاک تھا۔ ویسے آپ نے اپنے خالق کے سوا بندوں کا گلہ شکوہ ہی کسی سے کب کیا تھا؟ آپ تو عفت لسانی کا نمونہ تھے۔

مولانا خوش قسمت تھے جو آنکھیں بند ہونے سے پہلے پہلے روشن سورج کی طرح حضرت حکیم الاسلام علیہ الرحمہ کی فراست، اور فیصلوں کی درستگی کا ثبوت دیکھ گئے، آج سے نصف صدی پیشتر اپنے دور اہتمام میں حضرت قاری صاحبؒ نے دار العلوم کے بعض اساتذہ کی جماعتی اور گروہی سرگرمیوں اور اس کے لیے جوڑ توڑ کو دیکھتے ہوئے ہدایت کی تھی کہ وہ دو کشتیوں میں پاؤں نہ رکھیں، تدریس اور جماعتوں کے عہدوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں۔ بعضوں کو یہ بات پسند نہیں آئی انہوں نے تدریس پر پارٹی مفادات اور عہدوں کو ترجیح دی، اور حضرت قاری صاحب کے خلاف جوڑ توڑ شروع کی جو دار العلوم کے انتشار پر منتج ہوئی، اس انتشار کے تیس سال بعد تاریخ نے خود کو دہرایا، اب کی بار شوری نے ناظم تعلیمات اور نائب مہتمم کو نوٹس جاری کیا کہ وہ اپنی جماعت کی صدارت یا دار العلوم کے عہدے میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں۔ بات یہاں تک نہیں رکی بلکہ شوری نے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے دوسری ایک ایسی جماعت کی سرگرمیوں پر دار العلوم کے احاطے میں پابندی عائد کر دی جس کے بارے میں عام خیال تھا کہ اس نے دار العلوم کے بطن سے جنم دیا تھا۔ اس طرح حضرت حکیم الاسلام علیہ الرحمہ کا پیغام کہ اساتذہ اور طلبہ کو اولین ترجیح تعلیم و تدریس کو دینی چاہیے اور اس کے لیے یکسوئی اور تندہی سے اپنی صلاحیتیں صرف کرنی چاہیے، اسی یکسوئی سے دیوبند نے وہ علماء، فقہاء اور محدثین پیدا کئے تھے جن پر بجا طور پر مسلمانان ہند کو فخر حاصل ہے۔ یہی موقف حضرت حکیم الاسلام علیہ الرحمۃ کے پیر و مرشد حضرت حکیم الامت تھانوی علیہ الرحمہ کا بھی تھا، جب حکیم الامت علیہ الرحمۃ کو محسوس ہوا کہ دار العلوم پر جذباتی پارٹی بندی کا غلبہ ہو رہا ہے اور اس رویہ کی اصلاح آپ کی دسترس سے باہر ہے تو دار العلوم کی سرپرستی سے کنارہ کش ہو گئے۔

حضرت حکیم الاسلام علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے دلوں پر دار العلوم

سے نکلنے کے بعد اس کے بالمقابل ایک دوسرے دارالعلوم کا قیام بہت شاق گزر رہا تھا اور ایک عرصہ تک اس پر دل بھی آمادہ نہیں ہو رہا تھا، لیکن حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری علیہ الرحمۃ اور دوسرے احباب کے اصرار پر کچھ عرصے بعد ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء میں علم دین کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعام کیا تھا، اس کے فیض کو عام کرنے کے لیے ایک نئے ادارے وقف دارالعلوم دیوبند کی تاسیس میں شریک ہوئے، اور تادم واپسیں ﴿۳۶﴾ سال تک اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علم دین اور دعوت کی خدمت انجام دی۔ اللہ کی ذات حکمت والی ہے، انتشار میں بھی منفعت کی راہ نکل آئی، آج وقف دارالعلوم دیوبند کی دوسری آنکھ بن گیا ہے، روز بروز ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور اس سے فیض کا سلسلہ جاری وساری ہے۔

ہمارا قصبہ بھٹکل، شمالی ہند سے دور ایک کنارے پر ہونے کے باوجود بڑا خوش قسمت رہا ہے۔ یہاں کے باشندگان کو علمائے دین سے ایک گونہ تعلق رہا، یہاں کی شخصیات میں سے اسماعیل کوبٹے مرحوم کو حضرت حکیم الاسلامؒ سے بڑا پرانا تعلق تھا، آپ ہی کی رہنمائی میں آپ نے ہبلی میں انجمن درس قرآن قائم کی تھی۔ اور اسے مستحکم کرنے اور اسے باقاعدہ دارالعلوم کی شکل دینے کی غرض سے مبلغ دیوبند مولانا ارشاد احمد مرحوم کے برادر مولانا ریاض احمد فیض آبادی مرحوم کو سنہ پچاس کی دہائی میں حضرت حکیم الاسلامؒ نے بھیجا تھا۔ اس دوران ہبلی میں مسلمانوں کے قبرستان میں قادیانیوں کی تدفین کا قضیہ اٹھا، مولانا ریاض احمد نے تحریک چلائی، اور مقدمہ کی پیروی کی، جس کے نتیجہ میں تاریخ میں پہلی بار کسی کورٹ نے قادیانیوں کے کافر ہونے کا فیصلہ صادر کیا، یہ فیصلہ غالباً ۱۹۵۷ء میں صادر ہوا تھا، یہی انجمن درس قرآن بعد میں ریاض العلوم بن گیا۔ حضرت حکیم الاسلام اور حضرت مولانا محمد سالم صاحبان ان دنوں ہبلی سے ہوتے ہوئے پہلی مرتبہ بھٹکل تشریف لائے تھے، ویسے بھٹکل والوں میں الحاج محی الدین منیری اور ڈاکٹر علی ملپا مرحوم سے آپ کے دیرینہ تعلقات تھے، منیری صاحب کے انجمن خدام النبی۔ حج کمیٹی ممبئی سے وابستگی نے بھی ان تعلقات کو مضبوط تر کیا تھا، اور چوں کہ اس زمانے اہل بھٹکل کی بہت بڑی تعداد بھنڈی بازار اور خاص کر مسجد اسٹریٹ میں اقامت پذیر تھی تو حضرت حکیم الاسلامؒ اور حضرت مولانا محمد سالم قاسمی علیہ الرحمۃ سے انہیں براہ راست استفادے کا موقعہ ملا۔ ۱۹۷۶ء میں ایمرجنسی کے دور میں حضرت حکیم الاسلامؒ بھٹکل تشریف لائے تھے، مایوسی کے اس دور میں مدارس دینیہ کی بقاء کے موضوع پر آپ کا خطاب الہامی حیثیت رکھتا ہے، مدارس دینیہ سے وابستہ افراد کو اسے بار بار سننا چاہیے۔ اسی تقریر سے اس ناچیز نے اکابر کی مجالس کی ریکارڈنگ اور ان کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا تھا، جس کا ثمر بھٹکلیس ڈاٹ کام www.bhatkallys.com کی صورت میں آپ حضرات کے سامنے موجود ہے۔ اب یہ ایک ایسا

سر چشمہ بن گیا ہے جس سے دنیا سیراب ہو رہی ہے۔

وقف دارالعلوم پر ابتدا میں بڑا سخت وقت آیا، ایک طرف مخالف پراپیگنڈہ، وسائل محدود، بنیادی طور پر حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا مزاج بھی چندے والوں کا نہیں تھا۔ نوزائیدہ ادارے سے مربوط ہونے والے زیادہ تر افراد بزرگ اور ریٹائرڈ عمر کو پہنچ چکے تھے، انہوں نے اپنا خون نچوڑ کر اپنی مادر علمی کو دے دیا تھا، لیکن ان کی جسمانی قوت ان کے بلند حوصلوں کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھی۔ خود مولانا بھی اس وقت ٦٠ کے پیٹھے میں تھے، ادارے قائم کرنے اور چلانے کے لیے نوجوان خون کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن اللہ نے ہمت دی تھی، توفیق الٰہی ساتھ ساتھ چلتی رہی، نیتیں نیک تھیں، مقصد صالح تھا، اللہ نے رکاوٹوں کو دور کیا۔ اسی پریشانی کے عالم میں مولانا سے ہماری پہلی ملاقات ١٩٩٨ء میں دبئی میں ہوئی تھی۔ اس وقت یہاں پر بھٹکلی احباب میں سے مظفر کولا صاحب، اور حضرت حکیم الاسلامؒ کے مخلص مرید عزیز الحق بنگالی مرحوم جو ممبئی میں اپنی تجارت کو لپیٹ کر پیرانہ سالی میں اب یہاں جد و جہد کر رہے تھے، اور پھر حاجی عبد الرزاق رصاصی مرحوم نے آپ کا خیال رکھا، مولانا کی اس رفاقت میں آپ کی شگفتہ مزاجی کا احساس ہوا، دور سے جو زاہد خشک نظر آتے تھے، ان کی مجلسوں کا رنگ ہی الگ تھا، ادبی ذوق رگ و پئے میں بھرا ہوا تھا، برجستہ اشعار ایسے بیان کرتے کہ دوسرے اکابرین میں اس کی دوسری مثال شاید و باید ہی ملے، ہماری آواز کے ذخیرے سے بہزاد لکھنوی، ماہر القادری، جگر مرادآبادی کا کلام سن کر جھوم اٹھتے۔ یہ ذوق غالباً نسل در نسل آپ میں منتقل ہوا تھا، کیوں کہ آپ کے والد ماجد تقریر میں جو زبان استعمال کرتے تھے، لسانیات کے جو نکتے بیان کرتے تھے، اور اس میں جو سلاست اور فصاحت ہوا کرتی تھی، یہ خون میں ادبی ذوق سرایت کئے بغیر ممکن نہیں تھا، ویسے آپ کی ہمشیرہ اور مایہ ناز صحافی مولانا حامد اللہ انصاری غازی کی اہلیہ ہاجرہ نازلی کا شمار اردو کی بہترین ناول نگار خواتین میں ہوتا ہے۔

مولانا اپنے دوستوں، ساتھیوں اور شاگردوں کے ستائے ہوئے تھے، دارالعلوم کے تنازعے میں اور وقف کے قیام کے بعد ذہن و دماغ پر بہت زیادہ بوجھ پڑ گیا تھا، لیکن مجال تھی جو حرف شکایت زبان پر لاتے۔ کئی بار مولانا کے ساتھ رہنے کا موقعہ ملا، بڑا بے تکلفانہ ماحول ہوتا، بات چیت میں اپنائیت کا احساس ہوتا، اس دوران آپ کی غیبت کرنے والوں کا تذکرہ کسی چاہنے والوں سے آتا، لیکن کیا مجال تھی جو کبھی آپ کی زبان حرف شکایت سے داغدار ہو جائے۔ یہ آپ کے کردار کی عظمت تھی، جس نے آپ کو ہمیشہ سر بلند رکھا، بلندیٔ کردار کے ایسے نمونے اب اہل علم میں ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ آپ کے ساتھ جو کچھ برا ہوا انہوں نے اسے بھلا دیا تھا۔ مولانا اسعد مدنی مرحوم سے بستر مرگ پر جا کر ملے اور دلوں کو صاف کرنے میں پہل کی، مولانا غلام محمد وستانوی کی جگہ پر اہتمام کی ذمہ داری اور جمعیت کے آپسی اختلافات

کے بعد بحیثیت صدر آپ کے انتخاب کی کوششوں کو آپ نے قبول نہیں کیا۔ جس سے محسوس ہوتا ہے کہ دارالعلوم میں جو تنازعہ پیدا ہوا تھا اس کی اساس جاہ و منصب کی خواہش نہیں تھی، وہ ایک اصولی بات تھی جس سے تادم واپسین آپ نے منہ نہیں موڑا، یہ آپ کے اخلاص کی نشانی تھی۔ مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی علیہ الرحمۃ کی رحلت کے بعد صدارت کے لیے ووٹنگ ہوئی تو حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ اور مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب کو یکساں ووٹ ملے، لیکن آپ نے مولانا سید محمد رابع صاحب کے حق میں پلا وزنی کر کے انہیں بورڈ کا صدر بننے میں کردار ادا کیا۔

ایک طویل عرصے سے ان کے پاؤں کمزور ہو گئے تھے، چلنا پھرنا ممکن نہیں رہا تھا، بڑھتی عمر کے ساتھ بیماریاں بھی سایہ فگن رہتیں۔ بیماریوں کا کوئی بھروسہ نہیں تھا کہ کب حملہ آور ہوں، لیکن ملت کے مفاد میں جب تک سانس چلتی رہی ہمیشہ رخت سفر باندھے رکھا، اس حالت میں بھی مسلم پرسنل لا بورڈ کی ایک دن کے اجلاس میں شرکت کے لیے پورے دن کا سفر طے کر کے کئی ایک اسٹیشن اور ہوائی اڈے تبدیل کر کے بمشکل پہنچتے ہم نے بھی دیکھا، اور پیرانہ سالی کی اس ہمت کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔

مولانا اپنے والد ماجد حضرت حکیم الاسلام علیہ الرحمۃ کے حقیقی جانشین واقع ہوئے تھے، تقریر بڑی دل نشین کرتے تھے، جوانی میں انداز میں ٹھہراؤ تھا، لیکن آخر آخر میں بولنے کی رفتار میں کچھ تیزی محسوس ہوتی تھی، لیکن علم و حکمت کی باتیں وہی ہوا کرتیں، فصاحت و سلاست میں بھی وہی حسن پایا جاتا تھا۔

مولانا نے ایک طبعی عمر گذار کر داعی اجل کو لبیک کہا، مولانا اب اس بارگاہ میں پہنچ گئے ہیں، جہاں سے واپس کوئی نہیں آتا، لیکن جب جانے والی کی جگہ پر نہ ہو، خلا بھرنے کی کوئی آس نہ ہو، اور زمانے کو ان کی ضرورت پہلے سے زیادہ محسوس ہو تو کیسے ممکن ہے کہ وہ دلوں میں زندہ نہ رہیں، ستر سال تک جن کے سامنے لاتعداد افراد نے زانوئے تلمذ تہ کیا ہو، اور ان کی جلائی ہوئی شمعوں کی لو سے لاکھوں شمعیں جل اٹھیں ہوں اور ان سے چاردانگ عالم میں علم کی روشنی پھیل گئی ہو آخر ایسی شخصیت کے حق میں دعا کے لیے ہاتھ کیوں نہ اٹھیں گے۔

اللهم اغفرله وارحمه.

❖ ❖ ❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ

بحیثیت محدّث

مولانا مفتی محمد عارف قاسمی ❖

میرے شیخ ومربی مشفق ومکرم استاذ محترم محدث جلیل حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند مؤرخہ ۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء کو اس دنیا فانی سے رخصت ہوکر اپنے تلامذہ کو بلکتا ہوا چھوڑ گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون. بے شک ہر ذی نفس کو اس دنیا سے جانا ہے یہی حکم ربی ہے کل نفس ذائقة الموت. اس کائنات میں بقاء ودوام کسی کو حاصل نہیں، باقی رہنے والی ذات صرف حق سبحانہ وتعالیٰ کی ہے۔ کل من علیها فان. ویبقی وجه ربك ذوالجلال والاکرام.

نظام قدرت ہے کہ کسی کے آنے جانے سے نظام طبعی پر کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن بعض حادثات و واقعات ایسے ہوتے ہیں جو دل ودماغ کو رنج والم کے اثرات سے متأثر کر جاتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی عطاء کردہ توفیق وصلاحیت سے کچھ لوگ ستاروں کی طرح چمکے آفتاب وماہتاب بن کر جہالت وضلالت کا مقابلہ کیا، علم ومعرفت کی جو روشنی اکابر دیوبند کے توسط سے دیوبند میں نمودار ہوئی اور چہار دانگ عالم میں پھیلی، علم ومعرفت، سلوک وطریقت کے اجالے پھیلانے والوں کا مقدس قافلہ اس منزل کی طرف رواں دواں ہے جو مقام رضاء کہلاتی ہے، اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ، جو علم وفضل، اخلاص، اتباع سنت میں اعلیٰ وارفع، مرجع خلائق، معلومات کا خزانہ، زہد وتقویٰ کا پیکر، اکابر واسلاف کا نمونہ تھے۔

آپ ان ہستیوں میں سے تھے جن کے وجود سے علم وعلماء کا وقار قائم ہوتا ہے، اصلاح وتربیت کی محفلیں آباد ہوتی ہیں، جو خود بے قرار رہ کر دوسروں کی راحت کا سامان کرتے ہیں، خودنمائی سے دور ایک ہمدرد انتہائی خلیق وملنسار تھے، آپ کے وجود سے چمن اسلام سرسبز وشاداب رہا، تواضع انکساری کا پیکر، گفتار ورفتار سے، نشست وبرخاست سے وقار جھلکتا تھا، آپ نے دنیا والوں کو تقویٰ وطہارت، ہدایت و استقامت توکل واستغناء کی دولت عطاء کی۔

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

بحمد اللہ حضرت الاستاذ خطیب الاسلامؒ کو من جانب اللہ محبوبیت ومقبولیت حاصل تھی، اللہ رب العزت نے حضرت کے فیوض کو عام کیا ہے، انکا ہر ہر قدم اسلام کی عملی تفسیر ہے۔ان کی زندگی کا ہر لمحہ قوم و ملت کے فائدے کے لیے وقف تھا، بعض شخصیات اس انداز کی ہوتی ہیں کہ ان کا دنیا سے رخصت ہو جانا کسی ایک فرد، خاندان، علاقہ کا نہیں بلکہ پوری علمی دنیا کا خسارہ ہوتا ہے میرے استاذ محترم، میرے شیخ و مربی ان ہی شخصیات میں سے ایک تھے، اللہ رب العزت اپنے فضل وکرم سے جنت الفردوس میں اعلیٰ و ارفع مقام کریم عطاء فرمائے، ان کی قبر کو نور سے منور فرمائے۔آمین

حضرت والا کی شخصیت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، اہل علم وقلم نے ان کی شخصیت کے تقریباً تمام پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، مجھے کچھ باتیں حضرت الاستاذؒ کے انداز تدریس سے متعلق عرض کرنی ہیں جو حضرت کی امتیازی شان تھی میرا اور برادر اصغر مولانا قاری محمد واصف استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند کا جن دنوں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ہوا ان دنوں دارالعلوم دیوبند زبردست خلفشار کا شکار تھا، تعلیم کے لیے جس سکون کی ضرورت ہوتی ہے وہ سکون حاصل نہ تھا، اس دوران دارالعلوم دیوبند پر قبضہ کا واقعہ پیش آیا، جس کے نتیجہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند سے عقیدت ووابستگی رکھنے والے حضرات دارالعلوم دیوبند سے باہر آ گئے۔

میرے والد محترم حضرت مولانا خورشید عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق نائب مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند بھی حضرت حکیم الاسلامؒ سے بے انتہا تعلق رکھتے تھے، وہ دارالعلوم دیوبند کے مقبول ترین اساتذۂ کرام میں شمار ہوتے تھے، لیکن حالات کے نتیجہ میں تقریباً ۸۵/اساتذہ کرام و ملازمین کو دارالعلوم دیوبند کو خیر آباد کہنا پڑا، حضرت حکیم الاسلامؒ سے عقیدت رکھنے والے طلبہ عزیز بھی دارالعلوم سے باہر آ گئے، یہ ہماری تعلیم کا ابتدائی زمانہ تھا۔طلبہ عزیز کو نقصان سے بچانے کے لیے دیوبند کی جامع مسجد میں دارالعلوم وقف دیوبند کا قیام عمل میں آیا، جہاں نہ تپائیاں، نہ کتابیں وافر مقدار میں تھیں اور نہ دیگر راحت و آرام کے اسباب دستیاب تھے۔

جامع مسجد کے اندرونی حصے، بیرونی برآمدے اور بالائی منزل میں اوقات کی تعیین کے ساتھ اسباق جاری ہو گئے۔

مجھے یاد ہے اس کسمپرسی اور آزمائشوں کے دور میں جامع مسجد کے منبر سے دارالعلوم وقف کے تعاون کے لیے خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ۔رئیس المتکلمین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحبؒ، فخر المحدثین حضرت مولانا خورشید عالم صاحبؒ کے مالی تعاون سے ابتدائی ضروریات پوری ہوئیں، حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے جب دارالعلوم دیوبند میں عشرہ فنڈ قائم کیا تو اس وقت بھی حضرت خطیب الاسلامؒ

نے گھر کے ہر فرد کی طرف سے تعاون کیا تھا۔

دارالعلوم وقف دیوبند اپنے ابتدائی دور میں جس بے یقینی کے دور سے گذر رہا تھا اس میں بہت سی مرتبہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید یہ ہمارا اس درس گاہ کا آخری دن ہے، لیکن حضرت خطیب الاسلامؒ کی سرپرستی وقیادت میں یہاں کے اساتذۂ کرام وملازمین کو یقین کامل تھا کہ ان شاء اللہ العزیز یہ مخلصانہ محنتیں رائگاں نہیں جائیں گی، کیوں کہ اس دور انحطاط میں بھی جب کہ مخالفتوں کا طور بندھا ہوا تھا، ہر چہار سو دارالعلوم وقف کے خلاف مختلف قسم کے پروپیگنڈے کئے جارہے تھے، ایسے پرفتن ایام میں انتہائی خاموشی کے ساتھ صبر وہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دارالعلوم وقف پر پوری توجہ مرکوز کرنا حضرت الاستاذؒ کا امتیازی وصف تھا۔ حضرتؒ نے ایسا شعار بنالیا تھا کہ کوئی کچھ بھی کہے اس کی پرواہ کئے بغیر ہمیں اپنے کام سے کام رکھنا ہے، تبھی کامیابی مل سکتی ہے۔

الحمدللہ حضرت الاستاذؒ نے اپنے مخلصانہ رفقائے کرام کے ساتھ جس پودے کی تخم ریزی کی تھی اسے انہوں نے اپنے حیات میں ہی ایسے شجر پر بہار کی صورت میں دیکھ لیا ہے اور اس کی قوت وتوانائی کی طرف سے یک گونہ اطمنان حاصل کرنے کے بعد ہی وہ سفر آخرت پر روانہ ہوئے، حضرت الاستاذ سے ان دنوں بخاری شریف پڑھنے کا موقع ملا جن دنوں ہمارا محبوب ادارہ بیرونی مخالفتوں کے طویل ترین جھونکے جھیل رہا تھا، جس کی وجہ سے بسا اوقات ان کے سادہ لوح ساتھی بھی بدگمانیوں کا شکار ہوجاتے تھے، مجھے یاد ہے زمانہ طالب علمی میں میرا ایک غرض سے گنگوہ جانا ہوا، ایک حکیم صاحب کے پاس وہاں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی، داڑھی سفید تھی، عمر تقریباً ۷۰ سال کے قریب ہوگی، انہوں نے حضرت الاستاذؒ کو برا بھلا کہنا شروع کیا، مختلف الزامات لگائے جن میں ایک الزام یہ تھا کہ مولانا سالم صاحبؒ نے طلبہ عزیز پر گولی چلائی ہے مجھے شدید غصہ آیا۔ میں نے کہا کیا آپ نے حضرت الاستاذؒ کو دیکھا ہے، انہوں نے نفی میں جواب دیا، میں نے کہا جس شخص کے قلم پکڑتے ہوئے ہاتھ کانپتے ہوں وہ کیسے گولی چلاسکتا ہے. غرض اتنی مخالفتوں کے باوجود حضرتؒ کے معمولات میں کوئی فرق نہیں تھا، ان کی تقریر وتحریر سے ہمیشہ ایک پختہ یقین والی کیفیت نظر آتی تھی، طویل اسفار، غیر معمولی مشغولیت کی وجہ سے ہفتہ میں دو دن حضرت الاستاذ کے درس کے متعین تھے اور کوشش یہ ہوتی تھی ان متعینہ دنوں میں طلبہ کا تعلیمی نقصان نہ ہو، عبارت خوانی کرنے والے طالب علم کی نظر کو بھاپ لیتے کہ کہاں پڑھ رہا ہے، سبق کے دوران ان کی نظر صرف علمی پہلوؤں پر ہوتی تھی، خالص درسی اور کتابی تقریر فرماتے ادھر ادھر کی بات قطعاً نہ کرتے، احقر یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ دوران درس حضرت نے کبھی کوئی ایسی بات اشارۃً بھی نہ فرمائی جس سے یہ تأثر ظاہر ہوتا ہو کہ وہ دارالعلوم وقف کے مستقبل اور اس کی تعمیر وترقی کے لیے کتنے زیادہ پریشان ہیں۔

وقت کی پابندی استاذ محترم کا ایسا خاصا تھی جو ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گئی تھی، اگر گھنٹہ شروع ہونے کے بعد پانچ منٹ کے اندر حضرت تشریف نہ لاتے تو طلبہ سمجھ لیتے کہ وہ انتہائی عذر کی بنا پر یا سفر میں ہونے کی وجہ سے تشریف نہیں لائیں گے۔ حضرت الاستاذ اپنے حلم و تدبر، اپنی خوش خلقی و خوش لباس، اوقات کی قدر میں نمایاں مقام کے حامل تھے، یوں تو حضرتؒ کا شمار دارالعلوم کے مقبول اساتذہ میں ہوتا تھا اور تمام علوم میں دسترس ہونے کی وجہ سے وہ اپنے سے متعلق تمام اسباق کا حق اس طرح ادا کرتے تھے کہ ہر استعداد و صلاحیت کا طالب علم مطمئن ہو جاتا لیکن علم کلام ان کا خاص موضوع تھا چناں چہ شرح عقائد پڑھاتے ہوئے ان کی آفرینیاں قابل رشک ہوتی تھیں، فن خطابت میں مہارت کی وجہ سے وہ علم الکلام کے پیچیدہ مسائل کو بھی سہل انداز میں پیش کر دیتے تھے، وہ ایک کامیاب، باوقار معلم و خطیب ہونے کے ساتھ دورس منتظم بھی تھے۔

استاذ محترم کا انداز تدریس بہت دلچسپ ہوتا، درس گاہ میں تشریف لاتے اور عبارت پڑھنے کا حکم دیتے۔ اکثر و بیشتر یہ سعادت احقر یا برادر اصغر کے حصے میں آتی، عبارت خوانی کے دوران حضرتؒ کتاب پر نظر جمائے ہمہ تن متوجہ ہوتے، اگر طالب علم لفظی یا اعراب کی غلطی کرتا تو اس پر متوجہ فرماتے، کوشش یہ ہوتی کہ طالب علم خود ہی درست کر لے اگر طالب علم اس میں کامیاب نہ ہوتا تو آپ اس کی اصلاح فرماتے۔

پوری عبارت کی سماعت کے بعد استاذ محترم پورے شرح و بسط کے ساتھ اس کی تمام تفصیلات بیان فرماتے، امام بخاری علیہ الرحمۃ کے اس حدیث کو اس باب کے ضمن میں لانے کی غرض و منشاء پر تفصیل سے روشنی ڈالتے، جو الفاظ اس حدیث میں نئے معلوم ہوتے ان کی تشریح کے ساتھ ساتھ صرفی، نحوی، لغوی تحقیق فرماتے، پھر اس لفظ کے اس جگہ لانے کی حکمت بھی بیان فرماتے، حدیث جس حوالہ سے ذکر کی گئی وہ اگر ضعیف یا غریب ہے تو اس کے پس منظر کو پوری تفصیل سے بیان فرماتے، راوی پر جرح و تعدیل انتہائی شرح و بسط کے ساتھ فرماتے۔ جب کوئی فقہی مسئلہ درپیش ہوتا اور وہ حدیث فقہ حنفی سے متعارض ہوتی تو فقہ حنفی کے مستدلات کے لیے دوسری قوی تر احادیث کو پیش فرما کر فقہ حنفی کے استدلات کو ثابت فرماتے۔

ائمہ و فقہائے کرام کے بیان مذاہب اور فقہ حنفی کی ترجیحات ایسے انداز سے کرتے کہ دیگر فقہاء کا احترام ملحوظ رہے۔ ان کی عقیدت و محبت پر حرف نہ آئے۔

استاذ محترم کے دارالعلوم دیوبند میں تقریباً تمام فنون کی کتابیں زیر درس رہیں، دورۂ حدیث کی اکثر کتابیں پڑھائیں۔ ملک و بیرون ملک کی معروف شخصیات کو حضرت کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

استاذ محترم کا ذوق شعر و ادب بھی بہت دلچسپ تھا، طلبہ کو بور نہ ہونے دیتے جب دیکھتے کہ طلبہ کا ذہن علمی موشگافیوں سے بوجھل ہونے لگا ہے تو کسی بھی حدیث کے ضمن میں کوئی ایسا واقعہ سنا دیتے، جس سے طلبہ کا ذہن اس طرف منتقل ہو جاتا اور وہ اپنے ذہن کو ہلکا محسوس کرنے لگتے۔ کبھی کبھی یہ ہوتا کہ کوئی عمدہ لطیفہ سنا کر طلبہ کو ہنسنے پر مجبور کر دیتے، کبھی عربی، فارسی، اردو کے شعر سنا کر طلبہ کے ادبی ذوق کو ابھارتے۔

دوران طالب علمی ہمیں یہ محسوس ہی نہیں ہوا کہ ہم جس شخصیت کے سامنے زانوے تلمذ طے کر رہے ہیں وہ اپنے وقت کا اتنا بڑا عالم ہے کہ اس کے سامنے بڑے بڑے علماء دست بستہ، باادب کھڑے رہنے پر مجبور ہیں۔

طلبہ کا اکرام واحترام بھی استاذ محترم کا ایک خاص وصف تھا، وہ طالب علموں سے نہ تو اپنا کوئی ذاتی کام کراتے، نہ ہی انہیں اپنے آگے پیچھے پھراتے، دارالعلوم وقف کا اہتمام وانتظام آپ کے سپرد تھا لیکن آپ نے دوران درس یہ محسوس نہ ہونے دیا کہ وہ کسی الجھن کا شکار ہیں اور نہ ہی طلبہ کو کسی گروپ بازی کا شکار ہونے دیا، طلبہ کے ساتھ انتہائی شفقت کے ساتھ پیش آنا، ان کے مسائل کو سنجیدگی سے سننا، کوئی نزاعی یا اختلافی صورت ہوتی تو اسے ہوشمندی کے ساتھ سلجھانا، حضرت الاستاذ کے ایسے اوصاف ہیں جن پر مستقل لکھا جاتا رہے گا۔

حضرت والا نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ارباب شوریٰ کی تجویز پر تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا اور دارالعلوم کی مسند تدریس پر ۶۵ سال سے زائد میزان سے لے کر بخاری تک درس نظامی کے تمام علوم وفنون کی کتب متداولہ پڑھائیں، آپ کے شاگردوں کی تعداد بھی ہزاروں میں ہے۔ آپ سے اختلاف رکھنے والے بھی ہمیشہ اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ حضرت والا کا انداز تدریس عام روش سے ہٹ کر بہت سادہ اور قابل فہم تھا۔

آج یہ گوہر نایاب ہماری نظروں سے پوشیدہ ہو گیا لیکن استاذ الاساتذہ نے دوران طالب علمی ''استاذی'' کے جو ہنر سکھائے وہ میرے لیے اور ان ہزاروں شاگردوں کے لیے جو تدریس سے مناسبت رکھتے ہیں ایسے مشعل راہ ہیں کہ جن کی روشنی میں ہمیں علم سے ایک گونہ تعلق پیدا ہو گیا۔ ہم عصر علماء ومحدثین کی جماعت میں حضرت خطیب الاسلامؒ کو مختلف جہتوں سے نمایاں مقام حاصل تھا، ہر ایک ان کی سرپرستی کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتا تھا۔

حضرت الاستاذؒ کی سند بڑی عالی وارفع تھی، سند کے عالی ہونے کا معیار واسطوں کا کم سے کم ہونا ہے، حضرت الاستاذ کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب، شیخ عبداللہ بن احمد الناخبی رحمۃ اللہ علیہم کے ساتھ محدث

جلیل حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت حدیث حاصل تھی، جو کہ شاگرد ہیں شیخ عبدالقیوم بڑھانویؒ کے، وہ شاگرد رشید ہیں شاہ اسحٰقؒ کے، اس طرح یہ سند بہت کم واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک پہونچتی ہے، اس کے علاوہ حضرت الاستاذ بڑے فخر کے ساتھ یہ بات فرماتے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا علیہ الرحمۃ نے ازخود بلا کر سند حدیث عطاء فرمائی۔

حضرت والا کی انکساری کا عالم یہ تھا اگر کوئی اپنے سے چھوٹا بلکہ شاگرد بھی اجازت حدیث عطاء کئے جانے کی درخواست کرتا تو حضرت فرماتے پہلے تم مجھے اجازت دو پھر میں دوں گا، مولانا عزیر جنرل سکریٹری مرکزی جمعیۃ علماء ہند نے بتایا کہ میں حضرت کے پاس اجازت حدیث حاصل کرنے گیا اور درخواست پیش کی تو فرمایا علمائے عرب سے تمہیں اجازت حاصل ہے، اس لیے پہلے تم مجھے اجازت دو پھر میں دوں گا مولانا عزیر کہتے ہیں مجھے بڑی شرم آئی لیکن حضرت کے اصرار پر مجھے ایسا کرنا پڑا۔

حضرت بڑے عالی ظرف تھے مسلسلات کے درس میں دارالعلوم وقف دیوبند کے علاوہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم وقف، مظاہر علوم جدید اور قرب وجوار کے دیگر مدارس کے شریک طلبہ دورۂ حدیث کو بھی اپنی سند سے اجازت حدیث عطاء فرماتے۔

بحمداللہ احقر کو حضرت الاستاذ سے تمام کتب متداولہ کے ساتھ حدیث مسلسل بالماء والتمر کی اجازت حاصل ہے، اسی کے ساتھ احقر کا حضرتؒ سے اصلاحی تعلق بھی قائم تھا، بیعت کے بعد خلافت کی ذمہ داری بھی عطاء فرمائی **ذلك فضل اللّٰه يؤتيه من يشاء**

اللہ تعالیٰ نے حضرت الاستاذؒ کو دنیا سے بھی خوب نوازا، مگر دنیا کی محبت دل میں نہ تھی، طریق اصلاح منفرد تھا، بلاشبہ ان کی وفات موت العالم موت العالم کا مصداق ہے اور یہ سانحہ کسی فرد یا خاندان کا نہیں بلکہ پوری علمی دنیا کا ہے لیکن یقین ہے کہ یہ جدائی عارضی ہے ہمیشہ کے لیے نہیں، اب جو ملاقات ہوگی وہ دائمی ہوگی، پھر کبھی جدائی نہیں ہوگی۔ اللہ رب العزت ایمان واعمال صالحہ کے ہم سب کا خاتمہ فرمائے۔ اللہ رب العزت اپنے فضل وکرم سے استاذ محترم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، ان کی خدمات جلیلہ وجمیلہ کو قبولیت سے نوازے۔ آمین

اور ان کے شاگردوں کو اس علم پر عمل کی توفیق عطاء فرمائے جو مرحوم استاذ نے خلوص، نیک نیتی اور نیک نفسی کے ساتھ ایک صالح معاشرے کی تشکیل کے لیے اپنے تلامذہ کو سکھائے۔ آمین یارب العالمین!

❖ ❖ ❖

حضرت خطیب الاسلامؒ: علم وعمل کے چند گوشے

ڈاکٹر شکیل احمد قاسمی ❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ فکر شاہ ولی اللہ کے ترجمان، خانوادۂ قاسمی کے وارث اور راز ہر ہند دار العلوم دیو بند کے باوقار استاد تھے، یہ وہ ادارہ ہے جسے ان کے پردادا حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے رفقاء کے تعاون سے قائم کیا، دادا حضرت مولانا حافظ احمد صاحبؒ نے ۴۰ سال تک اس کی تعمیر وترقی میں حصہ لیا، والد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ نے ۶۰ سال خدمت کر کے اس کے گیسوئے برہم کو سنوار کر اسے عالمی شناخت دلائی اور جہاں خود خطیب الاسلامؒ نے نور الایضاح سے بخاری شریف تک ۳۳ سال پابندی وقت کے ساتھ تدریسی خدمت انجام دی۔ اب یکا یک یہ صورتحال سامنے آئی کہ ۶۰ سال خدمت کرنے والے مہتمم، عالمی شہرت ومقبولیت کے حامل حضرت حکیم الاسلامؒ دار العلوم کے مہتمم نہیں ہیں اور ۳۳ سال تدریسی خدمت انجام دینے والے خطیب الاسلام مولانا محمد سالم صاحبؒ دار العلوم کے مدرس نہیں ہیں، ان لوگوں کا کوئی تعلق ادارے سے نہیں ہے، 'یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے'، لوگ وجہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، جرم کیا ہے؟ جاننا چاہتے ہیں، طویل خدمت کے دورانیہ میں ان حضرات کی کبھی کسی غلطی کی نشان دہی نہیں ہوسکی، یکا یک کیا ہو گیا ہے؟ یہ سوال اور سوالیہ نشان ملک و بیرون ملک قائم ہے۔ حضرت حکیم الاسلامؒ سے کوئی پوچھتا تو کہتے: ''اگر گویم زباں سوزد، نہ گویم استخواں سوزد''۔ خطیب الاسلامؒ سے کوئی پوچھتا تو آہ سرد بھرتے ہوئے زبان حال سے فرماتے: ''داستان درد کہہ دی ایک آہ سرد نے، ہم اگر کہتے تو اتنی مختصر ہوتی نہیں''۔ دار العلوم کے دروازے توڑے جا رہے ہیں۔

بر طرف حضرت حکیم الاسلامؒ اپنے عزیزوں سے فرماتے ہیں: 'اس عمل سے تو دار العلوم کا نقصان ہوگا، چابی ہمارے پاس ہے، دروازہ توڑنے والوں کے حوالے کردو'، صبر ایوبؑ مشہور ہے صبر طیب وسالم پہ غور کیجیے، ان دونوں حضرات نے:

ہر مصیبت کا دیا ایک تبسم سے جواب ☆ اس طرح گردش دوراں کو رلایا اس نے

بولنے والوں سے زیادہ خاموش اکثریت کی حمایت، ان کی جانب سے ہر طرح کے تعاون وتناصر کی پیش کش ہونے لگی، اس صورت حال میں دامن صبر کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور چمن قاسمی کے پھول،

❖ چیئرمین، فاران انٹرنیشنل فاؤنڈیشن، انڈیا

پتوں اور گلاب کے قریب رہنے والے خاروں سے بھی محبت کرنا، حقیقی مالی کے ہی ظرف کی بات ہو سکتی ہے، برطرفی کے فیصلے کی مخالفت کی تجویز آ رہی تھی، دوسرے مقامات سے عہدے، منصب کی پیش کش ہو رہی تھی، طرح طرح کی تجویزیں تھیں جو بہ عنوان محبت سامنے لائی جا رہی تھیں لیکن ان حضرات نے اپنی نفسیات کو ردعمل کے منفی اثرات سے بچایا۔ انہوں نے اختلاف کے دوران بھی اپنے اخلاق کی بلندی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے رکاوٹ بننے اور دارالعلوم پر تالا لگوانے کے بجائے نیا ادارہ کھولنے اور دارالعلوم کی فکر ونظر کو وسعت دینے کا فیصلہ کیا، وہ دارالعلوم کے فریق نہیں بنے بلکہ رفیق بننا انھوں نے پسند کیا۔ بزرگوں کے منہج سے ایسا رشتہ کہ کوئی اسکول، کالج اور عصری تعلیم کے لیے یونیورسٹی نہیں بلکہ فکر قاسمی کی وسعت کے ساتھ ترویج واشاعت اور تعلیم وتدریس کے لیے دارالعلوم وقف کے قیام کا فیصلہ کیا۔ حضرت خطیب الاسلامؒ کی عمر ۱۹۸۳ میں ۵۷ سال ہے، ان کے جوش وجذبہ کو دیکھئے اور ان کی قوت ارادی کو سلام کیجیے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے چھتہ مسجد سے دارالعلوم کا آغاز کیا تھا۔ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی نے جامع مسجد دیوبند سے دارالعلوم وقف کا آغاز کیا۔ نصرت الٰہی کی امید پر نامساعد حالات اور بے سروسامانی کے عالم میں کام شروع کر دیا، ادارے ارادوں سے وجود میں آتے ہیں اور سنگلاخ وادیوں سے گزر کر ہی کوئی قوم مظفر ومنصور ہوا کرتی ہے۔ دارالعلوم وقف کا قیام بھی جہد مسلسل، آبلہ پائی، نالۂ نیم شبی اور آہ سحر گاہی کا نتیجہ تھا۔ اس ادارے کے قیام سے مثبت اور تعمیری ردعمل کے روشن باب کا آغاز ہوتا ہے، ساری صلاحیتیں اور سارے اوقات اب اس ادارے کی تعمیر وترقی میں صرف ہونے لگے، متعلقین، متوسلین اور سارے ہمدردوں کے لیے راہ عمل اس عملی اقدام کے ذریعہ متعین ہو گیا۔

جلانے والے جلاتے ہی ہیں چراغ آخر ☆ یہ کیا کہا کہ ہوا تیز ہے زمانے کی

ادارے نے مختصر مدت میں غیر معمولی ترقی کی، رفتہ رفتہ عالمی سطح پر اسے اعتبار واعتماد حاصل ہوا، اس کے معیار تعلیم کی پذیرائی ہوئی، علمائے امت اور اکابرین ملت نے دارالعلوم وقف کو دارالعلوم دیوبند کی توسیع اور خوشگوار اضافے کے طور پر تسلیم کیا، دونوں اداروں کی مشترکہ کوششوں سے طالبان علوم نبوت کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ ہر سال فضلاء کی تعداد میں خاطر خواہ فرق محسوس ہونے لگا، دارالعلوم وقف کے وسیع وعریض کیمپس اور پر شکوہ تعمیرات نے علماء اور عوام کو مسرور کیا، اس طرح دیکھتے دیکھتے یہ بیاباں، گلشن علم وادب میں تبدیل ہو گیا۔ اور بانی خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کو دارالعلوم وقف کے قیام کے فیصلے پر خراج تحسین اس طرح پیش کرنے لگا:

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں ☆ زہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

ملک میں قائم عصری دانش گاہوں کی خدمات سے کوئی آدمی انکار نہیں کر سکتا بلاشبہ ان اداروں کی

کوششوں سے انسان آج پرندوں کی طرح آسمان میں اڑنے لگا ہے، مچھلیوں کی طرح سمندروں میں تیرنے لگا ہے لیکن ابھی اسے انسانوں کی طرح زمین پر چلنے کا سلیقہ نہیں آیا ہے اور اس سلیقہ کی آگہی تو روحانی تربیت اور دینی تعلیم سے ہی حاصل ہوسکتی ہے، آج اخلاقی اقدار کے گرتے گراف کو مدارس اسلامیہ نے سنبھال کر رکھا ہے۔

یونیورسٹی گرانٹس (.U.G.C) کو اس بات کا اعتراف ہے کہ ہمارے ملک نے اعلیٰ تعلیم (Higher Education) میں ترقی تو کی ہے لیکن مورل ویلوز (Moral Values) ہم نے کھودئے ہیں اس لیے مذہبی، تعلیمی، تہذیبی، ملی اور ثقافتی سرمائے کی حفاظت کے لیے مدارس اسلامیہ کا قیام اور فروغ سب سے ترجیحی کام ہے، جس کو خطیب الاسلامؒ کی دور بینی نے دیکھا اور فکر رسا نے سمجھا۔ حضرت نے قدیم دارالعلوم میں ۳۳ سال تدریسی خدمات انجام دیئے اور ۳۵ سال تک دارالعلوم وقف کے منصب اہتمام کو زینت بخشتے رہے۔

۱۹۶۶ میں ''جامعہ دینیات اردو دیوبند'' کا قیام حضرت خطیب الاسلام کی دوراندیشی، دیدہ وری اور عصری آگہی کا واضح ثبوت ہے، انہوں نے کالج اور یونیورسٹی کے طلباء اور نوجوانوں کے لیے مراسلاتی کورس کے ذریعہ دینی تعلیم کے حصول کو ممکن بنانے کا کام کیا، اس سے لاکھوں طلباء نے فائدہ اٹھایا۔ جامعہ دینیات کی طرف سے سالانہ چار امتحانات ہوتے ہیں، ابتدائی دینیات، عالم دینیات، ماہر دینیات اور فاضل دینیات، ملک کے مختلف مقامات پر اس کے امتحانات کے سینٹر ہیں، اس سے طلباء کی دینی لیاقت میں اضافہ ہوتا ہے، کامیاب طلباء یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے داخلے کے اہل سمجھے جاتے اور داخلے لیتے ہیں، کئی یونیورسٹیوں میں اس کی اسناد تسلیم کی جاتی ہے۔ ایک باخبر عالم دین کے ویژن کو دیکھئے کہ ظاہری طور پر دینی علوم اور دینی مراکز سے دور کالج، یونیورسٹی کے طلباء کے لیے دینی واقفیت کی کوشش عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہوکر کررہے ہیں، اس کام کے لیے ان کے ذہن میں باضابطہ یونیورسٹی کا تصور ہے، انہوں نے ''جامعہ دینیات'' نام دے کر منظم انداز میں ۱۹۶۶ء میں کام شروع کردیا، فاصلاتی نظام تعلیم کو فروغ دینے کے لیے ہمارے ملک میں سرکاری طور پر باضابطہ اوپن یونیورسٹی ۱۹۸۲ء میں قائم ہوئی، ہندوستان میں فاصلاتی نظام تعلیم کے سلسلے کی کوششوں پر بھی ایک نظر ڈالنا چاہیے تاکہ اندازہ ہوسکے کہ خطیب الاسلامؒ کا اقدام کس قدر مقدم، بروقت اور ملت کے نوجوانوں کے لیے دینی اور عصری دونوں لحاظ سے کتنا مفید تھا۔

فاصلاتی اور مراسلاتی تعلیم کا آغاز ہندوستان میں دہلی ہو نیورسٹی سے ہوا، ملک کے ایجوکیشن کمیشن (۶۶-۱۹۶۴) نے فاصلاتی نظام تعلیم کو وسعت دینے کی سفارش کی، اس کے بعد یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (U.G.C) نے ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں اس کو رائج کرنے کے لیے گائیڈ لائن جاری کیا۔ ۱۹۷۰ء کے بعد ۲۱ یونیورسٹیوں نے اسے اپنایا، ۱۹۸۲ء میں باضابطہ آندھرا پردیش اوپن یونیورسٹی قائم ہوئی، جو اب ''ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر اوپن یونیورسٹی'' کے نام سے مشہور ہے، پھر ۱۹۸۵ء میں اندرا گاندھی نیشنل

اوپن یونیورسٹی (IGNOU) وسیع پیمانے پر قائم کی گئی، اس کے بعد فاصلاتی نظام تعلیم کے لیے مزید تین یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ فی الحال ملک کی ۴۵ یونیورسٹیوں کے ذریعہ فاصلاتی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔ اس طرح ہم خطیب الاسلامؒ کی ملی کاوش کو قومی کوششوں سے بھی مقدم پاتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی انگلیاں نبض حالات پر تھیں، حضرت کی اس کوشش کو منظّم کر کے مزید وسعت دینا وقت کا تقاضا ہے، اردو کے ساتھ ساتھ ہندی ذریعہ تعلیم بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کی ضرورت پہلے کے مقابلے میں زیادہ محسوس ہو رہی ہے، ملک کی مختلف یونیورسٹیوں سے اس کی اسناد کو منظور کرایا جا سکتا ہے، مثلاً خواجہ معین الدین چشتی عربی و فارسی و اردو یونیورسٹی لکھنؤ، انٹیگرل یونیورسٹی لکھنؤ، مولانا محمد علی جوہر یونیورسٹی رامپور، مولانا آزاد یونیورسٹی جودھپور، مولانا مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی پٹنہ۔

خطیب الاسلامؒ کل ہند مسلم مجلس مشاورت کے صدر تھے، صدر کے عہدے سے الگ ہو کر مشاورت کو متحد کیا۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر تھے، ان کا حق تھا کہ انہیں صدر بنایا جائے لیکن کئی بار اپنا نام واپس لے کر مسلم پرسنل لاء بورڈ کی روایت اور وقار کو بحال رکھا۔ حضرت مولانا مرغوب الرحمان صاحب کے انتقال کے بعد دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کے منصب کے لیے مسائل پیدا ہوئے، معتبر ذریعہ سے خطیب الاسلامؒ کی خدمت میں یہ عہدہ پیش کیا گیا، معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں پہلے بھی اس عہدے کا طلب گار نہیں تھا اور آج بھی خواہش مند نہیں ہوں۔ امیر الہند کا عہدہ خالی ہوا، جمعیۃ علماء ہند نے طے کیا کہ حضرت اس عہدے کے لیے بہت مناسب ہیں، نیازمندانہ تجویز ان کے سامنے پیش کی گئی، شان استغنا دیکھئے، معذرت کر لیتے ہیں۔

دارالعلوم کا یہ امتیاز رہا ہے کہ تدریسی عمل کے ذریعہ اس نے علماء تیار کیے ہیں اور اس طرح تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہا ہے، ایمان و عقیدہ کی حفاظت ہوتی رہی ہے، اس کے ساتھ ساتھ عوام سے بھی رشتہ بحال رکھا گیا ہے اور اصلاح معاشرہ کا کام بھی بہت موثر انداز میں ہوتا رہا ہے، منقول کو معقول انداز میں پیش کرنے کی روایت بھی رہی ہے۔ موثر خطاب کے ذریعہ لاکھوں کے مجمع کو مختصر وقت میں فکری ارتداد سے بچانے کا کام کیا گیا ہے، اس سلسلے کو خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے بہت ہی مستعدی سے موثر انداز میں قائم رکھا اور عوام الناس کے ایمان و عقیدہ کی حفاظت کا بڑا کام اپنی تقریروں کے ذریعے انجام دیا، یہی وجہ ہے کہ انہیں 'خطیب الاسلام' کہا جاتا ہے۔

میں ذاتی طور پر ان کی شفقت کی بنا پر ان کا رہین و اسیر ہوں، کئی مواقع ایسے آئے جن میں اکتساب فیض اور استفادہ کے ساتھ میں ان کی دعائیں بھی حاصل کر سکا جو ہمارے لیے سرمایہ سعادت ہے۔ پندرہ برس پہلے ۲۰۰۳-۰۴-۲۸ کو مدرسہ ضیاء الاسلام، جلوارہ، دربھنگہ، بہار میں ایک عظیم الشان اصلاح

معاشرہ کانفرنس میں حضرت مولاناؒ صدر اجلاس تھے اور میں ناظم جلسہ، خانوادۂ قاسمی کا موثر تعارف کراتے ہوئے میں نے خطیب الاسلامؒ کو خطاب کی دعوت دی، انہوں نے اس موقع پر میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے دعاؤں سے نوازا، کانفرنس کے مقام سے حضرت کے خادم خاص جناب مولانا شاہد صاحب قاسمی کا آبائی وطن ۳رکیلومیٹر کی دوری پر تھا۔ حضرت وہاں تشریف لے گئے، میں نے بھی ساتھ رہنے کو اپنی سعادت سمجھا۔ مولانا شاہد صاحب کی اہلیہ کو بیٹی اور بہو کے انداز میں حضرت نے کپڑوں اور تحفوں سے نوازا اور شفقت کا اظہار کرتے ہوئے اس علمی گھرانے کو عزت بخشی، مخلص عزیزوں اور خادموں کے لیے وہ اپنے دل میں ایسی محبت رکھتے تھے۔ دوسرے موقع پر (۲۰۰۸-۰۳-۲۳) کو مدرسہ محمود العلوم، دملا، مدھوبنی، بہار میں تاریخی عظیم الشان کانفرنس حضرت خطیب الاسلامؒ کی صدارت اور اس خاکسار کی نظامت میں منعقد ہوئی، جس کے مہمان خصوصی بہار کے وزیر اعلی جناب نتیش کمار تھے۔ اسٹیج پر جس عالمانہ شان اور وقار کا مظاہرہ خطیب الاسلامؒ نے کیا، وہاں پر موجود دیگر مشاہیر کے ساتھ خود وزیر اعلی محو حیرت تھے، میں اسٹیج پر بالکل قریب سے ان کی شان استغنا سے مسرور ہو رہا تھا۔ گویا وہ اپنے عمل سے علماء کی تربیت بھی کر رہے تھے۔ وزیر اعلی نے بے حد متاثر ہو کر پروگرام کے بعد گزارش کی کہ حضور! آپ مجھے خدمت کا موقعہ دیں، سڑک کے راستے سے پٹنہ جانے میں آپ کو دشواری ہوگی آپ میرے ساتھ ہیلی کاپٹر سے تشریف لے چلیں۔ منتظمین کی تائید پر حضرت نے اس تجویز کو منظور فرمایا اور بقول مولانا شاہد قاسمی ہیلی کاپٹر پر بھی وہی وضع داری بحال رکھی۔

تیسرے موقع پر ۲۰۱۳-۰۴-۱۲ کو نالاسوپارہ ممبئی میں جلسہ دستار بندی کا پروگرام تھا، حضرتؒ صدر اجلاس تھے اور میں مقرر کی حیثیت سے وہاں حاضر ہوا تھا، میں نے تقریر کی جو قدرے جوشیلی تھی، میرے بعد حضرتؒ کا صدارتی خطاب تھا، انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ’آپ حضرات نے جوشیلی تقریر اور عالمانہ خطاب سن لیا ہے، اب طالب علمانہ گفتگو بھی سن لیجیے‘، میں بے حد شرمندہ ہوا، بعد میں میں نے اپنی شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے معذرت کی تو فرمانے لگے کہ ’وہ تو بے تکلفی کے ساتھ میری طرف سے شفقت کا اظہار تھا‘۔ دہلی کے انڈیا اسلامک کلچرل سینٹر میں ۲۰۱۳-۰۶-۰۶) کو ایک مجلّہ ’’مسلم مسائل نمبر‘‘ کے اجراء کی تقریب تھی، موضوع کی مناسبت سے میری مختصر تقریر ہوئی، اس مجلّہ کا اجرا کرتے ہوئے حضرتؒ نے فرمایا کہ ’’مسلم مسائل نمبر‘‘ کے نام سے عصبیت کی بو آتی ہے، ہم امت رحمت ہیں اور عوامی وعمومی مسائل پر ہمیں توجہ دینی چاہیے۔ اس موقع پر موجود قدر آور سیاسی اور ملی قائدین نے حضرت کے اس جملے کو بار بار دہرایا اور ان کی وسعت نظر کی سب لوگ پذیرائی کرتے رہے۔ یہ تھے ’’خطیب الاسلام کے فکر وعمل کے چند گوشے‘‘۔

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سے کہیں جسے

❖ ❖ ❖

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی علمی خدمات کا تجزیہ

ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی ❖

حضرت مولانا سالم قاسمیؒ کا تعارف

حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ خانوادۂ قاسمیؒ کے گل سرسبد، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی صاحبؒ کے خلف اکبر و جانشین، حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے پڑپوتے، علوم قاسمیہؒ کے امین و پاسباں اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے شاگرد رشید وصحبت یافتہ تھے۔ آپؒ مؤرخہ ۲۲؍جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۴ء بمطابق ۸جنوری سنہ ۱۹۲۶ء بروز جمعۃ المبارک کو ہندوستان کے مشہور ضلع سہارن پور کے معروف قصبہ دیوبند میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۳۵۱ ہجری میں مولانا سالم قاسمیؒ نے اپنی ابتدائی تعلیم قرآنِ مجید سے شروع کی اور حضرت قاری شریف حسن گنگوہیؒ سے ناظرہ وحفظ قرآنِ کریم کی تعلیم مکمل کی۔ پھر فارسی کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور فارسی کا چار سالہ نصاب کی تکمیل مولانا محمد عاقلؒ، مولانا محمد ظہیرؒ اور مولانا سید محمد حسنؒ وغیرہ فارسی کے جید اور ممتاز اساتذہ سے کی۔ فارسی کا نصاب مکمل کرنے کے بعد ۱۳۶۲ ہجری میں آپؒ نے عربی نصاب کا آغاز کیا اور اُس وقت کے ماہر اور جید اساتذہ کی زیر نگرانی مختلف علوم وفنون کی تکمیل کر کے ۱۳۶۷ ہجری بمطابق ۱۹۴۸ عیسویں میں از ہر الہند دار العلوم دیوبند سے آپؒ نے دورۂ حدیث کا امتحان دے کر کے سند فراغت حاصل کی۔ مولانا سالم قاسمیؒ نے جن مشائخ و اساتذہ سے تعلیم وتربیت حاصل کی اُن میں سے مشہور اساتذہ کے نام یہ ہیں: شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، حضرت مولانا سید اختر حسین میاںؒ، حضرت مولانا قاری محمد اصغرؒ، حضرت مولانا عبد السمیعؒ، حضرت مولانا عبد الاحدؒ اور حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ وغیرہم۔ علاوہ ازیں آپؒ کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور سعودی عرب کے محدث جلیل شیخ عبد اللہ بن احمد الناخبی سے حدیث کی اجازت بھی حاصل ہے۔ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے شروع میں بیعت وارادت کا تعلق حضرت مولانا شاہ عبد القادر

❖ پوسٹ ڈاکٹریٹ فیلو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

رائے پوریؒ سے قائم کیا تھا، لیکن وہ اصلاح وتربیت اپنے والد ماجد حضرت مولانا قاری طیب قاسمی صاحبؒ سے ہی لیتے رہے اور آخر کار اُنہیں کے مجازِ بیعت وارشاد ہو کر اُن کے متوسلین اور خلفاء کی اصلاح وتربیت فرماتے رہے۔ چناں چہ آپؒ سے سلوک وارشاد میں تربیت واجازت پانے والوں کی ایک بڑی تعداد ہے اور اجازت پانے والوں کی تعداد سو سے متجاوز ہے۔

۱۹۶۶عیسویں میں مراسلاتی طریقۂ تعلیم کی بنیاد پر اسلامی علوم ومعارف کو عصری جامعات کے طلبہ وطالبات کے لیے آسان بنانے کی غرض سے ''جامعہ دینیات دیوبند'' کے قیام میں، دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے کامیاب انعقاد میں، اسی طرح آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام وتخطیط میں اور ۱۹۸۲عیسویں میں بعض باہمی اختلافات کی بناء پر دارالعلوم (وقف) دیوبند کے قیام واستحکام میں مولانا سالم قاسمیؒ کا انتہائی عظیم اور اہم ترین کردار رہا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا سالم قاسمیؒ کے دورانِ تدریس دار العلوم دیوبند میں ایک تحقیقی شعبہ ''مرکز المعارف'' کا قیام عمل میں آیا جس کے آپؒ ذمہ دار مقرر ہوئے۔ اسی طرح ۱۹۸۲ء سے لے کر ۲۰۱۴ء تک دارالعلوم (وقف) دیوبند کے مہتمم رہے۔ ۲۰۱۴ء سے لے کر تاحال دارالعلوم (وقف) دیوبند کے مہتمم وصدر مہتمم رہے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلس عاملہ کے سابق رکن اور موجودہ سینئر نائب صدر رہے۔ آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے سابق صدر اور موجودہ سرپرست رہے۔ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے سرپرست رہے۔ مجلس شوریٰ مظاہر العلوم (وقف) سہارن پور کے سرپرست رہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس انتظامیہ وشوریٰ کے رکن رہے۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کورٹ کے رکن رہے۔ ششماہی عربی مجلّہ محکمہ ''وحدۃ الامۃ''، ماہنامہ اردو ''ندائے دارالعلوم (وقف) دیوبند، سہ ماہی انگریزی مجلّہ ''وائس آف دارالعلوم'' اور اندرون و بیرون ملک مختلف دینی وملی مراکز اور اداروں کے نگران اور سرپرست رہے۔ مولانا سالم قاسمیؒ کی ان ہی دینی وعلمی خدمات کو دیکھ کر مصر کے صدر جناب حسنی مبارک نے مصری حکومت کی طرف سے مصر کا سب سے بڑا اعزاز ''نوط الامتیاز'' یعنی برصغیر کے ممتاز عالم دین کا نشانِ امتیاز کا ایوارڈ آپؒ کو عطاء کیا۔ دوسرا اعزاز ''جائزۃ الامام محمد قاسم النانوتویؒ (ترکی) آپؒ کو عطا کیا گیا اور تیسرا اعزاز ''حضرت شاہ ولی اللہؒ'' آپؒ کو عطاء کیا گیا۔

علمی وراثت

مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب نے ماہنامہ دارالعلوم میں جولائی کے شمارے میں انتہائی معلومات افزا مقالہ تحریر کیا ہے چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

''جب کہ مولانا محمد سالم قاسمیؒ کا دینی وعلمی سلسلہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت الامام مولانا محمد

قاسم نانوتویؒ (۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء = ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) سے جاملتا ہے، جو دورِ آخر میں ہند میں سرمایۂ ملت کے واقعی نگہبان ثابت ہوئے اپنے وقت میں اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کی نہ صرف اپنے علم بے پناہ اور تدبیر حکیمانہ سے سرکوبی کی ؛ بلکہ دین اسلام کو اپنی اصلیت پر برقرار رکھنے کے لیے، وقت کے مسلح اور استعماری حکومت کی طرف سے ہمہ گیر طور پر مدد یافتہ ومنصوبہ بند ثقافتی وتہذیبی ہمہ جہت تازہ دم حملوں کے سامنے دارالعلوم دیوبند کی شکل میں سد سکندری اور ناقابلِ تسخیر قلعہ قائم کیا، جو ہنوز دین و شریعت کے خلاف اٹھنے والے ہر طوفان اور سیلِ بے پناہ کے سامنے اپنے شکوہ وجلال کے ساتھ اس طرح کھڑا ہے، جس کی نظیر مسلمانوں کی زائد از ڈیڑھ سوسالہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ تصور کیجیے کہ اگر دارالعلوم دیوبند کی شکل میں دیوہیکل دینی وتعلیمی وتربیتی پناہ گاہ تعمیر نہ ہوتی، تو اسلام کو اس دیار سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دینے کے لیے کی جانے والی مسلسل، زبردست اور ہمت شکن وحیران کن وخوف ناک کوششوں کا مقابلہ کرنے کی کیا تدبیر ہوسکتی تھی؟ درالعلوم دیوبند نے اس دیار میں اسلام اور مسلمانوں کی مکمل دینی شناخت کے ساتھ بقاء کی راہ دکھائی، اُس کے بحرِ زخار سے ہزاروں نہریں مدرسوں اور تنظیموں کی شکل میں نکلیں اور نکلتی جارہی ہیں جو اس وسیع تر علاقے کے کونے کونے کو سیراب کررہی اور شجرِ اسلام کو سرسبز وشاداب رکھنے میں اپنا کردار ادا کررہی ہیں۔ یہ عظیم اور ناقابلِ فراموش کارنامہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کے پردادا حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ہے۔ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ اس عظیم خانوادے کے دینی ماحول میں پیدا ہوئے اور پرورش پائی، جس میں ہر طرف دین داری، زہد وتقوی اور دینی تعلیم وتربیت کا چرچا تھا، یہی اس خاندان کا اوڑھنا بچھونا تھا، مولانا محمد سالم کے دادا حضرت حافظ مولانا محمد احمد بن محمد قاسم نانوتویؒ نے علمی عظمت اور دینی قدر ومنزلت اپنے عظیم والد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے ورثے میں پائی تھی؛ اس لیے یہ دونوں عظمتیں اُن کے لیے اکتسابی سے زیادہ موروثی تھیں، وہ عالم صالح کے سوا کچھ اور کیا ہوتے۔ انھیں مولانا حافظ احمدؒ کو دارالعلوم دیوبند کے سفینے کے ناخدا ہونے کی عظیم وہمہ جہت صلاحیتوں کی متقاضی ذمّے داری اِسی علمی وراثت کے حق دار وارث ہونے کی وجہ سے ملی، جس کو اُنھوں نے ہنرمندانہ طور پر سنبھالا اور دارالعلوم کی ظاہری وباطنی ترقی میں مسلسل ۴۰ سال تک لائق تبجیل کردار ادا کیا''۔

مولانا سالم قاسمیؒ کی علمی خدمات

ذاتی صلاحیت، علمی پختگی اور خطابی قابلیت کا نتیجہ تھا کہ تعلیمی مراحل سے فراغت کے فوراً بعد ہی دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس مقرر ہوئے اور ابتداء نورالایضاح اور ترجمہ قرآن کریم کا درس آپ سے

متعلق رہا، پھر بعد میں بخاری شریف، ابوداؤد شریف، مشکوۃ شریف، ہدایہ، شرح عقائد وغیرہ کتابیں آپ سے متعلق رہیں۔ تدریسی زندگی کے متعلق ان کے ایک شاگرد رشید جناب مولانا محمد اسلام صاحب قاسمی (استاذ حدیث دارالعلوم وقف، دیوبند) اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔ آپ جملہ علوم وفنون میں ممتاز صلاحیتوں کے مالک، بالغ نظر، بلند فکر کے حامل ہیں، علوم قاسمی کی تشریح وتفسیم میں حکیم الاسلامؒ کے بعد شاید ہی آپ کا کوئی ہم پلہ ہو، ہمیشہ علمی کاموں کے محرک رہے، زمانۂ تدریس میں دارالعلوم دیوبند میں ایک تحقیقی شعبہ مرکز المعارف کا قیام عمل میں آیا، اور اس کے ذمہ دار بنائے گئے۔ ۱۹۹۲ء میں مراسلاتی طریقۂ تعلیم کی بنیاد پر اسلامی علوم ومعارف کو جدید جامعات میں مصروف تعلیم طلباء وطالبات کے لیے آسان وقابل حصول بنانے کی غرض سے جامعہ دینیات دیوبند قائم فرمایا، جو کہ اس دور کا خوبصورت ترین طریقۂ تعلیم تھا، آپ نے قرآن کریم پر ایک خاص حیثیت سے کام کا آغاز کیا، افسوس کہ یہ عظیم فاضلانہ علمی کام شورش دارالعلوم کی نذر ہو گیا، آپ کے عالمانہ وحکیمانہ خطاب کا شہرہ عہدِ شباب ہی میں ملک کی سرحدوں کو پار کر چکا تھا، علم میں گہرائی، فکر میں گیرائی۔ مطالعہ میں وسعت، مزاج میں شرافت اور باقاعدگی، زبان سے نکلا ہوا ہر جملہ فکر وبصیرت سے منور، حکمت وفلسفہ کے رنگ میں کتاب وسنت کی بے مثال تشریح وتفسیم کا ملکہ، مدلل اسلوب گفتگو وصاحب الرائے، یہ وہ امتیازی کمالات میں جن سے آپ کی ذات مرصع ومزین ہے۔

کثرت اسفار اور بے پناہ مشغولیات کے باوجود مولانا مضمون نویسی اور تالیف وتصنیف کے لیے کچھ وقت نکالتے ہیں، مختلف عنوانات پر بیش قیمت مقالے تحریر کئے ہیں، کتابوں کے لیے تمہیدی مقدمات اور بے شمار تقریظات لکھیں ہیں، چند کتابیں بھی طبع ہو چکی ہیں اور بہت سارا مواد منتظر طباعت ہے، مطبوعہ کتب "مبادی التربیة الاسلامیته" (عربی) "تاجدارِ ارضِ حرم کا پیغام"، "مرد غازی" اور ایک "عظیم تاریخی خدمت" وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس سب کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ مولانا نے باضابطہ طور پر اگرچہ تصنیف وتحقیق کا میدان اختیار نہ کیا، لیکن ان کے تبحر علمی سے مستفید ہو کر ارباب علم وفضل نے مختلف موضوعات پر کئی اہم کتابیں تصنیف کی ہیں اور حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے خطبات، مقالات، ملفوظات اور رسائل کے مجموعے ان کی رہنمائی اور نگرانی میں شائع ہو چکے ہیں، ادھر قریبی عرصہ میں حجۃ الاسلام اکیڈمی کے ذریعہ بہت علمی کام انجام پانے میں خصوصاً سوانحی موضوعات پر کتابیں شائع ہوئی ہیں۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل وکرم سے نوازا تھا، علم وعمل کے میدان میں ایک عظیم الشان مجدد کی حیثیت سے اسلامی دنیا آپ کو ہمیشہ یاد رکھے گی، امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اسلامی علمی وراثت کے محافظ ہونے کے سبب مولانا کا مقام یگانہ ہے، دارالعلوم جیسے عظیم اسلامی ادارے اور اس کے علاوہ کئی اور دینی مدارس کے بانی ہونے کی حیثیت سے مولانا کی فوقیت مسلم ہے۔ نیز امام نانوتویؒ

کے پڑپوتوں اور حکیم الاسلام کے دونوں فرزندوں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ اور آپ کے برادر محترم حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحبؒ علوم حدیث وتفسیر میں اپنا اہم اور اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔

اس طرح الحمدللہ علم کا وہ بحر بیکراں جو امام نانوتویؒ کے ہاتھوں کی انگلیوں سے جاری ہوا تھا، اور تحریک جس کا مقصد ہندوستان میں اسلام کی شمع کو روشن رکھنا تھا، اسے ان کے انتہائی لائق وفائق علمی وصلبی ورثاء نے جاری وروشن رکھا اور یہی وجہ بھی بنی کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے خانوادہ علمیہ قاسمیہ کو خانوادہ ولی اللہی کا متبادل بنا کر ہندوستان کے مسلمانوں کا ناخدا بنا دیا۔

خلاصۂ بحث

مشاہیر کی زندگی کمالات وامتیازات کا حسین مرقع ہوتی ہے اور یہی امتیازی خصوصیات بعد والوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوتی ہیں، حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ کی بعض خصوصیات انفرادی شان رکھنے کے ساتھ لائق تقلید بھی ہیں:

۱۔ مولانا کے شاگردوں کا کہنا ہے کہ آپ وقت کے بڑے پابند تھے، اکابر شخصیات اور سلف صالحین کے یہاں وقت کی قدر وقیمت کی سیکڑوں مثالیں ملتی ہیں، حضرت مولانا سالم صاحبؒ اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وقت کا بڑا اہتمام فرماتے تھے، مولانا سالم صاحب کے شاگرد رشید اور دارالعلوم وقف دیوبند کے استاذ مولانا محمد اسلام صاحب اپنے استاذ محترم کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا (محمد سالم) دارالعلوم کے وہ استاذ ہیں جو تدریس کے ساتھ وقت کے اتنے پابند کہ بلا شبہ طلبہ درس گاہ میں ان کی آمد پر اپنی گھڑیوں کے ٹائم سیٹ کرتے، طلبہ دیکھا کرتے تھے کہ وہ متعینہ درس گاہ (دارالتفسیر) میں ایک قدم اندر رکھتے، اسی وقت گھنٹہ بجتا تھا، وقت کے منٹوں اور سکنڈوں کے لحاظ سے اتنے پابند دارالعلوم کے اساتذہ وکارکنان میں سے کوئی نہ تھا، یہ بھی ان کی خوبی تھی کہ تدریس کے لیے وہ اپنے گھر سے نکلتے اور براہ راست درس گاہ پہونچتے، اختتامی گھنٹہ بجتا اور وہ واپس صدر گیٹ کے راستے اپنے گھر کو روانہ ہوتے، نہ کسی سے ملاقات نہ کسی دفتر میں جانا''

۲۔ مولانا سالم صاحبؒ کی ایک خصوصیت مسلکی اعتدال اور فروعی مسائل میں شدت سے گریز تھی، آپ کے ایک خوشہ چیں معروف محقق اور ندوی فاضل مولانا ڈاکٹر اکرم ندوی حضرت کے اس امتیاز پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ کی ایک اہم خوبی تھی کشادہ دلی وبے تعصبی اور جزئیات وفروعی مسائل میں توسع، اس وصف کم یاب بلکہ نایاب میں آپ ایک شریف اور تہذیب یافتہ صاحب علم وفکر کی طرح سلف صالح کے

اسوہ پر قائم تھے، آپ نے ایک بار آکسفورڈ میں دین اور مسلک کے درمیان فرق کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ عام طور سے لوگ مسلک کو دین کا درجہ دیتے ہیں اور دین و مسلک میں کوئی فرق نہیں کرتے''

۳۔ آپ کا نمایاں وصف عزم و حوصلہ اور سخت حالات میں صبر و استقامت کے ساتھ اپنے موقف پر قائم رہنا ہے، دارالعلوم کے قضیہ میں انتہائی نازک مراحل آئے؛ لیکن آپ کے پایہ ثبات میں تھوڑی سی بھی لغزش نہ آئی، دارالعلوم وقف کا قیام بھی کسی چیلنج سے کم نہ تھا؛ لیکن آپ نے اس چیلنج کو قبول کیا، پھر دنیا نے دیکھا کہ کس طرح قلیل مدت میں یہ ایک عظیم اسلامی یونیورسٹی بن گیا۔

۴۔ اسی طرح آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ نے عام علماء کی طرح صرف دارالعلوم دیوبند کی فراغت پر اکتفاء نہیں کیا؛ بلکہ علم و تحقیق کی مزید جستجو میں لگے رہے، علمائے سلف کی کتب سے استفادہ کا سلسلہ جاری رکھا، نیز محقق علماء کی مجالست کو بھی ضروری سمجھا، یہی وجہ تھی کہ آپ کی ہر گفتگو علمی ہوا کرتی تھی اور آپ کی مجالس سے علم و تحقیق کا رنگ جھلکتا تھا۔

۵۔ مولانا کی زندگی میں جو چیز نمایاں طور پر نظر آتی تھی وہ عفو درگذر اور تحمل و برداشت تھی، مولانا انتقامی جذبات سے ماوراء تھے، دارالعلوم کے قضیہ نامرضیہ کے دوران مخالفین نے آپ کے تعلق سے کیا کچھ طوفان نہ کھڑا کیا؛ لیکن آپ نے کسی کے خلاف منفی ردعمل کا اظہار نہیں کیا، الغرض ستودہ صفات اور اعلیٰ کردار کی حامل یہ شخصیت ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگئی، فی الواقع مولانا سالم قاسمیؒ سرخیل علماء اور اکابر کی شان تھے، اب ایسی شخصیات چراغ لیکر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گی۔

❖ ❖ ❖

حضرت خطیب الاسلامؒ کا اسلوب نگارش

مولانا محمد فرمان ندوی❖

جامع الکمالات شخصیت

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی شخصیت میں متنوع خوبیاں جمع تھیں، وہ باکمال خطیب، کہنہ مشق استاذ اور عظیم مربی و مصلح اور بے مثال قائد ورہنما تھے، ان کی شخصیت کے تشکیلی عناصر میں عظیم ماہرین فن تھے، جن میں مفسرین بھی ہیں اور محدثین بھی، متکلمین بھی ہیں اور ادباء وشعراء بھی، خطباء بھی ہیں اور اہل اللہ بھی، اساتذہ بھی ہیں اور مؤلفین ومصنفین بھی، ان کی تربیت سے مولانا کی شخصیت ایک جامع الکمالات اور مجموعۂ حسنات کی شکل میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی۔

خطیب الاسلامؒ کا تحریری سرمایہ

حضرت خطیب الاسلامؒ کی عملی زندگی کا آغاز تدریس سے ہوا، فراغت کے بعد دار العلوم دیوبند کے شعبۂ تدریس سے وابستہ ہوئے، آغاز عمر سے آخر تک جن مضامین کا درس دیا، ان میں عقیدہ، تفسیر وحدیث وفقہ یعنی نورالایضاح، ترجمہ قرآن، ہدایہ، شرح عقائد، مشکوٰۃ شریف، ابوداود اور بخاری شریف ہیں۔

آپ کی تدریسی زندگی کے دوران دارالعلوم دیوبند میں ایک تحقیقی شعبہ مرکز المعارف کا قیام عمل میں آیا، جس کے آپ نگراں مقرر ہوئے، اس سے مؤلفین ومحققین کی ایک ٹیم تیار ہوئی اور آپ کی تحریری کاوشیں بھی منظر عام پر آئی ہیں، تحریری کاوشوں کی تعداد زیادہ نہیں، لیکن جو سرمایہ بھی موجود ہے وہ ماقل ودل کی تفسیر ہے، اہم تصنیفات میں قرآن کریم کے ''اردو تراجم قرآنی کا جائزہ (اردو)'' تاجدار حرم کا پیغام، مجاہدین آزادی، **رسالة المصطفى**، ایک عظیم تاریخی کارنامہ، سفر نامہ برما اور عربی میں ''**مبادئ تربية الاطفال الاسلامية**'' قابل ذکر ہیں، اسی کے ساتھ آپ کے خطبات اور تقاریر کے مجموعے مرتب ہوکر منظر عام پر آ گئے ہیں، اور ملفوظات وارشادات بھی شائع ہو گئے ہیں۔

❖ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

حضرت خطیب الاسلامؒ کا عربی اسلوب نگارش

حضرت خطیب الاسلامؒ کی ایک اہم کتاب ''**مبادئ تربية الأطفال الأساسية**'' ہے، یہ عربی زبان میں دار الاہتمام دار العلوم دیوبند سے ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی، حضرت خطیب الاسلام اُس وقت جامعہ دینیات کے نگراں اور دار العلوم دیوبند میں تفسیر و حدیث کے استاذ تھے، یہ ۲۳ر صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ہے، اس میں دینی تربیت کے ۱۳ر نکاتی اصول بیان کئے گئے ہیں، حضرت نے اس میں آسان زبان میں اسلام کے نظام تربیت پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ اولا د والدین کے پاس امانت ہیں، ان کی تربیت کی ذمہ داری ایک دینی وشرعی فریضہ ہے، ایک اقتباس بطور نمونہ پیش خدمت ہے:

" ان تربية الطفل من واجبات الانسانية المقدسة ، ومقتضيات العقل البشرى الأولية ، وان الشرف الانسانى أمانة مهمة ، يجب فى كل عصر وبيئة الحفاظ على تلك الأمانة و رعايتها ونقلها الى الأجيال القادمة على توالى العصور، والواقع أن الشرف الانسانى لن يتحقق اذا لم يكن الانسان خاضعا للدين الاسلامى الحنيف ، كما أن الكون وما فيه من الأشياء يفقد غاية وجوده المنشودة اذا لم يكن الانسان فيه بمنزلة رفيعة لا يشاركه فيها شيئ آخر "(۱)

حضرت خطیب الاسلامؒ کا اسلوب خطابت

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ خطیب الاسلام کے لقب سے مشہور ہوئے، حضرت کے والد گرامی قدر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے نامور خطیب تھے، مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ میں موروثی طور پر یہ خصوصیت موجود تھی، مولانا کی تقریر میں عقل ومنطق دونوں جمع ہیں، وہ بہت سلجھے ہوئے انداز میں اپنی بات اور مدعا کو عوام وخواص کے سامنے رکھتے تھے، جس کا خاص اثر ہوتا تھا، ذیل میں خطبات خطیب الاسلام کا ایک اقتباس نقل کیا جا رہا ہے:

''فرشتوں میں عقل وشعور ہے، مگر شہوات وخواہشات نہیں، انسان میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں، عقل وشعور بھی ہیں، خواہشات وشہوات بھی ہیں، اسی وجہ سے جب وہ شہوات وخواہشات کو عقل وشعور کے ذریعہ مغلوب کر لیتا ہے اور اللہ کی ناپسندیدہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے تو اس کا مقام فرشتوں سے بھی اونچا ہو جاتا ہے، بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ عزت کا اعلان کیا حق تعالیٰ نے انسان کی، تو سب سے زیادہ

(۱) مبادئ تربية الأطفال الأساسية ۳-۴

معظم و مکرم اگر کوئی مخلوق ہے تو وہ انسان ہے، اس لیے انسانوں کی عظمت یہ ہے کہ انسانوں کی مجالس میں ملائکہ بھی آتے ہیں استفادہ کے لیے، آپ کو ان کی مجالس میں نہیں جانا پڑتا استفادہ کے لیے'' (۱)

سفر نامہ برما

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کے ساتھ برما کا سفر فرمایا، اس وقت آپ کی عمر ۳۰ سال تھی، یہ سفر دسمبر ۱۹۵۶ء کو شروع ہوا، اور یکم جنوری ۱۹۵۷ء کو دو مہینے ۱۲/دن میں مکمل ہوا، اس سفر کی روداد حضرت خطیب الاسلامؒ کے قلم سے شائع ہوئی ہے، اس سفر نامہ کو حجۃ الاسلام اکیڈمی نے ۲۰۱۷ء میں شائع کیا ہے، یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اس سے قبل یہ سفر نامہ کہاں سے شائع ہوا، اس وقت جو ایڈیشن میرے پیش نظر ہے، اس کے عرض ناشر میں ہے:

''یوں تو سفر نامے بہت ہیں، لیکن اس کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ جاتی ہے کہ اس کو خود خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب مدظلہ نے مرتب فرمایا تھا، جو خود سفر برما میں حضرت کے رفیق سفر، اور وہاں کے حالات کے چشم دید گواہ ہیں'' (۲)

یہ سفر نامہ صرف روداد ہی نہیں ہے، بلکہ اس میں جہاں ایک طرف سفر کی تفصیلات درج ہیں، وہیں دوسری طرف بعض تاریخی حقائق کی نقاب کشائی بھی ہے، تقریروں کے خلاصے بھی ہیں اور برما میں دعوت و اصلاح کی سرگذشت بھی ہے اور ہر واقعہ سے عبرت و نصیحت پذیری بھی۔

ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

''آٹھ بجے صبح کو داعی صاحب اور دیگر حضرات نے موٹر پر پورے شہر کی سیر کرائی، جس میں میزبان صاحب کا آفس، مختلف سمندروں کی گودیاں، جہازوں کے ٹھیک ہونے کے بڑے بڑے کارخانے، چاول کی لدان کے اسٹاک ہال وغیرہ تاریخ معلوم کر کے بے حد مسرت ہوئی، لیکن واقعات فی نفسہ کوئی چیز نہیں، ان کو دیکھنے میں انسان و حیوان برابر ہیں، دن رات کے لوٹ پھیر کو وہ بھی دیکھتے ہیں اور ہم بھی، لیکن واقعات سے عبرت و نصیحت اور نتیجہ آفرینی اصل چیز ہے، یہی انسان کا امتیاز ہے''۔ (۳)

حضرت خطیب الاسلامؒ کے اس سفر نامہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے وہاں کے مناظر کا ایسا نقشہ کھینچا کہ پڑھنے والے کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ اسی ماحول میں سانس لے رہا ہے، اور اس علاقے کا سفر کر رہا ہے، اس کو بہترین منظر کشی اور تصویر کشی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ کی تحریروں میں علم و ادب کے عناصر جمع ہیں، نہ لفظی اور نہ معنی کی کمی، بلکہ

(۱) خطبات خطیب الاسلام ج ۱/۲۷ (۲) سفر نامہ برما: عرض ناشر (۳) ایضاً: ۷۱-۷۲

لفظ ومعنی کی رعایت بدرجہ اتم موجود ہے، کہیں جذبہ کا عنصر غالب ہوگیا ہے، تو کہیں عقل وشعور کا، دونوں کی آمیزش سے تحریر بڑی دلربا ہوجاتی ہے، عناصر اسلوب میں جذبات اور عقل کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اور دونوں کلام کو مؤثر بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، ذیل میں دونمونے بطور مثال ذکر کئے جاتے ہیں:

(۱)''دارالعلوم دیوبند'' سیکولر ہندوستان میں اپنے روایتی طرز وانداز کے ساتھ تعلیم وتعلم کے مقدس کام میں مصروف ہے، اور یہی وہ دارالعلوم ہے کہ جس نے سب سے پہلے ہندوستانیوں کی گم شدہ دولت آزادی کی اہمیت وحقیقت بتلا کر طوق غلامی نکال ڈالنے کی ترغیب دی، اور اس راہ میں پیش آنے والے مصائب کو خوش دلی کے ساتھ جان پر کھیل جانے کا مقدس سبق دیا۔

شاملی کے میدان کے خوں آشام ذرے جنگ آزادی کی اولین قربان گاہ ہونے کی آج بھی شہادت دے رہے ہیں، مظفر نگر جیل کے قید وسلاسل آج بھی اعلاء کلمۃ الحق کے لیے ابھرنے والے ہاتھوں کو مجبور کردینے پر خون کے آنسو رورہے ہیں، اور دیوبند کا ذرہ ذرہ آج بھی اس پر سرابھار کر تاریخی سچائی کے ساتھ اس کا مدعی ہے کہ اس نے فرنگی استبداد اور رسمی اقتدار کو خاطر میں نہ لاکر آزادی کی اس روح اور فکر کی اس حریت کو دلوں میں زندہ وتابندہ رکھا''۔(۱)

(۲)دوسرا نمونہ:

''امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی فن حدیث میں مقام عظمت کی جامع تعبیر اس کے سوا دوسری نہیں ہوسکتی کہ ارباب تصوف میں واردات قلبی سے مغلوبین کو''ابن الحال'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اور واردات قلب پر غالبین کو''ابوالحال'' کا وقیع لقب دیا جاتا ہے، اسی طرح فن حدیث میں''مغلوبین عن الفن''کو''اصحاب تلوین'' کہا جاتا ہے، اور اس فن شریف پر غالبین کو''اصحاب تمکین'' کے موزوں ترین لقب سے یاد کیا جاتا ہے، امام بخاری کو فن حدیث کے ماہرین کی اکثریت نے''صاحب تمکین'' قرار دیا ہے، اور دیگر مشاہیر محدثین کی اکثریت اصحاب تلوین ہی شمار کی جاتی ہے''(۲)

خلاصہ یہ کہ حضرت خطیب الاسلامؒ کا اسلوب زمانے کے مطابق اور انسانی نفسیات کا آئینہ دار ہے، اس میں نہ حشو وزوائد ہیں اور نہ مبالغہ آمیزی، یہی چیز ان کی تحریر وتقریر سے نمایاں ہوتی ہے، ان کی تمام تحریروں میں اعتدال کا عنصر پایا جاتا ہے اور معنویت پر توجہ دی گئی ہے، لیکن الفاظ کا جمال بھی ہر لحاظ سے موجود ہے۔

❖ ❖ ❖

(۱)سفر نامہ برما:۱۴۔۱۵

(۲)احادیث نبویہ کی روشنی میں نظام معاشرت:۱۷

حضرت خطیب الاسلامؒ

اور تاسیس آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

مولانا محمد اظہار الحق قاسمی ❖

ریگستان عرب آج تک ان ہستیوں پر نازاں ہے، جو بوبکرؓ و عمرؓ کے پیکر میں نمودار ہوئیں، گلشن عجم کا وہ پھول جو خاک ہند سے شگفتہ ہوکر ملک کو معطر اور تاریخ کو مہکا گیا، اپنے زمانے کے اعتبار سے آج دنیائے علم و عمل میں بے مثیل ثابت ہو چکا ہے۔

سرزمین ہند سے ایسی ایسی ہستیاں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں جن کی صداقت کے انمول موتی انسانیت کی کسوٹی پر غایت آب وتاب کے ساتھ نظر آئے، انھوں نے وہ جواہر پیش کئے جن کے سلسلے کی ایک ایک کڑی نے حقانیت کا مصداق اور صداقت کا مفہوم بتلایا، اور یہی نہیں بلکہ سطح ارضی پر کفر وضلالت کے زہریلے جراثیم پیدا کرنے والی بادسموم کے مقابلے میں اتباع سنت کے ان سدابہار پھولوں کی مہک اس سمت کے لیے تریاق ثابت ہوکر رہی۔

انقلابات زمانہ اور رفتار دہر چاہے تو ایثار صدیقؓ اور پیوند فاروقیؓ کو فراموش کردے اور چاہے تو گلوں کے کمبل اور ہونٹوں کی پپڑیاں بھی بھلادے، مگر تاریخ شاہد اور واقعات روشن ہیں کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے جاوید فیضان نبوت کے مواج دریا سے شاداب ہونے والے شجر اسلامی نے بھولے ہوئے انسانوں کی وہ یاددلائی اور متروک ومردہ سنن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ احیاء کیا، جو حقیقت میں انہیں ہستی کے شایان شان تھا، یہ وہ عظیم ہستیاں تھیں جن کے فضل وکمال کے فیض سے سیرتیں بنتی اور ڈھلتی تھیں، اور یہی وہ ہستیاں تھیں جنہیں اس فناء پذیر کائنات میں حیات ابدی اور خلعت دوام حاصل ہوتی ہے، یہ اقلیم سخن کے تاجدار اور میدان علم وفن کے شہسوار ہوتے ہیں اور یہی لوگ اپنی انفرادیت کے دیئے جلاکر عز وافتخار کی پیشانی پر ہمیشہ طرۂ امتیاز بن کر زندہ وجاوید رہتے ہیں، ایسی ہی دوائرعلمیہ کی ایک عظیم جامع شخصیت، علم وعمل اور احسان و تصوف کے متفقہ تاجدار، آئینۂ کمالات نبوت، وارفتۂ عشق رسولؐ، حسنات اسلاف کے جامع، فکر نانوتویؒ کے امین، علوم اکابر کے محافظ، فکر دیوبند کے آخری مسلمہ متفقہ ترجمان، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب

❖ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

صاحبؒ کے حقیقی جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب علیہ الرحمہ کی تھی، جواب ہمیں داغ مفارقت دے کر مسافران آخرت میں شامل ہوگئے۔ انا للّٰہ و انا الیه راجعون.

حقیقت یہ ہے کہ مرگ و زیست اس عالم کون وفساد کا خاصہ ہے، خواہ کوئی کتنی رفعتوں اور بلندیوں کو چھولے، نجوم وکواکب پر کمندیں ڈال لے، آفتاب و ماہتاب کو پامال کرلے، بروبحر کی پنہائیوں میں اتر جائے، خلاؤں اور فضاؤں کی تنگنائیوں کو روند ڈالے مگر موت سے مفر ناممکن ہے، خالق ارض وفاطر سماء نے کائنات ارض وسماوی کی تخلیق سے پہلے ہی انھیں فناء کرنے کا فیصلہ اور وقت مقرر کر رکھا ہے، جس میں لمحہ بھر بھی تقدم وتاخر کی گنجائش نہیں ہے۔

شخصیت کے خدوخال

حضرت خطیب الاسلامؒ کی شخصیت اپنی جلالت علمی، وسعت فکری، بلند نظری، فراست وبصیرت، خاندانی وجاہت اور علمی خصوصیات کی بنیاد پر بین الاقوامی بلکہ عالمی سطح پر ممتاز شخصیت کی مالک تھی، آپ ہر مجلس میں میر مجلس بلکہ شمع اور ہر محفل میں میر محفل ہوتے، آپ کا ذہن علوم ومعارف کا بحر ذخار، رزم گاہ عمل کی آن بان اور سنت نبویؐ کے حریص ہونے کے ساتھ جام شریعت، دماغ حکمت وروشن کا شجر پر بہار، مزاج میں لینت، طبیعت میں برد باری، فکر ونظر، زہد و ورع، بصیرت وعزیمت، شرافت ونجابت، ذہنی ندرت ورفعت، خود شناسی خود اعتمادی، خدا شناسی، سادگی اور روشن ضمیری کا مجسمہ، گفتگو سحر انگیز بلکہ انداز گفتگو شیریں، قدرتی انکسار، تصنع کی آمیزش سے مکمل طور پر منزہ ایک کھرے انسان کی ادا ہر ملنے والے کا دل موہ لیتی، ان کا فکری توازن، انکسار ومحبت، مروت ورواداری اس بات کی غماز تھی کہ وہ دیوبند کے علمی وفکری اثاثوں کے نگہبان وترجمان ہیں۔

موجودہ دور میں جبکہ علمی وفکری سرچشمے خشک ہورہے ہیں، معنوی وروحانی رشتے کمزور ہورہے ہیں، اعتدال وتوازن کی ڈگر کھسک رہی ہے، بکھرتے رشتوں کے اس عبرتناک منظر نامے میں آپؒ نے اپنی فکری بلندی سے تحریک دیوبند کو ایک امتیاز ومقام بخشا اور اس کی آفاقیت سے عالم اسلام کو روشناس کرایا ہے، ان کی خوش اخلاق اور دل آویزی ملنے والے کو ان کی علمی ذہانت، بے پناہ فراست کا امتیاز اور امت کی مجبوری ورنجوری کی عالم گیر کیفیت کے ازالے کے لیے کارگر تدبیر رسائی کی ان کی کوشش پیہم کا استحضار ان کی محبت کے لیے اسیر کئے بغیر نہ چھوڑتی تھی، ان کے انگ انگ سے اخلاص وچاہت کے سوتے پھوٹتے تھے اور ہر بال وبن سے شفقت ورأفت کے چشمے ابلتے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ ان کی قلبی وسعت کے سامنے دنیا کے ہر صحرا کی وسعت ہیچ ہے، ایک ایسے وقت میں بھی جب کہ حالات نے موسم کو خزاں زدہ کردیا تھا،

اخلاص و روحانیت کی بنیادیں متزلزل ہوچکی تھیں، ایثار و وفا کے خیمے راکھ ہوگئے تھے، عرصۂ دہر کے ہنگاموں کے آتش پیکار میں وہ اپنے پدر بزرگوارؒ کے عزم وحوصلے کا کوہ گراں ثابت ہوئے، پھر ایک وقت تمام شورش و یورش کو بھلا کر عفو وصلح کی ایسی تاریخ رقم کی جسے سمجھنے سے آج تک تاریخ ششدر ہے۔ ان کی شوخیت ایک رنگ تک محدود نہ تھی، بلکہ کئی قزحی رنگوں کے حسین امتزاج سے وہ ایک کہکشاں کی صورت میں اپنی ضیاء پاش کرنوں سے عالم کو فیضیاب کرتے رہے۔

نفسیاتی، تاریخی اور روحانی طور پر زیادہ بامعنی بنانے والی طبعی قوت انسانی امکانات اور کائناتی مظاہر پر حکیمانہ نگاہ ان کا طرۂ امتیاز تھا، آخری ایام میں جبکہ عمر طبعی ضعف ونقاہت کے دام میں جکڑ چکی تھی ایسے میں بھی تعلیم کو ایک تعمیری تحریک بنائے رکھنے کی تڑپ، تیز وتند ہواؤں میں چراغ علمی کو روشن رکھنے کی فکر واضطراب، اپنی فغان صبح گاہی اور دعائے نیم شبی کی آرزو اور تمنا تھی اور ساتھ ہی یہ بھی فکر تھی کہ ملت پوری طرح بیدار ہوجائے، دین وایمان کی حفاظت کے لیے سچائی اور صداقت کے ساتھ تیار ہو، حالات کی کشمکش سے نبرد آزما ہونے کا نسخۂ کیمیا حاصل کرے، وہ چاہتے تھے کہ فضلائے مدارس اور خصوصاً فضلائے دیوبند اپنے کو اسی رنگ میں ڈھالیں، فکر دیوبند کے بہترین ترجمان بن کر اٹھیں اور ایک مخلص داعی کی حیثیت سے اپنی شناخت قائم کریں۔

حضرت علیہ الرحمہ کی ہشت پہلو شخصیت کا نمایاں وصف ان کی جامعیت ہمہ جہتی وہمہ گیری، علم و ثقافت کے مختلف پہلوؤں میں ان کی عالمانہ وغائرانہ نظر اور فکر کی وسعت و گیرائی تھی، جو اکابر دیوبند کا فیضان اور طرۂ امتیاز رہی ہے، اپنی اسی جامعیت کے ساتھ انہوں نے علوم اسلامیہ کی دیرینہ روایات کا تسلسل قائم رکھا، اور اس ثقافتی سرمایہ کو جو حضرت شاہ ولی اللہؒ تک پہنچتی ہے، اپنے اکابر کے ہاتھوں سے لے کر نئی نسلوں کے حوالے کر کے اس کی عصری معنویت واہمیت کو مزید اجاگر کیا، اپنی اسی جامعیت کے سبب انہوں نے اکابر دیوبند کے علوم ومعارف کی طرف توجہ مرکوز رکھی، ساتھ ہی برصغیر کے مسلمانوں اور ان کے علمی وثقافتی مراکز کو اپنی تقریر وتحریر سے فیضیاب کیا۔

خاندانی رفعت اور ولادت

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا تعلق اس عظیم علمی خانوادے سے ہے جس کا چراغ گذشتہ ڈیڑھ صدی سے پورے عالم کو روشن کئے ہوا ہے، طوفان بلاخیز، سیل بے پناہ اور آندھیوں کی یورش نے جب کبھی اس کی لو مدھم کرنے کی کوشش کی تو اس کے نگہبان ومحافظین اپنے شکوہ جلال کے ساتھ سد سکندری بن کر کھڑے رہے، طوفانوں کو روک کر، ہواؤں کا رخ موڑ کر، اس علمی چراغ کی شعائیں ان

تاریکیوں تک پہونچائیں، جہاں اجالوں کی امید ختم ہوچکی تھی، تاریکیوں کو انھوں نے اپنا مقدر بنالیا تھا، ایک طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی اس خانوادے کی رفعت وعظمت، تقدس وشہرت اور وقار ومنزلت بدستور قائم ہے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ کی ولادت ۲۳؍جمادی الاخری ۱۳۴۴ھ مطابق ۸؍جنوری ۱۹۲۶ء بروز جمعہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند بانی وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) ابن فخر الاسلام حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند و سابق مفتی عدالت عثمانیہ) ابن حجۃ الاسلام الامام مولانا محمد قاسم النانوتویؒ (بانی دارالعلوم دیوبند) کے یہاں ہوئی، آپ کی ولادت سے حلقہ اکابر دارالعلوم دیوبند میں بے انتہاء خوشی ومسرت محسوس کی گئی اور ہدیۂ تبریک پیش کرنے کے لیے اکابر دارالعلوم دیوبند کا ایک وفد حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ہدیہ تہنیت پیش فرمائی، ان مسرت آمیز لمحات کو حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے ماہنامہ ''القاسم'' میں ''مژدۂ جانفزا'' کے عنوان سے تحریر فرمایا جو ایک یادگار تحریر ہے، جسے بطور تبریک بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے:

''مژدۂ جانفزا! ہندوستان میں اہل سنت والجماعت کا بڑا طبقہ جس کو صحیح یعنی شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیہ کا حامی اور ہادی کہا جاسکتا ہے، دیوبندی جماعت ہے، اس جماعت کے قائد رئیس الاتقیاء حجۃ الاسلام حضرت مولانا الحاج المولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نوراللہ مرقدہٗ بانی دارالعلوم دیوبند تھے، اس فقیرانہ زندگی بسر کرنے والے نے ایک طرف جنید وشبلی (اخلہما فی رحمۃ الواسعۃ) کے تصوف کی طرف رہنمائی کی، تو دوسری طرف ابوحنیفہؒ کے فقر کو فرمان الٰہی وارشادات نبویہ کا مظہر بتایا، اپنے بندوں کے حالات، ان کی فقیری، ان کے قلوب سے علامۃ الغیوب ہی خوب واقف ہے، وہی جانتا ہے کہ اس کے مخلص قلب پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اخلاص کا اثر کس طرح پڑ گیا کہ دارالعلوم نے جو کہ اس کے ہاتھوں قائم کیا گیا تھا، تھوڑے عرصہ میں اپنے فیض یافتہ حضرات سے مشارق ومغارب کو بھر دیا، فی الحقیقت اس میں بہت کم مبالغہ ہے کہ منتسبین دارالعلوم دنیا کے ہر ہر گوشے میں موجود ہیں۔

مجھ کو اس وقت شمس وارض کے صفات ومناقب بیان کرنے مقصود نہیں ہیں اور فی الحقیقت میری وسعت وہمت سے خارج ہیں مجھ کو صرف ایک خبر سنا کر ان صاحبوں کو مسرور کرنا ہے جو دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کی مسرت افزا خبر کو سن کر خوش ہوتے ہیں۔

بانی دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادے اور میرے محسن وشفیق استاذ حضرت مولانا الحاج الحافظ

المولوی محمد احمد صاحبؒ حال مہتمم دارالعلوم دیوبند سابق مفتی عدالت عثمانیہ اپنے والد (قدس سرہٗ) کی اس دینی ودیعت کی حفاظت فرمارہے ہیں، آپ کے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں، بڑے صاحبزادے حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب اور چھوٹے صاحبزادے مولانا قاری محمد طاہر صاحب ہیں، اگر کوئی شخص ان دونوں کو اس وقت دیکھتا جبکہ یہ دونوں اپنی صغرسنی کی حالت میں دارالعلوم سے اپنے فضل وکمال کی سند حاصل کر چکے تھے تو یقیناً متعجب ہوتا، لیکن جن لوگوں نے ان کے علمی شغف کو دیکھا ہے یا اس سے واقف ہیں کہ یہ قاسم الخیرات کے جگر گوشہ ہیں، ان کے نزدیک ان کا اس قدر جلد ترقی پر پہنچ جانا نہ لائق تعجب ہے نہ لائق حیرت۔

ان دونوں نونہالوں کی شادیاں ہو چکی ہیں، چھوٹے صاحبزادے اپنے فضائل و عادات میں زائد از حد اشبہ بالا ہے، بڑے صاحبزادے (حضرت حکیم الاسلامؒ) کی دو لڑکیاں ہیں، منتسبان دارالعلوم دیوبند عموماً اور خدام دارالعلوم خصوصاً اور اکابر دارالعلوم فطری طور پر متمنی تھے کہ اس نونہال کو خداوند عالم فرزند عطا فرمائے۔

خدا کا شکر ہے کہ بتاریخ ۲۳ر جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ صبح صادق یہ تمنا پوری ہوئی جمعہ کا دن تھا، یہ خبر دارالعلوم میں پہنچی اسی وقت ملازمین و مدرسین کا ایک وفد حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، کاتب سطور بھی اس وفد میں شریک تھا، حضرت ممدوح عرصہ سے علیل ہیں اور حد سے زیادہ ضعیف ہو گئے ہیں، جب آپ کو اطلاع پہونچی کہ وفد بغرض مبارکباد حاضر ہوا ہے، تو آپ بنفس نفیس خود تشریف لائے، آپ کے چہرے پر آثار خوشی ظاہر تھے، آپ نے اپنی اسی موروثی خندہ پیشانی اور انبساط کے ساتھ کلمات مسرت سے وفد کو مشرف فرمایا جو آپ کو حضرت قاسم الخیرات قدس سرہٗ سے بطور ارث ملی ہے، دارالعلوم کے تمام طلبہ اور مدرسین و ملازمین میں اس خبر سے چہل پہل رہی اور ہر شخص کی زبان سے دعائے درازعمری اور حصول شرف دارین نکل رہی تھی، کاتب سطور اپنی اور تمام خدام دارالعلوم کی طرف سے حضرت استاذ مولانا الحاج المولوی محمد احمد کی مبارکباد اور منتسبین دارالعلوم کی خدمت میں بشارت مسرت افزا پیش کرتا ہے۔

فقط (محمد اعزاز علی)''(۱)

متذکرہ منقولہ مضمون سے خانوادۂ قاسمی کی اہمیت وعظمت کے آثار ونقوش عیاں ہوتے ہیں، وہیں تاریخی تسلسل کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے، ساتھ ہی ساتھ آپ کی ولادت پر اکابر دارالعلوم کا بے انتہاء احساس مسرت اور آپ کے لیے نیک خواہشات کا اظہار بھی۔

(۱) از: ماہنامہ ''القاسم'' رجب المرجب ۱۳۴۴ھ

تعلیم کا آغاز اور ابتدائی تعلیم

چھ سال کی عمر یعنی ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں دارالعلوم دیوبند کے دفتر اہتمام میں آپ کی تعلیمی بسم اللہ ہوئی، حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ نے آپ کی بسم اللہ کرائی۔ اس موقع پر آپ کے والد بزرگوار حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے علاوہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ، وغیرہم بطور خاص موجود رہے، علاوہ ازیں دیگر اکابر دیوبند بھی تھے جنہوں نے اپنی مستجاب دعاؤں سے نوازا، ناظرہ اور حفظ قرآن کی تکمیل دارالعلوم دیوبند میں پیر جی حافظ شریف احمد صاحب گنگوہی کے یہاں ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں کی، تجوید قرأت کا درس آپ نے اس وقت دارالعلوم دیوبند کے صدر القراء قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ کے یہاں کیا، دور کا مرحلہ دہلی میں مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کی شاخ میں ۱۳۵۵ء میں مکمل کیا، دور کی تکمیل کے بعد ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۷ء تا ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء کے دورانیہ میں دارالعلوم دیوبند میں فارسی و اردو کے چار سالہ نصاب کی تکمیل کی جن میں آپ کے اساتذہ میں خلیفہ عاقل دیوبندیؒ، مولانا ظہیر دیوبندیؒ، مولانا سید حسن دیوبندیؒ اور مولانا رحم الہٰیؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

حضرت تھانویؒ کی خدمت میں

۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہٗ کی خدمت میں حاضر ہوکر پندرہ روز قیام فرمایا اور اس دوران آپ نے بطور تبرک حضرت سے میزان الصرف کے ابتدائی حصے پڑھے، اس سے آپؒ کو حضرت تھانویؒ کی صحبت کے ساتھ ساتھ شرف تلمیذ کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔

دارالعلوم دیوبند کے عربی درجات میں

۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء کو پندرہ سال کی عمر میں آپ دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی عربی درجہ میں داخل ہوئے، اس وقت دارالعلوم میں درجہ بندی نہیں تھی بلکہ کتابوں کے ناموں سے درجات کا امتیاز تھا، آپ نے داخلے کے لیے میزان ومنشعب اور شرح مأۃ عامل وغیرہ کا امتحان دیا اور آگے کی کتابیں پڑھیں، ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں آپ نے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ آپ کے دورۂ حدیث کے اساتذہ میں آپ کے والد گرامی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے علاوہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ حضرت مولانا فخر الحسن مرادآبادیؒ حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ وغیرہ نمایاں طور پر شامل ہیں۔

منصب تدریس پر

دارالعلوم سے فراغت کے فوراً بعد ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۴۹ء سے دارالعلوم کے عربی درجات میں اعزازی طور پر تدریسی خدمات انجام دینی شروع کی، ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء کو دارالعلوم دیوبند میں مستقل مدرس متعین ہوئے ۱۹۸۲ء تک مروجہ نصاب کی اکثر کتب آپ کے زیر درس رہیں۔ ۱۹۸۲ء میں قیام دارالعلوم وقف دیوبند کے بعد ادارہ کی انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ بخاری شریف کی تدریس سے بھی تشنگانِ علوم ومعرفت کو سیراب کرتے رہے۔

درسی خصوصیات

جب وہ منصب تدریس پر جلوہ افروز ہوئے تو علمی دنیا میں ایک ایسی قدآور شخصیت کے طور پر رونما ہوئے جن کے سائے میں سینکڑوں، ہزاروں شخصیتیں دینی وعلمی مطلع پر ابھریں اور علم کا ایک ایسا چراغ بنکر نمودار ہوئے جس سے ہزاروں قندیلیں روشن ہوئیں، اور علم کا ایسا بحر ذخار بنے کہ جس کے سینے پر سے ہزاروں علمی قافلے گذرے جس سے انھوں نے جابجا علم کے سنگ میل قائم کیے۔

آپ کے درس میں ایسا دوران درس ایسا محسوس ہوتا کہ علم وفضل کا ایک بحر بیکراں ہے، جو بڑی روانی کے ساتھ بہتا چلا آرہا ہے، حقائق ومعارف کا ایک دریا ہے، جو بے اختیار اُمڈ رہا ہے۔ دوران درس ان کے منہ سے نکلنے والے الفاظ حقانیت ومعارف کے موتی معلوم ہوتے، جسے وہ درس میں بے تحاشہ لٹارہے ہوں، حدیث کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہوتا جسے وہ تشنہ چھوڑ تے ہوں، ان کی توضیح حدیث کے سامنے ہمیشہ وقت تنگ دامنی کا شاکی ہوتا۔

بفضلہٖ تعالیٰ راقم السطور کو حضرت کے درس بخاری سے استفادے کا موقع ملا اور ایک موقع پر میزان الصرف کے چند اوراق میں بھی شرف تلمذ حاصل ہوا، ان کے درس میں بحرِعلم ومعرفت خود بہ خود متلاطم اور موجزن ہوجاتا، حکمت ولی اللّٰہی سے نقاب کشائی کے لیے جس نگہ دقیقہ رس، فکر بلند پرواز اور سخن دلنواز کی ضرورت تھی وہ سب بہ حصہ وافر بلکہ بدرجہ اتم آپ میں موجود تھیں، حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی شخصیت کی اٹھان ان کے مزاج ومنہاج کی تشکیل اور ان کے جامع دینی تخیل کی پرواز میں ان کے دینی گھرانے کا توحید خالص کا ماحول اور مزاج بھی ہے اور بڑے بزرگوں اور مربیوں کی مؤمنانہ وعارفانہ تربیت اور پدرانہ شفقت کی تاثیر بھی، سوز ولی اللّٰہی کی سرچشمہ انوار کا فیض بھی ہے اور بزرگوں کی نوائے سحر گاہی کا اثر بھی۔

حضرت خطیب الاسلام بحیثیت مفکر و مدبر

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی شخصیت ہمہ جہت، ہشت پہلو تھی، وہ ایک بے مثال محدث، منتظم، مہتمم اور بے بدل مفسر و محدث کے ساتھ ساتھ عظیم مدبر و مفکر اور عظیم داعیٔ اسلام بھی تھے۔

علوم اسلامی ہو یا تحریک اسلامی ہر میدان میں وہ اپنی فکری بلندی، رسوخ فی الدین اور رسوخ فی العلم کی بنیاد پر ایک باوقار مسلمہ شخصیت قرار پائے، ان میں اسلامی احکام، قوانین و آداب کو پیش کرنے کا انمول اور خوشنما انداز تھا، عالمانہ وقار، مؤمنانہ استحضار، متکلمانہ شان آپ کا خاص وصف تھا، آپ کی فکر و نظر میں بھرپور وسعت تھی، ساتھ ہی مومن کا توازن اور علوم اسلامیہ میں گہرائی رکھنے والے عالم کی شان اعتدال اور ثوابت پر جمنے کی خوبی پائی جاتی تھی، وسعت نظری کی وجہ سے ان میں وسیع النظری تھی اور وہ اپنی فکری وسعت کی بناء پر امت مسلمہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے اور اتحاد ملت کی دعوت کو زور و شور سے ہر موقع سے ہر بزم میں، اجلاس عام میں اور جمع خاص میں، عملی طور سے برپا کرنے کیلئے اپنی تمام صلاحیتوں اور امکانات کا لیاقت کے ساتھ استعمال کرتے، انھوں نے اپنے قول و عمل سے ہر جگہ یہ ثابت کر دکھایا کہ امت اور ملت کی وحدت اصل ہے، باقی تمام سرگرمیاں اس کی فرع ہیں، مسلک اور نقطۂ نظر کا اختلاف امت کے اتحاد کی راہ میں میں حائل نہیں ہونا چاہیے، ورنہ ملت کا وجود ہی معرض خطر میں آجائے گا۔ ساتھ ہی قانون شریعت کا جو فہم، اور عقلی، منطقی اور اپنے موروثی حکیمانہ و فلسفیانہ انداز پر اسلام اور اسلامی قانون معاشرت کو سمجھانے کا جو خداداد ملکہ آپ کو حاصل تھا، حقیقت یہ ہے کہ آپ کے معاصرین میں اس کی مثال نہیں ملتی، اس کی وجہ آپ کا اسلام کے ماضی سے خوش گمانی اور حال و مستقبل کی طرف سے امید پروری کے ساتھ فکرمندی شامل تھی۔

مسلم پرسنل لاء

اسلام ایک عالمی و آفاقی مذہب اور ایک مکمل نظامِ حیات ہے، جس نے ہر دور میں انسانیت کی قیادت کی ہے، سینکڑوں انقلابات و حوادث اور حالات کی گردشوں کے باوجود کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی یہ احساس نہیں پایا گیا کہ اس نظام قانون میں تنگی یا تشنگی ہے، بلکہ اس سے ہر دور اور انسانیت کے ہر طبقے کی ترقی و استحکام میں مرکزی کردار ادا کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ اس میں تمام اقوام عالم اور دنیا کے ہر خطے کی نفسیات اور طبعی میلانات کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اس میں جو جامعیت، ابدیت، معنویت، زندگی، نفاست و حس اور ہر دور کے حالات پر اس کی تطبیقی صلاحیت پائی جاتی ہے وہ دنیا کے کسی قانون میں نہیں پائی جاتی، یہ دلوں پر حکومت کر کے معاشرے کے ظاہر و باطن دونوں سے بحث کرتا ہے، اس کی بنیاد عالمگیر اور فلسفیانہ بنیادوں پر

تعمیر ہوتی ہے، جب کہ اس کا قیام وحدت کے اصولوں پر ہوا ہے۔ اس کی بنیاد رسم و روایات کے بجائے ہدایتِ الٰہی پر ہے اور اس کی سب سے بڑی خصوصیت اس کے تمام قوانین میں توازن اور اعتدال ہے۔ یعنی یہ عدل و انصاف پر مبنی ہے، اس میں ظلم و زیادتی کا انسداد ہے، اسلامی قانون سازی میں فطری تقاضوں کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، مثلاً انسانی جبلتوں کی اعتدال کے طریقہ پر تسکین کے لیے نکاح کا حکم ہے۔ اسی طرح خوش حال رہنے کی خواہش، عزت و وقار کی خواہش، تعمیر و ترقی کی آرزو فطری و طبعی ہے، اس کے لیے بھی شرعی مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اصول و قوانین موجود ہیں۔ قانون سازی کے میدان میں انسان صدیوں سے کوشش کر رہا ہے، قانون الٰہی سے استفادے کے باوجود آج تک کوئی ایسا مکمل قانون وضع نہیں کیا جا سکا جسے نا قابل ترمیم قرار دیا جائے اور وہ انسانی جذبات و افعال کا مکمل آئینہ دار ہو۔ یہ صرف قانون اسلام کی جامعیت ہے جو کامل و مکمل بھی ہے اور نا قابل تنسیخ بھی۔ ارشاد باری ہے: **اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔**(۱)

(آج کے دن تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارے دین بننے کے لیے پسند کر لیا۔)

لکل جعلنا منکم شرعة ومنهاجا(۲)

(ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کیا تھا)

شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذى اوحينا اليك وما وصينا به ابراهيم وموسى وعيسى ان اقيموا الدين ولا تتفرقوا فيه(۳)

(اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا، جس کا اس نے نوحؑ کو حکم دیا تھا، اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا کہ اسی دین پر قائم رہنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا)

ثم جعلناك على شريعة من الامر فاتبعها ولا تتبع اهواء الذين لا يعلمون.(۴)

(پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر کر دیا سو آپ اسی طریقے پر چلے جایئے اور ان جہلاء کی خواہشوں پر نہ چلیئے)

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود ایسا کامل و مکمل قانون اور ضابطۂ حیات عطاء فرمایا ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے ساری کائنات خوش گوار اور خوش آمیز زندگی گذار سکتی ہے، ساتھ ہی یہ بھی

(۱) سورہ مائدہ آیت ۳ (۲) سورہ مائدہ آیت ۴۸
(۳) سورہ شوریٰ آیت ۱۳ (۴) سورہ جاثیہ آیت ۱۸

معلوم ہوا کہ اس کامل و مکمل ضابطۂ حیات پر عمل کا طریقۂ کار اور منہاج عمل بھی منجانب اللہ نازل فرمادیا گیا ہے **لکل جعنا منکم شرعة و منهاجاء** اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس کامل و مکمل نصاب حیات کی مخالفت کرنا اور عمل کو متروک کرنا درست نہیں ہے۔

مذکورہ بالا آیات کا واضح اشارہ اس طرف بھی ہوگیا کہ ہر زمانے میں اس کے مطابق اس زمانے کے نبی کے ذریعہ ایک ضابطہ عمل اور ایک شریعت نازل ہوتی رہی ہے، جیسا کہ **شرع لکم من الدین الــخ** کے اشارہ سے بھی معلوم ہوتا ہے اور پھر اس ضابطۂ حیات کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے واسطے مکمل کر کے اس پر مہر ثبت کردی اور اس کو نبی آخر الزماں خاتم الانبیاء ﷺ پر نازل فرما کر یہ اعلان کردیا کہ اب قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ محض اسی دین پر عمل سے راضی رہیں گے اب کسی دین کے اتباع کی اجازت نہیں ہے۔

گویا مسلمانوں کا پرسنل لاءشریعت مطہرہ ہے اور شریعت مطہرہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کا مجموعہ ہے، جس میں کسی تغیر و تبدل اور حذف و اضافہ کی گنجائش نہیں ہے، ارشاد باری ہے:

وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی الله ورسوله امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم ومن یعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبینا.(۱)

(کسی مؤمن مرد و عورت کے لیے گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی کا حکم دیں کہ ان کو، ان کے اس کام میں کوئی اختیار رہے، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا پس وہ صریح گمراہی میں پڑا،) چناں چہ حدیث میں بھی یہ حکم ان الفاظ میں موجود ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ترکت فیکم امرین لن تضلوا ماتمسکتم بهما او کما قال علیه السلام(۲)

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑیں ہیں جب تک تم ان دونوں کو پکڑے رہوگے ہرگز گمراہ نہیں ہوسکتے)

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد، وفی روایة فهو مردود (۳)

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی چیز پیدا کرے گا وہ مردود اور غیر مقبول ہوگی)

---

(۱) سورہ احزاب آیت ۳۶　　　(۲) مؤطا امام مالکؒ حدیث ۳۳۳۸
(۲) صحیح مسلم حدیث ۴۵۸۹

لاء کی اقسام

آج بیشتر ممالک میں دوطرح کے قوانین کا نفاذ ہے، ایک پرسنل لاء جسے احوال شخصیہ کا نام بھی دیا جاتا ہے، دوسرا کومن لاء یعنی مشترکہ قانون جو کسی ملک کے تمام باشندوں کے لیے یکساں ہوتے ہیں، جب کہ شریعت اسلامیہ انسانی مسائل خواہ انفرادی ہوں یا اجتماعی، تمدن وثقافت اور مال وزر سے اُن کا تعلق ہو یا اخلاقی بے راہ روی و جرائم سے، ان تمام کا حل یکساں طور پر پیش کرتا ہے۔ ہر مسلمان پر ان تمام احکام کی پیروی لازم قرار دی گئی ہے۔ ہمارے وطن عزیز میں رائج قوانین کی دو قسمیں ہیں: ایک سول کوڈ اور دوسرے کریمنل کوڈ۔ اس دوسری قسم کے قوانین تمام اہل ملک کے لیے یکساں ہیں، ان میں از روئے دستور کسی نوعیت کی تفریق، نسل و مذہب کی بنیاد پر نہیں کی گئی ہے، اس میں جرائم کی سزائیں بھی آتی ہیں، سول کوڈ کے دائرے میں وہ تمام قوانین آتے ہیں جن کا تعلق معاشرتی، تمدنی اور معاملاتی امور سے ہے۔ سول کوڈ ہی کا ایک حصہ پرسنل لاء ہے، اس میں مذہب کے لحاظ سے کچھ خصوصی شعبوں میں الگ مذہبی قوانین پر عمل کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

اسی کے تحت مسلمانانِ ہند کے لیے ۱۹۳۷ء میں شریعت اپلیکیشن ایکٹ قائم ہوا، جس میں یہ بات تسلیم کی گئی کہ مسلمانوں کے عائلی مسائل مثلاً نکاح، طلاق، ایلاء، ظہار، لعان، خلع، عدت، فسخ نکاح، وراثت، وصیت، ولایت، رضاعت، خضانت، وقف وغیرہ سے متعلق مقدمات اگر سرکاری عدالتوں میں دائر کئے جائیں اور دونوں فریق مسلمان ہی ہوں تو سرکاری عدالتیں اسلامی شریعت کے مطابق ہی مذکورہ معاملات میں فیصلہ کرے گی، ان ہی قوانین کا مجموعہ ''مسلم پرسنل لاء'' کہلاتا ہے۔ ہندوستانی حکومت ہمیشہ اس بات کی یقین دہانی کراتی رہی کہ اس ملک میں مسلمانوں کو اپنے پرسنل لاء کے نفاذ کا مکمل اختیار رہے گا۔ آزادی کے بعد بنے دستور ہند کے آرٹیکل ۲۰ر میں مذہبی قوانین کے تحفظ کی ضمانت دی گئی اور ساتھ ہی دفعہ ۴۴ر میں ملک کے شہریوں کے لیے یکساں قانون کی ضمانت بھی دی گئی جو کہ بظاہر دفعہ ۲۵ر سے متصادم نظر آتی ہے اور دستور ہند کی یہی وہ دفعہ ہے جس کے بطن سے ملک میں یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا فتنہ ابھرتا ہے، جب کہ اگر بغائر دیکھا جائے تو دفعہ ۴۴ غیر مذہبی امور میں ریاستوں کو یکساں قانون سازی کا اختیار دیتا ہے، مذکورہ دستور کے نفاذ کے وقت اس شق پر بحث ہوئی تو اس وقت ڈاکٹر امبیڈکر نے کہا تھا کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی بھی حکومت اپنے شہریوں اور عوام کی خواہش کی رعایت کئے بغیر کوئی قانون ان پر مسلط کردے، اس وقت تو یہ بات کہہ دی گئی لیکن بعد کے دنوں میں آنے والی حکومتیں اسی دفعہ کا حوالہ دیتے ہوئے یکساں سول کوڈ کا راگ الاپتی رہی ہیں، ۲۰۱۴ء میں موجودہ حکومت کے قیام کے بعد سے عدالتوں کی

جانب سے یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی فہمائش بڑھتی جارہی ہے۔ گذشتہ ۱۹۵۰ء سے لے کر اب تک مختلف عدالتوں نے مختلف مواقع پر یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا مطالبہ کر کے بار بار اس بحث کو تازہ کیا ہے، نیز بہت سے ایسے فیصلے بھی کئے گئے ہیں جس سے ملک میں وجود پذیر مختلف مذاہب کے عائلی نظاموں کی نفی اور تضحیک ہوتی ہے، ۱۹۸۵ء کے شاہ بانو کیس کے دوران بھی یہ بحث عدالتوں سے نکل کر سڑکوں اور پارلیمنٹ تک پہنچ گئی تھی، بالآخر حکومت کو ایک قانون منظور کر کے چیف جسٹس کے فیصلے کو بدلنا پڑا تھا، لیکن اس فیصلے کے منفی اثرات بھی پورے ملک نے محسوس کئے اور اس کے نتیجے میں ایک ردِّعمل سیاست کو فروغ ملا، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بابری مسجد کی تحریک سے لے کر اس کی شہادت تک کے واقعات اسی شاہ بانو کیس کے ردعمل کا سیاسی نتیجہ رہے ہیں۔

انقلابِ ہند سے پہلے مسلم پرسنل لاء

ہندوستان میں مسلم قوانین اور خاص کر مسلم پرسنل لاء کی تاریخ بہت قدیم ہے، مسلم عہد حکومت سے قبل ہندو عہد میں بھی مسلمانوں کے یہاں شرعی قوانین ہی کا نفاذ تھا اور اس کے لئے منجانب حکومت مسلمان قاضی ووالی مقرر ہوا کرتے تھے، جسے ''ہنرمند'' یا ''ہنرمن'' کہا جاتا تھا۔ قدیم سیاحوں کی کتب میں اس کا ذکر ملتا ہے، مغلیہ سلطنت میں بھی ہر قوم کا پرسنل لاء محفوظ رہا اور مسلمانوں پر ان کے شرعی قوانین نافذ رہے، انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد بھی انہوں نے عدم مداخلت کی پالیسی جاری رکھی، لیکن یہ صرف ایک سیاسی حکمت عملی تھی، ان کے دل کی آواز نہیں تھی اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ مسلمان گرچہ بے حد سراسیمہ وہراساں ہو چکا ہے، لیکن اسلامی قانون یعنی شریعت اسلامیہ ان کا دین وایمان ہے اور یہی ان کا ضابطہ حیات ہے: مسلمان شریعت اسلامیہ کو اپنا عام مذہبی وملکی قانون بھی سمجھتے ہیں اور اپنا نجی وشخصی قانون یعنی پرسنل لاء بھی، اسی لیے وہ یہ بھانپ گئے کہ اگر اس کو فوری طور پر تبدیل یا نسخ کر دیا گیا تو مسلمان اس کو برداشت نہیں کر سکے گا، اس لیے فوری اسلامی قانون کو ختم نہیں کیا گیا بلکہ مگر تخریبی فکر میں لگ گئے۔ اور اپنے قدیم اصول ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے مطابق عمل کرنا شروع کر دیا، پہلے مسلم وغیر مسلم کے درمیان تفریق واختلاف کا بیج بویا، اور پھر آہستہ آہستہ تفریق و اختلاف کا پودا اگا کر اسے تناور درخت بنانے کی کوشش میں لگ گئے، دوسری طرف انہوں نے فقہ اسلامی کو انگریزی زبان کا جامہ پہنانا شروع کیا، جس کے ذریعہ انہوں نے اہم مآخذ اسلامی بزبان انگریزی تیار کئے، جن حضرات نے قانون اسلامی کے مآخذ کو انگریزی زبان میں منتقل کیا، وہ عربی زبان سے ناواقف، قانونِ اسلامی کے اصل سرچشموں سے نابلد، شریعت کے مزاج سے ناآشنا ہونے کے علاوہ اسلام کے بارے میں معاندانہ ذہن بھی رکھتے تھے، ان مآخذ کی تیاری کے بعد ۱۸۳۳ء اور ۱۸۵۵ء میں گورنمنٹ کی جانب سے دو

کمیشن مقرر ہوئے اور دونوں ہی نے یہ تجویز پیش کی کہ مسلمان قاضیوں کے ذریعہ فیصلہ کے طریقے کو موقوف کر دیا جائے، چناں چہ اسلامی سزائیں حدود وقصاص وغیرہ موقوف ہوگئیں اور بظاہر اسلامی قانون نافذ رہا، پھر ۱۸۶۴ء میں ہائی کورٹ ایکٹ کے ذریعہ پرانی عدالتیں منسوخ ہوگئیں اور قاضی کا عہدہ ختم ہوگیا، گویا یہ قانون شریعت کو غیر موثر بنانے کی بالواسطہ کوشش تھی، عہدۂ قضاء کے ختم ہونے کی وجہ سے مسلم پرسنل لاء کی حیثیت کو جو نقصان پہونچا، وہ ظاہر وعیاں ہے، چناں چہ ۱۸۶۶ء میں فوجداری کا قانون ختم ہوا، پھر قانون شہادت اور قانون معاہدات منسوخ ہوئے اور بالآخر مسلمانوں کے معاشرتی قوانین میں تبدیلی کی راہیں ہموار کی جانے لگیں۔

قیام دارالعلوم دیوبند کے بعد مسلم پرسنل لاء

۱۸۶۶ء میں قیام دارالعلوم دیوبند کے ساتھ ہی حضرت نانوتویؒ نے عائلی قوانین کے اجراء کی بھی فکر کی، اس لیے کہ دارالعلوم دیوبند ایک تعلیمی تحریک اور ادارہ کے ساتھ ساتھ ایک علمی اور دینی تحریک بھی تھی، جہاں اشاعت علوم نبویؐ کے ساتھ اسلامی تہذیب وتمدن کی بقاء اور تحفظ شریعت کی جدوجہد بھی اس تحریک کا ایک مؤثر اور قابل ذکر حصہ تھا۔ چناں چہ حضرت نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند میں ہی غیر رسمی انداز سے عہدہ قضاء قائم فرمایا جس کے لیے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ بحیثیت قاضی مقرر ہوئے، جس کے تحت اسلامی قانون (پرسنل لاء) کے عائلی مسائل اور الجھے ہوئے معاملات، شرعی اصول پر طے ہونے لگے، بالآخر تغیر احوال نے اس نظام کو ختم کر دیا لیکن تحفظ مسلم پرسنل لاء کی جو داغ بیل حضرت نانوتویؒ نے ڈالی تھی وہ دلوں کی زمین میں قائم ہوچکی تھی۔

ابھی انگریزی اقتدار پر نصف صدی بھی نہ گذری تھی کہ ہندوستانیوں میں سیاسی حقوق طلبی کا داعیہ پیدا ہوا، عامۃً سیاسی جماعتوں نے سیاسی مطالبات شروع کئے اور مذہبی مطالبات نظر انداز کر دئے، جس سے دینی حقوق یعنی پرسنل لاء کے کالعدم ہونے کا اندیشہ پیدا ہوا، ہندو مسلم اختلاف کا جو پودا انگریزوں نے لگایا تھا، سات آٹھ سال میں اس نے تناور درخت کی شکل اختیار کر لی، ۱۸۶۷ء میں اس اختلافی خلیج کو وسیع کر کے دو عدالتیں یعنی مسلم اور غیر مسلم عدالتیں قائم کر دی گئیں اور مرصع سبز باغ دکھایا گیا کہ مسلمان اپنے معاملات مسلم عدالتوں میں لے جائیں اور غیر مسلم اپنے معاملات غیر مسلم عدالتوں میں لے جائیں، اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ ہندو مسلم کے درمیان اختلاف نے شدت اختیار کی، اس اختلاف کی وجہ سے ہندو مسلم دونوں میں ضعف آ گیا، پھر مسلم عدالتوں میں جو قانون نافذ کیا گیا اس کو اسلامی قانون کہتے ہوئے اس کا نام ''محمڈن لاء'' رکھا گیا حالاں کہ اسلامی قانون کو ''محمڈن لاء'' کہنا ہی غلط ہے، اس لیے کہ اسلامی قانون اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ آسمانی قانون ہے، پھر اسلامی قانون کو ''محمڈن لاء'' میں بعینہٖ نہیں رکھا گیا بلکہ اس میں

بہت کچھ تغیر وتبدل کر کے رکھا، ۱۸۷۷ء میں نیا قانون تعزیرات ہند کے نام سے مرتب ہوا مسلمانوں کو بہلانے کی غرض سے ''محمڈن لاء'' میں بھی تغیر وتبدل کر کے نیز بہت سے معاملات حذف کر کے صرف چند معاملات، جیسے نکاح، طلاق، فسخ نکاح وخلع وغیرہ تقریباً دس بارہ معاملات کو مسلم پرسنل لاء کا نام دے کر تعزیرات ہند میں شامل کیا گیا، اس موقع پر مسلم پرسنل لاء یعنی مسلمانوں کا نجی وشخصی قانون کا عنوان کھل کر سامنے آ گیا، اس پر مسلمانوں نے نوٹس لیا مگر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا، بلکہ اثر یہ ہوا کہ ۱۸۸۰ء میں الگ الگ عدالتیں ختم کر کے مسلم وغیر مسلم سب کے لیے ایک ہی مشترکہ عدالتیں قائم کر دی گئیں، چوں کہ مسلمانوں کے بہت سے مسائل میں مسلم حاکم کا فیصلہ کرنا ضروری تھا، اس لیے مسلمانوں نے اس کی پرزور مخالفت کی اور شریعت ایکٹ کا مطالبہ کیا، تو مسلمانوں کا منہ بند کرنے کے لیے شریعت ایکٹ کے بجائے قاضی ایکٹ بنا اور جا بجا شرعی قاضی مقرر کر دئے گئے، پھر چند ہی سال بعد تقریباً ۱۸۸۷ء میں قاضی ایکٹ منسوخ کر کے مسلم پرسنل لاء ایکٹ قائم کیا گیا اور صرف نکاح وطلاق وغیرہ کے لیے چند جگہ رسمی قاضی مقرر کر دیئے گئے (۱) اسی کے مدنظر فخر الاسلام حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ (مہتمم خامس دارالعلوم دیوبند) کی سربراہی میں علماء دیوبند کا ایک وفد میمورنڈم لے کر دہلی پہونچا، جس میں یہ صراحت تھی کہ مسلمانوں کے عائلی مسائل میں گورنمنٹ کوئی ایسا ایکٹ وضع نہ کرے جو شرعی قوانین سے متصادم ہو، ساتھ ہی یہ مطالبہ بھی تھا کہ ہندوستان میں پرسنل لاء کے اجراء کے لیے محکمہ قضا قائم کیا جائے، چوں کہ مسائل شرعیہ کی تنفیذ کے لیے مسلم حاکم شرط ہے، اس لیے قاضیوں کا انتخاب اہل سنت والجماعت سے ہو، اس کونسل میں ہر فرقہ کے علماء نمائندے اور ممبر ہوں اور مسائل کا فیصلہ ہر فرقہ کے اپنے فقہی اصول کی بنیاد پر ہو۔

دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ مذہبی شعائر، مساجد، مدارس، مقابر، اوقاف، خانقاہوں اور دیگر دینی رفاہِ عام کے اداروں کی حفاظت ونگرانی اور نظم ونسق کے لیے شیخ الاسلام کا عہدہ قائم کیا جائے، جو تمام شعائر کو تنظیم کے ساتھ لے کر چلنے کا ذمہ دار ہو۔ ان مطالبات پر اس وقت کے پانچ سو علماء نے توثیقی دستخط ثبت فرمائے۔

۱۹۲۹ء میں مسلم اوقاف کی تنظیم کا مسئلہ اٹھا جو پرسنل لاء ہی کا ایک جز تھا۔ گورنمنٹ نے ایک کمیٹی مقرر کی جس نے اوقاف سے متعلق استفسارات ملک کے مختلف حلقوں میں بھیجے، یہ استفساری مراسلہ دارالعلوم کو بھی موصول ہوا، جس کا جواب اس وقت دارالعلوم دیوبند کے مہتمم سادس حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نے دیا۔

۱۹۳۰ء میں حضرت حکیم الاسلامؒ سے دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کی سپردگی کے بعد مراسلت کا سلسلہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے قائم ہوا، اس دورانیہ میں حضرتؒ نے مسائل

(۱) ماخوذ از قانون ہند ص ۶۳-۶۷

وقف سے متعلق تفصیلات مرتب کرائیں، علاوہ ازیں اسی موقع سے حضرتؒ نے بذاتِ خود ''**انصاف فی قانون الاوقاف**'' نامی رسالہ بھی پوری جماعت دیوبند کی طرف سے مرتب فرمایا، جس پر تمام اکابر علماء کے دستخط ثبت ہوئے، یہ تمام کارروائی ایک کتابچہ کی صورت میں بھی طبع کرائی گئیں اور ممبران اسمبلی کے نام بھی روانہ کی گئیں، اسی دور میں ''شاردا ایکٹ'' کا مسئلہ بھی اٹھا، جو پرسنل لاء کا ایک مستقل جزء تھا۔ اس موقع سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے مستقل رسالہ مرتب فرمایا جس میں شاردا بل کے بنیادی محرکات اور عمر نکاح کے شرعی قانون میں ترمیم کئے جانے کی تردید کے ساتھ پیش کردہ اشکالات کا حل بھی تھا، دوسری طرف عائلی مسائل کو قوانین شرع کے مطابق حل کرنے کے لیے حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے بہار میں ''امارتِ شرعیہ'' قائم فرمائی، یہ امارت گویا ''مسلم پرسنل لاء'' کے نفاذ کے لیے جاری کوششوں کی علاقائی سطح کی عملی صورت تھی، آزادئ ہند سے کچھ قبل علماء دیوبند کی طرف سے حضرت تھانویؒ نے رسالہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' شائع فرمایا، جس کی بنیاد پر حضرت حکیم الاسلامؒ نے دارالعلوم دیوبند میں علماء کی ایک کمیٹی قائم فرمائی، جس نے مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے باب میں اصول شرع کی روشنی میں فیصلے کر کے سینکڑوں عورتوں کی مشکلات کا قرار واقعی حل پیش فرمایا، گویا ایک طرف دارالعلوم دیوبند تعلیمی محاذ سر کرتے ہوئے ترقیات کی طرف گامزن تھا وہیں دوسری جانب ملت اسلامیہ ہندیہ کی دینی قیادت اور تحفظ دین کا فریضہ انجام دے رہا تھا۔ (۱)

۱۸۸۷ء سے ۱۹۳۶ء تک مسلم پرسنل لاء ایکٹ کا نفاذ رہا بالآخر علمائے امت اور قائدین ملت کی سعی پیہم سے ۱۹۳۷ء میں شریعت ایکٹ بشکل مسلم پرسنل لاء تسلیم کرلیا گیا۔

انقلاب ہند کے بعد

آزادئ ہند کے بعد دستور ہند میں اقلیتوں کو اپنے مذہب پر عقیدہ رکھنے، عمل کرنے اور تبلیغ کرنے کے حق کو تسلیم کیا گیا، گویا مذہبی آزادی کے حق نے مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کی ضمانت دی، معزز عدالتیں اسے تسلیم بھی کرتی رہیں، ملکی دستور کے رہنما اصول میں جو ہدایات شامل تھیں اس میں یہ بات بھی تھی کہ ملک میں بتدریج یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی کوشش کی جائے گی، حالاں کہ دستور ساز کونسل کے بعض مسلم ممبران نے اعتراض بھی کیا مگر اسے قبول نہیں کیا گیا، مسلم اداروں اور زعماء کی آواز کو بھی معمولی اہمیت دی گئی اور سنی ان سنی کردی گئی، اس لیے یہ دفعہ جوں کی توں باقی رہی، پھر تغیر احوال سے حکومت کے تیور سامنے آنے لگے اور اس دفعہ پر عمل کی کوشش بہتر ہوتی گئی۔ ۱۹۵۰ء میں ہندو کورٹ بل پیش کیا گیا، اس موقع پر

(۱) ماخوذ از خطبۂ صدارت، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، بموقعہ تاسیس آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

وزیر قانون نے کہا کہ ہندو قوانین میں جو اصلاحات کی جا رہی ہیں اسے ہندوستان کی تمام آبادی پر نافذ کیا جائے گا، جس سے یہ بات واضح ہو رہی تھی کہ حکومت یکساں سول کوڈ کو اپنی آخری منزل سمجھتی ہے، مذکورہ تفصیلات سے اس وقت کی ہوا کے رخ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، گویا ایک بار پھر مسلم عائلی مسائل میں دخل اندازی کی کوششوں کا آغاز ہو گیا، ساتھ ہی اپنے آپ کو مسلم کہلانے والے کچھ لوگ بھی پرسنل لاء میں ترمیم و تبدیلی کا نعرہ لے کر کھڑے ہو گئے، جو شرعی مسائل کو لادینی فکر، معاشی اور سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھتے اور سوچتے تھے، جب کہ مسلم پرسنل لاء (اسلامی قانون) رسم و رواج کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ہمارے مذہب کا حصہ ہے، یکساں سول کوڈ کی زد براہِ راست ہمارے مذہب پر پڑتی ہے، دستور ہند میں دیئے گئے بنیادی حقوق سے مذہب اور ضمیر کی آزادی مہمل اور بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے، خطرے کی یہ تلوار مسلسل ہمارے سروں پر لٹک رہی ہے، مسلمانوں کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور لبرل فکر کے حامل افراد، مذہبی پابندیوں سے گھبراتے ہیں، مغربی تہذیب کی چکا چوند نے ان کی آنکھیں بند کر رکھی ہیں، ان کے دلوں کا چور بھی یہی ہے کہ وہ ان مذہبی پابندیوں سے آزاد ہو جائے، وہ مسلم خاندان میں پیدا ہو جانے کی وجہ سے مسلم ضرور کہے جاتے ہیں لیکن دل و دماغ، افکار و خیالات، انداز فکر اور جذبات کے اعتبار سے اسلام سے بہت دور ہیں۔

قیام مسلم پرسنل لاء کے باب میں پہلی پیش رفت

مسلمانوں کی حالت زار اور ملکی احوال سے حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سخت بے چین ہو گئے، اپنی داعیانہ فکر اور موروثی قائدانہ استعداد کی بنیاد پر ان پیش آمدہ احوال سے نبرد آزما ہونے کے لیے متفکر ہوئے اور عملی اقدامات کے لیے میدان عمل میں آنے کے لیے خاکہ سازی پر غور کرنے لگے، چناں چہ ایک روز اسی عالم استغراق میں اپنے صاحبزادۂ اکبر خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کو طیب منزل دیوبند میں اپنی مخصوص لائبریری میں طلب فرمایا اور تمام احوال سے مطلع کرتے ہوئے دشمنان اسلام کی طرف سے ہونے والی مذموم کوششوں کا ذکر فرمایا نیز فرمایا کہ اب مسلم پرسنل لاء کے نظام کو حکومت سے عملی نفاذ کا مطالبہ کر کے باقاعدہ ایک تحریک کی شکل میں پیش کرنے کی اشد ضرورت ہے، لہٰذا جتنا جلد ہو سکے اس کا منصوبہ بنا کر مجھے دکھاؤ تا کہ ملکی سطح پر ایک تحریک چلا کر اسے نافذ کیا جا سکے، گویا انقلاب ہند کے بعد مسلم پرسنل لاء کے سلسلے میں یہ پہلی میٹنگ تھی جس میں حضرت حکیم الاسلامؒ نے فرمایا کہ اگر ہندوستان میں رہنا ہے اور اسلامی تشخص و شعائر کو باقی رکھنا ہے تو مسلم پرسنل لاء کے نظام کو نافذ کرنا ضروری ہے ورنہ مستقبل میں اسلامی تشخص، شعائر اور حقوق تو دور کی بات ہے ہندوستان میں مسلمانوں کے وجود کے بھی لالے پڑ جائیں گے، یہ وہ بصیرت انگیز فکر تھی جنہیں ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل اور اس

پر منڈلاتے خطرات کے بادل اسی وقت سے نظر آ رہے تھے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ نے والد صاحب کے حکم پر ایک ہفتہ میں مسلم پرسنل لاء کے منصوبہ کو وقیع انداز میں تیار کر کے حضرت حکیم الاسلامؒ کی خدمت میں پیش کر دیا، حضرت نے بغائر مطالعہ کے بعد خوشی کا اظہار فرمایا اور ناگزیر اصلاحات فرما کر اپنے پاس رکھ لیا۔(۱)

حضرت خطیب الاسلامؒ کے پیش کردہ نظام اور وقیع خطہ کا علمی جائزہ لینے کے بعد حضرت حکیم الاسلامؒ نے دارالعلوم دیوبند میں حضرات اساتذہ وارباب افتاء کی ایک کمیٹی بنام ''پرسنل لاء کمیٹی'' تشکیل دی۔ ارکانِ کمیٹی کے لیے آپ نے چند امور بطور اصول بھی مرتب فرمائے تاکہ ان کی روشنی میں مدلل دفاع کا فریضہ انجام دیا جاسکے۔ اسلام اور مسلم پرسنل لاء کا علمی جائزہ لے کر پیش کردہ شبہات کا حل اور امکانی حد تک پرسنل لاء کے زیر بحث مسائل کی جمع وترتیب کے ساتھ اشکالات وشبہات کے شرعی جوابات کا مواد فراہم کر کے مرتب کرے، گویا حضرت حکیم الاسلامؒ نے بایں طور تحفظ مسلم پرسنل لاء کے باب میں آزادئ ہند کے بعد یہ پہلی اہم پیش رفت فرمائی۔

۱۹۶۲ء میں مہاراشٹر اسمبلی کے ایک مسلم ممبر حسن علی حمدانی کی جانب سے ایک سے زائد شادی پر پابندی کے عنوان سے مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کو ایک باقاعدہ بل کی شکل میں پیش کیا گیا، گویا اس طرح ایک بار پھر مسلم پرسنل لاء پر براہِ راست کھل کر حملہ کیا گیا، جس کے ذریعہ دفعہ ۴۴ کی آڑ میں پوشیدہ ارادے بھی کھل کر سامنے آ گئے۔ پھر بات یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ مرکزی وزیر قانون نے مسلم پرسنل لاء میں اصلاحات کی خاطر کمیشن کے تقرر کا اعلان کر دیا، حکومت سے وابستہ افراد نے بالواسطہ یا بلاواسطہ مسلم پرسنل لاء کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کرنا شروع کیا۔ اس موقع پر تمام جماعتوں، اداروں، تحریکوں حتیٰ کہ عوام و خواص کے ہر گروہ نے اور ہر طبقہ نے حکومت کے ارادوں کو بھانپ لیا اور اصلاح کے نام سے پرسنل لاء کے خاتمہ کے منصوبوں کی مذمت کی، ہر قسم کی ترمیم واصلاح کو مداخلت فی الدین قرار دے کر مسلم پرسنل لاء کی جگہ یکساں سول کوڈ یا اس کے مماثل قانون کے نفاذ کو مسلمانوں کے لیے ناقابل قبول قرار دیا، لیکن مسلمانوں کا یہ ملک گیر احتجاج بھی صدا بصحرا ثابت ہوا اور ۶ رستمبر ۱۹۶۴ء کو مہاراشٹر اسمبلی میں یک زوجگی کے نفاذ پر بل پیش ہوا۔ ۷ رجولائی ۱۹۷۲ء میں دوبارہ ایک سے زائد شادی پر پابندی کی آڑ میں مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کا بل پیش ہوا اور اس طرح ایک بار پھر مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا، طرح طرح کے مفروضہ من گھڑت اور مضحکہ خیز دلائل کی آڑ لے کر شریعت اسلامی کو نشانہ بنایا گیا، وہیں ان ہی دنوں ۱۹۷۲ء میں راجیہ سبھا میں متبنی بل پیش ہوا، جس میں وزیر قانون نے یہ اعلان کیا کہ یہ قانون یکساں شہری قانون کی

(۱) ماخوذ از سیرت وشخصیت: حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ غیر مطبوعہ مرتب مولانا اسامہ صدیقی صاحب

حیثیت سے تمام شہریوں پر نافذ ہوگا یعنی اس کا اطلاق ملک کے تمام شہریوں پر بشمول مسلمان کے ہوگا۔

یہ وہ احوال تھے جس سے ملت اسلامیہ ہندیہ دوچار تھی، ادھر مسلمانوں کی ہر جماعت، تنظیم اور اداروں نے پرزور الفاظ میں یہ اعلان شروع کیا کہ مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی دین اسلام میں مداخلت ہے۔ یکساں سول کوڈ یا اس کے مماثل اس طرح کا کوئی قانون مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت ہے۔

تاسیس مسلم پرسنل لاء بورڈ

دارالعلوم دیوبند جو ملتِ اسلامیہ ہندیہ کا دھڑکتا ہوا دل، مسلمانوں کا ایک عظیم دینی و اسلامی مرکز، علوم اسلامیہ کا سرچشمہ اور احیائے اسلام کی ایک تحریک ہے، جس نے مسلمانانِ ہند کو پیش آمدہ مسائل کے حل سے کبھی اپنے قدم پیچھے نہیں ہٹائے، بلکہ دینی مسائل کے حل کے ساتھ ملی قیادت کا فریضہ بھی انجام دیا، اسلامی احکام اور شریعت کے دفاع میں سینہ سپر رہا اور قابل قدر کارنامہ انجام دیا، آزادیٔ ہند سے پہلے بھی جب مسلم پرسنل لاء کو خطرات و چیلنجز لاحق ہوئے تو دارالعلوم دیوبند نے ایسے موقع پر مدافعت کا مکمل فریضہ انجام دیا اور آزادی ہند کے بعد بھی مایوس کن حالات میں شریعت کے لیے ایک مینارۂ نور ثابت ہوا۔

حضرت حکیم الاسلامؒ نے ہندوستان میں تحفظ مسلم پرسنل لاء کی غرض سے ۱۳/۱۴/ مارچ ۱۹۷۲ء کو دارالعلوم دیوبند کی دارالحدیث تحتانی میں ایک نمائندہ اجتماع منعقد کیا۔ جس میں آپؒ نے درج ذیل ارکان بطور خاص مدعو کئے۔ (۱) حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ (۲) حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ (۳) حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادی صاحبؒ (۴) حضرت مولانا حامد الانصاری غازی صاحبؒ (۵) ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحبؒ (۶) جناب بشیر احمد ایڈوکیٹ صاحبؒ وغیرہم، اس خاص اجتماع میں مسلم پرسنل لاء سے متعلق تمام امور زیر بحث آئے۔ ان اعتراضات پر بھی غور وخوض کیا گیا جو مسلم پرسنل لاء کو بدنام کرنے کے سلسلے میں اٹھائے جارہے تھے۔ نیز قوانین شرعیہ کے نہ صرف دفاع اور تحفظ بلکہ تحفظ کے حقیقی راستے یعنی ان کے عملی نفاذ کے طریقوں پر بھی غور کیا گیا۔ اس اجتماع کی تخطیط اور مکمل نقشہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کا تیار کردہ تھا، جس کی تیاری میں وہ اول روز سے مصروف رہے، اور اس کی تیاری میں انھوں نے دن رات ایک کردیئے اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اس اجتماع کی کامیابی کا سہرا حضرت خطیب الاسلامؒ کی شبانہ روز جد و جہد کو جاتا ہے، دیوبند کے نامور عالم دین محترم جناب مولانا ندیم الواجدی صاحب (مدیر ماہنامہ ''ترجمان دیوبند'') نے ایک دفعہ دوران گفتگو برسبیل تذکرہ فرمایا کہ ''جب دارالعلوم دیوبند میں مسلم پرسنل لاء کمیٹی کے اجتماع کی تیاری جاری تھی تو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت خطیب الاسلامؒ کبھی ناگزیر کاغذوں کی تیاری میں مصروف ہیں تو کبھی رجسٹروں

کی تیاری میں منہمک، اجتماع کی سلسلے میں دارالعلوم کی لائبریری میں ابتدائی میٹنگ ہوئی اور پھر اجتماع، ان تمام مواقع پر ہم نے دیکھا کہ حضرت خطیب الاسلامؒ ہی تھی جو اجلاس کی تمام کارروائیوں کو قلم وقرطاس کے حوالے کر رہے تھے، اور مسلم پرسنل لاء واجتماع سے متعلق ناگزیر امور بھی مرتب کر رہے تھے۔

گویا آپ بانی مسلم پرسنل لاء بورڈ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے قیام بورڈ کے تخیل اور تخطیط میں ان کے دست وبازو کی حیثیت سے ان کے اور بورڈ کے علمی وفکری کاموں کو انجام دیتے رہے۔

بہر حال دارالعلوم کی دارالحدیث تحتانی میں مسلم پرسنل لاء کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا، اس اجلاس میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے شریعت اسلامی پر خطرات کے منڈلاتے بادل، اسلام دشمن عناصر کی ریشہ دوانیوں اور حکومت کے منفی رویہ سے آگاہ کیا، تاثیر میں ڈوبی ہوئی اپنی بے چینی اور اضطرابی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا ایسے حالات میں جب کہ قوانین اسلام اور ہماری شریعت پر شب خون مارنے کی تمام سازشوں سے ہم مطلع ہو چکے ہیں، کیا ہم پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ ہم مکاتب فکر اور مسالک کی تمام دیواروں کو منہدم کر کے شریعت کے ہر جز کی حفاظت کے لیے ایک ہو جائیں؟

حضرت حکیم الاسلامؒ کی اضطرابی کیفیت اور غم میں ڈوبی گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ اسی مجلس میں یہ طے پایا کہ ایک وفد مسلم پرسنل لاء کنونشن کی تیاری کی فضاء ہموار کرے، یہی مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام کا عملی آغاز تھا۔

اس اجتماع میں ایک سوال نامہ مرتب کیا گیا اور ایک مشترکہ بیان شائع کیا گیا جس بیان میں کہا گیا کہ:

> ''اسلام ایک کامل اور مکمل دین ہے، اس کا نظام انسانی زندگی کے تمام ہی شعبوں پر حاوی نیز ہر دور اور ہر ملک کے انسانوں کے لیے یکساں طور پر فلاح کا ضامن ہے۔ اسلام کی بنیادی کتاب قرآن کریم ہے اور اسلامی نظام کی واضح اور کامل تعبیر وتشریح سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ ''مسلم پرسنل لاء'' کے تحت جو معاملات آتے ہیں اور جس کے بارے میں اصل قانون شریعت نافذ ہے۔ اس اجتماع کے خیال میں وہ خالصتاً مذہبی معاملات ہیں، جس پر امت کی امتیازی حیثیت اور ملی وتہذیبی انفرادیت کی بقاء موقوف ہے۔ قانون شریعت ''مسلم پرسنل لاء'' کے بجائے مشترکہ سول کوڈ کے نفاذ کی کوشش یا بالواسطہ قانون سازی کے ذریعہ مسلم پرسنل لاء کو آہستہ آہستہ ختم کرنے کی کوشش، مذہب وتہذیب کی آزادی پر حملہ ہوگا جسے مسلمانانِ ہند کسی قیمت پر گوارہ نہیں کر سکتے''۔(۱)

علاوہ ازیں ایک طویل ترین بیان جاری کیا گیا، اسی اجتماع میں مسلم پرسنل لاء کنونشن کے انعقاد کے لیے ایک تیاری کمیٹی بھی تشکیل دی گئی جس کے کنوینر خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ مقرر ہوئے، اس کنونشن کا ہدف تھا کہ مسلم پرسنل لاء کے سلسلے میں اٹھائے جانے والے اعتراضات کا علمی

(۱) ماخوذ از خطبۂ صدارت، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، بموقعہ تاسیس آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

اور تحقیقی جواب دیا جائے نیز مسلمانوں کی تمام جماعتوں، مکاتب فکر اور طبقات فکر پر مشتمل ایک آل انڈیا پیمانہ کا کنونشن منعقد کیا جائے، تیاری کمیٹی جس کے کنوینر حضرت خطیب الاسلامؒ ہی تھے، اس کا ایک اجتماع مئی ۱۹۷۲ء کے اوائل میں ہوا۔ جس میں متعلقہ سوال نامے زیر بحث آئے، جسے طبع کرا کر ملک کے تمام مکاتب فکر کے علماء، مفکرین اور دانشوران کے پاس بھیجا گیا، جولائی ۱۹۷۲ء تک جوابات روانہ کرنے کی ان سے درخواست کی گئی، جوابات پر غور کرنے کے لیے مقامی تیاری کمیٹی کا دوبارہ اجلاس ۱۴ر جولائی ۱۹۷۲ء کو دارالعلوم دیوبند میں منعقد ہوا اور یہ طے پایا کہ جوابات پر مزید غور کرنے اور مجوزہ اجتماع عام کی تاریخیں مقرر کرنے کے لیے تیاری کمیٹی کا اجلاس ۱۵/۱۶ر اگست ۱۹۷۲ء کو دارالعلوم میں بلایا جائے، چناں چہ مقررہ تاریخوں میں یہ اجلاس منعقد ہوا، جس میں ملک کے مؤقر علماء کے علاوہ اراکین مسلم پرسنل لاء کمیٹی دارالعلوم دیوبند نے شرکت کر کے بحث میں حصہ لیا، اس جلسہ میں شریک علماء نے مطبوعہ سوال نامے کے جوابات سننے کے بعد (جنہیں دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ وفضلاء نے مرتب کیا تھا اور جن کے لیے حضرت حکیم الاسلامؒ نے ان کے پاس راہنما اصول پہلے ہی ارسال کر دیئے تھے) سب نے اس پر اظہار مسرت کیا اور یہ وضاحت کی کہ وقت کے ان اہم ترین مسائل پر علماء کے جوابات محققانہ اور عقلی ونقلی دلائل سے مزین ہیں، جس سے زیر بحث مسائل میں اسلامی موقف پوری طرح کھل کر سامنے آ گیا ہے اور یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ شریعت اسلامی کے ناقابل تبدیل اصول ہر دور کے مسائل کا خاطر خواہ حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور انسانیت کی فلاح کے ضامن ہیں۔ (۱)

ابھی ہمارے قائدین اس کنونشن کے انعقاد کی تیاریوں میں ہی مصروف تھے کہ اچانک ۲۳ر مئی ۱۹۷۲ء کو راجیہ سبھا میں متبنی بل کا ایک مسودہ پیش کرتے ہوئے اس وقت کے وزیر قانون مسٹر ایچ، آر گوکھلے نے کہا:

> ’’ہندو قانون تبنیت ونفقہ ۱۹۵۶ء کی جگہ یہ نیا قانون یکساں شہری قانون کی حیثیت سے ملک کے تمام شہریوں پر نافذ ہوگا۔ یہ مسودہ قانون یکساں سول کوڈ کے لیے مضبوط قدم ہے‘‘

پھر کیا تھا ملی قیادت بے چین ہوگئی اور باقاعدہ اس کے خلاف ملک گیر سطح پر تحریک چلانے کا منصوبہ بنایا اور اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پوری قوت کے ساتھ لگ گئی، حضرت حکیم الاسلامؒ کی قیادت میں دارالعلوم دیوبند کا مذکورہ بالا اجتماع ملت اسلامیہ کے وجود کے لیے ایک تاریخ ساز کنونشن کا نقطہ آغاز بن گیا۔

مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کا مشورہ بمبئی سے اٹھا تھا، تو اس وقت مہاراشٹر کی مسلم جماعتوں نے اس کی مذمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اسی کے پیش نظر تیاری کمیٹی کی نظریں کنونشن کے لیے بمبئی کی طرف

(۱) ماخوذ از پس مرگ زندہ ص ۳۶/۳۷

اٹھنے لگیں۔ ۲۱؍اگست ۱۹۷۲ء کو اس کمیٹی کے ارکان کا ایک وفد حضرت حکیم الاسلامؒ کی معیت میں بمبئی پہنچا جس میں حضرت خطیب الاسلامؒ بطور خاص شریک تھے۔ پھر ۲۴؍اگست ۱۹۷۲ء کو مسلمانانِ بمبئی کا ایک نمائندہ اجتماع منعقد ہوا، اس اہم اور تاریخی اجتماع میں بالاتفاق ایک آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کنونشن کے شہر بمبئی میں انعقاد کا قطعی اور آخری فیصلہ لیا گیا، جس طرح مہاراشٹر سے مسلم پرسنل لاء کے خلاف آواز بلند ہوئی تھی اسی طرح مہاراشٹر سے مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے لیے ایک تاریخ ساز قدم بڑھا، پھر اس اجتماع میں ہی کنونشن کی انتظامیہ کمیٹی کا قیام عمل میں آیا، جس کمیٹی کے سب سے متحرک، فعال رکن اور سربراہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ تھے، انتظامیہ کمیٹی نے ناگزیر اقدامات کئے اور ان کے اقدامات سودمند ثابت ہوئے۔ ایک موقع پر انتظامیہ کمیٹی کی ایک عام نشست میں انتظامیہ کمیٹی کو باقاعدہ مجلس استقبالیہ میں تبدیل کر دیا گیا۔

بمبئی کا تاسیسی اجلاس

حضرت خطیب الاسلامؒ کی سربراہی میں وفد کی شبانہ روز جدو جہد کے بعد بالآخر ۲۷/۲۸؍دسمبر ۱۹۷۲ء کو سرزمین بمبئی میں ایک تاریخ ساز کنونشن منعقد ہوا اور اس اجلاس میں باتفاق رائے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام کا فیصلہ لیا گیا، جس کو مسلمانانِ ہند کے تمام مکاتب فکر کی بھرپور تائید حاصل ہوئی، اس اجلاس میں برصغیر ہند نے اتحاد امت کا ایسا نظارہ اس سے قبل نہیں دیکھا تھا، جس میں شرکت کرنے والے تمام ہی مکاتب فکر کی نمائندہ شخصیات تھیں، اس اجلاس میں حضرت حکیم الاسلامؒ نے تمام حاضرین و منتظمین کے شکریہ کے ساتھ ایک طویل ترین عالمانہ، مفکرانہ، فلسفیانہ اور تاریخ ساز خطبۂ صدارت پیش فرمایا۔ جس میں آپ نے یہ واضح فرمایا کہ شریعت اسلامیہ خدا کی نازل کردہ شریعت ہے، جس میں کسی تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں، یہ قانون فطرت ہے اور فطرت میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ دین کے کلیات و جزئیات، احکام و آداب، اخلاق وعقائد، معاملات و معاشرت اور اجتماعی قوانین سے لیکر عائلی قوانین تک کی فطری حدود کو نہیں بدل سکتے مسلم پرسنل لاء اور عائلی قوانین میں تبدیلیوں اور علماء امت کے دفاع کا تذکرہ کرتے ہوئے موجودہ حالات سے باخبر کیا اور ان احوال میں مستقبل کے لیے راہنما خطوط کیا ہوں یہ بھی تفصیل سے بیان فرمایا۔

اسی کنونشن میں باتفاق رائے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کا فیصلہ درج ذیل اغراض ومقاصد کے تحت کیا گیا:

''(الف) ہندوستان میں ''مسلم پرسنل لا'' کے تحفظ اور شریعت ایکٹ کے نفاذ کو قائم اور باقی رکھنے کے لیے مؤثر تدابیر اختیار کرنا۔

(ب) راست، بالواسطہ یا متوازی قانون سازی، جس سے مسلم پرسنل لاء میں مداخلت ہوتی ہو، علاوہ ازیں کہ وہ قوانین پارلیامنٹ یا ریاستی مجلس قانون ساز میں وضع کئے جا چکے ہوں، یا وضع کئے جانے والے ہوں یا اس طرح کے عدالتی فیصلے جو مسلم پرسنل لا میں مداخلت کا ذریعہ بنتے ہوں انہیں ختم کرانے یا متبادل طور پر مسلمانوں کو ان سے مستثنیٰ قرار دیئے جانے کی جدوجہد کرنا۔

(ج) مسلمانوں کو عائلی و معاشرتی زندگی کے بارے میں شرعی احکام و تعلیمات میں عطا کردہ حقوق و عائد کردہ فرائض سے واقف کرانا اور اس مقصد کے لیے لٹریچر شائع کرنا اور اس کی تشہیر کرنا۔

(د) شریعت اسلامی کے عائلی قوانین کی اشاعت و تشہیر اور مسلمانوں پر ان کے نفاذ اور ان کی پابندی کے لیے جامع خاکہ تیار کرنا۔

(ہ) مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لیے بوقت ضرورت ''مجلس عمل'' بنانا، جس کے ذریعہ بورڈ کے فیصلے پر عمل درآمد کرنے کی خاطر پورے ملک میں حکومت کے قواعد کے حدود کے اندر مہم منظم کرنا۔

(و) علماء اور ماہرین قانون پر مشتمل ایک مستقل کمیٹی کے ذریعہ مرکزی یا ریاستی حکومتوں یا دوسرے سرکاری و نیم سرکاری اداروں کے ذریعہ نافذ کردہ قوانین اور گشتی احکام (Circulars) یا ریاستی اسمبلیوں اور پارلیامنٹ میں پیش کئے جانے والے مسودات قانون (بل) کا اس نقطۂ نظر سے جائزہ لیتے رہنا کہ ان کا مسلم پرسنل لا پر کیا اثر پڑتا ہے۔

(ز) ہندوستان میں نافذ ''محمڈن لا'' کا شریعت اسلامی کی روشنی میں جائزہ لینا، اور نئے مسائل کے پیش نظر رکھتے ہوئے فقہ اسلامی کے مختلف مسالک کے تجزیاتی مطالعہ کا اہتمام کرنا، اور شریعت اسلام کے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے کتاب و سنت کی اساس پر ماہرین شریعت اور فقہ اسلامی کی رہنمائی میں نئے مسائل اور مناسب حل تلاش کرنا۔

(ط) بورڈ کے مذکورہ بالا اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے وفود ترتیب دینا، Study Teams تشکیل دینا، سیمینار، سمپوزیم، خطابات، اجتماعات، دوروں اور کانفرنسوں کا انتظام کرنا نیز ضروری لٹریچر کی اشاعت اور بوقت ضرورت اخبارات و رسائل اور خبر ناموں وغیرہ کا اجراء اور اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے دیگر ضروری امور انجام دینا''۔(۱)

اس کنونشن میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ نے بھی وقیع علمی خطاب فرمایا جس کے اہم اقتباسات درج ذیل ہیں:

''جس مسئلے نے دن کا چین اور رات کی نیند حرام کر دی ہے وہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کا مسئلہ ہے، یہ

(۱) روداد مسلم پرسنل لا کنونشن بمبئی ۱۹۷۲ء ماخوذ از مضمون مولانا وقار الدین لطیفی بعنوان حضرت خطیب الاسلام اور مسلم پرسنل لاء بورڈ

مسئلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، ہم بڑے اضطراب سے دوچار ہیں، اور اس میں ایک خیر کا پہلو بھی ہے وہ یہ کہ ہماری اضطراب کے ذریعہ آزمائش ہو رہی ہے، آیا ہم اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہین یا پیٹھ پھیر دیتے ہیں۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ دین خداوندی کو باقی رکھنے کے لیے تمہاری حاجت نہیں بلکہ تمہیں حاجت دین خداوندی کی ہے۔ چناں چہ ارشاد خداوندی ہے: ''**وان تتولوا یستبدل قوما غیر کم ثم لا یکونوا امثالکم**''. اگر تم نے دین کی حفاظت سے رخ پھیر لیا تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم لا کھڑا کرے گا جو تمہارے جیسی نہ ہوگی اور وہ دین کی حفاظت کرے گی۔ تمہارا ایمان لانا کوئی خدا پر احسان نہیں ہے، بلکہ اس کا احسان ہے کہ اس نے اپنی ہدایت سے نوازا۔ ''**قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھداکم للایمان**'' اے نبی کہہ دو کہ تم اپنے ایمان کا احسان نہ بتاؤ بلکہ خدا کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم کو ہدایت سے نوازا۔

بہرحال عرض یہ کرنا ہے کہ مسلم پرسنل لاء جس کو اردو میں مسلم معاشرتی قانون کہتے ہیں۔ اس سلسلے میں اسلام نے رہنمائی کی ہے اور بتایا کہ اسلام کی تعلیمات مکمل ہیں اس میں کسی ترمیم کی قطعاً ضرورت نہیں، ''**الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا**''. ہم نے تمہارے لیے دین اسلام کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا ہے۔

دوسری یہ بات اسلام تعلیم دیتا ہے کہ قانون سازی کا حق صرف خدا تعالیٰ کو ہی ہے کسی اور کے لیے حق قانون سازی تسلیم ہی نہیں کرتا۔ اور آخری بات یہ کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو خدا کا پسندیدہ ہے ''**ان الدین عند اللہ الاسلام**'' حقیقتاً اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے چناں چہ اس کے سوا کوئی اور دین مقبول نہیں ہے ''**ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه**''، یعنی اسلام کے علاوہ کوئی دین اللہ کو مقبول نہیں ہے لہٰذا ایک مسلمان کے لیے ناممکن ہے کہ مسلمان رہتے ہوئے مسلم شرعی قانون میں تبدیلی پر رضامند ہو جائے۔ ہم ہرگز اس تبدیلی کو برداشت نہیں کر سکتے''۔(۱)

اتحاد ملت کا تاریخ ساز منظر

حقیقت یہ ہے کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی ہی وہ متفقہ، مسلمہ اور مقبول شخصیت تھی، جنھوں نے مختلف الخیال قائدین اور عوام کو ایک دھاگے میں پرو کر مسلم پرسنل لاء کی ایک عظیم قوت میں تبدیل کر دیا تھا اور بورڈ کو مرکزی اتحاد کا ایسا نمونہ بنایا جو آج بھی اپنی افادیت و تاثیر کے اعتبار

(۱) روداد مسلم پرسنل لا کنونشن بمبئی ۱۹۷۲ء، مسلم پرسنل لاء بورڈ کا قیام، ص: ۱۷۸

سے ثمر آور ہے۔ تحفظ دین کی خاطر مسلمانانِ ہند کا ایسا مضبوط و مستحکم اتحاد، تحریک خلافت کے بعد شاید چشم فلک نے کبھی دیکھا ہو، ملت کے اس اتحاد نے خطرناک حالات کے تیور بدل ڈالے اور ملت اسلامیہ کو ولولہ وحوصلہ عطاء کیا۔ یقیناً مسلمانانِ ہند کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لیے کی گئی تمام کوششیں قابل قدر اور ان کی جدو جہد تاریخ کا ایک ذریں باب ہے، اس اتحاد ملت کا سہرا حضرت حکیم الاسلامؒ کے علاوہ حضرت خطیب الاسلامؒ کے سر جاتا ہے، جن کی وسعت ذہنی، کشادہ قلبی، اعلیٰ ظرفی اور ایک طویل جدو جہد اور کوشش کے نتیجے میں یہ منظر سامنے آیا تھا۔

۷/اپریل ۱۹۷۳ء کو حیدرآباد میں منعقدہ اجلاس میں بورڈ کی باضابطہ تشکیل عمل میں آئی، جس میں باتفاق رائے حضرت حکیم الاسلامؒ بورڈ کے پہلے صدر اور حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ پہلے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے۔ اور بورڈ کے ۱۰۲/بنیادی ارکان قرار دیئے گئے۔

قیام مسلم پرسنل لاء بورڈ کا اولین محرک

مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے لیے حضرت نانوتویؒ کے دور سے جاری جدو جہد اور پھر حضرت حکیم الاسلامؒ کی تڑپ، سعیٔ پیہم اور ساتھ میں حضرت خطیب الاسلامؒ کی شبانہ روز جہد مسلسل، ایک تحریک کی شکل اختیار کر کے ایک مستحکم تنظیم کی صورت میں معرض وجود میں آئی، یعنی بورڈ کا قیام مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے لیے عرصے سے جاری کوششوں کا تتمہ تھا۔ گویا بہ ایں معنی بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت حکیم الاسلامؒ کی ذات ہی قیام آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی اولین محرک اور ذریعہ بنی، جن کی آفاقی و متفق علیہ شخصیت نے تمام مسالک و مکاتب کی نمائندہ شخصیات کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا، حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب مدظلہ (استاذ دارالعلوم دیوبند و مدیر ماہنامہ ''الداعی'' عربی) کی زبانی مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تعمیر کا ''اصل سہرا حکیم الاسلامؒ اور دارالعلوم دیوبند'' کو جاتا ہے، چناں چہ وہ لکھتے ہیں کہ:

> آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اس دور آخر میں ''دفاع عن الاسلام'' کے حوالے سے آزاد ہندوستان میں پہلا اور سب سے طاقت ور، وسیع البنیاد پلیٹ فارم ثابت ہوا اور اپنی تاسیس کے بعد سے اب تک کسی نہ کسی شکل میں، یہی اس وقت مسلمانوں کے لیے، اسلامی قوانین پر آنے والی کسی بھی آنچ سے حفاظت کا طاقت ور اور متحدہ اسٹیج ہے اور اس کی تعمیر کا اصل سہرا حکیم الاسلامؒ اور دارالعلوم دیوبند کے سر جاتا ہے، جو ہمیشہ ہندی مسلمانوں کے لیے ''دفاع عن الاسلام'' کا اولین قائد رہا ہے، حکیم الاسلامؒ تاحیات اس کے متفقہ صدر، سربراہ اور راہ نما رہے۔ (۱)

(۱) پس مرگ زندہ ص: ۱۳۹

تحفظ دین وشریعت یعنی تحفظ مسلم پرسنل لاء کے باب میں یہ آپ کا ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جسے فراموش کرنا یقیناً عظیم ناانصافی ہے۔

مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس ممبئی منعقدہ ۲۸،۲۹/ اکتوبر ۱۹۹۹ء میں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کو مسلم پرسنل لا بورڈ کا نائب صدر بنایا گیا۔ عہدوں کی چاہت، منصب کی لالچ اقتدار کی حرص حضرت خطیب الاسلامؒ کو قریب سے چھوکر بھی نہیں گذرتی تھی، بلکہ عہدوں سے بے نیازی کے ساتھ محض حق کی سربلندی کے لیے انھوں نے پوری حیات اپنے اسلاف کے طرز پر وقف کردی اور بلا کسی ظاہری و باطنی مفاد کے محض دین کی خدمت کا فریضہ انجام دیتے رہے، دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم وقف دیوبند، مسلم پرسنل لاء بورڈ اور آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے علاوہ بہت سے تعلیمی وملی اداروں میں بارہا ایسے مواقع آئے جہاں انھوں نے اپنی اس شان بے نیازی کا بھرپور ثبوت دیا ہے اور کبھی خود کو انھوں نے کسی منصب کے لیے پیش نہیں کیا، چناں چہ مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی صاحبؒ (سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) کی وفات کے بعد بورڈ میں اگر کوئی شخصیت صدارت کی مستحق تھی تو وہ شخصیت حضرت خطیب الاسلامؒ کی تھی، لیکن اس وقت انھوں نے اپنی اسی شانِ بے نیازی کا مظاہرہ پیش کرتے ہوئے اپنے تلمذ رشید حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام صاحبؒ کا نام بورڈ کی صدارت کے لیے پیش فرمادیا اور ان ہی کے حق میں تائید فرمائی، لیکن حضرت قاضی صاحبؒ کی مدت صدارت زیادہ طویل نہ رہی بلکہ کچھ ہی سالوں میں وہ رحلت فرماگئے، ان کی وفات کے بعد ایک بار پھر صدارت کا مسئلہ درپیش ہوا اور اس وقت بھی سب کی نظر انتخاب حضرت خطیب الاسلامؒ پر ہی تھی لیکن آپ نے یہاں حضرت مولانا رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہ موجودہ صدر کی منصب صدارت کے لیے تائید فرمائی، حضرت رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہ (موجودہ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) اپنے ایک تأثراتی مضمون میں تحریر کرتے ہیں کہ:

> ''حیدرآباد میں انتخابی اجلاس ہوا جس میں راقم السطور کی معذرت کے باوجود صدارت کی ذمہ داری اس پر ڈالی گئی، جس میں مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کی تائید بھی شامل تھی، ان کو نائب صدر کا منصب پہلے سے حاصل تھا وہ برقرار رہا لیکن راقم السطور ان کو صدارت کے منصب کی حیثیت سے ہی محسوس کرتا رہا اور ان کا تعلق بھی ہمیشہ تقویت کا بنا رہا۔''(۱)

حقیقت یہ ہے کہ وسعت فکری، اعلیٰ ظرفی، صبر وشکر، استغناء وقناعت، حلم وتحمل، شجاعت وشہامت آپ کی طبیعت سلیمہ کا حصہ تھی، عمر کے آخری ایام میں ضعف ونقاہت، علالت و دیگر اعذار کے باوجود آپ بورڈ کی نشستوں میں پابندی کے ساتھ شرکت فرماتے، بورڈ کے پروگراموں میں شرکت کو ترجیح دیتے، اپنے

(۱) ماخوذ از تأثراتی مضمون، حضرت مولانا رابع حسنی ندوی صاحب، ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم وقف دیوبند'' ''خطیب الاسلام نمبر''

مفید مشوروں اور صائب رائے سے نوازتے رہے، مسلم پرسنل لا بورڈ سے چوں کہ ان کا گہرا رشتہ تھا، ان کے قیام و استحکام میں آپ کی عرق ریز کاوشیں اور جہد مسلسل کارفرما تھیں، اس لیے بورڈ کی محبت آپ کے دل میں جاگزیں تھی، بورڈ کے لیے تادم حیات سرگرم عمل رہے اور بورڈ کو اپنی علمی، فکری اور عملی جدوجہد سے مسلسل تقویت پہنچاتے رہے نیز مسلم پرسنل لاء کو درپیش مختلف چیلنجوں کا ہمیشہ دنداں شکن جواب دیتے رہے جو تاریخ کا ایک ذریں باب ہے جسے فراموش کرنا ایک عظیم ناانصافی اور حقیقت سے انحراف کرنا ہے لیکن اب جب کہ حضرت ہمارے درمیان سے رخصت فرما گئے ہیں، تحفظ دین شریعت کے باب میں اپنی زندگی کا ایک طویل ترین وقت گذار کر کوچ کر گئے ہیں، ایسے میں وہ جملہ یاد آتا ہے جو حضرت سعید بن جبیرؒ کی رحلت پر میمون بن مہرانؒ اور امام احمد بن حنبلؒ جیسی شخصیات نے کہا تھا کہ : **قتل سعيد بن جبير وما على وجه الارض الاهو محتاج الى علمه** (سعید بن جبیر کی شہادت ایک ایسے وقت میں ہوئی کہ روئے زمین پہ ہر فرد ان کے علم کا محتاج تھا) حضرت خطیب الاسلامؒ اس دنیا سے روپوش فرما گئے، اگر اس جملے کا اطلاق آپ کی رحلت پر کیا جائے تو نہ یہ غلط ہوگا نہ مبالغہ ہوگا۔ وہ دنیا سے کیا گئے اپنی ہی ذات میں ایک انجمن اجڑ گئی، ایک تاریخ ایک عہد اور داستان کا خاتمہ ہو گیا، ایک دبستان بند ہو گیا۔ وسعت فکر و نظر کا بہتا دریا سوکھ گیا۔ تمام اعلیٰ اوصاف و محامد کا نمونہ نظروں سے روپوش ہو گیا۔ ع

شمع روشن بجھ گئی بزم سخن ماتم میں ہے

آپ کے وجود سے دیوبند میں اکابر و اسلاف کی پاکیزہ روایات زندہ تھیں، ان کے مخصوص مزاج و مزاق کی جھلک باقی تھی، مگر بزبان غالبؔ بھری محفل سے یوں رخصت ہوئے۔

جاتے ہوئے کہتے ہو، قیامت کو ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور؟

❖ ❖ ❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ

حیات وخدمات

ڈاکٹر ریحان اختر قاسمی ❖

اس دنیا میں جو کوئی بھی آتا ہے، اس کا یہاں سے جانا طے ہے، لیکن بعض ایسے لوگ اس جہاں فانی سے کوچ کر جاتے ہیں جو اپنے پیچھے اپنی یادیں اور اپنے انمٹ نقوش و کردار چھوڑ کر جاتے ہیں، جن کے چلے جانے سے ایک خلاء نظر آتا ہے، جو اپنے کارناموں، اخلاق و کردار سے ہمیشہ یاد کئے جاتے ہیں۔ ان کے کارناموں اور عظیم ملی و دینی خدمات کی وجہ سے ان کا نام برقرار رہتا ہے۔

انہیں ہمہ گیر وہمہ جہت شخصیات میں استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی ذات گرامی ہے۔

مولانا کی پیدائش ہندوستانی مسلمانوں کے سب سے بڑے محسن قاسمی خانوادہ میں ۸؍جنوری ۱۹۲۶ء کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم انفرادی طور پر مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔ ثانوی تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۸ء میں یہیں سے سند فضیلت حاصل کی۔ آپ کے فارسی کے اساتذہ میں مولانا خلیفہ عاقل صاحبؒ، مولانا ظہیر صاحبؒ وغیرہ ہیں۔ آپ کو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے آخری شاگرد ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔ آپ نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے میزان الصرف پڑھی۔ دورہ شریف کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ اور حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ وغیرہ ہیں۔ فراغت کے بعد مادر علمی میں ہی درس وتدریس سے وابستہ ہوکر نمایاں خدمات انجام دیتے ہوئے ادارہ کو پروان چڑھانے میں والد گرامی کا تعاون کرتے رہے۔

شروع میں ابتدائی درجات کی بعض کتب جیسے نور الایضاح اور ترجمہ قرآن پاک وغیرہ آپ کے حصے میں آئی۔ جیسے جیسے آپ نے اپنے اکابر واساتذہ کی زیر نگرانی اپنی صلاحیت کو پروان چڑھایا، تو شرح عقائد نسفی، ہدایہ، مشکوٰۃ شریف، ابوداؤد شریف اور بخاری شریف کے اسباق پڑھانے کی سعادت آپ کے حصے میں آئی۔ اپنی زندگی کا نصف صدی سے زائد حصہ درس وتدریس کے لیے وقف کیا۔

❖ اسسٹنٹ پروفیسر فیکلٹی آف دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

آپ کے علم میں گہرائی ،فکر میں گیرائی ،مطالعہ میں حد درجہ وسعت تھی زبان نہایت صاف، یکساں انداز اور درس میں بار بار ''ظاہر ہے'' اور ''غیر معمولی'' کا تکرارِکلام جو سننے میں نہایت بھلا لگتا تھا۔

مولانا خواص وعلماء تلامذہ ومعتقدین اور حقیقت حال سے واقف اور شناسا حضرات کے درمیان رئیس المتکلمین ،محدث جلیل ،فقیہ النفس اور مدبر ملت جیسے القاب سے متصف، عظیم شخصیت ،عہد حاضر میں مسلک دیو بند کے ترجمان ،علوم قاسمی کے شارح وترجمان ،فکر نانوتوی کے پاسبان ،طیبی اخلاق وکردار کے علمبردار اور خانوادۂ قاسمی کے گل سرسبد تھے۔

آپ بیک وقت دارالعلوم کے اساتذہ میں ممتاز ،طلبہ کے درمیان مقبول ،عوام وخواص کے درمیان نیک نامی کے ساتھ مشہور، علمی اور تحقیقی ذوق رکھنے والے افراد کے درمیان ایک بلند پایہ مصنف ،اپنے والد محترم کے نقش قدم پر،تحریر کے میدان میں صاحبِ قلم اور فکر ونظر کی بلندی میں امتیازی شان رکھتے تھے۔

مولانا کی قرآن وحدیث کی خدمات ، ملک وبیرونِ ملک آپ کے مواعظ وخطبات ،اساتذہ اور طلبہ کے درمیان کی گئی آپ کی عالمانہ وفاضلانہ گفتگو۔ دارالعلوم وقف کی قیادت عوام وخواص کے مابین ان کی علمیت ،لیاقت ،صلاحیت اور صالحیت کے چرچے اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپ عنداللہ بھی مقبول ہوں گے۔

دارالعلوم وقف کی آبیاری اور آبیاشی میں جو کردار اور لازوال کارنامہ آپ نے انجام دیا، تاریخ اس کو کبھی فراموش نہیں کرسکتی اور لیل ونہار کی گردش مولانا کی خدمات اور لازوال کارناموں پر کبھی اثر انداز نہیں ہوسکتی۔

آپؒ نے اپنی پوری زندگی اپنی عالی نسبتوں کا بھر پور خیال رکھا اور دنیا کو علوم قاسمی سے سیراب کرتے رہے۔علم وفضل کے ساتھ اللہ نے خوبصورت اور وجیہہ چہرہ بھی عطا کیا تھا۔

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر نے مولانا کا تعارف کچھ یوں کرایا ہے:

''آنکھیں شرافت وپاکیزگی کا آئینہ، چہرہ تدبر وتحمل کا عنوان ، پیشانی نور ونکہت سے سجی ،دل صداقت اور مروت کا خوگر، دماغ انتقام اور نفرت سے بے داغ ،زبان غیبت اور کذب سے محفوظ ،مجلس وقار اور ادب کا امتزاج ، زندگی کو کسی بھی سمت سے دیکھئے اور کسی بھی معیار پر پرکھئے کھری ،اجلی ،شگفتہ اور شاداب ایک ہی رنگ ایک ہی کیفیت ،مسموم ہواؤں میں نہ رنگت پھیکا پڑا اور نہ کیفیت میں تبدیلی آئی۔نسبی اور خاندانی شرافتوں نے ان کی ذات میں امان پائی اور روایت ومعاملات نے ان کو اپنا سہارا جانا۔ بہت سے آئے اور گئے ،مگر ان کے قد کی برابری کوئی نہ کرسکا۔انکی نسبتیں زندہ ہیں اور ان نسبتوں کو پورے سلیقے ،جذبے اور احساس سے زندگی کے دور میں شامل رکھنے کا انہوں نے اہتمام

فرمایا، نسبت قاسمی ہر شخص کے لیے باعثِ افتخار ہے، اس نسبت کے وہ آخری تاجدار ہیں اور ان مملکت کی حدود دنیا کے ہر ملک کی حدوں سے ملی ہوئی ہیں اور سرحدوں کے اس پار بھی قاسمیت کے آسمان پرستاروں کی بارات سجی ہے''۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیات کی ایک جھلک:

۱-صبر واستقامت

سخت سے سخت حالات میں صبر واستقامت کے ساتھ اپنے موقف پر قائم رہنا۔آپ کا نمایاں وصف ہے، قیام دارالعلوم وقف ان کے صبر وتحمل کی واضح دلیل ہے، ایسے مشکل حالات میں مجبوریاں تجارت وزراعت کی طرف متوجہ کردیتی ہے، لیکن آپ نے صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھا اور یہ ادارہ قائم کیا جو آج محتاجِ تعارف نہیں ہے۔

۲-قائدانہ وانتظامی صلاحیت

علمی قیادت قدرت نے اس خاندان کے خون میں ودیعت کر رکھا ہے، آپ نے ۳۵ر سال کے قلیل عرصے میں دارالعلوم کو ترقی منازل طے کرائے۔آپ ملازمین سے عزیزوں سا برتاؤ کرتے تھے، طلبہ سے بے پناہ محبت رکھتے، اگر کسی طالبِ علم کا کھانا بند ہوجاتا، تو وہ آپ کی طرف رجوع کرتا، آپ فوراً کھانا جاری کردیتے تھے، آپ ایک کامیاب قائد ومنتظم تھے، جس سے بہت سے اداروں نے فائدہ اٹھایا ہے۔

۳-وقت کی پابندی

آپ وقت کے بہت پابند تھے۔اکابر واسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے وقت کا اہتمام فرماتے۔طلبہ آپ کی درس گاہ میں آمد سے گھڑیوں کا ٹائم سیٹ کرتے تھے۔اگر کبھی وقت معینہ سے پانچ منٹ کی تاخیر تک مولانا درس گاہ میں نہ آئے تو طلبہ سمجھ جاتے کہ حضرت کہیں سفر پر ہیں یا طبیعت ناساز ہے۔

۴-مولانا کی ایک خصوصیت مسلکی اعتدال اور فروعی مسائل میں شدت سے گریز بھی ہے۔

۵-عفو ودرگزر

آپ عفو درگزر کی تلقین ہی نہیں فرماتے تھے، بلکہ اس پر عمل کر کے دکھا گئے، چناں چہ آپؒ کو مطعون کرنے کے لیے مہم چلائی گئی۔ہر طرح کے حربے استعمال کئے گئے؛ لیکن مولانا نے نہ کبھی زبان

اور نہ قلم سے ان لوگوں کے خلاف کچھ کہا؛ بلکہ عفو درگزر کا معاملہ جاری رکھا۔

آپ کی اہم خصوصیات میں سے یہ بھی بہت خاص رہی ہے۔آپ ہمیشہ غیبت سے اجتناب کرتے رہے۔چناں چہ ۱۹۸۰ء کے سخت ترین حالات میں نہ مخالفین کے خلاف لب کشائی کی اور نہ ان کے خلاف کسی سے سننے کو پسند کیا۔

غرض کہ مولانا بے انتہا صفات کے مالک تھے۔اگر ہر وصف کا ذکر کیا جائے تو صفحات کے صفحات رنگین کیے جاسکتے ہیں۔

تصوف وسلوک میں بھی مولانا اعلیٰ مقام پر فائز تھے، آپ نے بیعت وارادت کا تعلق حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوریؒ سے قائم کیا؛ لیکن اصلاح وتربیت اپنے والد ماجد حضرت قاری صاحبؒ سے لی اوران کے مجاز بیعت وارشاد ہوکر ان کے متوسلین اور خلفاء کی تربیت فرمائی۔مولانا کے سلوک وارشاد میں تربیت واجازت پانے والوں کی بڑی تعداد ہے۔اجازت یافتہ ۱۰۰ سے متجاوز ہیں۔

خدمات

۱۹۶۶ء میں مراسلاتی طریقۂ تعلیم کی بنیاد پر اسلامی علوم ومعارف کو عصری جامعات کے طلبہ وطالبات کے لیے آسان بنانے کی غرض سے ''جامعہ دینیات دیوبند'' کا قیام اور صد سالہ اجلاس کے کامیاب انعقاد ہیں۔مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام میں اور ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم وقف دیوبند کے قیام واستحکام میں مولانا نے عظیم خدمات انجام دیں۔

اس کے علاوہ دارالعلوم میں ''مجلس معارف القرآن'' کے ذمہ دار کے طور پر خدمات انجام دیں۔دارالعلوم وقف کے مہتمم وصدر مہتمم رہے۔آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مجلس عاملہ کے سابق رکن اورآخر تک سینئر نائب صدر، آل انڈیا مجلس مشاورات کے سابق صدر اور موجودہ سرپرست، اسلامک فقہ اکیڈمی ہند کے سرپرست، مظاہر علوم (وقف) سہارنپور کی مجلس شوریٰ کے سرپرست، ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس انتظامیہ وشوریٰ کے رکن، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کورٹ کے ممبر، عربی ششماہی مجلّہ ''وحدۃ الامۃ''، ماہنامہ اردو ''ندائے دارالعلوم (وقف) سہ ماہی انگریزی مجلّہ ''وائس آف دارالعلوم''اس کے علاوہ ملک وبیرون ملک، مختلف دینی وعلمی مراکز کے نگراں اور سرپرست کے طور پر اپنی خدمات انجام دیں۔مولانا کی انہیں خدمات سے متأثر ہوکر مصری حکومت نے ''نوط الامتیاز'' ایوارڈ عطا کیا۔اس کے علاوہ ''جائزۃ الامام محمد قاسم النانوتوی'' (ترکی) اور ''حضرت شاہ ولی اللہ'' ایوارڈ سے بھی آپ کو نوازا گیا۔

مولانا نے مستقل سفر میں رہتے ہوئے اوراتنی ذمہ داریوں کو نبھاتے ہوئے تحریری میدان میں

بھی اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔

مولانا نے جو کتابیں تصنیف فرمائیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔قرآن کریم کے اردو تراجم کا جائزہ ۲۔مردِ غازی
۳۔سفرنامہ برما ۴۔مجاہدین آزادی
۵۔رسالۃ المصطفیٰ ۶۔تاج دار ارض حرم کا پیغام
۷۔ایک عظیم تاریخی کارنامہ
۸۔مبادیٔ التربیۃ الاسلامیۃ (عربی)

اس کے علاوہ مولانا نے مختلف سیمیناروں میں پیش کئے گئے مقالات میں ایک قیمتی سرمایہ چھوڑا ہے۔

الغرض: اس دنیا میں انسان جتنا چاہے زندہ رہے؛ لیکن ایک روز ایک دن اسے دنیا کو الوداع کہنا پڑتا ہی ہے، مولانا ۹۴؍سال کی عمر میں ۱۴؍اپریل ۲۰۱۸ء کو اس دار فانی کو الوداع کہہ کر مالکِ حقیقی سے جا ملے۔اور ہمارے درمیان ایک خلا رہ گیا جس کا پر ہونا مشکل ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ آپ اعلیٰ علیین مقام عطا فرمائیں اور امت کو آپ کا بدل عطا فرمائیں۔

❖ ❖ ❖

اجلاسِ صد سالہ

اور خطیب الاسلامؒ کا عالمِ عرب کے لئے دعوتی دورہ

مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی ❖

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا حفید، فخر الاسلام حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کا نبیرہ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا لختِ جگر، حافظِ حدیث علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا چہیتا، حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کا تلمیذ رشید، علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ کے علمی دسترخوان کا خوشہ چیں، شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی امروہیؒ کی درس گاہ کا پروانہ، محدثِ جلیل مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے علوم کا آشیانہ مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کا عظیم فرزند، جملہ اکابر دیوبند کی علمی وعرفانی روایات کا امین، مسلکِ دیوبند کا ترجمان، دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم وقف دیوبند کا سربراہ، شانِ دیوبند کی کُلاہِ افتخار، شانِ استغنائیت کا پیکر، اخلاق وکردار کا خُوگر، وقار وشائستگی کا محور، قناعت و کفایت کا نمونہ، صدق ووفاء کا مجسمہ، حلم واستقامت کا نگینہ، علماء کا مرجع، طلبہ کا منبع، جلسوں اور سیمیناروں کا صدرِ نشیں، دینی درس گاہوں اور علمی دانشگاہوں کا سرپرست، رفاہی تنظیموں اور ملی اداروں کا سرخیل، خطیب الاسلام حضرت العلام مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ نے اس دنیائے بود و باش سے اپنا رُخ موڑ لیا ''اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن''

آپ نے مکمل پون صدی تک دینی، علمی، ملی اور رفاہی خدمات انجام دیں، یقیناً آپ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش علماء کے سرخیل تھے بلکہ براعظم ایشیاء کے علماء میں ایک ممتاز حیثیت وانفرادیت کے مالک تھے اور صفِ اول کے علماء میں شمار کئے جاتے تھے، یہ بات علمی حلقوں میں اپنی جگہ مسلم ہے کہ آپ پختہ نگاہ اور دور بیں عالم تھے، بے مثال خطیب تھے، مایہ ناز مدرس تھے، جلیل القدر محدث تھے، ممتاز مفسر تھے، لاجواب صاحبِ قلم تھے، ہندوستان و پاکستان اور بنگلہ دیش کے علماء میں فنِ معقولات اور علمِ کلام کے اندر آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا، آپ اپنے آباء واجداد کے علوم وکمالات اور خصوصیات وروایات کے یقیناً وارث وامین تھے، بہرحال حضرتؒ کے وصال سے دیوبند کے ایک عہدِ زریں کا خاتمہ ہوگیا، اُن کے چلے

❖ صدر مدرسہ انصار العلوم بنگلور

جانے سے برِصغیر کی علمی روایات ختم ہوگئی، وہ ہندوستان کی علمی تاریخ کا ایک ایسا باب تھے کہ بجا طور پر اس ملک کو اُن پر بڑا ناز تھا، اُن کا سینہ علومِ قرآن کا خزینہ تھا اور اُن کا قلب ودماغ علومِ نبوت کا سفینہ تھا وہ یقیناً اس دورِ قحط الرجال میں بلاشرکتِ غیرے ممتاز عالمِ دین تھے اور علمِ کلام کے امام تھے وہ واقعتاً حجۃ الاسلام کے سچے جانشین اور علومِ قاسمیہ کے وارث تھے، حقیقت میں وہ خطیب الاسلام تھے جب وہ بولتے تو علم وحکمت کے پھول جھڑتے تھے، جب وہ درس دیتے تو معلومات کا دریا بہا دیتے، جب وہ خطاب کرتے تو سامعین کو مسحور کر دیتے، جب وہ لب کشائی کرتے تو دشت کو گلشن بنا دیتے، اُن کی لسانِ نطق پر علم وفن کو ناز تھا، اُن کے قلم میں دریا کی روانی تھی، اُن کی شخصیت میں سمندر کی گہرائی تھی، اُن کی آنکھوں میں ذہانت کی چمک تھی، اُن کی رفتار میں بلا کی سنجیدگی تھی، اُن کی جبین علم پر شرافت کا نور تھا، وقت کے جلیل القدر علماء وفضلاء اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے تھے، اُن کے قلم سے نکلنے والا مقدمہ کسی بھی علمی کاوش کی سند کے لیے کافی ہوجاتا، ان کے لکھے ہوئے مضامین ومقالات میں فصاحت وبلاغت کے ساتھ منطق وفلسفہ کی تعبیرات نمایاں رہتی، علماء واہلِ دانش اور اہلِ قلم بڑی قدر ومنزلت کے ساتھ اُن کی تحریروں کو پڑھتے، اللہ تعالیٰ نے بے انتہاء کمالات وخصوصیات اُن کی ذات میں جمع کر دی تھیں، اِن اوصاف وکمالات کے باوجود وہ ایثار وتوضع کا بہترین نمونہ تھے۔

تعلیم اور درسی خصوصیات

اسلامی فنون میں ماہر اساتذہ اور یکتائے زمانہ، صلحاء واولیاء، علماء واتقیاء سے آپ نے اکتسابِ فیض کیا، دارالعلوم دیوبند کا سارا ماحول وقت کے ماہرین، علمائے ربانیین اور اولیائے کاملین کے وجود سے منور تھا، ایسے پاکیزہ ماحول میں حضرت مرحوم کی تعلیم وتربیت ہوئی اور حفظ کی تکمیل کے بعد آپ نے درسِ نظامی میں قدم رکھا، درسِ نظامی کی سب سے پہلی کتاب میزان الصرف آپ نے صرف ۱۴؍ دنوں میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے پڑھی، حضرت تھانویؒ ضابطہ اور اصول کے بڑے پابند انسان تھے، اس کے باوجود خاندانِ قاسمی کے اس عظیم چشم وچراغ کو بڑی شفقت ومحبت کے ساتھ مکمل پندرہ دن اپنے ساتھ شریک دسترخوان رکھا، اس طرح مرحوم کی تعلیم پروان چڑھی کہ وقت کے یکتائے روزگار علماء واتقیاء نے حصہ لیا۔

۱۹۴۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت مرحوم کا تقرر بحیثیت استاذ دارالعلوم دیوبند میں ہوا، آپ نے بہت عالی شان طریقہ پر درس دیا ابتدائی کتابیں پڑھاتے پڑھاتے بخاری شریف کا بھی درس دینے لگے، دارالعلوم کے معروف ومقبول اساتذہ میں آپ کا شمار ہونے لگا، درس گاہ میں بڑی

پابندی سے وقت پر حاضر ہوتے، بڑی جامع و مدلل درسی تقریر فرماتے یہاں تک کہ حضرت مرحوم کے درس میں دیگر غیر متعلق طلبہ بھی حاضر ہوتے اور مستفید ہوتے، عمر بھر کا ریکارڈ ہے کہ کسی بھی طالبِ علم کو اپنے قلم سے ناکام نہیں کیا اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ میری والدہ کی نصیحت ہے کہ ''کسی بھی طالبِ علم کو ناکام نہیں کرنا، شفقت ومحبت کا برتاؤ رکھنا، چوں کہ یہ مہمانانِ رسول ہیں اور دور دراز علاقوں سے آتے ہیں'' تو حضرتِ مرحوم کا کہنا ہے کہ میں نے زندگی بھر ماں کی اس نصیحت پر عمل کیا ہے۔

تقریر وخطاب کی خصوصیات

حضرت مرحوم کی عمرِ عزیز غالباً ۲۹؍سال کی تھی کہ اچانک حضرت مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ خلیفہ حضرت تھانویؒ کا خط آپ کے نام آیا جس میں سرائے میر اپنے مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں حضرتِ مرحوم کو مدعو کیا گیا تھا، مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ سے حضرت واقف نہ تھے تو حضرت مرحوم نے یہ خط اپنے والد ماجد حضرت حکیم الاسلام کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت حکیم الاسلامؒ نے جواب دیا کہ ''بھائی یہ مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں ہیں اور اپنے لوگوں میں ہیں تم ان کے مدرسہ کے جلسہ میں ضرور شرکت کرو'' چناں چہ حضرت مرحوم وقتِ مقررہ پر سرائے میر (اعظم گڑھ) جلسہ میں پہنچ گئے۔ یہ سالانہ جلسہ صبح دس بجے سے عصر تک چلتا رہا، بہت بڑا مجمع تھا، مفتی محمود حسن گنگوہیؒ بھی اسٹیج پر دیگر مقررین کے ساتھ تشریف فرما تھے، یہ اس وقت تک دارالعلوم دیوبند سے متعلق نہیں تھے، یہ جلسہ ظہر تک جاری رہا، سارے مقررین نے تقریریں کیں اور سب کا نشانہ جماعت اسلامی پر تنقید تھی، باقاعدہ کتابوں کے حوالے دئے جارہے تھے، ظہر کے وقت پہلی مجلس جوں ہی ختم ہوئی تو مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ نے اعلان کیا کہ ظہر کے بعد سے عصر تک دوسری مجلس منعقد ہوگی، جس میں صرف ایک مقرر مولانا محمد سالم قاسمیؒ تقریر کریں گے حضرت مرحوم نے راقم الحروف سے یہ فرمایا کہ میں تو نوعمر تھا یہ اعلان سن کر بہت پریشانی ہوئی پھر بھی میں نے ہمت کرلی، عصر تک میں نے تقریباً تین گھنٹے تقریر کی، میں نے اپنی تقریر میں میانہ روی اور راہِ اعتدال پر چلنے کی تلقین کرتے ہوئے اس بات سے شروع کیا کہ ''صرف اسلام ایسا مذہب ہے جو قابلِ تبلیغ ہے اس کے تحت مسلک ہے پھر مشرب ہے پھر وجدان اور اس کے بعد آخر میں ذوق آتا ہے، یہ سب قابلِ تبلیغ نہیں، نہ مسلک قابلِ تبلیغ ہے، نہ مشرب، نہ وجدان، نہ ذوق۔ مثلاً اگر کوئی شافعی ہے تو اس کو یہ ہرگز جائز نہیں کہ دیگر مسالک کو برا بھلا کہے اور مسلک شافعی کی تبلیغ کرے، کوئی حنبلی ہے تو اس کو دوسرے مسالک پر تنقید کرتے ہوئے اپنے مسلک کی تبلیغ کی ہرگز اجازت نہیں۔ جہاں تک ذوق کی تبلیغ کی بات ہے اس کی بھی اجازت نہیں۔ مثلاً میں ایک خاص ہیئت کی ٹوپی یا لباس پہنتا ہوں تو دوسرے لوگوں کو بھی میں مجبور

کروں کہ ایسا ہی لباس پہنو، یہی اسلامی لباس ہے یہ اسلام پر سب سے بڑا ظلم ہوگا، اس کی ہرگز اجازت نہیں اوراس کے آگے ساری تفصیلات اسی طرح میں نے بیان کی، جوں ہی میری تقریر ختم ہوئی مولانا عبدالغنی پھولپوریؒ میرے سینے سے چمٹ گئے اورکس کے معانقہ کیا، پھر مائک پر یہ اعلان کیا کہ بخدا محمد سالم قاسمی نہیں بلکہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بول رہے تھے'' اس طرح حضرت تقریر فرماتے اورراہِ اعتدال کی تلقین فرماتے، مسلکی اختلاف کو اپنی تقریر کا ہرگز عنوان نہ بناتے، بقول حضرت تھانویؒ کہ ''اپنے مسلک کو چھوڑ ومت کسی کے مسلک کو چھیڑ ومت'' حضرت مرحوم اس ڈھنگ سے بات کرتے جس کو ہر مسلک والا یہ سمجھتا کہ ہمارے مسلک ہی کی تائید کر رہے ہیں، فنِ خطابت میں حضرت کو اس طرح کمال حاصل تھا۔

۲۰۰۰ء میں جب مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علیؒ ندوی کا وصال ہوا، اس وقت سے صبحِ موت تک حضرتِ مرحوم مسلم پرسنل بورڈ کے نائب صدر رہے، تقسیم دارالعلوم کے بعد مستقل وقف دارالعلوم دیوبند کے مہتمم بھی رہے، اس کے علاوہ جامعہ از ہر مصر کی فقہ کونسل کے تاحیات ممبر رہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلسِ شوریٰ کے مؤقر رکن رہے، مجلسِ مشاورت دہلی کے صدر رہے، کُل ہندفقہ اکیڈمی کے سرپرست رہے، اس کے علاوہ سینکڑوں رفاہی تنظیموں اور ملی اداروں کے سرپرست رہے۔

سن ۱۹۸۰ء میں بڑے تزک واحتشام کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کا اجلاس صد سالہ منعقد ہوا تھا جو ساری دنیا کے مدارس کی تاریخ میں خصوصاً اور دنیا کی یونیورسٹیز اور عام علمی دانش گاہوں کی تاریخ میں عموماً ایک بے مثال خصوصیات وامتیازات کا حامل تھا، اس کی تیاری کئی سالوں سے کی جارہی تھی، دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کی طرف سے اجلاس کے لئے اہم امور کی انجام دہی کی خاطر اہم فیصلے کئے گئے تھے۔ ملک و بیرونی ممالک اجلاسِ صد سالہ میں شرکت کی دعوت دینے کے لئے دارالعلوم کے علیا درجہ کے اساتذہ کا انتخاب مجلسِ شوریٰ نے کیا، یہ فیصلے اساتذہ کی قابلیت وصلاحیت اور بین الاقوامی حیثیت کے عتبار سے کئے گئے تھے، عالمِ عرب یعنی خلیجی ممالک میں اجلاسِ صد سالہ کے پیغام کو پہنچانا کوئی معمولی بات نہیں تھی کیونکہ سارے علمی مراکز ودینی درس گاہوں کا ہجوم، علمی افراد واشخاص کا وجود، وہ شخصیتیں جو ساری دنیا میں خصوصاً عالمِ اسلام کے اندر مرجعیّت ومرکزیّت کا مقام رکھتی ہیں، جن کی آواز پر ساری دنیا کے مسلمان لبیک کہتے ہوں، جن کی صدائے بازگشت سارے عالم میں مقبول ہو، جن کا فیصلہ وفتویٰ سارے عالم کے لئے حرفِ آخر کا درجہ رکھتا ہو، جن کی تصنیفات وتالیفات سے ساری علمی دنیا برابر مستفید ہوتی ہو، ساری دنیا کی دینی درس گاہوں اور علمی دانش گاہوں میں اُن کی حاضری کو باعثِ برکت تصور کیا جاتا ہو، عالمِ عرب کی وہ محترم شخصیات جن کی حاضری وموجودگی سے سارے عالمِ اسلام کے سیمینار اور کانفرنسوں میں چار چاند لگ جاتے ہوں، دنیا بھر کے دینی مدارس و جامعات کے ان عرب علماء ومحققین کی حاضری کو اپنے اداروں کی ترقی و

تعارف کا ذریعہ تصور کرتے ہوں، ان مدارس و جامعات کے اجلاس اور حفلات علمائے عرب کی موجودگی سے پُر رونق اور پُر بہار ہوجاتے ہوں اور عالم عرب کے وہ علماء جن کا دعوتی و اصلاحی مشن قرنِ صحابہ کی یاد تازہ کردیتا ہو ایسی امتیازی و بین الاقوامی شخصیات تک پہنچنا اور دارالعلوم دیوبند کی سوا سو سالہ دینی، دعوتی علمی، ادبی اور انقلابی تاریخ کو پیش کرنا اور اکابرِ دیوبند کی کماحقہٗ علمی وثقافتی، سماجی وسیاسی اور تصنیفی وتالیفی خدمات کی ترجمانی کرنا کوئی سہل کام نہ تھا۔ یہ اُس وقت کے اراکینِ شوریٰ کی دانائی وزیرکی ہی تھی کہ اس اہم اور اعلیٰ خدمت کی انجام دہی کے لئے نظرِ انتخاب پڑی تو وہ حضرت خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ پر پڑی، چنانچہ اراکینِ شوریٰ نے اس اہم تجویز کو حضرتِ مرحوم کے سامنے رکھا تو حضرت نے اس تجویز کو قبول فرمالیا اور ان کا رفیقِ سفر حضرت مولانا بدرالحسن القاسمی سابق رئیس التحریر ''الداعی'' کو منتخب کیا۔

چنانچہ حضرت خطیب الاسلامؒ نے تقریباً دو ماہ کی مدّت میں سارے عالمِ عرب میں بشمول جامعہ ازہر قاہرہ مصر کے دارالعلوم دیوبند کے علمی و دینی اور تحریکی پیغام کو پہنچایا اور ممتاز علمی شخصیات سے ملاقات کی نیز جامعہ ازہر کے شیخ و دیگر علماء سے جن میں شیخ عبدالمنعم النمر اور عالمِ اسلام بلکہ ساری دنیا کے بے مثال ومعروف قاری جن کی تلاوتِ قرآن نے ساری دنیا میں ایک تہلکہ مچادیا تھا جو قاہرہ کی مرکزی مسجد جامع الامام الشافعیؒ کے امام تھے جن کا اسم گرامی الشیخ قاری عبدالباسط عبدالصمد تھا، موصوف قاری صاحب سے ملاقات کی اور اجلاسِ صد سالہ میں شرکت کی دعوت دی، چنانچہ قاری صاحب نے دارالعلوم دیوبند کے اجلاسِ صد سالہ کی دعوت کو اپنے لئے سعادت سمجھا اور باقاعدہ اجلاس میں شرکت فرمائی، اجلاس کا افتتاح بھی موصوف قاری صاحب نے سورۂ رحمٰن کی تلاوت سے فرمایا، جس سے شریکِ اجلاس لاکھوں افراد پر ایک سکینت وطمانیت طاری ہوگئی، مزید قاری صاحب نے اُمّتِ مسلمہ کے بے مثال مجمع میں یہ اعتراف کیا کہ ''یہ خدا کا مجھ پر انعام واحسان ہے کہ زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے اتنے بڑے مجمع کے سامنے تلاوتِ کلام اللہ کی سعادت نصیب ہوئی، **ذلك فضل الله يو تيه من يشاء** (الآیۃ)

دیگر عالمِ عرب کی اہم شخصیت میں سے علامہ الشیخ یوسف القرضاوی، امام حرم الشیخ محمد بن عبداللہ السبیّل، الشیخ علی عبدالرحمٰن الحزیفی امام مسجدِ النبویؐ شریف، الشیخ ڈاکٹر عبداللہ عمر النصیف سابق جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی، معروف فقیہ عبدالفتاح ابوغدہ ریاض، شیخ عبداللہ بن باز مفتی اعظم سعودی عربیہ وغیرہم سے حضرت خطیب الاسلامؒ نے ملاقات کی۔

عالمِ عرب کے اس اہم دورہ کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت نے مجھ سے فرمایا تھا کہ عالمِ عرب کا دورہ ختم کرنے کے بعد سب سے آخر میں سعودی عرب ریاض پہنچا، یہاں الشیخ عبداللہ بن باز کا میں پندرہ دن مہمان رہا، شیخ موصوف نے میری بہت ہی نیازمندانہ ومشفقانہ مہمان نوازی کی، انہیں کے توسط سے میں

ایوانِ شاہی تک پہنچا اور اربابِ حکومتِ سعودیہ کو بھی اجلاسِ صد سالہ میں شرکت کی دعوت دی، نیز دارالعلوم دیوبند کا سوا سو سالہ عالمی پیغام اور دعوتی مشن کو اربابِ حکومت کے سامنے پیش کیا جس کو حکومت نے بہت سراہا اور میری عزت افزائی کی، اُس وقت کے فرماں روا خادم الحرمین الشریفین فہد بن عبدالعزیز نے اپنا اہم پیغام دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے نام روانہ کیا تھا جس کو سعودی عرب کی حکومت کے ترجمان نے اجلاس صد سالہ میں پڑھ کر سنایا تھا، مزید مجھ سے حضرت نے یہ فرمایا کہ الشیخ عبداللہ بن باز نے میرے اعزاز میں ایک بہت بڑی دعوت طعام کی جس میں شہر ریاض کی سرکردہ اور بڑی مرکزی شخصیات اور سعودی عرب کے ممتاز مفتی حضرات کو مدعو کیا تھا جن میں موجودہ مفتی اعظم سعودی عرب الشیخ ابراھیم آل شیخ موجود تھے میں نے اس عظیم علمی مجمع میں دارالعلوم دیوبند کے سوا سو سالہ علمی سفر نامہ کو بڑی تفصیل سے پیش کیا اور ان تمام حضرات کو اجلاس صد سالہ میں شرکت کی دعوت بھی دی۔ ریاض سے ان مرکزی شخصیات سے ملاقات کے بعد حضرت خطیب الاسلامؒ نے حجازِ مقدس کا سفر کیا، مستقل جدہ میں دو ہفتے قیام فرمایا، راقم الحروف کو حضرت کے اس سفر کی اصل کارگزاری تحریر کرنی ہے جو بے انتہا اہمیت کی حامل ہے اگر اس میں کامیابی ہوجاتی تو دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کی بہت بڑی کامیابی سمجھی جاتی اور دارالعلوم دیوبند کے حق میں ایک بہت بڑی سربلندی اور نیک نامی تصور کی جاتی، فرمایا کہ ”عالمِ عرب اور خلیجی ممالک کا میں نے دورہ کیا اور آخر میں جدہ پہنچا تقریباً دو ہفتے کا قیام جدہ میں رہا، صرف ایک ہفتہ جدہ کی بہت بڑی مخیّر شخصیت الشیخ حسن الشربتلی سے ملاقات کرنے میں صرف ہوگیا، جب بھی میں محترم صوفی عبدالرحمٰنؒ صاحب بمبئی خلیفہ حضرت حکیم الاسلامؒ کے صاحب زادگان جناب صدیق صاحب اور اسماعیل صاحب کی معیت مذکورہ شیخ سے ملاقات کے لئے پہنچا تو دربان نے یہ کہہ دیا کہ وہ مشغول ہیں، آخر کار ایک ہفتہ کے بعد جبراً دربان سے اجازت لیکر ہم لوگ گھر کے اندر داخل ہوگئے۔ شیخ حسن الشربتلی سے ملاقات بھی ہوگئی، ہم لوگ بعدِ مغرب اُن کے یہاں پہنچے اور رات ایک بجے واپس ہوئے، میں نے شیخ الشربتلی سے ملاقات کا مقصد بیان کیا اور جامعہ دارالعلوم دیوبند کا مفصل تعارف کراتے ہوئے سوا سو سالہ دارالعلوم دیوبند کی علمی تاریخ کو پیش کیا اور اجلاسِ صد سالہ میں شرکت کی دعوت دی اور میری اس تمام تفصیل کو شیخ شربتلی غور سے سنتے رہے پھر مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ اب آپ میری بات سنئے، ان کے بغل میں لینڈ لائن فون رکھا ہوا تھا اُس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا” کہ دیکھئے آج وسائل کا زمانہ ہے اور ذرائع کا دور ہے اور دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک منٹوں اور سکینڈوں میں ہماری بات پہنچائی جاتی ہے، جس کے لئے پہلے قدیم دور میں سال، مہینے اور ہفتے لگ جاتے تھے، یہ فون رکھا ہوا ہے ابھی سکینڈوں میں دنیا کے شرق اور غرب، شمال وجنوب میں رابطہ کیا جاسکتا ہے جس کا تصور پہلے ناممکنات میں سے تھا تو آج وسائل و ذرائع کو استعمال کرنے کے بعد ہم دنیا سے بہت

سرعت کے ساتھ رابطہ کر سکتے ہیں۔ انہیں وسائل کو استعمال کر کے آپ اپنے جامعہ کی دینی و اسلامی خدمات کو کم وقت کے اندر ساری دنیا میں پھیلا سکتے ہیں، آپ کی خدمت میں اور آپ کے اربابِ انتظام کی خدمات میں میرا یہ مشورہ ہے کہ آپ حضرات اسلامی خدمات کو ساری دنیا میں پھیلانے اور خدا کی وحدانیت اور نبی اکرم ﷺ کی رسالت کو ساری دنیا میں عام کرنے کے لئے آپ کے جامعہ کی طرف سے ایک ہزار مبلّغ متعین کیجئے اور جس ملک کی جو زبان جانتا ہو اُس کا اسی ملک میں تقرر کیجئے اور وہاں کے اخراجات کے مناسبت سے متوسط درجہ کا مشاہیرہ متعین کیجئے تا کہ وہ اطمنان کے ساتھ دینی خدمات میں منہمک رہیں اور انہیں اقتصادی فکر سے آزادی ملے، اس طرح آپ وسائل و ذرائع کو استعمال کر کے اسلامی خدمات انجام دیجئے جس سے آپ کا ادارہ بہت جلد دنیا میں مزید مقبولیت حاصل کریگا، ہاں آپ کو اسکے اخراجات کا فکر ضرور لاحق ہوگا کہ ایک ہزار مبلغین کا صرفہ بڑا لمبا چوڑا ہوگا، اس کے لئے میں اپنی طرف سے یہ پیش کش کرتا ہوں کہ پورے ایک ہزار مبلغین کا صرفہ تن تنہا میں برداشت کروں گا، ہاں اس بات کی بھی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کے ادارے کو یہ فکر ضرور ستائے گی کہ ایک ہزار مبلغوں کا بجٹ بہت بڑا بجٹ ہے شاید آپ کا ادارہ برداشت نہ کر سکے، یہ بات آپ اپنے حاشیہ خیال سے نکال دیں میں انشاء اللہ ہمیشہ اس بجٹ کے لئے اپنی جائیداد میں سے کچھ حصہ ادارہ کے نام مختص کر دوں گا، مزید شیخ شربتلی نے فرمایا کہ ''الحمد للہ حرمین شرفین میں قالین بچھانے کے لئے حکومت سے درخواست طلب کی جاتی ہے تو ہر سال میری درخواست سب سے پہلے منظور ہوتی ہے اور قالین حرمین شرفین میں میری طرف سے بچھائی جاتی ہے، اتنا ہی نہیں مزید شیخ موصوف نے فرمایا کہ رابطہ عالمِ اسلامی مکہ مکرمہ کی جانب سے جتنی کتابیں شائع ہو کر دنیا میں تقسیم کی جاتی ہیں وہ الحمد للہ میری ذاتی رقم سے شائع ہوتی ہیں اُس کا سارا خرچ میں برداشت کرتا ہوں، شیخ موصوف نے اپنے گھر کے صحن میں ایک بہت عالی شان کتب خانہ بھی دکھایا اور یہ فرمایا کہ یہ ہزاروں کتابیں وہ ہیں جو مجھے رابطہ کی طرف سے میرے صرفہ سے شائع ہونے والی کتب کا ایک ایک نسخہ ھدیتاً دیا گیا ہے حالانکہ مجھے ایک لفظ پڑھنا نہیں آتا مگر اللہ کی یہ رحمت اور اُس کا بہت بڑا فضل مجھ احقر پر ہے کہ میری ذاتی رقم ان نیک کاموں میں خرچ ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرما کر میری نجات کا ذریعہ بنائے۔

لہٰذا آپ اپنے جامعہ اسلامیہ کے مدیر اور مجلسِ شوریٰ کے سامنے رکھئے انشاء اللہ اس کارِ خیر میں پوری توجہ کے ساتھ میں ضرور حصہ لوں گا، اُسی وقت شیخ نے مجھے ایک ملین امریکی ڈالر کا دار العلوم کے لئے چیک عنایت فرمایا جس کو میں نے بصدِ احترام اور بصد شکریہ یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ مجھے ذمہ دارانِ ادارہ نے اس کا مکلّف نہیں قرار دیا، صرف جامعہ کے احتفالِ مئوی میں شرکت کی دعوت دینے کی غرض سے تمام بلادِ عربیہ میں حاضر ہوا اور بڑی خصوصیت کے ساتھ آپ کو بھی میں دعوت دینے کے لئے حاضر خدمت ہوا

ہوں، آپ پہلے ہمارے جامعہ کے اجلاس میں ضرور شرکت فرمائیں اور ادارہ کا اپنی آنکھوں سے معائنہ فرمائیں پھر اگلے مرحلہ میں ضرور آپ کی اس اہم تجویز پر انشاء اللہ عمل کیا جائیگا۔ شیخ نے فرمایا کہ اگر کسی عذر کی بنا پر میں حاضر نہ ہوسکا تو اجلاس کے بعد مجھ سے فون پر رابطہ کریں اور آپ ذمہ داروں کے ساتھ جدہ تشریف لائیں اگر ممکن ہوتو میں خود آپ کے جامعہ ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔

اصل میں مجھے حسن شربتلی کی یہ اہم ملاقات اور اُن کی طرف سے بے انتہا اہم تجویز کو پیش کرنا تھا یہ ایسی اہم تجویز تھی جو اجلاسِ صد سالہ کا ماحصل کہا جائے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا، اس طرح کی اہم تجاویز پر اجلاس کے مابعد عمل ہونے والا تھا مگر بدقسمتی کہیئے کہ اجلاس کے بعد رونما ہونے والے اختلافات نے یہ سارا قصہ ہی ختم کر دیا، دارالعلوم دیو بند جدید طرز پر ایک عالمی اور بین الاقوامی اسلامی دعوت کے فریضہ کو انجام دینے کے بجائے محض قدیم روایتی ادارہ بن کر رہ گیا جس کا افسوس ہمیشہ کیا جاتا رہے گا۔

خطیب الاسلامؒ نے اپنے اس عالمِ عرب کے دورہ کی یہ اہم رؤداد مجھے سنائی اور بہت افسوس کا اظہار بھی کیا تھا، واقعی حضرت رحمۃ اللہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم النّانوتویؒ کے پڑپوتے تھے، ان کی سوچ وفکر بھی بہت وسیع تھی اور حضرت نانوتویؒ کی بلند سوچ وفکر سے بہت زیادہ مناسبت رکھتی تھی، واقعی ان کے قلب میں دارالعلوم کی خاطر اپنے والد ماجد حضرت حکیم الاسلامؒ کی طرح ایک سوز اور درد تھا، بلند فکر تھی اور اس گلشن دینِ محمدی ﷺ کی آبیاری میں ان کے آبا واجداد کا حصہ تھا اس لئے قدرتی طور پر حضرت مرحوم کے قلب میں بھی دارالعلوم دیو بند کی ترقی اور ایک عظیم بین الاقوامی ادارہ بنانے کی بڑی اونچی سوچ اور فکر تھی۔

اُنہوں نے دنیا کے دیڑھ سو سے زائد ممالک کا سفر فرمایا، بالکل دنیا کے آخری حصہ کناڈا اور نارتھ امریکہ (پیرو اور چلّی) تک پہنچے جو دنیا کا بالکل آخری حصہ ہے اور دعوتِ اسلامی کو پیش کیا، ابھی چند سال پہلے ساوتھ افریقہ میں حضرت کو باقاعدہ اس بات کی دعوت دی گئی تھی کہ آپ ہمیں مسلم پرسنل لاء کی تفصیلات بتائیں اور وہاں کے علماء نے حضرت سے خواہش کا اظہار کیا کہ ہم بھی یہاں ساوتھ افریقہ میں مسلم پرسنل لاء قائم کرنا چاہتے ہیں اس لئے آپ کو ہم نے یہاں آنے کے تکلیف دی، چونکہ آپ ہندوستان میں مسلم پرسنل لاء کے بانیوں میں سے ہیں آپ کے والد ماجد حضرت حکیم الاسلامؒ کے ساتھ رہ کر آپ نے مسلم پرسنل لاء کو تشکیل دیا تھا، آپ حضرات سے زیادہ ماہر اس سلسلہ میں دوسرا کوئی نہیں۔ حضرت نے کئی دن ساؤتھ افریقہ میں قیام فرمایا اور تفصیلی طور پر مسلم پرسنل لاء کے بارے میں ساؤتھ افریقہ کے حضرات کو سمجھایا اور اُن کی ہمت افزائی بھی فرمائی۔

بہرحال حضرت کی ذات عالمِ اسلام کی بہت بڑی شخصیت مانی جاتی تھی، آپ کے چلے جانے سے صرف دیو بند یا ہندوستان کا ہی نقصان نہیں بلکہ اسلامی دنیا ایک بڑے پختہ دماغ اور دور بیں عالمِ دین

سے محروم ہوگئیں۔ آپ کے رخصت ہوجانے سے علماء کی صف میں خلاء پیدا ہوگیا، جس کا تدارک اس قحط الرجال اور دورِ انحطاط میں بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، بس اللہ اس امتِ مسلمہ پر اپنا فضل فرمائے، میں حضرت حکیم الاسلامؒ اور حضرتِ مرحوم نیز حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ وغیرہ کے قریب رہا ان کی صحبتوں سے مستفیض بھی ہوا، اب یہ صحبتیں کہاں میسر، بس یہ تمام چیزیں خوابِ پریشاں ہوکر رہ گئیں، وہ رونقیں وہ صحبتیں اب کہاں حاصل، مولانا واصف دہلوی نے بھی اپنے باکمال عظیم صاحب علم والدِ بزرگوار مفتیٔ اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ، بانی مدرسہ امینیہ دہلی مولانا امین الدین اورنگ آبادیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاریؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مسیح الملک حکیم اجمل خانؒ اور مولانا محمد علیؒ جوہر وغیرہم اٹھ جانے کے بعد ان کی صورتیں اپنے خانہ خیال میں مستحضر کرتے اور ان کی یادوں سے اُجالے حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور گذری ہوئی صحبتوں پر ان الفاظ میں حسرت وافسوس کا اس طرح اظہار فرماتے۔

اب کہاں واصفؔ ملیں گی وہ گذشتہ صحبتیں
اب وہ باتیں سربسر خوابِ پریشاں ہوگئیں

راقم الحروف بھی واصفؔ دہلوی کے ان خیالات کا اپنے آپ کو مصداق سمجھ کر ان اکابر کی صحبتوں اور یادوں کو اپنے خانہ خیال میں مستحضر کرتے ہوئے افسوس کا اظہار کرتا رہے گا۔

اللہ رب العزت حضرتِ مرحوم کو ان کی انتھک اسلامی دینی ملی سماجی اجتماعی اور رفاہی خدمات کو قبول فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے، صلحاء وسعداء، اتقیاء واولیاء، صدیقین وشہداء کے ساتھ ان کا حشر فرمائے، حضرت کے چاروں صاحبزادے اور دو صاحبزادیوں کو خصوصاً اور ساری دنیا کے علماء وفضلاء اور قاسمی برادری کو عموماً صبرِ جمیل عطا فرمائے اور اپنے فضلِ خاص سے اس امتِ مسلمہ کے لیے حضرت کا نعم البدل عطا فرمائے اور ساری امتِ اسلامیہ کی طرف سے حضرت مرحوم کو بہترین جزاء عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

❖ ❖ ❖

حضرت خطیب الاسلامؒ کے

محققانہ اسلوبِ نگارش کے نمونے

مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی❖

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت سے امتیازات وخصوصیات کے مالک تھے، وہ ایک بے باک مقرر، محققانہ تحریری صلاحیتوں کے حامل، مدبر ومفکر، قومی رہنما، ملی قائد، قلم پر مضبوط گرفت رکھنے والے، اعلیٰ منتظم، شارح مسلکِ دیوبند، تلمیذِ حکیم الامتؒ، ترجمانِ قرآن وحدیث، علومِ قاسمیہ کے امین، فکرِ ولی اللّٰہی کے پاسبان، اکابرِ دیوبند کی شان، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف اور جانشین حکیم الاسلامؒ تھے۔

تصانیف کے طور پر ان کی یادگاریں کم سہی لیکن تقریر وبیان، علمی مجالس اور ابلاغ وتبلیغ کے ذریعہ انھوں نے اجتماعات ومجالس کی جو شان بڑھائی، دینی خدمات انجام دیں، علمائے دیوبند کی ترجمانی ونمائندگی کی اور وقت کے اہم موضوعات پر اپنے علم وتحقیق اور علوم ومعارف کی جلوہ نمائی کی، اس کا اعتراف پوری علمی دنیا کر رہی ہے، آپ کے سفر آخرت پر روانہ ہونے سے جو خلا پیدا ہوا اس پر علم وتحقیق اور دین ودانش کے حلقے سوگوار ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ تقریر وبیان میں وہ جادو ہوتا ہے، جو یک لخت بڑے سے بڑے مجمع کے ذہن وفکر اور قوتِ عمل کے دھارے کو بدل دیتا ہے، آج کل ذرائع ابلاغ کے عالمی افق پر چھا جانے اور اثر انداز ہونے کا یہ حال ہے کہ ایک مبسوط تقریر تو کیا ایک جملہ بھی بعض اوقات وہ اثر چھوڑ جاتا ہے کہ حالات اور ذہنوں کی پوری بساط ہی الٹ جاتی ہے۔ ایسے تو بہت واقعات ہیں کہ کسی بزرگ کی ایک مجلس یا ایک تقریر نے انسانوں کی ذہنی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ اگر میں کتابی حوالوں اور قدیم واقعات کی طرف نہ بھی جاؤں تو حال میں بھی ایسے واقعات رونما ہوئے اور چشم فلک نے دیکھے جو میرے دعوے کی دلیل کے لیے کافی ہیں۔

بین الاقوامی شہرت کے حامل مقرر، مبلغ اور بزرگ شخصیت حضرت مولانا پیر ذوالفقار نقشبندی دامت برکاتہم ۲۰۱۱ء میں دیوبند تشریف لائے۔ یہاں ان کے کئی بیانات ہوئے۔ سبھی جانتے ہیں کہ مولانا

❖ لیکچرر علامہ اقبال میڈیکل کالج، مظفر نگر

موصوف بڑا ہی پر مغز، موضوع سے وابستہ، تحقیقی اور پر اثر بیان فرماتے ہیں۔ان کی شستہ بیانی، نورانی شخصیت، پر اثر اور رقت انگیز دعاء، خداداد رعب وجلال اور اصلاحِ باطن کی تڑپ کا یہ اثر ہے کہ علماء وعوام الناس کی بڑی بھاری تعداد ان کے بیانات میں شامل ہوتی ہے اور اپنے ذہن وقلب کی حالت کو متأثر ومبدل پاتی ہے۔ دیوبند سے واپسی کے بعد بہت سے لوگوں کے تأثرات یہ تھے کہ ان کی ایک ایک تقریر ومجلس نے زبردست اثر ڈالا، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے ان کے بیانات اور نورانی شخصیت سے متأثر ہو کر توبہ کر لی اور اپنی زندگی میں سدھار کا عزمِ مصمم کر لیا۔

چناں چہ ان کے سفر ہندوستان سے واپسی کے بعد حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی بنارسی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ان کو جو گرامی نامہ تحریر فرمایا میں یہاں اس کو درج کرنا چاہتا ہوں جو میرے مدعا کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ کبھی کبھی ایک بیان وتقریر کا وہ ثمرہ ونتیجہ مرتب ہوتا ہے جو بڑی بڑی کتابوں کی تصنیف سے حاصل نہیں ہو پاتا۔

باسمہٖ تعالیٰ

مخدوم ومحترم حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی!

ادام اللہ تعالیٰ افاضاتکم العالیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خدا کرے مزاج عالی بعافیت ہو، بفضلہٖ تعالیٰ آں جناب کا دورۂ ہند بخیر وخوبی مکمل ہوا اور آپ حرمین شریفین کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ باشندگانِ ہند پر رب ذوالجلال کے بے پناہ انعام و اکرام میں جناب کی تشریف ارزانی ایک بڑی نعمت بن کر شامل ہوگئی اور اسلامیانِ ہند کی خوش گوار یادوں کا ایک حسین حصہ بن گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس سفر مبارک کے تابندہ و پائندہ نقوش کو تادیر قائم و دوائم رکھیں۔ سرزمین دیوبند چوں کہ خود اکابر ومشائخ کا مخزن رہی ہے، اس لیے کسی نو وارد بزرگ کی شخصیت سے عموماً باشندگانِ دیوبند بہت زیادہ متاثر نہیں ہوتے، نہ اشتیاق و وارفتگی کا یہ انداز ہوتا ہے، لیکن جناب والا کی شخصیت کے سحر نے متعلقین دارالعلوم اور باشندگانِ شہر کے اوپر جو اثر ڈالا ہے اس سے معمول کے سارے تار وپود بکھر گئے۔ مولانا منیر الدین صاحب ناظم دارالاقامہ دارالعلوم دیوبند نے بعض اہل شہر کی یہ روایت نقل کی ہے کہ بہت سے عادی خطاکاروں نے توبہ کر لی ہے اور ان کی زندگیوں میں خوش گوار تبدیلی آرہی ہے۔

جناب کی تشریف آوری پر اظہار تشکر کے ساتھ ساتھ جناب والا کی راحت رسانی کا اہتمام نہ ہوسکنے پر احساس ندامت بھی ہے۔ ذاتی طور پر جناب سے اپنے لیے خصوصی دعاؤں کا متمنی ہوں، حق تعالیٰ اپنی محبت عطا فرمادیں اور رضا وخوشنودی سے نوازیں، مفوضہ خدمات کو اخلاص کے ساتھ انجام دینے کی توفیق بخشیں۔

دارالعلوم اور جملہ خدام دارالعلوم و منتسبین و متعلقین کے لیے بھی خاص دعاؤں کی درخواست ہے۔

والسلام

ابوالقاسم نعمانی غفرلہ

خادم دارالعلوم دیوبند

۲۴؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ

دورِ حاضر کے معروف مبلغ حضرت مولانا طارق جمیل صاحب کی تقریروں اور بیانات سے ایسے کئی واقعات سامنے آتے ہیں کہ بڑے بڑے گم گشتہ راہ ان کی ایک بار کی ملاقات، مجلس میں حاضری یا بیان سے ایسے متأثر ہوئے کہ اپنی گزشتہ زندگی سے توبہ کرکے یکسر بدل گئے اور نہ صرف اپنی گناہوں سے آلودہ حالت کو مصفّٰی و مجلّٰی کیا بلکہ دین کے داعی اور مبلغ بن گئے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ کی پوری زندگی پر اگر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو علمی شغف ان کی زندگی پر پوری طرح غالب نظر آتا ہے۔ رسمی فراغت اور تحصیل علوم کے بعد معاً تدریس سے وابستگی، اس کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کی تنظیمی ذمہ داریوں میں معاونت اور علمی و تبلیغی اسفار آپ کی زندگی کا جزء لاینفک رہے۔ دارالعلوم کے انقلاب و بحران کے بعد بھی ان کے اوقات کا اکثر حصہ تحقیق و مطالعہ، تعلیم و تدریس، علمی و تبلیغی اسفار اور ملی خدمات کی انجام دہی میں صرف ہوا۔ تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ نہ ہونے کے اسباب بھی شاید یہی رہے۔

آپ جس علمی مجلس اور اجتماع میں تشریف لے جاتے وہاں آپ کے مدلل و پُرمغز بیان سے نہ صرف عوام بلکہ علمی طبقہ بھی مکمل استفادہ اور سیرابی حاصل کرتا۔ وہ بے خوف آوازۂ حق بلند کرتے۔ ۲۰۰۸ء کی دہشت گردی مخالف کانفرس آپ نہیں بھولے ہوں گے، اس میں آپ نے دہشت گردی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے بلاخوف فرمایا کہ دنیا کے سب سے بڑے دہشت گرد کافر و مشرک لوگ ہیں جو خدا کی پیدا کردہ اور عطا کی ہوئی تمام چیزوں سے تو فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن اس کے احکام کی نافرمانی کرکے بغاوت کے مجرم ہیں۔ آپ نے مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگانے والوں کو بڑے حکیمانہ اور بلیغ انداز میں آئینہ دکھایا کہ تلوار وہ اٹھاتے ہیں جن کے پاس قوتِ دلیل اور علمی حجت نہ ہو۔ یہ بھی دوسرے لفظوں میں اِس کا اعلان ہے کہ اس روئے زمین پر اسلام ہی وہ مذہب ہے جو دلائل و حقائق سے مزین و آراستہ ہے، دنیا کا کوئی اور مذہب اس علمی و تاریخی شان کا مالک نہیں۔

بہرحال حضرت خطیب الاسلامؒ نے دین و علم کی خدمت، علمائے دیوبند کی ترجمانی، مسلکِ دیوبند کی وضاحت، علومِ قاسمیہ کی اشاعت کا جو میدان چنا وہ بیان و تقریر کا میدان تھا، جس میں کسی کو کلام

وانکار کی گنجائش نہیں، اس راہ سے انہوں نے بیش بہا دینی وعلمی خدمات انجام دیں۔ لیکن ساتھ ہی اُن کے قلم سے جو تحریریں نکلیں جب ہم اُن پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں رہتا کہ ان کی تحریروں میں زبردست علمی وتحقیقی عنصر موجود ہے، جو ان کے وسیع مطالعہ، قوتِ اخاذ، علمی بصیرت، شانِ تحقیق، معروضاتی ومنطقی طرزِ فکر اور تطابق حالات وواقعات کی زبردست صلاحیت کا پتہ دیتی ہے۔ قلم پر ان کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ اپنے مافی الضمیر کی ادائیگی میں انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آتی، ساتھ ہی ان کی تحریروں میں وہ عالمانہ اور محققانہ شان پائی جاتی ہے جس میں خاندانِ قاسمی کے ایک فرد کا امتیاز واختصاص صاف جھلکتا ہے۔

۲۰۰۶ء میں حکیم الاسلام عالمی سیمینار منعقد کیا گیا تو اس ناچیز کو بھی ایک علمی خدمت کی توفیق ملی۔ میں نے حضرت حکیم الاسلامؒ کی تالیفات ومصنفات، رسائل وتحریرات کو ایک جدید قالب میں نئی ترتیب، دلکش وجذاب عنوانات اور نہایت عرق ریزی کے ساتھ تصحیح کر کے پیش کیا۔ اس دوران کئی بار حضرت کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے میری درخواست پر ایک وقیع مقدمہ بھی لکھ کر دیا، جو اس سیریز کی تمام جلدوں کی زینت ہے، جس میں آپ نے مجھ ناچیز کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بڑے اونچے الفاظ تحریر فرمائے، جو میرے لیے ایک سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ انہیں دنوں حضرت حکیم الاسلامؒ کی تقریباً تمام اردو تصانیف کے مطالعہ کا موقع ملا، بعض تصانیف پر حضرت خطیب الاسلامؒ کی تعارفی تحریرات موجود تھیں، انہیں تحریرات سے چن کر حضرت خطیب الاسلامؒ کے طرزِ تحریر کے کچھ علمی وتحقیقی نمونے نذرِ قارئین ہیں۔

قوموں کی بقاء وفنا کا اصول اور قومِ مسلم کی عروج وترقی کے اہم راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے حضرت خطیب الاسلامؒ تحریر فرماتے ہیں:

> ”کوئی قوم اسی وقت تک اپنے امتیاز کے ساتھ دنیا میں باقی اور ممتاز رہ سکتی ہے جب تک وہ اپنے شعائر اور اسلاف کی روایات کے دامن کو نہیں چھوڑتی۔ مصر کے قبطیوں نے اپنی تاریخ سے منہ موڑا تو بنی اسرائیل میں مدغم ہو گئے۔ بدھ قوم نے ہندوستان میں اپنے شعائر سے روکشی برتی تو آرین ہندوؤں میں ضم ہو کر رہ گئے۔ ایران کے آتش پرستوں نے اپنی روایات گم کیں تو مسلمانوں کا ایک جزء بن گئے۔ سسلی اور اسپین کے عربوں نے عظمتِ اسلاف سے روگردانی برتی تو اپنی عربیت کو تج دیا تو اٹلی اور اسپین والوں میں سما کر رہ گئے۔
>
> ساڑھے تیرہ سو سال کے طویل عرصہ میں مسلمان اس سنگین تاریخی جرم کے مرتکب نہیں ہوئے اور اگر ہوئے تو بہت کم، اسی وجہ سے آج بھی مسلم قوم دنیا کی صفِ اول کی اقوام میں سے ایک قوم شمار ہوتی ہے اور قیامت تک ہوتی رہے گی ان شاء اللہ۔

لیکن آج کے مادہ پرستی کے دور میں متمدن اقوام کے رنگین تمدن نے مسلم عوام کے غفلت کوش طبقہ کو بڑی حد تک اپنی رنگینیوں میں جذب کرلیا ہے۔ جس کا قدرتی نتیجہ ہے کہ عوام ہی نہیں بلکہ خواص میں بھی عظمتِ اسلاف اور ان کی تاریخ سے مجرمانہ غفلت برتی جارہی ہے، جس کے بھیانک نتائج محتاجِ بیان نہیں ہیں۔''(۱)

مندرجہ بالا تحریر میں زبان و بیان کی عمدگی کے ساتھ اقوامِ عالم کی تاریخ پر آپ کی وسیع و عمیق نظر کی واضح طور پر نشاندہی ہوتی ہے۔

حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کی اِن دو تحریرات پر نظر ڈالیے اور فرطِ حیرت میں ڈوب جائیے کہ آپ نے اس مختصر سی تحریر میں دریا کو کس طرح کوزے میں سمیٹ دیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی تاسیس کے تاریخی پس منظر اور اس وقت کے اس انقلابی قدم کی سرگزشت کے ساتھ فکرِ قاسمی کی وضاحت اور حضرت قاسم العلوم کے اصحاب و رفقاء کے اس فکرِ قاسمی کی حفاظت و اشاعت کے جذبہ کے اظہار اور اس کی عالمی مقبولیت، بین الاقوامی شہرت، عالمگیر دینی و علمی خدمت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت حکیم الاسلامؒ کی دارالعلوم اور فکرِ قاسمی کی پاسبانی اور بین الاقوامی سطح پر ان کے تعارف اور علمائے حق کے صحیح مسلک کی ترجمانی کی ذمہ داری کو بخوبی انجام دینے کی روداد، ان کی بعض ذاتی خصوصیات کا ذکر، دارالعلوم دیوبند اور علمائے دیوبند کی خدمات و نسبتوں کو عالمی پیمانہ پر متعارف کرانے، پھر اپنے آخری دور میں اجلاسِ صدسالہ کی کامیابی کی صورت میں من جانب اللہ محبوبیت و مقبولیت کا انعام حاصل ہونے، حضرت حکیم الاسلامؒ کے اپنے اساتذہ و مشائخ کے یہاں معتمد و مخلص ہونے کی شہادت سے اس تحریر کو مزین فرمایا ہے۔ غرض کہ ایک مختصر سے مضمون میں تاریخ کے ایک بڑے حصے کے اہم نکات کی طرف اشارہ کردیا ہے۔

دوسرے اقتباس میں حضرت خطیب الاسلامؒ نے حضرت حکیم الاسلامؒ کے اساتذہ کے ناموں کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ ان کے اختصاص اور مابہ الامتیاز کا ذکر کرکے نہ صرف اس کا اظہار کیا ہے کہ جس شخصیت کی پرورش و تربیت ایسی جامع الکمالات شخصیات کے ذریعہ ہوئی ہو وہ کتنی اہم اور جامع ہوگی، بلکہ علم و تحقیق کا ایک نیا باب کھول دیا ہے کہ اکابرِ دارالعلوم میں سے جس کا جو امتیازی وصف ہے وہ اس میدان کے امام کے حیثیت رکھتا ہے، اسی امتیازی وصف کو سامنے رکھ کر ان شخصیات کی حیات و خدمات کا مطالعہ کرکے ان سے استفادہ کی ضرورت ہے۔ حضرت خطیب الاسلام تحریر فرماتے ہیں:

''حق تعالیٰ شانہٗ اپنے ہدایت آفریں علوم بیکراں کو جہاں عادۃً اکثر و بیشتر ''علمی طبقات'' میں تقسیم فرما کر ظہور پذیر کراتے ہیں، وہیں کبھی کبھی خرقِ عادت کے طور پر کسی تکوینی مصلحت کی تکمیل اس طرح

(۱) مقدمہ مشاہیر امت، شامل در مجموعہ ''تواریخ و شخصیاتِ حکیم الاسلام ص ۶۲''

بھی فرمائی جاتی ہے کہ کسی ایک شخصیت کے قلب ودماغ کو کمال ایمان، اعمال اور مکارم اخلاق واخلاص کے ساتھ شرعی علوم کا خزانہ بنا کر اس کی تنہا ایک ذات سے بے حساب علمی شخصیات اور لاتعداد علمی طبقات کے برابر کام لے لیا جاتا ہے اور اس کی روحانیت ومعرفت اور اصلاح وہدایت کے دائرہ افادیت کو لوگوں کی افرادی تعداد اور زمین کی جغرافیائی حد بندیوں کا پابند نہ رکھ کر اس کی خدمات کو آفاقی اثر آفرینی عطا کردی جاتی ہے جس سے اس کا فیضان تمام انسانی برادری تک عام ہوجاتا ہے۔

لیکن بین الاقوامی سطح پر یہ عالمی فیضان ہدایت صرف انہی کی شخصیت سے ظہور میں آسکتا ہے جن کا علم نہ صرف سیاسی غرض مندیوں کی گندگیوں سے آلودہ نہ ہو بلکہ ہر طبقۂ انسانیت کے فکر وذوق، معاشرت وتمدن اور رسوم وروایات سے بلند وبالا بھی ہو اور بلا امتیاز سب کے لیے ہدایت آفریں بھی۔

حق تعالیٰ نے شیخ العرب والعجم عارف باللہ جامع علوم ومعرفت جملہ اکابر قطب ارشاد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ العزیز مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ذاتِ گرامی کو سنتِ ابراہیمی کے مطابق لاتعداد علمی طبقات کے برابر لافانی ولاثانی دینی خدمات کے شرف سے مشرف فرمایا اور اس روشن حقیقت کے بعد قطبِ ارشاد حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے لاتعداد امتیازات عموماً اور یہ فضیلت مآب امتیاز خصوصاً کسی دلیل کا محتاج نہیں رہتا کہ حضرت والاؒ نے اپنے زبان وقلم سے کتاب وسنت کی روشنی میں تعلیماتِ اسلام کے عالم گیر وآفاقی حقائق کی وہ صحیح اور مؤثر ترین ترجمانی فرمائی ہے کہ جس نے ایشیا، افریقہ، یورپ اور امریکہ کے ایک سو سے زائد ممالک کے کروڑوں سے متجاوز افراد کو دین کا صحیح فہم اور اس پر استقامت عطا کی ہے اور مسلکِ حق دارالعلوم دیوبند کو فکرِ ولی اللّٰہی وقاسمی پر اس جامعیت کے ساتھ پیش فرمایا ہے کہ جو بقول علامہ اقبالؒ ''ہر صحیح العقل مسلمان کا مسلک'' قرار پا گیا۔ اس لیے بشہادت ودعاءِ اکابر حضرتِ والا اپنے وقیع ووسیع علم ومعرفت اور مؤثر ترین اصلاح وہدایت کے لحاظ سے گذشتہ صدی کی وہ تاریخ ساز وعہد آفریں شخصیت ثابت ہوئے کہ جن کی عالمی دینی رہنمائی، بیکراں علم ومعرفت، روحانی انقلاب آفریں اصلاح وہدایت، مثالی دیانت وامانت، بین الاقوامی فکر قاسمی پر دارالعلوم کا نظر واہتمام، مردم ساز تعلیم وتدریس، عالمی مرجعیت ومرکزیت، مدلل ترین تحریر وکتاب، مؤثر ترین تقریر وخطاب، ملت اسلامیہ کی دینی نشأۃِ ثانیہ اور دارالعلوم دیوبند کو بلاشرکتِ غیرے عالمی مرکزی اسلامی یونیورسٹی بنادینے والی بے مثال خدماتِ جلیلہ کے ذکرِ جمیل کے بغیر، رمق ایمان شمۂ دیانت اور ذرۂ انصاف رکھنے والے تاریخ ملت کو کبھی مکمل قرار نہ دے سکیں گے۔ **ذلك فضل الله يوتيه من يشاء.**

تیرہویں صدی کے مسلمانوں کو دینی زندگی بخشنے والے ولی اللّٰہی دہلوی کے حدیثی، لکھنؤ کے

فقہی، اور خیر آباد و رامپور کے معقولی مکاتبِ فکر کو ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کو تاراج کرنے کے بعد فرنگی استبداد نے سرزمین ہند پر اسلام کے استحصال کے لیے تاریخ اسپین دوہرانے کے عزم سے ہدف بنایا، وقت کے اس عظیم دینی خطرہ کا حجۃ اللہ فی الارض شیخ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ العزیز بانی دارالعلوم دیوبند نے بالہامِ خداوندی ادراک فرما کر بظاہر ایک مدرسۂ عربی دارالعلوم دیوبند کی تاسیس فرمائی اور بباطن اس درس گاہ کی تاسیس میں جو وقیع و عظیم فکرِ قاسمی کارفرما تھا، اس کے مطابق حضرت نانوتویؒ نے مذکورہ بالا مدرسہ اسلامی مکاتب کو یکجا زندہ کر کے اختلافِ فکر و ذوق رکھنے والے تمام طبقات کو ہمہ جہت دینی سیرابی عطا کرنے والا ایک جامع ترین مکتبِ فکر ''دارالعلوم دیوبند'' کی صورت میں ملتِ اسلامیہ کو عطا فرما دیا، یہی وہ عظیم فکر تھا کہ جس کی بنیاد پر حضرت نانوتویؒ کے شریکِ عمل وقت کے تمام بزرگوں نے تاسیس دارالعلوم دیوبند کے عمل مبارک میں اپنی شرکت کے باوجود حضرت نانوتویؒ ہی کو متفق علیہ طور پر تحریراً و تقریراً بانئ دارالعلوم قرار دیا اور ہمیشہ کے لیے اس تاریخی حقیقت کو جھٹلانے والوں کی زبانوں اور قلموں کو صداقت و دیانت سے محروم فرما دیا۔

''دارالعلوم دیوبند'' کی تابناک روایات اسی ہمہ گیر فکر قاسمی سے پیدا ہوئیں اور اسی پر دائر رہیں اور یہ ایک انمٹ حقیقت ہے، اس لیے ماضی کی طرح مستقبل میں بھی یہ روایات ہمیشہ اسی پر دائر و برقرار رہیں گی۔ اسی عنداللہ مقبول فکرِ قاسمی پر دارالعلوم دیوبند کی عمر کے ابتدائی انسٹھ سال میں پانچ مہتممین نے اپنی مخلصانہ عظیم خدمات کے ذریعہ اس مدرسہ عربی کو ملک گیر دارالعلوم کے مقامِ رفیع تک پہنچایا اور اس کی عمر کے مابعد کے انسٹھ سال میں تن تنہا قطبِ ارشاد حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کی جامع الصفات عظیم المرتبت عالمی شخصیت نے بلاشرکت غیرے اس دارالعلوم کو ''عالمی مرکزی اسلامی یونیورسٹی'' کے بامِ عروج تک پہنچایا۔ دارالعلوم دیوبند کی اس رفعت و عظمت میں عالمی پیمانے پر عظیم ترین کردار جہاں حضرت حکیم الاسلام مہتمم دارالعلوم دیوبند کے وقیع و وسیع علم نے بصورتِ تقریر و خطاب ادا کیا ہے وہیں آپ کے مثالی حلم و بردباری نے ان یورشوں اور سازشوں کے دور میں دارالعلوم کی عظمتوں کو چار چاند لگائے ہیں کہ جب مبتذل سیاست کو علمی کم مائیگی کا حجاب بنانے کی بدترین بدعت ایجاد ہو چکی تھی اور حضرت حکیم الاسلامؒ دارالعلوم کو ان سیاسی آلودگیوں سے بچانے کے صبر آزما مراحل سے گذرنے کے باوجود دارالعلوم کے لیے عالمی عظمت کے حصول کی جد و جہد سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہوئے۔ ایسی صورتِ حال میں حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی دارالعلوم کے موقفِ عظمت کو عالمی بنانے والی ان مخلصانہ تدابیر و خدمات کے مقبول عنداللہ

ہونے میں حق شناس، حق گو اور حق پسند اہل اخلاص وانصاف محبّین دارالعلوم کی نہ دو رائیں ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں کہ جن کے آثارِ مقبولیت دمِ واپسی سے قبل اور رفیق اعلیٰ تک پہنچنے کے بعد کھلی آنکھوں اربابِ اخلاص وایمان نے مشاہدہ فرمائے.

قطب ارشاد حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ العزیز مہتمم دارالعلوم دیوبند کی خدماتِ عظیمہ پر اجلاسِ صد سالہ دارالعلوم منعقدہ ۱۹۸۰ء کی صورت میں حق تعالیٰ نے پوری دنیائے اسلام کو گواہ بنا کر حضرت حکیم الاسلامؒ کے خلاف ان تنگ ظرف معاندین کی یاوہ گوئیوں کو ہمیشہ کے لیے ایمان واخلاص کے لیے قابل نفرت بنا دیا کہ جوامتِ اسلامیہ کی اس شہادتِ کبریٰ کے بعد بھی اپنی بدباطنی سے تحریراً وتقریراً کذب بیانیوں، دروغ بافیوں، تہمت طرازیوں اور الزام تراشیوں کے ذریعہ تاریخ ملت میں اک شرمناک باب کا اضافہ کرنے والے تھے۔

قطبِ ارشاد حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ نے جو گرانمایہ سرمایۂ علوم ہدایت چھوڑا ہے اس میں ایک سو کے قریب مختلف مسائل مسلکِ حق کی ترجمان وہ گرانقدر تصانیف ہیں جن میں سے بیشتر کے بارے میں حضرت والا کے حضرات اساتذہ اکابر ومشائخ نے غیر معمولی تحسین کے ساتھ ان کی عظیم ذکاوت کا اعتراف فرمایا ہے۔ وما ذالك على الله بعزيز .(۱)

آپ کی ذاتِ گرامی علمی اور عرفانی گہرائی کی ذوق آفرینی میں یادگارِ اسماعیل شہید تھی۔ اسرارِ دین ورموزِ کتاب وسنت میں نمونۂ قاسم العلوم والخیرات الامام محمد قاسم نانوتوی تھی۔ مراداتِ ربانی تک رسائی میں تمثال فقیہ الاسلام رشید احمد گنگوہیؒ تھی۔ بصیرتمندانہ اتباعِ دین میں آشنائے ذوقِ شیخ الہند تھی، عرفان اور روحانیت میں نمونہ پردازِ اشرف علی تھانویؒ تھی۔ سائلین کے لیے جواباً اطمینان آفرینی میں طرزِ محدث جلیل علامہ انورشاہ کشمیریؒ کی حامل تھی، داعیانِ اجتماعات کے مشتہر کردہ یا پیش کردہ موضوعات پر برجستہ ومؤثر ترین مکمل ومدلل خطابات میں یادگارِ شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانیؒ تھی، جامعیت معقول ومنقول میں علامہ ابراہیم بلیاویؒ وقت تھی اور نظم واہتمام کی بلند فکری میں، حل مسائل پیچیدہ میں، مکارمِ اخلاق کی بلند مقامی میں، راہنمائی وسلوک میں مزاجِ شریعت کی مکمل رعایت کے ساتھ وقت کی تقاضہ شناسی میں، اور میدانِ شعر وادب کی لطافتوں کے ساتھ حق آگاہی میں ملت اسلامیہ عالمیہ کے لیے اپنے دور میں ایک بے مثال عطیۂ ربانی تھی۔

حضرتِ والا کی اسی علمی اور عرفانی جامعیت کی جامع ترین تعریف، اویسی النسبت بزرگ حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ قدیم استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند نے یہ فرمائی تھی کہ:

(۱) مظلوم شخصیت ج۲ ص۱۱-۱۴

''مولانا محمد طیب صاحبؒ میں حق تعالیٰ نے تمام اکابر دارالعلوم دیو بند کی علمی اور جملہ عرفانی نسبتی امتیازات وخصوصیات کو یکجا جمع فرمادیا ہے، ذالك فضل الله يؤتيه من يشآء.'' (۱)

دین کی صحیح فہم اور دین کے حقیقی مآخذ ومراجع کی تعیین وتفصیل بیان کرتے ہوئے ایک جگہ رقم طراز ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی کتب وصحائف اس عظیم جامعیتِ علم کی حامل ہوتی ہیں کہ جن کی عبارت، اشارت، دلالت اور اقتضاء سے بے شمار علوم وحقائق نکالے جاسکتے ہیں اور نکالے جاتے ہیں، لیکن ان میں حقیقی مرادِ خداوندی ایک ہی ہوتی ہے اور اُس مرادِ معین کا یقینی وسیلہ صرف نبیٔ وقت ہی کو بنایا جاتا ہے، ان کی توضیح سے صرفِ نظر کر کے اگر کوئی مرادِ شخصی لی جائے گی تو وہ بر سبیل احتمال کلامِ منزل پر مراداً منطبق تو کی جاسکتی ہے لیکن قطعی اور یقینی طور پر اس کا متکلم حقیقی کی مراد ہونا ضروری نہیں ہوگا۔ پس نتیجتاً اس غیر مراد حقیقی پر عمل نہ ذریعہ مقبولیت بن سکتا ہے اور نہ وسیلۂ نجات۔

پھر یہ خود ساختہ مرحلہ معنی ومراد کی تولید چوں کہ انسانی عقل وعلم سے ہوتی ہے اس لیے لازمی طور پر یہ وہ مرحلے غیر اطمینان بخش ہونے کے ساتھ اعتراضات، شبہات، سوالات اور تلبیسات کے محور بن کر اس عقیدہ ویقین کو متیقن کے بجائے محتمل بنا کر ختم بھی کر رہی ہے کہ جس کی وہ منزل من اللہ ہونے کی وجہ سے حتمی طور پر حقدار ہوتی ہے۔

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اس دین منزل کے غیر مرادی معنی وضع کرنے والے تجربتاً دو طبقوں میں منقسم ہوجاتے ہیں، ایک وہ کہ جن کا عقیدہ واعتماد کتاب پر رہتا ہے لیکن پیغمبر وقت سے وہ اپنی کج روی کی وجہ سے انحراف کر کے کفر وشرک کے قعر مذلت میں جا گرتا ہے، اور دوسرا طبقہ ذاتِ نبوت کو مرکز عقیدہ واعتماد مان کر کتاب سے یکسر بے علاقہ ہوکر بدعات ومحدثات کا شکار ہوجاتا ہے، اور اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ یہ دونوں حق اور حقیقت سے دور طبقے صرف علم اور اہل علم سے بے اعتنائی اور ان سے لاتعلقی کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں، اور اس راہِ ناصواب سے تحفظ کی راہ صرف علمی، اعتقادی اور عملی اعتدال ہی میں مضمر ہے جو صرف علمائے صالحین سے ارتباط کے بغیر عمومی طور پر ممکن نہیں ہوتا۔

اسلام نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو مصدرِ دین قرار دیکر ان میں سے کسی ایک کو پکڑنے اور دوسرے کو ترک کرنے کی راہ ہمیشہ کے لیے بند کر کے تمام مفاسد کا قطعی سد باب کر دیا ہے۔'' (۲)

حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ کی ایک کتاب ''عالمی مذہب'' کے عنوان پر ہے۔ اس پر تعارفی تحریر

---

(۱) مظلوم شخصیت ج ۱ ص ۴۲-۴۳　　(۲) ایضاً، ج ۱ ص ۴۳-۴۵

ارقام فرماتے ہوئے حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ نے ان چند سطور میں اس کتاب کے ماحصل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ''عالمگیریت'' کے موضوع پر اپنی رائے بھی واضح طور پر سپردِ قلم فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

''آج کے تیز رَو تمدن نے بین الاقوامیت کے تصور کو فکری فلسفہ کی حدود سے نکال کر محسوسات ومشاہدات کے زمرہ میں اس طرح داخل کر دیا ہے کہ آج ایک سمجھدار بچہ بھی جب اپنے شہر میں ہزاروں میل دور سمندر پار سے آنے والی کرکٹ اور ہاکی کی ٹیموں کو دیکھتا ہے اور مشرق ومغرب کے میچوں اور بین الاقوامی نمائشوں کی رودادیں سنتا ہے، تو اس کا وہ ذہن جو ابھی تک جغرافیائی حدبندیوں سے بالا ہے اور سیاسی غرض مندیوں سے بے نیاز ہے، بے شعوری کے باوجود یہی باور کرتا ہے کہ سارے انسانوں کا نفع ونقصان مشترک ہے، انکے ظاہر و باطن کے تقاضے یکساں ہیں اور انکے فطری عوامل میں مکمل ہم آہنگی ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے اور حقیقت کو حقیقت نہ کہنا حقیقت ناشناسی ہے۔''(۱)

تصنیفات وتالیفاتِ حکیم الاسلامؒ کی ترتیبِ جدید اور تصحیح کے وقت احقر نے جب اس کتاب (عالمی مذہب) کو پڑھا تو اس سے جو تأثر ذہن پر ابھرا اور تقریباً ساٹھ سال پرانی اس تحریر سے حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ کی دور اندیش نظر وفکر کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے قلم سے جو حروف ونقوش صفحاتِ قرطاس پر بکھرے، دِل چاہتا ہے کہ قارئین حضرات کی نذر کرتا چلوں، یہ چوں کہ عصر حاضر کا ایک زندہ موضوع ہے، اس لیے امید ہے کہ یہ سطور فائدے سے خالی نہ ہوں گی۔

''آج کے زمانے میں عالم گیریت ''گلوبلائزیشن'' بحث کا ایک اہم موضوع ہے، اور ہر اس چیز کی مانگ اور مقبولیت بڑھتی جارہی ہے جو ہر ملک، ہر علاقے، ہر معاشرے، ہر قوم، ہر نسل اور ہر خطے کو یکساں طور پر موافق آسکے، متاثر کر سکے اور سب کو ساتھ لے کر چل سکے۔ بہت سے مذاہب، ملل واقوام اور تہذیبیں جو اپنے اندر جامعیت اور عالمیت نہیں رکھتیں، زمانہ کی اس ضرورت ومطالبہ سے عہدہ برآں نہیں ہوسکیں، اور کچھ لوگوں کو تو گلوبلائزیشن ہی میں خامی اور نامعقولیت نظر آنے لگی اور وہ اس کی مخالفت پر کمربستہ نظر آتے ہیں۔ جبکہ گلوبلائزیشن ایک صفت ہے جو ہر اُس چیز کے ساتھ جڑ سکتی ہے جس کے اندر عالم گیریت اور کرۂ ارض پر چھا جانے کی قابلیت ہو۔

اب یہ قوم وفرد کے اوپر ہے کہ وہ کس چیز کو دنیائے انسانی کے لیے عام کرتا ہے۔ اگر اس موقع اور صفت کو اچھے کام کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ کسی نعمتِ عظمیٰ سے کم نہیں، اور اگر اسے کسی منفی جذبے اور مہلکِ انسانیت چیز کے لیے استعمال کیا جائے تو اس صورت میں اس صفت کے قبیح ہونے میں کوئی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ لیکن اہل اسلام اگر اس موقع کا صحیح استعمال کریں تو اسلام کے

(۱) مقدمہ عالمی مذہب، شامل در مجموعہ ''تشریحاتِ حکیم الاسلام ص ۳۱''

ابدی پیغام کو بنی نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد، دنیا کے ہر خطے اور ہر قوم وملک میں جس آسانی سے پہنچایا جاسکتا ہے اُسے خدا تعالیٰ کی ایک بیش بہا نعمت اور بنی آدم کے حق میں آوازِ حق کی تبلیغ کے سلسلہ میں اتمامِ حجت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔گلوبلائزیشن کے اس دور میں اگر آلاتِ ترسیل وابلاغ سے معتد بہ فائدہ اٹھایا جائے تو پیغامِ ہدایت ہر انسان کے کانوں میں پہنچ سکتا ہے،اور جو ارواح سعید ہیں ان کیلیے کفر کے اندھیروں سے باہر آنے میں یہ چیز معین ومددگار ثابت ہوسکتی ہے۔

گلوبلائزیشن سے ڈرنے کی ضرورت اس مذہب وملت کو ہے جو کسی قوم، خطے، علاقے، نسل، ملک اور زمانے کے ساتھ محدود ہو اور اس کے اندر عالمیت کی شان نہ ہو۔اسلام ایسی تمام حدود وقیود سے پاک اور بری ہے۔وہ پوری دنیائے انسانیت کے لیے خالقِ کائنات کی طرف سے ایک ابدی قانون ہے، عالمگیریت اس کے لیے نہ صرف یہ کہ کسی طرح مضر نہیں بلکہ اس کی شان کے عین مطابق ہے،اور اسلام دنیا میں آیا ہی ہے چھا جانے اور غالب آجانے کے لیے۔

اس لیے کم از کم اہل اسلام کو نفسِ گلوبلائزیشن سے خائف ہونے کی ضرورت نہیں،ضرورت ہے تو اس بات کی کہ جس ہتھیار وآلہ کو معاند اقوام اسلامی تہذیب کے خلاف استعمال کررہی ہیں،اسی ہتھیار اور آلہ کو ہمیں اس کذب وافترا کا پردہ چاک کرنے اور صحیح الٰہی تعلیمات واحکام کو انسانی دنیا کے سامنے لانے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔میری مراد پرنٹڈ اور الیکٹرونک میڈیا سے ہے۔

حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ نے پچاس سال قبل زمانے کی اس رفتار کو بھانپ لیا اور اپنی خداداد قابلیت،نورِ باطنی اور ایمانی فراست سے دنیا کے سامنے ایک ایسے مرکزی نقطہ کی نشان دہی کی جو آج پچاس سال بعد ہی نہیں بلکہ آنے والے تمام زمانوں میں بھی گلوبلائزیشن کی تمام ضرورتوں کا ضامن ومتکفل اور ہر طرح کی ذمہ داریوں اور پیش آمدہ مسائل وحوادث سے نبرد آزما اور عہدہ برآ ہونے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔''(۱)

فرقہ واریت کی مذمت اور اس کے مسموم اثرات کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ نے اس کی برائیوں اور مہلک انجام کی نشاندہی کی ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہندوستان کی طبقاتی کشمکش اور سماجی ناہمواریوں پر آپ کی گہری نظر تھی، آپ جانتے تھے کہ ہندوستان جیسے متعدد مذاہب اور مشترک روایات والے ملک میں سماج کو اس لعنت سے پاک رکھ کر ہی امن وامان قائم رہ سکتا ہے اور امن وامان ہی میں ہر طرح کی ترقیات وفتوحات مضمر ہیں۔حضرت خطیب الاسلام کی یہ تحریر نصف صدی پرانی ہے۔قربان جایئے حضرت حکیم الاسلام اور ان کے خلفِ صادق حضرت خطیب الاسلام

(۱) سطورِ اولین ''تشریحاتِ حکیم الاسلام ص ۲۶-۲۸''

رحمہم اللہ تعالیٰ کے، کہ ان کی دور اندیش نظروں حالات کی نزاکت کو اپنی فراستِ ایمانی سے بھانپ لیا اور اس کے بارے میں اسلام کے موقف کو واضح کر کے اقوامِ عالم کے سامنے پیش کیا۔ کیوں کہ آج ہندوستان میں اسی فرقہ واریت کے عفریت کا بول بالا ہے، ہجومی تشدد ایک خوفناک اور غیر یقینی صورتِ حال اختیار کر چکا ہے، جس سے امن وامان تو کجا جان ہی کے لالے پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب اہل ایمان اور مظلومین کی اس سے حفاظت فرمائے، آمین۔ حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''فرقہ واریت'' اگرچہ دورِ حاضر کا ایک نعرہ اور ایک اصطلاح ضرور ہے، لیکن اس کے دامن میں پرورش پانے والے مہلک افکار اور ناپاک جذبات نئے نہیں ہیں اور اقوام وملل کے صفحاتِ تاریخ میں بکھری ہوئی ہلاکت آفرینیاں بالعموم اسی جذبۂ برتری وتفوّق کا ہولناک نتیجہ ہیں۔

کیوں کہ جس طرح انفرادی زندگی میں ''انانیت'' تمام اخلاقی عیوب بغض، حسد، عناد، رشک، زور آوری اور جاہ طلبی وغیرہ کا سرچشمہ ہوتی ہے، بعینہ اسی طرح یہی ''انانیت'' جب اجتماعی زندگی میں داخل ہوتی ہے تو ''فرقہ واریت'' کا روپ دھارن کر کے ایک خاندان کو دوسرے خاندان سے، ایک نسل کو دوسری نسل سے، ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ سے، ایک وطن کو دوسرے وطن سے، ایک تہذیب وتمدن کو دوسرے تہذیب وتمدن سے اور ایک معاشرت کو دوسری معاشرت سے ٹکرادیتی ہے، جس کا عنوان جوش آفریں ہوتا ہے مگر نتیجہ ہوش ربا! اس سانپ کی رنگارنگیاں نظر فریب ضرور ہوتی ہیں لیکن زہر آمیز۔

آج کے ہندوستان میں ایک طبقہ اپنی ناعاقبت اندیشی سے اسی سانپ سے کھیل رہا ہے، لیکن اگر یہ کھیل صرف سیاست کے اسٹیج پر کھیلا جاتا تو اس لغویت سے صرفِ نظر کر کے گذر جانا ممکن تھا، لیکن افسوس ہے کہ ان تمام پست فکریوں اور کمینگیوں کا مظاہرہ مذہب کے نام پر ہو رہا ہے جس کا ایک قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ اس دور کے مذہب ناآشنا مفکر مذاہب ہی کو شر وفساد کا سرچشمہ سمجھنے لگے اور ایک عالمگیر مذہب ہونے کے باوجود ''اسلام'' کو بھی اسی خسیس معیار پر پرکھا جانے لگا، اس لیے ضرورت پیدا ہوئی کہ اس تاریخی غلط فہمی کو دور کر کے اسلام کے ہمہ گیر اور فطری نقطۂ نظر کو بوضاحت سامنے لایا جائے اور بتلایا جائے کہ نسلی، مالی، قانونی، قبائلی، وطنی، سیاسی اور تنظیمی خودساختہ حد بندیوں اور فرقہ واریتوں کو توڑ کر سب سے پہلے اسلام ہی نے دنیا کے سامنے انسانی اخوت اور بین الاقوامیت کا فلسفہ پیش کیا۔'' (۱)

نسب اور کفاءت کے حساس ونازک مسئلہ کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

''نسب کے بارے میں اسلام نے اپنی اصل اور اساس کو برقرار رکھتے ہوئے اس کو انسانی فکر

(۱) مقدمہ اسلام اور فرقہ واریت، شامل در مجموعہ ''تشریحاتِ حکیم الاسلام ص ۳۵۵-۳۵۶''

وذہن کے سپرد نہیں کیا بلکہ اپنی معقول ہمہ گیری کے تحت فکروذہن کی بھی رعایت ملحوظ رکھی ہے اور انسانی عظمتوں کی بھی پوری پوری پاسداری فرمائی ہے۔

مسئلہ کفاءت میں معاشرہ کی ستودہ روایات کو باقی رکھنے میں فکروذہن کو اگر اس کا حق دیا گیا ہے تو انسانی تکریم وعظمت کی اصل بنیاد صالح کردار اور خوفِ خدا کو قرار دے کر پستی وبلندی کے انسانوں کے خودساختہ معیار کو بھی توڑا گیا ہے۔ اسلام میں نسب کو تفاخر کا وسیلہ نہیں قرار دیا گیا بلکہ تعارف کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ پھر پیشوں کے ذریعہ نسبوں کا تعین نہ عربی مزاج ہے اور نہ اسلامی اساس، بلکہ یہ خصوصیاتِ عجم میں سے ہے اور جیسا کہ مرزوبوم کی خصوصیات سے غیر شعوری تأثر پذیری کی وجہ سے عجمی مسلمانوں میں بہت سی چیزیں غیر اسلامی ہونے کے باوجود رواج پذیر ہوگئی ہیں، انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان میں بھی پیشوں کی وجہ سے نسب بننے لگے اور نہ صرف یہ بلکہ ان مفروضہ انساب میں برتری اور کمتری کے جراثیم بھی پرورش پانے لگے۔

ظاہر ہے کہ اس اندازِ فکر ونظر کو اس دین سے کوئی قرب نہیں ہوسکتا جو اپنے ماننے والوں ہی کے درمیان نہیں بلکہ رشتۂ اخوت کے ذریعہ پورے عالم انسانی کے ایک ہوجانے کا داعی بن کر آیا ہے۔"(۱)

کس کو معلوم تھا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب ایک واضح حقیقت کے اظہار اور اس کی تائید وتصدیق سے بھی اہل علم کی زبانیں گنگ ہوجائیں گی، گزشتہ سال ایک ایسا ہی مرحلہ آیا جب ہندوستان کے ایک مسلم سیاسی لیڈر نے "گھر واپسی" کے بیان اور تحریک چلانے پر یہ کہہ دیا کہ ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے، اس لیے صحیح معنوں میں گھر واپسی یہ ہے کہ اُسے اسی دین فطرت کی طرف مراجعت کرنی چاہیے اور وہ دین فطرت یقیناً اسلام ہے۔ چشم فلک نے دیکھا کہ اس مسلم سیاسی رہنما کی آواز صدا بہ صحرا ہوکر رہ گئی، کچھ ناواقف لوگ اسے جھٹلایا کئے، مگر قربان جایئے ہمارے "مصلحت پسند علمائے دین" کے کہ انھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وضاحت وتائید کی قطعاً ضرورت نہ سمجھی۔ اسی انسانی فطرت اور مذہبِ اسلام کے دین فطرت ہونے کی حکیمانہ تشریح کرتے ہوئے حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"فطرت سب سے بڑی معلم ہے اور اس کا یہ درس خارجی اسباب کا محتاج نہیں ہے، لیکن گردوپیش کا غیر فطری ماحول اس کو آلودہ ضرور کرسکتا ہے۔ لسانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت پر گواہی دیتے ہوئے فرمایا کہ: ہر مولود فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے، لیکن اس کے ماں باپ اس کو فطرت سے برگشتہ کرکے یہودیت یا نصرانیت کی طرف مائل کردیتے ہیں۔

(۱) مقدمہ نسب اور اسلام، شامل در مجموعہ "تحقیقاتِ حکیم الاسلام ص ۵۶۵"

اسلام کے بارے میں دین فطرت ہونے کا دعویٰ ایک حقیقت پسندانہ دعویٰ ہے، جس کی مختصر تشریح کے لیے صرف اتنی بات کہہ دینا کافی ہے کہ مزاجِ بشری سے ابھرنے والے ہر جذبۂ خیر وشر کا اسلام نے ایک صحیح محل اور بہترین مصرف مقرر کیا ہے، نہ وہ مطلق العنانی کا قائل ہے اور نہ خلافِ فطرت کسی جذبہ کو پامال کردینے کا حامی، اور اس کی یہ اعتدال پسندی جس طرح عبادات میں کارفرما نظر آتی ہے، اسی طرح معاملاتِ باہمی اور تعزیراتِ ضروری میں بھی حدِ اعتدال سے بال برابر تجاوز نہیں کرتی۔ اس غیر متعصّبانہ دعویٰ پر تعلیماتِ اسلام کا ہر طالب علم ہر ہر گوشۂ حیات پر اس کی تعلیمات کو منطبق کر کے صالح فکر کی رہنمائی میں اس کا عینی شاہد بن سکتا ہے۔''(۱)

''تمام عالمِ انسانی کو مخاطب بنانے والے کسی نظام کی صداقت و واقعیت کی حقیقی اور واحد بنیاد اس کے سوا دوسری نہیں ہوسکتی کہ وہ ہمہ گیر فطرتِ انسانی کے ساتھ مکمل مطابقت رکھتا ہو۔

ارشادِ خداوندی ہے: فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ.

ترجمہ: اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو، جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو بدلنا نہ چاہیے۔

کے تحت فطرتِ انسانی، منصوص طور پر ایک نا قابلِ تبدیل اور نا قابلِ تغیر وہ اصل ہے کہ جس کے وجودِ انسانی میں متولّد ہونے والے بے شمار دواعی وجذبات، حرکات وسکنات اور اقوال وافعال وغیرہ نہ صرف ہر آن تغیر پذیر ہی ہیں، بلکہ اشرف المخلوقات ہونے کے منصبِ عظیم پر انسان کا فائز ہونا بھی انہی تغیرات پر دائر وسائر ہے۔

پس فطرتِ انسانی کا مخلوق ہونے کے باوجود جس طرح غیر متغیر ہونا، حق تعالیٰ شانہٗ کی ذاتِ قدیم وواجب الوجود کے غیر متغیر ہونے کو نا قابلِ انکار بنا دیتا ہے، اسی طرح فطرتِ انسانی سے کائناتِ بدن میں ہونے والے بے شمار تغیرات، اللہ رب العزت کی پیدا کردہ اس کائناتِ عالم میں لامتناہی مخلوقات کے تغیرات کو سمجھنے کے لیے کسی دلیل کا محتاج نہیں رہنے دیتے۔ لہٰذا غیر متغیر ذاتِ خداوندی کا مختلف حیثیات سے اپنی لامحدود تغیر پذیر مخلوقات کو دروبست اپنے احاطہ قدرت میں رکھنا، منطقی طور پر اس حقیقت کو بے غبار بنا دیتا ہے کہ انسانیت کے لیے کامل ومکمل نظام صرف وہی ہوسکتا ہے کہ جو انسان کی ذات میں اس کی فطرتِ غیر متغیر سے پیدا ہونے والے مختلف الانواع تغیرات پر دَروبست محیط ہو، اور ظاہر ہے کہ ایسا نظام کامل انسان کی محدود عقل تخلیق نہیں کرسکتی، بلکہ اس نظام وقانون کا مقنّن، انسان کے خالق کے علاوہ کوئی دوسرا قطعاً نہیں ہوسکتا۔

اس لیے بلا خوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ اللہ کا آخری دین ''اسلام'' غیر متغیر فطرتِ انسانی کی

(۱) مقدمہ عالمی مذہب، شامل در مجموعہ ''تشریحاتِ حکیم الاسلام ص ۳۱''

مطابقت کے ساتھ انسان کے تمام تغیر پذیر احوال و کیفیات پر محیط ہونے کے لحاظ سے وہ منفرد، یکتا اور کامل ترین نظام ہے کہ ادیان و مذاہب اور افکار و نظریات کا کوئی نظام، نہ کبھی اس کا ہم قدم بن سکا ہے اور نہ کبھی بن سکے گا۔''(۱)

جنسی مساوات اور انسانی عظمت و تکریم کی اصل روح اور اساس کو اسلام ہی نے باقی رکھا ہے، دوسرے ادیان و مذاہب اور تہذیبیں و تحریکیں ہزار دعوے کریں لیکن وہ حقوقِ انسانی کی پاسداری میں اسلام کا کبھی مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اسی حساس موضوع پر لکھتے ہوئے حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''واقعہ یہ ہے کہ اہل مغرب کی خیرہ چشمی ہمیشہ انہیں مسائل کی سطح میں الجھا کر رکھ دیتی ہے۔ انسانی زندگی کے ہر مسئلے میں انہوں نے اسی وجہ سے ٹھوکریں کھائی ہیں اور کھا رہے ہیں۔ مساواتِ انسانی کے بارہ میں بھی وہ چند در چند غلط فہمیوں اور مفروضوں کا شکار ہیں اسی کے تحت وہ مرد و عورت کے باہمی علائق کے بارہ میں صراطِ مستقیم سے محروم ہیں، جو عائلی زندگی میں امن و سکون اور عافیت و راحت کی ضامن ہے اور اس کے نتیجے میں وہ طلاق و نکاح کے متعلق اسلام کے حقیقت پسندانہ مطابقِ عقل نظریے اور عارفانہ طرزِ عمل کو نہ صرف یہ کہ سمجھ نہیں سکے بلکہ اپنی کج فہمی کی بنا پر اسے بجائے خود ہدفِ تنقید بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے مساواتِ انسانی کی اصل اور اساس کو برقرار رکھتے ہوئے معاشرہ کی بھی پاسداری ملحوظ رکھی ہے اور اپنی معقول ہمہ گیری کے تحت فکر و ذہن کی رعایت بھی اس کے پیش نظر ہے۔

بنی آدم کی ہر دو جنس کے قدرتی اور طبعی فرق کو جس نزاکت و مصلحت کے تحت اسلام نے برقرار رکھا ہے اور انسانی تکریم و عظمت کی اصل و اساس کو جس طرح عملی احکام و مسائل میں سمویا وہ اہل نظر اور اربابِ بصیرت کے نزدیک اس کا ثبوت ہے کہ انسانی مشاغل کی گرہ کشائی اس قدر حکیمانہ انداز اور مصلحانہ امتزاج میں صرف الہام ربانی اور شریعتِ الٰہی کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔''(۲)

اس کائنات میں نعمت و مصیبت کا جو ظاہری و باطنی نظام جاری و ساری ہے اس کی حقیقی اور اصل حکمتیں تو اس کائنات اور جمیع خلائق کا خالق و مالک اور مربی و نگہبان ہی جانتا ہے، لیکن دین و شریعت کی روشنی میں اس کے جو ظاہری و باطنی اسباب علم و ادراک میں آ سکے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ کی یہ بڑی ہی عجیب و غریب، نادر، فقید المثال، قابل مطالعہ اور وقیع تصنیف ہے ''فلسفۂ نعمت و مصیبت''۔ اسی کتاب کے مقدمہ اور تعارفی تحریر میں حضرت خطیب الاسلامؒ اپنے گوہر بار قلم سے ارقام فرماتے ہیں:

(۱) مقدمہ دینی دعوت کے قرآنی اصول، شامل در مجموعہ ''توضیحاتِ حکیم الاسلام ص ۹۹-۱۰۰''

(۲) مقدمہ مسئلۂ نکاح و طلاق عقل و شرع کی روشنی میں، شامل در مجموعہ ''کمالاتِ حکیم الاسلام ص ۱۴۱''

''انبیاء ورسل ہی نہیں عقل ودانش کی رہبری پر ہر منزل میں یقین رکھنے والے بھی کائنات کی مختلف عناصر سے ترکیب کو بذاتِ خود اس کی فنا واختتام کے لیے ایک واضح علامت اور ایک آشکار دلیل قرار دیتے ہیں۔ مرکب اپنے وجود میں ترکیب کا محتاج اور ترکیب اپنے وجود میں اجزاء وعناصر کی ضرورت مند ہے اور یہ محتاجگی وضرورت مندی ہی اس کی دلیل ہے کہ جب تک یہ ضرورت پوری ہوتی رہے تو مرکب موجود اور نہ پوری ہو تو معدوم کالمعدوم۔

موجوداتِ مرکبہ پر ایک عدم تو وہ آتا ہے کہ جس میں انکی ترکیب ہی ختم ہو جاتی ہے جو ان کے وجود کا سببِ اصلی تھا اور کبھی کبھی ان مرکبات کی ترکیب میں اضمحلال اور ضعف کے ذریعہ صفاتی عدم لایا جاتا ہے، اس صفاتی عدم سے وہ فنا تو نہیں ہوتے لیکن ان کا وجود نقصان کا شکار ضرور ہو جاتا ہے۔

سربراہِ کائنات انسان کے مصائب وتکالیف کا سرچشمہ یہی صفاتی نقصان ہے کہ جو اسکو اس حقیقت کے سمجھنے کیلئے بطور دلیل دیا جاتا ہے کہ جس طرح یہ انسان دیگر موجودات کو ان کی ترکیب کی وجہ سے اپنے علم ونظر کے ذریعہ فانی سمجھے، اسی طرح خود اپنی ترکیب میں صفاتی نقصانات سے اپنی محتاجگی کا قرارِ واقعی ادراک بھی کرتا رہے کہ رازِ بندگی اور سرِّ عبدیت اسی ادراک میں نہاں ہے۔

اسی لیے مصائب وآلام کو آزمائش سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسا کہ نعمت بھی ایک آزمائش ہے اور انسانی زندگی انہی دو آزمائشوں میں دائر رکھی گئی ہے۔ لیکن مذہبِ فطرت اپنی تعلیمات میں مصائب ومشکلات کے حل کی بنیاد خود مادے میں تلاش کرنے کے لیے مامور نہیں کرتا بلکہ محلِ ادراک قلب کے ہونے کی وجہ سے حقیقتاً محلِ مصیبت قلب ہی ہے وہ اس کی صحت کی برقراری کے دو اصول تسلیم کرتا ہے، پہلا یہ کہ قلب کا علاقہ آلام ومصائب سے نہیں بلکہ خالقِ آلام ومصائب سے قائم رکھا جائے، دوسرے یہ کہ اس کا دفاع اسباب میں نہیں بلکہ مسبّب الاسباب کی جانب رجوع میں تلاش کیا جائے۔ ان دونوں بنیادوں پر اگر ان آلام ومصائب کا جائزہ لیا جائے جو مقبولانِ بارگاہِ حمدیت آتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ مصائب سے ان کے ظاہر اور قوالب پر تاثر ضرور ہوا، لیکن باطن اور قلب کو یہ حضرات چوں کہ حقائق کے ادراک کا محل بنائے رہتے ہیں، اس لیے اس پر شدتِ مصائب میں بھی کسی تاثر کا نشان نہیں ملتا۔ اسی لیے مادی مصائب اہل اللہ کے نزدیک جزع وفزع کی چیز نہیں ہوتے لیکن وہ معنوی مصیبت کہ جس سے ان کا ایمان اور قلب کی حقائق آگاہی متاثر ہونے لگے، ان کے نزدیک حقیقی مصیبت ہوتی ہے اور اسی سے پناہ طلبی میں ان کی زبانیں ہمیشہ تر رہتی ہیں۔

فاروقِ اعظمؓ فرمایا کرتے تھے: اگر تمہاری دنیا پر مصیبت آئے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ وہ تمہاری اپنی چیز ہے اور فانی کو تم اپنی مساعی سے باقی نہیں بنا سکتے، لیکن اگر اپنے دین پر

مصیبت آتے دیکھو تو یہ گھبرا اُٹھنے کی بات ہے اس لیے کہ یہ اس کی چیز ہے جو باقی ہے اور تمہارا معنوی وجود درحقیقت اسی سے وابستہ ہے اور تمہاری اپنی چیز نہیں ہے۔

بہر حال آج کے آلام و مصائب انسان کی مادیت میں غیر معمولی انہماک کا لازمی نتیجہ ہیں اور غلطی بالائے غلطی یہ ہے کہ ان کا دفاع بھی اسی مادیت سے کئے جانے کی سعی کی جارہی ہے کہ جو ان مصائب و آلام کا سرچشمہ ہے۔ نتیجتاً ایک مصیبت سے انسان چھٹکارا پاتا ہے تو اس کے دفاع کی مادی تدابیر بذات خود ایک الم مستقل کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اور الم زدہ انسانیت ہر روز کسی نئے فتنہ کا شکار ہو رہی ہے۔'' (۱)

امتِ مسلمہ کی عنداللہ مقبولیت، اس پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور نظرِ عنایت، اس امت کی خصوصیات، ہر امت کی اپنے نبی سے وابستگی کے اثرات، ان کی تعلیمات پر عمل کے ثمرات کی وضاحت پر مشتمل یہ اشاراتی تحریر حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ کے عمیق مطالعہ کی داد دیئے بغیر نہیں رہنے دیتی۔ ملاحظہ فرمائیے کہ اس مختصر سی تحریر میں کس بلا کی جامعیت ہے۔ فرماتے ہیں:

''وحدتِ فکر و نظر اور وحدتِ عقیدہ و خیال نے اپنے طبعی خاصہ کے طور پر وابستگانِ توحید کو وہ باہمی اتحاد بخشا جو خود ساختہ ضوابط اور من گھڑت طریقۂ زندگی سے کسی حال میں متوقع نہیں ہوسکتا، لیکن یہ توحیدی نقطۂ اتحاد بجائے خود باقی نہیں رہ سکتا تھا اگر اس کے ساتھ پرسکون و باوقار ایسا اخلاقی ضابطۂ اخلاق نہ دیا جاتا کہ جو خورد و کلاں، عورت و مرد، جوان اور بوڑھے، شوہر اور بیوی، اولاد اور ماں باپ، اعزہ و اقرباء وغیرہ وغیرہ کے درمیان جاری تعلقات اور خالق و مخلوق، امت و پیغمبر، اربابِ تقویٰ اور عوام کے درمیان روحانی تعلقات کی فطری حدود متعین نہ کر دیتا۔

اور پھر فطرت ہی اس کی بھی متقاضی تھی کہ ان تمام مادی اور روحانی علائق کے قیام کے لیے ایک مثالی زندگی بھی سامنے ہو کہ الفاظ کی علمی حقیقت کو جامۂ عمل میں ملبوس کر کے علم و عمل کی ہر گنجلک کو دور کر دے۔ اسلام کے لیے کیسے ممکن تھا کہ وہ اس داعیۂ فطرت سے صرفِ نظر کر لیتا، چناں چہ جہاں وہ اپنے ضابطہ کی علمی دفعات کو بصورت قرآن کریم لایا وہیں اس نے مثالی زندگی کے طور پر حیاتِ سرورِ عالم فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا کو مشرف ہونے کا موقعہ بھی مرحمت فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.

اس بہم آمیزی نے نہ صرف قرنِ اول بلکہ ہر بعد کے عصر میں پچھلے زمانہ کے مقابلہ پر علم و عمل کی ناقابل شمار کاوشوں کے وافر ذخیروں نے آنے والوں کی بھرپور رہبری کی اور قیامت تک کرتی رہیں گی، اس کے ساتھ یہ بھی ایک تجرباتی اصول ہے کہ امت کی ذہنیت اپنے نبی ہی کی ذہنیت کے مطابق پرورش پاتی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ کوئی امت جب نبی کے مقصودِ نبوت سے صرفِ نظر کر کے اور

(۱) مقدمہ فلسفۂ نعمت و مصیبت، شامل در مجموعہ ''کمالاتِ حکیم الاسلام ص ۴۷۵-۴۷۶''

اس کی پیدا کردہ اولوالعز مانہ ذہنیت کو وصول الی اللہ کے اصل و بنیادی مقصد سے ہٹا کر مادیت پسندی یا بالفاظِ دیگر ضلالت پر مرکوز کر دیتی ہے تو فکر ونظر کی تمام تر سربلندیاں اس ادنیٰ مقصد میں صرف ہو کر گمراہی کی ناقابل شمار ہیئتیں اور شکلیں پیدا کر دیتی ہیں اور اس وادی میں پھنس کر اصلی مقصد سے بعد بھی کبھی اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اس کی طرف لوٹنا بعض اوقات اگر ناممکن نہیں تو مشکل تو ضرور ہو جاتا ہے۔

نبیٔ رحمت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمان ورحیم کی جانب سے یہ ایک غیر فانی نعمت ہے کہ دنیا کی تغیر پذیری اور مادیت کی جدت طرازیوں کے بیکراں ہجوم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس مددِ عظیم کا وعدہ دے دیا گیا کہ آپ کی امتِ مرحومہ کے ایک طبقہ کو بالیقین اُسی راہِ ہدایت اور اسوۂ محمدی پر باقی رکھا جائے گا کہ جس کا حامل بنا کر آپ کو دنیا میں مبعوث فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

لاتزال طائفة من امتی منصورين علی الحق.

ہمیشہ ایک جماعت میری امت میں سے بمددِ خداوندی حق پر قائم رہے گی۔

اور آج ہدایت پسند نظروں کے لیے تاریخ اسلام کے زرّیں صفحات میں ان منصورین علی الحق کی تابناک فہرست بذاتِ خود دعوتِ ہدایت بنی ہوئی ہے اور وعدۂ صادقہ کی تکمیل کے طور پر قیامت تک یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہے گا۔ لیکن گذشتہ امتوں میں چوں کہ شریعت ایک محدود زمانہ تک کے لیے آتی رہی ہیں اس لیے نصرت کے اس دوامی وعدے کی ان کے لیے ضرورت بھی نہ تھی بلکہ ان کے لیے ضروری تھا کہ زمانہ مابعد میں آنے والے انبیاء کی اطاعت وپیروی کریں۔ اس ضابطہ کے تحت سوائے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والسلام کے باقی تمام اقوام وامم داخل ہیں۔‘‘(۱)

یہ ہیں کچھ علمی جواہر پارے اور تحریری نمونے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جانشین حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمہ اللہ تعالیٰ صرف بے مثال خطیب ومقرر ہی نہ تھے بلکہ ان کی تحریریں بھی عالمانہ اور محققانہ شان کی ہیں۔ ان کا قلم نہ صرف رواں دواں ہے بلکہ فکر وتحقیق، وسعتِ مطالعہ اور دقتِ نظری ان کی تحریروں میں صاف جھلکتی ہے۔ اس لیے ان کو صرف ’’خطیب الاسلام‘‘ ہی نہیں بلکہ ’’مفکر اسلام، ترجمانِ اسلام، شارحِ قرآن وحدیث، متکلم اسلام، محقق علوم اور علمائے دیوبند کی نمائندہ شخصیت‘‘ کہنا بالکل بجا ہے۔ وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے لیکن اپنی خدماتِ جلیلہ کے تابندہ نقوش چھوڑ گئے، جو رہتی دنیا تک ان شاء اللہ اسی طرح رہنمائی کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرتِ والا کو اپنے جوارِ رحمت میں خاص جگہ عنایت فرما کر اپنے قرب ورضا کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین

❖ ❖ ❖

(۱) مقدمہ اسلام اور مغربی تہذیب، شامل در مجموعہ ’’تجلیاتِ حکیم الاسلام ص ۳۲۵-۳۲۷‘‘

منظوم

خطیب الاسلامؒ

مولانا طارق بن ثاقب قاسمی ❖

نذر روح خطیب الاسلام عبقری الدہر، قطب دوراں، نازش علم وعرفاں استاذ ومرشدی
حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند)

صاحبو! نائبِ داور تھے خطیب الاسلام ☆ وارث ساقیٔ کوثر تھے خطیب الاسلام
دین و دنیا میں اُجاگر تھے خطیب الاسلام ☆ نور باطن سے منور تھے خطیب الاسلام
حسنِ اخلاق کے پیکر تھے خطیب الاسلام ☆ اپنے اسلاف کے جوہر تھے خطیب الاسلام
ایک آواز میں کہیئے کہ پئے فضل و کمال ☆ وقت کے اپنے سکندر تھے خطیب الاسلام
اپنے حسنات کی تقسیم میں فائز تھے بہت ☆ دست خیرات میں برتر تھے خطیب الاسلام
شعر گوئی میں ید طولیٰ تھا ان کو حاصل ☆ مایہ ناز سخنور تھے خطیب الاسلام
فطرتاً ان کو میسر تھی سلیم الطبعی ☆ اس لیے ضبط کے خوگر تھے خطیب الاسلام
جن کے قدموں کے نشانات ہیں منزل کا سراغ ☆ دین و ملّت کے وہ رہبر تھے خطیب الاسلام
روشنی جن کی زمانے میں بہر رنگ رہی ☆ ظلمتوں میں مہ و اختر تھے خطیب الاسلام
بحر توحید و رسالت کے شناور تھے وہ ☆ علم و عرفاں کے سمندر تھے خطیب الاسلام
جز اور کل کے دقائق پہ رہی ان کی نظر ☆ فائق الذہن نظرور تھے خطیب الاسلام
دیکھ کر جن کو خدا یاد یقیناً آئے ☆ زہد و تقویٰ کے وہ مظہر تھے خطیب الاسلام
اپنے اجداد کی نسبت سے وہ سرشار رہے ☆ عالی نسبی سے معطر تھے خطیب الاسلام
ان کی پرواز تھی نادیدہ حدوں تک جاری ☆ ژرف بینی کے وہ شہپر تھے خطیب الاسلام
تجھ کو حاصل رہی دریوزہ گری اے طارقؔ ☆ تو فقیرا تھا تونگر تھے خطیب الاسلام

خسروی شان اور شوکت کے نہج پر تھے وہ
کہکشاں رنگ خیالات کا منظر تھے وہ
ان کا مرقد رہے انوار سحر کا مرکز
رحمتوں کا ہر اک لمحہ گزر کا مرکز

❖ بانی ومہتمم معہد ترتیل القرآن، ملت نگر، اررریہ، بہار

لمحۂ المیہ وفکریہ

محمد ناظر قنوجی ❖

حضرت سالمؒ کی رحلت بے شبہ! بے قیل و قال:
سانحہ ہے انتہائی کربناک و پُر ملال
عالمِ اسلام کے تھے آپؒ شخصِ باوقار
آپؒ کی رحلت سے ہے دنیاءِ علمی سوگوار
با عنایت با کرم بافضلِ مولائے کریم
تھے ہمالہ علم کا اور آپؒ تھے فکرِ عظیم
انکساری، عاجزی کا ایک پیکر آپؒ تھے
اور علومِ باظاہر و باطن کے محور آپؒ تھے
آپؒ تھے علم و عمل کی گوناگوں وہ شخصیت
جس کی تھی ہر حال میں اک امتیازی حیثیت
بس! کہ اقلیمِ خطابت کے شہنشہ آپؒ تھے
آفتابِ خاندانِ قاسمیہؒ آپؒ تھے
بے شبہ تھے آپؒ وہ شخصِ عظیم المرتبت
عالمِ اسلام میں تھی جس کی قدر و منزلت
صدرِ نائب پرسنل لا بورڈ کے تھے، ذی وقار
مشوروں پر آپؒ کے تھا اعتماد و اعتبار
آپؒ کی گفتار میں تھا موجزن علمِ کلام
آپؒ کی رفتار میں تھا عاجزی کا اہتمام
آپؒ کو شرفِ تلمذ تھانویؒ سے تھا عطا
پھر شرف بیعت کا حاصل عبدِ قادر سے ہوا
پھر مجازِ بیعت و ارشاد طیبؒ سے ملا

عالمِ انسان کی اصلاح کا اک در کھلا
آپؒ تھے قاری طیبؒ کے حقیقی جانشین
عالمِ اسلام کے تھے عالمِ دیں دلنشیں
آپؒ کی رحلت یقیناً ہے بڑا اک سانحہ
علم کے اک عہدِ زریں کا ہوا ہے خاتمہ
آپؒ اسلاف و اکابر کی وراثت کے امین
آپؒ فکرِ قاسمیؒ کے ترجمانِ بہترین
آپؒ کا تھا درس علوم و معرفت سے ہم کنار
تھے مواعظ اور خطباتِ شریعت نور بار
آپؒ تھے قاری طیبؒ کی حسیں اک یادگار
آپؒ پر تھا ملتِ اسلامیہ کو اعتبار
آپؒ کو سننے کو ہوتے تھے بڑے اجلاسِ عام
مجلسوں میں آپؒ کا تھا میرِ مجلس کا مقام
آپؒ تھے اسلام کی شخصیتِ تاریخ ساز
مختلف جہتوں میں حاصل آپؒ کو تھا امتیاز
انتہائی دور اندیش و بلند افکار تھے
عزم و استقلال کا گویا کہ اک کہسار تھے
آپؒ کی ذاتِ گرامی شہرۂ آفاق تھی
''موتِ عالم، موتِ عالَم'' کی بصد مصداق تھی
آپؒ تھے دنیاءِ علم و معرفت کے تاجدار
ملتِ اسلامیہ کے ہر نفس تھے پاسدار
عالم ربانیہ کے آپؒ میں اوصاف تھے
عاملِ روحانیہ کے آپؒ میں اوصاف تھے
آپؒ کی ذاتِ گرامی میں تھی مقناطیست
آپؒ کی زریں خطابت میں تھی عالمگیریت
ملتِ اسلامیہ کے واسطے بیدار تھے

دیں مخالف سازشوں کے ردّ کا ہتھیار تھے
حجۃ الاسلامؒ کے سچے علم بردار تھے
کائنات بحرِ علمی کا دُرِّ شہوار تھے
خوش مزاج وخوش خصال وخوش کلام وخوش جمال
آپؒ کی فکر و نظر میں خوب تر تھا اعتدال
بے شبہ تحتِ قرآنی آیتِ ''اُدعُ اِلیٰ''
آپؒ نے ابلاغ دیں کی جہد کی حتی الوسع
''بَلِّغُوا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً'' کےاکمل نگہدار
عالمِ انسانیت کے آپؒ تھے اصلاح کار
آپؒ کو تفسیر قرآنی میں تھا حاصلِ کمال
بس کہ تشریحِ حدیثی میں تھے آپؒ اپنی مثال
آپؒ کو تدریس دیں کا ہر نفس احساس تھا
آپؒ نے دارالعلوم (وقف) کو قائم کیا
چشمۂ دارالعلوم (وقف) ہے اک شاہکار
تا قیامت جاری و ساری رکھے پروردگار
آپؒ تھے اک لالہ زارِ علم کے آبادکار
لالہ زارِ علم وہ اسلام کی جانِ بہار
جس سے مہکیں عالم اسلام کے شہر و دیار
جس سے جھومیں دینِ مصطفوی کے شجرِ سایہ دار
بالیقیں دارالعلوم (وقف) ہے وہ نور بار
نور میں جس کے نہائیں طالبِ دیں ذی وقار
آپؒ تھے اسلام کا وہ شجرِ طوبیٰ سایہ دار
عالِم اسلام کو تھا جس کے سائے میں قرار
آپؒ تصنیفات و تالیفات کا تھے شاہکار
آپؒ کے زورِ قلم کے ہیں جواہر تابدار
جاں نثارِ آیت قرآنیہ ''اِلَّا الْبَلٰغ''

دو دمانِ قاسمیؒ کے آپؒ تھے چشم و چراغ
اُسوۂ محبوبِ خالقؐ کا قرینہ آپؒ تھے
قاسمیؒ انگشتری کا اک نگینہ آپؒ تھے
اب نہیں حضرتؒ، مگر حضرتؒ کے ارشادات ہیں
واسطے اہل جہاں کے، اُن کے فرمودات ہیں
اُن کے خطاباتِ گرامی، اُن کے ملفوظات ہیں
ان کے رشحاتِ قلم کے اَنگنت صفحات ہیں
مشرق ومغرب کے مالک اے خدائے عز وجل
ملتِ اسلامیہ کو اُن کا دے نعم البدل
بطفیلِ مصطفیٰؐ اے خالق و ربِ جلیل
سالمیؒ پسماندگاں کو کر صبرِ جمیل
قلبِ ناظرؔ سے بصد اخلاص نکلے ہے دعا
جنت الفردوس سالمؒ کو عطا کر یاخدا

❖ ❖ ❖

تــــــــــمَّــــــــــت

اہداف ومقاصد

۱- حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ کی شخصیت اور ان کے علوم ومعارف پر بحث وتحقیق۔

۲- علوم قاسمیہ کی تسہیل وتشریح کے ساتھ، علوم قاسمیہ کی روشنی میں جدید علم کلام کی تدقیق وتدوین۔

۳- حجۃ الاسلامؒ کے علوم ومعارف کی ترتیب ودرجہ بندی جدید علمی وتحقیقی مناہج پر۔

۴- حجۃ الاسلامؒ کے افکار اور فکر دیوبند کا صحیح تعارف پیش کرنا۔

۵- حجۃ الاسلامؒ کی دینی بصیرت اور علمی عبقریت کا مبسوط جائزہ۔

۶- حجۃ الاسلامؒ کے بالاختصاص تلامذہ کا تعارف اور ان کے علمی امتیازات کا تحقیقی جائزہ۔

۷- عالم اسلام کی نظر میں حضرت حجۃ الاسلامؒ اور آپ کے علوم ومعارف کا تفوق وامتیاز- تحقیقی جائزہ۔

۸- اکابر علماء دیوبند کی علمی وتحقیقی کتابوں کی تشریح وتوضیح نیز بزبان عربی وانگلش ترجمہ۔

۹- اہم علمی نوادرات، مختلف موضوعات پر قدیم وجدید عربی کتب کے تراجم کی جدید طرز پر اشاعت۔

۱۰- اکابر دیوبند کی اہم علمی وتحقیقی کتابوں کی تسہیل وتشریح اور تلخیص تاکہ استفادہ کی راہ سہل ہوسکے۔

۱۱- شعبۂ بحث وتحقیق میں داخل فضلاء میں تحقیقی مزاج کی بیداری کے ساتھ اسلامی افکار ونظریات سے واقفیت اور ان سے متعلقہ اہم عناوین پر محاضرات کا انعقاد۔

۱۲- شعبہ کو تحقیق وتصنیف سے گہرا اختصاص اور مناسبت رکھنے والے اہل علم کی خدمات حاصل کرنے کے لئے اہم عناوین پر محاضرات کا انعقاد۔

۱۳- اہل علم واہل قلم کی معیاری نگارشات کی اشاعت کا باضابطہ اہتمام۔

۱۴- عصری اسلوب میں صحافت اور تحریر وتصنیف کی تربیت اور تدریب کا انتظام۔

15 عصر حاضر سے ہم آہنگ اہم علمی عناوین اور تراث سلف کے تحفظ واحیاء کے لئے سیمینار کا انعقاد۔

۱۶- شعبہ کی خدمات اور ادارہ کی تعلیمی سرگرمیاں انٹرنیٹ کی وساطت سے متعارف کرانے کا انتظام۔

إحياء تراث السلف
مجمع حجة الإسلام
- للبحث والتحقيق -

Ḥujjat al-Islām Academy
Al-jamia al-Islamia Darululoom Waqf, Deoband
Eidgah Road, P.O. Deoband-247554, Distt: Saharanpur U.P. India
Tel : + 91-1336-222352, Mob: + 91-9897076726
Website: www.dud.edu.in
Email: hujjatulislamacademy@dud.edu.in, hujjatulislamacademy2013@gmail.com

www.dud.edu.in ₹750
ISBN 9789384775100-0
00800
ḤUJJAT AL-ISLĀM ACADEMY